سورۃ النساء تا سورۃ الاعراف

مُرتّب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی

مسترشد خاص

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ

حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اول مکمل تفسیر عثمانی

تفسیر مظہری

تفسیر عزیزی

تفسیر ابن کثیر

معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ

معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ

تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

فہرست عنوانات

سورۃ النساء تا سورۃ الاعراف

☆☆☆☆

سُوْرَةُ النِّسَآء
تا
سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

سورۃ النسآء

سورۃ النساء مدینہ میں نازل ہوئی۔اور اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

جس نے خواب میں اس سورہ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی آخری عمر میں اس کے پاس ایک خوبصورت عورت ہوگی جو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ رکھے گی اور قوی حجت والا اور فصاحت میں اور بولنے میں بہت قوی ہوگا۔ ☆تعبیر الرؤیا ابن سیرین رحمہ اللہ ☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے

خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ

پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اُسی سے پیدا کیا

مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا

اُس کا جوڑا اور پھیلائے اُن دونوں سے بہت مرد

وَّ نِسَآءً ۚ

اور عورتیں

وحدتِ انسانیت کے تقاضے:

یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اول تو حضرت حوا کو ان کی بائیں پسلی سے نکالا، پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا، اور دنیا میں پھیلایا تو حقیقت میں تمام آدمی ایک جان اور ایک شخص سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے، مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری ضروری بات ہے، اس سے اشارہ ہو گیا دو مضمونوں کی طرف، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا خالق اور موجد ہے، دوسرے یہ کہ تمام آدمیوں کے لئے سبب وجود کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا، ایک ہی جان یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ ہمارا اصلی تعلق تو اللہ سے ہے کیونکہ علت تامہ اور اس کے معلول میں جس قدر تعلق اور قرب اور علاقہ احتیاج ہوتا ہے وہ کسی میں ممکن نہیں اس کے بعد وہ تعلق اور قرب ہے جو افراد انسانی میں باہم پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا سبب وجود اور مخلوق منہ بالکل شے واحد ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ اول تو ہمارے ذمہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت لازم ہونی چاہئے کہ وہ ہمارا خالق ہے اس کے بعد تمام مخلوقات میں خاص اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر ضروری ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے لئے مخلوق منہ اور سبب وجود ایک چیز کو مقرر فرمایا تو جو قرب اور جو اتحاد افراد انسانی میں باہم موجود ہے وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ حاصل نہیں، اسی وجہ سے شرعاً اور عقلاً آدمیوں میں باہم حسن سلوک ایسا ضروری اور بد سلوکی اس قدر مذموم ہے، جو اوروں کے ساتھ نہیں، جس کی تفصیل نصوص اور احکام شرعیہ میں برابر موجود ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔ قطعہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ... کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار ... دگر عضو ہا را نماند قرار

تو اس موقع میں حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت ظاہر فرما کر اپنی اطاعت کا حکم دیا اور بنی آدم کے اتحاد اصلی کو جتلا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ باہم ایک ہو کر رہو چنانچہ آیت کے آئندہ حصہ میں اس اشارہ کو ظاہر کر دیا۔

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے

اللہ تعالیٰ کا واسطہ:

خالق اور رب یعنی موجد اور مبقی ہونے کے علاوہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کے وجوب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ تم اس کا واسطہ دیکر آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق اور فوائد طلب کرتے ہو اور آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور ان پر اطمینان حاصل کرتے کراتے ہو یعنی اپنے باہمی معاملات اور حاجات عارضہ میں بھی اسی کا ذریعہ پکڑتے ہو مطلب یہ ہوا کہ وجود اور بقاہی میں احتیاج منحصر نہیں، بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اس کے محتاج ہو اس لئے اس کی اطاعت کا ضروری ہونا اور بھی محقق ہو گیا۔

قرابت کے حقوق:

اس کے بعد تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو، اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو۔ بنی نوع یعنی تمام افرا

انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آ چکا تھا، اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا۔ کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں، چنانچہ حدیث قدسی قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِىْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهٗ اورحدیث خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوِى الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَارَبِّ قَالَ فَذَاكِ اور حدیث اَلرَّحِمُ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ اورحدیث اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِىْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِىْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں تو اب نتیجہ یہ نکلا کہ معدن وجود اور منشائے وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے گی جیسے اقارب میں یا کسی موقع میں شدت احتیاج پائی جائے گی جیسے یتامیٰ اور مساکین وغیرہ تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائے گی۔ ان کے علاوہ جب حکم خداوندی بھی صاف آ گیا کہ ارحام کے حقوق کی رعایت اور حفاظت رکھو تو اب تو اس کی تاکید انتہا کو پہنچ گئی چنانچہ اس سورت میں اکثر احکام اسی تعلق عام اور دیگر تعلقات خاصہ کے متعلق مذکور ہیں گویا وہ احکام اس امر کلی کی جو کہ یہاں مذکور ہوا تفصیل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ آیتیں:

☆ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سورۂ نساء کی پانچ آیتیں مجھکو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
(۲) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
(۳) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ
(۴) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ
(۵) وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا یہ پانچ آیتیں ہوئیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾

بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے

اللہ تعالیٰ نگران ہے:

یعنی تمہارے تمام احوال و اعمال سے واقف ہے اس کے حکم کی متابعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ مستحق کے عذاب ہو گے اور تمہارے تعلقات ارحام اور ان کے مراتب اور ہر ایک کے مناسب اس کے حقوق کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے اس کے متعلق جو تم کو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

عورت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ) الخ کی تلاوت کی پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کیلئے دیا درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی الخ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

اور دے ڈالو یتیموں کو اُن کا مال اور بدل نہ لو

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ

بُرے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ اُن کے مال

اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال

یتیموں کے حقوق:

یعنی یتیم بچے جن کا کہ باپ مرگیا ہو ان کے متعلق ان کے ولی اور سر پرست کو یہ حکم ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دے اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی کسی اچھی چیز کو لیکر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز ان کے مال میں شامل نہ کر دے اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاوے، مثلاً ولی کو اجازت ہے کہ اپنا اور یتیم کا کھانا مشترک اور شامل رکھے مگر یہ ضرور ہے کہ یتیم کا نقصان نہ ہونے پائے یہ نہ ہو کہ اس شرکت کے بہانے سے یتیم کا مال کھا جاوے اور اپنا نفع کر لے کیونکہ یتیم کا مال کھانا سخت گناہ ہے، احکام متعلقہ ارحام میں یتیموں کے حکم کو شاید اس لئے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور مجبوری اور بیچارگی اور بیکسی کے باعث رعایت وحفاظت اور شفقت کا نہایت محتاج ہے اور اسی اہتمام کی وجہ سے تبدیل اور شرکت کے نقصان کی بھی کھول کر ممانعت فرمادی اور آئندہ متعدد آیات میں بھی یتیموں کے متعلق چند احکام ارشاد ہوئے جن سے اہتمام مذکور ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے، اور یہ تمام احکام اور تاکیدات جملہ یتیموں کے حق میں ہیں البتہ وہ یتیم جو قرابتدار ہیں ان کے بارہ میں تاکید میں زیادہ شدت ہوگی اور وہی شان نزول اور سبب رابط بین الآیات ہیں اور عادت وعرف کے بھی موافق ہیں کیونکہ یتیم بچہ کا ولی اکثر اس کا کوئی قریب ہی ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی
اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی
حق میں تو نکاح کر لو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں
وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ
دو دو تین تین چار چار

یتیم بچیوں کا تحفظ:

احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی کفالت میں ہوتی تھیں اور وہ لڑکی اس ولی کے مال اور باغ میں بوجہ قرابت باہمی شریک ہوتی تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اس کا جمال اور مال دونوں مرغوب ہوتے تو وہ ولی اس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا کیونکہ دوسرا شخص اس لڑکی کا حق مانگنے والا تو کوئی ہے نہیں اور کبھی یہ ہوتا کہ یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا۔ اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر لڑکی سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اولیا، کو ارشاد ہوا کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم یتیم لڑکیوں کی بابت انصاف نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو تم ان سے نکاح مت کرو بلکہ اور عورتیں جو تم کو مرغوب ہوں ان سے ایک چھوڑ چار تک کی تم کو اجازت ہے، قاعدۂ شریعت کے موافق ان سے نکاح کر لو تا کہ یتیم لڑکیوں کو بھی نقصان نہ پہنچے کیونکہ تم ان کے حقوق کے حامی رہو گے اور تم بھی کسی خرابی اور گناہ میں نہ پڑو جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لئے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اسکی تصریح ہے اور ائمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام امت کے لئے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے، فائدہ: یتیم لڑکیوں کے نکاح کی تیسری صورت یہ بھی حدیث میں ہے کہ جس یتیم لڑکی کی طرف صورت اور مال دونوں وجہ سے بے رغبتی ہوتی تھی تو اس کا نکاح ولی دوسری جگہ کر دیتا تھا مگر ظاہر ہے کہ اس آیت کو اس صورت سے تعلق نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حدیث عائشہؓ:

بخاری نے صحیح میں زہری کی روایت سے لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا فرمایا اس سے مراد وہ یتیمہ ہے جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہوتی تھی اور ولی اس کا محرم نہ ہوتا تھا جیسے چچا کا بیٹا، ولی یتیمہ کے حسن و مال کو دیکھ کر ریجھ جاتا تھا اور اس سے نکاح کر لینا چاہتا تھا مگر مہر مثل سے کم دینے کا ارادہ کرتا تھا آیت میں ایسے سرپرستوں کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکیوں سے بغیر تکمیل مہر کے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی گئی باقی دوسری عورتوں سے (ہر طور سے) نکاح کی اجازت دیدی گئی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا پھر لوگوں نے یتامیٰ سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو آیت ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ سے ﴿اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ تک نازل ہوئی اس میں اللہ نے کھول کر بیان کر دیا کہ اگر یتیمہ حسین اور مالدار ہوتی ہے تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر

اس کے درجہ کے موافق اس کو مہر نہیں دینا چاہتے اور جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ گری ہوئی ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کے طلب گار ہوتے ہیں پس جس طرح مال و حسن کی کمی کے وقت لوگ یتیمہ سے نکاح کرنے کے خواہش مند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا طلبگار نہ ہونا چاہئے ہاں اگر یتیمہ سے نکاح کا پورا پورا حق اور کامل ترین مہر (مثل) ادا کر دیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

صرف چار بیویاں

ہم کہتے ہیں کہ آیت کا نزول قیسؓ بن حارث کے متعلق ہوا بغوی نے لکھا ہے کہ قیسؓ بن حارث کی آٹھ بیویاں تھیں اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا چار کو طلاق دیدو اور چار کو رکھ لو۔ قیسؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان بیویوں سے جن کے اولاد نہیں ہوئی تھی کہ دیا تم جاؤ اور جن بیویوں کے اولاد ہوئی تھی ان سے کہہ دیا تم آؤ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیت کا بیان ہو گیا۔ آپ ہی اللہ کی مراد کو خوب سمجھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں چار سے زیادہ عورتوں سے (ایک زمانہ میں) نکاح جائز نہ ہونا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی وہ دس بیویاں بھی مسلمان ہو گئیں جو زمانہ جاہلیت میں ان کے نکاح میں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کو رہنے دو باقی کو چھوڑ دو۔ رواہ الشافعی واحمد والترمذی وابن ماجہ۔

حضرت نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو اس وقت میرے پاس پانچ بیویاں تھیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم دریافت کیا فرمایا ایک کو چھوڑ دو۔ چار کو روک لو میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا جو سب سے پرانی ساٹھ سال سے میری رفیق تھی مگر بانجھ تھی۔ رواہ الشافعی والبغوی فی شرح السنۃ صرف چار عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر اجماع ہو چکا ہے اجماع کے مقابلہ میں بعض لوگوں کا قول باطل ہے۔

نکاح سے پہلے دیکھنا:

پیام نکاح بھیجنے والے کے لئے نکاح سے پہلے مخطوبہ کے چہرے اور دونوں کف کو دیکھ لینا بالا جماع مسنون ہے۔ داود ظاہری نے تو مخطوبہ کے تمام بدن کو سوائے عورت غلیظہ کے نکاح سے پہلے دیکھنے کو جائز کہا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام بھجوائے تو اگر ایسی چیزوں کو دیکھ لینا ممکن ہو جو نکاح کی رغبت دلا رہی ہوں تو ایسا کرے (یعنی دیکھ لے) رواہ ابو داؤد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اس کو دیکھ لے یہ دیکھ لینا تم دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے لئے بہت مناسب ہے۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

مسئلہ: روافض نے نو عورتوں سے (ایک وقت میں) نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

خارجی اٹھارہ عورتوں سے (بیک وقت) نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔

داؤد ظاہریؒ اسی آیت فانکحوا ما طاب لکم سے استدلال کرتے ہوئے نکاح کو فرض عین کہتے ہیں بشرطیکہ جماع اور بیوی کے مصارف کی طاقت ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

نابالغ کے نکاح کا مسئلہ:

اس آیت میں یتامی سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، اور اصطلاح شرع میں یتیم اسی لڑکی یا لڑکے کو کہا جاتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو، اس لئے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یتیم لڑکی کے ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ بحالت صغرسنی بلوغ سے پہلے ہی اس کا نکاح کر دے، البتہ لڑکی کی مصلحت اور آئندہ فلاح و بہبود پیش نظر رہے، ایسا نہ ہو جیسے بہت سے برادریوں میں رائج ہے، کہ بڑی لڑکی کا نکاح چھوٹے بچے سے کر دیا، عمروں کا تناسب نہ دیکھا، یا لڑکے کے حالات و عادات کا جائزہ نہ لیا ویسے ہی نکاح کر دیا۔

اور وہ بالغ لڑکیاں جن کے باپ مر چکے ہیں، اگر چہ بالغ ہو جانے کی بناء پر خود مختار ہیں لیکن لڑکیاں شرم و حیاء کی بناء پر عادۃً بالغ ہونے کے بعد بھی اپنے نکاح کے معاملہ میں خود کچھ نہیں بولتیں، اولیاء اور وارث جو کچھ کر دیں اسی کو قبول کر لیتی ہیں، اس لئے ان کے اولیاء پر بھی لازم ہے کہ ان کی حق تلفی سے پرہیز کریں۔

بہر حال اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم مذکور ہے، مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر ڈالنے کی بجائے خود عوام کو خدا تعالیٰ کے خوف کا حوالہ دے کر حکم دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر یتیم لڑکیوں سے شادی کے خیال کو چھوڑ و، دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں، ان سے نکاح کرو۔

ساتھ ہی ذمہ داران حکومت کا بھی یہ فریضہ ہے، کہ اس کی نگرانی کریں، کسی جگہ حق تلفی ہوتی نظر آئے تو بزور قانون حقوق ادا کرائیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا
پھر اگر ڈرو کہ اُن میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کر دیا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ
لونڈی جو اپنا مال ہے

عدل کی شرط:

یعنی اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف لونڈیوں پر ایک ہو یا زیادہ بس کر دیا چاہو تو ایک منکوحہ کے ساتھ ایک یا چند لونڈیوں کو جمع کر لو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) یا باندیاں ہوں۔ مساوات حقوق جو منکوحہ (آزاد) عورتوں کے لئے لازم ہے وہ باندیوں کے لئے لازم نہیں نہ ان کی تعداد کی کوئی خاص حد مقرر ہے۔

نکاح کی حیثیت:

حق تلفی کے ڈر سے صرف ایک بیوی یا باندیوں پر اکتفاء کرنے کی ہدایت بتا رہی ہے کہ اگر بیویوں کے حقوق ادا کرنے کی طاقت ہو اور ان میں عدل کر سکتا ہو تو تعدد (نکاح افضل ہے۔ اور مغلوب الشہوت پر تو بالا جماع نکاح فرض ہے بشرطیکہ بیوی کا خرچ ادا کرنے کی طاقت ہو اور مغلوب الشہوت نہ ہونے کی صورت میں نکاح مسنون ہے بشرطیکہ ادائے حقوق میں کوتاہی کا اندیشہ نہ ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ جواناں تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کر لے اور استطاعت نہ ہو تو روزہ کا التزام کرے روزہ اس کے لئے خصی ہونا ہے۔ یعنی مغلوب الشہوت غیر مستطیع کے لئے خصی ہونا تو جائز ہی نہیں ہے اگر شہوت کا زور توڑنا اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہنا مقصود ہو تو روزے رکھنا چاہئے روزہ شہوت کے زور کو توڑ دے گا۔ متفق علیہ۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر میں روزہ رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے متعلق نہیں۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور ترک نکاح کی سخت ممانعت کرتے تھے اور فرماتے تھے شوہر سے زیادہ محبت کرنے والی زیادہ بچے پیدا کرنے والی سے نکاح کرو، میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کا (دوسرے) انبیاء (کی امتوں) سے مقابلہ کروں گا۔ ﴿رواہ احمد﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف بن خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تمہاری بی بی ہے عکاف نے عرض کیا نہیں فرمایا اور نہ باندی ہے۔ عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور تم خیر سے مالدار بھی ہو، عکاف نے کہا میں مالدار بھی ہوں فرمایا تو تم برادران شیاطین میں سے ہو ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں رنڈوے رہنے والے بہت برے ہیں اور کمینے ہیں تم میں رنڈوے رہنے والے مردے ہیں شیطانوں کے باپ۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حدیث ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت عمیرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے جنہیں چاہو چار کو رکھ لو۔ اس کی سند حسن ہے۔

(وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ)

یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو۔ ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔

تعدد نکاح پر اعتراض کے جواب:

یعنی یہود اور نصاریٰ کی مسلم کتاب بائبل سے پہلا حوالہ ابوالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بائبل پیدائش ۱۶/۴ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں بیک وقت تھیں، سارہ، ہاجرہ، قنطورا، پیدائش ۲۹/ ۲۴ میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیک وقت چار بیویاں تھیں، لیا، زلفہ، راخل، بلہہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے تعداد زوجات تھیں۔ یعنی بیویاں تھیں۔ استثناء۔۱۰۔ ۲۱/۱۵

حضرت داؤد علیہ السلام کی انیس بیویاں تھیں۔ شمویل ۱۶/ ۲۳۔

حضرت سلیمان کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔ سلاطین ۱۱/۳۔

یہ سب بائبل کے مستند پانچ انبیاء علیہم السلام کی متعدد زوجات کے حوالے ہیں، اگر ان پر مستشرقین کو اعتراض نہیں ہے تو تعداد نکاح نبوی پر

کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں، یہ تو قانون تعدد نکاح کی دلیل عیسائیوں کی بائبل سے دی گئی، اب عقلی دلیل تعدد نکاح کی معلوم کرو اور سن لو۔

اگر لڑکیوں کی تعداد پیدائش لڑکوں سے ایک فی ہزار بھی زائد ہو جاتی، تو تین ارب انسانی آبادی میں ایک لاکھ لڑکوں کی پیدائش کے مقابلے میں ایک لاکھ ایک سو اور ایک کروڑ لڑکوں کے مقابلے میں دس ہزار لڑکیاں زائد ہوں گی، اور ایک ارب کے مقابلے میں دس لاکھ عورتیں فالتو ہوں گی، علیٰ ہذا القیاس۔ اب سوال ہوگا کہ یہ فالتو عورتیں جنسی فطری خواہش کی تکمیل کے لئے یا خلاف فطرت تجرد پر مجبور کی جائیں گی، جو ہر دور میں اور بالخصوص اس دور میں ناممکن ہے۔ یا زنا کے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کریں مرد زیادہ مر جائیں اور عورتیں کم تو اگر دونوں کی ولادتی تعداد برابر بھی ہو، جب بھی بڑی تعداد عورتوں کی بچ رہے گی، جن کے کھپانے کے لئے یورپی قانون میں جائز صورت کوئی نہ ہوگی، بہر حال یورپی قانون یک زوجگی کے تحت کارخانہ قدرت کا فرض تھا کہ شرح پیدائش و اموات کے دفاتر بذریعہ ملائکہ پورے پورے ملک اور صوبوں اور ضلعوں تک قائم کرتی تاکہ یورپی قانون یک زوجگی کا توازن برقرار رہے، لیکن ایسا نہیں ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ انسانی قانون منشاء قدرت و فطرت کی ضد ہے اور واجب الترک ہے۔

جنگ بھی فطرت انسانی میں داخل ہے۔ انسانی افراد و اقوام قوت شہویہ غروبیہ (یعنی حب الوطنی) کے تحت فوائد ملک پر قبضہ کرنے کے لئے آلات حرب کے ذریعے دوسرے ملک پر حملہ کرتے ہیں اور جس ملک پر حملہ ہوتا ہے، وہ مدافعت کے لئے جنگ پر مجبور ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دونوں قوموں کی فوجیں قوت غضبیہ کا مظاہری کرتی ہیں اور لاکھوں، کروڑوں آدمی لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ یا بیکار ہو جاتے ہیں، جنگ عظیم اول میں ایسے مقتولین و بیکار لوگوں کی تعداد چار کروڑ تھی اور جنگ عظیم ثانی میں چھ کروڑ تعداد تھی، ایسی صورت میں اکثر مرد کام آ جاتے ہیں اور عورتیں بچ جاتی ہیں، فوج میں بھرتی اکثر مرد ہیں، عورتیں نہ ہونے کے برابر۔

تو گویا گذشتہ دونوں جنگوں میں جو دس کروڑ مرد ضائع ہوئے، ان کے بالمقابل جو عورتوں کی تعداد بچ گئی، اس کو کہاں کھپایا جائے، جائز راستہ تعدد نکاح تو مغربی قانون میں بند ہے۔ یہ دقت اس صورت میں بھی باقی رہے گی، اگر قبل از جنگ مرد اور زن کی تعداد برابر ہو، اگر یہ کہا جائے کہ متعدد بیویوں سے ناانصافی ہوتی ہے تو بے انصافی ایک بیوی کے ساتھ بھی کی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک کی بھی بندش ہونی چاہئے۔

دلیل: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی بیوی بیمار ہوتی ہے اور مرض ممتد ہوتا ہے۔ یا حیض و نفاس کی صورت ہوتی ہے یا بانجھ پن ہوتا ہے اور شوہر کو فرزند جانشین کی فکر ہوتی ہے۔ اس صورت میں جنسی جذبہ کی ضرورت بھی اس بیوی سے پوری نہیں ہوتی، کیا ایسی صورت میں عقل کا تقاضہ کیا نہیں کہ ان ضرورتوں کی تکمیل کے لئے دوسری بیوی نکاح میں لانے کی قانونی گنجائش موجود ہو، یا کہ ان ضرورتوں کو کلیتہً نظر انداز کر دیا جائے، اسلام نے جو دین فطرت ہے، ان سب گذشتہ حالات کو پیش نظر رکھ کر بشرط عدل چار بیویوں تک کی اجازت دی، اور سابق اقوام و ادیان کی لاتعداد زوجات کو عدل کی شرط پر چار میں محدود کر دیا، یورپ میں آج کل شوہروں کی سپلائی کے لئے انجمنیں قائم ہیں اور عورتیں پریشان پھرتی ہیں لیکن شوہر نایاب ہوتا جارہا ہے یہ عقدہ حل ہو جاتا، اگر محمدی قانون پر عمل ہوتا، جیسا کہ مسیحی دنیا نے حالات سے مجبور ہو کر مسیحی قانون کو ترک کر کے طلاق میں محمدیؐ قانون پر عمل کر کے مشکلات کو حل کیا اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کی صداقت ماننی محسوس ہوئی۔

(۱) اسلام کو وہ جاندار مذہب سمجھتے ہیں کہ اگر کسی وقت وہ زندہ ہوا تو بہت بڑی طاقت بن جائے گا، جس کا مقابلہ مشکل ہے۔ (۲) اس میں عالمی مسائل کو حل کرنے کی قوت و کشش موجود ہے۔ دیگر مذاہب میں نہیں، وہ مذاہب مردہ ہیں، اس لئے اسلام کے شیر کو مارا تو نہیں جا سکتا، سلا دینا ضروری ہے۔ (۳) صلیبی جنگوں سے مسیحی اقوام کو اسلام دشمنی ورثہ میں ملی ہے۔ جو ان سے جدا نہیں ہو سکتی، ان سب باتوں کے باوجود بعض مستشرقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض غلط بیانیوں کے انکار اور اصل حقیقت کے اقرار پر مجبور ہیں، مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد شادیاں کیں، نفسانی جذبے کی وجہ کیں یا دیگر مصالح کی وجہ سے، ہم چند مؤرخین یورپ کے حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں، جنہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ یہ نکاح نفسانیت کی غرض سے نہیں ہوئے۔

قدیم دشمنوں کا اقرار:

قدیم دشمنان پیغمبر اسلام جن کی تمام کوششیں اور جان و مال کی ساری قربانیاں صرف اس لئے تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام کر کے لوگوں کی نظروں میں غیر مقبول بنائیں، لیکن ان دشمنوں میں سے کسی ایک دشمن نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوا و ہوس یا خواہش پرستی کا حرف بھی زبان سے نہیں نکالا۔ ورنہ مستشرقین کے لئے صرف وہی حرف نقل کر دینا اثبات مقصد کے لئے کافی تھا اور اپنی طرف سے الزام تراشنے کی ضرورت نہ تھی، اس سلسلے میں بدترین دشمن ابوسفیان اور اس کے قریش

ساتھیوں کا مجمع عام میں وہ بیان جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت باقی اور امانت داری کا واضح ثبوت ملتا ہے، شہادت کے لئے کافی ہے۔

واقعات تاریخ:

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خواہشات نفس کی ضد ہے، ہوس اور خواہش نفس نا قابل تقسیم جذبہ ہے، نفس کو مال کی خواہش ہوتی ہے، عمدہ لباس کی خواہش ہوتی ہے عمدہ مکان، عمدہ خوراک کی، مجالس میں عمدہ نشست کی بھی، دشمنوں سے انتقام کی بھی اور بیویوں کی بھی خواہش ہوتی ہے، عمدہ سواروں، راحت وآرام اور مقام عزت کی خواہش ہوتی ہے۔

ان چیزوں پر اگر منصفانہ نگاہ ڈالی جائے تو عین اس وقت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی دس لاکھ مربع میل کی سلطنت پر اقتدار حاصل تھا اس وقت بھی آپؐ کے پاس مال نہیں تھا۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم نہیں چھوڑا، ایک بار نماز سے فارغ ہو کر جلدی سے گھر میں تشریف لے گئے۔ صحابہؓ حیران تھے کہ کیا بات ہے، واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ گھر میں کچھ مال تھا، اس کو تقسیم کرنے کا حکم فرما آئے ہیں، کیونکہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ موت آئے اور گھر میں مال موجود ہو، آپ کا لباس غریب عوام کی طرح تھا، اگر کسی وقت کوئی اچھی چادر یا کپڑا کسی نے پیش کیا اور کسی کو پسند آیا یا مانگا تو فوراً اتار کر دے دیا۔ مکان کیا تھا، مٹی کی چھوٹی چھوٹی دیواروں پر کھجور کی شاخیں ڈال کر اس کے نیچے عمر بھر سوتے رہے، گھر میں چراغ تک نہ تھا، بارش میں چھپر کے اوپر ٹاٹ ڈالا جاتا تھا، مجالس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص نشست نہ تھی، عام آدمی جب باہر سے آتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثاروں میں فرق نہیں کر سکتا تھا، خوراک کا یہ عالم تھا کہ گھر کی واقف حال بیوی حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ تین تین ماہ تک اس شاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، پانی اور چند دانے خرما پر گزرا تھا۔ بعض اوقات بھوک سے بے تاب ہو کر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے کہ بھوک کا احساس نہ ہو۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے کو دو دن مسلسل کبھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی میسر نہیں آئی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ دشمنوں سے انتقام کا یہ حال تھا کہ اہل مکہ جیسے بدترین دشمنوں کے تیرہ سال کے مظالم سے تنگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ جیسے مقدس وطن کو چھوڑا تھا، فتح مکہ کے موقع پر وہ پابہ زنجیر قیدیوں کی صورت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سب آزاد ہو اور میں تم کو ملامت تک بھی نہیں کرتا۔ کیا اس سے بڑھ کر نفس کشی اور خواہش کو پامال کرنے کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں مل سکتی ہے۔ سواری کا یہ حال تھا کہ جب اونٹ کم ہوتے تھے اور دو دو تین تین باری باری سے ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان میں شامل ہوتے تھے۔

ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ:۔ میں یورپ کا مشہور مصنف کارلائل لکھتا ہے ''محمد نفس پرست نہ تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو ایک عام بندہ ہوس تصور کریں یہ شخص کیف اور حظ نفس پر گرنے والے نہ تھے، ان کے گھر کا ساز و سامان بادشاہی حاصل ہونے کے باوجود غریبانہ تھا، ان کی خوراک جو کا آٹا اور پانی تھا، اکثر ایسا ہوا کہ مہینوں ان کے گھر آگ نہ جلی، وہ اپنے جوتے آپ گانٹھ لیتے تھے، اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگاتے ایک غریب محنتی، مستغنی انسان ان تمام رجحانات سے بے نیاز جن پر عام سطح کے آدمی مرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا آدمی برا آدمی نہیں ہو سکتا، اس کے جذبات ہوس سے بلند ہوتے ہیں اگر وہ ایسے ہوتے تو وحشی عرب جو ۲۳ سال سے اس کے اشاروں پر جان پر کھیلتے رہے اور عمر بھر بھی اسے قریب سے دیکھتے رہے، اس کی تعظیم نہ کرتے، وہ بات بات پر کٹ مرنے والے وحشی تھے، ایسے لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا کسی عام آدمی کا کام نہ تھا، وہ انہیں رسول کہتے تھے اس لئے ان کی ساری زندگی ان کے سامنے بے نقاب تھی، اس میں کوئی راز نہ تھا، سیدھی سادھی، کبھی وہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہیں، کبھی مشاورت میں، کہیں ان میں کھڑے ان سے اطاعت کرا رہے ہیں، انہیں انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ کس قسم کے انسان ہیں، اس لئے وہ ان کو پیغمبر کہتے تھے، کوئی شہنشاہ اپنی خلعت فاخرہ میں ملبوس ہو کر لوگوں سے اس قسم کی اطاعت نہیں کرا سکتا، جس قسم کی اس انسان نے کرائی۔

لین بوائی ''لائف آف محمدؐ'' میں لکھتے ہیں: یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندۂ ہوس تھے غلط ہے۔ ان کی روز مرہ کی زندگی، ان کا تخت بوریا جس پر سوتے تھے، ان کی معمولی غذا اکثر سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دینا، ظاہر کرتا ہے، کہ وہ نفسانی خواہشوں سے بلند و بالا تھے، ان کی متعدد شادیاں ان بیواؤں سے ہوئیں، جن کے شوہروں نے میدان جنگ میں اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ دلی سے اپنی حفاظت و پناہ کا حق رکھتی تھیں، باقی شادیاں مصلحت کی بناء پر کی گئیں، مخالفین کے سرداروں کو مسخر کرنے کے لئے سب سے بڑا سبب بیٹے کی تمنا تھی، جوان کے قدم بقدم چلے۔ سب سے پہلا ثبوت ان کی پہلی بیوی خدیجہؓ کے ساتھ

ان کی وفا شعاری ہے کہ شروع سے آخر تک اس میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ ہلکی سی بھی لغزش نہ ہوئی، خدیجہ کے بعد اگرچہ انہوں نے متعدد شادیاں کیں، لیکن انہیں بھی نہ بھولے اور آخر وقت تک یاد رکھا۔ یہ محبت بھری یاد ایک شریف الطبع انسان ہی میں ہوسکتی ہے۔ نہ ایک بندہ ہوس میں۔

رفیق سواری عرض کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو جائیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں پیدل چلوں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر سواری سے اتر کر پیادہ چلتے کہ تم مجھ سے قوی نہیں، اور میں تم سے اجر وثواب کی خواہش کم نہیں رکھتا، راحت طلبی نہ تھی، چنانچہ یہ حال تھا کہ اکثر اوقات مشغولیت کے باوجود مکان پر دربان نہ تھا، ہروقت ہر کوئی مل سکتا تھا دن کو اکثر روزے، رات کو خدا کی عبادت فوجی سپہ سالاری بھی خود، چیف جسٹس بھی خود معلم اور استاد بھی خود، عزت اور وقار پرستی نہ تھی چنانچہ یہ کیفیت تھی کہ صحابہؓ کے ہمراہ جب چلتے تھے تو سب سے پیچھے چلتے تھے، اور جب مجلس میں آتے تھے تو کوئی صحابی تعظیم کے لئے نہیں اٹھتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کہ میرے لئے کوئی کھڑا نہ ہو، لہٰذا جان نثار صحابہ تعمیل حکم سے مجبور تھے، یہ سب امور ایسے ہیں کہ جس ذات میں رائی کے دانے کے برابر خواہش نفس ہو، وہ قطعاً ایسا نہیں کرسکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نفسانی خواہش کے خلاف جہاد کا نمونہ تھی، اور اس وجہ سے بھی اگر تعدد زوجات میں نفسانی خواہش کا دخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان حسیناؤں کا انتخاب کرتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ زوجات بجز ایک کے سن رسیدہ اور بیوائیں تھی، اس کے علاوہ نفسانی جوش کا زمانہ جوانی کا ہوتا ہے۔ لیکن جوانی سے لے کر ۵۳ سال کی عمر تک آپ نے ایک بیوہ عورت کے نکاح پر اکتفاء کیا، اس کے بعد بڑھاپے اور قریب الوصال وقت میں تعدد کی نوبت آئی زیادہ بیویوں کے اسباب:

سبب اول: تو اس تعدد زوجات کا منشاء لازماً کوئی اور تھا اور وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل امت کے لئے ہدایت کا سامان اور نمونہ عمل تھا، بلکہ تمام عالم انسانی کے لئے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، ﴿لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا﴾ و ﴿رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾ کی حیثیت سے بین الاقوامی تھی اور دروازہ نبوت کی بندش کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وعمل اور اندرون خانہ زندگی کا کردار اور ازواج مطہرات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز معاش، ادائے حقوق اور اخلاقی زندگی کا پورا نقشہ امت کے مرد اور عورتوں، شوہروں اور بیویوں دونوں کے لئے واجب العمل نمونہ تھا اور اسی نمونہ کے قالب میں اپنی زندگی کو ڈھالنا لازمی تھا۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ یعنی تمہارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل اور طرز زندگی میں انسانیت کاملہ کا بہتر نمونہ ہے، اس وجہ سے ایک ایسے ادارے کا قیام ضروری تھا، جو ان خلی زندگی کی تعلیم کے لئے ازواج کے ذریعے وجود میں آتے، کیونکہ اسلام کے قانون حجاب کے تحت پیغمبر اسلام علیہ السلام سے امت کی اجنبی عورت نہ بے حجابانہ مل سکتی تھی اور نہ پابندی قانون پردہ کے تحت حضرت علیہ السلام اجنبی عورتوں سے مل سکتے تھے اور نہ ہی اندرون خانہ زندگی رسالت کے مشاہدہ کی صورت ہوسکتی تھی، اس لئے تکمیل تعلیم دین کے لئے منشاء الٰہی نے یہ انتظام کیا کہ ایسی عورتوں کا مختلف طبقات میں سے انتخاب ہو کہ وہ طہارت نفس، پاکیزگی قلب اور فہم دین میں امتیازی شان رکھتی ہوں، تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم دینیہ اور اسوۂ نبویہ بالخصوص مستورات سے متعلقہ مسائل کو حاصل کرسکیں اور صحیح سمجھ سکیں اور امت کو عموماً اور مستورات کو خصوصاً ان کی تعلیم دے سکیں، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر پہنچانے اور ابلاغ میں آسانی ہو اور گھر کے اندر کے احوال اور بالخصوص زوجات کے حقوق اور حسن معاشرہ کا صحیح نمونہ امت کو معلوم ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ خدیجہؓ کے بعد ازواج مطہرات کا انتخاب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کیا، بلکہ وحی الٰہی سے ہوا، کہ اس کام کی صحیح اہلیت کا علم صرف خدا ہی کو ہو سکتا تھا، حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ بنت خزیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی اور نو بیویاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت زندہ تھیں، یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِیْ وَلَا زَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِیْ اِلَّا بِوَحْیٍ جَاءَنِیْ بِهٖ جِبْرِيْلُ عَنْ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ۔

اخرجہ عبدالمالک بن محمد بسندہ عیون الاثر ج ۲ ص ۳۰۰ وزرقانی ج ۳ ص ۲۱۹۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ زمانہ نبوت کی ازواج مطہرات کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی خواہش نفس کو اس میں دخل نہیں تھا، اسلئے بجز ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سب عمر رسیدہ اور بیوہ منتخب ہوئیں کہ کار تبلیغ وتعلیم دین کی پوری اہلیت کا علم صرف خدا ہی کو ہوسکتا تھا، جیسے نبی کا انتخاب خدا کرتا ہے۔ زوجیت نبی کا انتخاب بھی خدا نے کیا، کیونکہ مقصد نبوت کی اہلیت اور مقصد زوجیت نبوت کو صحیح علم صرف خدا کو ہے۔ اس ادارۂ ازواج کا فائدہ یہ ہوا کہ نبوت محمد کے بہت سے علوم ازواج

مطہرات کے ذریعے امت کو پہنچے، ورنہ امت علوم سے محروم ہوتی۔

سبب دوم:

پھر ان ازواج مطہرات کی ذوات قدسیہ میں شدت تعلق کی وجہ سے جو اخلاق زکیہ وفضائل محامد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منتقل ہوئے، وہ پوری امت اور امت کی مستورات کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

کتب سیر ورجال میں ان ازواج مطہرات کی عبادت، روزے، تلاوت قرآن، ذکر اللہ، سخاوت، ترک محبت مال، قناعت، فکر آخرت، اتباع شریعت کے جو احوال درج ہیں، ان کو دیکھ کر ایمان قوی ہو جاتا ہے، اس لئے قرآن پاک نے فرمایا: وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امت کی مائیں ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے باپ ہیں یعنی جیسے ایمان کی تازگی وحیات میں احوال نبی کو دخل ہے۔ احوال زوجات نبی کو بھی دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ) تم (زوجات پیغمبر) دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو، بلکہ تمہارا مقام بہت بلند ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:

اس سلسلہ انتخاب میں حضرت جویریہؓ بنت حارث آتی ہیں، جن کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان سے ہوا تھا، جو غزوہ مریسع میں مارا گیا تھا، یہ ایک طاقت ور قبیلہ بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں، قید ہو کر آئیں اور ثابت بن قیس کے حصے غنیمت میں آگئیں، انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی، یعنی یہ کہ آپ اتنی رقم ادا کر دیں تو آپ آزاد ہو جائیں گی، یہ رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں رقم ادا کر دوں اور آزاد کر دوں اور پھر میں خود تم سے نکاح کر لوں تو نکاح پر تم راضی ہو، انہوں نے عرض کیا میں راضی ہوں، (ابوداؤد کتاب الاعناق) اتفاق سے ان کے باپ حارث آئے، انہوں نے کہا میری بیٹی کنیز نہیں رہ سکتی، آزاد کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کو جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑتا ہوں، جویریہؓ نے فرمایا میں اللہ ورسول کو اختیار کرتی ہوں، (رواہ ابن المنذر بسند صحیح جلد ۴ ص ۳۶۵)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

تیسری زوجہ مطہرہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ ہیں، جو اسلام کے خلاف اکثر لڑائیوں کے کمانڈنگ آفیسر اور قریش کے سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں، ان کی ماں حضرت عثمان کی پھوپھی صفیہ بنت ابی العاص تھیں، ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا، حضرت ام حبیبہ خود بھی مسلمان ہوئی اور ان کی تبلیغ سے ان کے شوہر بھی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے باپ ابوسفیان اور بھائی معاویہ جو اسلام کے دشمن تھے، دونوں ان کو اسلام لانے پر ستاتے رہے، تنگ آ کر دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں کچھ مدت کے بعد شوہر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا، لیکن ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متاثر ہو کر سوچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس استقامت کا خیال آیا کہ انہوں نے اپنے سردار باپ کی دشمنی مول لے کر افریقہ کے ملک میں پناہ لی، پھر شوہر اس عیسائی ملک میں مرتد ہو کر مر گیا، لیکن ام حبیبہؓ کی ایمانی استقامت میں فرق نہ آیا، یہ دونوں امور ایسے ہیں کہ اس صورت میں بے سہارا مستورہ کو سہارا ملنا چاہئے، دوم یہ کہ اس طرح ان کے باپ اور خاندان کی اسلام دشمنی میں کمی بھی آجائے گی، یہ دو اہم سبب ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہؓ کو شرف زوجیت نبوی سے نوازا حبشہ کے بادشاہ کو جو مسلمان ہو چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے پیغام نکاح پہنچا دو، چنانچہ یہ پیغام پہنچا دیا گیا، یہ بشارت سن کر بادشاہ کی اس باندی ابرہہ کو جس نے یہ پیغام پہنچایا تھا ام حبیبہؓ نے اپنے ہاتھوں کے دو کنگن اور پاؤں کے پازیب اور انگلیوں کے چھلے انعام میں دیئے اور نکاح ہو گیا، مہر نکاح چار سو پونڈ بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر میں دیئے اور سامان بھی دیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

چوتھی بیوی صفیہؓ بنت حیی بن اخطب ہیں، اس سلسلہ میں صفیہ بھی شرف زوجیت سے مشرف ہوئیں، جو بنی نضیر کے یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں، جن کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا، اس نے طلاق دی، اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا، وہ غزوہ خیبر میں مقتول ہوا، صفیہؓ قید ہو کر آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے اپنی زوجت میں لے لیا۔ صفیہؓ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں، اس نکاح سے بے سہارا صفیہؓ کی دلجوئی بھی ہوئی اور اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود سے ذاتی عداوت نہیں تا کہ عداوت یہود میں کمی آجائے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

پانچویں بیوی زینب بنت جحش تھیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمۃ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، عرب کا دستور تھا کہ متبنی یعنی لے پالک بیٹے کو اصل بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بیوی سے بصورت موت یا طلاق بعد از عدت بھی نکاح حرام سمجھتے تھے۔

زینبؓ شریف خاندان سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں، زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش، جو دونوں مسلمان تھے، ان سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ کیا تو انہوں نے زید بن حارثہ آزاد کردہ غلام سے نکاح زینب کو گوارہ نہ کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی،

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت زینب اور ان کے خاندان کو رواج عرب کے مطابق دو قسم کی رسوائی ہوتی، ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کی، دوم طلاق کی، لیکن منشاء الٰہی تھا کہ اس زخم رسوائی کا مداوا ہو، جس کے بہترین مرہم صرف یہ ہوسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود زینب کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔

منشاء الٰہی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا اور اس جاہلانہ قدیم رسم کا انقطاع فرما دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح سے معاشرتی نظاموں کی اصلاح ہوئی اور مساوات بشری کی ایک عمدہ نظیر بھی قائم کی گئی، لیکن عجیب بات ہے کہ مستشرقین نے صلیبی جنگوں کی موروثی عداوت سے جھوٹے اور بے سند اضافے کر کے اس کو عشقیہ داستان بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نکاح کے لئے بے قرار تھے تو مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد خود ان سے نکاح کر لیتے۔ یا بعد از ہجرت جب آپ نے ان کا ۲ھ میں زید سے نکاح کرانا چاہا تو زید کی بجائے خود ان سے نکاح کر لیتے، وہ کم نسبی کی وجہ سے زید کے نکاح سے راضی نہیں تھیں تو خود ان سے نکاح کر لینے میں کیا رکاوٹ تھی اور اب مطلقہ ہونے کے بعد نکاح میں کیا کشش تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مسیحی استشراق کی غلط داستان ہے۔ جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔

قرآن میں تعدد ازواج

اور اسلام سے پہلے اس کا رواج

ایک مرد کے لئے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا، عرب، ہندوستان ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی، اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا، دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا، اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے۔''

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور ازیک ٹیلر نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود تعدد ازواج کو جائز رکھتی ہے، اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے،

کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیبیاں تھیں، جو مذہب اور قانون عفت وعصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، اور زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو اس کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا انسداد ہے، اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں تعدد ازواج پر تو پابندی ہے، مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز،

غرض اسلام سے پہلے کثرت ازواج کی رسم بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود و نصاریٰ نے، نہ ہندوؤں اور آریوں نے اور نہ پارسیوں نے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی، لیکن اس غیر محدود کثرت ازدواج کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اول اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے، مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے، اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتی تھیں۔

پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل ومساوات کا کہیں نام ونشان نہ تھا، جس سے وابستگی ہوئی اس کو نوازا گیا، جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تعدد ازواج

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سراپا رحمت و برکت

ہے، تبلیغ احکام اور تزکیہ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلا دیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے تھے اور کرتے بھی تھے، پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز با جماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات، آل و اولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتب حدیث بھرپور ہیں، اندرون خانہ کیا کیا کام کیا، بیویوں سے کیسے میل جول رکھا، اور گھر میں آ کر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا، اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا، صرف حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں جو کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین (ص ۹ ج ۱) میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیئے ہیں، تو ایک رسالہ مرتب ہوسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس سال تک علم دین پھیلایا۔

بطور مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے، دیگر ازواج مطہراتؓ کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواج مطہراتؓ سے پہنچا، ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی، اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں، حالانکہ اُمت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے، اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور پھر ۷ھ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ: یہ کہ چون (۵۴) سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے ساتھ گذارے پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں، اور باقی ازواج مطہراتؓ دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں۔

اور یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہراتؓ بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو دو شوہر پہلے گذر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آ کر جمع ہوئی ہے۔

تعدد ازدواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو امت کو حاصل ہوئے، اور جو احکام امت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں ان کا احصاء دشوار ہے، کتب احادیث اس پر شاہد ہیں، البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں، ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش کی، اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار و محبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں، اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور امت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی، ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالے میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ (اللہ کا نام لے کر کھا، داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا) ﴿بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۶۳﴾

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں، دوسرے

قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آ گئیں، اور ثابت بن قیس یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دیدوں گی مجھے آزاد کر دو، یہ معاملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور مالی امداد چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے بہتر بات نہ بتا دوں؟ وہ یہ کہ تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، انہوں نے بخوشی منظور کر لیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرما لیا، ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہ کی ملکیت میں آ چکے تھے، کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے، جب صحابہ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے، سبحان اللہ، حضرات صحابہ کرام کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبے کے پیش نظر کہ یہ لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے، ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں،

فَلَقَدْ اَعْتَقَ بِتَزْوِیْجِهٖ اِیَّاهَا مِائَةَ اَهْلِ بَیْتٍ مِنْ بَنِی الْمُصْطَلِقِ فَمَا اَعْلَمُ اِمْرَاَةً اَعْظَمَ بَرْکَةً عَلٰی قَوْمِهَا مِنْهَا

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداء اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلہ کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے تھے، وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا، اور چند دن کے بعد مر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جسے انہوں نے قبول کر لیا، اور وہیں حبشہ میں حضرت نجاشیؓ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اور حضرت ابوسفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے، جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا، اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت دینے اور انہوں فنا کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، جب ان کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: هُوَ الْفَحْلُ لَا یُجْدَعُ اَنْفُهٗ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوانمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی) مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی،

غرض اس نکاح نے ایک نفسیاتی جنگ کا اثر کیا اور اسلام کے مقابلہ میں کفر کے قائد کے حوصلے پست ہو گئے، اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مدبر اور حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا،

یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ سیرت پر عبور رکھنے والے حضرات کو بہت کچھ حکمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج میں مل سکتی ہیں اس سلسلے میں سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کے رسالے ''کثرت ازواج لصاحب المعراج'' کا دیکھنا بھی مفید ہوگا۔

یہ تفصیل ہم نے ملحدین و مستشرقین کے پھیلائے ہوئے پرفریب جال کو کاٹنے کے لئے لکھی ہے، کیونکہ ان کے اس دام تزویر میں بہت سے وہ تعلیم یافتہ اور ناواقف مسلمان بھی پھنس جاتے ہیں جو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تاریخ اسلام سے بے خبر ہیں، اور اسلامیات کا علم مستشرقین ہی کی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔

البتہ یہ مساوات ان امور میں ضروری ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں مثلاً نفقہ میں برابری، شب باشی میں برابری، رہا وہ امر جو انسان کے اختیار میں نہیں، مثلاً قلب کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہو جائے، تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بشرطیکہ اس میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اختیاری معاملات میں پوری مساوات قائم فرمانے کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ

''یا اللہ یہ میری برابر والی تقسیم ہے، ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، اب وہ چیز جو آپ کے قبضہ میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کرنا۔''

ظاہر ہے کہ جس کام پر ایک رسول معصوم بھی قادر نہیں، اس پر کوئی

دوسرا کیسے قادر ہو سکتا ہے، اس لئے قرآن کریم کی دوسری آیت میں اس غیر اختیاری معاملہ کا ذکر اس طرح فرمایا:

(وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ)

عورتوں کے درمیان تم پوری برابری ہرگز نہ کرسکو گے

جس میں بتلا دیا کہ میلان قلب اور محبت ایک غیر اختیاری معاملہ، اس میں برابری کرنا انسان کے بس میں نہیں، لیکن آگے اس غیر اختیاری معاملہ کی اصلاح کیلئے ارشاد فرمایا: فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ، یعنی اگر کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت ہو تو اس میں تو تم معذور ہو، لیکن دوسری بیوی سے کلی بے اعتنائی اور بے توجہی اس حالت میں بھی جائز نہیں۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

> **ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ (۳)**
>
> اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے

حقوق کی رعایت:

یعنی صرف ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا فقط اپنی لونڈی یا اپنی لونڈیوں پر قناعت کرنے میں یا ایک نکاح کیساتھ ایک لونڈی یا چند لونڈیوں کو جمع کرنے میں اس بات کی توقع ہے کہ تم بے انصافی اور خلاف عدل سے محفوظ رہو کیونکہ زوجات کے جو حقوق ہیں وہ اپنی مملوکہ لونڈی کے نہیں کہ ان میں عدل نہ ہونے سے تم پر مواخذہ ہو نہ ان کے لئے مہر ہے نہ معاشرت کے لئے کوئی حد مقرر ہے۔ فائدہ: جس کے کئی عورتیں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں ان کو برابر رکھے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں باری برابر باندھے اگر برابری نہ کرے گا تو قیامت کو وہ مفلوج ہوگا ایک کروٹ گھسٹتی چلے گی اور کسی کے نکاح میں ایک حرہ اور ایک لونڈی ہو تو لونڈی کو حرہ سے نصف باری ملے گی اور جو لونڈی اپنی ملک میں ہو اس کا باری میں کوئی حق مقرر نہیں مالک کی خوشی پر ہے۔

> **وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ**
>
> اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اُن کے خوشی سے

حق مہر:

یعنی جن عورتوں سے نکاح کرو ان کے مہر خوش دلی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کرو ان کا کوئی حامی اور تم سے تقاضا کر کے وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرو تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج ہی نہیں، حرج تو جب ہے کہ مہر دینے میں یا ان کے کسی حق ادا کرنے میں گرانی ہو۔

(ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا) یہ فعل یعنی صرف ایک عورت سے نکاح اور باندیوں پر قناعت ایک طرف مڑ نہ جانے کے قریب تر ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ (اَلَّا تَعُوْلُوْا) کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی حق تلفی نہ کرنے کے قریب تر ہے۔ (اَلَّا تَعُوْلُوْا) سے مراد ہے ایک کی طرف بہہ نہ جاؤ مڑ نہ جاؤ۔

امام شافعیؒ نے ترجمہ کیا کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ بغوی نے کہا (اَلَّا تَعُوْلُوْا) کا یہ معنی کسی نے نہیں کہا عیال کی کثرت ہوتا باب افعال سے عال (ماضی) یعیل (مضارع) عالۃ (مصدر) آتا ہے ابو حاتم نے کہا شافعی ہم سے زیادہ عربی زبان سے واقف تھے ممکن ہے یہ بھی لغت ہو۔ بعض علماء نے کہا یہ قبائل حمیر (یعنی اہل یمن) کی لغت ہے۔ بیضاوی نے کہا عال الرجل عیالہ اس شخص نے بیوی بچوں کا بار اٹھایا (یعنی اس کے بیوی بچے بہت ہیں) کثرت عیال کی در پردہ تعبیر کثرت مصارف سے کی (گویا بطور کنایہ کثرت عیال مراد ہے پس شافعی کا ترجمہ صحیح ہو گیا) عیال سے مراد ہیں بیویاں اور اگر بچے مراد ہوں تو تب بھی درست ہے کیونکہ منکوحہ عورتوں کے مقابلہ میں باندیوں سے بچے ہونے کا احتمال کم ہے باندی سے عزل بھی جائز ہے جیسے ایک بیوی سے چار بیویوں کے مقابلہ میں کثرت اولاد کا احتمال کم ہے۔

صداق اور صدقۃ مہر کو کہتے ہیں۔ کلبی اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس آیت میں خطاب عورت کے سرپرستوں کو ہے ابن ابی حاتم نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کے بعد مہر خود لے لیتے تھے لڑکی کو نہیں دیتے تھے اللہ نے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرما دی۔

نکاحِ شغار:

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار کی ممانعت فرمائی ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح کسی شخص سے کر دے کہ وہ شخص اپنی بیٹی (یا بہن) کا نکاح اس سے کر دے اور کسی کا مہر نہ ہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے اور اصحاب السنن نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

> **فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا**
>
> پھر اگر وہ اُس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴿٤﴾

تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا

یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کوئی مقدار زوج کو معاف کر دے یا لے کر پھر زوج کو ہبہ کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں زوج اس کو خوشی سے کھا لے۔

رچتا پچتا:

جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت اس کو رغبت کے ساتھ قبول کر لے اس کو ہنی کہتے ہیں اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن اور موجب صحت ہو وہ مری ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تین بھلائیاں:

ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم وبیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی میں اس میں ملا لے تو تین بھلائیاں مل جائیں گے ھنیئا مریا تو مال عورت اور شفاء شہد اور مبارک بارش کا پانی۔

عظیم اصول:

آیت شریفہ میں جو یہ قید لگائی طیب نفس کی کہ خوشی سے تمہاری بیویاں اگر مہر کا کچھ حصہ تم کو دیدیں، یا تم سے وصول ہی نہ کریں تو تم اس کو کھا سکتے ہو، اس میں ایک بہت بڑا راز ہے، بات یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کسی کا ذرا سا مال بھی کسی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ طیب نفس سے اجازت نہ ہو، بطور قاعدۂ کلیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا تظلموا الا لایحل مال امراء الا بطیب نفس منه ﴿مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۵﴾

خبردار ظلم نہ کرو، اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کیلئے) حلال نہیں ہے، جب تک کہ اس کے نفس کی خوشی سے حاصل نہ ہو۔

یہ ایک عظیم اصول ہے، اور اس کے ماتحت بہت سے جزئیات آجاتے ہیں، دور حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی۔ اس لئے بادل ناخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔

خوشدلی کی علامت:

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ صحیح معنی میں طیب نفس سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کر دی جائے اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے دیدے۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ

اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ

اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٥﴾

اور پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول

تحفظ مال:

یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دیدو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے سامان معیشت بنایا ہے، بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشہ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو نفع نقصان کا ہوش نہ آئے، اس وقت تک ان کو اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے، ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں، جب سمجھدار ہو جاؤ گے تم کو ہی دے دینگے۔

اور ان سے نرم گفتگو کرتے رہو کہ ان کے دل خوش رہیں۔

جن کی دعاء قبول نہیں ہوتی:

بیہقی نے شعب میں اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جو اللہ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور اس نے اس کو طلاق نہ دی ہو اور دوسرا وہ شخص جس کا کسی پر کچھ مال ہو یعنی مال کا دعویٰ کرے اور شہادت پیش نہ کرے اور تیسرا وہ شخص جو سفیہ کو اس کا مال دیدے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے (وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ) (از مفسر رحمہ اللہ)

سرمایۂ زندگی:

(الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا) : جو کہ اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگانی بنایا ہے۔ یعنی مال سے تمہاری زندگی کا بقاء اور گذران ہوتا ہے۔ ضحاک نے کہا (مال کے مایۂ زندگانی ہونیکا یہ مطلب ہے کہ) مال ہی

سے حج جہاد اور نیکی کے کام ہوتے اور اسی کے ذریعہ سے دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے (آیت کے مطلب کی توضیح میں) فرمایا جو مال اللہ نے تم کو عنایت فرمایا ہے۔ اور ذریعہ معاش بنایا ہے اس پر اپنی عورتوں اور بچوں کو تسلط نہ دو ورنہ وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور تم ان کے ہاتھوں کو تکتے رہو گے بلکہ اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کو ترقی دو اور خود اہل عیال کی پرورش اور تربیت میں صرف کرو جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ
اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی
فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ
عمر کو پھر اگر دیکھو اُن میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو اُن کے
اَمْوَالَهُمْ
مال اُن کا

یتیموں کو مال کی واپسی:

یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو، بلوغ کے وقت تک پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت و انتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید وفروخت کرائی جائے اور اس کا طریقہ ان کو بتایا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع وشرا ولی کی اجازت سے جو ہوگی وہ درست ہوگی امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں ہوشیاری نہ آئے تو امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو۔ اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آ جائے مال اس کے حوالے کر دو، ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دیدو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حق تصرف:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا قاضی کے لئے جائز ہی نہیں کہ کسی عاقل بالغ کو بکی عقل یا دین یا فسق کی وجہ سے تصرفات سے روک دے۔

امام اعظم کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی بیع وشراء کے معاملہ میں کمزور تھا مگر خرید وفروخت کرتا ضرور تھا اس کے گھر والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کو خرید وفروخت سے روک دیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوا کر بیع کرنے کی ممانعت فرما دی، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے تو بغیر بیع کے صبر نہیں ہوتا فرمایا تو جب بیع کیا کرو تو یہ کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہ ہونا چاہئے (مجھے فسخ کا اختیار ہے) رواہ الترمذی واحمد۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیع سے بالکل باز داشت نہیں کیا۔ اور تحریمی ممانعت نہیں فرمائی۔

عروہؒ نے ہشامؒ سے ہشامؒ نے قاضی ابویوسفؒ سے امام ابویوسفؒ نے امام محمدؒ سے امام محمدؒ نے امام شافعیؒ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے کچھ بھوڑ زمین ساٹھ ہزار درہم کو خریدی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا میں عثمانؓ کے پاس جا کر تیری خرید کا اختیار بند کرا دوں گا۔ عبداللہؓ نے جا کر حضرت زبیرؓ سے یہ بات کہدی حضرت زبیرؓ نے کہا میں اس بیع میں تمہارا شریک (مشورہ) ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا اپنے بھتیجا کو تصرفات سے روک دیجئے (وہ سفیہ ہے) حضرت زبیرؓ نے کہا میں (مشورہ) میں ان کا شریک ہوں حضرت عثمانؓ نے کہا اب میں کسی کو کیسے اس تصرف سے روک دوں جس کے مشورہ میں زبیر شریک ہیں۔

نابالغ کا امتحان:

بالغ ہونے سے پہلے یتیموں کی عقل کی جانچ کرلو تھوڑا سا مال ان کے قبضہ میں دے کر دیکھو کہ وہ کس طرح اس میں تصرف کرتے ہیں اگر وہ ہوشیار ہونگے تو شروع میں ہی ان کی ہوشیاری ظاہر ہو جائیگی۔ ہوشیار بچہ کو تجارتی لین دین کی اجازت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بچہ کو تجارت کی اجازت نہیں اور آیت میں جانچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نکاح کے مبادی ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے۔

بلوغ کی عمر:

یعنی اس عمر کو پہنچ جائیں کہ نکاح اور نسل آفرینی کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے لڑکے میں اس کی علامت احتلام۔ جماع کے وقت انزال اور صلاحیت تولید ہے اور لڑکی میں حیض احتلام اور حاملہ ہونے کی صلاحیت ہے اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پیدا ہو تو امام مالکؒ اور امام احمد، امام شافعیؒ، امام ابویوسفؒ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کی عمر پورے پندرہ سال ہیں ایک روایت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی آیا ہے

اور اسی پر فتویٰ بھی ہے مگر امام صاحب کا مشہور قول یہ ہے کہ لڑکی کے لئے پورے سترہ اور لڑکے کے لئے پورے اٹھارہ سال اور ایک روایت کے بموجب پورے انیس سال ہونا چاہئے۔

جمہور نے اپنے مسلک کی دلیل میں حضرت انسؓ کی روایت کو پیش کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مولود (بچہ اور بچی) کی عمر پورے پندرہ سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے مفید مضر اعمال لکھے جاتے ہیں اور اس پر حدود قائم کی جائیں۔ رواہ البیہقی فی الخلافیات اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کا قول آیا ہے کہ احد کے دن جب کہ میری عمر چودہ سال تھی (شرکت جنگ کی اجازت کے لئے) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے شرکت کی اجازت نہیں دی۔

پھر خندق کے دن جب کہ میری عمر ۱۵ سال تھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاینہ میں پیش کیا گیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

زید بن اسلم نے کہا میں نے اسکندریہ میں ایک بوڑھا شخص دیکھا جس کو سرق کہا جاتا تھا میں نے کہا یہ کیسا نام ہے بوڑھے نے کہا میرا یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور میں اس کو ہرگز ترک نہیں کروں گا۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا یہ نام کیوں رکھا تھا بوڑھے نے کہا میں ایک بار مدینہ کو گیا اور لوگوں سے کہا میرا مال آنیوالا ہے لوگوں نے مجھ سے آنے والے مال کا سودا کر لیا لیکن سب مال برباد ہو گیا اور میرا مال نہیں آیا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو چور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار اونٹوں کی قیمت میں بیچ ڈالا۔ جس شخص نے مجھے خریدا تھا قرض خواہوں نے اس سے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے اس نے کہا میں اسے آزاد کر دوں گا قرض خواہوں نے کہا تو ثواب کی طلب میں ہم تم سے کم نہیں ہیں چنانچہ قرض خواہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام باقی رہ گیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

عورتوں، بچوں اور کم عقلوں کو اموال سپرد نہ کئے جائیں

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس آیت میں یہ ہدایت فرمائی کہ اپنا پورا مال کم عقل بچوں عورتوں کے سپرد کر کے خود ان کے محتاج نہ بنو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوام اور منتظم بنایا ہے، تم مال کو خود اپنی حفاظت میں رکھ کر بقدر ضرورت ان کے کھلانے پہنانے پر خرچ کرتے رہو، اور اگر وہ مال کو اپنے قبضہ میں لینے کا مطالبہ بھی کریں تو ان کو معقول بات کہہ کر سمجھا دو، جس میں دل شکنی بھی نہ ہو اور مال بھی ضائع نہ ہونے پائے، مثلاً یہ کہہ دو کہ یہ سب تمہارے ہی لئے رکھا ہے، ذرا تم ہوشیار ہو جاؤ گے تو تمہیں دے دیا جائے گا۔

مال کی حفاظت ضروری امر ہے اور اس کو ضائع کرنا گناہ ہے، اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے کوئی شخص مقتول ہو جائے تو شہید ہے، جیسا کہ جان کی حفاظت کرتے ہوئے مقتول ہونے پر شہادت کا اجر موعود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿بخاری صفحہ ۳۳۷ جلد۱ مسلم صفحہ ۸۱ جلد۱﴾

''اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص مقتول ہو جائے وہ شہید ہے (یعنی ثواب کے اعتبار سے شہیدوں میں شمار ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ ﴿مشکوٰۃ ص ۳۲۶﴾

''نیک آدمی کیلئے اس کا اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

لَا بَاْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقٰی عَزَّ وَ جَلَّ ﴿مشکوٰۃ ص ۴۹۱﴾

''جو شخص اللہ عزوجل سے ڈرتا ہو اس کی مالداری میں دین کا کوئی حرج نہیں۔''

بقدر ضرورت تھوڑا بہت کمایا اور اللہ کا نام لیا، اور مال کے حساب سے اپنی جان بچائی، یہ پرانے بزرگوں کا طرز تھا، دور حاضر میں لوگوں میں دین و ایمان کی اہمیت زیادہ نہیں ہے، دنیوی ساز و سامان کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں، اور معمولی سی تکلیف ہی نہیں بلکہ ظاہری فیشن کے خلاف ورزی ہو جانے پر دین چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں، اس لئے ایسے لوگوں کے لئے مال حلال کسب کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی زیادہ اہمیت ہے، اسی طرح کے لوگوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا ﴿مشکوٰۃ ص ۴۲۹﴾

''یعنی تنگدستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے۔''

حضرت سفیان ثوریؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

كَانَ الْمَالُ فِيْمَا مَضٰى يُكْرَهُ، فَاَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ. یعنی زمانہ سابق میں مال کو پاس رکھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن آج یہ مال مؤمن کی ڈھال ہے۔''

سن رُشد:

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ عدم ہوشیاری سے وہ مراد ہے

جو بچپن کے اثر سے ہو، اور بالغ ہونے کے دس سال بعد تک بچپن کا اثر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے پندرہ سال عمر بلوغ اور دس سال سن رشد و ہوشیاری یہی کل پچیس سال کی عمر ہو جانے پر وہ رشد و ہوشیاری ضروری حاصل ہوگی جس کے حاصل ہونے پر بچپن اور کم عمری حائل تھی، اور قرآن کریم نے لفظ رشداً نکرہ لا کر اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ مکمل ہوشیاری اور دانشمندی شرط نہیں، کسی قدر ہوشیاری بھی اس کے لئے کافی ہے، کہ ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں۔ اس لئے پچیس سال تک انتظار کر کے اگر مکمل ہوشیاری نہ بھی آئے تب بھی ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں گے، رہی مکمل ہوشیاری اور دانشمندی، سو یہ بعض لوگوں میں عمر بھر نہیں آتی، وہ ہمیشہ سیدھے بھولے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کو اپنے اموال سے محروم نہ کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی بالکل پاگل اور مجنون ہی ہو سو اس کا حکم علیحدہ ہے کہ وہ ہمیشہ نابالغ بچوں کے حکم میں رہتا ہے اور اس کے اموال بھی اس کے حوالہ نہ کئے جائیں گے۔

ایک ضابطہ:

آیت کے سباق سے ایک فقہی ضابطہ اور اصول معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اوقاف کے نگران ہیں یا مساجد و مدارس کے منتظم ہیں یا مسلم حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں، یا ایسی ہی دوسری ملکی اور ملی خدمات جن کا انجام دینا فرض کفایہ ہے ان پر مامور ہیں، ان حضرات کے لئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو، اور وہ اپنے بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں، لیکن اگر اپنے پاس گزارہ کے لئے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقات ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بقدر ضرورت ان اداروں سے مال لے لینے کا اختیار ہے، مگر قدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے، بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پُری کے لئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ مقرر کر لیتے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ اپنی ذات پر اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں، اس بے احتیاطی کا مداوئی بجز خوف الٰہی کے کچھ نہیں، جس کی طرف آیت کے اخیر ٹکڑے میں وکفی باللہ حسیباً، فرما کر جملہ عوام و خواص کو توجہ دلا دی گئی ہے جسے اللہ کے محاسبہ کا خیال ہو وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے، وباللہ التوفیق، ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ
اور کھانہ جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے پہلے کہ یہ بڑے نہ ہو جائیں

یتیم کے مال کا تحفظ:

یعنی یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کر دو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو، خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بروقت ضرورت صرف کرنا چاہئے، ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ
اور جس کو حاجت نہ ہو تو مال یتیم سے بچتا رہے اور جو
كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ
کوئی محتاج ہو تو کھاوے موافق دستور کے

تربیت کا معاوضہ:

یعنی یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے تحقیق لے لیوے مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری گود میں ایک یتیم ہے کیا میں اس کے مال میں سے کھا سکتا ہوں فرمایا (کھا سکتے ہو) بغیر اس کے کہ اپنے مال کو بچا کر اس کے مال کو کھاؤ، اور اپنا مال جمع رکھو، رواہ الثعلبی۔ مراد یہ ہے کہ یتیم کی تربیت کے معاوضہ کے طور پر کھا سکتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مسلک ہے۔ اور ہم بھی اسی مطلب کو لیتے ہیں۔ عطاء اور عکرمہ نے یاکل بالمعروف کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انگلیوں کے پوروں سے کھائے زیادتی نہ کرے، (اور یتیم کے مال میں سے) کپڑے نہ پہنے۔ نخعی نے کہا یتیم کے مال سے کتان اور صوف خرید کر نہ پہنے صرف بھوک دور کرنے کی بقدر کھا لے۔ اور ستر پوشی کے بقدر پہن لے اور ان مصارف میں جتنی رقم آئی ہو اس کی واپسی لازم نہیں، حسن بصری اور ایک جماعت علماء نے کہا یتیم کے درختوں کے پھل کھا سکتا ہے اور اس کے جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے مگر دستور کے موافق اور اس کا معاوضہ لازم نہیں۔ البتہ چاندی سونا نہ لے اگر لے گا تو اس کا معاوضہ ادا کرنا لازم ہے۔ کلبی نے کہا معروف سے مراد ہے یتیم کی سواری پر سوار ہونا اس کے خادم سے خدمت لینا یتیم کے مال میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے قاسم بن محمد کی روایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا میرے زیر تربیت ایک یتیم ہے اور اس کے اونٹ ہیں کیا میں ان کا دودھ پی سکتا ہوں فرمایا اگر ایسا ہو کہ تم اس کے گمشدہ اونٹوں کو تلاش کرو۔ خارشتی اونٹوں کی مالش کرو ان کے پیاؤ کو درست کرو اور پانی پلانے کے دن ان کو پانی پلاؤ تو ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو لیکن اس طرح کہ اونٹوں کے بچوں کو (بھوک کا) ضرر نہ پہنچے اور نہ بالکل تھنوں سے دودھ نچوڑ لیا جائے۔ شعبی نے کہا ایسی مجبوری کے بغیر جس میں آدمی مردار کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے یتیم کا مال نہ کھائے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے معروف کا ترجمہ قرض کیا ہے۔ یعنی ضرورت ہو تو یتیم کے مال میں سے قرض لے سکتا ہے جب فراخدستی ہو تو واپس کرے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اللہ کے مال (بیت المال) کے معاملہ میں اپنی ذات کو یتیم کے سرپرست کی طرح قرار دے رکھا ہے۔ اگر غنی ہوں گا تو بچتا رہوں گا اور محتاج ہوں گا تو معروف کے ساتھ (یعنی بطور قرض) کھا لوں گا اور جب فراخدست ہوں تو ادا کر دوں گا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا
پھر جب اُن کو حوالہ کرو اُن کے مال تو گواہ کر لو
عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ⑥
اُس پر اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو

سپردگی مال:

جب کسی بچہ کا باپ مرجائے تو چاہئے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانت دار کو سونپ دیں، جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اس تحریر کے موافق اس کا مال اس کے حوالہ کر دیں اور جو کچھ خرچ ہوا ہو وہ اس کو سمجھا دیں اور جو کچھ یتیم کے حوالہ کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں، شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے اس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں، جاننا چاہئے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اس کو لکھ لینا مستحب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
مردوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ
اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ
ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو
نَصِيبًا مَفْرُوضًا ⑦
حصہ مقرر کیا ہوا ہے

قانون وراثت:

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو چھوٹی ہوں یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے تھے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقاتلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا ان کے بارے میں یہ آیت اتری جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان ان کا حصہ ملے گا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہو یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے ان کا حصہ دیا جائے گا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جن کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہو گیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی کو روک دیا۔ فائدہ اس آیت میں حق والوں کا حق اور اس کا تقرر اور تعین بالاجمال بتلایا گیا آئندہ رکوع میں وارثوں کے حصہ کی تفصیل آتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سبب نزول:

بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا (محلّہ) بنی سلمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میری عیادت کو تشریف لائے اور مجھے غشی میں پا کر پانی منگوا کر وضو کیا پھر مجھ پر پانی کا چھینٹا دیا فوراً مجھے ہوش آ گیا میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا حکم ہے میں اپنے مال میں کیا (وصیت) کر سکتا ہوں اس پر آیت (يُوصِيكُمُ اللَّهُ) نازل ہوئی۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو کر احد میں شہید ہو گئے اور ان کی یہ دو لڑکیاں ہیں لڑکیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا اور ان کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کا فیصلہ فرمادے گا اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کے چچا کو طلب فرما کر حکم دیا کہ ۲/۳ مال لڑکیوں کو اور ۱/۸ سعد کی بیوی کو دیدو باقی تمہارا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم

وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ

اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہہ دو ان کو

قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾

بات معقول

غیر وارث رشتہ دار:

یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دیدو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔ ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامی اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ

اور چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑی ہے اپنے پیچھے

ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

اولاد ضعیف تو ان پر اندیشہ کریں یعنی ہمارے پیچھے ایسا ہی حال

اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

ان کا ہوگا تو چاہئے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی

یتیموں سے اپنی اولاد والا معاملہ کرو:

یہ ارشاد اصل میں تو یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ اوروں کو بھی اس کا خیال رہے مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا

جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق

إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ

وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہوں گے

سَعِيرًا ﴿١٠﴾

آگ میں

یتیم کا مال کھانے پر وعید:

آیات متعددہ سابقہ میں یتیموں کے مال کے متعلق مختلف طرح سے احتیاط کرنے کا حکم تھا اور ان کے مال میں خیانت کو بڑا گناہ بتایا گیا ہے، اب اخیر میں مال یتیم میں خیانت کرنے پر وعید شدید بیان فرما کر اس حکم کو خوب مؤکد کر دیا کہ جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی اس کھانے کا یہ انجام ہوگا اور جملہ اخیر میں اس کو ظاہر کر دیا گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے، ہر شخص دیکھتے ہی

پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے مسند میں اور ابن ابی حاتمؒ نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حبان نے صحیح میں حضرت ابو برزہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ قبروں سے کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ سے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ فرما رہا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں بس وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہونگے۔ سعیر بروزن فعیل اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ لفظ سعر النار (میں نے آگ روشن کی) سے ماخوذ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ

حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ

حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

ہے برابر دو عورتوں کے

اولاد کا حصہ:

اوپر اقارب میت کے وارث ہونے کا ذکر ہوا تھا اور ان کے حصوں کے تقرر اور تعین کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا تھا اب اقارب اور ان کے حصوں کی تفصیل بتلائی جاتی ہے اور اس سے پہلے سے یتیموں کے حق میں تشدد اور تاکیدات کا ذکر چلا آ رہا تھا جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اقارب میت میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس کا حصہ دینے میں بہت ہی احتیاط اور اہتمام چاہئے اہل عرب کی قدیم رسم کے موافق ان کو میراث سے محروم کر دینا سخت ظلم اور بڑا گناہ ہے اب اقارب میں سب سے پہلے اولاد کے حصہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی میت کی اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو ان کی میراث دینے کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر حصہ پائے گا مثلاً اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو نصف مال بیٹے کا اور نصف دونوں بیٹیوں کا ہوگا، اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوگی تو دو ثلث بیٹے کا اور ایک ثلث بیٹی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اجماع سلف ہے کہ اگر صلبی اولاد نہ ہو تو پوتے اور پوتیاں صلبی اولاد کی قائم مقام ہو جائیں گے اگر صرف ایک پوتا یا چند پوتے ہوں تو کل مال ان کو ملے گا اور صرف ایک پوتی ہوگی تو آدھا مال ملے گا اور زیادہ ہونگی تو دو تہائی اور پوتے پوتیاں مخلوط ہوں تو مذکر کا دوہرا اور مؤنث کا اکہرا ہوگا۔ اور اگر پوتے پوتیوں کے ساتھ ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیاں ہوں تو صلبی لڑکی یا لڑکیوں سے بچے گا وہ پوتے پوتیوں کو دوہرے اور اکہرے کے حساب سے ملے گا۔ طحاوی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیوں اور پوتوں کو بقیہ (ایک تہائی) میں (دوہرے اور اکہرے کے حساب سے) باہم شریک کر دیا اسی طرح حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی (ایک باپ اور دو ماؤں کی اولاد) بہنوں اور بھائیوں کو باقی مال میں شریک کیا۔

اگر ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیوں کی موجودگی میں تنہا ایک پوتا یا چند پوتے ہوں گے تو لڑکیوں سے جو کچھ باقی رہے گا وہ پوتوں کو دیا جائے گا۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرض حصے اہل فرائض کو دو اور فرائض ادا کرنے سے جتنا بچ جائے وہ قریب ترین مرد کو دے دو۔ اگر ایک صلبی بیٹی ہو اور ایک یا زیادہ پوتیاں تو بیٹی کو (نصف) دینے کے بعد پوتیوں کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی ہو جائے (بیٹیوں پوتیوں بہنوں کا دو تہائی سے زائد نہیں ہے اس لئے دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ

پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو اُن کے لئے ہے

ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً

دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو

فَلَهَا النِّصْفُ ۭ

تو اسکے لئے آدھا ہے

فقط مؤنث اولاد ہو تو:

یعنی اور اگر کسی میت نے اولاد میں صرف عورتیں یعنی بیٹیاں ہی چھوڑیں بیٹا نہیں چھوڑا تو وہ اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک ہی بیٹی چھوڑی تو اس کو میت کے ترکہ کا نصف ملے گا۔

جاننا چاہئے کہ للذکر مثل حظ الانثیین کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک بیٹی کو ایک بیٹے کے ساتھ ایک ثلث ملے گا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک بیٹی کو دوسری بیٹی کے ساتھ بطریق اولیٰ ایک ثلث ملے گا کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹی سے زائد ہے تو جب بیٹے کی وجہ سے اس کا حصہ ایک ثلث سے

کم نہیں ہوا تو دوسری بیٹی کی وجہ سے کیسے گھٹ سکتا ہے سو دو بیٹیوں کا حکم چونکہ پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اس لئے اس آیت میں دو بیٹیوں سے زائد کا حکم بتلا دیا تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ دو بیٹیوں کا حق جب ایک بیٹی سے زائد ہے تو شاید تین یا چار بیٹیوں کا حق دو بیٹیوں سے زائد ہوگا سو یہ بات ہر گز نہیں بلکہ بیٹیاں جب ایک سے زائد ہونگی دو ہوں یا دس ان کو دو ثلث ملے گا۔ فائدہ: اولاد کے وارث ہونے کی دو صورتیں آیت میں مذکور ہوئیں اول یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں طرح کی اولاد ہو۔ دوسری یہ کہ صرف دختری اولاد ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک لڑکی ہو یا ایک سے زائد تو اب صرف ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ صرف پسری اولاد ہو سو اس کا حکم یہ ہے کہ تمام میراث اس کو مل جائے گی خواہ ایک بیٹا ہو یا زائد۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ثابت بن قیس کی بیٹیاں:

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے، اتنے میں ہمارا گذر اسواق میں ایک انصاری عورت پر ہوا، وہ عورت اپنی دو لڑکیوں کو لے کر آئی اور کہنے لگی، کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں لڑکیاں ثابت بن قیس (میرے شوہر) کی ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے ہیں، ان لڑکیوں کا چچا ان کے پورے مال اور ان کی پوری میراث پر خود قابض ہو گیا ہے، اور ان کے واسطے کچھ باقی نہیں رکھا، اس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں، خدا کی قسم اگر ان لڑکیوں کے پاس مال نہ ہوگا تو کوئی شخص ان کو نکاح میں رکھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں فیصلہ فرما دے گا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جب سورۂ نساء کی یہ آیت (یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ) ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت اور اس کے دیور کو (لڑکیوں کا وہ چچا جس نے سارے مال پر قبضہ کر لیا تھا) بلاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کے چچا سے فرمایا کہ لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی حصہ دو، ان کی ماں کو آٹھواں حصہ اور جو بچے وہ تم خود رکھ لو، اس حدیث میں جس مسئلہ کا ذکر ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لڑکیوں کو بھی دو تہائی حصہ دے دیا۔

وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لئے دونوں میں سے چھٹا

مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ

حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کے اولاد ہے

ماں باپ کا حصہ:

اب ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرماتے ہیں۔ صورت اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد ہو بیٹا یا بیٹی تو میت کے ماں باپ کو ترکہ میت میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ

اور اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اسکے ماں باپ

فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ

تو اس کی ماں کا ہے تہائی

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ یعنی باقی دو ثلث اس کے باپ کو ملیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ

پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا ہے چھٹا حصہ

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی، بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں میں شریک ہوں اور اولاد کچھ بھی نہیں تو اب اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی باقی سب اس کے باپ کو ملے گا۔ بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہوگی تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے جیسا کہ دوسری صورت مذکورہ بالا میں تھا۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ

بعد وصیت کے جو کر مرا یا بعد ادائے قرض کے

وصیت:

یعنی جس قدر وارثوں کے حصے گذر چکے یہ سب میت کی وصیت اور اس کے قرض کو جدا کر لینے کے بعد وارثوں کو دیئے جائیں گے اور وارثوں کا مال وہی ہوگا جو مقدار وصیت و قرض کے نکال لینے کے بعد باقی رہے گا اور نصف اور ثلث وغیرہ اسی کا مراد ہے نہ تمام مال کا۔ فائدہ: میت کا مال اول اس کے کفن اور دفن کو لگایا جائے جو اس سے بچے وہ اس کے قرض میں

دیا جائے پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک صرف کیا جائے اس کے بعد جو رہے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بہر حال تقسیم ترکہ، اجراء وصیت اور ادائے دین کے بعد ہوئی۔

قرض:

حضرت ابوقتادہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں ثواب کی امید میں صبر کے ساتھ کافروں کے مقابل راہ خدا میں مارا جاؤں اور مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ دوں تو کیا اللہ میرے گناہوں کا اتار کر دے گا فرمایا ہاں ایسا ہو جائے گا۔ سوائے قرض کے۔ جبرئیل نے ایسا ہی کہا ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت عبداللہ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے قرض کے شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے قرض کے شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

وہ حقوق جو وراثت کی تقسیم سے پہلے ہیں:

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی ہو اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر قرضے اتنے ہی ہوں جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ تو نہ کسی کو میراث ملے گی نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی، اور اگر قرضوں کے بعد مال بچ جائے یا قرضے بالکل ہی نہ ہوں تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ کسی گناہ کی وصیت نہ ہو، تو اب جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی، اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب بھی نہیں ہے، اور وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے وصیت کرنا گناہ بھی ہے۔

اداء دین کے بعد ایک تہائی میں وصیت نافذ کر کے شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

مسئلہ: یہ دیکھنا چاہیے کہ بیوی کا مہر ادا ہو گیا یا نہیں، اگر بیوی کا مہر اداء نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح اولاً کل مال سے دین مہر اداء ہوگا، اس کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا، اور مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کرے گی اور اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی دوسرے دیون کی طرح پورا مال دین مہر میں عورت کو دیدیا جائے گا، اور کسی وارث کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ
تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون
اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
نفع پہنچائے تم کو زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا اللہ کا ہے بیشک
اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱﴾
اللہ خبردار ہے حکمت والا

قانون میراث کی حکمت:

اس آیت میں دو میراث بیان فرمائیں اولاد کی اور ماں باپ کی، اب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا اس لئے تم کو اس میں دخل نہ دینا چاہئے جو کچھ کسی کا حصہ حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اس کی پابندی کرو کہ اس کو تمام چیزوں کی خبر بھی ہے اور بڑا حکمت والا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سببِ نزول:

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنوسلمہ کے محلہ میں پیادہ پا تشریف لائے میں اس وقت بے ہوش تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا، تو میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ صحیح مسلم شریف ونسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ
اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں
یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
اگر نہ ہو اُن کے اولاد اور اگر اُن کے اولاد
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ
ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد

يُوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ
وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے

مرد کا حصہ:

اب زوجین کی میراث کو بیان فرمایا جاتا ہے کہ مرد کو اس کی عورت کے مال میں سے آدھا مال ملے گا اگر عورت کے کچھ اولاد نہ ہو، اور اگر عورت کے اولاد ہے خواہ ایک ہی بیٹا یا بیٹی ہو، اور اسی مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے تو مرد کو عورت کے مال میں سے ایک چوتھائی مال ملے گا قرض اور وصیت کے بعد۔ (تفسیر عثمانی)

اس رکوع میں تین مرتبہ میراث کے حصے بیان کر کے یہ فرمایا کہ حصوں کی یہ تقسیم وصیت اور دین کے بعد ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کہ میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ
اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اُس میں سے جو چھوڑ مرو
لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو انکے لئے
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
آٹھواں حصہ ہے اُس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت
تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ
کے جو تم کر مرو یا قرض کے

بیوی کا حصہ:

اور اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اگر مرد کی اولاد کچھ نہ ہو اور اگر مرد کے اولاد ہے خواہ اسی عورت سے یا دوسری عورت سے تو عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا خاوند کے اس مال میں سے جو وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد بچے گا مال کی ہر قسم میں سے نقد ہو یا جنس، سلاح ہو یا زیور حویلی ہو باغ، باقی رہا عورت کا مہر وہ میراث سے جدا ہے وہ قرض میں داخل ہے۔ یہ کل دو صورتیں ہوئیں جیسا کہ مرد کی میراث میں یہی دو صورتیں تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

تفصیل مسئلہ:

جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اور شوہر نے صحیح طلاق دی ہو تو وہ وارث ہوتی ہے اگر طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وارث نہیں ہوتی۔ شوہر نے اگر مرض موت میں طلاق رجعی دی تو ایسی مطلقہ بالا جماع وارث ہوتی ہے لیکن یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ایسی عورت اس وقت وارث ہوگی جب شوہر کے مرنے کے وقت عدت میں ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا عدت گذر جانے کے بعد بھی وارث ہوگی۔ بشرطیکہ شوہر کی موت سے پہلے اس نے نکاح جدید نہ کر لیا ہو۔ امام مالکؒ نے فرمایا اگر شوہر کے مرنے سے پہلے انقضائے عدت کے بعد اس نے کسی سے نکاح بھی کر لیا ہو تب بھی وارث ہوگی۔ امام شافعیؒ کے تین مختلف قول منقول ہیں ہر قول ایک امام کے موافق ہے۔ اگر مرض موت میں شوہر نے طلاق بائن دی ہو تب بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کا یہی قول ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں وارث ہونے کی یہ شرط ہے کہ عورت نے خود طلاق کی درخواست نہ کی ہو ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ خود اپنے حق کے سوخت ہونے پر راضی ہے (اس لئے اس کو میراث نہیں دی جائے گی۔ امام شافعیؒ کے دو قول آئے ہیں قوی قول یہ ہے کہ طلاق بائن والی عورت وارث نہ ہوگی۔

غیلان بن سلمہ کا واقعہ:

امام احمد نے معمر کی روایت سے لکھا ہے کہ غیلان بن سلمہ کی مسلمان ہونے کے وقت دس بیویاں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔ (باقی کو چھوڑ دو) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو غیلان نے بیویوں کو (رجعی) طلاق دیدی اور اپنا مال اپنے لڑکوں کو تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میرا خیال ہے کہ جو شیطان (فرشتوں کی گفتگو) چوری سے سن لیتا ہے اسی نے تیری موت کی خبر سن کر تیرے دل میں ڈال دی ہے اور تجھے بتا دیا ہے کہ تو زیادہ مدت زندہ نہیں رہے گا خدا کی قسم یا تو تو اپنی عورت سے مراجعت کر لے اور (لڑکوں سے) مال واپس لے لے ورنہ میں ان عورتوں کو تیرا وارث بنا دوں گا اور حکم دیدوں گا کہ جس طرح ابورغال (دور جاہلیت میں ایک قومی غدار تھا) کی قبر پر سنگ باری کی جاتی ہے اسی طرح تیری قبر کو سنگسار کیا جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن کی بیوی:

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنی بیوی کو (جس کا نام تماظر بنت اصبغ بن زیاد تھا اور یہ خاندان کلب میں سے تھی یا بنت عمرو بن الشرید کو جو قبیلہ سلم کی تھی) جب قطعی طلاق دیدی اور عدت پوری ہونے نہ پائی تھی کہ آپ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عثمانؓ نے مطلقہ بیوی کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کا وارث قرار دیا یہ فیصلہ تمام صحابہؓ کی موجودگی میں صادر کیا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تو گویا اجماع ہوگیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں عبدالرحمٰنؓ پر بدگمانی نہیں کرتا میرا مقصد صرف سنت پر عمل کرنا ہے۔

ہمارے مسلک کی تائید حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت مغیرہؓ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ ابوبکرؒ رازی نے حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی کی موافقت میں نقل کئے ہیں بلکہ کسی صحابیؓ کا قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ نخعی، شعبی، سعید بن مسیب، ابن سیرین، عروہ، شریح، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، طاؤس بن شبرمہ ثوری، حارث اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی یہی مسلک ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو
وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا
السُّدُسُ
چھٹا حصہ ہے

ماں شریک بہن بھائی کا حصہ:

یہاں سے اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو کہ صرف ماں میں شریک ہوں سو جاننا چاہئے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے تو بھائی اور بہن کو کچھ نہیں پہنچتا ہاں اگر باپ اور بیٹا نہ ہوگا تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں جن کو عینی کہتے ہیں، یا وہ سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں جن کو علاتی کہتے ہیں یا وہ سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں، اس آیت میں قسم اخیر کا ذکر ہے چنانچہ متعدد صحابہؓ کی قرأۃ میں ولہ اخ او اخت کے بعد من الام کا کلمہ صریح موجود ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور مرد اور عورت یعنی اخیافی بھائی اور بہن کا برابر حصہ ہے کمی زیادتی نہیں باقی رہے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاتی سو ان دونوں قسموں کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو، مقدم عینی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاتی، اسی سورت کے اخیر میں ان دونوں کی میراث کا ذکر آئے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ کلالہ کی تفسیر جو یہ کی گئی ہے کہ اس کے باپ بیٹا نہ ہو یہ سب کو مسلم ہے مگر امام ابوحنیفہ دادی اور پوتی کی بھی نفی کرتے ہیں اور جو حکم باپ بیٹے کا ہے وہی دادی پوتی کا فرماتے ہیں، اور حضرات صحابہؓ کے وقت سے یہ اختلاف علماء میں چلا آتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جو نہ کسی کا والا ہو نہ اولاد:

حضرت ابوبکرؓ سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا گیا۔ فرمایا میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہوگا تو اللہ کی طرف سے اور غلط ہوگا تو میری طرف سے ہوگا اور شیطان کی طرف سے، میرے خیال میں کلالہ وہ ہے جو نہ کسی کا والد ہو اور نہ اولاد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا مجھے ان کی تردید کرنے سے جھجک آتی ہے۔ یعنی ٹھیک ہے۔ رواہ البیہقی عن الشعبی۔ ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ کلالہ کی تشریح میں آپؐ نے فرمایا وہ ایسا شخص ہے جو نہ میت کا والد ہو نہ مولود۔ ﴿رواہ الحاکم﴾

ابوالشیخ نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے متعلق دریافت کیا فرمایا میت کے والد اور اولاد کے سوا (جو وارث ہو وہ) کلالہ ہے۔ ابوداؤد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو والد کو چھوڑے نہ اولاد کو اس کے وارث کلالہ ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کلالہ کی تشریح میں والد، اور ولد سے مراد ہیں مذکر اصول اور فرع پس اگر میت کی ماں یا بیٹی موجود ہو اور باپ اور بیٹا نہ ہو تو وہ کلالہ ہے اس قول کا ثبوت

حضرت جابرؓ کی حدیث سے ملتا ہے کیونکہ نزول آیت کے وقت حضرت جابرؓ کی ایک لڑکی موجود تھی والد نہ تھے آپ کے والد عبداللہ بن حرام کا انتقال احد کے دن ہو چکا تھا اور بہن بھائی ماں اور بیٹی کی موجودگی میں بالاتفاق وارث ہوتے ہیں اسی طرح ولد کا لفظ بھی عام ہے پوتا بھی اس میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ پوتے کے ساتھ بھائی بھی بالا جماع وارث ہوتے ہیں اسی طرح والد سے مراد بھی عام ہے حقیقی والد ہو یا دادا کیونکہ کلالہ کی تشریح میں جو ولد کا مفہوم ہے وہی والد کا دونوں میں کوئی فرق نہیں (یعنی جس طرح لفظ ولد پوتے کو شامل ہے اسی طرح دادا بھی لفظ والد کے تحت داخل ہے) ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ
اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں
فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى
ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے
بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ
جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو

متعدد ماں شریک بہن بھائی:

یعنی اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی مال میراث میں ملے گا اور پہلی صورت میں سدس اور دوسری صورت میں ثلث جو دیا جائے گا تو وصیت اور دین کے بعد جو باقی رہے گا اس کا سدس اور ثلث دیا جائے گا اور وصیت میراث پر مقدم جب ہوگی جب اوروں کو نقصان نہ پہنچایا ہو اور نقصان کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہو، دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملے گا اس کیلئے کچھ وصیت بھی کر جائے یہ دونوں صورتیں درست نہیں البتہ اگر سب وارث اس کو قبول کر لیں تو خیر ورنہ یہ وصیتیں مردود ہیں۔

وصیت کی تاکید کی وجہ:

فائدہ: وارثوں سے چونکہ اندیشہ تھا کہ ترکہ میت میں سے میت کا دین اور وصیت ادا نہ کریں بلکہ تمام مال آپ ہی رکھ لیں، اس لئے میراث کے ساتھ بار بار دین اور وصیت کا حکم تاکیداً بیان کیا گیا اور وصیت چونکہ تبرع اور احسان ہے اور بسا اوقات کوئی شخص معین اس کا مستحق نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کے ضائع ہونے کا احتمال قوی تھا تو اس کے بغرض اہتمام و احتیاط وصیت کو ہر جگہ دین سے پہلے ذکر فرمایا حالانکہ وصیت کا درجہ دین کے بعد ہے جیسا پہلے گذرا، نیز وصیت حق مورث ہے جیسے تجہیز و تکفین بخلاف وراثت اور دین کے کہ وہ دوسروں کا حق ہے تو اس حیثیت سے وصیت دین سے مقدم ہوگی گو دوسری وجہ سے دین وصیت پر مقدم ہے اور یہاں جو غیر مضار کی قید لگائی یہی قید مقامات سابقہ میں بھی معتبر ہوگی۔

وصیت کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچانا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض مرد اور عورتیں ساٹھ برس اللہ کی طاعت کے کام کرتے ہیں پھر موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (وارثوں کو) ضرر پہنچاتے ہیں اسی وجہ سے دوزخ انکے لئے واجب ہو جاتی ہے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت

(مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ)

تک تلاوت کی۔ رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وارثوں کی میراث کاٹے گا، اللہ قیامت کے دن اس کا جنت کا حصہ کاٹ دے گا۔ رواہ ابن ماجۃ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں پانچویں حصہ کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے اور تہائی مال کی وصیت کروں تو چوتھائی مال کی وصیت کرنے سے میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ ﴿رواہ البیہقی﴾

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ۵/۱ مال کی وصیت کرنے والا چہارم مال کی وصیت کرنے والے سے افضل ہے۔ الحدیث۔ ﴿رواہ البیہقی﴾

وصیت کی قسمیں:

وصیت کی مختلف قسمیں ہیں واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ، اگر میت قرضدار ہو یا اس پر زکوٰۃ یا منت یا حج فرض یا فوت شدہ نماز یا روزہ واجب الادا ہو تو اس وقت قرض اور زکوٰۃ وغیرہ کو ادا کرنے اور نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب ہے پس اس کے کل ترکہ سے قرض ادا کیا جائے اور قرض میں بھی اس قرض کی ادائیگی مقدم ہے جس کا سبب متعین معلوم ہو یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے امام شافعی کے نزدیک ہر قسم کا قرض

برابر ہے معلوم السبب ہو یا مجہول السبب۔ قرض کے علاوہ ہر قسم کی وصیت تہائی ترکہ سے پوری کی جائے گی، زیادہ کی وصیت نا قابل تعمیل ہے۔ اس قسم کی (واجب) وصیت کی طرف سے غفلت کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان آدمی پر کوئی حق ہو جس کی اس کو وصیت کرنا ہے اس کے لئے درست نہیں کہ دو راتیں بھی بغیر تحریر وصیت کے گذارے۔ صحیح بخاری و مسلم، مسلم کی روایت میں دو راتوں کی جگہ تین راتوں کا لفظ بھی آیا ہے۔

جس پر کوئی حق واجب نہ ہو اس کے لئے ۱/۱۰ سے ۱/۳ ترکہ تک خیرات کرنے کی وصیت کرنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے وارث غنی ہوں اس کا ثبوت گذشتہ احادیث سے ملتا ہے اور اگر وارث نادار ہوں تو ایسی حالت میں وصیت اور خیرات کرنا مکروہ تنزیہی ہے ترک وصیت اولیٰ ہے ترک وصیت میں اقارب کے لئے اس کا مال میراث ہوگا اور خیرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی (غیر) مسکین کو خیرات دینا خیرات ہے اور کسی قرابت دار کو خیرات دینا خیرات بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔ جس وصیت سے وارثوں کو ضرر پہنچانا مقصود ہو یا ضرر پہنچ رہا ہو ایسی وصیت حرام ہے۔

مسئلہ: اجماع صحابہؓ ہے کہ اہل فرائض کے مقررہ حصے دینے کے بعد جتنا مال باقی رہے گا وہ اس مرد کو دیا جائے گا جس کی قرابت میت سے سب سے زیادہ ہوگی جیسا کہ حدیث مذکورۂ بالا میں آچکا ہے ایسے شخص کو عصبہ کہتے ہیں اگر اہل فرض نہ ہو تو عصبہ کل مال کا وارث ہوتا ہے۔ میت کا قریب ترین قرابت دار اس کا بیٹا ہوتا ہے بیٹے کے بعد پوتا اسی طرح نیچے تک تمام نرینہ نسل کا درجہ ہے۔ نرینہ نسل کے بعد قریب ترین شخص باپ ہے، پھر دادا پھر پردادا اسی طرح نرینہ سلسلہ کی اصل کا حسب ترتیب مرتبہ ہے۔ پھر حقیقی بھائی کا، پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کے بیٹے کا، پھر علاتی بھائی کے بیٹے کا، اسی طرح باپ کی نرینہ نسل کی ترتیب نیچے تک دی جائے گی پھر دادا کے حقیقی بھائی کا پھر اس کے علاتی بھائی کا پھر دادا کے حقیقی بھائی کے بیٹے کا پھر دادا کے علاتی بھائی کے بیٹے کا اسی طرح پردادا کی نسل نیچے تک جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقی بھائی باہم وارث ہوتے ہیں (یعنی عصبہ ہوتے ہیں) ان کی موجودگی میں علاتی بھائی وارث نہیں ہوتے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والحاکم۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں صرف مقاسمۃ الجد کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: علماء کا اجماعی قول ہے کہ جن عورتوں کیلئے ایک ہونیکی حالت میں نصف اور دو ہونے کی حالت میں دو تہائی مقرر ہے وہ اپنے بھائی کیساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہیں اہل فرض نہیں رہتیں کیونکہ اولاد (مذکر و مؤنث اگر مخلوط ہوں) اور بھائیوں، بہنوں کیلئے اللہ نے فرمایا ہے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ اور جو عورتیں اہل فرض نہیں ہیں اور ان کا بھائی عصبہ ہے تو ایسی عورتیں بھائی کے ساتھ مل کر بھی عصبہ نہیں ہوتیں۔ جیسے پھوپی اور بھتیجی۔

مسئلہ: باجماع اہل فرائض آخری عصبہ مولیٰ عتاقہ ہے (اگر کسی آقا نے غلام کو آزاد کر دیا تو اس آقا کو مولیٰ عتاقہ کہا جاتا ہے۔ آزاد شدہ غلام اگر مر جائے تو سب سے پہلے اس کے وارث اس کے اہل فرائض ہونگے پھر وہ رشتہ دار وارث ہونگے جو رشتہ میں عصبہ ہیں پھر نسبی عصبات نہ ہونگے تو عصبہ سببی یعنی مولیٰ عتاقہ وارث ہوگا۔)

مسئلہ: اہل فرائض کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ رہے اور عصبات نہ ہوں تو لوٹا کر پھر اہل فرائض کو ان کے حصوں کے تناسب سے بانٹ دیا جائے گا مگر شوہر اور بیوی کو لوٹا کر دوبارہ کچھ نہیں دیا جائے گا۔ یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کا ہے۔

بعض احادیث سے بھی ہمارے قول کا ثبوت ملتا ہے حضرت امامہ بن سہل کی روایت ہے کہ ایک شخص کے تیر لگا وہ مر گیا اور ماموں کے سوا اس کا کوئی وارث نہ تھا حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا آپ نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا کوئی وارث (زندہ) نہ ہو اس کا ماموں وارث ہے۔ رواہ احمد والبزار۔ طحاوی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو (اور ماموں موجود ہو) تو ماموں اس کا وارث ہے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد دوم)

وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ⑫
یہ حکم ہے اللہ کا اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنیوالا

احکام میراث کی تاکید:

شروع رکوع سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائیں وہ پانچ ہیں۔ بیٹا بیٹی اور ماں باپ اور زوج اور زوجہ اور اخیافی بھائی بہن ان پانچوں کو ذوی الفروض اور حصہ دار کہتے ہیں ان پانچوں کی میراث کو بیان فرما کر بطور تاکید فرما دیا کہ یہ حکم ہے اللہ کا اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی، کس نے میراث و وصیت و دین میں حق اور انصاف کے موافق کیا، کس نے بے

انصافی کی اور ضرر پہنچایا باقی ظلم و بے انصافی کی سزا میں تاخیر ہونے سے کوئی دھوکہ نہ کھائے کیونکہ حق تعالیٰ کا حلم بھی بہت کامل ہے۔

عصبات:

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ذوی الفروض کے سوا کہ جن کا بیان اس رکوع میں گذرا ایک دوسری قسم کے وارث ہیں جن کو عصبہ کہتے ہیں ان کے لئے کوئی حصہ مثل نصف ثلث وغیرہ کے مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض سے جو فاضل ہوگا۔ وہ ان کو ملے گا مثلاً اگر کسی کے عصبہ ہو اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا مال تمام عصبہ کو ملے گا اور جو دونوں ہوں تو ذوی الفروض کو دے کر جو مال بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو عصبہ کو کچھ نہ ملے گا اور عصبہ اصل میں تو وہ ہے جو مرد ہو عورت نہ ہو اور اس میں اور میت میں عورت کا واسطہ بھی نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہے دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ مقدم ہوگا جیسے پوتے سے بیٹا بھتیجے سے بھائی مقدم ہے پھر سوتیلے سے سگا مقدم ہے اور ان چاروں کے سوا اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہوگی یہ عصبہ اصلی نہیں بلکہ غیر اصلی ہیں اور اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی مثلاً چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر اس کے ساتھ ہو کر چچا زاد بہن عصبہ نہیں ہو سکتی۔ فائدہ: ان دونوں قسم مذکورۂ بالا یعنی ذوی الفروض اور عصبہ کے سوا امام ابو حنیفہ کے نزدیک وارث کی تیسری قسم ذوی الارحام ہیں یعنی ایسے قرابت والے کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو اور ذوی الفروض میں نہ ہو اور عصبہ بھی نہ ہو جیسے نواسہ اور نانا اور بھانجا اور ماموں اور خالہ اور پھوپھی اور ان کی اولاد جب کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ کوئی بھی نہ ہوگا تو اس کی میراث ذوی الارحام کو ملے گی۔ تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسئلہ: ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) میت کی نسل (۲) میت کی اصل (۳) میت کی اصل قریب کی نسل (۴) میت کی اصل بعید کی نسل۔ نمبر اول نمبر دوم کو وارث ہونے سے روک دیتا ہے اور نمبر دوم نمبر سوم کو اور نمبر سوم نمبر چہارم کو یعنی نمبر چہارم کو اس وقت میراث ملے گی جب نمبر سوئم بھی نہ ہو اور نمبر سوئم اس وقت وارث ہوگا جب نمبر دوم بھی نہ ہو اور نمبر دوم کا استحقاق اس وقت ہوگا جب نمبر اول نہ ہو۔ ہر صنف میں جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ دور والے کو میراث پانے سے روک دے گا۔ اگر قرب میں سب برابر ہوں تو میت سے جس کا رشتہ کسی وارث کے ذریعہ سے ہوگا وہ اس شخص کو روک دے گا جس کا میت سے رشتہ کسی ذی رحم کے ذریعہ سے ہوگا۔ بھائی بہن چچا پھوپھی ماموں اور خالہ کی نسل میں قوت قرابت کا لحاظ ہوتا ہے بشرطیکہ دائرہ قرابت سب کا ایک ہو مثلاً حقیقی چچا کی لڑکی باپ کے علاتی بھائی کی لڑکی سے اولیٰ ہوتی ہے اگر دائرہ قرابت مختلف ہو تو قوت قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا جیسے باپ کی علاتی بہن اور ماں کی حقیقی بہن کوئی بھی دوسری کے لئے حاجب نہیں ہے ترکہ کے تین حصے کر کے دو تہائی باپ کی قرابت والی کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت والی کو دیا جاتا ہے۔ طحاوی نے حضرت عمرؓ کا اثر اسی طرح نقل کیا ہے۔

جس کی قرابت دو جہت سے ہو اس کا حصہ ایک جہت کی قرابت والے سے دُگنا ہوگا۔

ذوی الارحام میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور حسنؒ بن زیاد کے نزدیک (تعدد جہات کا اعتبار نہیں بلکہ) اشخاص کا اعتبار ہے اور امام محمد کے نزدیک اشخاص کے ساتھ ساتھ کیفیت رشتہ بھی قابل لحاظ ہے۔ مثلاً اگر ایک دو رشتہ والی ہو اور ایک کا میت سے رشتہ اکہرا ہو تو امام صاحب کے نزدیک ترکہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور امام محمد کے نزدیک کل ترکہ کے تین حصے کر کے دو حصے دو قرابت والی کو اور ایک حصہ ایک قرابت والی کو دیا جائے گا۔ اس جگہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مسئلہ: اجماعی فیصلہ ہے کہ قتل عمد قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیتا ہے اسی طرح قتل خطا بھی امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک مانع میراث ہے۔

مسئلہ: یہودی نصرانی کا وارث ہوگا اور نصرانی یہودی کا اسی طرح الگ الگ ملت والے باہم وارث ہونگے کیونکہ کفر ایک ہی ملت ہے (خواہ کوئی فرقہ ہو) اور اصل میراث ہے یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

مسئلہ: اجماعی فیصلہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مسلمان کافر کا وارث نہیں اور نہ کافر مسلمان کا۔ اس حدیث کے راوی حضرت اسامہ بن زید ہیں۔ رواہ الشیخان واصحاب السنن الاربعہ۔ حضرت معاذ اور ابن مسیب اور نخعی کا قول اس طرح روایت میں آیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا جیسے اگر کوئی مسلمان کتابی عورت سے نکاح کر لے تو اس کا وارث ہوگا لیکن وہ اس کی وارث نہ ہوگی۔

وراثت انبیاء کا مسئلہ:

بخاری نے بیان کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے جن میں حضرت علیؓ حضرت عباسؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے حضرت عمرؓ نے کہا میں آپ کو اس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں قسم دیتا ہوں کیا آپ کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ خیرات ہے اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات تھی سب صحابہؓ نے جواب دیا جی ہاں ایسا فرمایا تھا پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف حضرت عمرؓ نے خصوصی رخ موڑ کر کہا میں آپ دونوں صاحبوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا دونوں نے جواب دیا جی ہاں بیشک ۔ الحدیث۔

ان تمام صحابہؓ کی روایات حدیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مذکور ہیں پس یہ حدیث ہمارے لحاظ سے بھی درجہ شہرت تک پہنچ چکی ہے اور امت اسلامیہ نے بھی اس کو بالاتفاق قبول کیا ہے اور سب کا اسکی صحت پر اجماع ہو چکا ہے پھر شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی احادیث آئی ہیں جو اس حدیث کی تائید کرتی ہیں ۔ محمد بن یعقوب رازی نے بروایت ابوالبختری حضرت ابوعبداللہ جعفر بن محمد صادق کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس طرح کے انبیاء نے نہ درہم کا کسی کو وارث کیا نہ دینار کا ۔ بلکہ صرف اپنی احادیث کا وارث بنایا ہے جس کو ان احادیث کا کچھ حصہ بھی مل گیا اس کو پورا حصہ مل گیا یعنی پوری میراث مل گئی اس حدیث میں لفظ صرف حصر کے لئے ہے مطلب یہ کہ انبیاء کی میراث مال نہیں ہوتا علم کے سوا ان کا کوئی ترکہ بطور میراث تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

رہی آیت وورث سلیمان داؤد کا جواب تو اس میں علم کی میراث مراد ہے آیت اسی پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ حضرت سلیمان نے فرمایا تھا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ اس آیت میں علمنا سے اسی علمی میراث کو بیان کیا ہے ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء میں بھی ایسے لڑکے کیلئے دعا ہے جو علمی میراث کا وارث ہو کیونکہ اس کا تو امکان ہی نہیں ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کے مال کے وارث ہوتے ہاں علم کے وارث ہو سکتے تھے اور ہوئے تھے اسی علمی میراث کی دعا حضرت زکریا نے کی تھی ۔ واللہ اعلم ۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

کے اسکو داخل کریگا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

ہمیشہ رہیں گے اُن میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور نکل جاوے

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ

اُس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اُس

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

میں اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے

جو اطاعت کرے گا جنت میں جائے گا:

یعنی تمام احکام مذکور سابقہ متعلق حقوق یتامیٰ اور وصیت اور میراث اللہ کے مقرر فرمودہ ضابطے اور قاعدے ہیں جو کوئی اطاعت کرے گا احکام الٰہی کی جن میں حکم وصیت و میراث بھی داخل ہے اس کے لئے ہمیشہ کو جنت ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے بالکل خارج ہو جائے گا وہ ہمیشہ کو ذلت کے ساتھ عذاب جہنم میں گرفتار رہے گا ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى

وہ گواہی دیویں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ

يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

اُٹھالیوے اُن کو موت یا مقرر کردے اللہ اُن کے لئے کوئی راہ

عورتوں کی تادیب:

یتامیٰ اور مواریث کو بیان فرما کر اب دیگر احکام متعلقہ اقارب کو بتلایا جاتا ہے پہلے عورتوں کے متعلق چند باتیں ارشاد ہوتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کی تادیب اور سیاست ضروری امر ہے اور ان پر کسی قسم کی تعدی اور ظلم بھی نہ کیا جائے۔ اہل جاہلیت کے یہاں عورتوں کی بابت دونوں باتوں میں بہت بے اعتدالیاں ہوتی تھیں اور اس آیت میں تادیب کے متعلق حکم ہے کہ اگر کسی کی زوجہ کا مرتکب زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل بالغ آزاد قائم ہونے چاہئیں اگر چار آدمی گواہی دیں تو اس عورت کو گھر میں مقید رکھنا چاہئے گھر سے باہر جانا اور کسی سے ملنا انتظاماً بالکل روک دیا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مرجائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی حکم اور سزا مقرر فرمائے اس وقت تک زانیہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کا وعدہ کیا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سورۂ نور میں اس کی حد نازل فرمادی کہ باکرہ کے لئے سو کوڑے اور ثیبہ کے واسطے سنگسار کرنا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ

اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو اُن کو ایذا دو

بدکاری کی سزا:

یعنی دو شخص خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو خواہ دونوں مرد ہوں اگر فعل بد کریں تو ان کی سزا مجملاً ایذا دینا ارشاد فرمایا زبان سے ہاتھ سے بقدر مناسب ان کو تنبیہ و تادیب کرنے کا حکم ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت زنا اور لواطت دونوں کا یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی کے نزدیک زجر و عبرت کے لئے جتنی سزا اور شتم و ضرب مناسب ہو، اتنی سزا دی جائے اس کے بعد حسب وعدہ حد زنا جب نازل ہوئی تو لواطت کے لئے کوئی جدا حد بیان نہ فرمائی اس میں علماء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کے لئے بیان ہوئی یا تو لواطت کی وہی سزا باقی رہی جو پہلے تھی یا اس کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا کسی دوسرے طریقہ سے مار ڈالنا ہے۔

فائدہ: اس آیت کو بہت سے علماء نے زنا پر حمل کیا ہے اور بعض نے لواطت پر اور بعض نے دونوں کو شامل رکھا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ

پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اُن کا خیال

اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

توبہ کے بعد ملامت نہ کرو:

یعنی اس کے بعد اگر وہ بدکاری سے توبہ کرلیں اور آئندہ کو اپنے اعمال کی درستی کرلیں تو اب ان کے پیچھے مت پڑو اور زجر و ملامت سے ستانا چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگادے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

چار گواہ:

پہلی آیت میں فرمایا کہ جن عورتوں سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار گواہ مرد طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے ثبوت زنا کے لئے وہ چار گواہ طلب کریں، جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں، اور گواہی بھی مردوں کی ضروری ہے، اس سلسلہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

زنا کے گواہوں میں شریعت نے دوطرح سے سختی کی ہے، چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، جس سے عزت اور عفت مجروح ہوتی ہے، اور خاندانوں کے ننگ و عار کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اولاً تو یہ شرط لگائی کہ مرد ہی گواہ ہوں، عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، ثانیاً چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا، ظاہر ہے کہ یہ شرط بہت سخت ہے، جس کا وجود میں آنا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے، یہ سختی اس لئے اختیار کی گئی کہ عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بیوی بہن ذاتی پرخاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ لوگ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں، کیونکہ اگر چار افراد سے کم لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی گواہی نامعتبر ہے، ایسی صورت میں مدعی اور گواہ سب جھوٹے قرار دیئے جاتے ہیں، اور ایک مسلمان پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر "حد قذف" جاری کردی جاتی ہے۔

سورۂ نور میں واضح طور پر ارشاد فرمایا:

﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ کہ جولوگ چار گواہ نہ لاسکیں وہ جھوٹے ہیں۔

بعض اکابر نے چار گواہوں کی ضرورت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں، مرد اور عورت، تو گویا کہ یہ ایک ہی معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے، اور ہر ایک معاملہ دو گواہوں کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہوں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض مت کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا دینے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کر لی تو پھر انہیں ملامت مت کرو، اور مزید سزا مت دو، یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہوگئی، اس لئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے، جیسا کہ فاء کی تفریع سے ظاہر ہے، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو تو سزاء کے بعد بھی ملامت کر سکتے ہیں۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "سبیل" کی تفسیر فرماتے ہیں "يعني الرَّجْمُ لِلثَّيِّبِ وَالْجَلْدُ لِلْبِكْرِ" کہ شادی شدہ کے حق میں زنا کی حد اس کو سنگسار کر دینا ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے اس کو کوڑے مارنا۔ ﴿بخاری، کتاب التفسیر ص ۶۵۷﴾

مرفوع احادیث میں بھی اس سبیل کا بیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہے، اور شادی شدہ، غیر شادی شدہ ہر ایک کے لئے الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ اور قبیلہ ازد کی ایک عورت پر زنا کی حد جاری فرمائی تھی، اور یہ دونوں چونکہ شادی شدہ تھے، اس لئے ان کو سنگسار کر دیا گیا تھا، نیز ایک یہودی کو بھی زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا تھا، اور اس کے حق میں یہ فیصلہ توراۃ کے حکم پر کیا گیا تھا،

غیر شادی شدہ کا حکم خود قرآن کریم کی سورۃ نور میں مذکور ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾

"زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّداً بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتٰبَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ" عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ الخ (بحوالہ مشکوۃ ص ۳۰۹)

"اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور ان پر کتاب بھی نازل فرمادی جو کچھ وحی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس میں رجم کی آیت بھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی ان کے بعد رجم کیا، رجم کا حکم اس شخص کیلئے ثابت ہے جو زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت" ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

لواطت کی سزا:

احادیث و آثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ سَبْعَةً مِنْ خَلْقِهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ وَرَدَّدَ لِلَّعْنَةِ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثَلَاثًا وَلَعَنَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لَعْنَةً تَكْفِيْهِ قَالَ مَلْعُوْنٌ" مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ، مَلْعُوْنٌ" مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ مَلْعُوْنٌ" مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ، الحديث (الترغیب والترھیب)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے، اور ان سات میں سے ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے، اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعَةٌ" يُصْبِحُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَيُمْسُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ قُلْتُ مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُتَشَبِّهُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ وَالَّذِيْ يَاْتِي الْبَهِيْمَةَ وَالَّذِيْ يَاْتِي الرِّجَالَ ﴿الترغیب والترھیب﴾

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار آدمی صبح کے وقت اللہ جل شانہٗ کے غضب میں ہوتے ہیں، اور شام کو بھی اللہ جل شانہٗ ان سے ناراض ہوتے ہیں، میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مرد جو عورت کی طرح

بنتے ہیں اور وہ عورتیں جو مردوں کی طرح بنتی ہیں اور وہ شخص جو چوپایہ کے ساتھ غیر فطری حرکت کرتا ہے اور وہ مرد جو مرد سے قضاء شہوت کرتا ہے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجد تُمُوْہُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِہ۔ ﴿الترغیب والترہیب﴾

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو تم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا ہوا دیکھ لوتو فاعل اور مفعول دونوں کو مارڈالو۔''

حافظ زکی الدین نے ترغیب وترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور ہشام بن عبدالملکؒ نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔

مذکورہ روایات میں قوم لوط کے عمل کا حوالہ بار بار آیا ہے، حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ قوم کفر وشرک کے علاوہ اس بدترین اور غیر فطری حرکت کی بھی عادی تھی، اور جب حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا ان پر اثر نہ ہوا تو اللہ جل شانہٗ کے حکم سے فرشتوں نے اس قوم کی بستیوں کو زمین سے اٹھالیا تھا، اور اوندھا کر کے زمین پر پھینک دیا، جس کا ذکر سورۂ اعراف میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

بیویوں سے غیر فطری فعل:

مندرجہ بالا روایات استلذاذ بالجنس سے متعلق تھیں، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلاً اَوْ اِمْرَءَ ۃً فِیْ دُبُرِھَا۔ ﴿الترغیب والترہیب﴾

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جل شانہ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو مرد یا عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کرے۔''

عن خزیمۃ بن ثابتؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِیْ اَدْبَارِھِنَّ۔ ﴿الترغیب والترہیب﴾

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ حق بیان کرنے میں شرم نہیں کرتے، یہی الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ارشاد فرمائے (پھر فرمایا، عورتوں کے پاس غیر فطری طریقہ سے مت آیا کرو۔''

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَ ۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَلْعُوْنٌ'' مَنْ اَتٰی اِمْرَءَ تَہٗ فِیْ دُبُرِھَا۔ ﴿الترغیب والترہیب﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَتٰی حَائِضاً اَوْ اِمْرَءَ ۃً فِیْ دُبُرِھَا اَوْ کَاھِناً فَصَدَّ قَہٗ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

''حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرد حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے، یا غیر فطری طریقہ سے اس کے ساتھ جماع کرتا ہے، یا کسی کاہن کے پاس جاتا ہے اور غیب سے متعلق اس کی خبر کی تصدیق کرتا ہے، تو ایسے لوگ اس دین سے منکر ہو گئے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔''

اس قبیح فعل کے لئے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کے لئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں، مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا کر کچل دینا، اونچی جگہ سے پھینک کر سنگسار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا وغیرہ۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو انکی ہے جو کرتے ہیں بُرا کام
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ
جہالت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو اُن کو
يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾
اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا

توبہ:

یعنی توبہ تو بیشک ایسی چیز ہے کہ زنا اور لو ۰ ت جیسے سنگین جرم بھی اس

سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے جیسا کہ آیت سابقہ سے مفہوم ہوا لیکن اس کا بھی ضرور لحاظ رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جبھی نادم ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں سوایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس کو معلوم ہے کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی، اور حکمت والا ہے۔ جس توبہ کا قبول کرنا موافق حکمت ہوتا ہے اس کو قبول فرمالیتا ہے۔

فائدہ: قید جہالت اور قید قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کرلے جلدی سے تو بقاعدہ عدل و حکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضرور ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو بقاعدہ عدل و انصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں اس کا قبول کرلینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی توبہ کو بھی قبول کرلیتا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے مگر ذمہ داری صرف اول صورت میں ہے باقی میں نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرلے (اور اس کی توبہ کو اللہ اپنے ہاتھ سے لیکر قبول فرمالے) اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کرلے (اور یہ سلسلہ بند نہ ہوگا) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے برآمد ہو جائے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج کے مغرب کی جانب سے برآمد ہونے سے پہلے تک جو شخص توبہ کرلے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (رواہ مسلم) ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

توبہ کی حقیقت

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ: گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں: پہلا یہ کہ کسی گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو، یہ تو فرشتوں کی خصوصیت ہے یا انبیاء علیہم السلام کی، دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہوں پر اقدام کرے، اور پھر ان پر اصرار جاری رہے، کبھی ان پر ندامت اور ان کے ترک کا خیال نہ آئے، یہ درجہ شیاطین کا ہے، تیسرا مقام بنی آدم کا ہے کہ گناہ سرزد ہو تو فوراً اس پر ندامت ہو، اور آئندہ اس کے ترک کا پختہ عزم ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سرزد ہونے کے بعد توبہ نہ کرنا یہ خالص شیاطین کا کام ہے اس لئے باجماع امت توبہ فرض ہے۔

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَالتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ ﴿ابن ماجہ﴾

یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے، اور جس نے گناہ سے توبہ کرلی وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرلے اور وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو جائے، تو صرف یہی نہیں کہ اس پر مواخذہ نہ ہو، بلکہ اس کو فرشتوں کے لکھے ہوئے نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے تاکہ اس کی رسوائی بھی نہ ہو۔

توبہ کے ارکان:

البتہ یہ ضروری ہے کہ توبہ سچی اور توبۃ النصوح ہو، جس کے تین رکن ہیں، اول اپنے کئے پر ندامت اور شرمساری، حدیث میں ارشاد ہے وَاِنَّمَا التَّوْبَۃُ النَّدَمُ ''یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔ دوسرا رکن توبہ کا یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔

تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے، یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے، مثلاً نماز روزہ فوت ہوا ہے تو اس کو قضا کرے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو صحیح تعداد یاد نہ ہو، تو غور وفکر سے کام لے کر تخمینہ متعین کرے پھر ان کی قضاء کرنے کا پورا اہتمام کرے، بیک وقت نہیں کرسکتا تو ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز قضاء عمری کی پڑھ لیا کرے، ایسے ہی متفرق اوقات میں روزوں کی قضاء کا اہتمام کرے۔ فرض زکوٰۃ ادا نہیں کی تو گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ بھی یک مشت یا تدریجاً ادا کرے، کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اس کو واپس کردے، کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے، لیکن اگر اپنے کئے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت تو ہو مگر آئندہ کے لئے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے

توبہ برلب سبحہ برکف دل پُر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید ز استغفار ما

جب کسی انسان نے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق توبہ کرلی تو وہ ہر طرح کا گناہ کر چکنے کے باوجود اللہ کا محبوب بندہ بن گیا۔

اور اگر پھر بتقاضائے بشریت کبھی اس گناہ کا ارتکاب ہو گیا، تو پھر فوراً توبہ کی تجدید کرے، بارگاہ غفور کریم سے ہر دفعہ توبہ قبول کرنے کی امید رکھے۔

این درگہ مادرگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

﴿معارف القرآن﴾

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ
اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں بُرے کام
حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي
یہاں تک جب سامنے آجائے اُن میں سے کسی کی موت تو کہنے لگا
تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ
میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو مرتے ہیں حالت کفر
أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۸﴾
میں اُن کیلئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

کن کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

یعنی اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آ گئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو کفر پر مر گئے اور اس کے بعد عذاب اُخروی کو دیکھ کر توبہ کریں ایسے لوگوں کے واسطے عذاب شدید تیار ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ دونوں آیتیں جو دربارۂ قبول توبہ اور عدم قبول توبہ یہاں مذکور ہیں ہم نے جو ان کا مطلب بیان کیا یہ بعض اکابر محققین کی تحقیق کے موافق ہے اور اس میں یہ خوبی ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں اپنے ظاہری معنی پر قائم رہے اور علی اللہ کے معنی بھی سہولت سے بن گئے اور اس موقع پر قبول اور عدم قبول توبہ کے ذکر فرمانے سے جو مقصد ہے یعنی توبہ کیف ما اتفق مقبول نہیں اور توبہ کی چند صورتیں ہیں اور ان کی مقبولیت میں باہم فرق ہے تاکہ کوئی توبہ کے اعتماد پر معاصی پر جری نہ ہو جائے یہ مقصد بھی اس صورت میں خوب حاصل ہو جاتا ہے مگر مفسرین حضرات نے علی العموم جو ان آیتوں کا مطلب ارشاد فرمایا ہے تو قید جہالت کو احترازی اور شرطی نہیں لیتے بلکہ قید واقعی فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گناہ ہمیشہ جہل اور حماقت سے ہوتا ہے اور قریب کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حضور موت سے پہلے جس قدر وقت ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی قلیل ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا توبہ قبول فرمانے کا وعدہ ان سے ہے کہ سفاہت اور عدم انجام بینی سے گناہ کر لیتے ہیں اور پھر موت کے آنے سے پہلے تائب ہو جاتے ہیں اور جو لوگ کہ موت کو مشاہدہ کر چکے اور نزع کی حالت کو پہنچ چکے یا جو لوگ کہ کفر پر مر چکے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اس تقریر کے موافق توبہ کرنے والوں کی وہ دو صورتیں ہیں جو تقریر اول میں مذکور ہوئیں شق اول یعنی قبول توبہ کے اندر شمار ہونگی۔

فائدہ: جب موت کا یقین ہو چکے اور دوسرا عالم نظر آنے لگے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں اور عالم آخرت کے دیکھنے سے پہلے کی توبہ البتہ قبول ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ حسب تقریر اول صورت اول میں تو قبول توبہ قاعدہ عدل وانصاف کے موافق ہے اور دوسری صورتوں میں قبول توبہ اس کا محض فضل ہے کمامر۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ شروع نہ ہو۔ ﴿ترمذی﴾

کہ جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔

حضرت ابو قلابہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے ڈھیل طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالی عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ کہا گیا کہ پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

جاں کنی کی حالت ہوگئی اور عذاب کے فرشتے دکھنے لگے اور روح کی روانگی ہونے لگی تو اس وقت کافر کا ایمان اور (مومن) گنہگار کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

ولا الذین یموتون وھم کفار: اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مر جائیں۔ یعنی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا اور نہ ان کے عذاب سے رجوع کرے گا یا یہ مطلب کہ آخرت میں جب وہ توبہ کریں گے اور کہیں گے ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون. (اے ہمارے مالک ہم نے عذاب کو دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹا دے اگر تو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے گا تو ہم اچھے عمل کریں گے یقیناً ہم ایماندار ہو گئے) تو اس وقت ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر

بعض گناہوں سے توبہ کرلی ہو مگر خاتمہ کفر پر ہوا ہو تو ان کی توبہ کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ کفر اور معاصی دونوں کا عذاب ان کو ہوگا۔ (مظہری)

قرب موت کی دو حالتیں:

اس کی توضیح جو حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں بیان فرمائی ہے کہ موت کے قریب دو حالتیں پیش آتی ہیں۔ ایک تو یاس و ناامیدی کی جب کہ انسان ہر دوا و تدبیر سے عاجز ہو کر یہ سمجھ لے کہ اب موت آنے والی ہے، اس کو حالت بأس بالبا سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسری حالت اس کے بعد کی ہے، جبکہ نزع روح شروع ہو جائے اور غرغرہ کا وقت آجائے، اس حالت کو یاس بالیاء کہا جاتا ہے، پہلی حالت یعنی حالت بأس تک تو من قریب کے مفہوم میں داخل ہے، اور توبہ اس وقت کی قبول ہوتی ہے، مگر دوسری حالت یعنی حالت یاس کی توبہ مقبول نہیں، جب کہ فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں انسان کے سامنے آجائیں، کیونکہ وہ من قریب کے مفہوم میں داخل نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

(اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا) یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بخاری اور ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ (دور جاہلیت میں دستور تھا کہ) جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اس کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے زیادہ حقدار ہوتے تھے اگر چاہتے تو خود نکاح کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتے عورت کے قریب ترین عزیزوں کو بھی اس کا اختیار نہ ہوتا اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا
اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو
النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ
عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو اُن کو اس واسطے کہ لے لو
مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ
اُن سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح

عورتوں کے حقوق کا تحفظ:

حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و ملامت کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے سو منجملہ ان صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مرجائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے میت کے بھائی اور اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے ورثہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے ہاں اگر صریح بدچلنی کریں تو ان کو روکنا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے بارہ میں ہے جو خود بیوی کی طرف راغب نہ ہو اس کی صحبت سے نفرت کرتا ہو لیکن عورت کا مہر اس پر واجب ہو اور اس طرح تنگ کر کے چاہتا ہو کہ جو کچھ مہر دیا ہو (یا دینے والا ہو) اس کو تاوان رہائی کے طور پر واپس لے لے۔ اللہ نے لا تعضلوھن فرما کر اس حرکت سے ممانعت کر دی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ
اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں
فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا
تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اُس میں
كَثِيْرًا ۝
بہت خوبی

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک:

یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق اور سلوک سے معاملہ رکھو جاہلیت میں جیسا ذلت اور سختی کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دو پھر اگر تم کو کسی عورت کی کوئی خو اور عادت خوش نہ آئے تو صبر کرو شاید اس میں کوئی خوبی بھی ہو اور ممکن ہے کہ تم کو ناپسندیدہ ہو کوئی چیز اور اللہ

تعالیٰ اس میں تمہارے لئے کوئی بڑی منفعت دینی یا دنیوی رکھ دے سو تم کو تحمل کرنا چاہئے اور بدخو کے ساتھ بدخوئی نہ چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ
اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو
وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ
اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت پھیر لو اس میں سے
شَيْــًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝
کچھ کیا لیا چاہتے ہو اُسکو ناحق اور صریح گناہ سے

دورِ جہالت کے ظلم کی ممانعت:

اسلام سے پہلے یہ بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی چاہتا کہ پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرے تو پہلی عورت پر تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس پر زیادتی اور سختی کرتا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور نکاح جدید میں کام آئے یہ آیت اس کی ممانعت میں نازل ہوئی کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری کرو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اب اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم بہتان باندھ کر اور صریح ظلم کر کے زوجہ اولیٰ سے وہ مال لینا چاہتے ہو یہ ہرگز جائز نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قنطار کا معنی ہے مال کثیر۔ مراد ہے مہر میں دیا ہوا مال کثیر۔ ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت سے قنطار کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے۔ کہ ایک ہزار دوسو (قنطار) ہے۔

مہر کی مقدار:

شارع کے نزدیک کثرت مہر کی کوئی حد بندی نہیں۔ اسی پر اجماع ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کی تو ایک عورت نے اسی آیت سے کثرت مہر کے جواز پر استدلال کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس دلیل کو سن کر فرمایا عمرؓ سے ہر شخص دینی سمجھ زیادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی۔

مہر کی زیادتی:

اجتماعاً مستحب یہ ہے کہ مہر میں زیادتی نہ کی جائے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا خبردار عورتوں کے مہر میں کثرت نہ کرنا اگر مہر کی کثرت دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی کا یا کسی بیٹی کا بارہ اوقیہ سے زائد مہر پر نکاح کیا ہو۔ ﴿رواہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ والدارمی﴾

بہترین عورت:

خطابی نے اور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس کا مہر سب سے زیادہ سہل (الاداء) ہو۔ ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بی بی کے امور (نفقات وغیرہ) کا آسان ہونا اور مہر کا کم ہونا اس کی برکت ہے۔ احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے سب سے بڑی برکت والی وہ عورت ہے جس کا مہر سب سے آسان (یعنی کم) ہو اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

ازواج مطہرات کا مہر:

ابوسلمہؓ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کا مہر کتنا تھا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کا مہر ۱۲ اوقیہ اور نش تھا تم جانتے ہو کہ نش کتنا ہوتا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا نش آدھا اوقیہ ہوتا ہے۔ رواہ مسلم۔ بارہ اوقیہ اور ایک نش کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیبیوں کا مہر یہی تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی نے یہ مہر ادا کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔ ابن اسحاق نے ابوجعفرؒ کی روایت سے چار سو دینار لکھا ہے۔ خلاصۃ السیر میں حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا مہر بارہ اوقیہ طلائی مقرر کیا تھا ایک طلائی اوقیہ کے سات مثقال ہوتے ہیں۔ احمد اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جویریہ ثابت بن قیس بن شماس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں مشترکاً آئی تھیں مدینہ میں ثابت کے کچھ کھجور کے درخت تھے ثابت نے چچازاد بھائی کو وہ درخت دے کر جویریہ کو منفرداً خود لے لیا اور مکاتب بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بدل کتابت اپنے پاس سے ادا کر دیا اور خود ان سے نکاح کر لیا اور بدل کتابت ہی ان کا مہر قرار پایا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ ثابتؓ اور ان کے چچازاد بھائی نے مشترکاً جویریہ کو مکاتب کیا تھا اور نو اوقیہ طلائی بدل کتابت مقرر کیا تھا۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى
اور کیونکر اُس کو لے سکتے ہو اور پہنچ چکا ہے تم میں کا ایک

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا

دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ

وجوب مہر:

یعنی جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو اس کے معاوضہ میں تمام مہر دینا مرد پر واجب ہو چکا تو اب کس وجہ سے مرد اس مہر کو واپس لے سکتا ہے اور در صورت مہر ادا نہ کرنے کے کیسے اس کے مہر کو دبا سکتا ہے اب تو بجز اس کے کہ عورت ہی اپنی خوشی سے معاف کر بیٹھے کوئی صورت رستگاری کی نہیں ہو سکتی اور وہ عورتیں تو بہت مضبوط اور گاڑھا اقرار تم سے لے چکیں جس کی وجہ سے وہ تمہارے قبضہ اور تصرف میں آچکیں اور تم ان سے پورے منتفع ہو چکے نہیں تو تم کو ان پر تصرف کا کیا اختیار تھا۔ اب اس قدر تکمیل اور قبضہ کامل اور تصرف تام کے بعد عورتوں کے مہر کو واپس لینا یا ان کا مہر نہ دینا کیسے ہو سکتا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ جیسا مجامعت کے بعد تمام مہر زوج کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے، ایسا ہی اگر مجامعت کی تو نوبت نہ آئے مگر خلوت صحیحہ ہو گئی تو بھی پورا مہر واجب الادا ہوگا، ہاں اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی اور زوج نے طلاق دے دی تو پھر نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسئلہ: امام اعظمؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا خلوت صحیحہ سے پورا مہر پختہ ہو جاتا ہے خواہ جماع نہ کیا ہو۔

بیہقی نے بروایت احنف بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دروازہ بند کر لیا اور پردہ چھوڑ دیا تو عورت کے لئے پورا مہر لازم ہو گیا اور عدت بھی ضروری ہو گئی۔ یہ روایت منقطع ہے۔

موطا میں یحییٰ بن سعید کی وساطت سے سعید بن مسیب کی روایت آئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب پردے چھوڑ دیئے گئے یعنی کامل خلوت ہو گئی تو مہر واجب ہو گیا۔ عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عمرؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔

دارقطنی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا اور پردہ چھوڑ دیا اور ستر کو دیکھ لیا تو شوہر پر مہر واجب ہو گیا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

اسلام نے عورتوں پر ہونے والے مظالم کا انسداد کیا:

ان تین آیتوں میں ان مظالم کی روک تھام ہے جو اسلام سے پہلے صنف نازک پر روا رکھے جاتے تھے، ان میں ایک بہت بڑا ظلم یہ تھا کہ مرد عورتوں کی جان و مال کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے عورت جس کے نکاح میں آ گئی وہ اس کی جان کو بھی اپنی ملک سمجھتا تھا، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث اور مالک ہوتے تھے، اسی طرح اس کی بیوی کے بھی وارث اور مالک مانے جاتے تھے، چاہیں تو وہ خود اس سے نکاح کر لیں، یا دوسرے کسی سے مال لے کر اس کا نکاح کر دیں، شوہر کا لڑکا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ خود بھی باپ کے بعد اس کو اپنے نکاح میں لا سکتا تھا اور جب عورت کی جان ہی اپنی ملک سمجھ لی گئی تو مال کا معاملہ ظاہر ہے اور اس ایک بنیادی غلطی کے نتیجہ میں عورتوں پر طرح طرح کے صدہا مظالم ہوا کرتے تھے۔

کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت ایسی صادر ہو جائے جس کی وجہ سے طلاق دینے کے لئے آدمی طبعاً مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں، کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک یہ اس کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس نہ کرے یا واجب الادا مہر کو معاف نہ کرے۔

اور اس جگہ لفظ فاحشہ یعنی ناشائستہ حرکت سے مراد حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ضحاکؒ وغیرہ کے نزدیک تو شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی ہے۔

اور ابو قلابہؒ حسن بصریؒ نے فاحشہ سے مراد اس جگہ بے حیائی اور زنا لیا ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ان عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا، یا وہ نافرمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں، جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق پر آمادہ ہو رہا ہے۔ تو چونکہ قصور عورت کا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول نہ کرے یا مقرر کردہ مہر معاف نہ کرا لے۔

اگلی دو آیتوں میں بھی اسی مضمون کا تفصیلی بیان ہے، ارشاد ہے کہ جب عورت کی طرف سے کوئی سرکشی یا بے حیائی کا کام سرزد نہ ہو، مگر شوہر محض اپنی طبعی خواہش اور خوشی کے لئے موجودہ بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں اگر وہ ڈھیروں مال بھی اس کو دے چکا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس سے دیئے ہوئے مال کا کوئی حصہ طلاق کے معاوضہ میں واپس لے، یا واجب الاداء مہر کو معاف کرائے کیونکہ عورت کا کوئی قصور نہیں، اور جس سبب سے مہر واجب ہوتا ہے وہ سبب بھی پورا ہو چکا ہے یعنی عقد نکاح بھی ہو گیا اور دونوں آپس میں بے حجابانہ مل بھی چکے ہیں، تو اب دیا ہوا مال واپس لینے یا واجب الاداء مہر کے

معاف کرانے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ (معارف القرآن جلد دوم)

سب سے بہتر شخص:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہو، میں اپنی بیویوں سے بہت اچھی گھر داری برتتا ہوں۔ (ابن کثیر)

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا
اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر
قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ
جو پہلے ہو چکا یہ بےحیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور برا
سَبِيلًا (۲۲)
چلن ہے

سوتیلی ماں اور دیگر محرمات سے نکاح کی ممانعت:

جاہلیت والے اپنی سوتیلی ماں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کر لیتے تھے جس کا تذکرہ ابھی گذرا اس کی ممانعت کی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح مت کرو یہ بے حیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے زمانہ جاہلیت میں بھی سمجھدار لوگ اس کو مذموم سمجھتے تھے اور اس نکاح کو نکاح مقت اور اس نکاح سے جو اولاد ہوتی اس کو مقتی کہتے تھے سوا ایسے نکاح جو ہو چکے آئندہ کو ہرگز ایسا نہ ہو۔

فائدہ: باپ کی منکوحہ کا جو حکم ہے اسی حکم میں دادے اور نانے کی منکوحہ بھی داخل ہے کتنا ہی اوپر کا دادا اور نانا کیوں نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول:

ابن ابی حاتم فریابی اور طبرانی نے حضرت عدی بن ثابت کی وساطت سے ایک انصاری کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ابو قیس بن سلمہ کا انتقال ہو گیا ابو قیس بڑا نیک انصاری تھا اس کے بیٹے قیس نے ابو قیس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا عورت نے قیس سے کہا میں تو تجھے اپنا بیٹا جانتی ہوں اور تو قوم کے نیک لوگوں میں سے بھی ہے (پھر نکاح کیسا) اس کے بعد عورت نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی اطلاع دیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تو اپنے گھر چلی جا (اور حکم کا انتظار کر) اس پر آیت ذیل بالا نازل ہوئی:

سوتیلی ماں سے نکاح کی سزا:

حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ میرا ماموں جھنڈا لئے میری طرف سے گذرا میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے جواب دیا ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اس کا سر لانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں
وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ
اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی

محرمات نسبی:

سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرما کر اب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں ان سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں اول ان کو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔

فائدہ: ماں کے حکم میں دادی، نانی اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں اور نانی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد الاولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد الاولاد داخل ہیں۔

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ
اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں

محرمات رضاعی:

محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں۔ ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے، رضاعت میں بھی حرام ہیں، یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں، چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا:

حدیث اور اجماع کی وجہ سے مندرجہ ذیل دو عورتوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا درست نہیں۔ پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی کوئی عورت اور اس کے باپ یا ماں کی پھوپھی یا دونوں میں سے کسی کی خالہ یا دادا نانا اور دادی نانی کی پھوپھی خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو اور باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے نہ عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ جمع کیا جائے۔ متفق علیہ۔ ابوداؤد و ترمذی اور دارمی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے پھوپھی پر بھتیجی سے نکاح نہ کیا جائے اور نہ بھتیجی پر اس کی پھوپھی سے اور نہ خالہ پر اس کی بھانجی سے اور نہ بھانجی پر اس کی خالہ سے نہ چھوٹی پر بڑی سے نہ بڑی پر چھوٹی سے۔ نسائی کی روایت میں آخری جملہ نہیں ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی اور ابن عبدالبر نے مختلف سندوں سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے۔

ابن منذر اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو حرمت آزاد عورتوں کی ہے وہی حکم باندیوں کی حرمت کا ہے سوائے تعداد کے کہ باندیاں رکھنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں اور نکاح میں چار عورتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔

حدیث منقول ہے کہ حضرت ابو طفیل غنوی نے کہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت سامنے سے آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے چادر مبارک بچھادی اور وہ بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو بتایا گیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ رواہ ابوداؤد۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ نسب و رضاعت دونوں سلسلوں میں عورت کے لئے شوہر کے اصول و فروع سے مطلقاً نکاح حرام ہے اور شوہر کیلئے عورت کے اصول سے تو مطلقاً نکاح ناجائز ہے اور عورت کی فروع سے اس وقت ناجائز ہے جب عورت سے قربت کر لی ہو۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ
اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور اُن کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں
مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے تم نے صحبت کی
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ
اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں

اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ
اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں
تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾
بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

سسرالی کی وجہ سے حرام ہونے والے رشتے:

اب محرمات مصاہرۃ کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دیدو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی عورتیں داخل ہیں کہ ان سے کبھی تمہارا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔

دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مر گئی تو ان سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فی حجورکم فرمانے سے یہ مطلب ہے کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کسی عورت کو شہوت سے چھونا اور اندرونی شرمگاہ کو شہوت کے

ساتھ دیکھ لینا امام اعظمؒ کے نزدیک جماع کے حکم میں ہے۔

شیخ ابن حجر نے لکھا کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نہایت قوی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا عورت مرجائے اور جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس عورت کی ماں سے اس شخص کو نکاح کرنا درست نہیں طبرانی نے اس مسئلہ پر اجماع ہونا بیان کیا ہے۔

مسئلہ: مزنیہ کے بیٹے کے لئے زانی باپ کی منکوحہ حرام ہے اسی طرح مزنیہ کی بیٹی اپنے زانی باپ کیلئے حرام ہے کیونکہ اوّل صورت میں وہ زانی کا بیٹا اور دوسری صورت میں زانی کی بیٹی ہے عربی زبان میں وہ بیٹا بیٹی ہی ہے (خواہ نکاحی نہیں ہے) اور جب تک لغت کے خلاف نقل شرعی نہ ہو اس وقت تک لغوی معنی ہی کلام میں معتبر رہیں گے ہاں اگر نقل شرعی ہو تو شرعی معنی کا اعتبار ہوگا۔

اگر ایک بہن سے زناء کیا ہو تو دوسری سے نکاح کرنا حرام نہیں، جیسے ایک بہن کے مرنے کے بعد یا طلاق دے دینے اور عدت گذر جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح حرام نہیں۔

ابن وہب نے بوساطت ایوب ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہاتھ سے کسی عورت کو دبایا ہو اس سے زیادہ کچھ نہ کیا ہو کہ اس کی لڑکی سے نکاح نہ کرے یہ روایت بھی مرسل منقطع ہے مگر ہمارے نزدیک مرسل منقطع کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر تمام راوی ثقہ ہوں (انتہی) (کلام ابن ہمام)

امام شافعیؒ نے اپنی دلیل میں دو حدیثیں بیان کی ہیں ایک حضرت عائشہؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام حلال کو فاسد نہیں کرتا۔ ﴿رواہ الدارقطنی﴾

خلاصہ یہ ہوا کہ چار اصناف کی عورتیں حرام ہیں۔ نکاح کرنے والے کی اصل نکاح کرنے والے کی فرع۔ اصل قریب کی فرع خواہ قریب ہو یا بعید۔ اصل بعید کی فرع قریب۔ اس سے بھی زیادہ مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان دو مرد و عورت کا باہم نکاح حرام ہے جن میں باہم رشتہ ولادت ہو یا ایک دوسرے کے باپ یا ماں کی فرع ہو۔

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور دودھ شریک بہنیں باجماع علماء رضاعی پھوپھیاں خالائیں بھتیجیاں بھانجیاں بھی حرام ہیں اور نسب کی وجہ سے جس سے نکاح حرام ہے رضاعت کی وجہ سے بھی اس سے نکاح درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رضاعت سے بھی وہی حرام جو نسب سے حرام ہے۔ دوسری روایت میں نسب کی جگہ ولادت کا لفظ آیا ہے۔ رواہ الشیخان۔ (البخاری والمسلم)

یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو اپنے چچا حمزہؓ کی لڑکی سے نکاح کرنے کی خواہش ہے وہ قریش میں حسین ترین عورت ہے فرمایا کیا تم کو علم نہیں ہے کہ حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ نے جس نسبی رشتہ میں نکاح حرام کیا ہے اسی رضاعی رشتہ میں بھی حرام کیا ہے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرا رضاعی چچا آیا اور میرے پاس اندر آنے کی اس نے اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تاوقتیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرلوں اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے مسئلہ دریافت کیا فرمایا وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دیدے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو عورت نے دودھ پلایا تھا مرد نے نہیں پلایا فرمایا بلاشبہ وہ تیرا چچا ہے تیرے پاس اندر آ سکتا ہے۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہؓ کے گھر میں داخلہ کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر داخلہ کی اجازت کا طلبگار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے رضاعی چچا کے متعلق فرمایا میرے خیال میں فلاں شخص ہوگا میں نے یہ سن کر اپنے رضاعی چچا کا نام لے کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر فلاں شخص زندہ ہوتا تو کیا وہ میرے پاس اندر آ سکتا تھا فرمایا ہاں جو حرمت ولادت کے رشتہ سے ہوتی ہے وہی رضاعت کے رشتہ سے ہوتی ہے۔ ﴿رواہ البغوی﴾

﴿پارہ لن تنالوا ختم ہوا﴾

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ
اور خاوندوالی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں
اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر

محرمات بوجہ نکاحِ غیر:

محرمات کو ذکر فرما کر اخیر میں اب ان عورتوں کی حرمت بیان فرمائی جو کسی کے نکاح میں ہوں یعنی جو عورت کسی کے نکاح میں ہے اس کا نکاح اور کسی سے نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ بذریعہ طلاق یا وفات زوج نکاح سے جدا نہ ہو جائے اور عدت طلاق یا عدت وفات پوری نہ کر لے اس وقت تک کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

باندی:

لیکن اگر کوئی عورت خاوند والی تمہاری ملک میں آجائے تو وہ اس حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے اور وہ تم پر حلال ہے گو اس کا خاوند زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی اس کو نہیں دی اور اس کی صورت یہ ہے کہ کافر مرد اور کافر عورت میں باہم نکاح ہو اور مسلمان دارالحرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو وہ عورت جس مسلمان کو ملے گی اس کو حلال ہے گو اس کا زوج دارالحرب میں زندہ موجود ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی اب سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں تاکید فرما دی کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔

فائدہ: جو عورت کافرہ دارالحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گذر جائے اور وہ عورت مشرکہ بت پرست نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شادی شدہ جنگی قیدی خواتین:

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قیدی عورتیں آئیں جو خاوند والیاں تھیں، تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سوال کیا جس کی بابت یہ آیت اتری اور ان سے ملنا حلال کیا گیا۔

محصنات کہنے کی وجہ:

سہاگن عورتوں کو محصنات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح اور بیاہ سے ان کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

دارالحرب سے آئی ہوئی خواتین:

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول ان عورتوں کے متعلق ہوا جو خود بغیر شوہر کے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجاتی تھیں اور بعض مسلمان ان سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کے شوہر مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجاتے تھے اللہ نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کی اس آیت میں ممانعت فرما دی۔

میں کہتا ہوں شاید اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آزاد عورت اگر ہجرت کر کے آجائے اور اس کا شوہر مسلمان ہو تو خواہ وہ دارالحرب میں ہی ہو مگر اس عورت کا جدید نکاح جائز نہیں کیونکہ دین دونوں کا ایک ہے اگرچہ حکماً وطنیت کا اختلاف ہے لیکن اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر آئے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو اور دارالحرب میں موجود ہو تو ایسی عورت کا جدید نکاح درست ہے۔

لیکن امام اعظم اور صاحبینؒ کے نزدیک دارالحرب سے نکلتے ہی مؤمن عورت کی اپنے کافر شوہر سے فرقت ہو جاتی ہے کیونکہ وطنیت حقیقتاً بھی بدل جاتی ہے اور حکماً بھی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک فرقت کے بعد کوئی عدت بھی نہیں ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک عدت لازم ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض ہو جانے کے بعد فرقت کا حکم ہوگا بشرطیکہ شوہر نے اس سے قربت کی ہو اور قربت نہ کی ہو تو مسلمان ہوتے ہی فرقت کا حکم ہو جائے گا وطنیت کے اختلاف سے ان ائمہ کے نزدیک کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جنگی قیدی عورتوں کے نکاح میں احتیاط:

طبرانی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول جنگ حنین کے دن ہوا۔ فتح حنین کے دن مسلمانوں کو کچھ عورتیں ہاتھ لگیں جو اہل کتاب کی تھیں اور ان کے شوہر موجود تھے اگر کوئی مسلمان ان میں سے کسی عورت سے قربت کرنی چاہتا تھا تو وہ کہتی تھی میرا شوہر ہے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت گرفتار ہو کر آئے خواہ شوہر کے ساتھ یا بغیر شوہر کے بہر طور شوہر سے فرقت ہو جاتی ہے اور جو اس عورت کا مالک ہو اس کے لئے اس عورت سے قربت درست ہے لیکن استبراء ضروری ہے کیونکہ اوطاس کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

منادی نے نداء کردی تھی کہ حاملہ عورتوں سے وضع حمل سے پہلے نکاح نہ کیا جائے اور نہ غیر حاملہ عورتوں سے جب تک ان کو حیض نہ آ جائے۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ آیت میں محصنات سے مراد ہوں صرف وہ آزاد عورتیں جو شوہروں والیاں ہوں اور ان پر قیاس کر کے منکوحہ باندیوں کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جائے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ منکوحہ آزاد عورتیں تم پر حرام کردی گئی ہیں سوائے ان عورتوں کے جن کو قید کر کے باندی بنالیا گیا ہو اس وقت خرید کردہ یا میراث میں ملی ہوئی باندی کو حکم حلت سے خاص کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ خریدنے (اور میراث میں آنے سے) پہلے وہ محصنہ ہی نہیں تھی، مملوکہ تھی ہاں وہ قیدی عورت جس کو قید کر کے باندی بنایا گیا ہو پہلے سے باندی نہیں تھی آزاد عورت تھی۔

(کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ) اللہ نے ان عورتوں کی حرمت کو تم پر فرض کر دیا ہے۔ عبیدہؒ کی روایت سے ابن جریرؒ نے کتاب اللہ کی تشریح میں حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے (یعنی) چار (عورتیں تمہارے لئے مقرر کر دی ہیں) اور ابن جریج کی روایت سے ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک سے چار تک نکاح میں لانے کی اجازت دی ہے۔) ﴿تفسیر مظہری جلد سوم﴾

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا
اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو
بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ
اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو

حِلّت کی چار شرطیں:

یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہوچکی ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو۔ یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں طرف سے ہوجائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کیلئے وہ اس کی زوجہ ہوجائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہوگیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب وقبول ہوگا تو یہ نکاح درست نہ ہوگا زنا سمجھا جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسئلہ: علقمہ کی روایت آئی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی نے بغیر مہر مقرر کئے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور جماع کئے بغیر مر گیا ہو تو کیا حکم ہے فرمایا عورت کے لئے مہر مثل ہوگا نہ کم نہ زیادہ اور عدت لازم ہوگی اور میراثی حصہ دیا جائے گا یہ سن کر حضرت معقلؓ بن سنان اشجعی کھڑے ہو گئے اور بولے ہمارے خاندان کی ایک عورت تھی بروع بنت واشق اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا جیسا آپ نے کیا اس پر حضرت ابن مسعودؓ خوش ہو گئے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی بیہقی نے کہا اس حدیث کی تمام سندیں اور روایتی سلسلے صحیح ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

مہر کی کم از کم مقدار:

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا کم سے کم مہر کی مقدار شرعاً مقرر ہے جتنی مقدار چوری کرنے سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہی مقدار کم سے کم مہر کی ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک یہ مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک پاؤ دینار یا تین درہم۔ جانب قلت میں مقدار مقرر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا (قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ) فرض کا معنی ہے اندازہ مقرر کرنا اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئی۔ (۱) شرعاً مہر کی مقدار مقرر کر دی گئی ہے لہٰذا جو شخص مہر کی مقدار معین نہیں کرتا وہ آیت کے مفہوم کو باطل قرار دیتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

محرمات کی تفصیل:

ان آیات میں محرمات یعنی ان عورتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن سے نکاح حرام ہے پھر بعض محرمات تو وہ ہیں جو کسی حال میں حلال نہیں ہوتیں، جنہیں محرمات ابدیہ کہا جاتا ہے اور بعض محرمات ابدیہ نہیں ہیں وہ بعض حالتوں میں حلال بھی ہو جاتی ہیں۔

شروع کی تین قسمیں محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ اور محرمات بالمصاہرۃ، محرمات ابدیہ ہیں، اور آخر کی ایک قسم منکوحہ عورتیں اس وقت تک کے لئے حرام ہیں جب تک وہ غیر کے نکاح میں ہیں۔

(وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ) جاہلیت کے زمانہ میں اس میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا کہ باپ مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے، اس آیت میں اللہ پاک نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمادیا

اوراس کوموجب مقت یعنی خدائے پاک سے ناراضگی کا باعث بتایا، ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کی خرابی ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے، اس کو باپ کی موت کے بعد بیوی بنا کر رکھ لیا۔

مسئلہ: آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے ان سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لئے نکاح کبھی حلال نہیں۔

اسی طرح سے بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں، اگر چہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہے، قال الشامی **وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولا.**

مسئلہ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ: یعنی اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے، اور لفظ امھاتکم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں۔

وبنتکم: اپنی صلبی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے، اور لڑکی کی لڑکی سے بھی اور بیٹے کی لڑکی سے بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیٹی، پوتی، پرپوتی، نواسی، پڑنواسی، ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے نہ کرنے میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے، اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے اس سے بھی نکاح درست نہیں۔

(وَاَخَوٰتُكُمْ) اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے، اور اس بہن سے بھی جو علاتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو۔

(وَعَمّٰتُكُمْ) اپنے باپ کی حقیقی بہن، علاتی، اخیافی بہن، ان تینوں سے نکاح حرام ہے، غرض کہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

(وَخٰلٰتُكُمْ) اپنی والدہ کی بہن حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی ہر ایک سے نکاح حرام ہے۔

(وَبَنٰتُ الْاَخِ) بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے، حقیقی ہو علاتی ہو یا اخیافی ہو، تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حلال نہیں ہے،

(وَبَنٰتُ الْاُخْتِ) بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے، اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ بہنیں خواہ حقیقی ہوں، علاتی ہوں یا اخیافی ان کی لڑکیاں شرعاً نکاح میں نہیں آسکتیں۔

(وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ) جن عورتوں کا دودھ پیا ہے اگر چہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں، اور ان سے بھی نکاح حرام ہے، تھوڑا سا دودھ پیا ہو یا زیادہ ایک مرتبہ پیا ہو یا متعدد دفعہ پیا ہو ہر صورت میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **انما الرضاعة من المجاعة** یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی، وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے ہی سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لے کر اڑھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہؒ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں، صرف دو سال کی مدت تک رضاعت ثابت ہوسکتی ہے، اور اسی پر امام محمدؒ کا فتویٰ بھی ہے، اگر کسی لڑکے لڑکی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ: یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی نے ایام رضاع میں کسی عورت کا دودھ پی لیا، وہ عورت ان کی رضاعی والدہ بن گئی، اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے، اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں، اور اس عورت کا جیٹھ دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور باہم ان سب میں حرمت رضاعت ثابت ہو گئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے رضاع کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة** (بخاری) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے، **ان اللہ حرم من الرضاعة ما حرم من النسب** (بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۷۳)

مسئلہ: اگر ایک لڑکے ایک لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو ان

دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ: رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے، اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی حلال ہے، اور رضاعی بہن کی نسبی بہن سے بھی اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاع میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ اندر پہنچا دیا جائے یا دودھ کا انجکشن دے دیا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: حرمت رضاع کے ثبوت کے لئے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے، ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، لیکن چونکہ معاملہ حرام وحلال سے متعلق ہے، اس لئے احتیاط کرنا افضل ہے، حتیٰ کہ بعض فقہاء نے یہ تفصیل لکھی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرنا ہو اور ایک دیندار مرد گواہی دے کہ یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں تو نکاح کرنا جائز نہیں، اور اگر نکاح کے بعد ہو تو احتیاط جدا ہونے میں ہے۔ بلکہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے تب بھی احتیاط اسی میں ہے کہ مفارقت اختیار کرلیں۔

مسئلہ: جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے حرمت رضاع ثابت ہوجاتی ہے، اسی طرح ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتوں کی گواہی سے بھی اس کا ثبوت ہوجاتا ہے۔ البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر نصاب شہادت پورا نہ ہو تب بھی شک سے بچنے کے لئے حرمت کو ترجیح دی جائے۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ : بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں۔ یہاں بھی امہات میں تفصیل ہے۔

اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں نسبی ہو یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مسئلہ: جس طرح منکوحہ بیوی کی ماں حرام ہے، اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو، یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو، یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو۔

مسئلہ: نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہوجاتی ہے، حرمت کے لئے دخول وغیرہ شرط نہیں۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہمبستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی حرام ہوگئیں، ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ہمبستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہوجاتیں، لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے، اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: یہاں بھی نسائکم میں تعمیم ہے۔ لہٰذا اس عورت کی لڑکی پوتی اور نواسی بھی حرام ہوگئیں جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہو۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ بیٹے کی بیوی حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا، نواسا بھی داخل ہیں، لہٰذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید سے متبنّیٰ (لے پالک) کو نکالنا مقصود ہے، اس کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے حقیقی بہنیں ہو یا علاتی ہوں یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں، یہ حکم سب کو شامل ہے۔ البتہ طلاق ہوجانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گزرنے کے بعد ہے، عدت کے دوران نکاح جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْءَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا (بخاری و مسلم)

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک آدمی قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس لئے کہ اس شخص نے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا۔ (مشکوۃ ص ۲۷۴)

ابن فیروز دیلمی کی روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں اسلام لے آیا تو دو بہنیں میرے نکاح میں تھیں، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے کر جدا کردو، اور ایک کو باقی رکھ لو۔ (حوالہ بالا)

ان روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حالت اسلام میں ابتداء منکوحۃ الاب اور جمع بین الاختین جائز نہیں، اسی طرح اگر حالت کفر میں نکاح کی یہ صورت واقع ہوئی ہو تو اسلام لانے کے بعد اس کو باقی رکھنا جائز نہ ہوگا۔

(اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا) اسلام سے پہلے جو کچھ انہوں نے حماقت میں کیا اب اسلام لانے کے بعد اللہ جل شانہٗ ان سے درگذر کرے گا، اوران کی طرف اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگا۔

شریعت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نہ صرف کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کے دوسرے نکاح کو حرام قرار دیا ہے بلکہ کسی عورت کا شوہر طلاق دیدے یا مرجائے تو اس کی عدت گذرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

(اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) یہ جملہ (وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ) سے استثناء ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر والی بیوی سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی عورت مملوکہ باندی ہوکر آجائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دارالحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کر کے لے آئے، ان عورتوں میں جو عورت دارالاسلام میں لائی گئی اور اس کا شوہر دارالحرب میں رہ گیا، تو اس عورت کا نکاح دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہوگیا، اب یہ عورت اگر کتابیہ یا مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کرسکتا ہے، اوراگر امیر المؤمنین اس کو باندی بنا کر کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی اس سے استمتاع جائز ہے۔ لیکن یہ نکاح اور استمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے، اور اگر حمل ہے تو وضع حمل ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے، اوراس کا شوہر کافر ہے تو تین حیض گذرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہوجائے گی۔

مسئلہ: اوراگر دارالاسلام میں کوئی کافر عورت مسلمان ہوجائے، اوراس کا شوہر کافر ہو تو حاکم شرع اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق شمار ہوگی، اس کے بعد عدت گذار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے۔

(كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ) یعنی جن محرمات کا ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے، قال القرطبی ای حُرِّمَتْ هٰذِهِ النِّسَاءُ كِتَابًا مِنَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ.

(وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ) ، یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد، ماموں چچا کی بیوی ان کی وفات یا طلاق دینے کے بعد، بشرطیکہ یہ مذکورہ اقسام اور کسی رشتہ سے محرم نہ ہوں، اور اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی جب وہ طلاق دیدے یا وفات پاجائے، بیوی مرجائے تو اس کی بہن کے ساتھ وغیرہ بہت سی صورتیں بنتی ہیں، ان سب کو ماوراء ذلکم کے عموم میں داخل فرمادیا،

(اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ) ، یعنی محرمات کا یہ بیان تمہارے لئے اس لئے کیا گیا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو، اوران کو اپنے نکاح میں لاؤ۔

مہر ضروری ہے:

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح بغیر مہر کے ہوگا تب بھی مہر لازم ہوگا، (جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے)۔ دوسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہونی چاہئے جس کو مال کہا جاسکے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہونا چاہئے، ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

(مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ) یعنی اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں طلب کرو اور یہ سمجھ لو کہ عورتوں کی تلاش عفت وعصمت کے لئے ہے جو نکاح کا اہم مقصد ہے اور نکاح کے ذریعہ اس چیز کو حاصل کرو، مال خرچ کر کے زنا کے لئے عورتیں تلاش نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ اگرچہ زنا کار بھی مال خرچ کرتے ہیں لیکن وہ مال خرچ کرنا بھی حرام ہے، اوراس مال کے ذریعہ جو عورت حاصل کی جائے اس سے استمتاع حلال نہیں ہوتا لفظ غیر مسافحین بڑھا کر زنا کی ممانعت فرماتے ہوئے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ زنا میں صرف شہوت رانی، سفح ماء، پانی بہانا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ اس سے طلب الولد اور ابقاء النسل کا ارادہ نہیں ہوتا، مسلمانوں کے پاک دامن رہنے اور تکثیر نسل انسانی کے لئے اپنی قوت کو برمحل خرچ کرنا چاہئے، جس کا طریقہ ملک نکاح اور ملک یمین ہے،

حرمت متعہ:

لفظ استمتاع کا مادہ م، ت، ع ہے، جس کے معنی کسی فائدہ کے حاصل ہونے کے ہیں، کسی شخص سے یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں، عربی قواعد کی رو سے کسی کلمہ کے مادہ میں س اور ت کا اضافہ کردینے سے طلب وحصول کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں، اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کا سیدھا مطلب پوری امت کے نزدیک خلفاً عن سلف وہی ہے، جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے، لیکن ایک فرقہ کا کہنا ہے

کہ اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے، اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت متعہ حلال ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ متعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ محصنین غیر مسافحین سے ہو رہی ہے جس کی تشریح آگے آرہی ہے۔ متعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن کیلئے اتنے پیسے یا فلاں جنس کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں۔

متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا، اور نہ عفت وعصمت، اور اسی لئے جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو فریق مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا، اور اس کو ازواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا، اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے اس لئے مرد وعورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں جب یہ صورت ہے تو متعہ عفت وعصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

امام ترمذیؒ نے باب ماجاء فی نکاح المتعۃ کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں، پہلی حدیث یہ ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الاهْلِيَةِ زَمَنَ خَيْبَرَ۔

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے،

دوسری حدیث جو امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ حَتّٰى اِذَا اُنْزِلَتِ الْاٰيَةُ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَا هُمَا فَهُوا حَرَام۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہد اول میں مشروع تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ (اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ) نازل ہوئی تو منسوخ ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زوجہ شرعیہ اور مملوکہ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔"

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کچھ عرصہ تک متعہ کو جائز سمجھتے تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم ج۱ ص۴۵۲ پر ہے) اور آیت شریفہ (اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ) سے متنبہ ہو کر رجوع فرما لیا، جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو فرقہ حلت متعہ کا قائل ہے باوجود یکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب اور فرمانبردار ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن اس مسئلہ میں وہ ان کا بھی مخالف ہے، (وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ)۔

صاحب روح المعانی، قاضی عیاضؒ سے نقل کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا، پھر غزوۂ خیبر میں حرام کر دیا گیا، اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا، لیکن پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔

مسئلہ: نکاح متعہ کی طرح نکاح موقت بھی حرام اور باطل ہے، نکاح موقت یہ ہے کہ ایک مقرر مدت کے لئے نکاح کیا جائے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ متعہ میں لفظ متعہ بولا جاتا ہے، اور نکاح موقت لفظ نکاح سے ہوتا ہے۔

(فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ) پس جس طریق سے تم عورتوں سے لذت اندوز ہو گئے ہو تو ان کے مہران کو دو۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت میں عقد متعہ مراد ہے یعنی ایسا عقد جس میں مہر معین ہوتا ہے اور مدت معین ہوتی ہے۔ مدت مقررہ گذرنے کے بعد بائنہ ہو جاتی ہے طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی مگر استقرار حمل سے رحم کی صفائی دیکھنے کے لئے ایک حیض کا انتظار کرنا ضروری ہے اگر مدت کے اندر زوجین میں سے کوئی مر جائے تو ایک کو دوسرے کی میراث بھی نہیں ملتی اس عقد کرنے والوں پر نہ زوج کا اطلاق ہوتا ہے۔ نہ زوجہ کا یعنی یہ میاں بیوی نہیں ہوتے۔

مسئلہ: متعہ کے ناجائز اور حرام ہونے پر اجماع ہو چکا سوائے شیعہ کے اور کوئی اس کی حلت کے قائل نہیں ہیں حرمت متعہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے اللہ نے فرمایا

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ

متعہ والی عورت کو زوجہ نہیں کہا جاتا اور نہ وہ مملوکہ ہے اسی لئے متعہ کرنے والے اور عورت میں سلسلہ توارث قائم نہیں (اور زوجہ یا مملوکہ کے سوا تیسری عورت سے شرمگاہ کو محفوظ نہ رکھنے والے کو حق سے تجاوز کرنے والا کہا ہے معلوم ہوا کہ متعہ کو حلال قرار دینا حد شرعی سے تجاوز کرنا ہے)

مسلمؒ نے راوی مذکور کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متعہ کی اجازت دیدی تھی اس لئے میں اور ایک آدمی ایک عامریہ عورت کے پاس گئے عورت جوان اور صراحی گردن تھی (یعنی کسی قدر دراز قامت تھی) ہم دونوں نے اس سے در پردہ درخواست کی، اس

نے مجھ سے کہا تم مجھے کیا دو گے میں نے کہا اپنی چادر پیش کروں گا میرے ساتھی نے بھی اپنی چادر کی پیش کش کی اس کی چادر میری چادر سے اچھی تھی مگر میں اس سے اچھا جوان تھا عورت نے میرے ساتھی کی چادر دیکھ کر پسند کی اور جب مجھے دیکھا تو مجھے پسند کیا پھر کہنے لگی تیری چادر میرے لئے کافی ہے تو مجھے پسند ہے چنانچہ میں اس کے ساتھ تین شب رہا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو وہ اس کو چھوڑ دے۔

ابن ماجہ نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز تک متعہ کی اجازت ہم کو دے رکھی تھی پھر حرام فرما دیا اب اگر میں کسی کو متعہ کئے ہوئے پاؤں گا تو خدا کی قسم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کردوں گا بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا لوگ عقد متعہ کیوں کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی تھی، اگر کسی نے متعہ کیا ہو گا اور میرے پاس اس کو لایا جائے گا تو میں ضرور اس کو سنگسار کردوں گا۔

حازمی نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تبوک کے جہاد کے لئے گئے عقبہ (علاقہ) شام میں پہنچے تو وہاں کچھ عورتیں آ گئیں ہم نے ان سے متعہ کر لیا اس خیال سے کہ یہ ہماری اونٹنیوں پر سوار ہو جائیں گی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور عورتوں کو دیکھ کر فرمایا یہ کون ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورتیں ہیں ہم نے ان سے متعہ کر لیا ہے۔ یہ بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ رخسار مبارک سرخ ہو گئے اور چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور حمد وثناء کے بعد متعہ کی ممانعت فرمادی، حکم پاتے ہی ہم نے عورتوں کو رخصت کر دیا پھر ایسی حرکت نہیں کی اور نہ آئندہ کبھی کرینگے۔

طحاوی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تبوک کے جہاد کو نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع میں پڑاؤ کیا وہاں کچھ چراغ (روشن) دیکھے اور عورتوں کو روتے ہوئے پایا فرمایا یہ کیا ہے عرض کیا گیا یہ عورتیں ہیں ان کے مردوں نے ان سے متعہ کیا تھا اور اب ان سے جدا ہو رہے ہیں فرمایا طلاق اور نکاح اور عدت اور میراث (کے قانون) سے اللہ نے متعہ کو حرام اور باطل کر دیا ہے، دار قطنی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ اللہ نے طلاق اور عدت اور میراث (کے حکم) سے متعہ (کے جواز) کو ڈھا دیا۔

حضرت ابن ابی عمرۃؓ انصاری نے فرمایا آغاز اسلام میں مجبور شخص کے لئے متعہ کی اجازت تھی جیسے مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کی پھر اللہ نے دین کو محکم کر دیا اور متعہ کی ممانعت فرمادی بیہقی نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ انتقال سے پہلے حضرت ابن عباسؓ نے حلت کے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا، ابوعوانہ نے صحیح میں بھی اسی طرح کا ذکر کیا ہے۔

مسلم میں باب نکاح المتعہ کے عنوان میں درج ہے کہ نکاح متعہ کی اجازت دی گئی پھر اجازت منسوخ کر دی گئی پھر اجازت دی گئی پھر اجازت منسوخ کر دی گئی اور قیامت تک کے لئے حرمت کا فیصلہ ہو گیا۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ
پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان
اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ
کے حق جو مقرر ہوئے

یعنی جس عورت سے نکاح کیا اور اس کے بعد زوج نے اس سے کسی مدت معین قلیل یا طویل تک نفع بھی حاصل کر لیا کم سے کم یہ کہ ایک ہی دفعہ وطی یا خلوت صحیحہ کی نوبت آئی تو اب اس عورت کا پورا مہر دینا لازم ہے بدون عورت کے بخشے کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا البتہ جب تک عورت بالکل کام میں نہ آوے اور زوج طلاق دے دے تو مہر مقررہ کا آدھا دینا ہوگا اور اگر عورت نے انتفاع سے پہلے کوئی ایسی بات کی کہ نکاح ٹوٹ گیا تو زوج کے ذمہ سب مہر اتر جائے گا کچھ دینا نہ پڑے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہمبستر ہونا اور وطی کرنا مراد ہے، اگر محض نکاح ہو جائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے تو آدھا مہر واجب ہوتا ہے، اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں خصوصی توجہ دلائی ہے کہ جب کسی عورت سے استمتاع کر لیا تو اس کا مہر دینا ہر طرح سے واجب ہو گیا، اس میں کوتاہی کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اور انسانی غیرت کا بھی یہ تقاضٰی ہے کہ جب نکاح کا مقصد حاصل ہو گیا تو بیوی کے حق میں کوتاہی اور ٹال مٹول نہ ہو، البتہ شریعت عورت کو یہ حق بھی دیتی ہے کہ مہر اگر موجل ہے تو مہر کی وصولی تک وہ شوہر کے پاس چلے جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ (مظہری)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ
اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی

الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۴﴾

رضا سے مقرر کئے پیچھے بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا

رضائے باہمی: یعنی اگر زوجین مہر مقرر کر لینے کے بعد کسی بات پر راضی ہو جائیں مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ کم کر دے یا مرد اپنی رضا سے مہر مقررہ سے کچھ زیادہ دے تو وہ مختار ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں یہ نہیں کہ مہر مقررہ سے زوج کچھ کم دے یا عورت اس سے کچھ زیادہ لے تو ناجائز ہے ہاں رضائے باہمی ضرور ہونی چاہئے، اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع ونقصان کو خوب جانتا ہے اور جو حکم فرماتا ہے وہ سراسر حکمت آمیز ہوتا ہے اسکی متابعت میں تمہارے لئے دارین کی خوبی اور بہبودی ہے اور مخالفت میں سراسر نقصان اور خرابی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ

اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے

الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

بیبیاں مسلمان تو نکاح کرلے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ

جو تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان

باندی سے نکاح: یعنی جس کو اس بات کا مقدور نہ ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے اور اس کے مہر اور نفقہ کا تحمل کر سکے تو بہتر ہے کہ ایسا شخص آپس میں کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے کہ اس کا مہر کم ہوتا ہے نفقہ میں بھی یہ سہولت ہے کہ اگر مالک نے اس کو اپنے یہاں رکھا جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو زوج اس کے نفقہ سے فارغ البال رہے گا اور اگر زوج کے حوالہ کر دیا تو بھی بہ نسبت نفقہ حرہ تخفیف ضرور رہے گی۔

باندی سے نکاح کی شرائط:

فائدہ: جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مقدرت ہو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی صحت نکاح کے لئے لونڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک افضل ہے اگر لونڈی کتابیہ سے نکاح کرلے گا تو وہ بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگا ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس کو لونڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عورت محض عقد نکاح سے مہر کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے وصول مہر کئے بغیر شوہر کو قربت سے روک دینے کا اور اس کے ساتھ سفر میں جانے سے باز رہنے کا اس کو حق ہے۔ اور اگر مہر میں کسی غلام کو نامزد کیا گیا ہو تو عورت اس غلام کو آزاد کر سکتی ہے، شوہر آزاد نہیں رہ سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ: یہ آیت بتا رہی ہے کہ مقرر کرنے کے بعد اگر طرفین میں سے کوئی مہر میں زیادتی یا کمی کرے گا تو اس کا الحاق اصل مہر کے ساتھ ہو جائے گا (یعنی زیادتی یا کمی کے بعد مہر کی جتنی مقدار ہوگی اسی کو اصل مہر قرار دیا جائے گا پہلے تقرر کا اعتبار نہ ہوگا) اس لئے عورت کو جس طرح اصل مہر طلب کرنے کا حق ہے اسی طرح مرد کی طرف سے جو مہر کی مقدار بڑھا دی گئی ہو اس کا مطالبہ کرنے کا بھی اس کو استحقاق ہے۔

امام اعظمؒ نے فرمایا اگر قربت کے بغیر طلاق دے دی تو اصل مہر (کی تنصیف ہوگی اور اصل مہر) سے زیادہ کی ہوئی رقم کی تنصیف نہ ہوگی بلکہ وہ کل ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ: باجماع علماء عورت کو حق ہے کہ اپنے مہر کا کوئی حصہ بھی معاف کر دے اب اگر اس نے نصف مہر سے کم شوہر کو ہبہ کیا ہو اور قربت کے بغیر شوہر اس کو طلاق دیدے تو شوہر دیئے ہوئے مہر میں سے عورت سے اتنی مقدار کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ نصف مہر مکمل ہو جائے۔ شیخین کا یہی قول ہے لیکن امام محمدؒ نے فرمایا کہ جتنی مقدار عورت کے قبضہ میں پہنچ گئی اور رہ گئی ہے اس کے نصف کا مطالبہ کر سکتا ہے (اور جو حصہ عورت نے از خود ساقط کر دیا اس کو محسوب نہیں کیا جائے گا)

(إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا) یہ حقیقت ہے کہ اللہ مصالح سے بخوبی واقف ہے اور جو احکام اس نے دیئے ہیں ان کی حکمت کو وہ جانتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد سوم﴾

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ

اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو

باندی سے نفرت نہ کرو:

یعنی اللہ تعالیٰ کو تم سب کے ایمان کی اصلی کیفیت معلوم ہے تم کو تو ظاہر پر اکتفا کرنا چاہئے بعضی لونڈی کا ایمان اللہ کے نزدیک بعضی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہو سکتا ہے تو اب حیثیت ایمانی سے لونڈی کے ساتھ نکاح کر لینے میں قباحت اور انکار نہ ہونا چاہئے اور آپس میں تم سب ایک ہو ایک اصل سے پیدا ہوئے ہو ایک دین میں شریک ہو پھر لونڈیوں سے نکاح کرنے کو

کیوں معیوب اور ننگ و عار سمجھتے ہو اس کلام سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف توجہ دلانا اور ان سے نفرت کو دور کرنا مطلوب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مہر موافق دستور کے قید میں آنے والیاں ہوں
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ
نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں

باندیوں سے باضابطہ نکاح:

تو اب مناسب ہے کہ حسب بیان بالا ان لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو ان کے مالکوں سے اجازت لے کر اور قاعدہ اور دستور کے موافق ان کا مہر دیدیا کرو جب کہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں مستی نکالنے والیاں اور مخفی یاری کرنے والیاں ہرگز نہ ہوں یعنی زنا نہ ہو کہ اس میں مہر ہرگز لازم نہ ہو سکے گا اس سے معلوم ہو گیا کہ زنا میں مہر لازم نہیں ہوتا اور نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ
پھر جب وہ قید نکاح میں آچکیں تو اگر کریں بے حیائی
فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ
کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی
مِنَ الْعَذَابِ
سزا سے

باندی کی سزا نصف ہے:

یعنی جو آزاد مرد یا عورت نکاح سے فائدہ اٹھا چکے یعنی مجامعت کی نوبت آچکی ہو اور پھر وہ زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور اگر نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح سے پہلے ہی زنا کیا تو اس کے لئے سو کوڑوں کا حکم ہے اور لونڈی اور غلام کے لئے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا
یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے اور صبر کرو تو
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾
بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

باندی سے نکاح کا مقصد:

یعنی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ارشاد اور استحسان اسی کے حق میں ہے جو کوئی شخص تم میں ڈرتا ہو مشقت یعنی زنا میں مبتلا ہونے سے اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو بہت اچھا ہے تمہارے حق میں کیونکہ اولاد آزاد ہوگی ہاں جس کو صبر و تحمل میں کھٹکا ہو تو اس کو بہتر ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی لونڈی سے نکاح کر لے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے صبر کرنے والوں پر۔ (تفسیر عثمانی)

غلام و باندی:

فائدہ: آیت بالا کی تفسیر میں جو غلام و باندی کا ذکر آیا ہے ان سے شرعی غلام و باندی مراد ہیں جو کافر مرد و عورت جہاد کے موقع پر قید کر لئے جاتے تھے اور امیر المومنین ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا تھا، یہ قیدی غلام و باندی بن جاتے تھے، پھر ان کی نسل بھی غلام رہتی تھی (باستثناء بعض صورتوں کے) جن کا تفصیلی ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے جب سے مسلمانوں نے شرعی طور پر جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے، اور اپنے جہاد اور صلح و جنگ کا مدار دشمنان دین کے اشاروں پر رکھ دیا ہے اور غیر شرعی اصول کے پابند ہو گئے ہیں اس وقت سے غلام اور باندی سے محروم ہو گئے، موجودہ نوکر چاکر اور گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں غلام باندی نہیں ہیں، اسلئے کہ یہ آزاد ہیں،

بعض علاقوں میں بچوں کو بیچ دیتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں، یہ سراسر حرام ہے، اور ایسا کرنے سے یہ غلام باندی نہیں بن جاتے۔

باندی سے نکاح کی کراہت کی وجہ:

☆ حاکم اور ابن حبان نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ، بزار اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے باندیوں سے نکاح کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ اولاد غلام ہوگی اور غلامی موت کے حکم میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے نطفوں کے لئے انتخاب کرو، کفو سے نکاح کرو اور کفو سے نکاح کراؤ، رواہ ابوداؤد والحاکم بیہقی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ یہ

حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی ہے۔

زناء کی سزا:

مسئلہ: آزاد مرد اور عورت اگر مرتکب زناء ہو جائیں اور نکاح شدہ نہ ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی سزا سو تازیانے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ)

زانی اور زانیہ میں سے ہر ایک کے سو تازیانے مارو۔ امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک تازیانوں کے ساتھ ایک سال کے لئے جلاوطن کر دینا بھی ضروری ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جلاطن کرنے کی سزا مرد کے لئے ہے عورت کے لئے نہیں۔ جلاوطنی کی سزا کی دلیل حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ بے شوہر والی بے بیوی والے سے زناء کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ان کی سزا ہے۔ (رواہ مسلم)

(وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ): یعنی جو شخص باندیوں سے نکاح کے بغیر نہ رہ سکے تو اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے اور رحمت والا ہے کہ اس کو باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

بتقاضائے آیت امام صاحب کے نزدیک بے ضرورت باندیوں سے نکاح مکروہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا باندی سے نکاح کا جواز عمومی ہے باندی مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو، حرہ سے نکاح کرنے کی استطاعت ہو یا نہ ہو بہر حال جائز ہے صرف ضرورت پوری کرنے کے لئے ہی نہیں ہے اگرچہ بے ضرورت مکروہ ہے مگر جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا تم لوگ کچھ اعمال ایسے کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک حقیر ہوتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ان کو تباہ کن جرائم میں شمار کرتے تھے۔ رواہ البخاری عن ابی سعید بسند صحیح واحمد مثلہ۔ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ
پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۲۶)
جاننے والا ہے حکمت والا

احکام الٰہی کا مقصود:

یعنی اللہ تعالیٰ کو ان احکام کے ارشاد سے مطلوب یہی ہے کہ تم کو حلال اور حرام کا حال معلوم ہو جائے اور تم کو پہلے انبیاء کا راستہ نصیب ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور مغفرت کرے تمہاری اور اللہ کو تمہارے مصالح اور تمام حالات کا پورا علم ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت ہے تو اب اگر اس کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو ہدایت سے بھی محروم اور پہلوں کے بھی مخالف اور اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہو گے۔

فائدہ: پہلے سے زنا اور لواطت کی حرمت اور ان سے توبہ کرنا اور عورتوں کے متعلق بعضے احکام اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا ذکر اور نکاح کے متعلق مہر وغیرہ قیود وشرائط کا تذکرہ اور بدکاری سے ممانعت اور اس پر سزا کا ذکر تھا اور بچند وجوہ لوگوں کو ان حکموں کی اطاعت دشوار تھی اس لئے اس آیت میں اور آئندہ کی دو آیتوں میں ان احکام کی پابندی کو خوب مؤکد اور مستحکم کر کے مخالفت سے روک دیا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

پچھلی شریعتوں کے احکام:

(وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ): اور تم سے اگلے ایماندار لوگوں کے طریقے تم کو بھی بتا دے۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ گذشتہ شریعتوں کے احکام اگر وہ ہماری شریعت میں منسوخ نہ ہو گئے ہوں ہمارے لئے بھی باقی ہیں اور کتاب اللہ یا سنت سے۔ اگر ان کا ثبوت ہو رہا ہو تو ان کی تعمیل ہم پر بھی واجب ہے۔ ہاں یہودی روایات کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہودی روایات ناقابل اعتماد ہیں۔ البتہ اگر حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہونے کی حالت میں اسرائیلی روایات نقل کریں تو قابل اعتماد ہیں۔

(وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ): اور تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرے یعنی بیان احکام سے پہلے جو گناہ تم کر چکے ہو ان کو معاف کر دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو توبہ کرنے کی توفیق دینا چاہتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم ایسے کام کرلو جن سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

(وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ): اور اللہ مصالح احکام سے خوب واقف ہے اور اس کے احکام پر حکمت ہیں۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ
اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہووے اور چاہتے ہیں

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا
وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ
مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾
راہ سے بہت دور

شہوت پرستوں کی چاہت:

یعنی یہ مختلف قیدیں جو پہلے گذریں اس سے مطلوب تم پر رحمت فرمانا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قیدوں کی نسبت حکم فرمایا اور جو لوگ اپنی شہوتوں پر فریفتہ ہیں وہ البتہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے دور جا پڑو یعنی انہی کی طرح تم بھی اپنی شہوات کا اتباع کرو اور گمراہ ہو جاؤ تو اب جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔ (تفسیر عثمانی)

(وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ) اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو خواہشات پر چلتے ہیں یعنی شریعت کے نافرمان ہوتے ہیں لیکن اگر شریعت کے موافق خواہشات پوری کی جائیں تو یہ اتباع شریعت ہے اتباع شہوات نہیں ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ان خواہش پرستوں سے زنا کار لوگ مراد ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مجوسی مراد ہیں کیونکہ وہی تمام محرم عورتوں کو حلال جانتے ہیں۔ بعض نے یہودی مراد لئے ہیں کیونکہ یہودیوں کے نزدیک علاتی بہنیں اور بھتیجیاں بھانجیاں حلال ہیں۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۳)

جو لوگ متبع شہوات ہیں یعنی زنا کار اور وہ قومیں اور اصحاب مذاہب باطلہ جن کے نزدیک حرام حلال کوئی چیز نہیں وہ تم کو بھی راہ حق سے ہٹا کر اپنے باطل ارادوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کر لینا درست ہے، اور بہت سے ملحدین اس دور میں نکاح کو ختم کرنے ہی کے حق میں ہیں، اور بعض ممالک میں عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں، یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں۔ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جو ان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آ کر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں، اور دشمنوں کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور نادانستہ طور پر اس خام خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ ماڈرن نظریات کے حامی ہیں کاش! ہمارا دین بھی اس کی اجازت دیتا، العیاذ باللہ! اللہ پاک نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تم لوگ ایسے بدطینت انسانوں کے نظریات کو اپنانے سے دور رہنا۔ (معارف القرآن)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ
اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے
الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾
اور انسان بنا ہے کمزور

انسانی طبیعت کی رعایت:

یعنی انسان کو اللہ نے ضعیف بنایا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اپنی شہوات و مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے تو اس لئے ہر حکم میں تخفیف کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہوا کہ انسان کے حق میں جو مفید دیکھا وہ اس کے ذمہ لگا دیا سہل ہو یا دشوار مثلاً عورتوں اور شہوت سے صبر کرنا آدمی کو بہت دشوار تھا اس لئے اس کی خواہش پورا کر لینے کے لئے طریقے جائز اللہ نے بتلا دیئے کہ اس سے اپنا مطلب حاصل کر سکے یہ نہیں کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیا گیا ہو۔ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی کہ کوئی حلال کو چھوڑے اور حرام کی طرف دوڑے۔ خلاصہ ان آیتوں کا یہ نکلا کہ نفس کو شہوات سے بچانا اور ان تمام قیدوں کا پابند ہونا جو عورتوں کے بارہ میں مذکور ہوئیں ہرگز دشوار امر نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور سراسر مفید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟
آپس کی خوشی سے

ناحق مال نہ کھاؤ:

مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغا بازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں ہاں اگر سوداگری یعنی بیع و شراء کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں اس مال کو کھاؤ جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کو ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آیت میں (لَا تَاْكُلُوْٓا) کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں ''مت کھاؤ''

مگر عام محاورہ کے اعتبار سے اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مال کو ناحق طور پر کسی قسم کا تصرف نہ کرو، خواہ کھانے پینے کا ہو یا اسے استعمال کرنے کا، عرف میں کسی کے مال میں تصرف کرنے کو اس کا کھانا ہی بولا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ چیز کھانے کی نہ ہو، لفظ باطل جس کا ترجمہ ناحق سے کیا گیا ہے عبد اللہ بن مسعود اور جمہور صحابہؓ کے نزدیک تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت اور سود وقمار تمام معاملات فاسدہ میں داخل ہیں۔ ﴿بحر محیط﴾

تجارت اور محنت سب سے افضل ہے:

دوسرے کا مال حاصل کرنے کی جائز صورتوں میں سے اس آیت میں صرف تجارت کے ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسب معاش کے ذرائع میں سے تجارت اور محنت سب سے افضل اور اطیب ذریعہ معاش ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی کمائی حلال واطیب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ رواہ احمد والحاکم ﴿مظہری وترغیب وترہیب﴾

''یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی بیع وشراء (جس میں جھوٹ فریب نہ ہو)۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ

''سچا تاجر جو امانت دار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' ﴿ترمذی﴾

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

رواہ الاصبہانی ﴿ترغیب﴾

''سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوگا۔''

پاکیزہ کمائی کے خاص شرائط

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے، بشرطیکہ وہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں۔ اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں اور جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے اس میں خیانت نہ کریں، اور جب کوئی سامان (کسی سے) خریدیں تو ان کی عادت کے مطابق) اس سامان کو برا اور خراب نہ بتائیں، اور جب وہ ان کو فروخت کریں تو (واقعہ کے خلاف) اس کی تعریف نہ کریں، اور جب ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو ٹلائیں نہیں اور جب ان کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں۔ ﴿اخرجہ الاصبہانی، از حاشیہ مظہری﴾

ذخیرہ اندوزی:

مثلاً عام ضرورت کی چیزوں کو سب طرف سے سمیٹ کر کوئی ایک شخص یا ایک کمپنی اسٹاک کرے اور پھر اس کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کر کے فروخت کرنے لگے، چونکہ بازار میں دوسری جگہ ملتی نہیں، گاہک مجبور ہے کہ مہنگی سستی جیسی بھی یہ فروخت کرے وہ اس کو خریدے، اس صورت میں اگر چہ گاہک خود چل کر آتا ہے اور بظاہر رضامندی کے ساتھ خریدتا ہے، لیکن اس کی یہ رضامندی درحقیقت ایک مجبوری کے تحت ہے، اس لئے کالعدم ہے،

اسی طرح کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ معاشرت کی ایسی صورتیں پیدا کر دے کہ وہ اپنا مہر معاف کرنے پر مجبور ہو جائے، تو گو معافی کے وقت وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہے لیکن درحقیقت رضامندی نہیں ہوتی۔

یا کوئی آدمی جب یہ دیکھے کہ میرا جائز کام بغیر رشوت دیئے نہیں ہوگا وہ رضامندی کے ساتھ رشوت دینے کے لئے آمادہ ہو تو چونکہ یہ رضامندی بھی درحقیقت رضامندی نہیں اس لئے شرعاً کالعدم ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ سے بیع وشراء اور تجارت کی صرف انہی صورتوں کا جواز ثابت ہوا جن کا جواز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے۔ اور فقہاء نے ان کو منضبط کر دیا ہے اور جتنی صورتیں بیع وشراء اور تجارت کی شرعاً ممنوع وناجائز ہیں، وہ سب اس سے خارج ہیں، قرآن کریم کے اس ایک لفظ نے فقہ کی پوری کتاب البیوع اور کتاب الاجارہ کا مکمل بیان کر دیا۔

عن تراضٍ منکم: امام احمدؒ اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن شبل نے بیان کیا ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے تاجر ہی فاجر ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ نے بیع کو حلال نہیں کیا ہے فرمایا حلال کیوں نہیں کیا ہے مگر تاجر (بیچتے وقت) قسمیں کھاتے ہیں اور گناہگار ہو جاتے ہیں باتیں کرتے ہیں تو جھوٹی کرتے ہیں۔ حاکم نے حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجروں کو قیامت کے دن بدکاروں (کے گروہ) میں اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرتے ہوں اور نیکی کرتے ہوں اور (بیع کے وقت) سچ بولتے ہوں۔

حضرت رافعؓ بن خدیجؓ نے فرمایا عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی کون سی ہے فرمایا اپنے ہاتھ کی کمائی اور پاک بیع، رواہ احمد، حضرت مقدام بن معدی کربؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کسی نے کوئی کھانا نہیں کھایا، اللہ کے نبی داؤدؑ بھی اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔ رواہ البخاری، حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جو کچھ کھاتے ہو اس میں پاکیزہ ترین وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہو۔ اور تمہاری اولاد کی کمائی بھی تمہاری کمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ

اختیارِ فسخ:

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیع وشراء کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف اختیار (فسخ) ہے جب تک دونوں میں تفرق (جدائی) نہ ہو جائے۔ الخ متفق علیہ

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مجلس سے جدا ہونے سے پہلے ہی بیع کی تکمیل اور بیع وثمن میں تصرف کرنے کے جواز پر آیت ضرور دلالت کر رہی ہے مگر حق فسخ کی نفی پر دلالت نہیں کر رہی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ جس طرح امام اعظمؒ کے نزدیک تکمیل بیع کے بعد بھی خیار رویت اور خیار عیب ثابت رہتا ہے اسی طرح تکمیل بیع کے بعد مجلس سے جدا ہونے سے پہلے خیار مجلس ہونے کا اقرار کیا جائے تا کہ صحیح حدیث پر عمل ترک نہ ہونے پائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر باہمی رضامندی کے دونوں (عقد کر کے) جدا نہ ہوں۔ رواہ ابو داؤد۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو (مجلس کے اندر) بیع کے بعد (بھی فسخ کرنے کا) اختیار دیا تھا۔ رواہ الترمذی وقال صحیح غریب یہ احادیث صراحۃً بتا رہی ہیں کہ تکمیل بیع کے بعد بھی اس جگہ سے جدا ہونے سے پہلے فسخ بیع جائز ہے۔ واللہ اعلم

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ تم پر
رَحِيْمًا (۲۹)
مہربان ہے

رحمتِ الٰہی:

یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے کہ بلا وجہ کسی کے مال یا جان میں تصرف کرنے کو منع فرما دیا اور تم پر ایسے احکام بھیجے جن میں سراسر تمہارے لئے بہبودی اور خیریت ہے۔

خودکشی:

تم میں سے کوئی اپنے کو خود قتل نہ کرے۔ حضرت ثابت بن ضحاکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کرے گا قیامت کے دن اسی چیز کے ذریعہ اس کو عذاب دیا جائے گا۔ رواہ البغوی من طریق الشافعی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں جائے گا ہمیشہ ہمیشہ دوامی طور پر دوزخ میں لڑھکتا ہی چلا جائے گا اور جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ وہی لوہا ہاتھ میں لئے دوزخ کے اندر ہمیشہ ہمیشہ دوامی طور پر اپنے کو مارتا ہی رہے گا۔ الفاظ کی کچھ تقدیم وتاخیر کے ساتھ بخاری اور مسلم اور ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور نسائیؒ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ ابو داؤدؒ کی روایت میں آیا ہے جس نے زہر ڈکارا، وہ جہنم کی آگ میں زہر ہاتھ میں لئے زہر ڈکارتا رہے گا حضرت جندبؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ اقوام میں سے ایک آدمی کے اعضاء پر زخم ہو گیا اس سے برداشت نہ ہو سکا اور چھری نکال کر اس نے خود اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا آخر مرتے دم تک خون نہ رکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے جان دینے میں جلدی کی میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ ﴿رواہ البغوی﴾

مسلمان کو قتل کرنا:

مسلمان کو (بلا قصور) قتل کرنا شرک کے علاوہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت جریرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں لوگوں کو سنا دینا چاہتا ہوں (لوگ کان لگا کر سن لیں) میرے بعد تم لوگ لوٹ کر (عملاً) کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ ﴿رواہ البخاری﴾

عاصم بن بہدلہ کی روایت ہے کہ مسروق صفین میں گئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا لوگو متوجہ ہو کر سن لو بتاؤ اگر کوئی منادی آسمان سے تمہیں پکارے اور تم اس کو دیکھ بھی رہے ہو اور اس کا کلام بھی سن رہے ہو اور وہ یہ کہے کہ جن حرکات میں تم مشغول ہو اللہ تم کو اس کی ممانعت فرماتا ہے تو کیا اپنی حرکات سے باز آ جاؤ گے لوگوں نے جواب دیا سبحان اللہ (ضرور باز آ جائیں گے) اس پر مسروق نے کہا تو خدا کی قسم جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی لے کر نازل ہوئے تھے کہ اللہ نے فرمایا (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا) اور میری نظر میں آسمان سے نازل ہو کر رو در رو ہو کر کسی کا کچھ سنانا اور تمہارا اس سے سننا اس آیت کے نزول

سے زیادہ کھلا ہوا اور واجب الیقین نہیں ہے۔ «از مؤلف قدس سرہ»

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا
اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی اور ظلم سے
فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ
تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝
اللہ پر آسان ہے

ظلم وقتل کی سزا:

یعنی اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے باز نہ آئے بلکہ ناحق اوروں کا مال کھائے یا ظلماً کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کو آگ میں ڈال دینا خدا تعالیٰ کو دشوار نہیں بالکل سہل اور آسان ہے تو اب کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جاسکتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس کو عدل وانصاف سے کون چیز روک سکتی ہے۔ «تفسیر عثمانی»

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ
اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا
معاف کریں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے
كَرِيْمًا ۝
تم کو عزت کے مقام میں

گناہوں سے بچنے کی ترغیب:

پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو کوئی ظلماً کسی کے مال یا جان کو نقصان پہنچائے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی بندہ کے لئے موجب عذاب ہے اب اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر وعدۂ مغفرت اور جنت کی توقع اور طمع دلائی جاتی ہے تاکہ اس کو معلوم کر کے ہر ایک آدمی گناہوں سے احتراز کرنے میں کوشش کرے اور معلوم ہو جائے کہ جو کبیرہ گناہ مثلاً کسی کا مال غصب یا سرقہ کرنے یا کسی کو ظلماً قتل کرنے سے بچ گیا جن کا ذکر ابھی گذرا تو اس کے وہ تمام صغیرہ گناہ بخشے جائیں گے جن کا مرتکب بغرض تحصیل وتکمیل سرقہ اور قتل ہوا تھا۔ اس آیت میں چند باتیں بحث طلب ہیں مگر اصل سب کی یہی ہے کہ آیت کا اصلی اور عمدہ مطلب معلوم ہو جائے جس سے تمام امور کا جان لینا سہل ہو جائے۔

معتزلہ کا مذہب:

سو معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر اس آیت کا یہ مضمون سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی کبیرہ گناہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گو کتنے ہی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف ما اتفق ایک یا دو بھی شامل ہو گیا تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہوگی۔

مذہب اہل سنت:

اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بدفہمی اور کم فہمی ہے۔

معتزلہ کو جواب:

اور اس آیت کے ظاہری الفاظ اور سرسری مضمون سے جو معتزلہ کا مذہب راجح نظر آتا ہے اس کا جواب کسی نے تو یہ دیا کہ انتفاء شرط سے انتفاء مشروط کوئی ضروری امر ہرگز نہیں کسی نے یہ کہا لفظ کبائر سے جو آیت میں مذکور ہے اکبر الکبائر یعنی خاص شرک مراد لے لیا اور لفظ کبائر کی جمع لانے کی وجہ تعدد انواع شرک کو قرار دیا اور اسی کے ذیل میں چند اور باتیں بھی زیر بحث آ گئیں مگر ہم ان سب امور کو نظر انداز کر کے صرف اس آیت کے محقق اور عمدہ معنی ایسے بیان کئے دیتے ہیں جو نصوص اور عقل کے مطابق اور قواعد ارشاد محققین کے موافق ہوں اور بشرط فہم وانصاف معنی مذکور کے بعد تمام ضمنی باتیں خود بخود حل ہو جائیں اور خلاف معتزلہ خود بخود مضمحل ہو کر معتزلہ کے عدم تدبر اور کم فہمی پر حجت قوی بن جائے اور اہل حق کو اس کے ابطال وتردید کی طرف توجہ فرمانے کی حاجت ہی نہ رہے۔

آیت کا صحیح مطلب:

سو غور سے سنئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ارشاد: (اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ) جو کہ یہاں مذکور ہے اور ارشاد (اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ) جو سورۂ نجم میں موجود ہے ان ہر دو ارشاد کا مدعیٰ ایک ہے صرف لفظوں میں تھوڑا سا

فرق ہے تو اب جو مطلب ایک آیت کا ہوگا وہی دوسری آیت کا لیا جائے گا سو سورۂ نجم کی آیت کی نسبت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا ارشاد بخاری وغیرہ کتب حدیث میں صاف موجود ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا اَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنٰى اَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَى الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَى اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهٗ انتھی۔ بشرط فہم اس حدیث سے ہر دو آیت سابقہ کے واقعی اور تحقیقی مطلب کا پورا سراغ لگ گیا اور حضرت ابن عباسؓ خیر الامۃ اور لسان القرآن کے فرمانے سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لمم اور علیٰ ہذا القیاس سیئات کے معنی اس سے بہتر نہیں ملتے تو اب اس مطلب کے مقابلہ میں کوئی دوسری تقریر مضمون آیت کے متعلق کیونکر قابل ترجیح اور لائق پسند ہوسکتی ہے بالخصوص معتزلہ کی ہرزہ گوئی کیسے قابل التفات اور لائق جواب سمجھی جاسکتی ہے اور واقعی حدیث مذکور کا مطلب اور حضرت ابن عباسؓ نے جو اس سے بات نکالی ایسی عجیب اور قابل قبول تحقیق ہے کہ جس سے مضمون ہر دو آیت خوب محقق ہوگیا اور معتزلہ کے خرافات کی گنجائش اور اہل حق کو اس کی تردید کی ضرورت بھی نہ رہی اور ذیلی اور ضمنی اقوال واختلافات بھی بہت خوبی سے طے ہوگئے چنانچہ اہل فہم ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتے ہیں.. بغرض توضیح ہم بھی حدیث مذکور کا خلاصہ عرض کئے دیتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت سورۂ نجم میں جو لفظ لمم فرمایا گیا ہے جس کی معافی کا وعدہ کیا ہے اس کی تعیین اور تحقیق کے متعلق حدیث ابو ہریرہؓ سے بہتر ہم کو کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ نے ابن آدم کے ذمہ پر جو زنا کا حصہ مقرر فرما دیا ہے وہ ضرور اس کو عمل کر رہے گا سو فعل زنا میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے اور زبان کا حصہ یہ ہے کہ اس سے وہ باتیں کی جائیں جو فعل زنا کے لئے مقدمات اور اسباب ہوں اور نفس کا حصہ یہ ہے کہ زنا کی تمنا اور اس کی خواہش کرے لیکن فعل زنا کا تحقق اور اس کا بطلان دراصل فرج یعنی شرمگاہ پر موقوف ہے یعنی اگر فرج سے زنا کا صدور ہوگیا تو آنکھ زبان دل سب کا زانی ہونا محقق ہوگیا اور اگر باوجود تحصیل جملہ اسباب وذرائع صرف فعل فرج کا تحقق نہ ہوا بلکہ زنا سے توبہ اور اجتناب نصیب ہوگیا تو اب تمام وسائل زنا جو کہ فی نفسہ مباح تھے فقط زنا کی تبعیت کے باعث گناہ قرار دیئے گئے تھے وہ سب کے سب لائق مغفرت ہوگئے یعنی ان کا زنا ہونا باطل ہوگیا اور گویا ان کا قلب ماہیت ہوکر بجائے زنا عبادت بن گئی کیونکہ فی نفسہ تو وہ افعال نہ معصیت تھے نہ عبادت بلکہ مباح تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ زنا کے لئے وسیلہ بنتے تھے معصیت میں داخل ہوگئے تھے جب زنا کے لئے وسیلہ نہ رہے بلکہ زنا ہی بوجہ اجتناب معدوم ہو چکا تو اب ان وسائل کا زنا کے ذیل میں باقی ہونا اور ان کو معصیت قرار دینا انصاف کے صریح مخالف ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں پہنچا چوری کے خیال سے مگر وہاں جاکر عین موقع پر متنبہ پیش آیا اور چوری سے توبہ کی اور رات بھر اللہ کے واسطے نماز پڑھتا رہا تو ظاہر ہے کہ جو رفتار سرقہ کا ذریعہ نظر آتا تھا وہ اب توبہ اور نماز کا ذریعہ ہوگیا تو اس حدیث ابو ہریرہ کو سن کر عبد اللہ بن عباسؓ سمجھ گئے کہ لمم وہ باتیں ہیں جو دراصل گناہ نہیں مگر گناہ کا سبب ہوکر گناہ بن جاتی ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بڑے گناہ اور کھلے گناہ سے تو بچتے ہیں ہاں صدور لمم کی نوبت آجاتی ہے مگر بڑے اور اصلی گناہ کے صدور سے پہلے ہی وہ اپنے قصور سے تائب اور مجتنب ہوجاتے ہیں تو اب ابن عباسؓ نے جیسے حدیث ابو ہریرہ سے آیت سورۂ نجم کا مطلب سمجھ لیا ہم کو چاہئے کہ وہی معنی حسب ارشاد ابن عباسؓ ہم آیت سورۂ نساء کے بے تکلف سمجھ لیں جس کے بعد بحمد اللہ نہ ہم کو اس کی ضرورت ہوگی کہ اس آیت کی توضیح میں گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی مختلف تفسیریں نقل کریں اور نہ معتزلہ کے استدلال کے جواب کا فکر ہوگا اور تکفیر سیآت کی وجہ اور دخول جنت کا سبب بھی بسہولت مطابق قواعد معلوم ہوجائے گا اور اجتناب کے معنی بھی ظاہر ہوجائیں گے اور چھوٹی چھوٹی باتیں ان شاء اللہ بشرط تدبر طے ہوجائیں گی خلاصہ ہر دو آیت مذکور کا حسب ارشاد حدیث وبیان ابن عباسؓ یہ ہوا کہ جو لوگ ان گناہوں سے رکیں گے اور ان کے ارتکاب سے اپنے نفس کو ہٹاتے رہیں گے جو گناہ کہ گناہوں کے سلسلہ میں مقصود اور بڑے سمجھے جاتے ہیں تو اس اجتناب اور رک جانے کی وجہ سے ان کے وہ برے کام جو انہوں نے کسی بڑے گناہ کے حصول کی طمع میں کئے ہیں معاف کر دیئے جائیں گے اور حسب ارشاد: (وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى) وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ زنا کے صغائر کسی دوسرے سلسلہ کے بڑے گناہ مثلاً شراب خواری نہ کرنے سے فروگذاشت ہوجائیں گے یا شراب خواری کی وجہ سے ان کا مواخذہ لازم اور واجب ہوجائے گا۔ واللہ اعلم

گناہوں کی دو قسمیں

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، کچھ کبیرہ، یعنی بڑے گناہ اور کچھ صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرمادیں گے۔

کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض و واجبات کو ادا کرے، کیونکہ فرض و واجب کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ

ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جو شخص اس کا اہتمام پورا کرے کہ تمام فرائض و واجبات ادا کرے، اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے، تو حق تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کردیں گے۔

اعمال صالحہ سے چھوٹے گناہ دُھل جاتے ہیں:

کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بیباق کردیں گے، اور بجائے عذاب کے ثواب اور بجائے جہنم کے جنت نصیب ہوگی۔ جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہوگیا، چہرہ دھویا تو آنکھ، کان، ناک وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا، کلی کرلی تو زبان کے گناہ کا کفارہ ہوگیا پاؤں دھوئے تو پاؤں کے گناہ دھل گئے، پھر جب وہ مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

اسی لئے محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ گناہوں کو ترک کیا جائے، جو لوگ نماز، تسبیح کے ساتھ گناہوں کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادت مقبول نہیں، اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ تم جس قدر کسی گناہ کو ہلکا سمجھو گے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہوجائے گا۔ اور سلف صالحین نے فرمایا کہ ہر گناہ کفر کا قاصد ہے، جو انسان کو کافرانہ اعمال و اخلاق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا کہ بندہ جب خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے مداح بھی مذمت کرنے لگتے ہیں اور دوست بھی دشمن ہوجاتے ہیں۔ گناہوں سے بے پرواہی انسان کے لئے دائمی تباہی کا سبب ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر توبہ اور استغفار کرلیا تو یہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کی تو یہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور اس کا نام قرآن میں "رین" ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ یعنی ان کے دلوں پر زنگ لگادیا ان کے اعمال بدنے۔" البتہ گناہوں سے مفاسد اور نتائج بد اور مضر ثمرات کے اعتبار سے ان کے آپس میں فرق ضروری ہے، اس فرق کی وجہ سے کسی گناہ کو کبیرہ اور کسی کو صغیرہ کہا جاتا ہے۔

گناہ کبیرہ:

گناہ کبیرہ کی تعریف قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے ماتحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزاء دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں، اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں، اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرأت و بیباکی کے ساتھ کیا جائے یا جس پر مداومت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس پر اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں غصہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب کیا ہے یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہے یا اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے اور صغیرہ وہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب و لعنت وغیرہ جیسے امور کو نہیں فرمایا۔

کبیرہ گناہوں کی تعداد:

ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کس قدر ہیں فرمایا کہ سات سے لے کر قریب قریب ستر تک ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ شروع سورۃ نساء سے لے کر اس آیت تک حق تعالیٰ نے جن باتوں کی ممانعت فرمائی وہ سب کبیرہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صغائر کو کبائر سے ممتاز نہیں کیا تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر صغائر کو کبائر سے ممتاز کردیا جاتا تو لوگ صغائر کو ہلکا سمجھ کر ان سے بچنے کی چنداں پروا نہ کرتے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہوں کے کبیرہ ہونے پر نص فرمادی ہے۔ مثلاً (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا (۳) والدین کی نافرمانی کرنا (۴) جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا (۵) یتیم کا مال کھاجانا (۶) جادو کرنا (۷) زنا اور خاص کر ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے (۸) میدان جنگ سے بھاگنا (۹) اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشہ سے مار ڈالنا (۱۰) پاکدامن بے خبر مسلمان عورت پر بہتان باندھنا۔ یہ بخاری اور مسلم کے روایتوں کا مضمون ہے جن سے مقصود حصر نہیں۔ بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تفصیل آئی ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو نمازیں بلا عذر جمع کرے وہ ابواب کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حنش (یعنی حسین بن قیس واقع ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے روایت

کیا ہے۔ نیز موطا امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظم نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ نیز موطأ امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظم نے اپنی مملکت کے اطراف و جوانب میں جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا حکم لکھ کر بھیج دیا۔ اوراس بات کی سب کو اطلاع دیدی کہ وقت واحد میں دونمازوں کا جمع کرنا منجملہ بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ فاروق اعظمؓ کے اس فرمان واجب الاذعان سے معلوم ہوا کہ ابن عباس والی حدیث در حقیقت صحیح ہے اس لئے صحابہ نے دل و جان اس حکم کو قبول کیا پس ان احادیث کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو اگر تم جمع بین الصلاتین جیسے بڑے گناہ سے اجتناب کرو گے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے دوسرے گناہوں کو معاف کردیں گے ورنہ نہیں۔

یہ آیت یعنی (اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ) الخ۔ انہی پانچ آیتوں میں سے ہے جن کے متعلق عبداللہ بن مسعود کا قول نقل ہو چکا ہے کہ پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

امہات الکبائر:

بعض عارفین کا قول ہے کہ تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

(اول) اتباع ہوی۔ یعنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی پیروی کما قال تعالیٰ (وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) وعقوق والدین اور قطع رحمی وغیرہ اتباع ہوی سے پیدا ہوتا ہے۔

غبار ہوا چشم عقلت بدوخت | سموم ہوس کشت عمرت بسوخت
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک | کہ فرداشوی سرمہ در چشم خاک

(دوم حب دنیا) قتل اور ظلم اور غصب اور سرقہ اور سود خواری اور مال یتیم کا کھاجانا اور زکوٰۃ کا نہ دینا اور جھوٹی قسمیں کھانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام کبائر حب دنیا سے پیدا ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔

عاقلاں میل بسویت نکنند اے دنیا | ہم امید کرم و لطف تو جاہل دارد
ہر کہ خواہد بکند از تو مراد ے حاصل | حاصل آنست کہ اندیشہ باطل دارد

سوم رؤیۃ الغیر یعنی غیر اللہ پر نظر کرنا اور رکھنا۔ شرک اور نفاق اور ریاء اور اس قسم کے کبائر۔ غیر اللہ پر نظر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ وقال تعالیٰ

(فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا)

اور حدیث میں ہے اَلْيَسِيْرُ مِنَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ

لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ اپنی انظار کو اغیار سے ہٹا کر واحد قہار پر لگادے۔

گرچہ زندانست بر صاحبدلاں | ہر کجا بوئے ز وصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را | تنگ تر از صحبت اغیار نیست

۵۔ اکل حلال یعنی حلال روزی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنے والی نہیں۔ اکل حلال تمام طاعتوں کی جڑ ہے۔ خوب سمجھ لو، خوب سمجھ لو، خوب سمجھ لو، خوب سمجھ لو۔ (معارف کاندھلویؒ)

(اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ) اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچ رہو گے جن کی تم کو ممانعت کی جارہی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر اللہ نے دوزخی ہونے کی یا (اپنے) ناراض ہونے کی یا لعنت کرنے کی یا عذاب کی مہر کردی ہو۔ ضحاک نے بھی اسی طرح فرمایا کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر اللہ نے دنیا میں کسی سزا یا آخرت کے عذاب کی وعید دی ہو۔

کبائر کے تین درجات:

میں کہتا ہوں کبائر کے تین درجات ہیں (۱) سب سے بڑا کبیرہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز لے کر آئے تھے اگر اس کا ثبوت قطعی دلیل سے ہو جائے تو اس کی تکذیب بھی شرک کے حکم میں داخل ہے یعنی سب سے بڑا گناہ ہے۔ خواہ صراحت کے ساتھ تکذیب ہو اور کوئی تاویل اسلام میں کھینچ کر لانے کی نہ کی گئی تو اس کو کفر کہا جاتا ہے اور اگر اسلام میں کھینچ کر لانے کی کوئی توجیہ کی گئی ہو۔ مگر حقیقت میں وہ تکذیب رسول ہو۔ تو اس کو ہوا پرستی اور بدعت (قبیحہ) کہتے ہیں یہ بھی کفر ہے۔

کبیرہ کا دوسرا درجہ:۔ دوسری قسم کا کبیرہ وہ گناہ ہے۔ جس سے اللہ کے بندوں کی جان یا مال یا آبرو کا نقصان ہو۔

سفیان ثوری نے فرمایا کبیرہ گناہ کا تیسرا درجہ وہ ہے۔ جس کا تعلق اللہ کے حق سے ہے جیسے زنا اور شراب خوری کبائر وہ ہیں جن کی وجہ سے تمہارے اور اللہ کے بندوں کے درمیان حق تلفیاں ہوں۔ یا اللہ کے حقوق تلف کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ اللہ تو بڑا ہے۔ اس کی رحمت سے ہر چیز چھوٹی ہے وہ سب گناہ معاف کردے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا تھا، اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ سمائی والی ہے۔ اللہ نے خود فرمایا ہے (وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ) (میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے)

تین رجسٹر:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اللہ کے پاس تین رجسٹر ہیں ایک رجسٹر (کے اندر درج شدہ لغزشوں) کی تو اللہ کو پرواہ نہیں۔ اور دوسرے رجسٹر کے اندر درج شدہ گناہوں میں سے اللہ کچھ نہیں چھوڑے گا۔ اور تیسرے دیوان کے مندرجات کو اللہ نہیں بخشے گا۔ ناقابل معافی رجسٹر تو شرک کا رجسٹر ہے۔ اور جس رجسٹر کی اللہ کو پرواہ نہیں وہ اللہ کی حق تلفیوں کا رجسٹر ہے جیسے روزہ نہ رکھنا، نماز ترک کرنا، اللہ جس کو چاہے گا معاف کردے اور درگذر فرمائے گا اور جس رجسٹر میں سے اللہ کچھ بھی ترک نہیں کرے گا وہ بندوں کی باہمی حق تلفیوں کا رجسٹر ہے لامحالہ بدلہ دینا ہوگا۔ اگر بندہ خود اپنا حق معاف کردے تو خیر۔ رواہ احمد والحاکم۔ طبرانی نے ایسی ہی حدیث حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے اور بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

قیامت میں اعلان:

حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن ایک منادی عرش کے اندر سے ندا دے گا اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ نے سب مؤمن مردوں اور عورتوں کے سب گناہ معاف کردیئے ہیں تم آپس میں اپنے حقوق بخش دو اور جنت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ (رواہ البغوی)

خطبۂ حجۃ الوداع:

حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن دوران خطبہ میں فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں باہم حرمت والی ہیں، جیسے آج کا دن، تمہارے اس شہر میں اس ماہ میں حرمت والا ہے۔ (یعنی کسی کی جانی مالی اور عزت کی حق تلفی جائز نہیں جس طرح حرم کے اندر کسی قسم کا گناہ درست نہیں) رواہ البخاری والمسلم۔ ترمذی نے بھی یہ حدیث عمرو بن عاص کی روایت سے نقل کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

ناحق مال کھانا:

اسامہؓ بن شریک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب حج کرنے نکلا لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کر رہے تھے کوئی کہتا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی کوئی کہتا تھا میں نے بعد چیزوں کو مقدم کرلیا کوئی کہتا تھا میں نے بعض چیزوں کو پیچھے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جا رہے تھے کوئی حرج نہیں کوئی گناہ نہیں سوا اس شخص کے جس نے ناحق کسی مسلمان کا مال کاٹا ہو۔ یہی شخص گناہ میں پڑا اور تباہ ہوا۔

شرک:

بزار اور طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کبائر کیا ہیں فرمایا اللہ کا (ذات وصفات میں) ساجھی قرار دینا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانا اور اللہ کی پوشیدہ گرفت سے بیباک بن جانا۔

جن صحیح احادیث میں کبیرہ گناہوں کی گنتی آئی ہے ان میں بیشتر مظالم اور شرک کا ذکر کیا ہے۔

حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہ ہے اللہ کا ساجھی بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور کسی کو ناحق قتل کرنا اور دانستہ جھوٹی قسم کھانا جھوٹی قسم کا لفظ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے بخاری نے ذکر کیا ہے اور حضرت انسؓ کی روایت میں جھوٹی قسم کی جگہ جھوٹی شہادت کا لفظ آیا ہے اس روایت کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

سات بڑے گناہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کبائر سات ہیں (تین مذکورہ بالا اور ان میں) چار زیادہ بیان کئے ہیں کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت یتیم کا مال کھانا، سود کھانا اور جہاد سے بروز مقابلہ فرار۔

ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاکت آفریں باتوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا وہ کونسی ہیں، فرمایا اللہ کا ساجھی بنانا، جادو، ناحق ایسے شخص کو قتل کرنا جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع کردیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد کے دن بوقت مقابلہ پیٹھ دکھانا اور پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا، رواہ البخاری والمسلم۔ ابن راہویہ کی روایت میں والدین کی نافرمانی اور کعبہ میں الحاد کا مزید ذکر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک سب سے بڑا کونسا گناہ ہے فرمایا کسی کو اللہ کا مثل قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تجھے پیدا کیا ہے اس شخص نے عرض کیا اس کے بعد کونسا فرمایا اپنے بچہ کو اس اندیشہ سے قتل کردینا کہ وہ تیری روزی میں شریک ہو جائے گا اس شخص نے عرض کیا پھر کونسا فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی تصدیق میں اللہ نے نازل فرمایا

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ الآیہ (رواہ البخاری والمسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں زناء کو ہمسایہ کی بیوی سے اس لئے مشروط کیا کہ اس میں ہمسایہ کی حق تلفی ہے۔ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑوسی کی بیوی سے زناء کرنے کے مقابلہ میں دس عورتوں سے زنا کرنا آسان یعنی کم درجہ ہے۔ رواہ احمد عن المقداد بن الاسود۔ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ طبرانی نے بھی اس کو کبیر اور اوسط میں بیان کیا ہے۔

سب سے بڑا گناہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگ ترین کبیرہ گناہوں میں سے اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے کسی نے کہا اپنے والدین کو کس طرح گالی دی جا سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے پھر وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے آدمی کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ رواہ البغوی وغیرہ۔

حضرت ابوبکرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو تین اکبر الکبائر نہ بتاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے۔ فرمایا اللہ کا ساجھی بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمانے کے وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو اور جھوٹ بولنا سن لو اور جھوٹ کہنا سن لو اور جھوٹی بات کہنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہ الفاظ اتنی بار مکرر سہ کرر فرماتے رہے کہ ہمارا خیال ہوا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں کیونکہ ہم پورے طور پر سمجھ چکے تھے۔ رواہ البخاری۔

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت کے ساتھ جھوٹ بولنے پر جو تہدید کی اس کی وجہ یہ تھی کہ جھوٹ بہت سے کبائر کو شامل ہے شرک باللہ جھوٹی شہادت جھوٹی قسم تہمت زناء جھوٹا دعوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر دروغ بندی (یہ سب جھوٹ کے اقسام ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص قصداً مجھ پر دروغ بندی کرے اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لینا چاہئے رواہ البخاری والمسلم غیبت زناء سے زیادہ سخت ہے رواہ البیہقی عن ابی سعید وجابر مرفوعاً چغلی (بھی جھوٹ کی قسم ہے) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور حضرت اسماءؓ کی مرفوع روایت ہے کہ بدترین بندگان خدا وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ (رواہ احمد)

فاسق کی مدح بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ غضب ناک ہو جاتا ہے اور عرش میں لرزہ آ جاتا ہے۔ (رواہ البیہقی)

جو مستحق لعنت نہ ہو اس پر لعنت کرنا بھی ایک طرح کا جھوٹ ہے کیونکہ غیر مستحق پر لعنت کرنے سے لعنت، لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن عباس وابوداؤد۔ عن ابن عباسؓ وابی الدرداء مرفوعاً کسی پر طعنکرنا اور فحش بکنا بھی جھوٹ ہی کی قسم ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے کہ مومن نہ طعنے باز ہوتا ہے۔ نہ زیادہ لعن کرنے والا نہ فحش بکنے والا نہ بے حیاء۔ (رواہ الترمذی)

ان کے علاوہ اور معاصی بھی کبیرہ ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شخص مجھے اس زبان کی جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور شرمگاہ جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے ضمانت دے دے گا یعنی زبان اور شرمگاہ کو ناجائز استعمال سے روکنے کا ذمہ دار بن جائے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں گا۔ رواہ البخاری عن سہل بن سعد۔

امام مالکؒ اور بیہقیؒ نے صفوانؒ بن سلیم کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کیا مومن بزدل ہوتا ہے فرمایا، ہاں! عرض کیا گیا کیا مومن بخیل ہوتا ہے فرمایا ہاں! عرض کیا گیا کیا پکا جھوٹا ہوتا۔ فرمایا نہیں۔

منافق کی نشانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں خواہ وہ نماز پڑھتا روزہ رکھتا اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ بات کہے تو جھوٹی کہے وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اس کے پاس امانت رکھی جائے، تو خیانت کرے۔ (رواہ مسلم والبخاری)

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرفوع روایت مذکور ہے کہ چار باتیں ہیں جس میں یہ ہونگی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (اس کو کامل یا ناقص منافق قرار دیا جائے گا) ۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۲۔ بات کرے تو جھوٹی کرے، ۳۔ معاہدہ کرے تو توڑ دے۔ جھگڑے کے وقت فحش بکنے لگے۔

شراب خوری:

ابن ابی حاتم نے لکھا کہ حضرت ابن عمرؓ سے شراب کے متعلق پوچھا گیا فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ بزرگ ترین گناہ کبیرہ اور

فواحش کا سرچشمہ ہے جو شراب پی لیتا ہے وہ نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور کبھی اپنی ماں، پھوپھی اور خالہ پر بھی جا پڑتا ہے۔ عبد بن حمید نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زانی زنا کرتا ہے تو مومن ہونے کی حالت میں نہیں کرتا اور نہ چور مؤمن ہونے کی حالت میں چوری کرتا ہے اور نہ مؤمن ہونے کی حالت میں شرابی شراب پیتا ہے اور نہ لٹیرا بحالت ایمان لوگوں کا مال لوٹتا ہے کہ لوگ اس کو لوٹتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ اور انتہائی یاس کی حالت میں اپنے مال کو بچا نہ سکیں، اور تم میں سے کوئی بحالت ایمان مال غنیمت میں خیانت نہیں کرتا۔ پس ان باتوں سے بچو۔ پرہیز رکھو۔ متفق علیہ۔

حضرت معاویہؓ کا شیطان سے مکالمہ:

عارف رومیؒ نے جو حضرت معاویہؓ اور شیطان کا باہمی قصہ فجر کی نماز کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے اس کی صحت کی سند تو مجھے معلوم نہیں لیکن تمثیل کے لئے صرف مان لینا ہی کافی ہے۔ ایک روز شیطان نے معاویہؓ کو فجر کی نماز کے لئے بیدار کر دیا۔ آپ نے شیطان سے پوچھا تیرا کام تو ادائے فرائض سے غافل بنانا ہے تو نے اپنے کام سے ہٹ کر یہ کیا حرکت کی کہ نماز کے لئے مجھے جگا دیا شیطان نے جواب دیا مجھے اندیشہ تھا کہ اگر آپ کی نماز قضا ہو جائے گی تو آپ کو اتنا رنج اور غم ہوگا اور اتنی ندامت ہوگی کہ ادا فرض سے آگے آپ کے مرتبہ کو بڑھا دے گی۔

گناہوں کی بنیاد:

فائدہ: تمام گناہوں کی بنیاد دل کی سختی ہے دل کی سختی ہی سے اللہ کی جانب سے غفلت اور نفسانی رذائل کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور اس سے درندگی اور ہوس پرستی کی تخلیق ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمیوں کے بدن کے اندر ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارے جسم کا انتظام بگڑ جاتا ہے وہ بوٹی دل ہے اللہ نے فرمایا:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ

(جب آخری فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بلا شبہ تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا مگر تم پر میری کوئی زبردستی نہ تھی میں نے تو تم کو صرف دعوت دی تھی تم نے میری دعوت قبول کر لی اب تم مجھے برا نہ کہو خود اپنے آپ کو ملامت کرو گناہوں سے بچاؤ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دلوں اور نفسوں میں پاکیزگی اور ہمہ وقت حضور نہ پیدا ہو جائے مگر ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مشائخ طریقت کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش نہ ہو۔ لہٰذا تم کو مشائخ کا دامن پکڑ لینا چاہئے ان کے ساتھ بیٹھنے والا بد نصیب نہیں ہو سکتا، اور نہ ان کا ندیم نامراد رہ سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ) : ہم تم سے تمہارے گناہ دور کر دیں گے یعنی چھوٹے گناہ جیسے نامحرم کی طرف سے نظر کرنا، اس کو چھونا، اس کا بوسہ لینا وغیرہ وغیرہ معاف کر دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں، اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں، اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں (مگر آخر میں) شرمگاہ ان کی تصدیق کر دیتی ہے، یا تکذیب کر دیتی ہے۔ ان شاء اللہ ان سب کا اتار نماز روزہ سے ہو جائے گا۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کے عذاب کو دور کر دیتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اپنے درمیانی اوقات کے لئے اور جمعہ کی نماز پچھلے جمعہ کی نماز تک کے تمام گناہوں کا اتار کر دیتی ہیں بشرطیکہ آدمی کبائر سے بچا رہے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

(وَّنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا) : یعنی ہم تم کو عمدہ جنت میں داخل کریں گے یا یہ ترجمہ ہے کہ ہم تم کو جنت میں خوبی کے ساتھ داخل کریں گے اول صورت میں (مُّدْخَلًا) ظرف مکان ہوگا اور دوسری صورت میں مفعول (مطلق) ﴿تفسیر مظہری﴾

ان گناہوں سے بچنے والا جنت میں جائے گا:

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا شرک، قتل، میدان جنگ سے بھاگنا، مال یتیم کھانا، سود خواری، پاکدامنوں کو تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے وہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں سونے کے محلوں میں ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے۔ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں

ہے اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا ہے، اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو نمازوں کو عذر بغیر جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی اس میں بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ الغرض ظہر عصر یا مغرب عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے اس کے گناہ کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں: کبیرہ گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی کو مار ڈالنا، یتیم کا مال کھانا، پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا لڑائی سے بھاگ جانا، ہجرت کے بعد دارالکفر میں قیام کر لینا، جادو کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، سود کھانا، جماعت سے جدا ہونا خرید وفروخت توڑ دینا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی آیت علی ان لا یشرکن باللہ شیئا الخ میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو خدا کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ وارث کو نقصان پہنچانے اور اس کا حصہ میراث کم کرنے کے لئے کوئی وصیت کرنا بھی کبائر میں سے ہے۔

تباہ و برباد:

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ خائب وخاسر ہوئے اور تباہ ہو گئے اور تین دفعہ اس کلمہ کو دہرایا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ محروم القسمۃ اور تباہ و برباد کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ایک وہ شخص جو تکبر کے ساتھ پاجامہ یا تہبند یا کرتہ اور عبا کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، دوسرے وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر کے احسان جتلائے، تیسرے وہ آدمی جو بوڑھا ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو، چوتھے وہ آدمی جو بادشاہ یا افسر ہونے کے باوجود جھوٹ بولے، پانچویں وہ آدمی جو عیال دار ہونے کے باوجود تکبر کرے، چھٹے وہ آدمی جو کسی امام کے ہاتھ پر محض دنیا کی خاطر بیعت کرے۔

جنت میں نہ جانے والے:

اور صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ چغلی کھانے والا جنت میں نہ جائے گا اور نسائی اور مسند احمد وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ چند آدمی جنت میں نہ جائیں گے شرابی، ماں باپ کا نافرمان، رشتہ داروں سے بلاوجہ قطع تعلق کرنے والا، احسان جتلانے والا، جنات وشیاطین یا دوسرے ذرائع سے غیب کی خبریں بتانے والا، دیوث یعنی اپنے اہل وعیال کو بے حیائی سے نہ روکنے والا،

ملعون: مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی کے لئے قربان کرے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ
اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے
عَلٰى بَعْضٍ ؕ
ایک کو ایک پر

حرص و ہوس مت کرو:

یعنی حق تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت وفضیلت اور اختصاص وامتیاز عنایت فرمائے تو تم اس کی ہوس اور حرص مت کرو۔ کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال اور جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گذر چکی نیز اس سے باہم تحاسد وتباغض پیدا ہوتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔

قتادہ اور سدی نے بیان کیا ہے کہ جب آیت (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ) نازل ہوئی تو مردوں نے کہا ہم کو امید ہے کہ آخرت میں بھی ہماری نیکیوں کا ثواب عورتوں کی نیکیوں سے دوگنا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث کے اندر ہمارا حصہ عورتوں سے زیادہ رکھا ہے (اسی طرح آخرت میں بھی ہمارا حصہ زائد ہوگا) اس پر یہ آیت ذیل نازل ہوئی۔

(وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ)

فضل الٰہی کی درخواست کرو:

ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے اس کے فضل کی درخواست کرو کیونکہ اللہ کو یہ امر

پسند ہے کہ اس سے مانگا جائے۔ ابن جریر نے ایک صحابیؓ کی روایت سے جن کا نام نہیں بتایا۔ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے اس کے فضل کی درخواست کرو اللہ اس امر کو پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور کشائش کا انتظار بہترین عبادت ہے۔ امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی مسلمان بندہ اللہ سے تین مرتبہ جنت کی دعا کرتا ہے جنت کہتی ہے کہ اے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جب بھی مسلمان بندہ، اللہ سے تین بار دوزخ سے محفوظ رہنے کی درخواست کرتا ہے، دوزخ کہتی ہے اے اللہ اس کو دوزخ سے بچالے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ (وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ) کی تشریح میں آپ نے فرمایا، دعا دنیوی امور میں سے نہیں ہے یعنی دعا بجائے خود عبادت ہے۔ «مظہری»

آیت ذیل کا شان نزول:

بعض عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کیا سبب ہے کہ ہر جگہ حق تعالیٰ مردوں کو خطاب فرماتا ہے اور ان کو حکم کرتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اور میراث میں مرد کو دوہرا حصہ دیا جاتا ہے عورتوں سے اس آیت میں ان سب کا جواب ہو گیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ
مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو
نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْأَلُوا اللَّهَ مِن
حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے
فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾
اس کا فضل بیشک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے

ہر ایک عمل کا بدلہ ملے گا:

یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے حصہ مقرر ہے جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ ملتا ہے اس میں ہرگز کمی نہیں کی جاتی جو کسی کو شکایت کا موقع ملے ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ اپنی حکمت اور رحمت کے مطابق کسی کو خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کرے اس کی حرص اور شکایت کرنی بے جا ہوس ہے البتہ اپنے عمل کے معاوضہ سے اور زیادہ ثواب و انعام مانگو تو بہتر اور مناسب ہے اس میں کچھ خرابی نہیں تو اب جو فضل کا طالب ہو اس کو لازم ہے کہ عمل کے ذریعہ سے طلب کرے، حسد اور تمنی سے فضل کا طالب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک چیز کا پورا علم ہے ہر ایک کے درجے اور اس کے استحقاق کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب شان اس سے معاملہ کرتا ہے تو اب جس کو فضیلت عطا کرتا ہے سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے کوئی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کیوں اس میں خلجان کرے۔ «تفسیر عثمانی»

بعض خواتین کے سوال:

حضرت ام سلمہؓ نے اس پر ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو آدھی میراث ملتی ہے، اور بھی فلاں فلاں فرق ہم میں اور مردوں میں ہیں۔

مقصد اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی تمنا تھی کہ اگر ہم لوگ بھی مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل ہمیں بھی حاصل ہو جاتے، بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد میں حصہ لیتے اور جہاد کی فضیلت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مرد کو میراث میں دوگناہ حصہ ملتا ہے۔ اور عورت کی شہادت بھی مرد سے نصف ہے تو کیا عبادات و اعمال میں بھی ہم کو نصف ہی ثواب ملے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں دونوں قولوں کا جواب دیا گیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کے قول کا جواب (وَلَا تَتَمَنَّوْا) سے دیا گیا، اور اس عورت کے قول کا جواب (لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ) سے دیا گیا۔ «معارف القرآن»

حکیمانہ ضابطہ:

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا، کہ جو کمالات و فضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب و عمل مؤثر نہیں، جیسے کسی کا عالی نسب یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا، وغیرہ، ایسے فضائل کو تو حوالہ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے اسی پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور نقد رنج وغم ہے۔

اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں جو کسب وعمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جد وجہد بھی ہو، اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بلکہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔ «معارف القرآن مفتی اعظم»

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
اور ہر کسی کیلئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ

وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
ان کو دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ کے
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾
روبرو ہے ہر چیز

ہر ایک کا حصہ مقرر ہے:

یعنی مرد ہو یا عورت ہر ایک کے لئے تم میں سے اے مسلمانوں ہم نے وارث مقرر کر دیئے اس مال کے جس کو چھوڑ مریں والدین اور قرابت والے کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ ضرور پہنچا دو اللہ تعالیٰ کو تمام امور کا علم ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن سے معاہدہ ہوا ہے ان کو کیا ملنا چاہئے اور ہمارے ان احکام کو کون بجالاتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔

فائدہ: اکثر لوگ حضرت کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقربا کافر چلے آتے تھے تو اس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقربا بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کے لئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے۔ مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابوداؤد نے ناسخ میں داؤد بن حصین کا قول لکھا ہے کہ میں ام سعدؓ بنت ربیع کو قرآن سناتا تھا آپ (ایام طفولیت میں) یتیم ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کے زیر تربیت رہی تھیں۔ میں نے آپ کے سامنے یہ آیت: (وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ) اسی طرح تلاوت کی ام سعدؓ نے کہا یوں نہیں ہے بلکہ (وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ) ہے۔ اس کا نزول حضرت ابو بکر صدیق اور آپ کے بیٹے عبدالرحمنؓ کے حق میں ہوا تھا جب عبدالرحمنؓ نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھا کر اپنی میراث سے ان کو عاق کر دیا لیکن جب عبدالرحمن مسلمان ہو گئے تو اللہ نے ابو بکر کو حکم دیا ان کو اپنا وارث قرار دیں۔ میں کہتا ہوں اس روایت کی صحت کی صورت میں اس آیت سے مولیٰ موالات کا وارث ہونا ثابت نہ ہو سکے گا۔ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے ابو مالک کا قول نقل کیا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بعض آدمی کسی دوسری برادری سے جا کر ملا کرتے تھے اس برادری والے اس شخص سے معاہدہ کر لیتے تھے کہ تو ہم میں سے ہے نقصان ہو یا فائدہ یا خون (دیت وغیرہ) بہر طور تو ہماری برادری کا ایک فرد ہو گیا اس شخص سے یہ لوگ اسی طرح کا قول کرا لیتے تھے۔ لیکن ضرورت کے وقت اگر وہ شخص امداد کا طالب ہوتا تھا تو وہ لوگ اپنوں کی طرح اس کی مدد نہیں کرتے تھے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ
مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ
اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ
بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے
اَمْوَالِهِمْ ۭ
انہوں نے اپنے مال

مرد وعورت کا درجہ:

پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا۔ اب اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہوگا۔ اس میں عورت اور مرد بقاعدہ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بلکل بے جا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگران حال بنایا دو وجہ سے اول بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم وعمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم برداری چاہئے۔

نافرمان بیوی بدلہ نہیں لے سکتی:

فائدہ: ایک صحابیہؓ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی آخر کو مرد نے

ایک طمانچہ مارا عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی عورت کے باپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا آپ نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے اتنے میں یہ آیت اتری اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عورت کی سربراہی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح منصب قضاء وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

مرد کی فضیلت کی وضاحت:

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو، بعض پر یعنی عورتوں پر (تخلیقی) برتری عطا فرمائی ہے پہلے بعض سے مرد اور دوسرے بعض سے عورتیں مراد ہیں، یہ مرد کے قوام ہونے کی پہلی وجہ کا بیان ہے کہ اللہ نے مرد کو کمال عقل، حسن تدبیر، وسعت علم، عظمت جسم، زیادتی قوت اور صلاحت واستعداد کی بیشی تخلیقی طور پر عطاء کی ہے۔ اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں۔ اسی لئے مندرجہ ذیل خصوصیات واحکام مرد کے لئے ہیں عورتیں ان احکام وخصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوت، امامت، حکومت، قضاء، تعزیری جرائم کی شہادت وجوب جہاد، وجوب جمعہ، وجوب عیدین، اذان خطبہ، نماز کی جماعت، میراث میں حصہ کی زیادتی، نکاح کی مالکیت، تعدد ازدواج، اختیار طلاق، پورے رمضان کے روزوں کی اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فرضیت وغیرہ۔ اسی برتری کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

رواہ احمد عن معاذ، عن عائشة، والترمذی عن ابی ہریرۃ وابوداؤد عن قیس بن سعد۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

عورت اور مرد کی ذمہ داریاں:

ہاں یہ ضروری نہیں کہ دونوں کے حقوق صورت کے اعتبار سے متماثل ہوں، بلکہ عورت پر ایک قسم کے کام لازم ہیں تو اس کے مقابل مرد پر دوسری قسم کے کام ہیں، عورت امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت و حفاظت کی ذمہ دار ہے، تو مرد ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا ذمہ دار ہے، عورت کے ذمہ مرد کی خدمت واطاعت ہے تو مرد کے ذمہ اس کا مہر اور نفقہ یعنی تمام ضروری اخراجات کا انتظام ہے، غرض اس آیت نے عورتوں کو مردوں کے مماثل حقوق دے دیئے۔

مرد کی فضیلت کی وجہ:

لیکن ایک چیز ایسی بھی ہے جس میں مردوں کو عورتوں پر تفوق اور ایک خاص فضیلت حاصل ہے، اس لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا، ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾، یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت کا حاصل ہے۔

ان آیات میں اسی درجہ کا بیان قرآن کریم کے حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ اس طرح کیا گیا ہے کہ مردوں کی یہ فضیلت اور تفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے لئے اور عین مقتضائے حکمت ہے، اس میں عورت کی نہ کسر شان ہے نہ اس کا کوئی نقصان ہے۔

ارشاد فرمایا ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ قوام، قیام، قیم، عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو، اسی لئے بیت المقدس کو خاص فضیلت دیدی، اسی طرح مردوں کی حاکمیت بھی ایک خداداد فضیلت ہے، جس میں مردوں کی سعی وعمل یا عورتوں کی کوتاہی وبے عملی کا کوئی دخل نہیں۔

دوسری وجہ کسبی اور اختیاری ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، مہر ادا کرتے ہیں، اور ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ ان دو وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں وجہوں کے ذریعہ یہ بتلا دیا گیا کہ مردوں کی حاکمیت سے نہ عورتوں کا کوئی درجہ کم ہوتا ہے اور نہ ان کی اس میں کوئی منفعت ہے، بلکہ اس کا فائدہ بھی عورتوں ہی کی طرف عائد ہوتا ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

آیت سے بنیادی اصول کی حیثیت سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ پچھلی آیات کے ارشادات کے مطابق مردوں اور عورتوں کے حقوق باہم متماثل ہیں، بلکہ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کا اس وجہ سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے کہ وہ بہ نسبت مرد کے ضعیف ہیں، اپنے حقوق اپنی قوت بازو کے ذریعہ مرد سے حاصل نہیں کرسکتیں، لیکن اس مساوات کے یہ معنی نہیں کہ عورت و مرد میں کوئی تفاضل یا درجہ کا کوئی فرق ہی نہ ہو، بلکہ باقتضائے حکمت وانصاف دو سبب سے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے۔

اول تو جنس مرد کو اپنے علمی اور عملی کمالات کے اعتبار سے عورت کی جنس

پر ایک خداداد فضیلت اور فوقیت حاصل ہے، جس کا حصول جنس عورت کے لیے ممکن نہیں۔ افراد و احاد اور اتفاقی واقعات کا معاملہ الگ ہے۔

دوسرے یہ کہ عورتوں کی تمام ضروریات کا تکفل مرد اپنی کمائی اور اپنے مال سے کرتے ہیں، پہلا سبب وہبی غیر اختیاری اور دوسرا کسبی اور اختیاری ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں سے بعض کو حاکم بعض کو محکوم بنانے کے لئے عقل و انصاف کی رو سے دو چیزیں ضروری تھیں، ایک جس کو حاکم بنایا جائے اس میں علم و عمل کے اعتبار سے حاکمیت کی صلاحیت دوسرے اس کی حاکمیت پر محکوم کی رضامندی، پہلا سبب مرد کی صلاحیت حاکمیت کو واضح کر رہا ہے، اور دوسرا سبب محکوم کی رضامندی کو، کیونکہ بوقت نکاح جب عورت اپنے مہر اور نان نفقہ کے تکفل کی شرط پر نکاح کی اجازت دیتی ہے تو اس کی اس حاکمیت کو تسلیم اور منظور کرتی ہے۔

مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زیادہ عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء و شہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازدواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض اور نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا۔ یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں۔ انہی فضائل اور خصوصیات کی بناء پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے۔ قضاء و قدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے۔ اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ و جدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدان جنگ میں حکومت و سلطنت کے لئے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لئے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ
پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے

نیک عورتوں کی صفات:

یعنی جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق خاوند کے پیٹھ پیچھے اس کی رضا کے موافق اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اپنے نفس اور مال زوج میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نیک عورتیں وہ ہیں جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت کرتی ہیں اور مردوں کے پیٹھ پیچھے بھی اپنے نفس اور ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔" یعنی اپنی عصمت اور گھر کے مال کی حفاظت جو امور خانہ داری میں سب سے اہم ہیں، ان کے بجالانے میں ان کے لئے مردوں کے سامنے اور پیچھے کے حالات بالکل مساوی ہیں، یہ نہیں کہ ان کے سامنے تو اس کا اہتمام کریں، اور ان کی نظروں سے غائب ہوں تو اس میں لاپرواہی برتیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر ارشاد فرمایا کہ:

خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ" اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهَا سَرَّتْکَ وَاِذَا اَمَرْتَهَا اَطَاعَتْکَ وَاِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْکَ فِیْ مَالِهَا وَنَفْسِهَا

"یعنی بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو خوش ہو، اور جب اس کو کوئی حکم دو تو اطاعت کرے اور جب تم غائب ہو تو اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے۔"

اور چونکہ عورتوں کی یہ ذمہ داریاں یعنی اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت دونوں آسان کام نہیں، اسلئے آگے فرمادیا بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ یعنی اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ عورت کی مدد فرماتے ہیں، انہی کی امداد اور توفیق سے وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی ہیں، ورنہ نفس و شیطان کے مکائد ہر وقت ہر انسان مرد و عورت کو گھیرے ہوئے ہیں، اور عورتیں خصوصاً اپنی علمی اور عملی قوتوں میں بہ نسبت مرد کے کمزور بھی ہیں، اس کے باوجود وہ ان ذمہ داریوں میں مردوں سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد ہے، یہی وجہ ہے کہ بے حیائی کے گناہوں میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں بہت کم مبتلا ہوتی ہیں۔

اطاعت شعار، تابعدار عورتوں کو فضیلت جہاں اس آیت سے مفہوم ہوتی ہے وہاں اس سلسلہ میں احادیث بھی وارد ہیں۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار و مطیع ہو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں پرندے ہوا میں، مچھلیاں دریا میں، اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں۔ ﴿بحر محیط﴾

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ پس نیک عورتیں (اللہ کی) اطاعت کرتی ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں بحفاظت خداوندی (مال آبرو وغیرہ کی) نگہداشت کرتی ہیں۔ قٰنِتٰت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے شوہروں کے حقوق کو ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کو مانتی اور اس پر چلتی ہیں۔ اور حفاظت رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی عزت آبرو اور شوہر کے مال و اسرار کے نگہداشت کرتی ہیں غیب سے مراد یا شوہروں کے سامنے نہ ہونا ہے یا شوہروں کے وہ اسرار واموال ہیں جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔

اسرار و معارف:

﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ میں ما مصدری ہے اس وقت حفظ خداوندی کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ نے عورتوں کو حفاظت غیب کا حکم دیا اور توفیق عنایت کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عورتوں کی طرف حفاظت کرنے کی نسبت اس لئے کہ عورتوں کے کسب وعمل پر یہ حفاظت مبنی ہے اور اللہ کی طرف حفاظت کی نسبت اس لئے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ عورتوں کو قوت حفاظت بھی اسی نے دی ہے۔ تخلیق خداوندی ہی کسب وعمل کا سبب ہے۔

یا ''ما'' موصولہ ہے یعنی اللہ نے عورتوں کے حقوق کی جو محافظت کی ہے مہر، نفقہ عورتوں کی نگہداشت وحفاظت اور ان کی ضروریات کی فراہمی مردوں کے ذمہ کردی ہے۔ اس کے عوض وہ مردوں کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت اور مردوں کے مال واولاد کی حفاظت کرتی ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو عورت پانچوں نمازیں پڑھے، مہینہ کے مقرر روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت رکھے اور شوہر کا حکم مانے تو جنت کے اندر جس دروازہ سے چاہے چلی جائے۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ۔ حضرت ام سلمہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ اگر عورت ایسی حالت میں مری کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو جنت میں گئی۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
اور جن کی بد خوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ
وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ
اور جدا کرو سونے میں اور مارو

نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ:

یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھاوے، اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سووے لیکن اسی گھر میں اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے بھی، پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے یہ تقصیر کا ایک درجہ ہے۔ اسی کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے۔ جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے۔ سرسری قصور پر نہ مارے۔ ہاں قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں۔ جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جدا کرنے کا مطلب:

قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿فِي الْمَضَاجِعِ﴾ کا لفظ ہے، اس سے فقہاء رحمہم اللہ نے یہ مطلب نکالا کہ جدائی صرف بستر میں ہو، مکان کی جدائی نہ کرے، کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے اس میں ان کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے۔

ایک صحابی سے روایت ہے:

قلت يا رسول الله ما حق زوجة احد نا عليه قال ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فى البيت ﴿مشکوٰۃ ص ۲۸۱﴾

''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کھاؤ تو انہیں بھی کھلاؤ اور تم پہنو تو انہیں بھی پہناؤ، اور چہرے پر مت مارو، اگر اس سے علیحدگی کرنا چاہو تو صرف اتنی کرو کہ (بستر الگ کردو) مکان الگ نہ کرو۔''

اور جو اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے بھی متاثر نہ ہو تو پھر اس کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت ہے، جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے، اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے، اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع کردیا گیا ہے۔

ابتدائی دو سزائیں تو شریفانہ سزائیں ہیں، اسلئے انبیاء وصلحاء سے قولاً بھی ان کی اجازت منقول ہے، اور اس پر عمل بھی ثابت ہے، مگر تیسری سزا یعنی مار پیٹ کی اگر وہ بدرجہ مجبوری ایک خاص انداز میں مرد کو اجازت دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے ولن يضرب خياركم، یعنی اچھے مرد یہ مارنے کی سزا، عورتوں کو نہ دیں گے چنانچہ انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا عمل منقول نہیں۔

ابن سعد اور بیہقی نے حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کردیا

گیا تھا۔ مگر پھر عورتیں شیر ہوگئیں، تو یہ اجازت مکرر کردی گئی۔

شان نزول:

آیت مذکور کا تعلق بھی اسی قسم کے ایک واقعہ سے ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ زید بن زہیرؓ نے اپنی لڑکی حبیبہؓ کا نکاح حضرت سعد بن ربیعؓ سے کردیا تھا، ان کے آپس میں کچھ اختلاف پیش آیا، شوہر نے ایک طمانچہ ماردیا، حبیبہؓ نے اپنے والد سے شکایت کی، والدان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ حبیبہ کو حق ہے کہ جس زور سے سعد بن ربیع نے ان کے طمانچہ مارا ہے وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کے طمانچہ ماریں۔

یہ دونوں حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سن کر چلے کہ اس کے مطابق سعد بن ربیعؓ سے اپنا انتقام لیں، مگر اسی وقت آیت مذکور نازل ہوگئی، جس میں آخری درجہ میں مرد کے لئے عورت کی مار پیٹ کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ اور اس پر مرد سے قصاص یا انتقام لینے کی اجازت نہیں دی، آیت نازل ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلوا کر حق تعالیٰ کا حکم سنادیا۔ اور انتقام لینے کا پہلا حکم منسوخ فرمادیا۔

نشوز کا معنی اور تادیب کے درجات:

نشوز کے اصلی معنی اونچا ہونے کے ہیں پس جب عورتوں کے متعلق یہ محسوس ہو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انکو نصیحت اور فہمائش کرو اور نشوز کی برائی ان پر ظاہر کرو اور یہ بتلاؤ کہ تم پر میرا حق ہے اور میری اطاعت تم پر فرض ہے۔ لہٰذا اپنے نشوز سے باز آجاؤ اور اگر تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تادیب و تنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی انکے پاس سونا چھوڑ دو۔ شاید وہ تمہاری اس بے التفاتی سے متاثر ہوکر اپنے نشوز سے باز آجائیں اور اگر وہ تمہارے بستروں سے الگ ہونے سے بھی متاثر نہ ہوں تو آخیر علاج یہ ہے تم ان کو مارو اور مار کر درست کرو۔

حدیث میں ہے کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا اور نہ ایسا مارے کہ چوٹ زیادہ لگ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔ بعض تفسیروں میں ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارے مگر چہرہ پر نہ مارے اور ایسا بھی نہ مارے کہ بدن پر نشان پڑجائے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت:

ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایمان کے بعد آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ خوش خلق شوہر سے محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورت اس کو مل جائے اور کفر کے بعد آدمی کے لئے اس سے بری کوئی چیز نہیں کہ اس کو تیز زبان اور بداخلاق عورت ملے۔

تین قسم کی عورتیں:

یہ بھی حضرت عمرؓ نے ہی فرمایا کہ عورتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو پاک دامن نرم خو خوش اخلاق شوہر کی پرستار اور بکثرت بچے دینے والی ہوتی ہے۔ مصیبت کے وقت شوہر کی مدد کرتی ہے، مصیبت میں مزید اضافہ کا سبب نہیں بنتی۔ ایسی عورتیں کم ہیں۔ دوسری وہ عورت ہے جو صرف بچے جنتی ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ تیسری وہ عورت ہے جو کینہ پرور تند ملی ہوتی ہے جس کے گلے میں اللہ چاہتا ہے باندھ دیتا ہے اور جب خدا ہی کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ اس کو گلے سے اتار دیتا ہے (ورنہ وہ کم بخت گلے کا ہار بنی رہتی ہے۔ نہ چھوڑے بنتی ہے نہ رکھتے)

تادیب کی حد:

عبداللہ بن زمعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے سے نہ مارے (یعنی یہ حرکت بڑی نازیبا ہے کہ صبح کو تو بیوی کو غلام کی طرح کوڑے سے مارا) پھر پچھلے دن میں اس سے صحبت کرنے پر تیار ہونے لگے۔ متفق علیہ

حضرت ایاسؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو نہ مارو، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہوکر عرض کیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) عورتیں شوہروں کی نافرمان ہوگئیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے کی اجازت دے دی۔ ادھر بکثرت عورتوں نے امہات المومنینؓ کے گھروں کے چکر لگانے شروع کئے اور اپنے شوہروں کے شکوے کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس بہت عورتوں نے چکر لگائے جو اپنے شوہروں کی شکایتیں کررہی ہیں۔ ایسے لوگ تم میں اچھے آدمی نہیں ہیں (جو عورتوں کو دکھ پہنچاتے اور شکایت کا موقع دیتے ہیں)

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔ رواہ الترمذی والدارمی۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ

پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

اللہ ہے سب سے اوپر بڑا

خواہ مخواہ بدگمانی نہ کرو:

یعنی وہ عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد اگر بد خوئی اور نافرمانی سے باز آ جائیں اور بظاہر مطیع ہو جائیں تو تم بھی بس کر جاؤ اور ان کے قصوروں کی کھود کرید مت کرو اور خواہ مخواہ ان کے ملزم بنانے میں خدا سے ڈرو۔ بے شک اللہ تم سب سے غالب اور سب پر حاکم ہے۔ نہ عورتوں کے معاملہ میں خواہ مخواہ کی بدگمانی سے کام لو اور نہ تھوڑے قصور پر اخیر کی سزا دینے لگو، بلکہ ہر قصور کی ایک حد ہے اور مارنا اخیر کا درجہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا

اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف

مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے

باہم صلح نہ ہو سکے تو دو منصف مقرر کرو:

یعنی اے مسلمانو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ خاوند اور عورت میں مخالفت اور ضد ہے وہ اپنے باہمی نزاع کو خود نہ سلجھا سکیں گے تو تم کو چاہئے کہ ایک منصف مرد کے اقارب میں سے اور ایک منصف عورت کے اقارب میں سے مقرر کر کے بغرض فیصلہ زوجین کے پاس بھیجو کیونکہ اقارب کو ان کے حالات بھی زیادہ معلوم ہونگے اور ان سے خیر خواہی کی بھی زیادہ امید ہے۔ یہ دونوں منصف احوال کی تحقیق کریں گے اور جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر باہم موافقت کرا دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

واقعہ:

یہ واقعہ سنن بیہقی میں بروایت عبیدہ سلمانی اس طرح مذکور ہے۔

ایک مرد اور ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دونوں کے ساتھ بہت سی جماعتیں تھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حکم دیا کہ ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کریں، جب یہ حکم تجویز کر دیئے گئے تو ان دونوں سے خطاب فرمایا کہ تم جانتے ہو تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اور تمہیں کیا کرنا ہے؟ سن لو! اگر تم دونوں میاں بیوی کو یکجا رکھنے اور باہم مصالحت کرانے پر متفق ہو جاؤ تو ایسا ہی کر لو اور اگر تم یہ سمجھو کہ ان میں مصالحت نہیں ہو سکتی یا قائم نہیں رہ سکتی، اور تم دونوں کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ ان میں جدائی ہی مصلحت ہے تو ایسا ہی کر لو، یہ سن کر عورت بولی کہ مجھے یہ منظور ہے، یہ دونوں حکم قانون الٰہی کے مواقق جو فیصلہ کر دیں خواہ میری مرضی کے مطابق ہو یا خلاف مجھے منظور ہے۔

لیکن مرد نے کہا کہ جدائی، اور طلاق تو میں کسی حال گوارا نہ کروں گا، البتہ حکم کو یہ اختیار دیتا ہوں کہ مجھ پر مالی تاوان جو چاہیں ڈال کر اس کو راضی کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نہیں تمہیں بھی ان حکمین کو ایسا ہی اختیار دینا چاہئے جیسا عورت نے دیدیا۔

فیصلہ مقدمات کا آسان طریقہ:

قرآن کریم کی اس تعلیم سے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے متعلق ایک نئے باب کا نہایت مفید اضافہ ہوا، جس کے ذریعہ عدالت و حکومت تک پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے مقدمات اور جھگڑوں کا فیصلہ برادریوں کی پنچایت میں ہو سکتا ہے۔

دوسرے جھگڑوں میں بھی پنچائیت کے ذریعہ صلح کرائی جائے:

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ باہم صلح کرانے کے لئے دو حکموں کے بھیجنے کی یہ تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں میں محدود نہیں۔ بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے کام لیا جا سکتا ہے اور لینا چاہئے، خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے آپس میں عزیز و رشتہ دار ہوں، کیونکہ عدالتی فیصلوں سے وقتی جھگڑا تو ختم ہو جاتا ہے۔ مگر وہ فیصلے دلوں میں کدورت و عداوت کے جراثیم چھوڑ جاتے ہیں جو بعد میں نہایت ناگوار شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کے لئے یہ فرمان جاری فرما دیا تھا کہ:

ردوا القضاء بين ذوى الارحام حتى يصطلحوا فان فصل القضاء يورث الضغائن. (معين الحكام، ص ٢١٤)

"رشتہ داروں کے مقدمات کو انہیں میں واپس کر دو تا کہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں، کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ وعداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

فقہائے حنفیہ میں سے قاضی قدس علاء الدین طرابلسی نے اپنی کتاب

معین الحکام میں اور ابن شحنہ نے لسان الحکام میں اس فرمان فاروقی کو ایسے پنچائتی فیصلوں کی خاص بنیاد بنایا ہے جن کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ فاروقی فرمان میں یہ حکم رشتہ داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے، مگر اس کی جو علت وحکمت اسی فرمان میں مذکور ہے کہ عدالتی فیصلے دلوں میں کدورت پیدا کر دیا کرتے ہیں، یہ حکمت رشتہ دار اور غیر رشتہ داروں میں عام ہے، کیونکہ باہمی کدورت اور عداوت سے سب ہی مسلمانوں کو بچانا ہے، اس لئے حکام اور قضاۃ کے لئے مناسب یہ ہے کہ مقدمات کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کر لیا کریں کہ کسی صورت سے ان کے آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔ ﴿معارف القرآن﴾

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ
اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کردے گا ان دونوں میں
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝
بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

حسن نیت کا صلہ:

یعنی اگر دونوں منصف اصلاح بین الزوجین کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت اور حسن سعی سے زوجین میں موافقت کرادے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم اور اطلاع ہے۔ رفع نزاع اور حصول اتفاق کے اسباب اور کیفیات اس کو خوب معلوم ہیں، اس لئے نزاع زوجین کے رفع ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوگی انشاء اللہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

منصفین کے اختیارات:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے اور معاویہؓ کو پنچ بنا کر بھیجا گیا اور ہم سے کہہ دیا گیا کہ تمہاری رائے میں نبھاؤ ممکن ہو تو ملاپ کرادینا اور جدائی بہتر ہو تو علیحدگی کرادینا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ حکم دیا تھا۔ جمہور کا مسلک ہے کہ جب تک مرد طلاق کا اور عورت خلع کا اختیار نہ دیں، پنچ از خود نہ تفریق کرا سکتے ہیں نہ خلع۔ بغیر اختیار دئے تو ان کا فرض سلجھاؤ کرانا اور بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی اپنی ضد پر قائم رہے تو پنچوں کا کام یہ ہے کہ حاکم کو اپنی رپورٹ کر دیں اور حاکم شوہر کو حسن سلوک کے ساتھ اور دستور کے مطابق عورت کو رکھنے یا طلاق دینے کا حکم دے اور عورت کو مجبور کرے کہ وہ یا مرد کی نافرمانی چھوڑ دے یا خلع کر لے اور بدل خلع ادا کرے۔ رہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ تو اس میں صاف موجود ہے کہ آپ نے شوہر سے فرمایا جب تک تو ایسا اقرار نہ کرے جیسا عورت نے کیا ہے۔ تیسرا قول غلط ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ طلاق کے لئے مرد کی رضامندی شرط ہے۔ پنچوں کو از خود طلاق و تفریق کا اختیار نہیں ہے۔ اگر پنچ از خود ایسا کرے گا تو اس کا فیصلہ تفریق نافذ نہ ہوگا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

توالد وتناسل کی صلاحیت میں فرق:

ضرورت مند کے لئے یہ امر مخفی نہیں کہ خداوندی حکمت کا مقتضاء ہے کہ مرد وعورت کے مابین نوع انسانی کا توالد وتناسل ہوتا ہے۔ اس کے افراد بڑھتے رہیں اور اس طرح پر یہ نوع جب تک خدا کو منظور ہو باقی رہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی نقیض ثابت ہوگی اور ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ مختلف ذریعوں سے توالد وتناسل کی تقلیل اور انسان کے نیست و نابود کرنے میں کوشش کریں، حالانکہ یہ بات واقع کے خلاف ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ توالد وتناسل مرد کے حاملہ کرنے اور عورت کے تخم سے انجام پاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ مرد میں حاملہ کرنے کی ہمیشہ صلاحیت باقی رہتی ہے۔ اگرچہ سو برس کا کیوں نہ ہو جائے اور اس عمر کو پہنچ جانا ممکن بلکہ موجود ہے۔ کوئی نادر بات نہیں۔ یہاں تک کہ بعض حکماء اس کے قائل ہیں کہ اگر انسان کو موت جلدی ہی نہ آ گھیرے تو اس کی خلقت اور قدرتی ساخت کا مقتضا یہ ہے کہ سو برس تک زندہ رہے (بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ انسان کی عمر طبعی ایک سو بیس برس کی ہے) رہی عورت، پس چونکہ جنین کا بار اٹھانے، وضع حمل کی مصیبت برداشت کرنے اور دودھ پلانے سے اس کی قوت ضائع ہو جاتی ہے اور ان سب باتوں کی وہ اسی وقت متحمل ہو سکتی ہے جب کہ اس کا جسم اس قدر قوت کو پہنچ جائے۔ لہٰذا خداوندی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ عورت میں بچہ جننے کی استعداد سن احتلام (سن بلوغ) سے لے کر پچاس برس کے سن تک ہے (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور اوروں کا قول ہے کہ پچپن برس کی عمر تک اس میں بچہ جننے کی قابلیت رہ سکتی ہے) اور یہاں سے چونکہ اس کی طبعی قوت زائل ہونا شروع ہوتی ہے اس لئے باری تعالیٰ حمل کو اس سے روک دیتا ہے اور اس کا خون حیض منقطع کر دیتا ہے جو کہ جنین کی غذا ہے اور بمقتضائے لطف واحسان تخم سے جس سے بچہ بنتا ہے اس کو محروم کر دیتا ہے۔

پس عورت میں بچہ جننے کی قابلیت کل پینتیس برس رہتی ہے۔ اس

لئے اکثر وہ پندرہ برس میں بالغ ہوتی ہے اور جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ عورت اپنے بچہ جننے کی قابلیت کی مدت میں جب بالغ مرد کے پاس رہے گی خواہ اس کی عمر کا کوئی زمانہ کیوں نہ ہو تو مرد میں برابر حاملہ کرنے کی استعداد پائے گی اور وہ اس امر سے قاصر نہ رہے گا۔ ہاں اگر کوئی غیر طبعی و عارضی سبب ہو جائے تو بات ہی دوسری ہے۔ رہا مرد اس کی یہ حالت ہے کہ جب وہ عورت کے پاس دونوں کے بالغ ہو جانے کے بعد رہے اور ایک ہی عورت کا ہو رہے تو بسا اوقات اسے اپنی عمر کی کچھ مدت نسل سے معطل رہنا پڑے گا۔ اپنی تخم ریزی کا کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکے گا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اگر دونوں کا ایک دوسرے کے پاس رہنا دونوں کے ابتدائے بلوغ سے فرض کیا جائے تو عورت کے سن ایاس تک دونوں سے توالد و تناسل ہونا ممکن ہے اور اس کے سن ایاس کو پہنچنے کی مدت پچاس برس ہیں۔ پس اگر دونوں ساٹھ برس تک زندہ رہیں گے تو مرد پر عورت دس برس معطل رہے گی یعنی عورت کی وجہ سے مرد کو دس برس تک معطل رہنا پڑے گا اور اگر دونوں ستر برس تک جئیں گے تو مرد پر بیس سال معطل رہے گی۔ اسی طرح یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اگر دونوں سو برس تک زندہ رہیں گے تو مرد پر اسے پچاس برس تک معطل رہنا پڑے گا اور ایسا ہی اس وقت بھی کہا جا سکتا ہے جب کہ مرد و عورت دونوں ہم سن ہوں اور عورت سن ایاس کو پہنچ گئی ہو اور اس وقت کسی وجہ سے دونوں میں مقارنت ہوئی ہو اور جب یہ صورت لی جائے کہ سن کے اعتبار سے دونوں میں مخالفت ہو تو مرد کو عورت سے بڑا فرض کرنے کی بناء پر غالب یہ ہے کہ عورت اس وقت بھی مرد پر معطل ہی رہے گی حتیٰ کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جس وقت عورت اور مرد میں مقارنت ہوئی ہے اس وقت مرد پچاس کا اور عورت پندرہ برس کی تھی اور پھر دونوں کی عمر سو برس کی ہوئی تب بھی عورت مرد پر پندرہ برس تک معطل رہے گی۔ لیکن اگر عورت عمر میں مرد سے بڑی فرض کی جائے تو اب مرد کا بہت بڑا نقصان ہوگا اور اس وقت معطل رہنے کا زمانہ مرد و عورت کے سن بلوغ کے فرض کرنے کے اعتبار سے متفاوت نکلے گا اور زیادہ سے زیادہ جو یہاں متصور ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے اس وقت مرد و عورت میں مقارنت ہوئی ہو جب کہ مرد پندرہ برس کا اور عورت کا سن ایاس سے کچھ پہلے ہو۔ پس اگر یہ عورت اس مرد سے ایک بچہ جن کر آئسہ ہو جائے گی تو مرد کی سو برس کی عمر فرض کرنے کی بناء پر عورت پچاسی برس تک اس پر معطل رہے گی۔

ایک سے زیادہ شادیاں:

پس اگر مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ مقارنت کے مباح کرنے کے سوائے اس تفاوت کے اور کوئی سبب مقتضی نہ ہوتا تب بھی یہ بالکل کافی تھا۔ اس لئے کہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ مرد اپنی تولید کے قابلیت کے زمانہ میں عورت پر ایک دن بھی معطل نہیں ہوتا اور وہ بہتیرے برسوں تک اس پر معطل رہتی ہے۔ پس مرد کے لئے ایک سے زیادہ مقارنت مباح کر دینے سے اسے جو معطل رہنے کا احتمال تھا اس کا تدارک کرنا ممکن ہوگا۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ بنظر اس کے کہ خدا نے بخلاف عورت کے مرد ہی کو کمانے کی قوت اور اس کے شدائد کے تحمل کی طاقت عنایت کی ہے۔ اس لئے مرد ہی اہل و عیال کا خبر گیراں قرار دیا گیا ہے اور عورت کے نان نفقہ کا سامان بھی اسی کے ذمہ ہے اور اس کے مقابل میں عورت کے متعلق یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ خانہ داری کا انتظام اور اولاد کی پرورش کرے اور یہ بات انسان کے لئے ایک طبعی امر کی طرح ہو رہی ہے اور بعض جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ نظام خداوندی اور اس طریق کے خلاف چلتے ہیں جس کے ساتھ عام طور پر طبیعتیں مالوف ہو رہی ہیں اور یہی معلوم ہے کہ محتاج اور ایسے لوگ جو زوجہ کے نان و نفقہ کے بار اٹھانے سے قاصر ہیں بہ نسبت مالداروں کے جو اس کی قدرت رکھتے ہیں اکثر ممالک میں بکثرت ہیں۔ اگرچہ بعض بعض ممالک میں سب قریب قریب درجہ کے مالدار بھی موجود ہیں۔

پس جو ممالک پہلی قسم کے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کے بہتیرے محتاج آدمی عورت کے نان و نفقہ کے بار اٹھانے کے خوف سے شادی نہیں کرتے بلکہ عادل شریعت جب وہ اپنی نسبت یہ جانتے ہوں کہ نان و نفقہ سے عاجز ہونے کے باعث وہ عورت کی حق تلفی کریں گے تو ان کو شادی کرنے سے روکتی اور منع کرتی ہے اور بعض ائمہ کے نزدیک تو جبکہ خاوند عورت کے نان و نفقہ سے عاجز ہو تو اس ظلم کے دفع کرنے کے لئے جس کو عقلیں ناگوار سمجھتی ہیں حاکم کو یہاں تک حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں تفریق کر دے اور ان ایام میں ہم ایسے عاجز مردوں کی زیادہ تعداد دیکھتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ فوجی آدمیوں کو بھی ملا لیں تو مجرد آدمیوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، کیونکہ فوج میں نوکری کرنے والے اس خوف سے شادی کرنے سے باز رہا کرتے ہیں کہ فوجی کام کی انجام دہی کے زمانہ میں انہیں اپنی زوجہ کو بلا کسی خبر گیراں کے چھوڑنا پڑے گا۔ پس جب مرد کے لئے ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہ رکھا جائے گا تو وہ عورتیں جوان مجرد مردوں کے مقابلہ میں بچیں گی توالد و تناسل سے معطل رہیں گی اور جو خداوندی حکمت نوع انسانی کی زیادتی اور اس کے ازدیاد کے باقی رکھنے کے بارہ میں تھی وہ باطل ہو جائے

گی۔ لیکن جب مرد کے لئے یہ بات مباح کردی جائے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکے تو جولوگ نان ونفقہ پر قدرت رکھتے ہوں گے تو وہ عورتوں کی اس تعداد میں سے جو نسل سے معطل ہونے کو تھیں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکیں گے اور اس وقت ان بے چاروں میں جو توالد وتناسل کی استعداد پائی جاتی تھی وہ ضائع نہ جائے گی اور نظام خداوندی مختل ہونے سے محفوظ رہے گا اور بغیر اس کے ان مصیبت زدہ عورتوں کی اسی طرح عمر گزر جائے گی اور نوع انسانی کو اس سے ثمرہ حاصل نہ ہوسکے گا جو کہ یادگار رہ سکے۔

رہے دوسری قسم کے ممالک یعنی جہاں کے رہنے والے قریب قریب برابر درجہ کے مالدار ہیں ممکن ہے کہ وہاں ہر مرد ایک ہی عورت سے شادی کرے اور وہاں کی عورتوں میں سے کوئی معطل نہ رہنے پائے اور ایسے مقامات میں مرد خود ہی ایک سے زیادہ شادی نہ کرسکے گا۔ اس لئے کہ جب وہ شادی کرنا چاہے گا تو اسے فاضل عورت ملے ہی گی نہیں۔ کیونکہ حساب کی رو سے تعداد ختم ہوچکی اور اگر کوئی کہے کہ اس تفصیل کا تو یہ مقتضا ہے کہ صرف پہلی قسم کے ممالک کے رہنے والوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتیں مباح کردی جائیں نہ کہ دوسری قسم کے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ممالک محتاجی اور مالداری کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتے بلکہ زمانہ کے دوران میں ہر مملکت پر دونوں قسم کے حال آتے جاتے رہتے ہیں اور اس کا منضبط کرنا اور اس کے لئے زمانہ کی کوئی حد مقرر کردینا ممکن نہیں۔

بسا اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ ایک سال تو مرد کے لئے بہتیری عورتوں سے شادی کرنا جائز کردیا جائے اور اس کے بعد والے سال میں اس سے روکنا پڑے یا اس کے بالعکس معاملہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ مملکت ایک ہی سال میں مالدار ہوجائے اور پھر محتاج بھی بن جائے یا اس کا الٹا معاملہ ہو اور خداوندی احکام اس مرتبہ کے نہیں ہوسکتے کہ آئے دن بدلا کریں اور ان میں تبدل وتغیر کے ایسے ابواب نہیں کھل سکتے جس سے خودغرض اور شہوت راں انسان ان احکام کو کھیل بناسکیں۔

پس تقریر سابق سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ متعدد زوجات کا جائز ہونا ہی امر طبعی اور عقل سلیم کے موافق ہے۔

نان ونفقہ سے عاجز آدمی شادی کرنے سے باز رہا کرتا ہے اور جو اس پر قادر ہوتا ہے وہ اس پر پیش قدمی کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلاش واستقراء سے کسب معاش کے چار ہی قسم کے عادی ذریعے نکلتے ہیں۔ حکومت، تجارت، صناعت اور زراعت۔ پس گویا باری تعالیٰ نے ہر سبب کے مقابلہ میں ایک ایک زوجہ جائز رکھی۔ پس جب کسی مرد کو سارے اسباب میسر آجائیں گے تو وہ چار عورتوں کو رکھ سکے گا اور جب ان ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اس سے مفقود ہوجائے تو وہ تین ہی عورتوں پر اقتصار کرے گا۔ یہاں تک کہ جب کسی سے سارے ذرائع مفقود ہوجائیں تو وہ شادی نہ کرے اور یہ امر مالداروں کے حوالہ کرے اور جب کسی کو ایک ہی ذریعہ سے اس قدر فراغت نصیب ہوجائے کہ دوسرے ذریعہ کے قائم مقام ہوسکے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بقدر اپنی وسعت کے شادیاں کرسکے گا۔ مرد کو لونڈیوں میں سے چار سے زیادہ عورتوں کو سریہ بنانا (یعنی ان کو جماع کے لئے متعین کرلینا کیوں جائز کیا گیا۔ اس لئے کہ ایسی عورتیں جس مملکت میں کہ لائی جاتی ہیں وہاں ان کے مقابلہ میں مردوں کی تعداد نہیں پائی جاتی۔ پس جس حالت میں کہ نادار لوگ ان کے مالک بننے کی قدرت نہیں رکھتے اور مالداروں کے لئے بھی ان میں سے کئی عورتیں جائز نہ ہوتیں تو وہ نسل سے معطل رہ جاتیں۔ پس مالداروں کے لئے لونڈیوں میں سے کئی عورتیں جائز نہ ہونا عین حکمت ہے اور اس قدر بیان سوچنے سمجھنے والے آدمی کے لئے بالکل کافی معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی مردوں سے پردہ:

اجنبی مردوں سے پردہ کرنا تو ایک ایسی بات ہے جسے عقل سلیم ضروری سمجھتی ہے اور جو کہ انسانیت، نظام خداوندی اور قانون طبعی سب کے نزدیک مستحسن ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ ہم پیشتر ذکر کرچکے ہیں یہ نان ونفقہ کے سامان کی تکلیف طبعی طور پر مرد ہی کو دے دی گئی ہے۔

رہی عورت وہ صرف انتظام خانہ داری اور اولاد کی پرورش کی مکلف ہے اور یہی علی العموم مالوف طریقہ ہے اور اسی کو عقلیں بھی مستحسن شمار کرتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط میں بے حیائی کے ارتکاب کرنے کے بہت سے سبب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ دونوں طرف سے اس کا پورا مقتضیٰ موجود ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ دیکھنے بھالنے کو اس امر قبیح کے ارتکاب میں بڑا دخل ہوتا ہے جس کو کہ تمام شریعتیں حرام بتاتی ہیں اور عقلیں برا سمجھتی ہیں کیونکہ اس سے نسب مختلط ہوجاتے ہیں اور باہمی ہمدردی کو ضعف لاحق ہوتا ہے اور اس کی برائی اس قدر ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں اور اس کے ثبوت میں اتنا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی امتوں کو اس فعل شنیع کے ارتکاب کے باعث سے ہلاک کرڈالا ہے۔

پس جس قانون سے کہ اس کی کثرت رک سکتی ہے وہ

صرف یہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کو باہمی اختلاط سے روکا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بغیر اس کے کہ دونوں میں سے ایک فریق کو گھر کے رہنے کا پابند کر دیا جائے انجام نہیں پا سکتا اور جب ہم مردوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو گھر کے باہر تمام مصارف خانہ داری حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اس لئے وہ تو گھر میں رہنے کے پابند نہیں کئے جا سکتے۔ البتہ بنظر اس کے کہ عورتیں خانہ داری کے اندرونی انتظامات کی مکلف ہیں تو گھروں کے اندر رہنے کا پابند ہونا انہی کے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس کام کی کہ عورتیں مکلف ہیں یہ اس کے موافق ہے۔

پس عورتوں کا گھر کے اندر ہی رکھنا عین حکمت ہے اور اگر کہا جائے کہ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی رکھنے سے ان کو ضرر پہنچے گا تو ہم کہیں گے کہ اس سے کیسا کچھ ضرر کیوں نہ فرض کر لیا جائے لیکن مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے جو ضرر ہوگا وہ ضرر اس سے کہیں بڑھ کر اور نہایت شدید ہوگا اور دو ضرروں میں سے ادنیٰ درجہ کے ضرر کا ارتکاب کر لینا معقول بات ہے اور شرع کے بھی موافق ہے۔ اس لئے شریعت نے عورتوں پر پردہ کا حکم لگایا ہے اور یہ حکم عورتوں کی مصلحت کے جس کی کہ وہ مکلف ہیں اور نیز نوع انسانی کی مصلحت یعنی حفاظت نسب کے بالکل موافق ہے۔

علاوہ بریں جو عورتیں اپنے بچپن سے پردہ ہی میں پڑی ہوئی ہیں ان پر تو اس ضرر کا نام ونشان بھی نہ پایا جائے گا اور یہ اس لئے کہ یہ امر ان کی عادت مالوفہ میں داخل ہو جائے گا اور یہ مخفی نہیں کہ عادت سے ایسی ایسی چیزیں قبول کر لینے کی انسان میں قابلیت آ جاتی ہے جن سے کہ عادت نہ ہونے کی صورت میں وہ بالکل عاجز ہوتا ہے۔

پس ہم عورتوں کو جو پردہ کی عادی ہو رہی ہیں دیکھتے ہیں کہ وہ پردہ میں رہنے پر فخر کرتے ہیں اور اس کو اپنی آبرو کی حفاظت کا بہت بڑا سبب شمار کرتی ہیں۔ اور بے پردہ عورتوں کو جو پردہ کا خیال نہیں کرتیں اور ان کے بے حیائی اور اپنی آبرو کی حفاظت نہ کرنے کی جانب منسوب کرتی ہیں اس کی وجہ سوائے اس کی اور کچھ نہیں کہ وہ پردہ کی عادی ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ مالوف ہو گئی ہیں اور بے پردگی کے ساتھ پھرنے سے پردہ کو انہوں نے اپنے حق میں بہتر پایا ہے۔ پس جب یہ بات ٹھہری تو ظاہر ہو گیا کہ عورتوں پر پردہ کا حکم ان کے حقوق کو تلف نہیں کرتا اور نہ ظلم وسنگدلی شمار کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ طلاق:

رہا طلاق کا مسئلہ اب ہم ایسی تقریر بیان کرتے ہیں جس سے یہ امر مدلل ہو جائے کہ طلاق کا جائز ہونا عقل کے موافق ہے اور اس سے منع کرنا نظام خداوندی اور ترتیب طبعی کے منافی ہے سوائے اپنی بڑائی کے زعم میں ہٹ دھرمی کرنے والے کے اس کو کوئی مخالف نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس رسالہ کے شروع میں پیشتر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حکمت الٰہی اس امر کو مقتضی ہے کہ نوع انسانی میں توالد وتناسل جاری ہے اور اس کی کثرت ہوتی رہی اور یہ کہ مرد میں سن احتلام سے لے کر مرتے دم تک تولید کی استعداد و قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سن احتلام سے لے کر صرف ایاس ہی تک تولید کی قابلیت پائی جاتی ہے اس کے بعد نہیں رہتی اور اس مدت کی کل مقدار پینتیس سال ہوتے ہیں۔ پس جب خاوند زوجہ میں مقارنت ہو اور ان دونوں میں توالد وتناسل نہ پایا جائے اور یہ بہت ہوتا ہے تو اس صورت میں اتنے احتمال ہونگے کہ اس کا مانع یا تو خاوند کی جانب سے ہے۔ پس جس حالت میں کہ طلاق ممنوع ہو تو ان دونوں کی ساری عمر بلا نسل کے گزر جائے گی اور اگر ان دونوں میں سے کسی میں تولید کی استعداد موجود ہوگی تو اسے نسل سے ناحق معطل رہنا پڑے گا اور کبھی کبھی اس معطل رہنے کی مدت پچاسی برس تک متصور ہو سکتی ہے لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو وہ کچھ دن صبر کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے مقارنت کر سکے گا اور اس عورت کو بھی دوسرے مرد سے مقارنت کرنا ممکن ہوگا۔

پس ان دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اس وقت وہ نسل سے کامیاب ہو سکے گا اور معطل نہ رہے گا اور جس میں استعداد نہ ہوگی اس پر اپنی حقیقت حال کے ظاہر ہو جانے سے اس کے دل کو راحت نصیب ہو جائے گی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان دونوں میں تولید نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن ان دونوں کے آلہ تناسل متوافق نہیں ہوتے۔ پس جب دونوں میں مفارقت ہو جائے گی تو ان میں سے ہر ایک کو ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے مقارنت کر کے نسل حاصل کر سکے اور اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے۔

جب مرد اس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو کہ اس سے حاملہ نہیں ہوئی تو اسے (تعدد ازواج) کی بناء پر ممکن ہوگا کہ اس بات کے ظاہر کرنے کی غرض سے کہ حمل کا مانع کس کی جانب سے ہے، کسی دوسری عورت سے مقارنت کر لے۔ پس اگر وہ مانع زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس عورت میں اگر وہ چاہے گا تو اسے بدستور عقد میں باقی رہنے دے اور اس فضل واحسان کو جو اس کے اور زوجہ کے مابین ہے نہ بھولے۔ اس لئے کہ اب اس کے طلاق دینے سے کیا فائدہ (کیونکہ وہ دوسرے سے مقارنت کر کے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اس میں سبب مانع حمل موجود ہے۔ اب اس کے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر

ہیں اس لئے اگر خاوند چاہے تو اسے اپنے پاس رہنے دے) اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کا مانع خود اسی خاوند ہی کی جانب سے ہے تو اسے اس عورت کے اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم قانون سابق کے مقتضا کے موافق یہ نہیں کہتے کہ اسے اس وقت طلاق دینا واجب ہے تا کہ وہ عورت دوسرے سے مقارنت کر سکے۔ کیونکہ اس عورت میں استعداد تولید کا پایا جانا ہی متیقن نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعداد تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہوا کرتے۔

پھر جب بھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا اہم اور ضروری سبب پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاوند و زوجہ میں نفرت پیدا ہو جائے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا، بدصورت ہو جانا، آلہ تناسل کا معطل ہونا، عورت کا اپنے خاوند کی اولاد کے نسب محفوظ رکھنے کے بارہ میں اس طرح اس سے خیانت کرنا کہ اس کو خاوند ظاہر نہ کر سکتا ہو اور حاکم کے روبرو ثابت کرنا اسے ممکن نہ ہو۔ پس اگر طلاق ممنوع ہو گی تو اس حالت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور دونوں کے دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور ان دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بے حیائی کے دروازے کھل جائیں گے۔ لیکن جب طلاق جائز ہو گی تو دونوں اس تنگی اور اس بے لطفی سے چھٹکارا پانے کا قصد کریں گے اور بے حیائی کے ارتکاب سے اور نیز دیوث بننے سے محفوظ اور پاک وصاف رہ سکیں گے۔

طلاق کا اختیار خاوند کو کیوں ہے:

باقی رہا یہ امر کی طلاق صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھی گئی، عورت کے اختیار میں کیوں نہ ہوئی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور ثابت ہوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں فوراً بدل جایا کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ امر علی العموم مسلم ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ عورت کے نان ونفقہ کی مرد ہی کو تکلیف دی گئی ہے۔ پس جب عورت سے اسے کسی قسم کی نفرت پیدا ہو جائے گی تو مرد کے نزدیک راجح یہی امر ہو گا کہ جہاں تک ہو سکے اس کو برداشت کرلے۔ اس نظر سے کہ اس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور نیز اسے یہ خوف بھی لگا ہو گا کہ جو کچھ اس نے عورت پر خرچ کیا ہے کہیں ضائع اور برباد نہ ہو جائے۔ پس اس وجہ سے اسے طلاق دینے اور اس کی مفارقت اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہے گا۔

رہی عورت چونکہ وہ ان دونوں سے (یعنی قوت عقل اور خوف ہلاک نفقہ) خالی ہے نہایت قریب ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کا باعث پایا جائے گا تو وہ بلا تامل طلاق دینے اور اس کی مفارقت اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جائے گی اور اس کو چھوڑ دوسرے کو جا ڈھونڈے گی۔

پس اسی واسطے خداوندی حکمت کا یہ مقتضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے۔ پس بغیر سوائے اس حالت کے کہ وہ بالکل مضطر ہو جائے طلاق دینے پر کبھی پیشقدمی نہ کرے گا۔ رہا بعض بے وقوفوں کا ذرا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیش قدمی کرنا سو یہ بات حکم شرعی اور نظام عقلی کیخلاف ہے اور خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ ائمہ اعلام نے اس کی تصریح کی ہے۔

منصف کے لئے اس قدر بیان کافی ہے اب ہم اس زمانہ کے متمدن (سویلائزڈ) فرقوں کے کچھ حالات جس سے کہ ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے، ذکر کر کے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ فرقے جو اشیاء ہماری شریعت نے مباح کی ہیں ان کو مستحسن شمار کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ ان فرقوں میں سے بعضوں نے دو شادیاں جائز کر دی ہیں۔ لیکن دوسری زوجہ اور اس کی اولاد کی بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ کیونکہ نہ اس کو یہ لوگ مذہبی زوجہ شمار کرتے ہیں اور نہ اس کی اولاد ہی کو مذہبی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ (رسالہ حمیدیہ)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو

یعنی عبادات اور نیک عمل خدا پر یقین کر کے اور ثواب آخرت کی توقع سے کرو فخر اور ریا سے مال دینا یہ بھی شرک ہے، گو کم درجہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى
اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ
اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے
السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا
ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بے شک اللہ کو
يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ
پسند نہیں آتا اترانے والا بڑائی کرنے والا

دیگر اہل قرابت کے حقوق:

یتامٰی اور نساء اور ورثاء اور زوجین کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجتمندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجتمندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب وبعد نسبی ہے یا قرب وبعد مکانی۔ صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہوگا کہ ہمسایہ قرابتی کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہوگا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق ہمسایہ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دونوکر اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آگئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے آخر حقوق میں فرمادیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنی برابر نہ سمجھے اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدا رہو۔ (تفسیر عثمانی)

پڑوسی کے حقوق:

مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے (حضرت) جبرئیلؑ پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت ونصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنادیں گے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے حضرت ابن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔ (مسند امام احمد) مسند عبد بن حمید میں ہے حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیلؑ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی۔ یہ جبرئیلؑ تھے۔ مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنادیں گے۔

حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا خدا کے سامنے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کردیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہوجائے۔ اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آپڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے۔ (بخاری ومسلم تفسیر ابن کثیر)

عبادت کی قسمیں:

عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) اضطراری۔ یعنی ہر چیز چارونا چار اللہ کے حکم سے وابستہ ہے کسی کو اس سے (تخلیقی طور پر) سرتابی کی مجال نہیں (۲) اختیاری۔ آیت میں عبادت اختیاری کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ عبادت الٰہی سے مراد ہے اللہ کے اوامر ونواہی کی پابندی۔

عبادت کا معنی:

صوفیہ کا قول ہے کہ عبادت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح غسال کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے احکام کی تعمیل میں بندہ اپنے کو بے اختیار و بے ارادہ بنادے۔ رب کے ہر حکم پر راضی ہو، یہاں تک کہ اس کی نظر میں اللہ کے احکام تکوینیہ (تخلیقیہ اور ظہریہ) او حکام تشریعیہ (اوامر ونواہی) کا مرتبہ ایک جیسا ہو (یعنی جس طرح اللہ کے احکام تخلیقیہ میں بندہ کے اختیار کو کوئی دخل نہیں اسی طرح اللہ کے احکام تشریعیہ کی پابندی کے لئے بھی وہ اپنے کو مجبور سمجھے)۔

اللہ نے فرمایا ہے جب اللہ اور اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی بات کا فیصلہ کردیتے ہیں تو پھر کسی مومن مرد وعورت کی اپنی اختیاری مرضی نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ اور بندے کا حق:

حضرت معاذؓ بن جبل کا بیان ہے۔ میں اونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذؓ! کیا تجھے معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی جانے۔ فرمایا بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کریں کسی کو اس کا ساتھی نہ قرار دیں۔ معاذؓ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے جب کہ انہوں نے ایسا کیا ہو (یعنی اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنایا ہو)۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانے۔ فرمایا بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ (ایسے لوگوں کو) عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لوگوں کو اس کی

بشارت نہ دے دوں۔ فرمایا ان کو عمل کرنے دے (اگر یہ بشارت دے دی تو بھروسہ کر بیٹھیں گے اور اعمال کو ترک کر دیں گے)۔ رواہ البغوی۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ صوفیہ کے نزدیک عذاب دینے سے مراد ہے ہجر و فراق کا عذاب دینا۔ یعنی اللہ پر غیر مشرک بندوں کا حق یہ ہے کہ ان کو ہجر و فراق کا دکھ نہ دے۔

دس باتیں:

حضرت معاذؓ کا بیان ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی نصیحت فرمائی تھی۔ اللہ کا ساجھی نہ قرار دینا خواہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا، خواہ بیوی اور مال کو چھوڑ دینے کا حکم دیں۔ الحدیث رواہ احمد۔

قرابتدار:

حضرت سلمانؓ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین کو خیرات دینا تو (صرف) خیرات ہے اور (مسکین) قرابتداروں کو دینا خیرات بھی ہے اور صلہ رحم بھی (یعنی دوہرا ثواب ہے) رواہ احمد والنسائی وابن حبان والحاکم والترمذی وابن ماجہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بہترین خیرات وہ ہے جو غنی (یعنی اپنے حاجت پوری ہونے) کے بعد ہو اور دینا اس سے شروع کرے جس کی کفالت تمہارے ذمہ ہو۔ (رواہ البخاری عن حکیم وابی ہریرۃ ورواہ مسلم عن حکیم)

والدین کے علاوہ دوسرے قرابتداروں کے مصارف کے لئے دینا اس وقت واجب ہے کہ وہ کمائی سے عاجز ہوں۔ مثلاً کوئی بچہ ہو، لنگڑا ہو اپاہج ہو یا عورت ہو، والدین کو دینے کی یہ شرط نہیں ہے۔ کوئی شخص مال دار ہو اور اس کے اقربا، بھوکے مر رہے ہوں اور یہ ان کو نہ دے یہ حرکت تقاضائے احسان کے خلاف ہے ایسے وقت میں دینا واجب ہے۔

زکوۃ دینی تو واجب ہے اور زکوۃ کے علاوہ کچھ خیرات کرنی مستحب ہے۔

یتیم کی سرپرستی:

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر میں اور یتیم کی سرپرستی کرنے والا اس طرح ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے تھے اور دونوں انگلیوں کے درمیان قدرے شگاف چھوڑ دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے محض اللہ واسطے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جس حصہ پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا اس کے ہر بال کے عوض اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی سے اچھا سلوک کیا جو اس کے پاس ہو تو وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہونگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انگلیوں کو (قدرے) الگ الگ کر کے بتایا۔ رواہ البغوی۔

پڑوسی:

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑوسی تین ہیں۔ ایک پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں۔ ہمسائیگی کا حق، قرابتداری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ ہمسائیگی کا حق اور اسلام کا حق۔ تیسرا پڑوسی وہ جس کا صرف ایک حق ہے یعنی ہمسایہ ہونے کا اور یہ شخص وہ ہے جو کتابی کافر ہو۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں کس کے گھر بطور ہدیہ کچھ بھیجوں (یعنی دونوں میں زیادہ مستحق کون ہے)۔ فرمایا جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی بڑھا دے اور اپنے پڑوسیوں کا لحاظ رکھ۔ (مسلم)

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے متعلق برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ یہ پڑوسی کو میراث کا حق دار بنا دینگے۔

شاگرد اور استاد بھائی:

(وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ) ۔ مجاہد عکرمہ اور قتادہ کے نزدیک اس سے مراد ہے رفیق سفر۔ ابن جریجؒ اور ابن زید نے کہا جو اپنے فائدہ کے لئے تیرے ساتھ ہو وہ صاحب بالجنب ہے اس وقت یہ لفظ شاگرد اور استاد بھائی دونوں کو شامل ہوگا۔ حضرت علیؓ، عبداللہ اور ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے جو مرد کے پہلو کے ساتھ ہوتی ہے۔

مسافر و مہمان:

(وَابْنِ السَّبِيلِ) بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد مسافر ہے اور اکثر علماء کے نزدیک مہمان۔ حضرت ابوشریح خزاعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرنا چاہئے اور اور جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو

اس کو چاہئے کہ زبان سے کلمہ خیر نکالے یا خاموش رہے۔ ﴿رواہ البغوی﴾

حضرت ابوشریح کعبی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہو اس کو اپنے مہمان کی ایک شبانہ روز ضیافت کرنی چاہئے اور مہمانی (کا حکم) تین دن تک ہے۔ اس کے بعد خیرات ہے۔ مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگ کرنے کے لئے اس کے پاس پڑا ہی رہے۔ صحیحین۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے ہمسایہ کو دکھ نہ دینا چاہئے اور جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلائی کی بات کہے یا خاموش رہے۔ صحیحین۔

غلام اور باندی:

(وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) اور اپنے باندی غلام کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

میں کہتا ہوں اس حکم میں مویشی بھی داخل ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باندی غلام کے کھانے پہننے کا حق (آقا پر) ہے اور اس بات کا بھی حق ہے کہ طاقت کی برداشت سے زائد اس پر کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (باندی غلام) تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے۔ پس جس کے زیر دست اللہ نے اس کے بھائی کو کر دیا ہو تو اس پر لازم ہے کہ جو کھانا خود کھائے وہی اپنے زیر دست بھائی کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور طاقت سے زیادہ اس پر کام نہ ڈالے۔ اگر اس کی طاقت سے زیادہ کام ہو تو خود بھی اس کی مدد کرے۔ ﴿بخاری ومسلم﴾

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم آگ کی گرمی اور دھواں برداشت کر کے کھانا پکا کر لائے تو اس کو ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہئے۔ اگر کھانا بہت ہی کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اٹھا کر ضرور اس کو دینا چاہئے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حضرت ابومسعودؓ انصاری کا بیان ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ پیچھے سے میں نے کسی کی آواز سنی۔ ابومسعود سمجھ لے کہ جتنا قابو تیرا اس پر ہے، تیرے اوپر اللہ کا اس سے زیادہ قابو ہے۔ میں نے منہ پھیر کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے فوراً کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ واسطے آزاد ہے۔ فرمایا اگر تو ایسا نہ کرتا تو آگ کی لپٹ تجھے پہنچ ہی گئی تھی یا یہ فرمایا کہ آگ نے تجھے چھو ہی لیا تھا۔ ﴿رواہ مسلم﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت:

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض (وفات) میں فرما رہے تھے۔ نماز اور باندی غلام (کا لحاظ رکھو) رواہ البیہقی فی شعب الایمان، امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت علیؓ کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

موت کی آسانی کا نسخہ:

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ہیں جس کے اندر یہ تینوں ہونگی۔ اللہ اس کی موت آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل فرما دے گا، کمزور سے نرمی کرنا ماں باپ پر شفقت کرنا اور باندی غلام سے اچھا سلوک کرنا۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

خادموں کو معاف کرنا:

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم خادموں کو کتنی بار معاف کریں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا، فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

جانوروں پر رحم:

ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت سہلؓ بن حنظلہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اثناء راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک (لاغر) اونٹ دیکھا جس کا پیٹ پیٹھ سے لگ گیا تھا۔ فرمایا ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا کا خوف کرو۔ اگر یہ سواری کے قابل ہوں تو سوار ہو اور چھوڑ دینے کے قابل ہوں تو چھوڑ دو (سوار مت ہو)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ تم میں سب سے برے کون لوگ ہیں (برے ہیں وہ لوگ) جو تنہا خور ہوں، غلام کو کوڑے سے مارتے ہوں اور اپنا عطیہ روک کر رکھتے ہوں (کسی کو کچھ نہ دیتے ہوں)۔ ﴿رواہ رزین﴾

حضرت ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خادم کو مارتے وقت آدمی اللہ کو یاد کر لے (کہ وہ کتنا قادر اور طاقتور ہے اور اس کے باوجود بندہ کے قصوروں سے درگزر فرماتا ہے) پس تم بھی (باندی غلام کو مارنے سے) ہاتھ اٹھا لو۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

(إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ) اللہ پسند نہیں کرتا یعنی نفرت کرتا ہے۔ عدم

محبت سے مراد بغض ونفرت ہے۔

متکبر ومغرور:

مختال سے مراد وہ شخص ہے جو تکبر کرتا اپنے قرابتداروں، پڑوسیوں اور ساتھیوں سے ناک چڑھاتا اور ان کی طرف التفات نہ کرتا ہو۔ اور فخور وہ شخص ہے جو دوسروں پر اپنی فوقیت جتاتا ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی دو چادریں (یعنی پورا سوٹ) پہنے مٹکتا ہوا اتراتا چلا جا رہا تھا۔ اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت کے دن تک اس میں دھنستا چلا جائے گا۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غرور سے اپنا کپڑا (زمین پر) گھسیٹتا چلتا ہے، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ ﴿بخاری ومسلم﴾

قطع رحمی کرنے والا:

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے گروہ اہل اسلام اللہ سے ڈرتے رہو۔ کوئی شبہ نہیں کہ جنت کی ہوا ہزار سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی، مگر نہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اس کو پائے گا نہ رشتہ داری قطع کرنے والا نہ بوڑھا زانی اور نہ وہ شخص جو غرور سے اپنا تہبند گھسیٹتا چلتا ہے۔ بڑائی صرف رب العالمین کو زیبا ہے۔ الحدیث۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

والدین سے احسان:

والدین کے معاملہ میں لفظ احسان لایا گیا، جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت ان کے نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں، اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمات انجام دیں۔ یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو۔ کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو، ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو، بلکہ ان کو آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں۔ یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو جب بھی اولاد کے لئے بدسلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وصیتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو۔ ﴿مسند احمد﴾

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدات وارد ہیں، اسی طرح اس کے بے انتہا فضائل اور درجات ثواب بھی مذکور ہیں۔

بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے یعنی اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع وفرمانبردار ہو جب وہ اپنے والدین کو عزت ومحبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔

بیہقی ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دل آزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سلمان ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ عام مسکینوں فقیروں کو دینے میں تو صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور اگر اپنے ذی رحم رشتہ دار کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں۔ ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، یعنی رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا۔ ﴿مسند احمد، نسائی، ترمذی﴾

سب سے افضل شخص:

ترمذی اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی محلّہ کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک پڑوسی کو پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں، جب کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

ہمنشین کا حق:

چھٹے نمبر میں ارشاد فرمایا: والصاحب بالجنب اس کے لفظی معنی

''ہم پہلوساتھی'' کے ہیں۔ جس میں رفیق سفر بھی داخل ہے جو ریل میں، جہاز میں، بس میں، گاڑی میں آپ کے برابر بیٹھا اور وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی عام مجلس میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، واجب فرمائے اسی طرح اس شخص کا حق صحبت لازم کر دیا جو تھوڑی دیر کے لئے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، جس میں مسلم وغیر مسلم اور رشتہ دار و غیر رشتہ دار سب برابر ہیں اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل سے اس کو ایذا نہ پہنچے۔ کوئی گفتگو ایسی نہ کریں جس سے اس کو دل آزاری ہو اور کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اس کو تکلیف ہو۔ مثلاً سگریٹ پی کر اس کا دھواں اس کے منہ کی طرف نہ چھوڑیں، پان کھا کر پیک اس کی طرف نہ ڈالیں، اس طرح نہ بیٹھیں جس سے اس کی جگہ تنگ ہو جائے۔

قرآن کریم کی اس ہدایت پر لوگ عمل کرنے لگیں تو ریلوے مسافروں کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ہر شخص اس پر غور کرے کہ مجھے صرف ایک آدمی کی جگہ کا حق ہے، اس سے زائد جگہ گھیرنے کا حق نہیں۔ دوسرا کوئی اگر قریب بیٹھا ہے تو اس ریل میں اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ صاحب بالجنب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی کام اور کسی پیشہ میں آپ کا شریک ہے، صنعت مزدوری میں، دفتر کی ملازمت میں سفر میں حضر میں۔ ﴿روح المعانی﴾

راہ گیر کا حق:

ساتویں نمبر میں ارشاد فرمایا، (وَابْنِ السَّبِيْلِ) یعنی راہ گیر، اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوران سفر، آپ کے پاس آ جائے، یا آپ کا مہمان ہو جائے۔ چونکہ اس اجنبی شخص کا کوئی تعلق والا یہاں نہیں ہے، تو قرآن نے اس کے اسلامی، بلکہ انسانی تعلق کی رعایت کر کے اس کا حق بھی لازم کر دیا، کہ بقدر وسعت و استطاعت اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

غلام، باندی اور ملازموں کا حق۔ آٹھویں نمبر میں ارشاد فرمایا، (وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) جس سے مراد مملوک غلام اور باندیاں ہیں، ان کا بھی یہ حق لازم کر دیا گیا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں۔ استطاعت کے موافق کھلانے پلانے، پہنانے میں کوتاہی نہ کریں اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ کام ان پر ڈالیں۔

اگرچہ الفاظ آیت کا صریح مدلول مملوک اور غلام اور باندیاں ہیں، لیکن اشتراک علت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بناء پر یہ احکام نوکروں اور ملازموں پر بھی حاوی ہیں کہ ان کا بھی یہی حق ہے کہ مقررہ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دینے میں بخل اور دیر نہ کریں اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام نہ ڈالیں۔

ذرہ بھر تکبر:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنًا، قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ. ﴿مشکوٰۃ﴾ صفحہ ۴۳۳ بحوالہ مسلم

''حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو، حاضرین میں سے ایک آدمی نے سوال کیا، لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے کپڑے اچھے ہوں، ان کے جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکبر نام ہے حق رد کرنے کا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کا۔''

اِلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو
بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے
فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے عذاب
مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾
ذلت کا

علم اور مال میں بخل کی مذمت:

یعنی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خود پسند اور تکبر کرنے والوں کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور اپنے مال اور علم خداداد کو لوگوں سے چھپاتے ہیں، کسی کو نفع نہیں پہنچاتے اور قولاً اور عملاً دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اور ان کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہودیوں کا علم و مال میں بخل:

فائدہ: یہ آیت یہودیوں بارہ میں نازل ہوئی جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جو توریت میں مذکور تھے اور حقانیت اسلام کی آیات جو موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ سو مسلمانوں کو اس سے احتراز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کو بخل کے مشورے:

وَ یَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ. اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زید کے قول پر اس آیت کا نزول مندرجہ ذیل یہودیوں کے متعلق ہو۔ کردم بن زید بن اخطب، رفاعہ بن زید بن تابوت، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو۔ یہ لوگ انصاریوں کے پاس ان سے گھل مل کر کہتے تھے کہ (راہ خیر میں) اپنے مال خرچ نہ کرو۔ ہم کو تمہارے مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تم کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا ہوگا۔ رواہ ابن اسحاق و ابن جریر بسند صحیح۔

دو بری خصلتیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ مومن کے اندر دو (بری) خصلتیں یعنی کنجوسی اور بد خلقی اکٹھی نہیں ہوتیں۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا جنت میں داخل نہ ہوگا، مکار مفسد نہ بخیل اور احسان جتانے والا۔ (رواہ الترمذی)

فرشتوں کی دُعاء:

انفاق کی فضیلت اور بخل کی مذمت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَكَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا. (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہتا ہے اے اللہ! بھلائی کے راستہ میں خرچ کرنے والے کو اچھا عوض عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخیل کو (مال و دولت کی) تباہی سے ہمکنار کر۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

عَنْ اَسْمَاءَؓ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰهُ عَلَیْكِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰهُ عَلَیْكِ وَارْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ. (بخاری و مسلم)

"حضرت اسماءؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسماء! خیر کے راستہ میں خرچ کیا کرو اور گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ بھی تمہارے حق میں گننا شروع کر دے گا، اور انفاق سے بچنے کے لئے بہت زیادہ حفاظت نہ برتو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی حفاظت کرنا شروع کر دیگا، اور کم از کم جو تجھ سے ہو سکے اس کے دینے سے دریغ نہ کر۔"

سخی کی فضیلت:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ. قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ، وَالْجَاهِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ. (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی اللہ سے بھی قریب ہے جنت سے بھی قریب ہے اور لوگوں کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے، اور جہنم کی آگ سے دور ہے، اور بخیل اللہ سے بھی دور ہے جنت سے بھی دور ہے، لوگوں سے بھی دور ہے، اور آگ سے قریب ہے، اور جاہل آدمی جو سخاوت کرتا ہو (اور فرائض کو ادا کرنے اور خرافات سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو) اس کنجوس سے بہتر ہے جو عبادت گزار ہو۔"

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ
اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو
النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ
اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے
الْاٰخِرِ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا
دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا
فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾
ساتھی ہے

ریاء کاری: اور وہ خود پسند متکبر وہ لوگ ہیں کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لئے خرچ کرنے میں تو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں اور ان کو نہ اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر کہ حصول رضائے حق تعالیٰ اور تحصیل ثواب اخروی ان کو مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ یہ ہے کہ ان حقداروں کو دیا جائے جن کا اول ذکر ہو چکا اور دینے میں اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی توقع ہو اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں جیسا بخل کرنا برا ہے ویسا ہی لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرنا برا ہے اور ایسا کام وہی کرتے ہیں جن کا رفیق شیطان ہے جو ان کو ایسے کام پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
اور کیا نقصان تھا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے
الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ
دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے ہوئے میں سے اور
اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾
اللہ کو ان کی خوب خبر ہے

ایمان واخلاص کی دعوت:

یعنی ان کافروں کو کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ بجائے کفر اللہ اور دن قیامت پر ایمان لاتے اور بجائے بخل وریا اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرتے بلکہ ان کا سراسر نفع تھا ضرر تو اس میں ہے جس کو وہ اختیار کر رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا اور کس نیت سے کر رہے ہیں اسی کا عوض ان کو ملے گا۔ پہلی آیت میں (يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ) فرمایا تھا، مال کو انکی طرف منسوب کیا تھا۔

لطیف اشارہ:

اب (وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ) فرمایا اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہ لوگ اپنا مال سمجھ کر جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتے ہیں ان کو چاہئے تھا کہ اللہ کا مال سمجھ کر اسکے حکم کے موافق خرچ کرتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ
بیشک اللہ حق نہیں رکھتا کسی کا ایک ذرہ برابر اور اگر

حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ
نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
بڑا ثواب

کئی گنا اجر:

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کا حق ایک ذرہ برابر بھی ضائع نہیں فرماتا سو ان کافروں پر جو عذاب ہو گا وہ عین انصاف اور ان کی بداعمالی کا بدلہ ہے اور اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہو گی تو اضعاف مضاعف اس کا اجر دے گا اور اپنی طرف سے ثواب عظیم بطور انعام اس کو عنایت کرے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اللہ کا کوئی فعل ظلم نہیں ہو سکتا:

وہ خالق کل ہے مالک الملک ہے اگر بغیر جرم کے سارے جہان کو عذاب دے تب بھی ظلم نہ ہو گا پس اس کی شان میں کسی فعل پر ظلم کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا اس لئے آیت کی مراد یہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی عمل بھی ظلم ہو سکتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کوئی ایسا کام بھی نہیں کرے گا کہ دوسرے اگر وہی کام کریں تو اس کو ظلم کہا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کسی کی طاعت کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا اور نہ کسی کے گناہ میں بیشی کریگا۔

مومن وکافر کی نیکی:

بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی کسی نیکی (کے اجر) کو کم نہیں کیا جائے گا۔ دنیا میں اس کے عوض رزق (زیادہ) ملے گا اور آخرت میں بھی اس کی اچھی جزا ملے گی۔ اور کافر کی نیکی کا بدلہ اس کو بصورت رزق دنیا میں ہی ملے گا آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی ہی نہ رہے گی کہ ثواب پا سکے۔ رواہ احمد ومسلم۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۳﴾

مومنین کی دوزخ سے رہائی:

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن دوزخ سے نجات پا کر مامون ہو جائیں گے تو اپنے ان بھائیوں کے متعلق جو دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے اپنے رب سے اتنا سخت جھگڑیں گے کہ اتنا سخت جھگڑا تم میں سے کوئی اپنے حق کے متعلق بھی کسی سے نہیں کرتا۔ عرض کریں گے، پروردگار وہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے حج کرتے تھے۔ اللہ فرمائے گا جاؤ

اور جسکو پہچانتے ہو دوزخ میں سے نکال لو۔ مومن جا کر چہروں سے پہچان لینگے کیونکہ چہروں کو آگ نے نہ کھایا ہوگا۔ کسی کے نصف پنڈلیوں تک آگ نے جلایا ہوگا اور کسی کے ٹخنوں تک۔ یہ ان کو نکال لینگے اور عرض کریں گے، پروردگار تو نے جن کو نکالنے کا حکم دیا تھا، ہم نے ان کو نکال لیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا (پھر جاؤ) اور جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو (مومن حکم کی تعمیل کرینگے) پھر حکم ہوگا جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو۔ مومن حکم کی تعمیل کرینگے آخر یہاں تک (حکم ہوگا کہ) جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو (اس کو بھی نکال لو)۔

راوی نے کہا اگر کوئی ایسی بات کو سچ نہ مانتا ہو تو اس آیت کو پڑھے:

(اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا)

مومن عرض کریں گے پروردگار تو نے جن کو نکال لینے کا حکم دیا تھا ان کو ہم نے نکال لیا، اب دوزخ میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس کے (دل کے) اندر کوئی بھی خیر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ملائکہ سفارش کر چکے، انبیاء سفارش کر چکے، مومن سفارش کر چکے، اور ارحم الراحمین باقی رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ دوزخ کے اندر سے ایک مٹھی بھر یا دو مٹھی بھر ایسے لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے اللہ کے لئے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور جل کر کوئلہ ہو گئے ہونگے۔ ان کو لا کر آب حیات ان پر ڈالا جائے گا جس کی وجہ سے وہ ایسے اگیں گے جیسے سیلاب کی کیچڑ میں دانہ اگتا ہے اور موتی کی طرح ان کے بدن جھلکنے لگیں گے۔ ان کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں (یعنی ان کی کوئی نیکی ہی نہیں تھی) حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ تمہاری جو تمنا ہو اور جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔ وہ عرض کریں گے پروردگار تو نے ہم کو ایسا کچھ عطا فرمایا جو کسی کو جہان میں نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی بڑھ کر (نعمت) ہے۔ وہ عرض کریں گے پروردگار وہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میری خوشنودی۔ آئندہ کبھی میں تم سے غصے نہ ہوں گا۔ رواہ البغوی بسند بخاری ومسلم نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے، لیکن اس میں حضرت ابوسعیدؓ کا یہ قول نہیں ہے کہ اگر کوئی اس بات کو سچ نہ مانتا ہو تو اس آیت کو پڑھے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا وزن:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے علی الاعلان لائے گا اس کے اعمالناموں کے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا ہوگا جتنی دور نظر پہنچتی ہے اور اللہ فرمائے گا کیا تجھے اس میں سے کسی چیز کا انکار ہے، کیا میرے نگران کاتبوں نے تیری کوئی حق تلفی کی ہے۔ بندہ عرض کرے گا نہیں میرے مالک (کوئی حق تلفی نہیں کی نہ مجھے اس کا انکار ہے)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا (گناہ کرنے کا) تیرے پاس کوئی عذر یا تیری کوئی نیکی اور ہے (جو لکھنے سے رہ گئی ہو)۔ بندہ لاجواب اور متحیر ہو کر عرض کرے گا نہیں پروردگار۔ اللہ فرمائے گا کیوں نہیں۔ ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے۔ تجھ پر آج ظلم نہ ہوگا۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائیگا، جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا، وزن کے وقت تو موجود رہنا۔ بندہ عرض کرے گا میرے مالک! یہ چھوٹا سا پرچہ ان لمبے دفتروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد تمام دفتروں کو ایک پلڑے میں اور پرچہ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو دفتروں والا پلڑا اوپر کو اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلڑا بھاری نکلے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔ رواہ ابن ماجہ ابن حبان و الحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

ایک سے ہزاروں:

حضرت ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی شک نہیں کہ اللہ ایک نیکی کو بڑھا کر ہزاروں ہزار نیکیاں کردے گا۔ رواہ ابن جریر وابن ابی شیبہ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا اور ایک منادی ندا دے گا، خبردار ہو جاؤ جس کسی کا کوئی حق ہو وہ اپنا حق لینے آجائے یہ سن کر آدمی خوش ہوگا کہ باپ یا اولاد یا بھائی پر اس کا جو حق ہوگا وہ اس کو ملے گا، خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو، رشتہ داروں سے حق وصول کرنے کا ثبوت اس آیت میں موجود ہے۔ (فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ) الخ۔

خوش بخت وبد بخت:

اور (ہر) شخص کو طلب کیا جائے گا اور ایک منادی تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے ندا دے گا یہ فلاں شخص ہے جس کا اس پر حق ہو وہ اپنا حق لینے آجائے۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا ان کے حقوق ادا کر، وہ شخص کہے گا میرے رب، دنیا جاتی رہی، اب کہاں سے دوں۔ اللہ فرشتوں سے فرمائے گا اس کے اعمال دیکھو۔ ان میں سے ان لوگوں کے حقوق دے دو۔ اب

اگر ذرہ برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک! اس کی ذرہ برابر نیکی باقی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے بندہ کے لئے اس کو چند گنا کرو اور اس کو میری رحمت کے طفیل جنت میں داخل کردو۔ اس کا ثبوت اس آیت میں موجود ہے۔

(اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا) ۔ اور اگر بندہ بدبخت ہوگا اور فرشتے کہیں گے کہ اے ہمارے معبود! اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور حقدار ابھی باقی ہیں تو اللہ فرمائے گا، ان کی کچھ بدیاں لے کر اس کے گناہوں میں بڑھادو۔ پھر اس کے لئے دوزخ کا پروانہ کاٹ دو (یا اس کو خوب مارتے ہوئے دوزخ کو لے جاؤ) رواہ البغوی وابن المبارک وابونعیم وابن ابی حاتم۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ
پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہرامت میں سے احوال کہنے والا
وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾
اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا

ہرامت اور تمام انبیاء کے گواہ:

یعنی ان کافروں کا کیا حال ہوگا جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہرامت اور ہرقوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا۔ اس سے مراد ہرامت کا نبی اور ہرعہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے اور تم کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر یعنی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاءؑ کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لاویں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ھٰؤلاء کا اشارہ انبیائے سابقین یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے، جبکہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر وفسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی بداعمالی پر گواہ ہوگے جس سے انکی خرابی اور برائی خوب محقق ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

کافروں کا کیا حال ہوگا:

(فَكَيْفَ) پس ان کافروں کی کیا حالت ہوگی یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور ہر مظلوم کا ظالم سے عوض لوائے گا تو اس ہولناک وقت میں ان کافروں کا کیا حال ہوگا، جنہوں نے نہ اللہ کے حقوق ادا کئے نہ بندوں کے۔

(اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ) جب ہر ہرامت میں سے ایک گواہ کو ہم حاضر کریں گے یعنی ہرامت کے پیغمبر کو حاضر کریں گے جو امت کے اچھے برے اعمال اور تصدیق وتکذیب کی شہادت دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت:

ابن مبارک نے سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ہر روز صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت پیش کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خصوصی علامات اور اعمال کو پہچانتے ہیں اسی لئے (قیامت کے دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے متعلق شہادت دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو:

بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا (کچھ قرآن) پڑھ کر مجھے سناؤ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں پڑھ کر سناؤں۔ فرمایا ہاں۔ حسب الحکم میں نے سورہ نساء پڑھی۔ جب آیت (فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾) پر پہنچا تو فرمایا اب بس کرو۔ میں نے منہ اٹھا کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

آبدیدہ ہونے کی وجہ:

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت سے آخرت کا منظر متحضر ہوگیا اور اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا، اس لئے آنسو مبارک جاری ہوگئے۔ ﴿معارف القرآن﴾

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ
اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی
لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ
نافرمانی کی تھی کاش برابر کئے جاویں وہ زمین میں اور نہ چھپا سکیں گے

حَدِیۡثًا ﴿۴۲﴾
اللہ سے کوئی بات

کافروں کی ناکام تمنا:

یعنی جس دن ہر امت میں سے ان کے حالات بیان کرنے والا بلایا جائے گا۔ اس دن کافر اور نافرمان لوگ اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین میں ملا دیئے جاتے اور مٹی میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے۔ آج پیدا نہ ہوتے اور ہم سے حساب و کتاب نہ ہوتا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کر سکیں گے اور ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔

ربط: شروع شروع سورت سے مسلمانوں کو اقارب اور زوجین وغیرہ کے ادائے حقوق کی تاکید اور کسی کی حق تلفی کرنے اور جانی مالی نقصان پہنچانے کی ممانعت اور معاصی کی خرابی پر مطلع کر کے اس کے بعد واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا، فرما کر اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کا ارشاد کر کے اسی کے ذیل میں تکبر اور خود پسندی اور بخل و ریا سے ڈرایا تھا جو ایسے عیب ہیں کہ دوسروں کے حق ادا کرنے اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے روکتے بھی ہیں اور روپیہ پیسہ دینے والوں اور لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کی طبیعت میں خواہ مخواہ آنے بھی لگتے ہیں۔

نماز کیلئے خصوصی خطاب:

اب ان تمام حکموں کے آخر میں پھر مسلمانوں کو صریح خطاب فرما کر خاص نماز کی بابت جو سب عبادتوں میں اعلیٰ اور افضل ہے اور شریعت مقدسہ نے جس قدر اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کے ارکان و شرائط و آداب وغیرہ کو مفصل بتلایا ہے کسی عبادت کا اس قدر اہتمام نہیں کیا۔

دو اہم باتیں:

دو باتوں کی تاکید فرمائی جو امور متعلقہ صلوٰۃ میں سب سے اہم اور نفس پر شاق ہیں اور ارکان صلوٰۃ کی صحت اور خوبی کے لئے جسم اور جان ہیں۔ اول یہ کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ تاوقتیکہ جو منہ سے نکلے اس کو سمجھ بھی لو اور جنابت میں بھی نماز سے دور رہو یہاں تک کہ غسل کر کے تمام بدن کو خوب پاک کر لو کیونکہ نماز میں دو امر مہتم بالشان ہیں ایک حضور اور خشوع دوسرے طہارت اور نظافت اور جملہ امور متعلقہ صلوٰۃ میں یہی دو امر نفس پر شاق بھی ہیں اور نشہ خشوع اور حضور کے مخالف ہے تو جنابت طہارت اور نظافت کے منافی ہے بلکہ نشہ چونکہ مثل نوم اور غشی ناقض وضو ہے تو اس لئے طہارت کے بھی مخالف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نماز کو پورے اہتمام سے پڑھو اور جملہ امور ظاہری اور باطنی کا لحاظ رکھو گو نفس پر شاق ہو۔

اس خصوصی خطاب کا نفع:

باقی اس خاص موقع پر اس تاکید اور تقیید کے ارشاد فرمانے سے دو نفع معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ احکام کثیرہ مذکورہ بالا جن میں حقوق اور معاملات باہمی اور عبادات جانی و مالی کا ذکر تھا۔ ان سب کو بجا لانے کے ساتھ بخل اور ریا اور خود پسندی اور بڑائی سے بھی مجتنب رہنا چونکہ نفس پر شاق ہے اور سننے والوں کو خلجان کا موقع ہے تو اس دشواری اور خلجان کا علاج بتانا منظور ہے یعنی نماز کو اس کی شرائط و آداب ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کرو گے تو جملہ اوامر و نواہی مذکورہ بالا کی تعمیل تم پر سہل ہو جائے گی، کیونکہ نماز کی وجہ سے جملہ اوامر و عبادات میں سہولت اور رغبت اور تمام منہیات اور معاصی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ دیگر آیات و احادیث میں مذکور ہے اور علمائے محققین نے تصریح فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ احکام کثیرہ سابقہ کو سن کر بعید نہیں جو کاہل کم ہمت اپنے آپ کو مجبور خیال کر کے ہمت ہار دیں اور اس کاہلی کا اثر نماز میں بھی ظاہر ہونے لگے جس کے شرائط و آداب بہت کچھ ہیں اور جو ہر وقت موجود ہے اس لئے نماز کا اہتمام مناسب ہوا۔

الحاصل جو کوئی اقامت صلوٰۃ کا اہتمام اور التزام رکھے گا اس کو دیگر احکام جانی و مالی میں بھی آسانی اور سہولت ہوگی اور جو کوئی دیگر احکام میں کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے، اس سے اقامت صلوٰۃ میں بھی کوتاہی کرنا بعید نہیں۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ
اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے
وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ
جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو
وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا
اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو

ربط: اہل کتاب و کفار کی دو بڑی خرابیاں:

پہلی آیات میں مسلمانوں کو خطاب تھا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا

بِهٖ شَيْئًا ...... الی آخر الآیات۔ اور اسی کے ذیل میں کفار کی مذمت بیان فرمائی تھی جو کہ امور مذکورہ سابقہ کی مخالفت کرتے تھے اب اس کے بعد پھر مسلمانوں کو در بارۂ صلوٰۃ بعض خاص ہدایتیں کی جاتی ہیں اور ان ہدایات کو ماقبل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس سے پہلے کفار اور اہل کتاب کی دو خرابیوں کا خاص طور پر ذکر تھا ایک اللہ پر ایمان نہ لانا دوسرے اپنا مال اللہ کے لئے خرچ نہ کرنا بلکہ لوگوں کے دکھانے کو اور اپنی عزت بڑھانے کو مال خرچ کرنا اور ظاہر ہے کہ پہلی خرابی کا منشا تو علم کا نقصان اور جہل کا غلبہ ہے اور دوسری خرابی کی وجہ ہوائے نفس اور اپنی خواہش ہے کہ جس سے معلوم ہوگیا کہ گمراہی کے بڑے سبب دو ہیں۔ اول جہل جس میں حق و باطل کی تمیز ہی نہیں ہوتی دوسرے خواہش و شہوت جس سے باوجود تمیز حق و باطل حق کے موافق عمل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شہوات سے قوت ملکی ضعیف اور قوت بہیمیہ قوی ہوجاتی ہے، جس کا نتیجہ ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب ہے، جو بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے تو اب اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اول منع فرمایا کہ یہ جہل کی حالت ہے۔ اس کے بعد جنابت میں نماز پڑھنے سے روکا کہ یہ حالت ملائکہ سے بعد اور شیاطین سے قرب کی حالت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جہاں جنبی ہوتا ہے، وہاں ملائکہ نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔

آیت کا مطلب:

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم کو کفر اور ریا کی خرابی معلوم ہوچکی اور ان کے اضداد کی خوبی واضح ہوچکی تو اس سے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی خرابی کو بھی خوب سمجھ لو کہ ان کا منشا بھی وہی ہے جو کفر وریا کا منشا تھا۔ اس لئے نشہ میں نماز کے نزدیک نہ جانا چاہئے تاوقتیکہ تم کو اس قدر ہوش نہ آجائے کہ جو منہ سے کہو اس کو سمجھ بھی سکو اور نہ حالت جنابت میں نماز کے نزدیک جانا چاہئے تاوقتیکہ غسل نہ کرلو، مگر حالت سفر میں اس کا حکم آگے مذکور ہے۔ فائدہ! یہ حکم اس وقت تھا کہ نشہ اس وقت تک حرام نہ ہوا تھا لیکن نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی تھی۔

شانِ نزول:

روایات میں منقول ہے کہ ایک جماعت صحابہؓ کی دعوت میں جمع تھی۔ چونکہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے شراب پی تھی۔ مغرب کا وقت آگیا تو سب اسی حالت میں نماز کو کھڑے ہوگئے۔ امام نے سورہ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کی جگہ اعبد ما تعبدون بے ہوشی میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل خلاف ادا ہوگئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اگر نیند کے غلبہ یا بیماری کی وجہ سے کسی کا ایسا حال ہوجائے کہ اس کی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا، تو ایسی حالت کی نماز بھی درست نہ ہوگی۔ جب ہوش آئے تو اس کی قضا ضرور کرلے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابوداؤد، حاکم اور ترمذی نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہمارے لئے کھانا تیار کرایا اور ہم کو بلایا اور شراب پلائی۔ یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے اور شراب کا نشہ ہم کو چڑھا اور نماز کا وقت آگیا اور لوگوں نے مجھ کو آگے بڑھایا۔ میں نے پڑھا ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾، ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ آخر تک اسی طرح (بغیر لا کے) پڑھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جو کچھ منہ سے نکال رہے ہو اس کو سمجھ لو۔ نشہ جس حد تک مانع نماز ہے، اس کی تعیین اس لفظ سے کردی (یعنی تھوڑا سا نشہ مانع صلوٰۃ نہیں جب تک نشہ اتنا نہ ہو کہ آدمی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں نماز پڑھ سکتا ہے)

بحالتِ نیند نماز کی ممانعت:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے اندر اگر کوئی اونگھنے لگے تو سو جائے تا کہ نیند جاتی رہے کیونکہ اونگھتے میں نماز پڑھتا رہے گا تو ممکن ہے کہ استغفار کرنا چاہتا ہو اور اپنے کو گالیاں دینے لگے۔ رواہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔

غسل کے مسائل:

مسئلہ: چاروں اماموں کا اور عام جمہور اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ محض جماع سے غسل واجب ہوجاتا ہے، انزال ہو یا نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھ گیا اور اس کو مشقت میں ڈال دیا تو غسل واجب ہوگیا۔ بخاری و مسلم۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد چاروں شاخوں (اطراف اربعہ) کے درمیان بیٹھ گیا اور شرم گاہوں کے منہ مل گئے تو غسل واجب ہوگیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کیا اور ہم نے غسل کیا۔

امام احمدؒ اور مؤلفین سنن نے حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا انصاریؓ کہتے ہیں کہ انما الماء من الماء

کی (یعنی انزال کے بغیر جماع کے بعد صرف استنجا کر لینا کافی تھا) اجازت تھی۔ شروع اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ پھر ہم کو غسل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس روایت کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور اسمٰعیل نے کہا ہے کہ صحیح بر شرط بخاری۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تیمم رافع حدث نہیں ہے ورنہ پانی ملنے سے تیمم کے ٹوٹ جانے کے کوئی معنی نہیں، کیا پانی کا وجود موجب ناپاکی ہے؟ جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے طہارت عارضی ہوتی (ناپاکی چھپی رہتی ہے پانی ملتے ہی مخفی حدث کا ظہور ہو جاتا ہے نئی ناپاکی نہیں پیدا ہو جاتی۔

صحیحین میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنابت والے کو تیمم کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب پانی مل گیا تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ اگر تیمم سے جنابت بالکل (جڑ سے) جاتی رہتی تو غسل کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیتے۔

غسل کے حاجتمند کے مسائل:

ہمارے نزدیک جنابت والے کے لئے مسجد میں گزرنا جائز نہیں۔

مسئلہ: مسجد میں جنابب والے کا ٹھہرنا حنفیہ کی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ناجائز ہے، مگر امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ تینوں اماموں کے مسلک کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان گھروں کے رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو۔ میں مسجد (ٹھہرنے یا داخل ہونے) کو نہ حیض والی کے لئے جائز قرار دیتا ہوں نہ جنابت والے کے لئے۔ رواہ ابوداؤد، وابن ماجہ، والبخاری فی التاریخ و الطبرانی عن حسرۃ بنت دجاجۃ عن عائشہؓ۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے بروایت جسیرۃ عن ام سلمہؓ (بھی) لکھا ہے۔ ابوزرعہ نے اول روایت کو صحیح کہا ہے۔

مسئلہ: جنابت والے کے لئے کعبہ کا طواف جائز نہیں کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور مسجد میں جنابت والے کا داخلہ درست نہیں۔ جنابت والے کے لئے قرآن پڑھنا بھی جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک تعوذ کے لئے چند آیات کی تلاوت جائز ہے۔ داؤد کے نزدیک تمام قرآن کی تلاوت جنابت والے کے لئے جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حائضہ اور جنابت والے قرآن کا کچھ حصہ بھی نہ پڑھیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ کی تفسیر میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ پھر جنابت والے کے لئے قرآن کو چھونا ناجائز ہے۔ آیت ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ کی تفسیر میں اس کی تفصیل آئے گی۔ اور نقوش حروف کو چھونا ناجائز ہے تو قرآن کے الفاظ زبان پر لانا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

شبہ: بے وضو آدمی کے لئے آیت ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ کے حکم کے مطابق قرآن کو چھونا جائز نہیں مگر آیات قرآنی کو پڑھنا تو جائز ہے، اس کی کیا وجہ؟

ازالہ: بے وضو ہونے کا اثر ظاہر بدن پر ہوتا ہے، منہ کے اندر نہیں پہنچتا (اور جنابت کا اثر منہ کے اندر ہوتا ہے) اس کے علاوہ دونوں میں یہ فرق یہ ہے کہ بے وضو ہونا عمومی اور ہمہ وقتی چیز ہے اور جنابت اتنی کثیر الوقوع نہیں۔ اگر بے وضو کے لئے آیات کو پڑھنا ناجائز قرار دیا جاتا تو بڑی دشواری ہو جاتی۔ جنابت کی حالت میں قرآت قرآن کی ممانعت سے کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سوائے جنابت کے اور کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت قرآن سے نہیں روکتی تھی۔ رواہ احمد واصحاب السنن وابن خزیمہ وابن حبان وابن الجارود والترمذی وابن السکن وعبدالحق و البغوی فی شرح السنۃ۔ ترمذی اور بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ
کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو عورتوں کے
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ
پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو

معذوری اور اس کی صورتیں:

یعنی حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تاوقتیکہ غسل نہ کرلے یہ حکم جب ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے یہ کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو ایسے وقت

میں زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔ اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں۔ ایک بیماری کہ اس میں پانی ضرر کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ سفر درپیش ہے اور پانی اتنا موجود ہے کہ وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے دور تک پانی نہ ملے گا۔ تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں۔ اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ کوئی جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے، دوسری یہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔

تیمم کا طریقہ:

فائدہ: تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لیوے۔ پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے۔

مٹی طاہر ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر بھی ہے۔ مثلاً خف، تلوار، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی۔ ہے اور نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل اور عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے۔ سو جب مٹی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی۔

آسانی کی رعایت:

اس کے سوا مقتضائے آسانی وسہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے، یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سو زمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے مع ہذا خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔ کافر بھی آرزو کریں گے کہ کسی طرح خاک میں مل جائیں جیسا پہلی آیت میں مذکور ہوا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بحالت تندرستی تیمم کب جائز ہے:

اگر کوئی تندرست ایسی بستی میں مقیم ہو جہاں اکثر پانی ختم (خشک) ہو جاتا ہے اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ پھر اگر پانی مل بھی جائے تو دوبارہ پڑھنا واجب نہ ہوگا۔ حضرت ابوذرؓ ربذہ میں مقیم تھے، ربذہ میں چند روز تک پانی دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے مٹی کافی ہے، خواہ دس برس تجھے پانی نہ ملے۔ دوسری روایت میں ہے پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگر چہ دس برس تک ہو۔ رواہ اصحاب السنن۔ ابوداؤد نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

نکتہ: اگر عابری سبیل سے مراد مسافر ہوں تو دوبارہ علیٰ سفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بیمار اور مسافر کو ایک ہی حکم کے تحت لانا مقصود ہے۔ پانی موجود ہونے کے باوجود استعمال کرنے سے مجبور ہونا اور پانی نہ ملنا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو۔ غائط نشیبی زمین۔ گڑھا غائط سے آنے سے بطور کنایہ مراد ہے۔ بول و براز سے فارغ ہو کر آنا (دیہات میں) دستور عموماً یہی ہے کہ بول و براز کے لئے لوگ پست گڑھوں کی طرف ہی جاتے ہیں (تاکہ آڑ رہے) مطلب یہ کہ اگر کوئی بول و براز کی وجہ سے بے وضو ہو جائے۔

وضو توڑنے والی چیزیں:

امام اعظم کا قول ہے کہ جو نجس چیز کہیں سے کسی مقدار میں خارج ہو وضو کو توڑ دیتی ہے اور چونکہ غیر سیال وخون نجس نہیں ہے اور تھوڑی قے، بلغم اور تھوک کے حکم میں ہے اس لئے ان کا خروج ناقض نہیں۔ ہمارے مسلک کا ثبوت قیاس سے ہوتا ہے۔ دونوں راستوں سے خارج ہونے والی چیز نجس ہوتی ہے اور اسکا خروج ناقض وضو ہے۔ معلوم ہوا کہ بدن کے اندر سے جو نجس چیز خارج ہو اس کا خروج ناقض ہے خواہ کہیں سے ہو مگر نجس ہو اور خواہ دونوں راستوں سے بول و براز کے علاوہ کوئی اور نجس چیز خارج ہو۔

امام اعظم کے مسلک پر آیت کا توضیحی مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم جنبی ہو یعنی تم کو انزال ہو گیا ہو، بیماری کی حالت ہو یا سفر کی یا بول و براز وغیرہ سے تمہارا وضو ٹوٹ گیا ہو۔ یا بغیر انزال کے تم نے جماع کیا ہو تو تیمم کر سکتے ہو۔

وضو کے ساتھ بیوی کو چھونے کا مسئلہ:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رات کو) نماز پڑھتے تھے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازہ کی طرح پڑی رہتی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تھے تو مجھے ہاتھ دبا دیتے تھے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ نہیں ہوتے تھے۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث بہت طریقوں سے آئی ہے۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے موجود نہ پایا ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے قدم پر لگا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ! میں نے تیرے غضب سے تیری رضا مندی کی اور تیرے عذاب سے تیری معافی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری حمد پوری پوری نہیں کرسکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ رواہ البخاری۔ طبرانی کی روایت میں (حضرت عائشہؓ کا قول) ہے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں اپنا ہاتھ ڈالا تا کہ یہ معلوم کرلوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا ہے کہ نہیں۔ حافظ نے کہا بظاہر یہ دونوں واقعے جدا جدا ہیں۔ کلام کی رفتار تغایر کی مقتضی ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے اور میں آپؐ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی۔ رواہ البخاری۔ ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف کی حالت میں ہونا بغیر وضو کے نہ ہوگا۔

حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ایک پردہ بیچ میں ڈال کر) ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرتی تھی۔

میں کہتا ہوں غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے اور اشتراک کی صورت میں ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بی بی کے ہاتھ سے نہ لگے۔

حضرت ابوقتادہؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینب کی صاحبزادی امامہ کو (پشت) پر اٹھائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے تھے۔ صحیحین۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری گود میں ہوتا تھا اور اسی حالت میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے۔ صحیحین۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میری گود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور بداہت عقل کا تقاضا ہے کہ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے وضو نہیں ہونگے۔

انہی احادیث کی وجہ سے امام شافعیؒ اور ان کے ساتھیوں نے آیت میں مزید شرط یہ لگا دی ہے کہ عورت کو چھونا اس وقت ناقض وضو ہوتا ہے جب شہوت کے ساتھ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے بعد بوسہ لیتے تھے پھر بغیر (جدید) وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔ اس روایت کا سلسلہ حجاج از عمرو بن شعیب از زینب سہمیہ از ام المؤمنین عائشہؓ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زینب نامعلوم ہے۔

میں کہتا ہوں اگر زینب مجہول بھی ہے تب بھی اس کی روایت مقبول ہے کیونکہ وہ دوسرے قرن کی عورت ہے۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم سے سعید بن سالم نے بحوالہ محمد بن عمر بن عطاء بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے اور (پھر) وضو نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا مجھے سعید کا حال معلوم نہیں اگر وہ ثقہ ہیں تو یہ حدیث نبوی حجت ہے۔ حافظ نے کہا کہ بیہقی نے دس طریقوں سے یہ حدیث نقل کی ہے اور سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث کی روایت کے اگر ضعیف طریقے متعدد ہوں تو حسن کے درجہ تک ایسی حدیث پہنچ جاتی ہے اور ان سلسلوں کے راویوں میں سے کوئی بھی متہم بالکذب نہیں، معلوم ہوا کہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابوامامہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آدمی نماز کا وضو کرنے کے بعد اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے یا اس سے تفریح کرتا ہے کیا اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ فرمایا نہیں۔ رواہ الدارقطنی۔ اس روایت کے سلسلہ میں ایک راوی رکن بن عبداللہ ہے جو متروک الحدیث ہے۔

جب اس حدیث کے متعدد طرق سب کے سب حسن ہیں اور ایک دوسرے کا مؤید ہے یا مرسل صحیح ہیں تو یہ کہنا صحیح ہے کہ بوسہ لینے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جدید) وضو نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر نقض وضو ہوتا تو روایت میں کہیں آتا خواہ کسی ایک صحابی کی ہی روایت ہوتی۔ خصوصاً امہات المومنین بیان کرتیں کیونکہ ان کی تعداد کثیر تھی ان کو اظہار مسائل شریعت کی غیر معمولی رغبت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے اختلاط اور ملامسۃ بکثرت ہوتا تھا۔ دیکھو حاکم کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کوئی دن نہ جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آکر ہمارا بوسہ نہ لیتے ہوں اور لمس نہ کرتے ہوں۔ الخ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں لمس سے مراد جماع ہے۔

نماز کے کسی رکن میں سوجانا:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز کے اندر کسی حالت اور کسی رکن میں سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (بشرطیکہ سہارے کے ساتھ نہ سوئے) کیونکہ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میں جو شخص سو جائے اس پر (جدید) وضو نہیں جب تک لیٹ نہ جائے جب لیٹ جائے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ رواہ عبداللہ بن احمد۔

شرمگاہ کو چھونا:

امام ابوحنیفہؒ نے استدلال میں حضرت طلق بن علیؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے تو کیا وضو کرے۔ فرمایا وہ تو تیرے بدن ہی کا ایک ٹکڑا ہے (اسکو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹ جائے گا) یہ حدیث اصحاب سنن اور امام احمدؒ نے نقل کی ہے اور عمرو بن علی فلاس اور ابن المدینی اور ابن حبان اور طبرانی اور ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن امام شافعی ابوزرعہ، ابوحاتم دارقطنی اور بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

شان نزول:

ابن ابی حاتم نے مجاہدؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک انصاری بیمار تھے نہ خود اٹھ کر وضو کرنے کی طاقت تھی نہ کوئی خادم تھا کہ پانی لے کر وضو کرا دیا کرے۔ اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا گیا۔ اس پر اللہ نے آیت (وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى) الخ، نازل فرمائی۔ ابن جریر نے ابراہیم نخعی کا بیان نقل کیا ہے کہ صحابہ کو کچھ زخم لگے جن سے وہ بیہوش ہو گئے اور اسی دوران میں جنابت میں بھی مبتلا ہو گئے۔ لوگوں نے یہ شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ اس پر آیات (وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى) الی اخرھا نازل ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتیں:

بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ مجھے چار چیزوں کی وجہ سے فضیلت عطاء کی گئی ہے۔ تمام زمین کو میرے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہور بنا دیا گیا۔ اب میری امت کا جو شخص نماز پڑھنا چاہے اور کوئی جاء نماز نہ ملے تو وہ زمین کو اپنے لئے جاء نماز اور طہور پائے گا۔ اس حدیث میں تمام انسانوں کے لئے بعثت کا ہونا اور دو مہینے کی راہ سے دشمن پر رعب پڑنا اور مال غنیمت کے حلال کئے جانے کا ذکر ہے۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ کی روایت میں ہے جہاں بھی مجھے نماز پہنچے گی، میں تیمم کرلوں گا۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ چیزوں میں سے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ زمین کو میرے لئے مسجد اور طہور بنا دیا گیا ہے۔

زمین کو پاک کرنا:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر زمین نجس ہو جائے پھر خشک ہو جانے کی وجہ سے پاک ہو جائے تو اس پر نماز جائز ہے مگر اس سے تیمم ناجائز ہے کیونکہ خشک ہو جانے سے زمین کا پاک ہو جانا حدیث آحاد سے ثابت ہے۔

تیمّم کی اجازت کا نزول:

حضرت عمارؓ بن یاسر راوی ہیں کہ ذات الجیش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری شب پڑاؤ کیا۔ بی بی عائشہؓ بھی ساتھ تھیں، بی بی کا یوتھ کا ایک ظفاری (یمنی) ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ ہار کی تلاش کے لئے لوگ روانگی سے رک گئے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس (وضو کے لئے) پانی نہیں تھا۔ اس پر اللہ نے پاک مٹی سے تطہیر کی اجازت نازل فرما دی۔ مسلمان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور زمین پر (تیمم کے لئے) ہاتھ مارے۔ پھر ہاتھ اٹھائے، ان پر کچھ مٹی نہیں لگی تھی۔ پھر چہرہ پر اور ہاتھوں کے اندرونی حصہ سے لے کر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔ یہ روایت بوساطت امام احمد ابن جوزی نے نقل کی ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر دست مبارک سے ایک تھپکی ماری اور اس سے چہرۂ مبارک کا مسح کیا، پھر دونوں ہاتھوں سے ایک تھپکی ماری اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لیا۔ رواہ الحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے اور دارقطنی کا بیان ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر شیخین نے یہ روایت نہیں بیان کی۔

حضرت ابن الصمہؓ کا بیان ہے میرا گذر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پیشاب کر رہے تھے میں نے سلام کیا آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ پیشاب سے فراغت کے بعد جب کھڑے ہو گئے تو اس لاٹھی سے جو آپؐ کے پاس موجود تھی ایک دیوار کو جھاڑا پھر دست مبارک دیوار پر رکھا (یعنی تھپکی دی) پھر چہرہ کا اور دونوں بانہوں کا مسح کیا۔ رواہ الشافعی والنسائی۔ نسائی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

مسئلہ: اگر ایسی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو جس کا عوض ممکن نہ ہو تو ایسے وقت میں تیمم کر لینا جائز ہے جیسے عید کی نماز کے فوت کا اندیشہ خواہ ابتداء ہو یا بناء کے طور پر۔ اور جیسے ولی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے جنازہ کی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ (دونوں صورتوں میں تیمم کر کے نماز میں شریک ہو جانا جائز ہے) لیکن (نماز کا) وقت یا نماز جمعہ فوت ہو جانے کا اندیشہ ہونے کی صورت میں تیمم جائز نہیں (کیونکہ وقت نکلنے کے بعد قضاء صلوٰۃ ممکن ہے اور جمعہ ہونے کے بعد ظہر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لئے بھی تیمم کیا تھا۔ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ (حالانکہ

سلام کا جواب بغیر وضو اور تیمم کے بھی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ ادائے واجب کے لئے ہی تیمم جائز نہیں بلکہ جواز تیمم عام ہے۔ پس صلوٰۃ عید کا واجب نہ ہونا اور صلوٰۃ جنازہ کا فرض کفایہ ہونا مانع تیمم نہیں)۔

مسئلہ: اگر وقت کے اندر تیمم سے نماز پڑھ لی پھر پانی مل گیا تو دوبارہ نماز پڑھنی واجب نہیں۔

زخمی ہونے کی صورت میں تیمم:

امام شافعی احمد کا مسلک اگر بعض اعضاء زخمی ہوں اور بعض زخمی نہ ہوں تو امام شافعی اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ زخمی کے لئے تیمم کرے اور صحیح کو دھولے۔ میرے نزدیک یہی مختار ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک کا قول ہے کہ اگر عضو کا بڑا حصہ صحیح ہو اور چھوٹا حصہ زخمی، تو صحیح کو دھولے اور زخمی پر مسح کرلے تیمم نہ کرے۔ اگر بڑا حصہ صحیح نہ ہو تو تیمم کرلے دھونے کی ضرورت نہیں۔

ہماری پہلی دلیل:

ہم کہتے ہیں جب عضو کا کچھ حصہ صحیح ہے اور پانی موجود ہے تو ایک اعتبار سے وہ بیمار نہیں ہے۔ لہٰذا دھونے کا حکم ساقط نہ ہوگا اور ایک اعتبار سے وہ بیمار ہے، تمام بدن کے لئے پانی استعمال نہیں کرسکتا، لہٰذا تیمم کرنا درست ہے۔ اس قول کی تائید حضرت جابرؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے ہم ایک سفر کو گئے۔ دوران سفر میں ایک شخص کے پتھر لگ گیا اور سر زخمی ہوگیا۔ پھر اس کو احتلام بھی ہوگیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تمہارے خیال میں میرے لئے تیمم کی اجازت ہے۔ ساتھیوں نے کہا ہمارے خیال میں تم کو اجازت نہیں ہے کیونکہ تم پانی استعمال کرسکتے ہو۔ مجبوراً اس نے غسل کیا، نتیجہ میں وہ مرگیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اس کو مارا۔ ان پر اللہ کی مار ہو۔ معلوم نہ تھا تو دریافت کیوں نہ کرلیا۔ عاجز (یعنی نہ جاننے والے) کے لئے تسکین کا ذریعہ دریافت کرنا ہے اس شخص کے لئے کافی تھا کہ وہ تیمم کرلیتا، زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرلیتا اور باقی بدن کو دھولیتا۔ رواہ الدار قطنی ومن طریق الدار قطنی ابن جوزی۔

دوسری دلیل:

ہماری دوسری دلیل وہ حدیث ہے، جس میں حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا آپ کو یاد ہوگا کہ میں اور آپ سفر میں تھے اور ہم کو جنابت ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ نے تو نماز ہی نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ لگا کر نماز پڑھ لی۔ پھر جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا تیرے لئے اس طرح کافی تھا الخ۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے نماز نہ پڑھنے کی تردید نہیں فرمائی۔

خاندان صدیق رضی اللہ عنہ کی برکتیں:

حضرت عائشہؓ نے حضرت اسماء کا ایک ہار عاریت کے طور پر لیا تھا وہ (سفر میں) گم ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو تلاش کے لئے بھیجا (راستہ میں) نماز کا وقت آگیا تو ان صحابہؓ نے بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی (کیونکہ پانی موجود نہ تھا) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کی شکایت پیش کردی۔ اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی۔ اسید بن حضیر نے عرض کیا اللہ آپ کو جزائے خیر دے، خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ پر کوئی دشواری آئی ہو اور اللہ نے اس سے نکلنے کا راستہ آپ کے لئے نہ پیدا کردیا ہو اور مسلمانوں کے لئے اس میں برکت نہ عطا کردی ہو۔ متفق علیہ۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ صبح ایسے مقام پر ہوئی جہاں پانی نہ تھا۔ اس پر آیت تیمم نازل ہوئی اور لوگوں نے تیمم کیا۔ اسید بن حضیر نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، اے خاندان ابوبکر! تمہاری یہ پہلی برکت ہی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے اونٹ پر میں سوار تھی جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا تو اس کے نیچے ہار مل گیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾
بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

معاف کرنے والا اور بخشنے والا:

یعنی اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دے دی اور مٹی کو پانی کے قائم مقام کردیا۔ اس لئے کہ وہ سہولت اور معافی دینے والا ہے اور بندوں کی خطائیں بخشنے والا ہے اپنے بندوں کے نفع اور آسایش کو پسند فرماتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں نشہ کی حالت میں جو کچھ کا کچھ پڑھا گیا تھا وہ بھی معاف کردیا گیا جس سے یہ خلجان نہ رہا کہ آیندہ کو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھیں گے مگر جو پہلے غلطی ہوگئی شاید اس کی نسبت مواخذہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت سعدؓ کی فضیلت:

ابن ماجہ شریف میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ایک انصاری نے کھانا کیا اور بہت سے

لوگوں کی دعوت کی۔ ہم سب نے خوب کھایا پیا، پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے، پھر آپس میں فخر جتانے لگے۔ ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد کو ماری، جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا۔ اس وقت شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

بخاری کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں سب کو بند کر دو، صرف ابوبکرؓ کا دروازہ رہنے دو۔

بخاری میں ہے کہ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے۔ بیداء یا ذات الجیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ جس کے ڈھونڈھنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی نہ وہاں اس میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے۔ چنانچہ میرے والد صاحبؓ میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے۔ آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لوگوں کو روک دیا، اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور خدا جانے کیا کیا کہا، اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عائشہؓ پر سخت غصہ ہو کر گئے تھے، لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو۔ مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی۔ پھر مسلمانوں نے ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ۔

حضرت اسلعؓ کا واقعہ:

ابن مردویہ میں روایت ہے، حضرت اسلع بن شریکؓ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے، جاڑوں کا موسم تھا، رات کا وقت تھا، سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلانا پسند نہ کیا۔ ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے، چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا، پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اسلع! کیا بات ہے اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے نہیں بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیوں؟ میں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس پر اللہ عزوجل نے آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ سے ﴿غَفُوْرًا﴾ تک نازل فرمائی یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ
الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ
کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ
اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
تم بھی بہک جاؤ راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے
بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى
تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ
بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
کافی ہے مددگار

یہودیوں کی بعض بداعمالیاں:

ان آیات میں یہود کے بعض قبائح اور انکے مکر و فریب کا بیان ہے اور ان کی ضلالت اور کفر پر خود ان کو اور نیز دوسروں کو مطلع کرنا ہے تاکہ ان سے علیحدہ رہیں۔ چنانچہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ سے لیکر ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ تک یہود کے قبائح مذکور ہو چکے ہیں۔ بیچ میں ایک خاص مناسبت سے نشہ اور جنابت میں نماز سے ممانعت فرما کر پھر یہود کے قبائح کا بیان ہے۔ یہود کو کتاب سے کچھ حصہ ملا یعنی لفظ

پڑھنے کو ملے اور عمل کرنا جو اصل مقصود تھا نہیں ملا اور گمراہی خرید کرتے ہیں یعنی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف کو دنیا کی عزت اور رشوت کے واسطے چھپاتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ۔

مسلمانوں سے خطاب:

اے مسلمانو! تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ تم ایسا ہر گز نہیں جانتے۔ سو اللہ کے فرمانے پر اطمینان کرو اور ان سے بچو اور اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے دشمنوں سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین پر قائم رہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ
بعضے لوگ یہودی پھیرتے ہیں بات کو اس کے
عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
ٹھکانے سے

یہودی اہل علم کی خیانت:

یعنی یہود میں ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو توریت میں نازل فرمایا اس کو اپنے ٹھکانے سے پھیرتے اور بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مطلب یہ ہوا کہ توریت میں اللہ نے جو لفظ رکھے ہیں یہودی ان الفاظ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور بدل ڈالتے ہیں۔ الکلم سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف۔ بیہقی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اس طرح تھا۔ وہ سرگین کشادہ چشم میانہ قامت گھونگریالے بالوں والے خوبصورت ہوں گے۔ جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو علماء یہود جل گئے اور انہوں نے کتاب کے اندر مندرجہ حلیہ بدل ڈالا اور کہنے لگے ہم اپنے پاس نبی کا حلیہ یہ نہیں پاتے بلکہ ان کا حلیہ اس طرح ہوگا۔ دراز قامت، نیلگوں چشم اور لٹکتے ہوئے بالوں والے۔ اور اپنے زیر دست لوگوں سے کہا کہ یہ ویسا نہیں ہے۔ زیر دستوں کو دھوکہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ عوام سے ان کی روزی وابستہ تھی، ان کو اندیشہ ہوا کہ ان کے زیر اثر یہودی اگر مسلمان ہو جائیں گے تو ان کی روزی بند ہو جائے گی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ایک اطلاع: توریت اور انجیل میں لفظی تحریف اور بے شمار تغیرات اور اختلافات کی تحقیق اگر درکار ہو تو اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا کیرانوی قدس اللہ سرہ کی مراجعت کریں۔

یہود و نصاریٰ کو چیلنج:

یہود اور نصاریٰ کے جن اور انس بھی اگر جمع ہو جائیں تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہرگز ہرگز اس کے جواب پر قادر نہ ہوں گے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف ہوئی ہے یہ خیال خام ہے جو بالکل غلط ہے اور جو آیات اور احادیث صریح تحریف لفظی پر شاہد ہیں یہ قول ان میں تحریف کے مترادف ہے اور اب تو تحریف اس درجہ بدیہی ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ خود تحریف لفظی کے معترف اور مقر ہیں۔ توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر مدعی ست اور گواہ چست کے مصداق ہیں جس شخص کا یہ گمان ہے کہ توریت و انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی تو وہ یہ بتلائے کہ توریت اور انجیل کے نسخوں میں جو ہزارہا اختلافات موجود ہیں وہ کہاں سے آئے اور قرآن کریم میں جو صراحۃً یہ آیا ہے کہ نبی امی کا ذکر توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور حسب ارشاد باری ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ صحابہ کرام کا ذکر بھی توریت اور انجیل میں ہے تحریف لفظی کے منکر اگر ان آیات قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بتلائیں اور دکھلائیں کہ توریت و انجیل میں کس جگہ نبی امی اور آپ کے صحابہ کا ذکر ہے اور پھر تاویل کریں کیونکہ تاویل تو موجود میں چلتی ہے نہ کہ معدوم میں۔ الحمد للہ ہم اہل اسلام بانگ دہل کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شان تو بہت ہی بلند ہے۔ موطا اور بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی کے نسخوں کو ملا لیجئے بحمدہ تعالیٰ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے نسخوں میں بھی تفاوت نہ ملے گا۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا ☆ اور کہتے ہیں کہ
غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ
سن نہ سنایا جائیو ☆ اور کہتے ہیں راعنا ☆ موڑ کر اپنی زبان کو
وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ
اور عیب لگانے کو دین میں ☆

یہودیوں کی منافقت:

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی حکم سناتے تو یہود جواب

میں کہتے ہم نے سن لیا۔ مطلب یہ ہوا کہ قبول کر لیا، لیکن آہستہ سے کہتے تھے کہ نہ مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سنا دل سے نہیں مانا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اور جب یہود حضرت سے خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سن نہ سنایا جائیو۔ یعنی ایسے کلام بولتے ہیں جس کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے دعا یا تعظیم ہو تو دوسرے معنی کی رو سے بددعا اور تحقیر ہو سکے۔ چنانچہ یہ کلام بظاہر دعائے خیر ہے۔ مطلب یہ کہ تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے کوئی تجھ کو بری اور خلاف بات نہ سنا سکے اور دل میں نیت یہ رکھے کہ تو بہرا ہو جائیو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی حضرت کی خدمت میں آتے تو یہود راعنا کہتے۔ اس کے بھی دو معنی ہیں ایک اچھے ایک برے۔ جن کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا۔ اچھے معنی تو یہ کہ ہماری رعایت کرو اور شفقت کی نظر کرو کہ تمہارا مطلب سمجھ لیں اور جو پوچھنا ہو پوچھ سکیں اور برے معنی یہ کہ یہود کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر راعینا کہتے۔ یعنی تو ہمارا چرواہا ہے اور یہ ان کی محض شرارت تھی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبروں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی یہود ان کلمات کو اپنے کلام میں رلا ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے اچھے ہی معنوں پر حمل کرتے اور برے معنوں کی طرف دھیان بھی نہ جاتا اور دل میں برے معنی مراد لیتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ
اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن
وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ
اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن
لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
لعنت کی ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو وہ ایمان نہیں
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾
لاتے مگر بہت کم

یہود کی بیہودگی پر تبصرہ:

حق تعالیٰ یہود کے تین قول مذموم بیان فرما کر اب یہود عصینا کی جگہ اطعنا کہتے اور بجائے اسمع غیر مسمع کے صرف اسمع کہتے اور راعنا کے عوض انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات درست اور سیدھی ہوتی اور اس بیہودگی اور شرارت کی گنجائش نہ ہوتی جو کلمات سابقہ سے یہود برے معنی اپنے دل میں مراد لیا کرتے تھے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دور کر دیا۔ اس لئے وہ مفید اور سیدھی باتوں کو نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اور اس وجہ سے اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے، جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ
تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں
وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ
بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں انکو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں
كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو ہو
مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾
کر ہی رہتا ہے

یہود سے خطاب:

آیات سابقہ میں یہود کی ضلالت اور مختلف قبائح کا ذکر فرما کر اب ان کو بطور خطاب ایمان اور تصدیق قرآن کا حکم کیا جاتا ہے اور اس کی مخالفت سے ڈرایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ، قرآن پر جس کے احکام مصدق اور موافق ہیں توریت کے ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ مٹا ڈالیں ہم تمہارے چہروں کے نشانات یعنی آنکھ ناک وغیرہ۔ مطلب یہ کہ تمہاری صورتیں بدل دی جائیں، پھر الٹ دیں تمہارے چہروں کو پیٹھ کی طرف یعنی چہرہ کو مطموس اور ہموار کر کے پیچھے کی طرف اور گدی کو آگے کی طرف کر دیں یا ہفتہ کے دن والوں کی طرح تم کو مسخ کر کے جانور بنا دیں۔

اصحاب سبت کا قصہ سورہ اعراف میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن سلام:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جب یہ آیت سنی تو گھر جانے سے پہلے ہی خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے اور اس اندیشہ سے کہ کہیں چہرہ بگڑ نہ گیا ہو، چہرہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے امید نہ تھی کہ (صحیح سالم) گدی کی طرف منہ پلٹ جانے سے پہلے میں یہاں تک پہنچ سکوں گا۔ یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ

بیشک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے

مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ

اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا

بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا

مشرک: یعنی مشرک کبھی نہیں بخشا جاتا، بلکہ اس کی سزا دائمی ہے، البتہ شرک سے نیچے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ قابل مغفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت چاہے اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ بخش دیتا ہے، کچھ عذاب دے کر یا بلا عذاب دیئے اشارہ اس کی طرف ہے کہ یہود چونکہ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

دین کی خریداری:

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوایوبؓ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ایک بھتیجہ ہے جو ارتکاب ممنوعات سے باز نہیں آتا۔ فرمایا اس کا دین کیا ہے اس نے عرض کیا نماز پڑھتا ہے اور توحید کا قائل ہے۔ فرمایا (اس کے دین کا اس سے سودا کرو۔ اول، اس سے کہو کہ وہ اپنا دین تم کو بطور ہبہ دے دے۔ اگر انکار کرے تو اس سے اس کا دین خریدو یعنی اس سے کہو کہ وہ اپنی دینداری نماز توحید وغیرہ تمہارے ہاتھ فروخت کردے۔ اگر وہ بیچنے سے بھی انکار کردیگا تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو اپنا دین دنیا سے زیادہ پیارا ہے) اس شخص نے حکم کی تعمیل کی مگر اس نے اپنی دینداری کا سودا کرنے سے انکار کردیا۔ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینی معاملہ میں تو میں نے اس کو بڑا حریص پایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شرک کی صورتیں:

(إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ) اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا، خواہ شرک اس طرح ہو کہ کسی دوسرے کو واجب الوجود (ازلی ابدی لافانی) مانا جائے یا معبود قرار دیا جائے، لیکن شرک کی عدم مغفرت اس شرط پر ہے کہ مرتے دم تک مشرک شرک پر قائم رہا ہو، لیکن اگر شرک سے توبہ کرلی ہو اور ایمان لے آیا ہو تو گزشتہ شرک و معصیت کو بخش دیا جائے گا۔ اجماع علماء یہی ہے۔

گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے گویا اس سے کبھی گناہ ہوا ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

(قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ)

کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے تو گزشتہ کفر و گناہ معاف کردیا جائے گا۔

(وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ) اور شرک کے علاوہ (دوسرے گناہ) اللہ جس کے چاہے گا بخش دے گا۔ دوسرے گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے قصداً کئے گئے ہوں یا غلطی سے۔ گناہ کرنے والا خواہ بغیر توبہ کے ہی مر جائے مگر یہ مغفرت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اس سے فرقہ مرجئہ کے قول کی غلطی ثابت ہوتی ہے کہ مومن کا ہر گناہ واجب المغفرت ہے اور ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچائیگا، جیسے شرک کی موجودگی میں ہر نیک عمل ناکارہ ہے۔

وحشی بن حرب کا قصہ:

بغوی نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت وحشی بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کردیا۔ حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے پر اس سے آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا، لیکن یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ جب وہ لوٹ کر مکہ پہنچا تو اس کو اور اس کے ساتھیوں کو حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے پر بڑی پشیمانی ہوئی اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہم کو اپنی کی ہوئی حرکت پر پشیمانی ہے اور مسلمان ہونے سے ہم کو صرف یہ امر مانع ہے کہ جب آپ مکہ میں تھے تو یہ (آیت) کہتے تھے، (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ) الخ۔ ہم نے دوسروں کو بھی معبود بنایا اور ناحق قتل بھی کیا ہے اور زنا بھی کیا ہے، اگر یہ

آیات نہ ہوتیں تو ہم آپ کے پیچھے ہو جاتے۔ اس پر آیت: (اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا) ۔ دو آیت نازل ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں آیات وحشی اور اس کے ساتھیوں کو لکھ بھیجیں۔ ان لوگوں نے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ یہ شرط بہت سخت ہے، ہم کو خوف ہے کہ ہم نے کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہوگا۔ اس پر آیت (اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ) الخ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان کو بھیج دی۔ اس پر انہوں نے کہا، (اس آیت میں تو مغفرت کو مشیت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے) ہم کو اندیشہ ہے کہ ان لوگوں میں سے نہیں ہونگے جن کی مغفرت کی مشیت ہوگی۔ اس پر آیت (یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ) الخ۔ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان کو بھیج دی۔ یہ سن کر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔ پھر وحشی سے فرمایا بتا تو نے حمزہ کو کس طرح قتل کیا۔ وحشی نے کیفیت بیان کی۔ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنا منہ نہ دکھانا۔ چنانچہ وحشی شام کو چلا گیا اور مرتے دم تک وہیں رہا۔

آیت (یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ) کا وحشی کے حق میں نزول اس بات پر ضرور دلالت کر رہا ہے کہ وحشی من جملہ ان لوگوں کے ہے جن کی مغفرت کی مشیت ہو چکی ہے۔

شرک کے علاوہ سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں:

بغوی نے بحوالہ ابومجلز حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے جب آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا، اور شرک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر دو یا تین بار کھڑے ہو کر یہی سوال کیا تو آیت (اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ) الخ نازل ہوئی۔ بغوی نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر کی روایت سے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی شخص گناہ کبیرہ کی حالت میں (بغیر توبہ کئے) مر جاتا تھا تو ہم کہتے تھے یہ دوزخی ہوا، یہاں تک کہ یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ہم (صاحب کبیرہ کے دوزخی ہونے کی) شہادت دینے سے رک گئے۔

سب سے زیادہ پُر امید آیت

بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول روایت میں آیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ پرامید یہ آیت ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حدیثِ قدسی:

حدیث بحوالہ مسند احمد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا میں بھی جو تقصیریں تیری ہیں انہیں معاف فرماتا رہوں گا، اے میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر تک خطائیں لے کر میرے پاس آئے گا تو میں، زمین بھر جائے اتنی مغفرت لے کر تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔ مسند احمد۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

شرک کی تعریف اور چند صورتیں:

شرک کی تعریف، اور اسکی چند صورتیں۔

قولہ تعالیٰ (اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ) اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے لئے رکھنا یہ شرک ہے، اس کی کچھ تفصیلات یہ ہیں۔

علم میں شریک ٹھہرانا:

یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے۔ نجومی، پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی، یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی التصرف:

یعنی کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اور اولاد مانگنا۔

عبادت میں شریک ٹھہرانا:

کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سمجھنا اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔ ﴿معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

خوشخبری:

اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں رات کیوقت نکلا، دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ساتھ لے جانا نہیں

چاہتے تو میں چاند کی چھاؤں چھاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر جب مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابوذرؓ، اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے قربان کردے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر تو ہم چلتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ پھر وہ دائیں بائیں آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے، یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آتے ہیں گو زنا کیا ہو گو چوری کی ہو جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا پوچھا کہ اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرے اس میدان کے کنارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سنا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہوگا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں۔ میں نے پھر یہی سوال کیا۔ جواب دیا ہاں۔ میں نے پھر یہی پوچھا تو فرمایا ہاں، اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

لازم کرنے والی:

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں لازم کر دینے والی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم کرنے والی کیا۔ فرمایا جو شخص شرک نہ کرنے کی حالت میں مرا وہ جنت میں گیا اور جو شخص شرک ہی کی حالت میں مرا وہ دوزخ میں گیا۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے (میں واپس آ گیا پھر دوبارہ) گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے۔ ارشاد فرمایا جو بندہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو پھر اسی پر مر جائے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ میں نے عرض کیا خواہ اس نے زنا، اور چوری کی ہو۔ فرمایا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ میں نے کہا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ فرمایا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو میں نے کہا خواہ اس نے زناء اور چوری کی ہو؟ فرمایا، خواہ اس نے زناء اور چوری کی ہو (پھر بھی جنت میں جائے گا)۔ ابوذرؓ کی ناک خاک آلود ہونے پر بھی (یعنی ابوذرؓ کی مرضی کے خلاف ہو وہ جنت میں ضرور جائے گا)۔ جب ابوذرؓ اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو (آخری جملہ) اگرچہ ابوذرؓ کی ناک خاک آلود ہو ضرور کہتے تھے۔ بخاری و مسلم۔ اس موضوع کی احادیث بہت آئی ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ
کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ
اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾
اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے برابر

یہودیوں کی ڈھٹائی:

یعنی یہود باوجود اس قدر خرابیوں کے پھر بھی اپنے آپ کو پاک صاف اور مقدس کہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو ابناء اللہ اور احباء اللہ بتلاتے ہیں جو بالکل لغو بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے۔ یہود کے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا اور ان جھوٹی شیخی کرنے والوں پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہوگا، یعنی یہ لوگ اپنے عذاب بے نہایت میں گرفتار ہوں گے ان پر ناحق عذاب ہرگز نہ ہوگا۔

سبب نزول:

فائدہ: یہودی جو گوسالہ کو پوجتے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے۔ انہوں نے جب آیت سابقہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ الخ، کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہیں بلکہ ہم تو خاص بندے اور پیغمبر زادے ہیں اور پیغمبری ہماری میراث ہے۔ خدا تعالیٰ کو ان کی یہ شیخی پسند نہ آئی۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ
وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾
اور کافی ہے یہی گناہ صریح

اللہ پر جھوٹ کا باندھنا:

یعنی کیسی تعجب کی بات ہے کہ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور باوجود ارتکاب کفر اور شرک کے اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کے مدعی ہیں اور ایسی سخت تہمت صریح گناہ گار

ہونے کے لئے بالکل کافی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یہودیوں کا دعویٰ:

بغوی اور ثعلبی نے کلبی کا قول لکھا ہے کہ کچھ یہودی جن میں بحری بن عمرو نعمان بن اوفی اور مرحب بن زید بھی تھے، اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ان پر کوئی گناہ ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ کہنے لگے تو ہم بھی انہی کی طرح ہیں دن میں ہم جو کچھ کرتے ہیں ان کو رات میں معاف کر دیا جاتا ہے اور رات کو جو کام کرتے ہیں دن میں ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس پر آیت مذکورنازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ آیت کا سبب نزول اگرچہ خاص ہو مگر حکم عام ہے۔

خوشامد:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اہل کتاب آپس میں تزکیہ کرتے تھے یعنی ایک دوسرے کو گناہوں سے پاک کہتا تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول آیا ہے کہ بعض دیندار آدمی صبح کو اپنے گھر سے نکلتے تھے اور کسی ایسے شخص سے جا کر ملتے جس سے اس کا نہ جانی نفع نقصان وابستہ ہوتا تھا نہ مالی لیکن (اس کے منہ پر اس کو خوش کرنے اور اس کی تعریف کرنے) کے لئے کہتے تھے خدا کی قسم آپ تو ایسے ہیں ویسے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ گھر لوٹ کر آتے تھے تو دین کا کوئی حصہ ان کے پاس باقی نہ ہوتا تھا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ تلاوت فرمائی۔

مسئلہ: کسی کیلئے جائز نہیں کہ (سوائے پیغمبروں کے) کسی اور کا تزکیہ کرے اور گناہوں سے اس کو پاک قرار دے۔ کیونکہ بغیر علم کے کوئی فیصلہ درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ ہاں مومن کے متعلق حسن ظن رکھنے کا چونکہ حکم ہے اس لئے حسن ظن کے طور پر کسی کے پاک ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ کسی کو گناہوں سے پاک کہنے سے تو اس کے اندر غرور اور پندار پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی شریعت میں ممانعت کر دی گئی ہے۔ پھر یہ بات واقعی بھی ہے کہ کسی کو اللہ کا قرب اور اس کی طرف سے ثواب حاصل ہوا یا نہیں اور کتنا حاصل ہوا اس کا علم تو سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں۔ اسی لئے فرمایا،

﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ﴾ بلکہ اللہ پاک کرتا ہے یا پاک قرار دیتا ہے یعنی گناہ بخش کر پاک کر دیتا ہے اور اصلاح حال کر دیتا ہے۔

﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے وہی پاکیزہ کر دینے پر قادر ہے اور انسان کے اندرونی حالات سے وہی باخبر اور واقف ہے۔

اپنی خصوصیت کے ذکر کی جائز صورت:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی اور الہام کے ذریعہ سے اگر اللہ کسی کو کسی کے تزکیہ وتطہیر کی واقفیت عطا فرمادے تو اپنی یا دوسرے کی تطہیر کا فیصلہ وہ آدمی کر سکتا ہے، بشرطیکہ غرور وتکبر کے طور پر نہ ہو کیونکہ پندار و غرور بڑا نفسانی عیب ہے۔ یہی مصداق ہے ان احادیث کا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض خصوصی اوصاف بغیر غرور وتکبر کے فرمائے ہیں، مثلاً فرمایا ہے کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (میرا یہ قول) بطور فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

جب منافقوں نے تعریض کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تقسیم میں غیر منصف قرار دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میرے بعد تم کو اپنے لئے مجھ سے زیادہ کوئی عادل نہیں ملے گا۔ یہ حدیث طبرانی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ایک حدیث میں حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکرؓ اور عمرؓ متوسط عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں اور حسنؓ وحسینؓ جوان جنتیوں کے سردار ہیں اور فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ
کیا تونے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ
الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ
کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو
وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى
اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝
پر ہیں مسلمانوں سے

یہود کی شرارت:

اس آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا اظہار ہے قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت بڑھی تو مشرکین مکہ سے ملے

اوران سے متفق ہوئے اوران کی خاطرداری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارادین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے اوراس کی وجہ صرف حسد تھا۔اس پر کہ نبوت اوردین کی ریاست ہمارے سوادوسروں کو کیوں مل گئی اس پر اللہ تعالیٰ ان کوالزام دیتا ہے۔ان آیات میں اسی کا مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

کعب بن اشرف نے بتوں کوسجدہ کیا:

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد کعب بن اشرف ستر یہودیوں کولے کر قریش کے پاس مکہ کو گیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش سے امداد وحمایت کا عہد و پیمان کرے اور جو معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے کررکھا تھا اس کو توڑ دے۔ مکہ پہنچ کر کعب ابوسفیان کے پاس جا کر ٹھہرا اور دوسرے یہودی قریش کے مختلف اشخاص کے پاس اترے، اہل مکہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اہل کتاب ہیں اور تم بھی اہل کتاب ہو، ہم کو اعتبار نہیں۔ اندیشہ یہ ہے کہ کہیں یہ تمہاری چال نہ ہو۔ اگر تم ہم کو اپنے ساتھ ملا کر جنگ کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان کو مانو۔ کعب نے سجدہ کرلیا۔ پھر بولا تدبیر یہ ہے کہ تمیں آدمی ہمارے اور تمیں آدمی تمہارے کعبہ سے چمٹ کر معاہدہ کرلیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ کرنے کی ہم مل کر کوشش کریں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی،

امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جب کعب بن اشرف (یہودی) مکہ میں پہنچا تو قریش نے اس سے کہا دیکھو یہ ناٹھا لنگوڑا اپنی قوم سے کٹا ہوا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ ہم حج کے متولی ہیں، کعبہ کے دربان ہیں اور حاجیوں کو پانی پلانے والے ہیں۔ کعب نے کہا تم اس سے بہتر ہو۔ اس پر آیت (إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ) نازل ہوئی اور مندرجہ ذیل آیت بھی اتری۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے جب کعب سے مذکورہ بالا سوال کیا تو کعب نے کہا میرے سامنے اپنا مذہب پیش کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہم حاجیوں کے لئے کوہان والی اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں، ان کو پانی پلاتے ہیں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں، قیدیوں کو رہا کراتے ہیں۔ رشتہ داری کو جوڑے رکھتے ہیں۔ اپنے رب کے گھر کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور ہم اہل حرم ہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ رشتہ داریاں کاٹ دیں، حرم کو چھوڑ گیا۔ ہمارا مذہب قدیم ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب نیا ہے یہ سن کر کعب بولا خدا کی قسم تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے سے زیادہ صحیح راستہ پر ہو۔ (تفسیر مظہری اردو ج ۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ

جبت اور طاغوت کا معنی:

میں کہتا ہوں بظاہر اس جگہ جبت سے مراد ہیں بت جن کے اندر کوئی خیر نہیں ہوتی اور طاغوت سے مراد ہیں بتوں کے شیطان، ہر بت کا ایک شیطان ہوتا تھا جو بت کے اندر سے بولتا تھا اور اس سے لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا۔

عزیٰ کی موت:

بیہقی نے حضرت ابوالطفیل کی روایت سے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو عزیٰ کو ڈھا دینے کے لئے بھیجا۔ خالدؓ نے جا کر ببول کے درخت کاٹ دیئے اور واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کوئی چیز بھی دکھائی دی۔ خالدؓ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو تو نے عزیٰ کو ڈھایا ہی نہیں خالدؓ بن ولید دوبارہ لوٹ کر گئے۔ پجاریوں نے جب خالدؓ کو دیکھا تو پہاڑ پر چلے گئے اور بھاگتے میں یہ کہتے جا رہے تھے عزیٰ اس کو پٹ کر دے ورنہ ذلت کے ساتھ مرجا! اتنے میں ایک کالی ننگی عورت برآمد ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ اپنے سر اور چہرہ پر خاک اڑا رہی تھی۔ خالدؓ نے یہ کہتے ہوئے تلوار سونتی۔ عزیٰ اب میں تیرا منکر ہوں تیری پاکی کا اقرار نہیں کرسکتا۔ میں دیکھ چکا کہ اللہ نے تجھے ذلیل کردیا۔ پھر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کردیئے اور واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ عزیٰ تھی اب ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک میں اپنی پوجا کی جانے سے ناامید ہوگئی۔ کذا فی سبیل الرشاد۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ

یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے

اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

اللہ نہ پاویگا تو اس کا کوئی مددگار

ملعون: یعنی یہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب ہو کر اغراض نفسانی کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو اسلام سے افضل بتلایا۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر لعنت کرے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوسکتا۔ سو اب انہوں نے اپنی اعانت کی طمع میں جو مشرکین مکہ سے موافقت کی بالکل لغو ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہود نے ازحد ذلتیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

غیر فطری فعل کے مرتکب:

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (رواہ رزین بحوالہ مشکوٰۃ)

''یعنی جو آدمی لوطؑ کی قوم کے جیسا عمل کرے وہ لعنتی ہے۔'' (یعنی مرد سے بدفعلی کرنے والا) پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سارق (چور) پر لعنت بھیجتا ہے، جو انڈے اور رسی جیسی حقیر چیز کی چوری تک سے گریز نہیں کرتا، جس کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ﴿متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ﴾

سودی لین دین کرنے والے:

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبٰوٰ وَ مُوْكِلَهٗ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ. ﴿رواہ البخاری بحوالہ مشکوٰۃ﴾

''اللہ کی لعنت ہے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر اور ان عورتوں پر جو اپنے جسم کو گودنے والی (یعنی سوئی کے ناکہ سے جسم میں سوراخ کر کے سرمہ ڈال دیتی ہیں تاکہ زینت ہو) یا گدوانے والی ہیں اور ایسے ہی تصویر کھینچنے والوں پر لعنت کی ہے۔''

''حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ہوا نے ایک آدمی کی چادر اڑا لی تو اس نے ہوا پر لعنت کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس پر لعنت نہ کر، اس لئے کہ وہ اللہ کی جانب سے مامور ہے۔ اور (یاد رکھئے) کہ جو آدمی ایسی چیز پر لعنت کرے جس کی وہ مستحق نہیں ہے تو یہ لعنت اس کے کہنے والے ہی پر لوٹتی ہے۔'' ﴿رواہ الترمذی﴾

مردوں کی شباہت:

''حضرت عائشہؓ سے کسی نے عرض کیا کہ ایک عورت (مردانہ) جوتا پہنتی ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کے طور طریق اختیار کرے'' ﴿معارف القرآن جلد دوم مفتی صاحب﴾

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا
کیا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ
يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾
دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر

شان نزول:

یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمیں کو لائق ہے، اس لئے عرب کے پیغمبر کی متابعت سے عار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر کو حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ رہے گی۔ برائے چندے اوروں کو بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

یہودیوں کی سرمایہ پرستی:

مطلب آیت کا یہ ہے کہ کیا یہود کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں یعنی ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہو جائیں تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں یعنی ایسے بخیل ہیں کہ بادشاہت میں فقیر کو تل برابر بھی نہ دیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ
یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس پر جو دیا ہے ان کو
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾
میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت

یہودیوں کا حسد:

یعنی کیا یہود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب پر اللہ کے فضل و انعام کو دیکھ کر حسد میں مرے جاتے ہیں سو یہ تو بالکل ان کی بے ہودگی ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے میں کتاب اور علم اور سلطنت عظیم عنایت کی ہے، پھر یہود آپ کی نبوت اور عزت پر کیسے حسد اور انکار کرتے ہیں۔ اب بھی تو ابراہیمؑ ہی کے گھر میں ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حسد کی مذمت:

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. ﴿رواہ ابو داؤد بحوالہ مشکوٰۃ﴾

''تم حسد سے بچو! اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔''

''حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ.

''تم آپس میں بغض اور حسد نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے پشت پھیرو، بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی بن جاؤ، اور جائز نہیں کسی مسلمان کے

لئے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔"

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. ﴿رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ﴾۔

"تم حسد سے بچو! اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔"

عَنِ الزُّبَیْرِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ ھِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ

﴿رواہ احمد والترمذی ،بحوالہ مشکوٰۃ﴾

"حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہاری طرف (بھی) پہلی قوموں کا مرض چپکے سے چل پڑا ہے، اور وہ حسد ہے، اور بغض ایسی خصلت ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔" ﴿معارف القرآن﴾

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ

پھر ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے

عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

ہٹا رہا اور کافی ہے دوزخ کی بھڑکتی آگ

ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ:

یعنی حضرت ابراہیم کے گھرانے میں خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی کے گھرانے میں ہے سو جو کوئی بلاوجہ محض حسد سے اس کو نہ مانے اس کے جلانے کے لئے دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ

بے شک جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے

نَارًا ۭ

آگ میں

کافروں کو عذاب:

پہلی آیت میں مومن وکافر کا ذکر تھا اب مطلق مومن اور کافر کی جزا اور سزا بطور قاعدہ کلیہ کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ ایمان کی طرف پوری ترغیب اور کفر سے پوری ترہیب ہو جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا

جس وقت جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیویں گے

غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ

ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب

یعنی کافروں کے عذاب میں نقصان اور کمی نہ آنے کی غرض سے ان کی کھال کے جل جانے کے وقت دوسری کھال بدل دی جائے گی۔ مطلب یہ ہوا کہ کافر ہمیشہ عذاب میں یکساں مبتلا رہیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ربیع ابن انسؓ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (۷۶) ہاتھ کی ہوں گی، اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہونگے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھالے گی تو اور آجائیں گی۔ ﴿معارف القرآن﴾

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

تَاْکُلُ النَّارُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ اَلْفَ مَرَّةٍ کُلَّمَا اَکَلَتْھُمْ قِیْلَ لَھُمْ عُوْدُوْا فَیَعُوْدُوْنَ کَمَا کَانُوْا (اخرج البیہقی عن الحسن بحوالہ مظہری جلد دوم) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَھْوَنَ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا رَجُلٌ فِیْ اَخْمَصِ قَدَمَیْهِ جَمْرَتَانِ یَغْلِیْ مِنْھُمَا دِمَاغُهٗ کَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ بِالْقُمْقُمِ.

﴿رواہ البخاری ومسلم بحوالہ الترغیب والترہیب ج۴ ص۲۳۹﴾

"آگ ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ ان کو کھائے گی، جب ان کو کھا چکے گی تو ان لوگوں کو کہا جائے گا کہ تم پھر پہلی حالت پر لوٹ جاؤ، پس وہ لوٹ جائیں گے۔"

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جہنم میں سب سے کم عذاب کے اعتبار سے وہ آدمی ہوگا جس کے تلووں میں آگ کی دو چنگاریاں ہوں گی جن کی وجہ سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولتا ہوگا۔"

"حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق جنت میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے سایہ کو ایک سوار سو سال میں بھی طے نہ کر سکے گا۔ اگر آپ چاہیں تو یہ آیت (وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ) پڑھیں۔" متفق علیہ بحوالہ مظہری ﴿معارف القرآن﴾

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾
بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا

غالب وحکیم ذات:

یعنی اللہ تعالیٰ بیشک زبردست اور غالب ہے کافروں کو ایسی سزا دینے میں کوئی دقت اور دشواری نہیں اور حکمت والا ہے کافروں کو یہ سزا دینی عین حکمت کے موافق ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک البتہ ان کو ہم داخل کریں گے
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ
فِيْهَا اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ
ان کیلئے وہاں عورتیں ہیں ستھری
وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾
اور ان کو ہم داخل کریں گے گھنکی چھاؤں میں

مؤمنین کا انعام:

یعنی مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ان کو عورتیں ایسی ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی اور ان کو گہری اور گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے جو آفتاب کی دھوپ سے بالکل محفوظ ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى
بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچادو امانتیں امانت والوں کو
اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا
اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو
بِالْعَدْلِ ۭ
انصاف سے

امانتداری کا حکم:

یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کے خلاف حق حکم دیتے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔

سببِ نزول:

منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ نے کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی نے اس سے چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کنجی مجھ کو مل جائے۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالہ کی گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کعبہ کی چابی بردار:

اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور جب فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئے اور عثمان سے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی تو عثمان نے بے تامل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کردی اور پھر خانہ کعبہ سے باہر آ کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کنجی عثمان کو دینے لگے تو حضرت عباس بول اٹھے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کنجی میرے حوالے کردی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کی امانت (کنجی) عثمان کے حوالہ کردی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلائی ہے۔ اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا۔ مرتے دم تک یہ کنجی عثمان ہی کے پاس رہی۔ مرتے وقت عثمان نے کہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دی۔ چنانچہ اب تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبہ کی اولاد میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اسی کی اولاد میں رہے گی۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

بیت اللہ کی خدمت:

آیات کا شان نزول۔ مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے کہ کعبہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت سمجھی جاتی تھی، اور جو لوگ بیت اللہ کی کسی خاص خدمت کے لئے منتخب ہوتے تھے وہ پوری قوم میں معزز و ممتاز مانے جاتے تھے۔ اسی لئے بیت اللہ کی مختلف خدمتیں مختلف لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ زمانہ جاہلیت سے ایام حج میں حجاج کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ کے سپرد تھی، جس کو سقایہ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اور بعض

خدمتیں آنحضرتؐ کے دوسرے چچا ابوطالب کے سپرد تھی۔ اسی طرح بیت اللہ کی کنجی رکھنا اور مقررایام میں کھولنا بند کرنا عثمان بن طلحہ سے متعلق تھا۔

عثمان بن طلحہؓ کا اپنا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے، اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے، (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا، اور انتہائی ترشی دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا، اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، جبکہ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا۔ میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے۔ اس لئے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تھی۔ بیت اللہ میں داخلہ اور وہاں نماز ادا کرنے کے بعد، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو کنجی پھر مجھ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا، کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی، جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا۔ مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں تمہیں جو مال مل جائے اس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا! کیوں عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں؟ اب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی، کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پورا ہوا، اور میں اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ ﴿مظہری بروایت ابن سعد﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت پر عمل:

حضرت عمر فاروق عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھی (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا) اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت اس وقت جوف کعبہ میں نازل ہوئی تھی، اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کو سپرد کی، کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ "میں یہ امانت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتا ہوں۔" اگرچہ ضابطہ سے ان کا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں، لیکن قرآن کریم نے صورت امانت کی بھی رعایت فرمائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں"۔ حالانکہ اس وقت حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ جس طرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے یہ کنجی برداری کی خدمت بھی ہمیں عطا فرما دیجئے۔ مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس فرمائی۔

بغیر اہلیت کے عہدہ دینے کی سزا:

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے، کہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ ﴿جمع الفوائد ص ۳۲۵﴾

نظام حکومت میں ابتری کا سبب:

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ

قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور سب مسلمانوں کی۔ آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نا اہل اور نا قابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں، اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "اذَا وُسِدَ الْاَمْرُ اِلیٰ غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ"، یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو' یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے۔

نکتہ: قرآن کریم نے لفظ امٰنٰت بصیغہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت صرف اسی کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو، بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔

مجلس کا ادب:

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ "یعنی مجلسیں امانتداری کے ساتھ ہونی چاہئیں۔"

مطلب یہ ہے مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اسی مجلس کی امانت ہے، ان کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں۔

اہم بات:

اس آیت میں یہ بات خاص طور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہ نے حکومت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دے کر اول تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت صرف اسی کو ادا کرنا چاہئے جو اس کا مالک ہے، کسی فقیر، مسکین پر رحم کھا کر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں۔

حکام و امراء کا فرض:

حکام و امراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل و وطن اور رنگ و زبان یہاں تک کہ مذہب و مسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل و انصاف کا فیصلہ کریں۔

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ:

جب حضرت ابوذرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "اے ابوذر! آپ ایک ضعیف آدمی ہیں اور منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی، سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کر دیا ہو (یعنی وہ ذلت سے بچ جائے گا)" ﴿معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ
اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بیشک اللہ ہے
سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾
سننے والا دیکھنے والا

اللہ تعالیٰ کا حکم ہی مفید ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتا ہے تمہارے لئے سراسر مفید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی اور چھپی اور موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتا ہے تو اب اگر تم کو کہیں ادائے امانت یا عدل مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حق کی اہمیت:

صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔

عادل حاکم:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔ ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔ ﴿ابن ابی حاتم﴾

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو
الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ
رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں

حکام کی اطاعت:

پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب اوروں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جبھی واجب

ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔

فائدہ: حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف حکم کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابوشیبہؒ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول بیان کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد ہیں حکام۔ دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں، فوجی دستوں کے سردار (مراد) ہیں۔ اولی الامر کا لفظ عام ہے اس میں بادشاہ بھی داخل ہیں اور شہروں کے حکام بھی اور جج مجسٹریٹ بھی اور فوجی دستوں اور لشکروں کے کمانڈر بھی۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، امام (حاکم) پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور امانت کو ادا کرے۔ جب وہ ایسا کرے تو رعیت پر لازم ہے کہ اس کی بات سنیں اور حکم مانیں۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان لوگوں کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ۔ (رواہ الترمذی)

اطاعتِ رسول:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جو حاکم کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے، جو حاکم کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ ﴿صحیح بخاری وصحیح مسلم﴾

حضرت عبادہؓ بن صامت کا بیان ہے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اس امر پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنیں گے اور مانیں گے۔ دشواری میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور حکام سے ان کے حکم میں کوئی کشاکشی نہیں کریں گے اور جہاں ہو نگے حق کو قائم کریں گے اور حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ صحیح بخاری و مسلم۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (حاکم کا حکم) سننا اور ماننا خواہ کسی ایسے (حقیر) حبشی غلام کا حکم ہو جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔ ﴿رواہ البخاری﴾

خطبہ حجۃ الوداع کا اقتباس:

حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وداع کے خطبہ میں فرمایا تھا، اللہ سے ڈرو۔ پانچوں نمازیں پڑھو۔ اپنے مہینے کے روزے رکھو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور جب بھی کوئی تم کو حکم دے اس کو مانو تو اپنے رب کی طرف سے عطا کی ہوئی جنت میں داخل ہو گے۔ (رواہ الترمذی)

شوہر، آقا، باپ:

شوہر بیوی کو حکم دیتا ہے، آقا غلام کو حکم دیتا ہے، باپ اولاد کو حکم دیتا ہے۔ یہ سب اولی الامر کی فہرست میں داخل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خوب سن لو تم میں سے ہر ایک (ذمہ دار) نگران ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق وہ جواب دہ بھی ہوگا۔ حاکم رعایا کا نگران ہے رعایا کے متعلق باز پرس اس سے ہوگی۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے، گھر والوں کے متعلق سوال اس سے ہوگا۔ غلام اپنے آقا کے مال (مویشی وغیرہ) کا نگران ہے اس کی باز پرس اس سے ہوگی (بہرحال) تم میں سے ہر ایک (کسی نہ کسی کا ذمہ دار) نگران ہے اور اس سے اسی کی باز پرس ہوگی۔ صحیح بخاری و مسلم۔

علماء: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت عمرؓ کا فرمان:

حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو کہیں کا حاکم بناتے تو فرمان میں یہ لکھ دیتے تھے کہ اس کا حکم سنو اور جب تک یہ انصاف کرے اس کا حکم مانو۔

حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا، سننا اور (حاکم کا) حکم ماننا خواہ کسی حبشی نکٹے غلام کو تمہارا حاکم بنا دیا جائے۔ اگر وہ تم کو مارے تو صبر کرنا اور اگر وہ کوئی ایسا حکم دے جس سے تمہارے دین کی شکست ہوتی ہو تو کہہ دینا اپنا خون دے دینگے دین نہیں دینگے۔

مسئلہ: حاکم کی اطاعت صرف اس وقت واجب ہے جب اس کا حکم شرع کے خلاف نہ ہو۔ آیت کی رفتار سے یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ پہلے اللہ نے انصاف کرنے کا حکم دیا اس کے بعد حاکموں کی اطاعت کا امر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک حکام عدل پر قائم ہوں ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس سے آگے خود صراحت فرما دی، ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ﴾ الخ اگر کسی مسئلہ میں تمہارے آپس میں اختلاف ہو جائے تو (صحیح فیصلہ کیلئے) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے (احکام کی) طرف رجوع کرو۔

اگر کوئی حاکم کسی کو حکم دے کہ اپنے مال میں سے ہزار روپیہ فلاں شخص کو دے دو تو حکم کی تعمیل ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر قاضی کسی سے کہے، میں نے فلاں شخص کو سنگسار کرنے یا مارنے یا اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیدیا ہے تم یہ خدمت انجام دو تو جس شخص کو حکم دیا جا رہا ہے، وہ (بلا تحقیق) حکم کی تعمیل کر سکتا ہے، لیکن ایک روایت میں آیا ہے کہ امام محمد نے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا تھا، جب تک قاضی کے فیصلہ کی اطمینان بخش دلیل نہ معلوم ہو جائے، صرف حکم کی تعمیل جائز نہیں۔ مشائخ نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں قاضیوں کے حالات بگڑ چکے ہیں۔

امام ابو منصور کا ارشاد:

امام ابو منصور (ماتریدی) نے فرمایا، اگر قاضی متقی اور عالم ہو اس کا حکم واجب القبول ہے کیونکہ غلطی اور بددیانتی کا احتمال نہیں ہے اور اگر جاہل متقی ہو تو فیصلہ کی (مدلل) تشریح اس سے پوچھی جائے گی۔ اگر وہ صحیح تشریح کر دے گا تو حکم قبول کیا جائے گا ورنہ تعمیل نہیں کی جائے گی۔ اگر فاسق ہو (خواہ عالم ہی ہو) تو چونکہ بددیانتی اور غلطی کا احتمال ہے اس لئے بغیر تحقیق دلیل سمجھے اس کا حکم قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہدایہ۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ ؓ کا واقعہ:

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عبداللہ ؓ بن حذافہ بن قیس کے متعلق ہوا تھا۔ عبداللہ ؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔

داؤدی نے (اس کی تشریح میں اس طرح) بیان کیا کہ عبداللہ ؓ بن حذافہ ایک لشکر کے قائد بنا کر بھیجے گئے۔ کسی جگہ پہنچ کر اپنے لشکر پر عبداللہ کو غصہ آ گیا اور آگ بھڑکا کر آپ نے حکم دیا، اس میں (سب) گھس جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل سے بعض لوگوں نے انکار کر دیا اور بعض نے تعمیل کا ارادہ کر لیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اولی الامر کا ترجمہ:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں، اور حکومت اور اختیار عام ہے کہ خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے، تدبیر ملکی اور حرب اور ضرب میں امراء و حکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ انکے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں۔

فقہاء و مجتہدین:

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے۔ اس لئے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور احکام شریعت کے خازن امین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظ و علیم ہیں۔

اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ﴾

بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ جو احکام اور مسائل بصراحت کتاب و سنت میں نہ پائے جائیں وہاں عوام پر علماء مجتہدین و مستنبطین کی تقلید اور اتباع واجب ہے۔

خلاصۂ کلام:

غرض یہ کہ جو کوئی مسلمانوں کی دینی یا دنیوی صلاح کا والی اور متولی ہو وہ اولی الامر کے تحت میں داخل ہے اور خلفاء راشدین چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائمقام تھے اس لئے وہ دونوں قسم کی اصلاح کے والی اور متولی تھے اور دین دنیا دونوں اعتبار سے حاکم اور فرمانروا اور ذی اختیار تھے اور سب سے زیادہ اولی الامر کے لقب کا استحقاق رکھتے تھے جو خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کو واجب نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔

اصول دین اور ادلہ شرعیہ:

امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اصول دین اور ادلہ شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علماء اصول نے لکھا ہے کہ ادلہ شرعیہ چار ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور (۳) اجماع امت اور (۴) قیاس فقہاء مجتہدین اطیعوا اللہ میں کتاب اللہ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصول دین میں اصل اول ہے اور اطیعوا الرسول میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثانی ہے اور اولی الامر کی اطاعت سے اجماع علماء کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے کیونکہ حقیقت میں امراء اور اولی الامر سے وہی علماء ربانیین اور راسخین فی العلم مراد ہیں جو کتاب سنت سے احکام خداوندی کا استنباط کر سکتے ہوں اور علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے ہی لوگوں کو اہل حل و عقد کہا جاتا ہے اور ایسے ہی علماء مستنبطین کے قول و اقرار سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعی اور جزی طور پر جس کا اتباع واجب اور لازم ہے وہ اجماع علماء ہے علماء افراداً اگرچہ غیر معصوم ہیں لیکن علماء ربانیین اور مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ اس لئے اولی الامر کے اجماع کی اطاعت اور اتباع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک اطیعوا کے تحت میں ذکر فرمایا ہے اور ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ میں انزاع اور اختلاف سے اس شی میں نزاع اور اختلاف مراد ہے جس کا حکم کتاب وسنت و اجماع میں منصوص نہ ہو اس لئے کہ قابل نزاع وہی صورت ہوسکتی ہے جس کا حکم کتاب وسنت اور اجماع میں منصوص اور مصرح نہ ہو کیونکہ جس کا حکم منصوص ہوگا وہ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ﴾ میں داخل ہوگا تو پھر اس قضیہ شرطیہ یعنی ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ﴾ لانے کی کیا ضرورت ہوگی۔

اجتہاد اور تقلید:

عالم میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ جن کے احکام منصوص ہیں دوم وہ کہ جو منصوص نہیں۔ اول الذکر کے متعلق ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ﴾ کا حکم دیا گیا اور دوسری قسم یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ فردوہ الی اللہ و الرسول یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کے لئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو اور اس جیسے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ملے وہی اس غیر منصوص کے لئے ثابت کرو اور مشابہت اور مماثلت کی بناء پر غیر منصوص کے لئے منصوص کا حکم ثابت کرنا اسی کا نام قیاس اور اجتہاد اور استنباط ہے جو دین کی اصل چہارم ہے۔ کتاب وسنت احکام خداوندی کا خزینہ اور دفینہ ہیں جو احکام کتاب و سنت میں منصوص اور صراحۃً مذکور ہیں وہ بمنزلہ ایسے خزانہ کے ہیں کہ جو گھر میں رکھا ہوا ہے ہر ایک بصیر اور بینا کو دکھائی دے سکتا ہے اور جو احکام غیر منصوص ہیں وہ بمنزلہ دفینہ کے ہیں کہ جو کتاب وسنت کے عمق اور گہرائی میں مدفون اور مستور ہیں جن کا سوائے حاذق اور ماہر کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا۔ پس جو علوم اور احکام کتاب وسنت کی تہہ میں مدفون اور مخزون ہیں ان کو اپنی باطنی حذاقت اور اندرونی بصیرت سے باہر نکال لانے کا نام اجتہاد اور استنباط ہے اور جو شخص خود استنباط نہ کر سکے اس کو مستنبطین کا اتباع لازم ہے۔

''چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش''

اور اسی کا نام تقلید ہے۔ جو لوگ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر راسخین فی العلم اور مستنبطین کا اتباع واجب ہے اور اپنی ناقص رائے اور نا تمام فہم کا اتباع نا جائز ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں دو نعمتیں اتاریں۔ ایک حفظ کی اور ایک فہم کی حفظ کی نعمت سے محدثین اور لغویین کو سرفراز فرمایا اور فہم و فراست کی نعمت سے فقہاء اور عارفین یعنی اولیاء اللہ کو سرفراز فرمایا۔ انتہی کلامہ۔

پس جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے ذخیرہ حدیث کی تدوین کے لئے بخاری اور مسلم اور ابو داؤد و ترمذی کو خاص طور پر منتخب فرمایا اور امت محمدیہ کو ان حضرات کی تدوین کردہ کتابوں کی تلقی بالقبول کا الہام فرمایا اسی طرح تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لئے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور شافعی اور امام احمد کو منتخب فرمایا اور امت کے علماء و صلحاء عوام وخواص کے دلوں میں ان کی تقلید کا داعیہ پیدا فرمایا کہ ان حضرات کے فہم و استنباط پر بھروسہ اور اعتماد کر کے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کریں۔

ائمہ مجتہدین کی تقلید پر انکار کرنے والوں اور تقلید شخصی کو شرک و بدعت بتانے والوں پر تعجب ہے کہ صحت حدیث اور جرح و تعدیل میں بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کا اتباع اور تقلید تو مستحسن ہو اور مسائل اجتہادیہ میں ابو حنیفہ اور شافعی کا اتباع کورانہ تقلید اور بدعت اور شرک کہلائے۔ دنیا میں سینکڑوں محدث اور بے شمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحیحین اور صحاح ستہ کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اور بلا دلیل ان کتابوں کی حدیث کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شرک اور بدعت نہیں بتلاتا اسی طرح دنیا میں بہت سے مجتہد گزرے مگر من جانب اللہ امت محمدیہ کے محدثین اور مفسرین اور اولیاء اور متکلمین انہی چار کے اتباع اور تقلید میں منحصر ہو گئے اور سب علماء کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار حضرات سے زیادہ کوئی عالم کتاب وسنت اور احکام شریعت کو سمجھنے والا نہیں عقلاً اگرچہ اب بھی اجتہاد ممکن ہے نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن یہ امکان ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اور مسلم جیسا حافظ حدیث ہونا اب بھی ممکن ہے۔ حافظ بخاری اور مسلم پر ختم نہیں ہو گیا۔ بے شک امکان عقلی اب بھی موجود ہے لیکن فقہاء جیسا اجتہاد اور استنباط اور بخاری و مسلم جیسا حافظہ من جانب اللہ دنیا سے اٹھا لیا گیا اور یہ امکان عادۃً مفقود ہو گیا۔

جو لوگ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث کو بلا دلیل معتبر سمجھتے ہیں ان کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہیں۔ منکرین تقلید کو نہ اسانید کا علم ہے اور نہ رجال سند کے اسماء اور کنی اور موالید اور وفیات اور ان کی ثقاہت اور ضعف کی کچھ خبر ہے، محض بخاری اور مسلم کی امامت اور جلالت قدر پر

بھروسہ اور اعتماد کرکے بلا دلیل ان کی احادیث کو محض حسن ظن کی بناء پر صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ تقلید نہیں۔

اسی طرح مقلدین امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے تفقہ اور اجتہاد و استنباط پر حسن ظن کی بناء پر اعتماد کرکے شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء کا اجماع ہے کہ ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد تفقہ اور اجتہاد کے آسمان تھے اور ہم ذرہ بے مقدار ہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم ان مستنبطین کی طرف رجوع کریں اور جو شخص ان آئمہ ھدیٰ کے تقلید شخصی سے منحرف ہے وہ اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے۔

ان چار اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس مجتہدین کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا، اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس کی دلیل ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کا اتباع لوازم ایمان میں سے ہے، اسی طرح امت اور قیاس مجتہد کا اتباع بھی مقتضیات ایمان میں سے ہے اور (ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا) کا مصداق ہے کیونکہ (اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ) کی قید جمیع امور مذکورہ فی الآیت سے متعلق ہے اور (ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا) بھی سب سے متعلق ہے۔

تمام علماء امت کے نزدیک ادلہ شرعیہ چار ہیں (۱) کتاب اور (۲) سنت اور (۳) اجماع اور (۴) قیاس۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے۔

مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلہ شرعیہ صرف دو ہیں۔ ایک کتاب اور ایک سنت۔ اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں حتیٰ کہ اجماع صحابہؓ کے بھی قائل نہیں۔ بیس رکعت تراویح اور تین طلاق کے تین ہونے کے قائل نہیں اور اپنا نام اہل حدیث رکھ لیا ہے۔ (امام مفسر)

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ
پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے
وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اور قیامت کے دن پر

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع:

یعنی اور اگر تم میں اور اولوالامر میں باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا یہ حکم اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرکے طے کرلیا کرو کہ وہ حکم فی الحقیقت اللہ اور رسول کے حکم کے موافق ہے یا مخالف اور جو بات محقق ہو جائے اسی کو بالاتفاق مسلم اور معمول بہ سمجھنا چاہئے اور اختلاف کو دور کردینا چاہئے۔ اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے کیونکہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہوگا وہ ضرور اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرے گا اور ان کے حکم کی مخالفت سے بے حد ڈرے گا۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے بھاگے گا وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے اگر دو مسلمان آپس میں جھگڑیں، ایک نے کہا چلو شرع کی طرف رجوع کریں۔ دوسرے نے کہا میں شرع کو نہیں سمجھتا یا مجھ کو شرع سے کام نہیں تو اس کو بے شک کافر کہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

(فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ) تو اس مسئلہ کو اللہ کی طرف یعنی اللہ کی کتاب کی طرف موڑ دو۔ (وَالرَّسُوْلِ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دو، جب تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی سنت کی جانب رجوع کرو۔

رہے وہ مسائل جن کی صراحت نہ قرآن میں ہے نہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان میں اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ اجماع اور قیاس (خود مستقل حیثیت نہیں رکھتے بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتے ہیں۔ رجوع کے بعد اگر شرعاً اس کی اطاعت واجب ہوتی ہو تو اطاعت کرو، ورنہ مت کرو۔

اطاعت امیر:

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (امیر کا حکم) سننا اور اس کو ماننا مسلمان شخص پر واجب ہے، خواہ پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ سننا جائز ہے نہ ماننا (صحیحین) حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت درست نہیں، اطاعت صرف نیکی میں ہونی چاہئے۔ صحیحین۔

حاکم کے حکم کی شرائط:

اگر کسی حاکم کا حکم قاضی کے پاس اجراء کی غرض آئے تو اس کو جاری کر دینا چاہئے بشرطیکہ قرآن کے مخالف نہ ہو، مثلاً مدعی کی قسم اور ثبوت کی ایک شہادت

پر اگر حاکم نے کسی کو ڈگری دے دی ہو تو ایسے حکم کو جاری نہ کرنا چاہئے کیونکہ اللہ فرماتا ہے ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ الخ۔

اگر حدیث مشہور کے خلاف ہو تب بھی جاری نہ کرنا چاہئے جیسے اگر کسی نے بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں اور (حلالہ کے طور پر) کسی دوسرے مرد نے نکاح کر لیا اور بغیر قربت صنفی کے اس نے طلاق دے دی ہو اور حاکم حکم دے کہ اب اس عورت سے پہلے شوہر کے لئے نکاح حلال ہو گا تو ایسا حکم جاری نہ کرنا چاہئے کیونکہ حضرت رفاعہؓ کی بیوی کے متعلق حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا نکاح اس سے درست نہیں ہو سکتا، جب تک دوسرا شوہر تیری چاشنی نہ چکھ لے اور تو اس کی چاشنی نہ چکھ لے۔ ہم نے یہ حدیث سورہ بقرہ میں ذکر کر دی ہے۔

اگر حاکم کا حکم اجماع کے خلاف ہو تب بھی قاضی اس کا اجراء نہ کرے جیسے حاکم نے اگر حکم دیا ہو کہ جس جانور کا ذبح کرتے وقت قصداً اگر بسم اللہ پڑھنی ترک کر دی تو ایسا ذبیحہ حلال ہے۔ کہ حکم صحابہؓ کے اجماع کے خلاف ہے اس لئے ناقابل اجراء ہے۔ ہدایہ

مجتہد کے فتویٰ کی شرائط:

اگر مجتہد کا فتویٰ قرآن اور حدیث کے خلاف ہو اور یہ معلوم بھی ہو جائے تو قرآن و حدیث پر چلنا (اور اجتہادی فتویٰ کو ترک کرنا) ہم پر لازم ہے۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا، میں نے خود سنا امام ابوحنیفہؒ فرما رہے تھے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث آ جائے (یعنی مل جائے) تو بسر و چشم (میں اس کو قبول کروں گا) روضۃ العلماء میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، میرے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور صحابہؓ کے قول کے مقابلہ میں ترک کر دو۔ امام صاحبؒ کا یہ قول بھی روایت میں آیا ہے کہ اگر حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی میں خیر ہے:

یعنی اپنے منازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا اور اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرنی مفید ہے۔ آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک انصاری امیر کا واقعہ:

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے، کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے اچھا لکڑیاں جمع کرو، پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں، پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا لوگو! سنو آگ سے بچنے کیلئے ہی تم نے دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لی ہے، تم جلدی نہ کرو۔ جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو جائے۔ پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا۔ چنانچہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم آگ میں چلے جاتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے، سنو فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے گو جی چاہے یا طبیعت رکے، لیکن اس وقت تک کہ (خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے، جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔

اطاعت نہ کرنے کی سزا:

ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن خدا سے حجت و دلیل کے بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ﴿مسلم﴾

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ثعلبی نے ابن عباسؓ سے اور ابن ابی حاتم نے ابوالاسود سے مرسلاً نیز بغوی نے کلبی کا قول بواسطہ ابوصالح از حضرت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ ایک یہودی سے ایک منافق کا جس کا نام بقول کلبی بشر تھا، کچھ جھگڑا تھا۔ یہودی نے فیصلہ کرانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی منافق کو دعوت دی اور منافق نے کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرانے کے لئے یہودی سے خواہش کی۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا۔ مجبوراً منافق کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنا پڑا۔ غرض دونوں خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب

دونوں خدمت اقدس سے اٹھ کر باہر آئے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور بولا (فیصلہ کے لئے) عمرؓ کے پاس چل۔ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ یہودی نے عرض کیا میں اور یہ شخص اپنا باہمی مقدمہ لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف مجھے ڈگری دیدی، لیکن یہ ان کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور مجھے آپؓ کے پاس لے کر آیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے فرمایا، کیا ایسا ہی ہے؟ منافق نے کہا جی ہاں، حضرت عمرؓ نے فرمایا، ذرا ٹھہرو میں (اندر جا کر ابھی) باہر آتا ہوں۔ چنانچہ آپؓ گھر میں گئے۔ وہاں سے تلوار لی، پھر باہر نکل کر منافق کو قتل کر دیا، اور فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہوں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ)

کیا آپ نے ان لوگوں نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور جو کچھ آپؐ سے پہلے نازل ہوا سب پر ایمان رکھتے ہیں ان سے مراد منافق ہیں۔

(یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ) پھر بھی طاغوت کے پاس اپنا فیصلہ کرانے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔

بغوی نے سدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی (دل سے سچے) مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ منافق تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا یہ باہمی دستور تھا کہ کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کر دیتا تو اس سے قصاص لیا جاتا، یا دیت میں سو وسق چھوارے لئے جاتے اور نضیری اگر کسی قریظی کو قتل کر دیتا تو قصاص نہیں لیا جاتا بلکہ صرف ساٹھ وسق چھوارے خون بہا میں دیئے جاتے۔ نضیر قبیلہ اوس کے ہم عہد تھے اور بنی قریظہ خزرج کے حلیف۔ نضیر قریظہ سے مرتبہ میں بھی اونچے تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔

جب اسلام آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو ایک بار کسی نضیری نے کسی قریظی کو قتل کر دیا تھا۔ مقدمہ چلا تو بنی نضیر نے کہا ہمارا تمہارا یہ مسلمہ دستور تھا کہ ہم تم کو قتل کر دیں تو تم قصاص نہیں لے سکتے، بلکہ خون بہا میں ساٹھ وسق چھوارے لو گے اور تم قتل کرو گے تو دیت میں سو وسق چھوارے دینے ہونگے۔ لہٰذا تم ہم سے ساٹھ وسق چھوارے لے لو۔ قبیلہ خزرج والوں نے (اپنے ہم عہد قریظہ کی طرف سے) کہا یہ تو جاہلیت کا عمل تھا۔ ہم کم تھے تمہاری تعداد زیادہ تھی، تم ہم پر غالب تھے اب تو ہم تم بھائی بھائی ہیں۔ ہمارا تمہارا مذہب ایک ہے، تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ دونوں طرف کے کچھ منافق بولے، ابو برزہ اسلمی کاہن کے پاس فیصلہ کرانے چلو، لیکن دونوں فریقوں کے مسلمانوں نے کہا وہاں نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ منافق اپنی بات پر جم گئے۔ اس پر اللہ نے آیت قصاص اور یہ آیت نازل فرمائی۔

(وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ) باوجود یکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کو نہ مانیں، یعنی اس کی مخالفت اور اظہار بیزاری کریں۔ آیت (یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ) میں بھی کفر کا معنی مخالفت اور اظہار بیزاری ہے۔

اہل ایمان کو یہودیوں، کاہنوں سے بیزاری کا حکم:

اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ یہودیوں کی، کاہنوں کی اور شیطانوں کی مخالفت کریں اور اس سے علیحدگی اختیار کریں۔ اللہ نے فرمایا ہے (لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ) یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے کاہن کے پاس جا کر اس کے بیان کی تصدیق کی یا حیض کی حالت میں عورت سے صنفی قربت کی یا عورت سے لواطت کی وہ اس (حکم) سے الگ ہو گیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے۔ رواہ احمد واصحاب السنن بسند صحیح عن ابی ہریرہؓ۔

کاہن کے پاس جانے کی سزا:

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت واثلہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جو شخص کاہن کے پاس جا کر اس سے کچھ پوچھتا ہے چالیس دن تک اس کی توبہ روک دی جاتی ہے (یعنی توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، توبہ قبول نہیں ہوتی) اس کے بعد اگر اس نے کاہن کے قول کی تصدیق کی تو کافر ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا
کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ
چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف
وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ
اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

شیطان کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے

یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عادل سمجھتے تھے:

یہود فصل خصومات میں رعایت و رشوت کے عادی تھے اس لئے جو لوگ جھوٹے اور منافق اور خائن ہوتے وہ اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ خاطر کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے لوگ اپنا معاملہ لانا پسند نہ کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کی رعایت کریں گے اور کسی کی اصلاً رعایت نہ کریں گے۔ سو مدینہ میں ایک یہودی اور ایک منافق کہ ظاہر میں مسلمان تھا کسی امر میں دونوں جھگڑ پڑے۔ یہودی جو سچا تھا اس نے کہا چل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور منافق جو جھوٹا تھا اس نے کہا چل کعب بن اشرف کے پاس جو یہودیوں میں عالم اور سردار تھا۔ آخر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا حق ثابت فرمایا۔ منافق جو باہر نکلا تو کہنے لگا کہ اچھا حضرت عمرؓ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ کردیں وہی منظور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا۔ غالباً یہ سمجھا ہوگا کہ میں مدعی اسلام ہوں اس لئے یہودی کے مقابلہ میں میری رعایت کریں گے اور حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں جھگڑے فیصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ جھگڑا سنا اور یہودی کے بیان سے ان کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ قضیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا چکا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں یہودی کو سچا اور غالب کر چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو کوئی ایسے قاضی کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا فیصلہ یہی ہے۔

منافقوں کی تاویل پرستی:

اس کے وارث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس تو صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں باہم صلح کرا دیں۔ یہ وجہ نہ تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انکار تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی۔ اور حضرت عمرؓ کا لقب فاروق فرمایا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ

اور جب ان کو کہے کہ آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا

اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

اور رسول کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں

عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

تجھ سے رک کر

حق سے دوری:

یعنی جب کسی جھگڑے میں منافقوں سے کہا جائے کہ اللہ نے جو حکم نازل فرمایا ہے اس کی طرف آؤ اور اس کے رسولؐ کے روبرو اپنے جھگڑے کو لاؤ تو ظاہر میں چونکہ مدعی اسلام ہیں اس لئے صاف طور پر تو انکار نہیں کرسکتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے اور حکم الٰہی پر چلنے سے بچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی ترکیب سے جان بچ جائے اور رسول کو چھوڑ کر جہاں ہمارا جی چاہے اپنا جھگڑا لے جائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے

اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ

کئے ہوئے سے پھر آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی

اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ

یہ منافق قیامت میں کیا کریں گے:

یعنی یہ تو سب کچھ ہوا مگر یہ منافق لوگ اس وقت کیا کریں گے جس وقت پہنچنے لگے ان کو عذاب ان کے کرتوت کا یعنی فصل خصومات میں آپؐ کے پاس آنے سے جو رکتے اور بچتے ہیں جب اس کا عذاب ان پر آنے لگے تو پھر یہ منافق اس وقت کیا کرسکتے ہیں اس کے سوا کہ آئیں رسول کی خدمت میں قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں صرف اس وجہ سے گئے تھے کہ شاید وہ باہم صلح اور ملاپ کرا دیں رسولؐ کے ارشاد سے اعراض کرنا اور جان بچانا ہرگز ہم کو منظور نہ تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ
یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ
سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ
اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾
ان کے حق میں بات کام کی

منافقوں کا کچا چٹھا:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی قسم اور ان کی معذرت سابقہ کی تکذیب فرمائی کہ منافقین جو کچھ زبانی باتیں بنائیں، بنانے دو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کی باتیں خوب معلوم ہیں یعنی ان کے نفاق اور ان کے جھوٹ کو خوب جانتا ہے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی علم خداوندی پر بس کر کے منافقوں کی بات سے تغافل کیجئے اور ان کی بات کی پروانہ کیجئے مگر ان کو نصیحت کرنے اور کام کی باتیں بتانے میں ہرگز کوتاہی نہ فرمائیں اور ان کی ہدایت سے مایوس نہ ہوجئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا، انت الفاروق، تو فاروق ہے، اور جبریلؑ نے یہ کہا،

إِنَّ عُمَرَ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَسُمِّيَ الْفَارُوْقُ.

تحقیق عمر نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لئے انکا نام فاروق رکھا گیا۔ اور اسی بارے میں یہ تمام آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿قرطبی﴾ ﴿معارف القرآن﴾

ایک غریب روایت:

ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا ایک جھگڑا لے کر دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں (حضرت) عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ۔ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ آپؓ نے فرمایا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑا دی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آجاتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہ جانتا تھا کہ وہ اس جرأت کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور حضرت عمرؓ کو بری کر دیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ
اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
مانیں اللہ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا
جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ
آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی
لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾
ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان

منافقوں کا ظلم:

یعنی اللہ تعالیٰ جس رسول کو اپنے بندوں کی طرف بھیجتا ہے سو اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے کہ اللہ کے حکم کے موافق بندے ان کے کہنے کو مانیں تو اب ضرور تھا کہ یہ لوگ رسول کے ارشاد کو بلا تامل پہلے ہی سے دل و جان سے تسلیم کرتے اور اگر گناہ اور برا کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کی معافی کی دعا کرتا تو پھر بھی حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ہٹے اور بچے پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تو اب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ لگے جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے پھر ایسوں کی مغفرت ہو تو کیونکر ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک عاشقِ رسول کا واقعہ:

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا، اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا، اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ

دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی قد غفر لک، یعنی مغفرت کر دی گئی۔ ﴿بحر محیط﴾ ﴿معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں، لکھا ہے کہ عتبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں تا کہ آپؐ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کروں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

"جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں۔ اے ان تمام میں سے بہترین ہستی! میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے، جس میں پارسائی اور سخاوت اور کرم ہے۔"

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ تجھ کو ہی

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں

تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

خوشی سے

ایمان کا معیار:

یعنی منافق لوگ کس بے ہودہ خیال میں ہیں اور کیسے بے ہودہ حیلوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ جب تک یہ لوگ تم کو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام چھوٹے بڑے مالی جانی نزاعات میں منصف اور حاکم نہ جان لیں گے کہ تمہارے فیصلہ اور حکم سے ان کے جی میں کچھ تنگی اور ناخوشی نہ آنے پائے اور تمہارے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول نہ کرلیں گے اس وقت تک ہرگز ان کو ایمان نصیب نہیں ہو سکتا اب جو کرنا ہو سوچ سمجھ کر کریں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا

اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو

اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ

اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر

مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ

تو ایسا نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کریں

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

وہ جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ ان کے حق میں بہتر ہو

وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ

اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہو دین میں اور اس وقت البتہ دیں ہم

لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور چلاویں ان کو

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

سیدھی راہ

نصیحت خداوندی:

یعنی سب کی جانوں کا مالک چونکہ خدا تعالیٰ ہے اس لئے اس کے حکم

میں تو کسی کو جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہئے سو اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو کہیں اپنی جانوں کے ہلاک کر ڈالنے اور جلاوطن ہو جانے کا حکم فرما دیتا جیسے کہ بنی اسرائیل پر حکم کر دیا تھا تو بجانہ لاتے اس حکم کو مگر گنے چنے صرف سچے اور پکے ایمان والے یہ منافق ایسے حکم پر کیسے عمل کر سکتے تھے۔ اب ان کو سمجھنا چاہئے کہ ان کو ہم نے جو حکم دے رکھے ہیں وہ محض ان کی نصیحت اور خیر خواہی کے ہیں۔ نہ جان کی ہلاکت کا حکم دیا گیا نہ جلاوطن ہونے کا اگر انہی آسان اور سہل حکموں پر چلیں تو نفاق بالکل جاتا رہے اور مخلص مسلمان ہو جائیں مگر افسوس سمجھتے نہیں اور حالت موجودہ کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ ذرا سی بات میں دین دنیا دونوں درست ہوئے جاتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان:

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت سن کر کہا کہ اگر یہ حکم نازل ہوتا تو خدا کی قسم میں سب سے پہلے اپنے آپ اور اپنے اہل بیت کو اس پر قربان کر دیتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و دیگر صحابہؓ کی شان:

بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ حکم خودکشی یا ترک وطن کا اللہ کی طرف سے آ جاتا تو ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ضرور اس پر عمل کرتے، اور رہا دوسرا معاملہ ترک وطن کا تو صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے دکھلا دیا، کہ اپنے وطن مکہ اور اپنی تمام جائدادوں اور تجارتوں کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اختیار کر لی۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں

الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی

وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

اور اچھی ہے ان کی رفاقت

انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور ان کے رفیق:

نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آ کر پیغام کہہ جائے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے۔ ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جنکی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار قسمیں مذکورہ جوامت کے باقی افراد سے افضل ہیں انکے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں وہ لوگ بھی انہیں کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔ فائدہ، اس آیت میں اشارہ ہو گیا کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شان نزول: ابن کثیر نے متعدد اسانید سے نقل کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی، اولاد سے بھی، بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لوں۔ تب سکون ہوتا ہے۔ اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے اور مجھے بھی موت آ جائے گی، تو میں جانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں انبیاءؑ کے ساتھ درجات عالیہ میں ہونگے، اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکوں گا تو مجھے کیسے صبر آئے گا؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کلام سن کر کچھ جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

اس وقت آنحضرت نے ان کو بشارت سنادی کہ اطاعت گزاروں کو جنت میں انبیاءؑ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا، یعنی درجات جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ ہونے کے

باوجود باہم ملاقات ومجالست کے مواقع ملیں گے۔

جنت میں ملاقات کی چند صورتیں:

(۱) ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ اپنی اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ میں بروایت ابوسعید خدریؓ منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی کھڑکیوں میں اپنے سے اوپر کے طبقات والوں کو دیکھیں گے جیسے دنیا میں تم ستاروں کو دیکھتے ہو۔

(۲) یہ بھی صورت ہوگی کہ درجات میں ملاقات کے لئے آیا کریں گے، جیسا کہ ابن جریر نے بروایت ربیع نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ اونچے درجات والے نیچے درجات کی طرف اتر کر آیا کریں گے اور ان کے ساتھ ملاقات اور مجالست ہوا کرے گی۔

(۳) یہ بھی ممکن ہے کہ نیچے کے درجات والوں کو ملاقات کے لئے اعلیٰ درجات میں جانے کی اجازت ہو، اس آیت کی بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو جنت میں اپنے ساتھ رہنے کی بشارت دی۔

قرب کی شرط:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے سے حاصل ہوگی، چنانچہ صحیح بخاری میں طرق متواترہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! المرء مع من احب "یعنی محشر میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔"

البتہ عرف عام میں قاعدہ ہے کہ جس شخص پر جس صفت کا غلبہ ہوتا ہے اسی کے نام سے وہ معروف ہو جاتا ہے، طبقات پر کتابیں لکھنے والے اس کو اسی طبقہ میں شمار کرتے ہیں، اسی وجہ سے عامہ مفسرین نے فرمایا کہ "صدیقین" سے مراد اجلہ صحابہ اور "شہداء" سے شہداء احد اور "صالحین" سے عام نیک مسلمان مراد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کسی رنگ ونسل پر موقوف نہیں

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص حبشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے حسن صورت اور حسین رنگ میں بھی ممتاز ہیں، اور نبوت ورسالت میں بھی، اب اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان رکھتے ہیں اور وہی عمل کروں جو آپ کرتے ہیں تو کیا میں بھی جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوسکتا ہوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں ضرور (تم اپنی حبشیانہ بد صورتی سے نہ گھبراؤ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین ہو جائیں گے، اور ایک ہزار سال کی مسافت سے چمکیں گے، اور جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اس کی فلاح ونجات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتی ہے، اور جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ﴿معارف القرآن﴾

انعام یافتہ لوگ اور اُن کے درجات:

اللہ نے اس آیت میں انعام یافتہ لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں اور قرب کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کی ہے اور سب لوگوں کو (در پردہ) ترغیب دی ہے کہ مؤخر الذکر تینوں گروہوں میں سے کسی گروہ میں شامل ہو جائیں۔

(۱) انبیاء: ان کا مبداء تعین (وتشخص) اللہ کی صفات قدسیہ ہیں۔ بغیر حجاب صفات کے یہ دوامی انوار ذاتیہ میں غرق ہوتے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ کا ہی دوسرا نام کمالات نبوت ہے۔ بغیر کسی کی وساطت کے یہ گروہ اس مقام پر فائز اور راسخ ہوتا ہے تاکہ دوسرے انسانوں کی تکمیل انسانیت کر کے ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق اللہ کی منشاء ومشیت کے زیر اثر قرب الٰہی کی طرف مختلف لوگوں کو کھینچ کر لے آئے۔ یہی گروہ اللہ کے احکام بندوں تک پہنچاتا ہے تاکہ بندوں کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔

(۲) صدیقوں کا گروہ: یہ لوگ انبیاء کے کامل پیرو اور ظاہر باطن ہر طرح سے اتباع انبیاء کرنے والے بڑے سچے۔ کمالات نبوت یعنی تجلیات ذاتیہ میں ڈوبے ہوئے۔ اور بوراثت انبیاء بغیر حجاب صفات کے محض پیغمبروں کا کامل اتباع کرنے کی وجہ سے، بحر انوار قدسیہ میں غرق ہوتے ہیں۔

(۳) شہداء: یہ گروہ راہ خدا میں اپنی جانیں دے دیتا ہے تاکہ جانی قربانی کے عوض اس کو تجلیات ذاتیہ کا ایک مخصوص حصہ حاصل ہو جائے اور اس پر انوار ذاتیہ کی خصوصی شعاع پڑ جائے۔

(۴) صالحین: یعنی وہ لوگ جو تمام رذائل اور بری باتوں سے اپنے نفوس کو پاک رکھتے اور ہمیشہ یاد خداوندی میں غرق رہ کر غیر اللہ کے ساتھ وابستگی سے پرہیز رکھتے ہیں اور گناہوں کی کثافت سے اپنے جسم کو بھی آلودہ نہیں کرتے۔ جب فناء ذاتی اور بقاء باللہ کے کمال پر پہنچ جاتے ہیں تو

تجلیات ذاتیہ کا کچھ پرتو ان پر پڑ جاتا ہے، اگرچہ تجلی ذاتی کی یہ پرتو اندازی حجاب صفات کے پیچھے سے ہوتی ہے، انہی کو لوگ اولیاء کرام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ اطاعت خدا اور رسول کے تفاوت کے لحاظ سے جنت کے اندر کم وبیش سب کو اپنے دیدار سے سرفراز فرمائیگا۔ یوں تو انبیاء بھی صدیق ہوتے ہیں، لیکن اس جگہ صدیقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتبۂ صدیقیت پر فائز ہوں اور نبی نہ ہوں۔ اسی طرح صالحین سے مراد وہ صالحین ہیں جو انبیاء اور صدیقین نہ ہوں اگرچہ تمام انبیاء اور صدیق اہل صلاح ہوتے ہیں۔ گویا صدیق کا لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کو شامل ہے اور صالح کا لفظ سب سے عام ہے۔ اسی لئے صدیق اور صالح کا اطلاق انبیاء پر بھی آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا ہے، ﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾ اور حضرت یحییٰؑ کے متعلق فرمایا ہے، ﴿وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا ہے ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ:

جب میرے مرشد وامام شہید ہوگئے تو میں تاریخ وفات پر غور کرنے لگا اچانک اللہ کی طرف سے میرے دل پر آیت ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ﴾ کا القاء ہوگیا میں نے جو حساب لگایا تو سنہ وفات یعنی ۱۱۹۵ھ پورا نکلا والحمد للہ۔

سجدوں کی کثرت:

مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے لکھا ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی نے فرمایا، میں خدمت گرامی میں حاضر ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور استنجاء کے لئے پانی کا برتن لے جاتا تھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا مجھ سے مانگ (کیا مانگتا ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا خواستگار ہوں۔ فرمایا! اس کے علاوہ اور کچھ میں نے عرض کیا بس یہی فرمایا سجدوں کی کثرت سے اپنے معاملہ میں میری مدد کر (یعنی سجدے بہت کیا کر تا کہ اپنی رفاقت کے لئے میں تیری شفاعت کرسکوں)۔

حضرت ثوبانؓ کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے کہ ان آیات کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ کے متعلق ہوا تھا۔ ثوبانؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرار ہی نہ آتا تھا۔ ایک روز خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو چہرہ کا رنگ اترا ہوا تھا، غم کے آثار نمودار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثوبانؓ چہرہ کا رنگ بدلا ہوا کیوں ہے؟

ثوبانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی دکھ درد نہیں بس اتنی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں ہوتی تو جی بالکل اچاٹ ہوجاتا ہے اور جب تک زیارت نہ کرلوں چین نہیں آتا پھر آخرت کا تصور کرتا ہوں تو ڈر لگتا ہے کہ وہاں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نہ ہوگا کیونکہ انبیاءؑ کے ساتھ آپؐ تو اونچے درجہ پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو آپؐ کے درجہ سے بہت نیچے مقام پر ہوں گا اور جنت میں داخلہ نہ ملا تو پھر تو کبھی دیدار میسر ہی نہیں آسکے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے
عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾
جاننے والا

اللہ کا فضل:

یعنی اللہ اور رسول کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی اللہ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے۔ ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی طاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور حقدار فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفاصیل کی وجہ سے وعدہ الٰہی کے پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار:

بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانہ میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں، انکا ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جو نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور نیک کار ہیں۔ میں نے معلوم کرلیا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔

جنت میں ایک دوسرے کا دیدار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکیلے ستارے کو جو مشرق یا مغرب میں ہو، دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا۔ صحابہؓ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرامؑ کے لئے ہی مخصوص ہوں گی، کہ کوئی اور تو وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، اسکی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا اور مانا۔

(ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ) یہ مہربانی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یعنی انعام یافتہ لوگوں کے جیسا اعمال نہ ہونے کے باوجود ان کی رفاقت میسر آجانا اللہ کی مہربانی ہے۔

(وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا) اور اللہ پورا پورا جاننے والا ہے۔

محبت کا مقام:

یعنی اللہ اس رفاقت کے سبب اور انعام یافتہ گروہ کے ساتھ شمول کی وجہ کو خوب جانتا ہے۔ رفاقت کا اصل سبب محبت ہے۔ محب کے اعمال اگر چہ محبوب کے اعمال کی طرح نہ ہوں مگر محبوب کی محبت محبوب کے ساتھ رفاقت کا سبب ہے اور محبت ایک ایسی چیز ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ اعمال لکھنے والے فرشتے بھی واقف نہیں ہوتے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو ایک قوم سے محبت ہے مگر (اس کے ساتھ اس شخص کا شمول نہیں ہوسکتا کیونکہ) وہ (عمل میں) اس قوم کو نہ پہنچ سکا۔ فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔ احمد۔ بخاری۔ مسلم۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی گھڑی کب ہوگی۔ فرمایا ارے تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی صرف اللہ اور اللہ کے رسول سے مجھے محبت ہے۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے، مسلمانوں کو جتنی خوشی یہ الفاظ سن کر ہوئی اتنا خوش اسلام کے بعد میں نے مسلمانوں کو ہوتے نہیں دیکھا۔ صحیح بخاری و مسلم۔

نکتہ: یہ بھی ہوسکتا ہے یہ ذٰلک سے اشارہ انعام یافتہ لوگوں کے مرتبہ کی طرف ہوگا۔ یعنی انعام یافتہ لوگوں کے مرتبہ پر ان کا فائز ہونا محض اللہ کی مہربانی سے ہے۔ ان کے عمل کو اس میں دخل نہیں ہے کیونکہ ان مراتب تک پہنچنا عموماً اللہ کے انتخاب سے ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اعمال درست رکھو (مگر یہ بھی سمجھے رہو کہ کسی کو عمل کی وجہ سے نجات نہیں ملے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو بھی، فرمایا مجھے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و فضل سے ڈھانک لیں گے۔ صحیحین۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا
اے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جُدی جُدی
ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾
فوج ہو کر یا سب اکٹھے

جہاد:

یہاں سے جہاد کا ذکر ہے۔ اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا اس کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے، خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے اس لئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی حضرات انبیاء، صدیقین وغیرہم کی رفاقت اور معیت کی امید نہ کرنے لگے۔

شان نزول:

منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلامی کو قبول کر چکے تھے پھر جب جہاد فرض ہوگیا تو بعض متزلزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہم زبان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبرداری اور احتیاط کرلو، ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے گھر سے باہر نکلو، متفرق طور یا سب اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ
اور تم میں بعضا ایسا ہے کہ البتہ دیر لگاوے گا

منافقوں کی اطلاع:

یعنی اے مسلمانو! تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دنیوی کو تکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جیسے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی کہ یہ لوگ گو ظاہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کو سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا۔ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

مجاہد کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو شخص نکلتا ہے اور محض اللہ پر ایمان اور اللہ کے پیغمبروں کی تصدیق اس کو گھر سے نکالتی ہے (کوئی اور دنیوی غرض اس کے پیش نظر نہیں ہوتی) تو اللہ نے اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ (یا) ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (جنگ سے) لوٹا دوں گا یا جنت میں داخل کر دوں گا۔ ﴿بخاری ومسلم﴾

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے (دن کو) روزہ رکھنے والا (رات کو) عبادت میں کھڑا رہنے والا۔ خشوع وخضوع سے اللہ کا کلام پڑھنے والا، کہ نہ روزہ سے تھکتا ہے نہ نماز سے (یعنی سستی نہیں کرتا)۔ مجاہد کی یہ حالت اس وقت تک رہتی ہے کہ جہاد سے لوٹ آئے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اللہ اس کو مال غنیمت اور ثواب آخرت کے ساتھ لوٹا دے یا اسکو شہادت عطا کرے اور جنت میں داخل فرمادے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

علامہ قرطبیؒ کا قول:

وَإِنَّ مِنْكُمْ الخ۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی خطاب مؤمنین سے ہے، حالانکہ آگے جو صفات بیان کی گئیں ہیں وہ مومنین کی نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں، وہ چونکہ ظاہراً مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس لئے خطاب میں ان کو مومنین کی ایک جماعت کہا گیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے ذیل میں ایک عبرت ناک واقعہ بروایت ابن جریر وابن ابی حاتم عن مجاہد لکھا ہے، کہ پہلی امتوں میں ایک عورت تھی، اس کو جب وضع حمل کا وقت شروع ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، تو اس نے اپنے ملازم کو آگ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ دروازہ سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی ظاہر ہوا اور ان نے پوچھا کہ عورت کیا جنی ہے؟ ملازم نے جواب دیا کہ ایک لڑکی ہے، تو اس آدمی نے کہا کہ یاد رکھئے! یہ لڑکی سو (۱۰۰) مردوں سے زنا کرے گی، اور آخر ایک مکڑی سے مرے گی۔ ملازم یہ سن کر واپس ہوا اور فوراً ایک چھری لے کر اس لڑکی کا پیٹ چاک کر دیا، اور سوچا کہ اب یہ مرگئی ہے تو بھاگ گیا، مگر پیچھے لڑکی کی ماں نے ٹانکے لگا کر اس کا پیٹ جوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہوگئی، اور خوبصورت اتنی تھی کہ اس شہر میں وہ بے مثال تھی، اور اس ملازم نے بھاگ کر سمندر کی راہ لی اور کافی عرصہ تک مال و دولت کماتا رہا، اور پھر شادی کرنے کے لئے واپس شہر آیا، اور یہاں اس کو ایک بڑھیا ملی، تو اس سے ذکر کیا کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے زیادہ خوبصورت اس شہر میں اور کوئی نہ ہو، اس عورت نے کہا کہ فلاں لڑکی سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں ہے۔ آپ اسی سے شادی کرلیں۔ آخر کار کوشش کی اور اس سے شادی کرلی۔ تو اس لڑکی نے مرد سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، لیکن ایک لڑکی کا میں پیٹ چاک کر کے بھاگ گیا تھا، پھر اس نے پورا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر وہ بولی کہ وہ لڑکی میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا پیٹ دکھایا، جس پر نشان موجود تھا۔ یہ دیکھ کر اس مرد نے کہا کہ اگر تو وہی عورت ہے تو تیرے متعلق دو باتیں بتلاتا ہوں۔ ایک یہ کہ تو سو مردوں سے زنا کرے گی۔ اس پر عورت نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ سے ایسا ہوا ہے، لیکن تعداد یاد نہیں۔ مرد نے کہا تعداد سو (۱۰۰) ہے، دوسری بات یہ کہ تو مکڑی سے مرے گی۔

مرد نے اس کے لئے ایک عالی شان محل تیار کرایا، جس میں مکڑی کے جالے کا نام تک نہ تھا۔ ایک دن اسی میں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی۔ عورت بولی کیا مکڑی ہی ہے جس سے تو مجھے ڈراتا ہے؟ مرد نے کہا ہاں! اس پر وہ فوراً اٹھی اور کہا کہ اس کو تو میں فوراً مار دوں گی۔ یہ کہہ کر اس کو نیچے گرایا اور پاؤں سے مسل کر ہلاک کر دیا۔

مکڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کی زہری چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں، جو اس کی موت کا پیغام بن گئی۔ ﴿ابن کثیرؒ، معارف القرآن مفتی صاحب﴾

فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ
پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے

اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا ﴿۷۲﴾

اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ

مومنوں کی تکلیف منافقوں کی خوشی:

پہلے گزر چکا ہے کہ منافق لوگ نکلنے میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں کہ کیا گزری اب فرماتے ہیں کہ جانے کے بعد اگر مسلمانوں کو جہاد میں کوئی صدمہ پہنچ گیا مثلاً مقتول ہوگئے یا شکست پیش آگئی تو منافق بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ ہم لڑائی میں ان کے ساتھ نہ تھے ورنہ ہماری بھی خیر نہ تھی الحمدللہ خوب بچے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُوْلَنَّ

اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح

کَاَنْ لَّمْ تَکُنْۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ مَوَدَّۃٌ

کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی

یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو پاتا بڑی مراد

مومنوں کی فتح پر منافقوں کا حسد:

یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہوگیا مثلاً فتح ہوگئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آگیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبہ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور قلق ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ

سو چاہیے لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں

الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ ؕ وَمَنْ یُّقَاتِلْ

دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ

اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے تو ہم دیں گے

نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾

اس کو بڑا ثواب

مؤمنین کو ترغیب:

یعنی اگر منافق لوگ جہاد سے رکیں تو رکیں اور اپنے نشیب وفراز دنیوی کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں، مگر جو لوگ کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں، ان کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں بے تامل لڑیں اور دنیا کی زندگی اور اس کے مال ودولت پر نظر نہ رکھیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم برداری میں ہر طرح نفع ہے غالب ہوں یا مغلوب مال ملے یا نہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو

مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ۚ وَاجْعَلْ

اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کردے ہمارے

لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کردے ہمارے واسطے

لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾

اپنے پاس سے مددگار

جہاد کی علّت:

یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خلاصی کی وجہ سے۔ مکہ

میں بہت لوگ تھے حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تا کہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ
راہ میں سو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک
الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾
فریب شیطان کا ست ہے

مسلمانوں کی ہمت افزائی:

یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا، اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہئے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے، مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں اور میری والدہ بھی انہی کمزوروں میں تھے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ
کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ تھامے رکھو
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

ہجرت سے پہلے کی پالیسی:

مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے اور ان پر ظلم کرتے تھے مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے تھے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفار سے مقاتلہ کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لڑائی سے روکتے کہ مجھ کو مقاتلہ کا حکم نہیں ہوا بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم ہے اور فرماتے کہ نماز اور زکوٰۃ کا جو حکم تم کو ہو چکا ہے اس کو برابر کئے جاؤ کیونکہ جب تک آدمی اطاعت خداوندی میں اپنے نفس پر جہاد کرنے کا اور تکالیف جسمانی کا خوگر نہ ہو اور اپنے مال خرچ کرنے کا عادی نہ ہو تو اس کو جہاد کرنا اور اپنی جان کا دینا بہت دشوار ہے اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جہاد مع النفس اور جہاد مع الکفار:

اس آیت میں اس امر پر شبہ ہے کہ اپنے قلب اور نفس کی حالت کو درست کرنے کے لئے نفس سے جہاد کرنا۔ کافروں سے جہاد کرنے سے افضل ہے کیونکہ اول جہاد کا مقصد ہے اپنے نفس کی اصلاح اور دوسرے جہاد کی غرض ہے کافروں کی اصلاح اور دنیا کو بگاڑ سے خالی کر دینا (اور ظاہر ہے کہ اپنی ذات کو بگاڑ سے بچانا دوسروں کو خرابی سے بچانے پر مقدم ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کو فرض عینی اور جہاد کو کفار فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ
پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ان میں
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ
ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈر ہو اللہ کا یا
اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی
عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ
لڑائی ہم پر کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک

بعض کمزور لوگ:

یعنی ہجرت کرنے کے بعد جب مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کا حکم ہوا تو ان کو تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی اور مراد ملی مگر بعضے کچے مسلمان کافروں کے مقاتلہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ اور آرزو کرنے لگے کہ تھوڑی

مدت اور بھی قتال کا حکم نہ آتا اور ہم زندہ رہتے تو خوب ہوتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فلما کتب علیھم القتال. پھر جب (مدینہ کو ہجرت ہوئی اور) ان پر (مشرکوں سے) جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو بعض لوگوں پر اس کی تعمیل دشوار ہوگئی اور پست ہمت ہو بیٹھے اور ﴿اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ یک دم ان (طلبگاران جہاد) میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرنا چاہئے تھا۔

آیت کا معنی:

آیت میں مجازی معنی مراد ہے جب بزدلی اور پستی ہمت کی وجہ سے لوگ جہاد سے بیٹھ رہے اور حکم جہاد کی تعمیل چستی کے ساتھ نہیں کی تو اللہ نے فرمادیا یہ لوگ اللہ سے زیادہ بندوں سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ خدا سے زیادہ بندوں سے خوف کرنا اگر واقعۃً ہو تو کفر ہے بلکہ ارتکاب معصیت کی بناء پر کبھی عذاب کی طرف سے غفلت اور مغفرت کی طمع ہوتی ہے باوجودیکہ یقین ہوتا ہے کہ انسانوں کا عذاب اللہ کے عذاب سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ
کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت
خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾
بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگے برابر

دنیوی منافع کی وجہ سے جہاد نہ چھوڑو:

یعنی چونکہ حیات اور منافع دنیوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں سو تم کو چاہئے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب ادنیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

دُنیا میں آنے والی مصیبت نفع سے خالی نہیں:

اگر انسان کافر ہوتا ہے تو اس پر پڑنے والی مصیبت، عذاب آخرت کا دنیا میں اس کے لئے ایک نمونہ بن جاتی ہے اور مومن پر واقع ہونے والی مصیبت اس کے کچھ گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مصیبت مسلمان پر آتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی چبھتا ہے (وہ گناہوں کی سزا کی تخفیف کا ذریعہ ہو جاتا ہے) ﴿متفق علیہ﴾

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دکھ یا بیماری (مسلمان پر آتی) ہے یہاں تک جو کانٹا بھی چبھتا ہے اللہ اس کے ذریعہ سے گناہوں کا اتار کر دیتا ہے۔ ﴿متفق علیہ﴾

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کو جو ٹھوکر لگتی ہے یا اس سے کم و بیش مصیبت آتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور جتنے حصہ گناہ کو اللہ معاف کر دیتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ترمذی ﴿تفسیر مظہری﴾

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ
جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو
فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ
مضبوط قلعوں میں

موت ہر حال میں آنی ہے:

یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ اور مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی۔ کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقاتلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ
اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہیں
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا
یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو پہنچے کچھ برائی تو کہیں
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ
یہ تیری طرف سے ہے

منافقوں کی عجیب حالت:

یعنی ان منافقین کا اور عجیب حال سنو اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آ گیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت ونقصان پیش آ جاتا تو الزام رکھتے آپ کی تدبیر پر۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ

کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے ان

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

لوگوں کا ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات

منافقین کو اجمالی جواب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا الہام ہے۔ تمہارا الزام رکھنا نبی پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر۔ یہ جواب اجمالی ہوا منافقین کے الزام کا اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَمَآ

جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ

پہنچے تجھ کو کوئی برائی، سو تیرے نفس کی طرف سے ہے

تفصیلی جواب:

یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی اور برائی کا موجد ہر چند اللہ ہے مگر بندہ کو چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے، اس کا الزام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ رکھے پیغمبران امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اور سبب تمہارے عمل۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ کافی ہے سامنے دیکھنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب:

حق تعالیٰ رسول سے منافقوں کے الزام کو دور فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول کر کے بھیجا اور ہم کو سب کچھ معلوم ہے ہم سب کے اعمال کا بدلہ دے لیں گے تم کسی کے بے ہودہ انکار و الزام کی پروانہ کرو اپنا کار رسالت کئے جاؤ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ

جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو

تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ ؕ

الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان

آپ کی رسالت کو محقق فرما کر اب خدا تعالیٰ آپ کے متعلق یہ حکم سناتا ہے کہ جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا وہ بیشک ہمارا تابعدار ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گا تو ہم نے تجھ کو اے رسولؐ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کو گناہ نہ کرنے دے ہم ان کو دیکھ لیں گے تیرا کام صرف پیغام پہنچانا ہے آگے ثواب یا عقاب یہ ہمارا کام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ

اور کہتے ہیں کہ قبول ہے پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ

تو مشورہ کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں سے رات کو اس کے خلاف جو تجھ

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

سے کہہ چکے تھے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں سو تو تغافل

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز

منافقین کی ایک اور مکاری:

ان منافقین کی اور مکاری سنو! آپ کے روبرو آ کر تو کہہ جاتے ہیں

ہم نے قبول کیا حکم تیرا اور باہر جا کر مشورہ کرتے ہیں اس کے خلاف یعنی تیری نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کے سب مشورے لکھے جاتے ہیں ان کو سزا دینے کے لئے۔ سوائے نبی! ان سے منہ پھیر لے اور کسی بات کی پرواہ مت کر اور اپنے سب کام اللہ کے حوالے کر دے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ
کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی
عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾
اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت

قرآن کی سچائی:

پہلی آیات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول اللہ ہونا اور ان کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہونی اور ان کے نافرمانوں پر حق تعالیٰ کا عذاب ہونا تو خوب ظاہر ہو گیا مگر منافق اور آپ کے مخالف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی گواہی اور اس کے ارشادات کی تسلیم وتصدیق میں تو ہم کو تامل ہر گز نہیں مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا بنایا ہوا نہیں تو حق تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے جس سے صاف معلوم ہو جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ دیکھو اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو ضرور قرآن میں بہت سے مواقع میں طرح طرح کے اختلافات ملتے۔ دیکھو آدمی ہر حالت میں اسی حالت کے موافق کلام کرتا ہے جو حالت پیش ہوتی ہے۔ دوسری حالت کا دھیان نہیں ہوتا، غصہ میں مہربانی والوں کا دھیان نہیں رہتا اور مہربانی میں غصہ والوں کا، دنیا کے بیان میں آخرت کا لحاظ نہ رہے اور آخرت کے بیان میں دنیا کا۔ بے پروائی میں عنایت کا ذکر نہیں اور عنایت میں بے پروائی کا بالجملہ ایک حال کا کلام دوسرے حال کے کلام سے مختلف نظر آئے گا لیکن قرآن شریف چونکہ خالق کا کلام ہے یہاں ہر چیز کے بیان میں دوسری جانب بھی نظر رہتی ہے۔ غور فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہر مقام میں ایک انداز پر ہے۔ دیکھئے یہاں منافقوں کا مذکور تھا جو سخت عتاب کے مستحق ہیں سو یہاں بھی ان کی باتوں پر اسی قدر الزام ہے جتنا چاہئے اور جو الزام ان کی ایک خاص جماعت پر تھا وہ خاص انہی پر لگایا گیا اور فرمادیا کہ بعضے ان میں سے ایسا کرتے ہیں یہ نہیں کہ غصہ وغیرہ کی حالت میں کلام اپنی حد سے نکل جائے اور دوسری حالت کے کلام سے مختلف نظر آئے اور نیز یہ مطلب بھی ہے کہ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کوئی کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح کوئی غیر فصیح کوئی صحیح کوئی غلط کوئی سچا کوئی کاذب کوئی موافق کوئی باہم متناقض ضرور معلوم ہوتا ہے اور قرآن اتنی بڑی کتاب ان جملہ اختلافات سے پاک ہے، جو طاقت بشر سے باہر ہے۔

فائدہ: اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جو تدبر اور فہم سے کام نہ لے وہ قرآن میں شبہات اور اختلافات کا وہم چلا سکتا ہے مگر فہیم ایسا نہیں کر سکتا۔ دیکھو جو اسی مقام میں تدبر نہ کرے وہ کہہ سکتا ہے کہ اول تو فرمادیا ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ پھر فرمادیا ﴿وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ سو یہ تو تناقض اور اختلاف ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اور جب انکے پاس پہنچی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور
اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ
کر دیتے ہیں

منافقوں کی شرارت:

یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خبر خوفناک سن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو ان کو بلا تحقیق کئے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آجاتا ہے۔ منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شان نزول:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ﴾ ابن عباسؓ، ضحاکؒ اور ابو معاذؒ کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی، اور حضرت حسنؒ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ آیت ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ﴿روح المعانی﴾

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت سے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شان نزول میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی حدیث کو

ذکر کرنا چاہئے، وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو آپنے سنا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپؓ نے کہا کہ اس خبر کی تحقیق کرنی چاہئے۔ چنانچہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی، جو آپ لوگ کہہ رہے ہیں غلط ہے، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی، (وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ) ...... الخ۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

بے تحقیق باتیں اڑانا گناہ ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا، کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ۔ یعنی "کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے۔"

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَنْ حَدَّثَ بِحَدِیْثٍ وَّھُوَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ۔ یعنی "جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹی ہے تو...... دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے۔" ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ
اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ
تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی

یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہئے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اس کے نائبوں تک جب وہ اس خبر کو تحقیق اور تسلیم کرلیں تو ان کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اس پر عمل کریں۔ فائدہ: حضرت نے ایک شخص کو ایک قوم کے یہاں زکوٰۃ لینے کو بھیجا وہ قوم اس کے استقبال کو باہر نکلی۔ اس نے خیال کیا کہ میرے مارنے کو آئے ہیں۔ لوٹ کر مدینہ میں آگیا اور مشہور کردیا کہ فلاں قوم مرتد ہوگئی۔ تمام شہر میں شہرت ہوگئی۔ آخر کو غلط نکلی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مثبت حکم۔ یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن وحدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا، قیاس نے اس کو اب ظاہر کردیا۔ حکم درحقیقت، کتاب وسنت ہی کا ہے۔ قیاس خدا اور رسولؐ کے پوشیدہ حکم کا مظہر (محض ظاہر کردینے والا) ہے۔ قیاس مثبت حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا۔ عرف عام میں چونکہ قیاس کے معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں، اس لئے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کرلیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے اور اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کو منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لئے ثابت کردینے کا نام قیاس ہے یعنی جس چیز کا حکم کتاب و سنت اور اجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں اس میں یہ غور وفکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے اس مشابہت کی بناء پر غیر منصوص کے لئے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہو وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے، یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا۔ عدالتوں میں ہزار ہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے۔ نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے، بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ ناممکن ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں، بَابُ مَنْ شَبَّہَ اَصْلًا مَعْلُوْمًا بِاَصْلٍ مُّبَیَّنٍ قَدْ بَیَّنَ اللّٰہُ حُکْمَھُمَا یُفْھِمُ السَّائِلَ۔ جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے اور اس بارہ میں امام بخاری نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم۔ مذموم وہ ہے، جس کی کتاب وسنت واجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے کہ جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو۔ حضرات اہل علم فتح الباری جلد تیرہ (۱۳) باب الاقسام کی مراجعت فرمائیں۔ ﴿معارف القرآن کاندھلویؒ﴾

(وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ) اور اگر وہ اس خبر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالہ پر رکھتے۔ یعنی عقلمند صحابہ جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہم کی طرف رجوع کرتے۔ چونکہ یہ جلیل القدر صحابہؓ معاملات میں بصیرت رکھتے تھے اس لئے اس کو اولی الامر فرمایا یا یہ وجہ کہ اکثر اوقات خبر

میں سے امیر بنائے جاتے تھے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کو کوئی حکم دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ لے لیا کرتے تھے یا اولی الامر کہنے کی یہ وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کی اقتداء کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ (زمین والوں میں سے) میرے دو وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ رواہ الترمذی۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکرؓ و عمرؓ۔ رواہ الترمذی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

قیاس واجتہاد اور تقلید ائمہ کا ثبوت:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآنی حیثیت سے نکالے جائیں، کیونکہ اس آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا کہ مسائل جدیدہ کے حل میں اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو ان کی جانب رجوع کرو اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں۔

اس بیان سے چند امور مستفاد ہوئے ہیں:

ایک یہ کہ فقہاء اور علماء کی جانب عدم نص کی صورت میں رجوع کیا جائیگا،

دوسرے یہ کہ احکام اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں جو منصوص اور صریح ہیں اور بعض وہ ہیں جو غیر صریح اور مبہم ہیں۔ جن کو آیات کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھا ہے۔

تیسرے یہ کہ علماء کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایسے معانی کو اجتہاد اور قیاس کے ذریعے استنباط کریں۔

چوتھے یہ کہ عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں۔ (احکام القرآن للجصاص)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی استنباط واستدلال کے مکلف تھے

(لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دلائل کے ذریعہ احکام کے استنباط کے مکلف تھے، اس لئے کہ پہلے آیت میں دو آدمیوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک رسول کریم کی طرف اور دوسرے اولوالامر کی طرف، اس کے بعد فرمایا (لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ) اور یہ حکم عام ہے، جس میں مذکورہ فریقین میں سے کسی کی تخصیص نہیں ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی استنباط احکام کی مکلف تھی۔ ﴿احکام القرآن للجصاص﴾

فائدہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن سے امن اور خوف کے بارے میں تم خود بخود خبریں نہ اڑاؤ، بلکہ جو اہل علم اور ذی رائے ہیں ان کی طرف رجوع کرو، پھر وہ غور و فکر کر کے جو بات بتلائیں اس پر عمل کرو، ظاہر ہے کہ مسائل حوادث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾
تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے مگر تھوڑے

احکام الٰہی پر شکر کرو:

یعنی اگر اپنے فضل سے تمہاری اصلاح اور تربیت کے لئے احکام نہ بھیجتا اور تم کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ہدایت اور تنبیہ نہ فرماتا رہتا جیسا کہ اس موقع پر رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرنے کو فرمایا تو تم گمراہ ہو جاتے مگر چند خواص جو کامل العقل اور کامل الایمان ہیں ان تنبیہات کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو اور شکر کرو اور پوری تعمیل کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا
سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر
نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ
اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ
اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
اللہ بند کردے لڑائی کافروں کی

جہاد کی تاکید:

یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے یہ منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گزرا ڈرتے ہیں تو اے رسول تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کر دے جو ساتھ نہ دے اس کی پرواہ مت کر۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا۔

غزوۂ بدر دوم:

فائدہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کل ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے غزوہ احد کے بعد ہوا تھا جس کا ذکر پہلی سورت میں گزر چکا ہے۔ حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ ہمراہیوں سمیت خیر سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فرستادہ خاص پروردگار رسانندہ حجت استوار
گرامی تر از آدمی زادگان گرامی تر تاج آزادگان

جہاد میں ٹال مٹول کرنے والوں کے بزدلانہ مقولہ کا ذکر اوپر ہو چکا اب مندرجہ ذیل آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا جاتا ہے خواہ آپ تنہا ہی ہوں کوئی بھی ساتھ نہ دے اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے خواہ سب بیٹھ رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں اور صراحت کر دی گئی ہے کہ کسی کا مدد نہ کرنا آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا ان کے فعل کا مواخذہ آپ سے نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم:

ابن سعدؒ نے حضرت خالدؓ بن معدان کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب لوگوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے اگر سب نہ مانیں تو میری بعثت عرب کے لئے ہوگی وہ بھی نہ مانیں تو فارس کے لئے ہوگی اور وہ بھی انکار کر دیں تو (صرف) بنی ہاشم کے لئے ہوگی اور بنی ہاشم بھی نہ مانیں تو میری رسالت تنہا میرے لئے ہوگی۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

شانِ نزول:

جب غزوہ احد شوال میں ہو چکا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ میں کفار کے وعدہ کے موافق بدر میں مقابلہ کے لئے جانا چاہا (جس کو مؤرخین بدر صغریٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں) اس وقت بعض لوگوں نے تازہ زخمی ہونے کی وجہ سے اور بعض نے افواہی خبروں کی وجہ سے جانے میں کچھ تامل کیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی کہ اگر کچے مسلمان لڑائی سے ڈرتے ہیں تو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کرو، اللہ تمہارا مددگار ہے۔ اس ہدایت کو پاتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر (۷۰) ہمراہیوں کیساتھ بدر صغریٰ کو تشریف لے گئے، جس کا وعدہ ابوسفیان کے ساتھ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وہ اپنے وعدے سے جھوٹے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ ﴿قرطبی﴾

قرآنی احکام کا حسن اسلوب:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔۔۔ الخ اس آیت کے پہلے جملہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا جہاد و قتال کے لئے تیار ہو جایئے، کوئی دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو یا نہ ہو، مگر ساتھ ہی دوسرے جملہ میں یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ دوسرے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کا کام بھی چھوڑیں نہیں، ترغیب کے بعد بھی وہ تیار نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے، ان کے فعل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز پرس نہ ہوگی۔

اسی کے ساتھ تن تنہا جنگ کرنے میں جو خطرہ ہوسکتا تھا اس کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے، اور ان کو مرعوب و مغلوب کر دے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا ہی کامیاب کر دے۔ ﴿معارف القرآن مفتی صاحبؒ﴾

وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ﴿۸۴﴾
اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں

اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور ان کو مارنے اور ان کے ہاتھ سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کر سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ
جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے گا اس میں سے

مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ
ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی ہے
لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ
ایک بوجھ ہے اس میں سے

سفارش:

یعنی اگر کوئی نیک کام میں سعی سفارش کرے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں ساعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولتمند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہوگا اور جو کوئی کافر مفسد یا سارق کو سفارش کر کے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہوگا فساد اور چوری میں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اس سفارش پر رشوت مالی یا جانی نہ لی جائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں بھی نہ ہو، نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کے لئے نہ ہو جن کی سزا قرآن میں معین و مقرر ہے۔

تفسیر بحر محیط اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ میں داخل ہے، اور دعا کرنے والے کو بھی اجر ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے کوئی دعا خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے "ولک بمثل"، یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی حاجت پوری فرمائیں۔

اور تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رزق و روزی کی تقسیم کا تو اللہ تعالیٰ خود متکفل ہے، جتنا کسی کے لئے لکھ دیا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا، کسی کی سفارش کرنے سے وہ مجبور نہیں ہو جائے گا، بلکہ جس کو جتنی چاہے روزی عطا فرمائے گا۔ البتہ سفارش کرنے والے کو مفت میں ثواب مل جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور کی اعانت ہے۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كَانَ اللّٰهُ فِيْ عَوْنِ عَبْدِهٖ مَادَامَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ.

"یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی امداد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔"

﴿معارف القرآن مفتی صاحبؒ﴾

مؤمن کو قتل کرنے کی سزا:

(يَكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا) اس کے لئے بری سفارش کے گناہ کا ایک حصہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مومن کو قتل کرنے کی اعانت میں آدھا لفظ بھی زبان سے نکالا جب اللہ کے سامنے جائے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا، یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

سفارش کرو ثواب کماؤ:

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص کچھ مانگنے یا کسی اور کام کے لئے حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو کر فرماتے، سفارش کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو (الفاظ) چاہے گا جاری فرما دے گا۔ مسلم و بخاری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ خیر کا راستہ بتانے والا بھی بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔ (رواہ البزار عن ابن مسعودؓ) یہ روایت طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سہل بن سعد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾
اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا

یعنی خدا تعالیٰ تمام چیزوں پر قادر اور ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے، نیکی اور بدی کے حصہ دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ
اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر
اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا ﴿۸۶﴾
یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا

اچھی سفارش کی ایک صورت:

یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص صورت کو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم کو بھی اس کا جواب دینا ضرور چاہئے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا، السلام علیکم تو واجب

ہے تم پر کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو اور زیادہ ثواب چاہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم ''وبرکاتہ'' زیادہ کرو۔ اللہ کے یہاں ہر ہر چیز کا حساب ہوگا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آ گیا۔ فائدہ: اس سے شفاعت حسنہ کی پوری ترغیب ہو گئی اور شفاعت سیئہ کی خرابی اور مضرت معلوم ہوگئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرما دیا بخلاف شفاعت سیئہ کے کہ بجز معصیت اور محرومی کے کچھ نہ ملے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سوار، پیدل چھوٹے، بڑے کا سلام:

سوار پیدل کو پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے بہت کو سلام کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ صحیحین میں آئے ہیں لیکن بخاری نے اتنا اور بھی نقل کیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

لڑکوں اور عورتوں کو سلام:

لڑکوں اور عورتوں کو (بھی) سلام کیا جائے کیونکہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کی طرف سے گزرے اور ان کو سلام کیا۔ بخاری و مسلم۔ حضرت جریرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی طرف سے گزرے اور ان کو سلام کیا۔ رواہ احمد۔ فتاوی الغرائب میں مذکور ہے کہ جوان (اجنبی) عورت اور امرد لڑکے کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ خود سلام کریں تو جواب دینا واجب نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حکم فتنہ کے اندیشہ کے وقت ہے۔

گھر والے کا سلام:

گھر والا گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے تو اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کر، تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

خالی گھر کا سلام:

اگر خالی گھر میں داخل ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ فرشتے سلام کا جواب دینگے۔ کذا فی الشرعۃ۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفسر کے نزدیک آیت میں بیوتاً سے خالی مکان اور (اَنْفُسِكُمْ) سے خود اپنی ذات مراد ہے۔ اللہ اعلم)

کلام سے پہلے سلام:

کلام کرنے سے پہلے سلام کرنا مسنون ہے۔ حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے، اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

ہر سامنے پر سلام:

مسلمان بھائی کو ہر مرتبہ سامنا ہونے پر سلام کرنا مسنون ہے۔ اگر سلام کرنے کے بعد درخت یا دیوار کی آڑ ہو جائے اور پھر سامنا ہو جائے تو از سر نو سلام کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے (سلام کے بعد) اگر کسی درخت یا کسی دیوار کی دونوں کے درمیان آڑ ہو جائے اور پھر سامنا ہو تو پھر سلام کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

رخصت کے وقت سلام:

رخصت کے وقت سلام کرنا مسنون ہے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو پھر وہاں سے نکلو تو سلام کر کے رخصت ہو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلاً۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کسی مجلس پر پہنچے تو سلام کرے پھر اگر بیٹھنا ہو تو بیٹھ جائے لیکن اٹھتے وقت پھر سلام کرے۔ اول سلام دوسرے سلام سے زیادہ ضروری نہیں ہے۔ (یعنی اول کی طرح دوسرا سلام بھی ضروری ہے) رواہ الترمذی وابوداؤد۔

کسی کا سلام پہنچانا:

اگر کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو جس کو سلام پہنچایا ہو وہ کہے عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ غالب نے اپنے باپ کی وساطت سے دادا کا مقولہ نقل کیا ہے کہ مجھے میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر میرا سلام کہہ دیجئے (میں نے حاضر ہو کر سلام پہنچا دیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام ہو۔ رواہ ابوداؤد

کافروں کو سلام:

مسئلہ کافروں کو ابتداء سلام کرنا ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں کو اول سلام نہ کرو۔ اگر راستہ میں مل جائیں تو ان کو تنگ راستہ میں چلنے کے لئے مجبور کرو (یعنی خود کشادہ راستہ پر چلو) رواہ مسلم۔ اگر جماعت میں مسلمان اور بت پرست مشرک اور

یہودی ملے جلے ہوں تو ان کو سلام کیا جائے۔ شیخین نے حضرت اسامہؓ بن زید کی مرفوع حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے لیکن سلام کرتے وقت نیت مسلمان کو سلام کرنے کی ہوتا کہ کافر کو ابتدائی سلام نہ ہو۔

ذمی کافر کا سلام:

ذمی کافروں کے سلام کا جواب دینے میں کوئی ہرج نہیں مگر صرف و علیک کہے، اس سے زیادہ نہ کہے کیونکہ حضرت انسؓ کی روایت سے شیخین نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو وعلیکم کہدو۔

نماز اور خطبہ میں سلام:

نماز اور خطبہ کے اندر سلام کا جواب دینا جائز نہیں۔ اگر دے دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ بلند آواز سے قرآن پڑھتے وقت، حدیث نقل کرتے وقت، علمی مذاکرہ کے وقت اذان اور اقامت کہتے وقت سلام کا جواب دینا واجب نہیں، صرف جائز ہے۔

مؤمن کے چھ حق:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے مومن پر چھ حق ہیں اگر بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کو جائے، مر جائے تو جنازہ میں شرکت کرے، دعوت کرے تو قبول کرے، ملاقات کے وقت سلام کرے، اس کو چھینک آجائے تو دعا دے۔ حاضر غائب اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی۔ ترمذی اور دارمی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت میں خیر خواہی کرنے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ چھٹے نمبر پر ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے پسند کرے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

راستہ کا حق:

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سر راہ بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ ہم نے عرض کیا ہماری تو بیٹھکیں ہی سر راہ ہیں، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے پر مجبور ہیں۔ فرمایا اگر وہاں بیٹھے بغیر نہیں رہ سکتے تو راستہ کا حق ادا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ کا کیا حق ہے۔ فرمایا آنکھ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، متفق علیہ۔ اسی قصہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے اور راستہ بتانا۔ رواہ ابوداؤد۔

اسی قصہ میں حضرت عمرؓ کی روایت سے آیا ہے اور مصیبت زدہ کی مدد کرو اور بھٹکے ہوئے کو راستہ بتاؤ۔ رواہ ابوداؤد۔

سلام کی تکمیل:

سلام کی تکمیل مصافحہ اور معانقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باہم سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔ رواہ احمد والترمذی عن ابی امامۃؓ۔

حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، آپ نے مجھ سے مصافحہ ضرور کیا۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلانے کو میرے گھر کسی کو بھیجا۔ میں گھر پر موجود نہ تھا۔ گھر آکر مجھے اطلاع ملی میں فوراً خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما تھے۔ مجھے چمٹا لیا اور یہ معانقہ بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ رواہ ابوداؤد

شعبی کا بیان ہے کہ جعفر بن ابی طالب (جب سفر سے) واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا اور ان کو چمٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ رواہ ابو داؤد والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً لیکن شرح السنۃ میں بیاضی کی روایت سے یہ حدیث متصلاً آئی ہے۔

شرح السنۃ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا استقبال کیا اور معانقہ فرمایا۔

سعید بن منصور اور بن ابی حاتم نے حضرت سعد بن معاذ کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی اور فرمایا جو شخص مجھے دکھ پہنچا رہا ہے اور اپنے گھر میں ایسے لوگوں کو جمع کرتا ہے جو مجھے ایذا دیتے ہیں، میری حمایت میں ان سے نمٹنے کے لئے کون تیار ہے؟ سعد بن معاذ نے کہا اگر وہ شخص قبیلہ اوس میں سے ہے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔ یہ سن کر سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ابن معاذؓ! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طاعت نہیں ہے کیونکہ تم جانتے ہو کہ وہ شخص تم میں سے نہیں ہے۔ اس پر اسید بن حضیر نے کھڑے ہو کر کہا اے ابن عبادہ تو منافق ہے، منافق سے تجھے محبت ہے۔ یہ اختلاف دیکھ کر محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر کہا لوگو خاموش ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود ہیں وہ ہم کو جو حکم دیں ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ «تفسیر مظہری»

آدمؑ کا سلام

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو فرشتوں کی ایک جماعت جو وہاں بیٹھی تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم کو حکم دیا کہ اس جماعت کو جا کر سلام کرو، اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔ آدمؑ نے ان کے پاس جا کر کہا السلام علیکم! انہوں نے جواب دیا علیک السلام ورحمۃ اللہ تو فرشتوں نے حضرت آدمؑ کے جواب میں لفظ ورحمۃ اللہ زیادہ کیا۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

سلام اور اسلام:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾ ۔۔۔ الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور اس کے جواب کے آداب بتلائے ہیں۔

لفظ تحیہ کی تشریح اور اس کا تاریخی پہلو: تحیہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو "حَيَّاکَ اللہ" کہنا یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے، قبل از اسلام عرب کی عادت تھی، کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو "حَيَّاکَ اللّٰه" یا "اَنْعَمَ اللّٰه بِکَ عَيْنًا" یا "اَنْعِمْ صَبَاحاً" وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر "السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری کیا۔

اگر اس طریقہ کو سمجھ کر اختیار کیا جائے تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا، اور اس کے فضائل و برکات اور اجر و ثواب بیان فرمائے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو، اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کر لو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کیلئے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو کھانا کھلا دو، اور سلام کو عام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔ ﴿صحیحین﴾

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابو امامہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے۔

مسند بزار اور معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے، اس لئے تم آپس میں سلام کو عام کرو، کیونکہ مسلمان آدمی جب کسی مجلس میں جاتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے تو اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا ایک بلند مقام حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اس نے سب کو سلام، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد دلائی، اگر مجلس والوں نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا تو ایسے لوگ اس کو جواب دیں گے جو اس مجلس والوں سے بہتر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بڑا بخیل وہ آدمی ہے جو سلام میں بخل کرے۔ ﴿طبرانی معجم کبیر عن ابی ہریرۃؓ﴾

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا صحابہ کرامؓ پر جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر بازار میں صرف اس لئے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے اس کو سلام کر کے عبادت کا ثواب حاصل کریں، کچھ خریدنا یا فروخت کرنا مقصود نہ ہوتا تھا۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔

اور سلام کی تاکید اور فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ابھی آپ سن چکے ہیں، ان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً سلام کرنا بھی سنت مؤکدہ سے کم نہیں۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ابتدائی سلام تو اکثر علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا اَلسَّلَامُ تَطَوُّعٌ وَالرَّدُّ فَرِيْضَةٌ۔ یعنی ابتداء سلام کرنے میں تو اختیار ہے، لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم قرآنی کی مزید تشریح کے طور پر سلام اور جواب سلام کے متعلق اور بھی کچھ تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ بھی مختصر طور پر سن لیجئے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سواری پر ہو اس کو چاہئے کہ پیادہ چلنے والے کو خود سلام کرے جو چل رہا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو لوگ تعداد میں قلیل ہوں وہ کسی بڑی جماعت پر گزریں تو ان کو چاہئے کہ سلام کی ابتداء کریں۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو

اپنے گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے لیے بھی برکت ہوگی، اور اس کے گھر والوں کے لئے بھی۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہئے۔ اور جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے۔ ترمذی

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو جمع کریگا قیامت
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ
کے دن اس میں کچھ شبہ نہیں اور اللہ سے سچی
مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾
کس کی بات

قیامت کا اجتماع یقینی ہے:

یعنی قیامت کا آنا اور ثواب وعقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سب سچ ہے اس میں تخلف نہیں ہوگا ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ
پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو رہے ہو اور اللہ
اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا
نے ان کو الٹ دیا بسبب ان کے اعمال کے کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ
لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ ہرگز نہ پاویگا
تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾
تو اس کیلئے کوئی راہ

منافقوں کی تدبیر اور مسلمانوں کی مختلف آراء:

ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے، دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہئے تا کہ ہم سے جدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ان سے ملے جایئے شاید ایمان لے آئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے، تم اس کا ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہئے جو آئندہ مذکور ہے، دو فریق مت بنو۔ (تفسیر عثمانی)

کلبی نے ابوصالح کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا قول کیا ہے کہ یہ لوگ بنی اسد اور بنی غطفان کے اشخاص تھے، مدینہ میں آ کر رہنے لگے تھے۔ دکھاوٹ کے لئے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے مگر واقع میں مسلمان نہ تھے جب ان میں سے کسی سے اس کی قوم والے کہتے تھے کہ تو کیوں مسلمان ہو گیا تو جواب دیتا میں اس بندر اور بچھو پر ایمان لایا ہوں (یعنی بندر اور بچھو سے امن پانے کے لئے ایمان لایا ہوں) لیکن جب صحابہؓ سے اس کی ملاقات ہوتی تو کہتا میں آپ لوگوں کے دین پر ہوں۔ اس دوغلے پن سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے بے خطرہ ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ
چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب
سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى
برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ یہاں تک کہ
يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا
وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر اس کو قبول نہ
فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
کریں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ
وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾
اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار

منافقوں کے بارے میں حکم:

یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا

قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ۔ سو اب تم کو چاہئے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک ان کو دوست نہ بناؤ، نہ اپنے کسی کام میں ان کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو ان کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاوقتیکہ (خالص مومن ہو کر محض ثواب کی امید پر بغیر کسی دنیوی لالچ کے وہ تمہارے ساتھ مل کر) اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔

ہجرت کی قسمیں:

عکرمہ کا قول ہے کہ ہجرت تین طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) وہ ہجرت جو آغاز اسلام میں مسلمانوں نے کی تھی

(۲) مجاہدوں کی ہجرت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ثواب کی امید کے زیر اثر جہاد کے لئے نکلنا۔

(۳) باقی مسلمانوں کا تمام ممنوعات الٰہیہ کو ترک کر دینا۔

سراقہ بن مالک مدلجی کہتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہے کہ خالدؓ بن ولید کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشمالی کے لئے روانہ فرمائیں۔ تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کہنے دو۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ ان سے صلح کرلیں۔ اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپؐ چڑھائی نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کرآؤ۔ پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں، اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ
مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں
وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ
عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ
صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ
تنگ ہو گئے ہیں دل ان کے تمہاری لڑائی سے اور اپنی قوم کی لڑائی
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ
سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دے دیتا تو ضرور لڑتے
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا
تم سے سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ
تم پر صلح تو اللہ نے نہیں دی تم کو
سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾
ان پر راہ

منافقوں کیلئے تحفظِ جان کی دو صورتیں:

یعنی اس ظاہری ملنے جلنے سے ان کو قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے ان سے ان کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرف دار ہو کر تم سے لڑینگے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم بھی رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور انکی مصالحت کو منظور کرلو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اللہ چاہتا تو ان کو تم پر جری اور غالب کر دیتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عیاش بن ربیعہ کا واقعہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ عیاش بن ربیعہ مخزومی (ابو جہل کا ماں جایا بھائی) ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا، لیکن پھر اس کو اندیشہ ہوا کہ گھر والوں سے میرا مسلمان ہو جانا

مخفی نہیں رہے گا اس لئے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر ایک گڑھی میں قلعہ بند ہو گیا۔ عیاش کے جانے سے ماں کو بڑی بے تابی ہوئی اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوجہل اور حارث سے (جو ہشام کے نطفے سے تھے) کہا اللہ کی قسم جب تک تم عیاش کو نہ لاؤ گے میں نہ کسی چھت کے سایہ میں جاؤں گی نہ کھانا چکھوں گی، نہ پانی۔ ماں کی قسم سن کر دونوں عیاش کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور حارث بن زید بن ابی انیسہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ عیاش کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ گڑھی میں پہاڑی پر قلعہ بند ہے اس سے کہا تم نیچے آ جاؤ تمہارے بعد تمہاری ماں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تم نہ پہنچ جاؤ گے وہ چھت کے سائے میں نہ جائے گی اور نہ کچھ کھائے گی، نہ پیئے گی۔ اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کریں گے نہ تمہارے مذہب سے تم کو روکیں گے۔ جب ان لوگوں نے ماں کی بے تابی کا تذکرہ کیا اور اللہ کی قسمیں کھائیں تو عیاش گڑھی سے اتر آیا۔ یہ لوگ اس کو مدینہ سے نکال کر لے چلے پھر اس کو نواڑ سے باندھ دیا اور ہر ایک نے سو سو تسمے اس کے مارے اور لے جا کر ماں کے پاس پہنچا دیا۔ ماں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم میں تیری بندش اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک تو اس چیز کا انکار نہ کر دے گا جس پر ایمان لایا ہے۔ پھر (بیچارے کو) یونہی بندھا ہوا دھوپ میں ڈال دیا اور جب تک اللہ کی مشیت تھی وہ پڑا رہا۔ آخر کار جو بات وہ لوگ چاہتے تھے عیاش نے (بظاہر) وہی کر دی (اور عیاش کو کھول دیا گیا) اتنے میں حارث بن زید آ گیا اور بولا عیاش کیا یہی وہ بات تھی جو تو نے اختیار کی تھی (یعنی بس تیرے ایمان کے یہی کس بل تھے کہ ذرا سی تکلیف سے اپنا خیال چھوڑ بیٹھا) خدا کی قسم جس بات کو تو نے اختیار کیا تھا اگر وہ ہدایت تھی تو تو نے ہدایت چھوڑ دی اور اگر وہ گمراہی تھی تو اب تک گمراہی پر تھا۔ عیاش کو اس کی بات پر غصہ آ گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم اگر تنہائی میں تو میرے ہاتھ لگ گیا تو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

کچھ مدت کے بعد عیاش پھر مسلمان ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چلا گیا۔

عیاش کے کچھ زمانہ کے بعد حارث بن زید بھی مسلمان ہو گیا، اور ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حارث کے پہنچنے کے وقت عیاش وہاں موجود نہ تھا، نہ اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی۔ ایک روز عیاش قبا کے باہر جا رہا تھا کہ سامنے سے حارث آ گیا اور عیاش نے حارث کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا ارے تو نے یہ کیا کیا۔ حارث تو مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ سنتے ہی عیاشؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا اور حارث کا یہ واقعہ ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقف ہیں کہ مجھے اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا اور اسی لاعلمی میں میں نے اسے مار ڈالا۔ (تفسیر مظہری)

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ

اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم

وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ

سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد

اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا

کی طرف تو اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ

رہیں اور نہ پیش کریں تم پر صلح اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ

اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

ہم نے تم کو دی ہے کھلی سند

بدعہد لوگ:

یعنی بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے، تا کہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں، لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تم بھی درگزر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آ گئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں، اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے یہ خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے۔ (صحیحین)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا

اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے

قتل خطا کے احکام:

اس موقع پر قتل خطا کے احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور یہ کہ کلمہ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ہاں اگر غلطی سے مارا گیا تو مجبوری کی بات ہے اور اس کے احکام یہ ہیں اور اسی کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت اور دار کفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت بیان فرمائی جاتی ہے۔ فائدہ: قتل خطا یعنی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دینے کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً غلطی سے مسلمان کو شکار سمجھ کر مار ڈالا یا تیر اور گولی شکار پر چلائی چوک کر کسی مسلمان کے جا لگی۔ ایک صورت قتل خطا کی یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کافروں میں ہو اور اس کو کوئی مسلمان کافر سمجھ کر بوجہ لاعلمی قتل کر ڈالے اور یہاں اسی صورت کا بیان فرمانا مقصود ہے۔ مجاہدین کو یہ بات اکثر پیش آجاتی ہے اور آیات سابقہ کے یہی مناسب ہے، گو قتل خطا کی اور صورتوں کا بھی حکم یہی ہے وہ صورتیں بھی اس میں آگئیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن

مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ

ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو

اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ

مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ

تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

کی اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے گردن

مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

جاننے والا حکمت والا ہے

قتل خطا کا کفارہ اور تدارک:

اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتلائے گئے ایک تو آزاد کرنا بردہ مسلمان کا اور اس کا مقدور نہ ہو تو دو مہینے متصل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی خطا کا دوسرے اس مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے۔ ان کے معاف کرنے سے معاف بھی ہوسکتا ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا۔ اس کے متعلق تین صورتیں ہوسکتی ہیں، کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہونگے یا کافر۔ اگر کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی۔ اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں خون بہا لازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا۔

خون بہا کی رقم:

فائدہ: خون بہا مذہب حنفی میں تخمیناً دو ہزار سات سو چالیس روپے ہوتے ہیں۔ یہ روپیہ قاتل کی برادری کو تین برس میں متفرق طور دینا ہوگا مقتول کے وارثوں کو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قتل خطا کی دو صورتیں:

(۱) دوسرا قتل خطا یہ ہے کہ نشانہ چوک جائے۔ مار رہا ہو شکار سمجھ کر اور ہو وہ آدمی۔ یا مار رہا ہو کسی کو کافر حربی سمجھ کر اور نکلے وہ مسلمان۔ (۲) فعل میں چوک جائے، مار رہا ہو نشانہ پر اور لگ جائے کسی مسلمان کے (۳) قائم مقام خطا (یعنی غلطی بھی نہیں ہے بلکہ غلطی جیسی حرکت ہے) جیسے کوئی شخص سو رہا ہو۔ سوتے میں کروٹ لے اور کسی مسلمان کے اوپر گر پڑے اور وہ مر جائے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے

خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ

پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾

اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب

جان بوجھ کر مؤمن کا قتل:

یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کے لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہوگی۔ باقی رہی دنیوی سزا وہ سورہ بقر میں گزر چکی۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزا کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مؤمن کا قتل کب جائز ہوتا ہے:

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں، مگر تین حالتوں میں۔ ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے فرقت کرنے والا۔

ایک باندی کا واقعہ:

ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اور کہتے ہیں میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آزاد کردو۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا واقعہ:

صحیح بخاری شریف میں ہے بنوخزیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا۔ انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے دعوت تو قبول کرلی لیکن بوجہ ناواقفی بجائے "اسلمنا" یعنی ہم مسلمان ہوئے کے، "صبانا" کہا، یعنی ہم بے دین ہوئے۔ خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کی یا اللہ! خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور برأت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔

مؤمن کے قتل کی مذمت:

مسلم و بخاری میں ہے سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ابوداؤد میں ہے ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے۔ اگر ایسا کرلیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ساری دنیا کا زوال خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے، اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ اور حدیث میں ہے جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص خدا کی رحمت سے محروم ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

قتل کی تین قسمیں اور ان کا شرعی حکم:

پہلی قسم: عمد: جو ظاہراً قصد سے ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو، جیسے دھار والا بانس یا دھار والا پتھر وغیرہ۔

دوسری قسم: شبہ عمد: جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو۔

تیسری قسم: خطاء: یا تو قصد وظن میں کہ دور سے آدمی کو شکاری جانور یا کافر حربی سمجھ کر نشانہ لگا دیا یا فعل میں کہ نشانہ تو جانور ہی کو لگایا لیکن آدمی کو جا لگا۔ اس میں خطاء سے مراد غیر عمد ہے۔ پس دوسری تیسری دونوں قسمیں اس میں آ گئیں۔ دونوں میں دیت بھی ہے اور گناہ بھی ہے، مگر ان دونوں امر میں دونوں قسمیں متفاوت ہیں۔ دیت دوسری قسم کی سو (۱۰۰) اونٹ ہیں، چار قسم کے، یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس، اور دیت تیسری قسم کی سو (۱۰۰) اونٹ ہیں، پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے

بیس بیس، البتہ اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں، اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے بوجہ قصد کے، اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذافی الہدایۃ) ۔ چنانچہ تحریر رقبہ کا وجوب و نیز لفظ توبہ بھی اس پر دال ہے اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے، اور گناہ کے اعتبار سے عمد و غیر عمد ہونا، اس مقدار کا قلبی قصد وارادہ پر ہے جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے وہ خدا کو معلوم ہے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہو جاوے اور قسم ثانی عمد ہو جاوے۔

مسئلہ: یہ مقدار مذکور دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو اس کی نصف ہے (کذافی الہدایۃ)

مسئلہ: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے۔

مسئلہ: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے، اور دیت قاتل کے اہل نصرت پر ہے، جن کو شرع کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ ﴿بیان القرآن﴾

قاتل کے ورثاء پر دیت کی حکمت:

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں؟ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصور وار ہوتے ہیں، کہ انہوں نے اس کو اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی اور جو اپنا حصہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائے گی، اور اگر سب نے معاف کر دیا، سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہے۔ لفظ رقبہ عام ہے، البتہ ان کے اعضاء سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی، کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔ ﴿بیان القرآن﴾

مسئلہ: اہل میثاق (ذمی یا مستأمن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستأمن کے اہل موجود ہوں اور اگر اس کے اہل نہ ہوں، یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث ہو نہیں سکتا۔ اس لئے وہ بجائے نہ ہونے کے ہے، تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی، کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے، بیت المال میں آتا ہے، (کمافی الدر المختار)، ورنہ واجب نہ ہوگی۔ ﴿بیان القرآن﴾

مسئلہ: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہئے۔

﴿بیان القرآن، معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان:

سالم بن ابوالجعدؒ فرماتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ جب نابینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا، اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا اس پر غضب ہے، اس پر خدا کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے۔ اس نے پھر پوچھا اگر وہ توبہ کرے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کی ماں اسے روئے جس نے مؤمن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے۔ وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا۔ اس کی رگوں میں سے خون اچھل رہا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ خدایا اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری۔ اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی اترے گی۔

جان بوجھ کر قتل کرنیوالے کے متعلق احادیث:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے باہمی خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿متفق علیہ﴾

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ فرمایا کسی کو اللہ کی مثل قرار دینا باوجودیکہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ سائل نے عرض کیا اس کے بعد۔ فرمایا اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے مار ڈالنا کہ وہ تیرے کھانے میں شریک

ہو جائے گی، الی آخر الحدیث۔ ﴿رواہ الشیخان﴾

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے۔ مومن جب قتل کرتا ہے تو بحالت ایمان قتل نہیں کرتا۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ساری) دنیا کا ٹل جانا اللہ کے نزدیک ایک مرد مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ ﴿رواہ الترمذی والنسائی﴾

ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کی ہے۔ نسائی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا قتل دنیا کے ٹل جانے سے بھی بڑا ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (تمام) آسمان وزمین والے مومن کے خون شریک ہو جائیں تو اللہ ان سب کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینک دے گا۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کا بیان ہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں تو کیسا پاکیزہ ہے تیری خوشبو کیسی لطیف ہے تو کیسا عالی قدر ہے اور تیری حرمت کیسی عظیم الشان ہے (لیکن) قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے مال وجان کی حرمت تیری حرمت سے بڑی ہے۔ ﴿رواہ ابن ماجہ﴾

مرداس بن نہیک کا واقعہ:

بغوی نے کلبی کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ مقتول مسلمان تھا۔ فدک کا باشندہ تھا اور اس کا نام مرداس بن نہیک تھا۔ مگر اس کی قوم والے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب قوم والوں نے اسلامی کمپنی کی آمد کی خبر سنی تو سب بھاگ گئے، مگر مرداس چونکہ مسلمان تھا اس لئے وہیں مقیم رہا۔ جب سواروں کو دیکھا تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے علاوہ کہیں اور کوئی نہ ہوں۔ اس لئے اس نے اپنی بکریاں تو پہاڑ کے کسی محفوظ مقام میں پہنچا دیں اور خود پہاڑ پر چڑھ گیا۔ جب سوار آہی پہنچے اور مرداس نے ان کی تکبیر کی آواز سنی تو پہچان گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں، فوراً کلمہ پڑھتا ہوا نیچے اتر آیا اور کہا السلام علیکم! لیکن حضرت اسامہؓ بن زید نے اس پر تلوار چھوڑ دی اور قتل کر دیا اور بکریاں ہنکا کر لے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹے (اور واقعہ کی اطلاع دی) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہلے ہی مل چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت سے بڑا رنج ہوا تھا۔ اس لئے فرمایا تم نے اسکے مال کے لالچ میں اس کو مار ڈالا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعاء مغفرت کر دیجئے۔ فرمایا، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کیا ہوگا (یعنی اس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا اور تم نے اس کو قتل کر دیا۔ اب میں کیسے دعا کر سکتا ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین بار فرمایا۔ حضرت اسامہؓ کا بیان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا (آج ہی اسلام لاتا تو گزشتہ جرم مجھ پر عائد نہ ہوتا کیونکہ اسلام سے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔ آخر تین مرتبہ (انکار) کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے دعاء مغفرت کر دی اور فرمایا ایک بردہ آزاد کر دے۔ رواہ الثعلبی من طریق الکلبی۔

لیکن ابوظبیانؒ کی روایت ہے کہ حضرت اسامہؓ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے تو ہتھیار سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ
تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے سلام
السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ
علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں تم چاہتے ہو اسباب
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ
دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں

سببِ نزول:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال واسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے اس کو مار ڈالا اور

اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو، بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو۔ اللہ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

(فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ) پس اس کا کفارہ کسی مسلمان بردہ کو آزاد کرنا ہے۔

مسئلہ: ایک روایت میں امام اعظمؒ کا قول آیا ہے کہ شبہ عمد میں کفارہ واجب نہیں۔ کفایہ شرح ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ جرجانی نے کہا ہمارے علماء کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ شبہ عمد میں کفارہ واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں یہی فتویٰ زیادہ مناسب بھی ہے کہ آلہ (قاتلہ) نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہ کی وجہ سے شبہ عمد میں قصاص تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن معصیت کاملہ تو ہوتی ہے کیونکہ معصیت کے کامل ہونے کا مدار نیت اور ارادہ پر ہے (آلہ پر نہیں)۔ آلہ کوئی ہو یہاں تک کہ گھونسے مارتے مارتے اگر قصد کے ساتھ مار ڈالے تو معصیت کامل ہو جاتی ہے، لہٰذا شبہ عمد خالص گناہ کبیرہ ہے بلکہ تلوار سے قتل کرنے سے بھی زیادہ برا ہے۔ دیکھو واجب القتل قاتل سے قصاص صرف تلوار سے لیا جاتا ہے (تاکہ مرنے والے کو سہولت ہو)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کام کو خوبی سے کرنا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے، لہٰذا اگر تم (قصاص میں) قتل کرو تو خوبی سے قتل کرو (زیادہ ایذاء رساں طریقے سے نہ کرو) اور ذبح کرو تو خوبی کے ساتھ کرو۔ چھری تیز کر لی جائے اور ذبیحہ کو زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ رواہ احمد و مسلم واصحاب السنن الاربعہ من حدیث شداد بن اوسؓ رقبہ (گردن) سے مراد جان ہے جیسے راس (سر) بول کر جان مراد لی جاتی ہے۔

مکاتب غلام نے اگر بدل کتابت (زر قیمت) میں سے کچھ ادا نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ عقد کتابت تراضی باہمی سے فسخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ناجائز ہے، جیسے اس مکاتب کو آزاد کرنا بالاتفاق ناجائز ہے جس نے بدل کتابت میں سے کوئی حصہ ادا کر دیا ہو۔ پاگل، نابینا، گونگے اور نپٹ بہرے کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوں یا ایک ہی طرف کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا اس کو بھی آزاد کرنا جائز نہیں۔ ایسے لوگ حقیقت میں مردہ کی طرح ہیں اور بالکل بے کار ہیں۔ اگر ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں کٹا ہو یا کانا یا چوندھا یا مبروص یا شب کور ہو تو اس کو آزاد کرنا جائز ہے، کیونکہ ایسے لوگ بالکل ناکارہ نہیں ہیں۔ اگرچہ کامل طور پر کارآمد بھی نہیں ہیں پیدائشی نامرد، خصی اور نس کٹے کو آزاد کرنا درست ہے کیونکہ اگرچہ مردیت سے محروم ہوتے ہیں اور نسل آفریں نہیں ہوتے مگر غلاموں سے جو خدمت مقصود ہوتی ہے اس میں نسل آفرینی کو کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح اس باندی کو آزاد کرنا جائز ہے جو نپٹ ہو کیونکہ وہ خدمت کے کام کی بہرحال ہوتی ہے (اگرچہ صنفی قربت کی اہل نہیں ہوتی)

مسئلہ: قاتل کا عاقل بالغ ہونا ضروری ہے کیونکہ کفارہ عبادت ہے اس لئے عبادت کی شرطیں اس میں ہونی ضروری ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک باپ یا کسی اور قریبی رشتہ دار کو (جو خریدتے ہی خود آزاد ہو جائے) بہ نیت کفارہ خریدنا کافی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک سبب اختیاری کے ساتھ نیت کا اقتران موجب آزادی ہے (خریدنا سبب آزادی ہے اور خریدنا مشتری کا اختیاری فعل ہے، پس خریدتے وقت کفارہ کی نیت ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: دیت عاقلہ (قاتل کے عصبی رشتہ دار) پر واجب ہے اور جتنا چندہ ادا کرنا ایک ایک شخص پر لازم ہوگا اتنا ہی قاتل پر بھی ہوگا۔ یہ قول امام اعظمؒ کا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ بنی ہذیل کی دو عورتوں میں لڑائی ہوگئی۔ ایک نے دوسری کے پتھر مارا، وہ حاملہ تھی۔ مضروب مرگئی اور پیٹ کا بچہ بھی مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ بچہ کی دیت ایک بردہ ہے غلام ہو یا باندی اور مقتول عورت کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر ہوگی۔ حدیث کے دوسرے الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبات پر مقرر کر دی اور ایک بردہ کی آزادی پیٹ کے بچہ کے عوض۔

بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ہم نے تمام علماء میں یہ اجماعی مسئلہ پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حر مسلمان کی دیت جب غلطی سے اس کو کسی حر نے قتل کیا ہو سو اونٹ قرار دی ہے اور یہ دیت مجرم کے عاقلہ پر ہوگی اور یہ بات بھی ہم نے علماء کے اجماع میں پائی کہ کل دیت تین سال میں وصول کی جائے گی ہر سال ایک تہائی ادا کرنی ہوگی۔

بیہقی نے باسناد ابن لہیعہ سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ قسط وار تین سال میں دیت وصول کرنا سنت ہے۔

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اور بیہقی نے باسناد شعبی منقطعاً نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پوری دیت کے لئے تین سال اور آدھی دیت کے لئے دو سال اور آدھی سے کم کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی ہے۔ بیہقی نے

یزید بن ابی حبیب کی روایت سے منقطعاً حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا بھی یہی فیصلہ نقل کیا ہے۔

مسئلہ: قتل عمد میں اگر کچھ مال پر صلح ہو جائے یا بعض وارثوں کے معاف کر دینے سے قصاص ساقط ہو جائے اور مال ادا کرنا لازم ہو جائے یا کسی اور وجہ سے قتل عمد میں قصاص کی جگہ مال دینا پڑے تو یہ ادائیگی قاتل کے مال سے ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ عمد کی دیت مغلظہ ایسی ہی ہے جیسے قتل عمد کی مگر شبہ عمد کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں شیطان کود پڑے اور اندھا دھند سنگ باری کی گئی ہو، مگر فتنہ نہ ہو اور ہتھیار کا استعمال نہ ہو۔ ﴿رواہ احمد﴾

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قتل عمد میں یا مصالحت یا اقرار کی صورت میں اور غلام کے جرم کی صورت میں عاقلہ کچھ برداشت نہیں کرے گا۔ موطأ میں زہری کا قول منقول ہے سنت (صحابہؓ) یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات پر گزری ہے یہ عاقلہ ان صورتوں میں کچھ برداشت نہیں کرے گا۔ بیہقی نے ابوالزناد کی وساطت سے فقہاء اہل مدینہ کی رائے بھی یہی نقل کی ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جس نے قصداً قتل کیا اس کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر وہ چاہیں تو اس کو (قصاص میں) قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد اور بزار اور دارقطنی اور بیہقی اور اصحاب السنن نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ قتل خطا کی دیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سو اونٹوں کی) ڈگری دی۔ ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ حقہ اور ۲۰ جذعہ۔ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں حجاج بن ارطاۃ پھر زید بن جبیر پھر خشف بن مالک پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آتے ہیں۔

مسئلہ: قتل کو چھوڑ کر عام طور پر زخمی کرنے کی دیت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت کردہ حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو نامہ مبارک بھیجا جس میں لکھا تھا کہ جو شخص کسی مومن کو مار ڈالے اس کو پکڑ کر (وارثوں کو) قصاص کے لئے دیا جائے مگر مقتول کے وارث اگر راضی ہوں (تو دیت دی جائے)۔ مرد کو عورت کے عوض قتل کیا جائے۔ قتل کی دیت سو (۱۰۰) اونٹ ہے۔ اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار (طلائی)۔

زخموں کی دیت:

ناک پوری کاٹ لی جائے تو (پوری) دیت سو اونٹ ہیں۔ دانتوں کے توڑنے میں دیت ہے۔ لبوں کو کاٹ ڈالنے میں دیت ہے۔ دونوں خصیوں (کو بے کار کر دینے) میں دیت ہے۔ ذکر (کاٹ دینے یا بے کار کر دینے) میں دیت ہے۔ پشت (توڑ دینے) میں دیت ہے۔ دونوں آنکھوں کو (پھوڑ دینے) میں دیت ہے۔ دونوں ہاتھ (کاٹ ڈالنے یا توڑ دینے) میں سو اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ میں پچاس۔ دونوں پاؤں (توڑنے یا کاٹنے) میں پوری دیت ہے اور ایک ٹانگ میں آدھی دیت ہے۔ اور جو چوٹ ام الدماغ (دماغی جھلی) تک پہنچ جائے اس میں کل دیت کا ایک تہائی حصہ ہے اور جو ضرب جوف کے اندر پہنچ جائے اس میں ایک تہائی دیت ہے اور ہڈی کو جگہ سے ہٹا دینے والی ضرب میں پندرہ اونٹ ہیں۔ اور ہاتھ یا پاؤں کی کوئی انگلی ٹوٹ یا کٹ گئی ہو تو دس اونٹ ہیں۔ اور دانت ٹوٹ گیا ہو تو اس میں پانچ اونٹ ہیں (رواہ النسائی والدارمی) مالکؒ کی روایت میں اتنا زائد ہے اور آنکھ (پھوٹنے) میں پچاس اونٹ ہیں اور ہڈی کو کھول دینے والی چوٹ میں پانچ ہیں۔ اس حدیث کی صحت کے متعلق علماء حدیث کا اختلاف ہے۔ ابو داؤد نے مراسیل میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند بیان کی گئی ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ حاکم، ابن صباح اور بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ یہ حدیث صحیح ہوگی۔

ائمہ کی ایک جماعت نے اگرچہ سند کے اعتبار سے اس کو صحیح نہیں مانا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کی وجہ سے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مشہور ہی ہے تو (گویا) شہرت کی وجہ سے اس کو صحیح مانا گیا۔ امام شافعی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ علماء نے اس حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک ان کو ثابت نہیں ہو گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (تحریر کردہ) ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا یہ تحریر مشہور ہے اور اس کا مضمون اہل علم خوب جانتے ہیں اس کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ سند کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ لوگوں نے اس کو قبول کر لیا اور مان لیا ہے، گویا یہ متواتر کے مشابہ ہو گئی (ہمہ گیر شہرت کی وجہ سے بغیر سند کے قابل قبول ہے) حاکم نے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اور امام زمانہ زہری نے اس تحریر کی صحت کی شہادت دی ہے۔

عورت کی دیت:

امام شافعی نے براویت امام محمد بن حسن از امام ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم نخعی بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا عورت کے قتل اور قتل سے کم (ضرب) کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ سعید بن منصور نے زیاد وغیرہ کی وساطت

سے شعبی کا قول نقل کیا کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے عورتوں کی چوٹ کی دیت مرد کی چوٹ کی دیت سے نصف ہے، دیت کم ہو یا زیادہ۔ سعید بن منصور نے بحوالہ منصور بوساطت ہشیم بروایت مغیرہ از ابراہیم نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا چھنگلی اور انگوٹھا برابر ہیں اور مرد اور عورت دانت کی شکستگی اور ہڈی کو کھول دینے والی ضرب کی دیت میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔ بیہقی نے بروایت سفیان از جابر از شعبی نقل کیا ہے کہ شریح نے کہا مجھے حضرت عمرؓ نے یہی لکھ کر بھیجا تھا۔

امام احمد اور طبرانی نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کی روایت سے اور ابن جریر نے ابو عمرہ کے حوالہ سے لکھا ہے، حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مسلمانوں کے ایک جہادی دستہ کے ساتھ بھیجا۔ مجاہدین میں ابو قتادہؓ اور محلم بن جثامہ بن قیس لیثی بھی شامل تھے (اتفاقاً) ہماری طرف سے عامر بن اضبط اشجعی گزرا اور سلام کیا۔ محلم نے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ کی اطلاع دی تو ہمارے متعلق قرآن (یعنی اس آیت) کا نزول ہوا۔

ابن مندہ نے بیان کیا کہ جزو بن حدرجان نے کہا میرا بھائی خداد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں مومن ہوں مگر لوگوں نے اس کے اسلام کو نہیں مانا اور اس کو قتل کر دیا مجھے اطلاع ملی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور اس کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے بھائی کی دیت عطا فرما دی۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم بن جثامہ کو کسی جماعت میں بھیجا۔ راستہ میں ان کی ملاقات عامرؓ بن اضبط سے ہوئی۔ عامر نے محلم کو اسلامی سلام کیا چونکہ محلم اور عامر کے درمیان دور جاہلیت میں کچھ دشمنی تھی اس لئے محلمؓ نے عامرؓ کے تیر مارا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی۔ (محلم جب خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا مغفرت کرنے کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، تجھے اللہ معاف نہ کرے۔ محلم روتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ایک ساعت گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ مر گئے۔ لوگوں نے ان کو دفن کر دیا مگر زمین نے ان کی لاش کو اگل دیا۔ صحابہؓ نے حاضر ہو کر اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین تو ایسے لوگوں کو بھی قبول کر لیتی ہے جو تمہارے اس ساتھی سے برے ہوتے ہیں، مگر اللہ کو عبرت دلانا مقصود ہے۔ آخر لوگوں نے اس کو ایک پہاڑ کے کھڈ میں ڈال دیا اور اس پر پتھر رکھ دیئے، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

تنبیہ فرمائی کہ ذرا اس پر بھی نظر ڈالو کہ پہلے تم میں بھی تو بہت سے حضرات ایسے ہی تھے کہ مکہ مکرمہ میں اپنے اسلام و ایمان کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کفار کے نرغہ سے نجات دیدی تو اسلام کا اظہار کیا تو کیا ممکن نہیں کہ وہ شخص جو، لشکر اسلام کو دیکھ کر کلمہ پڑھ رہا ہے وہ حقیقۃً پہلے سے اسلام کا معتقد ہو مگر کفار کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کرنے پایا تھا، اس وقت اسلامی لشکر کو دیکھ کر اظہار کیا۔

فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے، پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی لئے امام اعظمؒ نے فرمایا لَا نُكَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ۔ ''یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے'' بعض روایات حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔ خواہ وہ کتنا ہی گنہگار بدعمل ہو۔

جو شخص اظہار اسلام اور اقرار ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے، یا اسلام کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے، یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے، جیسے گلے میں زنار وغیرہ ڈالنا وغیرہ، وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائیگا۔

مسیلمہ کذاب جس کو باجماع صحابہؓ کافر قرار دے کر قتل کیا گیا وہ تو صرف کلمہ اسلام کو اقرار ہی نہیں بلکہ اسلامی شعائر نماز اذان وغیرہ کا بھی پابند تھا، اپنی اذان میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی کہلواتا تھا، مگر اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا جو نصوص قرآن و سنت کا کھلا ہوا انکار تھا۔ اسی کی بناء پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماع صحابہؓ جہاد کیا گیا۔

خلاصہ مسئلہ کا یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے، اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو۔ البتہ اظہار ایمان کے ساتھ خلاف ایمان کوئی بات سرزد ہو تو اس کو مرتد سمجھو، بشرطیکہ اس کا خلاف ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو۔

علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ادا کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں مشغول ہیں وہ اس جہاد کے لئے کافی

ہوں اور اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب وجوار کے مسلمانوں پر فرض عین ہوجائے گا، کہ مجاہدین کی مدد کریں۔

عام طور پر وہ احکام جو اجتماعی اور قومی ضرورتوں سے متعلق ہیں ان کو شریعت اسلام نے فرض کفایہ ہی قرار دیا ہے، تاکہ تقسیم عمل کے اصول پر تمام فرائض کی ادائیگی ہوسکے، کچھ لوگ جہاد کا کام انجام دیں، کچھ تعلیم و تبلیغ کا، کچھ دوسری اسلامی یا انسانی ضروریات مہیا کرنے کا، مزید کمک کی ضرورت ہوتو اول قرب وجوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے وہ بھی کافی نہ ہوتو ان کے آس پاس کے لوگوں پر فرض عین ہوجاتا ہے اور وہ بھی کافی نہ رہیں تو دوسرے مسلمانوں پر یہاں تک کہ مشرق ومغرب کے ہر مسلمان کا یہ فرض ہوجاتا ہے یہ اس میں شریک ہو۔ ﴿معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

امام اعظمؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمادیا (وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ) یہ حکم آزاد کو بھی شامل ہے اور غلام کو بھی۔ اسی لئے غلام کو قتل کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے پس غلام کو غلطی سے قتل کرنے پر دیت اور بحیثیت آدمیت اس کی جان کا عوض لازم ہے۔ لہٰذا حر کی دیت سے زائد یا برابر غلام کی دیت نہ ہونی چاہئے کیونکہ غلام کی آدمیت ناقص ہے۔ بعض حیثیتوں سے وہ مال ہے اور بعض جہات سے آدمی۔ دیکھو آزاد عورت کی دیت باوجودیکہ وہ کامل آدمی ہوتی ہے آزاد مرد کی دیت سے کم ہے، لیکن اگر کسی غلام کو جس کی قیمت بیس (۲۰) ہزار تھی غصب کرلیا اور غلام غاصب کے قبضہ میں آکر مرگیا تو پوری قیمت دینی ہوگی خواہ کتنی ہی ہو غصب کا تاوان محض مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے (ضمان نفس نہیں ہوتا)

مسئلہ: اگر غلام نے کسی کو غلطی سے قتل کردیا یا زخمی کردیا تو آقا سے کہا جائے گا غلام کو اس جرم کے عوض (مضروب یا اولیاء مقتول کو) دیدو یا تاوان ادا کرو۔ امام شافعیؒ نے فرمایا، غلام کا جرم اس کی گردن سے وابستہ رہے گا۔ ہاں اگر اس کا آقا تاوان ادا کردے تو خیر! اس اختلاف کا حاصل اس وقت نکلے گا کہ آزادی کے بعد (تاوان ادا کرنے سے پہلے) وصول دیت کے لئے غلام کو پکڑا جائے گا یا آقا کو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کو پکڑا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر آقا کو غلام کے جرم کا علم ہوگیا تھا اور علم کے بعد اس نے آزاد کیا تو آقا کو غلام کے جرم کا عوض ادا کرنے کا اختیار ہے اور اگر جرم کا علم حاصل ہونے سے پہلے آزاد کیا ہوتو آقا پر تاوان لازم ہے یا ادائے قیمت جو بھی کم ہو وہی دیا جائے گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بھلائی صدقہ ہے۔ بخاری بروایت جابرؓ ومسلم بروایت حذیفہ جو لوگ صدقہ کے مال کو مال کا میل کچیل سمجھتے ہیں اسی لئے صدقہ قبول نہیں کرتے ان کو (بصورت معافی) دینے کی آیت میں ترغیب ہے۔

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک مسلمان اور کافر کی دیت برابر ہے۔ اگر دو ماہ میں ایک دن بھی بلا عذر روزہ رکھنے سے رہ گیا یا نیت کرنا بھول گیا کسی دوسرے روزے کہ نیت کرلی تو اجماعی فیصلہ ہے کہ اس کو از سرنو روزے رکھنا چاہئے، کیونکہ پے در پے تسلسل کے ساتھ روزے رکھنا ضروری ہے لیکن حیض کی وجہ سے اگر عورت کو روزے ناغہ کرنے پڑ جائیں تو باتفاق علماء اس کو از سرنو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
تم بھی تو ایسے ہی تھے اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سواب
فَتَبَيَّنُوا ۚ
تحقیق کرلو

بلا تحقیق قتل نہ کرو:

تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے، لیکن اب مسلمان ہوکر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہوتو اس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تمکو بھی اس طرح کے مسلمانوں کی رعایت اور حفاظت لازم ہے بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مجبور کا ایمان:

اگر کوئی شخص مجبور ہوکر ایمان کو اظہار کرے تو دنیوی احکام اسلام جاری ہونے کے لئے اس کا ایمان صحیح مانا جائیگا۔

تحقیق واجتہاد کی غلطی:

مجتہد سے بھی فکری غلطی ہوجاتی ہے لیکن اگر اس نے حق کی جستجو میں انتہائی کوشش سے دریغ نہیں کیا اور پھر بھی حق تک نہ پہنچ سکا تو غلطی فیصلہ معاف ہے۔

مجتہد کو انتہائی غور فکر سے کام لینا چاہئے۔ ابتدائی نظر میں جو بات سامنے آجائے اسی پر فیصلہ نہ کرلینا چاہئے۔ غور کرنا واجب ہے۔ غور

کرنے کے بعد بھی غلطی ہو جائے تو (غور کرنے کا) اس کو ثواب ملے گا۔

لا الہ الا اللہ کا قائل

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار اگرچہ دوسرے اہل کتاب اور مسلمانوں میں مشترک ہے اس کے باوجود اگر کوئی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہو جائے تو اس کے کافر ہونے کا فیصلہ نہ کر دیا جائے (تاوقتیکہ دریافت کے بعد وہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر نہ ہو) اور اس کو قتل کر دینے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے، یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح طور پر سامنے نہ آ جائے اور پوری تحقیق نہ ہو جائے۔

مجاہدین کیلئے حکم:

اگر مجاہدین کو کسی شہر یا بستی میں اسلام کی خصوصی علامات نظر آ جائیں تو وہاں کے باشندوں (کو قتل کرنے اور لوٹنے) سے دست کش رہنا واجب ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر لشکر کشی کرتے تھے اور وہاں اذان کی آواز کان میں آ جاتی تھی تو حملہ کرنے سے دست کش ہو جاتے تھے اور اذان نہ سنائی دیتی تھی تو حملہ کر دیتے تھے۔

بغوی نے بطریق شافعی ابن عصام کی وساطت سے ان کے باپ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی فوجی دستہ کو بھیجتے تو ہدایت فرما دیتے کہ اگر تم کو (وہاں) مسجد نظر آئے یا مؤذن کی آواز سن لو تو کسی کو قتل نہ کرنا۔ واللہ اعلم ﴿تفسیر مظہری﴾

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾
بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اعمال اور دلی اغراض سب پر مطلع ہے تو اب جس کو قتل کرو محض اللہ کے حکم کے موافق قتل کرو اپنی کسی غرض کا اصلاً دخل نہ ہو اور یہ بھی مقصد ہے کہ اگر کوئی کافر فقط اپنے جان و مال کے خوف سے تمہارے روبرو اسلام ظاہر کرے اور دھوکا دے کر اپنی جان بچالے تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا مگر تم اس کو کچھ مت کہو یہ تمہارے کرنے کی بات نہیں ہم دیکھ لیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سبب نزول:

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بنوسلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا تو صحابہؓ آپس میں کہنے لگے یہ مسلمان تو ہے نہیں صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے، چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ایک قاصدِ اسلام کا واقعہ:

حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ سعید ابن منصور میں بھی مروی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ راستے میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار دینار دیئے اور دیت ادا کی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان
غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ
جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ
اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے
عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ
بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے
الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي
بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ
بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے

وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ

اور بخشش ہے اور مہربانی ہے

رابط: اس سے پہلے مسلمان کو نادانستگی اور چوک سے قتل کردینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آہی جاتی ہے۔ اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی۔

معذورین کا حکم اور جہاد کی حیثیت:

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لنجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں، باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے عین نہیں۔ یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ (تفسیر عثانی)

مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقت واپسی تک مجاہد فی سبیل اللہ کی حالت اس شخص کے مثل ہوتی ہے جو (ہمیشہ دن کو) روزہ رکھے اور (رات بھر) نماز پڑھے اور اللہ کی آیات سے اس پر قنوت طاری ہو جائے۔ متفق علیہ۔

و کلا وعد اللہ الحسنیٰ اور ہر ایک سے (خواہ مجاہد ہو یا بغیر عذر کے جہاد سے بیٹھ رہنے والا) اللہ نے اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی ایمان کی وجہ سے جنت دینے کا۔

خلیفہ کا فرض:

علماء کا اجماع ہے کہ کفار اگر اپنے ملک میں (ہی) برقرار ہوں (اور مسلمانوں پر حملہ نہ کر رہے ہوں تب بھی) خلیفہ پر واجب ہے کہ کوئی سال بغیر جہاد کے نہ چھوڑے خواہ خود بھی شریک ہو یا فوجی دستوں کو بھیج دے ورنہ جہاد معطل ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ترک جہاد بالکل کبھی نہیں کیا۔

جہاد اور حقوق العباد:

اگر مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کے لئے کھڑا ہو جائے جس کی وجہ سے کافروں کا شر دفع اور اللہ کا بول بالا ہو جائے تو باقی (شریک نہ ہونے والے) لوگوں کے سر سے فرض ساقط ہو جاتا ہے ایسی حالت میں آقا کی اجازت کے بغیر غلام، شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی، قرض خواہ کی اجازت کے بغیر قرض دار، اور ماں باپ کی اجازت کے بغیر لڑکا جہاد کو نہیں جا سکتا۔ شریک ہونے والی جماعت جب کافی ہے تو پھر حقوق عباد کو تلف کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر جہاد کے لئے کوئی بھی کھڑا نہ ہو گا تو سب گناہ گار ہوں گے، البتہ عذر والے گناہ گار نہ ہوں گے۔

اَلْاَ قْرَبُ فَالْاَ قْرَبُ:

علماء کا اجماع ہے کہ کفار کی ہر بستی اور ہر شہر سے متصل رہنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے متصل کافروں سے جہاد کریں۔ اگر ان کی جماعت کمزور ہو تو جو مسلمان ان سے قریب رہتے ہوں وہ ان کی مدد کریں اور وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان سے متصل رہنے والے مدد کریں۔ اسی طرح الاقرب فالاقرب کا سلسلہ چلا جائیگا۔ یہی حالت اس وقت ہو گی جب کفار سے متصل رہنے والے مسلمان سست پڑ جائیں اور جہاد نہ کریں تو ان سے قریب رہنے والوں پر پھر ان سے قریب رہنے والوں پر پھر اسی ترتیب سے مسلسل۔ زمین کے آخری کنارہ تک مسلمانوں پر جہاد کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ جب دونوں صفوں کا باہم مقابلہ ہو جائے تو جو مسلمان وہاں موجود ہوں ان کا مقابلہ سے منہ پھیر کر بھاگنا جائز نہیں، ہاں داؤں کرنے کے لئے یا اپنی جماعت میں آکر شامل ہونے کے لئے مقابلہ سے کنی کاٹنا جائز ہے اور اگر کفار کی تعداد مسلمانوں کے دوگنے سے بھی زائد ہو تو مقابلہ سے بھاگ جانا جائز ہے، مگر اس وقت بھی جمار ہنا افضل ہے۔

مسئلہ: دوسرے اسباب وآلات کے ساتھ ساتھ جہاد کے لئے راشن اور سواری علاوہ امام مالک کے باقی تینوں اماموں کے نزدیک شرط ہے۔ صرف امام مالک اس شرط کے قائل نہیں۔ اول قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے **غیر اولی الضرر** فرمایا اور جس کے پاس کھانا پینا اور سواری نہ ہو وہ اہل ضرر میں سے ہے۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستی پر کافر دشمن حملہ کردے تو اس بستی کے ہر بالغ مرد پر جہاد کو نکلنا فرض عین ہو جاتا ہے (فرض کفایہ نہیں رہتا)۔ آزاد ہو یا غلام مالدار ہو یا نادار، اس وقت جہاد کا حکم نماز روزہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ آقا کا غلام پر، قرض خواہ کا قرض دار پر، اور ماں باپ کا اولاد پر جو حق ہے اس وقت اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ (اگر آقا غلام کو قرض خواہ قرض دار کو اور ماں باپ اولاد کو جہاد میں نکلنے سے روکیں تو ان کے احکام کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔ جیسے فرض نماز روزہ سے

ممانعت ناقابل تعمیل ہوتی ہے) بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کو بھی جہاد میں جانا لازم ہے۔اب اگر بستی والے مقابلہ کے لئے کافی ہوں تو خیر، ورنہ برابر کی بستی والوں کا فرض ہوتا ہے کہ مدد کرنی چاہئے اور اگر وہ مدد نہ کریں تو پھر ان کے متصل رہنے والوں کو اعانت کرنی چاہئے وغیرہ وغیرہ علیٰ ہٰذا۔لیکن معذور لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ان پر اس حالت میں بھی کوئی فرض جہاد عائد نہیں ہوتا۔

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ﴾

اور اللہ نے مجاہدوں کو...... جہاد سے بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم یعنی بہت درجے برتری کے عطا کئے ہیں یعنی اپنے قرب اور جنت کے درجات۔

﴿مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ اپنی طرف سے اور مغفرت ورحمت

﴿دَرَجٰتٍ﴾ اور ﴿مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ تینوں اجرا سے بدل ہیں یعنی جو گناہ گار نہ ہو تو اس کے لئے درجات ہیں اور گناہ گار کے لئے مغفرت۔ رہی رحمت تو دونوں فرقوں کے لئے عمومی ہے۔

جہاد کی ترغیب دینے والے اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے مجاہدوں کی فضیلت کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔اول تو مجاہدین اور غیر مجاہدین کی مساوات نہ ہونے کی صراحت کی گئی جس سے اجمالاً معلوم ہوگیا کہ مجاہدوں کو فضیلت حاصل ہے پھر صراحت کے ساتھ مجاہدوں کی فضیلت کا اظہار کیا مگر اجمالاً۔ اور صرف ﴿دَرَجٰتٍ﴾ فرمایا، آخر میں پھر فضیلت کی صراحت کی اور تفصیل کے ساتھ ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ فرمایا۔

کافروں سے جہاد اور نفس سے جہاد:

بعض علماء نے کہا کہ کافروں سے جہاد کرنے والوں کے لئے ایک درجہ ہے اور اپنے نفس سے جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ اجر عظیم یعنی درجات اور مغفرت اور رحمت عطا فرمائے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجاہد، یعنی کامل مجاہد، وہ ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور مہاجر (یعنی کامل مہاجر) وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دیا ہو۔رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن فضالۃ۔

آیت کا دوسرا مطلب:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی آیت میں معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرنے والے مراد ہیں۔ان پر مجاہدوں کو ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے۔اہل عذر کی نیت تو جہاد کی تھی مگر دکھی ہونے کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے اور مجاہدوں کی نیت بھی جہاد کی تھی اور عملاً انہوں نے جہاد کیا بھی لیکن مجاہد ہوں یا معذور غیر مجاہد اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے (مجرم کوئی نہیں۔البتہ مجاہد کو معذور غیر مجاہد پر ایک درجہ کی برتری حاصل ہے) اور دوسری جگہ قاعدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر جہاد سے غیر حاضر رہے (گو ایمان کی وجہ سے جنت ان کو بھی مل جائے گی مگر) ان پر مجاہدین کو بدرجات فضیلت حاصل ہے۔کذا قال مقاتل۔

درجات کی بلندی:

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔حضرت ابو سعیدؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اور دوبارہ ارشاد کی درخواست کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرما دیا (پھر) فرمایا ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ جنت کے اندر بندہ کے سو درجے بلند فرمائے گا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنی اونچائی ہوگی جیسے آسمان کی زمین سے ہے۔حضرت ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا بات ہے۔فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، اللہ کی راہ میں جہاد۔رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور نماز باقاعدہ ادا کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔راہ خدا میں اس نے جہاد کیا ہو یا اپنی جنم بھومی میں بیٹھا رہا ہو۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں۔فرمایا جنت میں سو (۱۰۰) درجات ہیں جو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان۔جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے (ہر چیز کا اوسط اعلیٰ ہوتا ہے) اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور عرش سے ہی جنت کے دریا نکلتے ہیں۔﴿رواہ البخاری، مظہری﴾

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

رحمت و مغفرت کے وعدے:

یعنی اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے جہاد کرنے والوں کے بارہ میں اجر و

مغفرت ورحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر کوئی مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرمادے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن ام مکتوم کا واقعہ:

صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کو بلا کر اسے لکھوا رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا آئے اور کہنے لگے حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو نابینا ہوں۔ اس پر الفاظ (غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ) نازل ہوئی یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ابن ام مکتومؓ نے فرمایا تھا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر تھی، اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا کہ ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور سکینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھا۔ خدا کی قسم وہ بوجھ مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عَظِیْمًا) تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔

بعض معذوروں کا ثواب:

بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہؓ نے کہا باوجود یکہ وہ مدینہ میں مقیم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس لئے کہ انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے۔ اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے۔

یَا رَاحِلِیْنَ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ لَقَدْ
سِرْ تُمْ جُسُوْمًا وَسِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحا
انا اقمنا علیٰ عذر و عن قدر
و من اقام علیٰ عذر فقد راحا

"یعنی اے خدا تعالیٰ کے گھر کے حج کو جانے والو! گو تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں، سنو! بے طاقتی اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں۔"

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے ہم دونوں نابینا ہیں، کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ

وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ

اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے

مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ

وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی

تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ

زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں سے

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾

سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری جگہ پہنچے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں

وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ

اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا

سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ

راستہ سو ایسوں کو امید ہے کہ اللہ معاف کرے

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

ہجرت کا حکم:

بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں۔ سوان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔ اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف وکمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے۔ سوایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو کوئی رستہ معلوم ہے وہ قابل معافی ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا

الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ

اس کے مقابلے میں جگہ بہت اور کشائش اور جو کوئی

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي

پھر آ پکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب

اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۰

اللہ کے ہاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

مہاجرین کو تسلی:

اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے، اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا، تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی۔ تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید رستہ میں موت آجائے تو ادھر کے ہوں نہ ادھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت پر ہی آنی ہے، وقت مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بے بسوں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ کی طرف ہی منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، اے اللہ! ولید بن ولید کو عیاش ابن ابو ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں، بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی، کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔ ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں سے بھی ہیں۔

سو آدمی کے قاتل کا واقعہ:

صحیحین کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے (۹۹) قتل کئے تھے۔ پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو (۱۰۰) پورے کئے۔ پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں، تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا، جہاں خدا کے عابد بندے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا۔ راستہ میں ہی تھا جو موت آگئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے۔ پھر زمین کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے۔ جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔

سببِ نزول:

حضرت خالد بن حزامؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے۔ لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہوگئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔

حدیث قدسی:

طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر پس وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔ یا تو لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا۔ اجر غنیمت اور فضل خدا لے کر۔ اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔ ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔ ابویعلیٰ میں ہے جو شخص حج کے لئے نکلا، پھر مر گیا، قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

ہجرت کی تعریف:

لغت میں ہجرت، ہجران اور ہجر کے معنی ہیں کسی چیز سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دینا اور محاورات عامہ میں ہجرت کا لفظ ترک وطن کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ ﴿روح المعانی﴾

اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوۃ میں فرمایا کہ کسی وطن کو دینی وجوہ کی بناء پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ ﴿مرقاۃ ص ۳۹ جلد۱﴾

سورہ حشر کی آیت اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ جو مہاجرین صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی ملک کے کفار مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے زبردستی نکال دیں تو یہ بھی ہجرت میں داخل ہے۔

ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت:

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ ہندوستان سے پاکستان کی طرف منتقل ہونیوالے مسلمان جو دارالکفر سے بیزاری کے سبب باختیار خود اس طرف آئے ہیں یا جن کو غیر مسلموں نے محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے زبردستی نکال دیا ہے، یہ سب لوگ شرعی معنی کے اعتبار سے مہاجر ہیں، البتہ جو تجارتی ترقی یا ملازمت کی سہولتوں کی نیت سے منتقل ہوئے وہ شرعاً مہاجر کہلانے کے مستحق نہیں۔

حقیقی ہجرت:

اور صحیح بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَسُوْلُهٗ یعنی ''مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔''

سو اس کا مطلب اسی حدیث کے پہلے جملے سے ظاہر ہو جاتا ہے جس میں یہ ارشاد ہے:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ''

یعنی ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے سب مسلمان محفوظ اور سلامت رہتے ہوں۔''

مراد اس کی ظاہر ہے کہ سچا اور پکا مسلمان وہی ہے جو دوسروں کو ایذا نہ پہنچائے۔

تاریخ کی شہادت:

تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب کسی نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وطن کے مکان سے بہتر مکان وطن کی عزت و شرف سے زیادہ عزت وطن کے آرام سے زیادہ آرام عطا کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے عراقی وطن کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں ان کو نصیب فرمائیں۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل نے اللہ کے لئے اپنے وطن مصر کو چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر وطن ملک شام کا عطا فرمایا، اور پھر مصر بھی ان کو مل گیا۔

ہمارے آقا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اللہ و رسول کے لئے مکہ کو چھوڑا تو مہاجرین کو مکہ سے بہترین ٹھکانا مدینہ میں نصیب ہوا۔ ہر طرح کی عزت و غلبہ اور راحت و ثروت عطا ہوئی۔ ہجرت کے ابتدائی دور میں چندروزہ تکلیف و مشقت کا اعتبار نہیں اس عبوری دور کے بعد جو نعمتیں حق تعالیٰ کی ان حضرات کو عطا ہوئیں اور ان کی کئی نسلوں میں جاری رہیں۔ اسی کا اعتبار ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا فقر و فاقہ:

صحابہ کرامؓ کے فقر و فاقہ کے جو واقعات تاریخ میں مشہور ہیں وہ عموماً ہجرت کے ابتدائی دور کے ہیں، یا وہ فقر اختیاری کے ہیں کہ انہوں نے دنیا و مال و دولت کو پسند ہی نہیں کیا اور جو حاصل ہوا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حال یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر و فاقہ محض اختیاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غناء و مالداری کو اختیار ہی نہیں فرمایا اور اس کے باوجود ہجرت کے چھٹے سال میں فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اہل و عیال کے گزارہ کا کافی انتظام

ہو گیا تھا۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ میں سب کا یہی حال تھا کہ مدینہ پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو سب کچھ دیا تھا، لیکن اسلامی ضرورت پیش آنے پر حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے گھر کا پورا مال لاکر پیش کر دیا۔ ام المومنین حضرت زینبؓ کو جو کچھ وظیفہ ملتا وہ سب فقراء و مساکین میں تقسیم کر کے خود فقیرانہ زندگی گزارتی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ام المساکین ہو گیا تھا۔ اور اس کے باوجود اغنیاء صحابہؓ جنہوں نے بڑی مقدار میں مال و جائیداد چھوڑی، ان کی مقدار بھی صحابہ کرامؓ میں کم نہیں۔ بہت سے حضرات صحابہؓ ایسے بھی تھے جو اپنے وطن مکہ مکرمہ میں مفلس و نادار تھے، ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت اور ہر طرح کی رفاہیت عطا فرمائی۔ حضرت ابوہریرہؓ جب ایک صوبہ کے والی بنا دیئے گئے تو بڑے لطف سے اپنی سابقہ زندگی کا نقشہ اتارا کرتے تھے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے ابوہریرہ! تو وہی ہے کہ فلاں قبیلہ کا نوکر تھا اور تیری تنخواہ صرف پیٹ بھرائی روٹی تھی اور تیری ڈیوٹی یہ تھی کہ جب وہ لوگ سفر میں جائیں تو تو پیدل ان کے ساتھ چلے، اور جب وہ کسی منزل پر اتریں تو تو ان کے لئے جلانے کی لکڑیاں چن کر لائے۔ آج اسلام کی بدولت تو کہاں سے کہاں پہنچا، تجھ کو امام اور امیر المومنین کہا جاتا ہے۔ (مظہری)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ
نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم
خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ
کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ
الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾
کافر تمہارے صریح دشمن ہیں

قصر نماز:

یعنی جب تم جہاد وغیرہ کیلئے سفر کرو اور کافروں سے جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔ فائدہ: ہمارے یہاں سفر تین منزل کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم ہوگا تو قصر جائز نہ ہوگا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا۔ جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپؐ سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ کو بھی اسی کی تاکید فرمائی۔ اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ شکریہ کے ساتھ قبول کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سفر اور قصر کے احکام:

مسئلہ: جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے

مسئلہ: اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، فرض نماز چارگانہ آدھی پڑھی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا۔ وہاں بھی وطن اصلی کی طرح قصر نہیں ہوگا، بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔ ﴿معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ جو اس نے تمہیں دیا ہے تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
اور جب تو ان میں موجود ہو پھر نماز میں کھڑا کرے
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا
تو چاہیے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لے
اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ
لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہٹ جاویں تیرے پاس
وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا
سے اور آوے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ نماز پڑھیں
مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ
تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ
کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو
اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ
اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر
مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ
حملہ کریں یکبارگی

نمازِ خوف:

پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نصف باقی پڑھ لے امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز رہی ہوئی جدی جدی پڑھ لیں اگر مغرب کی نماز ہو تو اول جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و رفت معاف ہے اور تلوار زرہ سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تا کہ کفار موقع پا کر یکبارگی حملہ نہ کریں۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے، حضرت جابرؓ نے فرمایا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب چلے۔ جب ذات الرقاع میں پہنچے، اس روایت میں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر یہ گروہ پیچھے ہٹ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار اور دوسرے لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔

۴۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضجنان اور عسفان کے درمیان پڑاؤ کیا۔ مشرکوں نے کہا ان (مسلمانوں) کی ایک نماز ہے جو ان کو ماں باپ اور اولاد سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ یہ عصر کی نماز ہے، اس لئے اپنی پوری قوت جمع کر کے (نماز کے اندر) ان پر یکدم حملہ کر دینا۔ ادھر حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مشرکوں کے ارادہ کی اطلاع لے کر) آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ ساتھیوں کے دو حصے کر کے ایک حصہ کو نماز پڑھائیں اور دوسرا حصہ نماز پڑھنے والوں کے پیچھے کھڑا رہے اور بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لئے رہے۔ اس طرح ہر گروہ کی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) ایک رکعت ہوگی اور آپ کی دو دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

۵۔ بخاری نے صحیح میں سالم بن عمرؓ کی وساطت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب جہاد کو گیا اور دشمن کے مقابلہ پر ہم نے صف بندی کی (نماز کا وقت آ گیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز کو کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروہ دشمن کے سامنے رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کے ساتھ رکوع اور دو سجدے کئے۔ پھر یہ گروہ لوٹ کر اس گروہ کی جگہ پہنچ گیا، جس نے نماز نہیں پڑھی تھی اور وہ گروہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی لے کر ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کئے۔ پھر سلام پھیر دیا اور مقتدیوں میں سے ہر شخص کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کئے۔

☆ کافر تمنا کرتے ہیں کہ کاش تم اپنے اسلحہ اور سامان کی طرف سے غافل ہو تو وہ سب تم پر یکدم ٹوٹ پڑیں۔ یہ ترجمہ لو تمنائی کا ہے، لیکن لو مصدری بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر تم غافل ہو تو وہ یکدم حملہ کر دیں۔ نماز میں مسلح رہنے کے حکم کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

کلبی نے ابو صالح کے توسط سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی محارب اور بنی انمار سے جہاد کرنے تشریف لے گئے۔ ایک جگہ پڑاؤ کیا، وہاں دشمن کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے درمیان وادی حائل ہو گئی تھی۔ ایک درخت کے نیچے قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گئے۔ غویرث بن حارث محاربی نے دور سے آپؐ کو دیکھ لیا اور کہنے لگا، اللہ مجھے قتل کر دے، اگر میں اس کو قتل نہ کر دوں۔ پھر تلوار سونت کر پہاڑ سے نیچے آیا اور بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ! پھر دعاء کی، اے اللہ تعالیٰ تو جس طرح چاہے مجھے غویرث بن حارث سے بچا! غویرث نے مارنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تلوار بڑھائی تھی کہ یکدم اس کے دونوں شانوں کے درمیان درد اٹھا۔ اور درد کی وجہ سے منہ کے بل گر پڑا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر الگ جا پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اٹھ کر تلوار لے لی اور فرمایا غویرث! اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ بولا، کوئی نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا،

کیا تو شہادت دیتا ہے؟ کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تیری تلوار تجھے دے دوں گا۔ بولا، نہیں! ہاں، اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تم سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور تمہارے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار دے دی۔ غورث بولا، خدا کی قسم تم مجھ سے بہتر ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک میں اس کا مستحق بھی تجھ سے زیادہ ہوں۔ غورث چلا گیا۔ ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا ارے تجھے کیا ہو گیا، کس چیز نے تجھے روک دیا؟ بولا، میں نے مارنے کے لئے اس کی طرف تلوار بڑھائی ہی تھی کہ میں نہیں جان سکا، کس نے میرے دونوں شانوں کے درمیان درد پیدا کر دیا اور منہ کے بل گر پڑا۔ اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى
اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو تکلیف ہو
مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوْا
مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو
أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ
اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ

اپنا بچاؤ ضروری ہے:

یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے۔ لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہئے۔ مثلاً زرہ سپر خود ساتھ لے لو۔

فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نمازِ خوف بصورتِ مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں۔ پیادہ ہو کر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضاء کر دیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾
بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب ذلت کا

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تدبیر اور احتیاط اور اہتمام کے ساتھ کام کرو اور اللہ کے فضل سے امید رکھو۔ وہ کافروں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل وخوار کرا دے گا۔ کافروں سے خوف مت کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نماز کا قضاء ہونا:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ تستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت ہنگامہ کارن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا، اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی۔ اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰؓ تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں اس نماز کے بدلے ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا
پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ
اور بیٹھے اور لیٹے

ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو:

یعنی خوف کے وقت بوجہ تنگی اور بے اطمینانی اگر نماز میں کسی طرح کوتاہی ہو گئی، تو نماز سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے، اللہ کو یاد کرو۔ حتیٰ کہ عین ہجوم اور مقاتلہ کے وقت بھی، کیونکہ وقت کی تعیین اور دیگر قیود کی پابندی تو بحالتِ نماز تھی، جن کی وجہ سے تنگی اور بے اطمینانی پیش آنے کا موقع ہے۔ اس کے سواء ہر حالت میں بلا دقت اللہ کو یاد کر سکتے ہو۔ کسی حالت میں اس کی یاد سے غافل نہ رہو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص کہ جس کے عقل وحواس کسی وجہ سے مغلوب ہو جائیں، البتہ معذور ہے، ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات میں اللہ کی یاد کرتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں دوام ذکر سے ذکرِ قلبی مراد ہے۔ زبان سے ہر وقت ذکر تو ممکن ہی نہیں ہے۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب تم صلوٰۃِ خوف سے فارغ ہو جاؤ، تو پھر اللہ کا ذکر کرو۔ یعنی نماز پڑھو۔ صحت کی حالت میں کھڑے ہو کر اور بیماری کی حالت میں یا اپاہج ہونے کی وجہ سے یا زخمی ہونے کے سبب یا کمزوری کے باعث حسب تفاوت عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر۔

یا یہ مراد ہے کہ جب حالتِ خوف میں تم نماز کا ارادہ کرو تو اگر قدرت ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھو۔ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھو، یہ بھی ممکن نہ ہو تو لیٹ کر پڑھو۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ
پھر جب خوف جاتا رہے تو درست کرو نماز کو بیشک
الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾
نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں

جب امن ہو تو نماز کو پورے آداب کے ساتھ پڑھو:

یعنی جب خوف مذکور جاتا رہے اور خاطر جمع ہو جائے تو پھر جو نماز پڑھو، اطمینان اور تعدیلِ ارکان اور رعایتِ شروط اور محافظت، آداب کے ساتھ پڑھو جیسا کہ امن کی حالت میں پڑھنی چاہئے۔ اور جن حرکات زائدہ کی اجازت دی گئی وہ حالتِ خوف کے ساتھ مخصوص ہے۔ بے شک نماز فرض ہے وقتِ معین میں، سفر، حضر، اطمینان، خوف، ہر حالت میں۔ اسی وقت میں اداء کرنا ضرور ہے۔ یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو۔ یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ نے پورا ضبط اور تعین فرما دیا ہے کہ حضر میں کیا ہونا چاہئے اور سفر میں کیا کرنا چاہئے، اور خوف میں کیا۔ سو ہر حالت میں اس کی پابندی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نماز ظہر اور عصر کا وقت:

بالاتفاق ظہر کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہو کر عصر تک رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے، مگر سورج میں زردی آنے پر بالاجماع مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث جبریل:

اوقات کی تعیین میں اصل ضابطہ وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعبہ کے پاس دو بار جبرئیلؑ نے میری امامت کی۔ پہلی بار ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمہ کی طرح تھا۔ پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز اپنے سایہ کی مثل ہو گئی تھی۔ (یعنی سایہ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا)۔ پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈوب چکتا ہے اور روزہ دار روزہ کھولتا ہے۔ عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روشنی کی بو پھٹتی ہے، اور روزہ رکھنے والے کے لئے کھانا ممنوع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت بھی حضرت بریدہؓ کی روایت کی طرح ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کو اس وقت تک مؤخر کیا کہ شفق غائب ہونے کے قریب ہو گئی، یعنی دوسرے روز۔ رواہ مسلم۔

نمازوں کے اوقات:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ظہر کا وقت (شروع ہوتا ہے) زوال آفتاب سے (اور) اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی تک ہو جائے۔ جب تک عصر نہ آ جائے۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے کہ دھوپ زرد نہ ہو جائے۔ اور مغرب کا وقت اس وقت تک ہے کہ شفق نہ چھپ جائے۔ اور عشاء کا وقت آدھی رات یعنی وسط رات تک ہے۔ اور فجر کا وقت پو چھٹنے سے اس وقت تک ہے کہ سورج برآمد نہ ہو جائے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہائی رات تک عشاء کو مؤخر کیا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت انسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ آدھی رات ہونے تک عشاء میں تاخیر کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ عشاء میں اتنی تاخیر کی دو تہائی رات چلی گئی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عشاء کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پڑھی کی بیشتر رات گزر چکی تھی۔ یہ تمام احادیث صحاح میں موجود ہیں۔

عشاء کا وقت:

طحاوی نے لکھا ہے، ان احادیث کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پوری رات عشاء کی نماز کا وقت ہے، لیکن مراتب کا فرق ہے۔ ایک تہائی رات تک افضل ہے، اس کے بعد نصف رات فضیلت کم ہے۔ اور نصف کے بعد سب سے کم درجہ ہے۔ طحاوی نے اپنی سند سے نافع بن جبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا، عشاء کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو، مگر اس سے غفلت نہ کرنا۔

علماء کا اجماع ہے کہ اگر رات کا کچھ حصہ باقی ہو اور اس وقت کوئی کافر مسلمان ہو جائے یا حیض والی عورت پاک ہو جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے تو عشاء کی نماز اس پر واجب ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت جبرئیلؑ کی امامت والی حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا مسائل کو اوقات کی

تعلیم میں جو عشاء کا وقت ثلث شب یا نصف شب تک بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد غیر مکروہ مستحب وقت ہے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اول وقت سے مغرب کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے۔ مگر تنزیہی مکروہ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سقوطِ شفق تک مغرب میں تاخیر کی تھی۔ مگر عشاء کی نماز میں اس وقت سے تاخیر کرنا، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسرے دن) نماز پڑھی تھی اور آفتاب میں زردی آنے تک عصر کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام اعظمؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں حضرت بریدہؓ والی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ دوسرے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق، حضرت بلالؓ نے ظہر کی اقامت ٹھنڈک پڑے کہی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز خوب ٹھنڈک ہوئے پڑھی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہوتی ہے۔ رواہ الستہ۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا
اور ہمت نہ ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے
تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ
ہو تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو
وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ
اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾
جاننے والا حکمت والا ہے

ہمت نہ ہارو:

یعنی کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں۔ اور آئندہ تم کو حق تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں۔ یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثوابِ عظیم۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اس کا جو حکم ہے اس میں تمہارے لئے بڑے منافع اور حکمتیں ہیں، دین اور دنیا دونوں کے لئے۔ سو اس کے امتثال کو غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ
تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو
لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾
دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا

ایک منافق کی خیانت کا واقعہ:

منافق اور ضعیف الاسلام لوگوں میں جب کوئی کسی گناہ اور خرابی کا مرتکب ہوتا تو سزا اور بدنامی سے بچنے کے لئے حیلہ گھڑتے اور آپ کی خدمت میں ایسے انداز سے اس کا اظہار کرتے کہ آپ ان کو بری سمجھ جائیں۔ بلکہ کسی بری الذمہ کے ذمہ تہمت لگا کر اس کے مجرم بنانے میں سعی کرتے اور رل مل کر باہم مشورہ کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ ہوا کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب دیا۔ ایک تھیلا آٹے کا اور اس کے ساتھ کچھ ہتھیار چرا کر لے گیا۔ اس تھیلے میں اتفاقاً سوراخ تھا۔ چور کے گھر تک رستہ میں آٹا گرتا گیا۔ چور نے یہ تدبیر کی کہ مال اپنے گھر میں نہ رکھا، بلکہ رات ہی میں وہ مال لے جا کر ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا، جو اس کا واقف تھا۔ صبح کو مالک نے آٹے کے سراغ پر چور کو جا پکڑا، مگر تلاشی پر اس کے گھر میں کچھ نہ نکلا۔ ادھر چور نے قسم کھالی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں۔ آٹے کا سراغ آگے کو چلتا نظر آیا تو مالک نے اسی سراغ پر یہودی کو جا پکڑا۔ اس نے مال کا اقرار کر لیا کہ میرے گھر میں موجود ہے، مگر میرے پاس تو رات فلاں شخص امانت رکھ گیا ہے، میں چور نہیں ہوں۔ مالک نے یہ قصہ حضرت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا۔ چور کی قوم اور اس کی جماعت نے اتفاق کیا کہ جس طرح ہو سکے اس پر چوری ثابت نہ ہونے دو، یہودی کو چور بناؤ۔ چنانچہ یہودی سے جھگڑے اور آپ کی خدمت میں چور کی برأت پر قسمیں کھائیں، گواہی دی۔ قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے، اس پر حق سبحانہ نے متعدد آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب کو متنبہ کر دیا۔

تمام لوگوں میں انصاف کیا جائے:

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے اپنی سچی کتاب تجھ پر

اس لئے اتاری کہ ہمارے سمجھانے اور بتلانے کے موافق تمام لوگوں میں نیک ہوں یا بد، مؤمن ہوں یا کافر، حکم اور انصاف کیا جائے۔ اور چور دغا باز ہیں ان کی بات کا اعتبار اور ان کی طرف داری ہرگز مت کرو۔ اور ان کی قسم اور ان کی گواہی پر کسی بے قصور کو مجرم مت بناؤ۔ یعنی ان دغابازوں کی طرف ہوکر یہودی سے مت جھگڑو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد:

آیت سے یہ امر تو ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ظن پر عمل نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ جب اجتہاد کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی امر کا ظن پیدا ہوگیا اور اللہ نے اس کی تائید کردی اور ظنِ رسولؐ کے غلط ہونے کی اطلاع نہیں دی تو اس وقت آپ کو یقین ہوگیا کہ میرا ظن اجتہادی حق ہے۔ البتہ دوسرے مجتہدوں کی حالت اس سے الگ ہے (ان کے اجتہاد کی تائید قرآن سے نہیں ہوتی۔ اس لئے انکا اجتہاد مفیدِ ظن ہی رہتا ہے، کبھی یقین تک نہیں پہنچ سکتا)۔

اس کی تائید عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، آپ اسی کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے آپ کو سکھا دیا ہو حضرت عمرؓ نے فرمایا چپ۔ یہ شان تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

مجتہد کا اجتہاد:

یہ بھی درست ہے کہ آیت کا حکم عام ہو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ ہو) اور یوں کہا جائے کہ جب خبر آحاد یا قیاس غرض کسی ظنی دلیل سے مجتہد کو کوئی حکم معلوم ہوگیا تو پھر از روئے قرآن و حدیث واجماع اس حکم پر عمل واجب ہے (واقع میں وہ ظنی حکم صحیح ہو یا غلط مگر اجتہاد پر عمل کرنا بہر حال قرآن اور حدیث اور اجماع کی رو سے واجب ہے) پس اگر اجتہادی ظن کے خلاف کوئی راجح دلیل مجتہد کے سامنے نہ آئے اور انتہائی کوشش اور فکری کاوش کرنے کے بعد ایک حکم معلوم ہو جائے تو اگرچہ مجتہد کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ واقع میں بھی اللہ کے نزدیک حکم میرے ظن کے مطابق ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتہاد پر عمل کرنا میرے لئے واجب ہے۔

شیخ ابو منصورؒ نے فرمایا، آیت کا معنی یہ ہے کہ نازل شدہ اصول کے زیر نظر جو حکم اللہ تمہارے دل میں ڈال دے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اس صورت میں بقولِ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اجتہاد کرنیکے جواز کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔

حکم کی تین قسمیں:

وہب کا بیان ہے مجھ سے، مالک نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان جس فیصلہ کا حکم دیا گیا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو قرآن اور حدیث میں موجود ہو یہ حکم تو یقیناً واجب اور صحیح ہوتا ہے دوسرا وہ جس کا کوئی ذکر قرآن وحدیث میں نہیں آیا (نہ مثبت نہ منفی) اور عالم اپنے اجتہاد سے اس کو معلوم کرسکتا ہے اس حکم کے صحیح اور واقع ہونے کی امید کی جاسکتی ہے لیکن ایک تیسرا حکم اور ہے (جس کے مطابق فیصلہ نہیں کیا جاسکتا) وہ یہ ہے کہ نامعلوم حکم میں بناوٹ اور تکلف سے کام لے ایسے حکم کو غیر صحیح کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
اور بخشش مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا
رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾
مہربان ہے

تنبیہ: یعنی قبل تحقیق صرف ظاہر حال کو دیکھ کر چور کو بری اور یہودی مذکور کو چور خیال کرلینا تمہاری عصمت اور عظمت شان کے مناسب نہیں اس سے استغفار چاہئے اس میں کامل تنبیہ ہوگئی ان مخلصین صحابہ کو جو بوجہ تعلق اسلامی یا قومی وغیرہ چور پر حسن ظن کرکے یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں
اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
دغا رکھتے ہیں اللہ کو پسند نہیں جو کوئی ہو دغاباز
اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
گنہگار شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں
يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ
شرماتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ
مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں اور

اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝
جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے

ایک امکان کی پیش بندی:

پہلی آیت میں جب ان لوگوں کی دغا اور برائی صاف بتلا دی گئی تو شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ غلبۂ شفقت جو آپ کو تمام خلق بالخصوص اپنی امت پر تھا حق تعالیٰ سے ان خطا واروں کی معافی چاہی اس پر ارشاد ہوا کہ ان دغابازوں کی طرف ہو کر اللہ سے کیوں جھگڑتے ہو ایسے لوگ اللہ کو خوش نہیں آتے یہ تو لوگوں سے چھپ چھپ کر راتوں کو ناجائز مشورہ کرتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے جو ہر وقت ان کے ساتھ ہے اور ان کے تمام امور پر حاوی ہے اور اگر آپ نے ان کی معافی نہ بھی مانگی ہو تو آپ معافی مانگنے کا احتمال تو بالیقین موجود تھا دیکھئے دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت (يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝) ارشاد صریح موجود ہے سو اس کی پیش بندی کیلئے حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کی سفارش سے آپ کو روک دیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ
سنتے ہو تم لوگ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے
الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑا کریگا ان کے بدلے اللہ سے قیامت
الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝
کے دن یا کون ہوگا ان کا کارساز

بے جا حمایت کی مذمت:

اس میں خطاب ہے چور کی قوم اور ان لوگوں کو جو چور کے طرف دار ہوئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس بے جا حمایت سے چور کو قیامت میں کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

دو انصاریوں کا واقعہ:

مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا قضیہ لائے، واقعہ کو زمانہ گزر چکا تھا، شاہد گواہ کوئی نہ تھا، تو اس وقت فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا۔ اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم ایسا کرلو کہ جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہوسکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو۔ اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کردے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے۔

چوری کے واقعہ کی تفصیل:

ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنوابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا۔ جس میں بُشر، بشیر اور مبشر تھے۔ بشیر ایک منافق شخص تھا، اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ہجو کرتا، پھر ان اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے، مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں، ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے، جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے، باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بوجھ میدہ کا خریدا اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا، جہاں ہتھیار زرہیں تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں۔ راتوں کو چوٹوں کے نیچے سے نقب لگا کر اناج غلہ بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی اٹھالے گئے۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنوابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے، غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں۔ اس سے پہلے ہی جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں وہ ایک دیانت دار سچا مسلمان شخص تھا۔ حضرت لبیدؓ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہوگئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم میری چوری ثابت کردو، ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گا، ان لوگوں نے ان کی برأت کی اور معافی چاہ لی۔ وہ چلے گئے۔ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنوابیرق نے کی ہے۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر تو کرو۔ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا۔ یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جس کا نام اسید بن عروہ تھا انہوں نے آ کر کہا کہ یارسول اللہ! یہ تو ظلم ہو رہا ہے بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں انہیں قتادہ ابن نعمان اور ان کے چچا چور بتلاتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں، وغیرہ پھر جب میں خدمت نبوی میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا یہ تو تم بہت بُرا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمہ چوری چمیٹتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔ میں چُپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چُپ چُپاتے دست بردار ہو جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ جسے سن کر انہوں نے کہا اللہ المستعان خدا ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ان کا جانا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی یہ آیتیں اتریں۔ پس خائنین سے مراد بنو ابیرق ہیں۔ آپ کو استغفار کا حکم ہوا اس فرمان سے جو آپ نے حضرت قتادہؓ کو فرمایا تھا، پھر ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ انہیں بخش دے گا۔ پھر فرمایا کہ ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے (اَجْرًا عَظِیْمًا) تک یعنی انہوں نے جو حضرت لبیدؓ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں۔ جب یہ آیتیں اتریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ابیرق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا۔ یہ بیچارے بڈھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ کے نام خیرات کر دو۔ میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے، لیکن اس واقعہ نے یہ بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشر یہ آیتیں سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی دو آیتیں وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ سے بعیداً تک نازل ہوئیں۔ اور حضرت حسانؓ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی۔ ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسانؓ کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے، میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی۔ یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ
اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے
اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾
بخشواوے تو پاوے اللہ کو بخشنے والا مہربان

گناہ، ظلم اور ان کا علاج:

سوء اور ظلم سے بڑے چھوٹے گناہ مراد ہیں یا سوء سے وہ گناہ مراد ہے جس سے دوسرے کو درد پہنچے جیسے کسی پر تہمت لگانی اور ظلم وہ ہے کہ اس کی خرابی اپنے ہی نفس تک رہے یعنی گناہ کیسا ہی ہو اس کا علاج استغفار اور توبہ ہے توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ البتہ معاف فرما دیتا ہے اگر آدمیوں نے جان بوجھ کر فریب سے کسی مجرم کی برأت ثابت کر دی یا غلطی سے مجرم کو بے قصور سمجھ گئے تو اس سے اس کے جرم میں تخفیف بھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ توبہ سے بالکل معاف ہو سکتا ہے اس میں اس چور کو اور اس کے سب طرف داروں کو جو دیدہ و دانستہ طرف دار بنے ہوں یا غلطی سے سبھی کو توبہ اور استغفار کا ارشاد ہو گیا اور اشارہ لطیف اس طرف بھی ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی اپنی بات پر جما رہے گا اور توبہ نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رحمت سے محروم ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کی حالت:

ابن راہویہ نے مسند میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا نازل ہوئی تو (غم کے مارے) ہمارے لئے کھانے پینے کا فائدہ جاتا رہا، آخر آیت

(وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا)

نازل ہوئی۔

گناہ بخشوانے کا طریقہ:

متعدد طریقوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان آیا ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا آپ فرمارہے تھے جس شخص نے کوئی گناہ کرلیا پھر اٹھ کر اچھی طرح وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑا ہوجائے اور گناہ کی بخشش کا خواستگار ہو تو اللہ ضرور ہی معاف فرمادیتا ہے کیونکہ اس نے خود فرمایا ہے

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(رواہ ابن ابی حاتم وابن السنی وابن مردویہ)

خوشخبری: حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپؐ کے پیچھے ہولیا۔ آپؐ کچھ دور جاکر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے، میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا۔ پھر آپ نے یہ آیت (وَمَنْ یَّعْمَلْ) الخ پڑھی اور فرمایا، میں اپنے صحابہؓ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

زبان کی تیزی:

زید بن اسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھانک کر دیکھا حضرت ابوبکرؓ اپنی زبان کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ آپ یہ کیا کررہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا اسی نے مجھے ہلاکت گاہوں میں ڈالا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جسم کا ہر حصہ زبان کی تیزی کا شکوہ کرتا ہے یعنی زبان کی تیزی کا دکھ ہر عضو کو پہنچتا ہے)۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی
اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی
نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾
حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

جس کا جرم اسی کو سزا:

یعنی جو اپنے قصد سے گناہ کریگا اس کا وبال تو اسی پر پڑے گا اور اس کی سزا خاص اسی کو دی جائے گی کہ کسی دوسرے کو سزا نہیں ہوسکتی کیونکہ ایسا تو وہ کرسکتا ہے جس کو واقع بات کی خبر نہ ہو یا حکمت سے بے بہرہ ہو مگر حق سبحانہ وتعالیٰ تو بلا مبالغہ بصیغہ مبالغہ علیم وحکیم ہے وہاں اس کی گنجائش کہاں

تو اب خود چوری کرکے یہودی کے سر لگانے سے کیا نفع ہوسکتا ہے۔

وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ
اور جو کوئی کرے خطا یا گناہ پھر تہمت لگادے کسی
بِهٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾
بے گناہ پر تو اس نے اپنے سر دھرا طوفان اور گناہ صریح

دوسرے پر تہمت:

یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کرکے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر تو دو گناہ لازم ہوگئے ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ تو ظاہر ہوگیا کہ خود چوری کرکے یہودی پر تہمت دھرنے سے اور وبال بڑھ گیا نفع خاک بھی نہ ہوا اور معلوم ہوگیا کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا تو بہ خالص کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ
اور اگر نہ ہوتا تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو قصد کرہی چکی تھی
طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ
ان میں ایک جماعت کہ تجھ کو بہکاویں اور بہکا نہیں سکتے
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ
مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ
وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر
عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾
بہت بڑا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان:

اس میں خطاب ہے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے ان خائنوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ کی عظمت شان اور عصمت کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور

اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی برات کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال وشہادات کوسن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا میلان عن الحق یا مداہنت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقت الامر ظاہر ہوگئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے رک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ
کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہ کہے
بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ
صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو
النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ
لوگوں میں اور جو کوئی یہ کام کرے اللہ کی خوشی کیلئے
اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾
تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب

منافقوں کی سرگوشیاں:

منافق اور حیلہ گر آ کر آپ سے کان میں باتیں کرتے تا کہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں۔ اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے، کسی کی عیب جوئی، کسی کی غیبت، کسی کی شکایت کرتے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشورت کرتے ہیں، اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں۔ صاف بات کو چھپانے کی حاجت نہیں، اس میں کوئی فریب ہوتا ہے۔

خفیہ کرنے والے کام:

البتہ چھپاوے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپاوے، تا کہ لینے والا شرمندہ نہ ہو۔ یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تا کہ اس کو ندامت نہ ہو۔ یا دو میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر نکال کر پھر اس کو سمجھائے، حتیٰ کہ توریہ کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرمادیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا، اس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہوگا۔ یعنی ریاء کاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صلح کرانا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوبؓ سے فرمایا، آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں! لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرادے۔ جب ایک دوسرے سے کھنچ گئے ہوں، تو انہیں ملادے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

(اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ) : یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔ اصلاح کا عطف معروف پر ہے۔ معروف (عام نیکی) کے اندر اصلاح (لوگوں میں صلح کرادینا) بھی داخل ہے، مگر اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر الگ کر دیا گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اصلاح بین الناس کی بعض صورتیں معروف نہیں ہوتیں، مگر شرعاً جائز ہوتی ہیں۔ جیسے جھوٹ بولنا (مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے جائز ہے، اگر چہ اس کو معروف نہیں کہا جا سکتا)۔

حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط (جو مہاجرین سابقین میں سے تھیں) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرائے اور کوئی اچھی بات (اپنی طرف سے) کہہ دے، یا کوئی (اچھی بات اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کو) پہنچا دے۔ متفق علیہ۔ حضرت ابودرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات بتاؤں، جس کا مرتبہ روزے خیرات اور نماز سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہم نے عرض کیا، ضرور فرمائیے! فرمایا، لوگوں کے باہمی تعلقات کو درست کر دینا! اور تعلقات باہمی کو خراب کرنا (نیکیوں کو) مونڈنے والا (ملیا میٹ کر دینے والا) ہے رواہ ابو داؤد و الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تین جائز جھوٹ:

حضرت اسماءؓ بنت یزید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنا ناجائز ہے، سوائے تین مواقع کے۔ بیوی کو راضی کرنے کے (یا خوش رکھنے کے) لئے، مرد کا جھوٹ بولنا۔ لڑائی میں جھوٹ بولنا اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ رواہ احمد والترمذی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

(اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ) : اللہ کی رضامندی کی طلب میں نیکی کرتے

کے لئے طلبِ رضاء کی شرط اس لئے لگائی کہ دکھاوٹ اور شہرت کے لئے بھلائی کرنے والا، ثواب کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث، انما الاعمال بالنیات متفق علیہ ہے۔

(فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا) تو ہم اس کو ضرور بڑا ثواب عطاء کریں گے، جس کے مقابلہ میں دنیا کا سارا مال ومتاع حقیر ہے۔

اچھی بات کرو:

شیخین نے صحیحین میں، نیز امام احمد نے حضرت ابوشریح خزاعی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روزِ آخرت کو مانتا ہو اس کو چاہئے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ رحمت کرے اس شخص پر جو (اگر) کچھ بات کرے تو فائدہ کی کرے یا خاموش رہے تو (مضرت سے) بچا رہے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد۲)

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی

لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے

نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ

اسکو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ

مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾

میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا

جان کر حق سے پھرنا:

یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے، پھر اس کے بعد بھی رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدئی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے، جیسا کہ اس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا۔ بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا، یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے مکہ بھاگ گیا اور مشرکین سے مل گیا۔

اجماعِ امت کا منکر:

فائدہ: اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا کہ اجماعِ امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے۔ یعنی اجماعِ امت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر۔ جس نے جدگی راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اجماعِ امت حجت ہے:

(وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ) (آیت نمبر۱۱۵)

اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخولِ جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے۔ ایک مخالفتِ رسولؐ، اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفتِ رسول کفر اور وبالِ عظیم ہے۔ دوسرا جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں، اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجماعِ امت حجت ہے۔ یعنی جس طرح قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے، اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔ اور اس کی مخالفت گناہِ عظیم ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ. ”یعنی جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے، اور جو شخص جماعتِ مسلمین سے علیحدہ ہوگا، وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا“۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اجماعِ امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے آپ نے قرآن سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک مسلسل تلاوتِ قرآن کو معمول بنایا۔ ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ بالآخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی۔ اور اس کو علماء کے سامنے بیان کیا، تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔ (معارف القرآن جلد دوم)

رسول کی مخالفت کی وضاحت:

نیک لوگوں کی جزاء کے ذکر کے بعد آئندہ آیت میں بدوں کی سزا کا ذکر فرماتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے:

(وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ) اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے، بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا۔ یعنی دلیلِ یقینی سے ثابت ہونے اور قطعی طور پر معلوم ہونے کے بعد کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، جو شخص فرمانِ رسولؐ کی مخالفت کرے گا۔ یہ شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی کسی کو اطلاع نہ پہنچے یا اطلاع پہنچ جائے، مگر ذریعۂ اطلاع اور سلسلۂ روایت یقینی نہ ہو، اور اس صورت میں یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے فرمان کے خلاف کرے یا انتہائی ذہنی کوشش کے بعد بھی مرادِ حدیث سمجھنے میں مجتہد سے غلطی ہو جائے، تو ایسا شخص آیت کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ بعض علماء نے مخالفتِ رسولؐ سے مراد لیا ہے مرتد ہو جانا۔ یعنی جو شخص ظہورِ توحید و رسالت کے بعد دین سے لوٹ جائے گا، جیسا طعمہ کے متعلق روایت میں آیا ہے۔

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور مؤمنون کے رستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلے گا۔ یعنی اعتقاد اور عمل کے خلاف چلے گا، جس پر تمام اہلِ ایمان کا اجماع ہے۔ اگر بعض مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کے خلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ کسی دوسرے مؤمن کے طریقہ کی موافقت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی پیروی کرو گے، منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى﴾ تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے۔ یعنی جس گمراہی کو اس نے اختیار کر رکھا ہے، ہم وہی اس کو دیدیں گے اور اس کی پسندیدہ غرض میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں جس چیز پر اعتماد رکھتا ہے، آخرت میں ہم اس کو اسی کے سپرد کر دیں گے۔

قیامت میں اعلان:

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب قیامت کا دن ہوگا، تو ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ جو لوگ جس کی پوجا کرتے تھے، اس کے پیچھے چلے جائیں! اس نداء کے بعد جو کوئی بھی اللہ کے سوا کسی بت یا استھان کی پوجا کرتا تھا، بغیر آگ میں گرے نہیں رہے گا۔

﴿وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ وساءت مصیراً۔ اور جہنم (حق سے روگردانی کا) برا انجام ہے۔

طعمہ بن ابیرق کا قصہ:

بغوی نے لکھا ہے، اس آیت کا نزول طعمہ بن ابیرق کے متعلق ہوا تھا۔ صورت یہ ہوئی کہ طعمہ کی چوری جب کھل گئی تو اس کو اپنی رسوائی اور ہاتھ کاٹے جانے کا اندیشہ ہوا۔ اس لئے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور دین سے لوٹ گیا۔ اس پر آیت ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ﴾ نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ طعمہ بن ابیرق (مدینہ سے بھاگ کر) مکہ میں قبیلۂ بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس، جس کا نام حجاج بن علاط تھا، جا کر ٹھہرا اور اسی کے گھر میں نقب لگایا۔ نقب لگاتے ہی ایک پتھر اس کے اوپر گر پڑا، جس کی وجہ سے ایسا پھنس کر رہ گیا کہ نہ اندر گھس سکتا تھا، نہ باہر نکل سکتا تھا۔ صبح کو پکڑا گیا۔ لوگوں نے قتل کر دینا چاہا، لیکن بعض لوگوں نے کہا یہ تمہارے پاس پناہ گزیں ہو کر آیا ہے، اس کو چھوڑ دو۔ لوگوں نے چھوڑ دیا اور مکہ سے نکال دیا۔ مکہ سے نکل کر وہ قبیلہ بنی قضاعہ کے تاجروں کے ساتھ شام کو چلا گیا۔ جب ایک جگہ پڑاؤ ہوا تو اس نے قافلہ والوں کا ہی کچھ سامان چرا لیا اور بھاگ گیا۔ لوگوں نے تلاش کی اور پکڑ کر سنگسار کر دیا۔ اور اتنے پتھر مارے کہ وہ پتھر ہی اس کی قبر بن گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے طریقے:

مالک کی روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاءؓ نے کچھ طریقے مقرر کر دیئے، جن پر عمل کرنے سے اللہ کی کتاب کی تصدیق، اللہ کی اطاعت کی تکمیل اور اللہ کے دین کی قوت ہوتی ہے۔ کسی کو ان کے بگاڑنے اور بدلنے کی اجازت نہیں اور نہ ان چیزوں پر غور کرنے کی اجازت ہے جو آپؐ کے طریقوں کے مخالف ہیں۔ جو ان راستوں پر چلے گا، ہدایت یاب ہوگا۔ اور جو ان پر چل کر طلبگارِ نصرت ہوگا، اس کو نصرت عطاء کی جائے گی۔ اور جو ان کے خلاف کرے گا، وہ مؤمنوں کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ پر چلے گا، اور جس چیز کو وہ اختیار کرے گا، اللہ وہی اس کو دے دے گا اور جہنم میں داخل کرے گا۔ اور جہنم برا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وعیدِ عذاب کی دو شرطیں:

اس آیت میں وعیدِ عذاب کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا ہے، مخالفتِ رسولؐ اور اتباعِ غیر سبیل المؤمنین۔ مخالفتِ رسولؐ تو تنہا بھی حسبِ نصوصِ قطعیہ موجبِ عذاب ہے۔ دوسری شرط موجود ہو یا نہ ہو، لہٰذا مؤمنوں کے اجماعی راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلنا بھی بجائے خود موجبِ وعید ہوگا۔ گویا دونوں شرطوں کا مجموعہ اگر موجود نہ بھی ہو، صرف ایک شرط موجود ہو، تب بھی وعیدِ عذاب اس پر مرتب ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ (جس طرح مخالفتِ رسولؐ حرام ہے، اسی طرح اجماع کی مخالفت بھی حرام ہے۔ لہٰذا اتباعِ اجماع واجب ہے۔

بیہقی اور ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس امت کو کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، جو جماعت سے

بچھڑا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ
بیشک اللہ نہیں بخشتا اسکو جو اس کا شریک کرے کسی کو اور بخشتا ہے
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ
اس کے سوا جس کو چاہے

یعنی شرک سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے گا، اللہ بخش دے گا۔ مگر مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ مشرک کے لئے عذاب ہی مقرر فرما چکا تو چوری کرنا اور تہمت جھوٹی لگانا، اگرچہ کبیرہ گناہ تھے، مگر یہ بھی احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چور کو بخش دیتا۔ لیکن وہ چور رسولؐ کے حکم سے بھاگا اور مشرکوں میں جاملا۔ تو اب اس کی مغفرت کا احتمال بھی نہ رہا۔

شرک کا مفہوم:

فائدہ: اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک یہی نہیں کہ اللہ کے سواء کسی کی پرستش کرے، بلکہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو پسند کرنا، یہ بھی شرک ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شرک اور کفر کی سزا کا دائمی ہونا:

یہاں بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ سزا بقدرِ عمل ہونی چاہئے۔ مشرک اور کافر نے جو جرم کفر اور شرک کا کیا ہے، وہ محدود مدتِ عمر کے اندر کیا ہے، تو اس کی سزا غیر محدود اور دائمی کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کرنے والا، چونکہ اس کو جرم ہی نہیں سمجھتا ہے، اس لئے اس کا عزم و قصد یہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے گا۔ اور جب مرتے دم تک وہ اسی پر قائم رہا، تو اپنے اختیار کی حد تک اس نے جرم دائمی کر لیا۔ اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔

ظلم کی تین قسمیں:

ظلم کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشیں گے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت ہو سکے گی۔ اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پہلی قسم کا ظلم شرک ہے، دوسری قسم کا ظلم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے اور تیسری قسم کا ظلم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے۔ ﴿ابن کثیر بحوالہ مسند بزار﴾

شرک کی حقیقت:

شرک کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سواء کسی مخلوق کو عبادت یا محبت و

تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا ہے۔ قرآن کریم نے مشرکین کے اس قول کو جو وہ جہنم میں پہنچ کر کہیں گے، نقل کیا ہے۔

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

"یعنی قسم خدا کی ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ جب کہ ہم نے تم کو اللہ رب العلمین کے برابر قرار دیدیا تھا" ﴿معارف القرآن مفتی صاحب﴾

شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے:

بغوی نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ایک بوڑھے اعرابی کے حق میں ہوا تھا۔ جس نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا، یا رسول اللہ! میں گناہوں میں غرق ہوں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ جب سے میں نے خدا کو پہچانا اور مانا ہے، اس وقت سے کسی چیز کو اس کا شریک نہیں قرار دیا۔ اور نہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کارساز مانا، اور نہ اللہ کے خلاف جری ہو کر گناہوں کا ارتکاب کیا، نہ میرے دماغ میں کبھی یہ بات آئی کہ میں اللہ سے بھاگ کر بے بس کر دونگا۔ اب میں (گناہوں پر) پشیمان ہوں، توبہ کرتا ہوں، معافی چاہتا ہوں۔ میرا کیا حال ہوگا؟ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے ضحاک کی یہ روایت بیان کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اہلِ مکہ کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا
اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ بہک کر دور جا پڑا

مشرک کی گمراہی:

دور جا پڑا اس لئے کہ وہ شخص تو اللہ ہی سے صریح منحرف ہو گیا اور اللہ کے مقابلہ میں دوسرا معبود بنا کر شیطان کا پورا مطیع ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رحمت سب سے مستغنی ہو بیٹھا اور جو اتنی دور جا پڑا تو اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا کیسے مستحق ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسے شخص کی مغفرت تو خلافِ حکمت ہونی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مغفرت سے صاف مایوس فرما دیا گیا اور مسلمان کتنا ہی سخت گناہ گار ہو، چونکہ اس کی خرابی صرف اعمال تک ہے، اس کا عقیدہ اور تعلق اور توقع سب جوں کی توں موجود ہیں۔ اس کی مغفرت ضرور ہوگی، جلدی یا دیر کے بعد۔ اللہ جب چاہے گا، بخش دے گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ
اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں
يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس پر لعنت کی اللہ نے

مشرکین کی جہالت:

یعنی ان مشرکوں نے اللہ کے سواء جو اپنا معبود بنایا تو ان بتوں کو، جن کو عورتوں کے نام سے نامزد کر رکھا ہے، جیسے عزیٰ اور مناۃ اور نائلہ وغیرہ۔ اور حقیقۃ الامر دیکھئے تو یہ مشرکین شیطانِ سرکش ملعونِ الٰہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی نے تو بہکا کر ایسا کرایا اور بت پرستی کرنے میں اس کی اطاعت اور اس کی عین خوشی ہے۔ اس سے مشرکین کی پرلے سرے کی ضلالت اور جہالت ظاہر فرمانی مقصود ہے۔ دیکھئے! اول تو اللہ کے سواء کسی کو معبود بنانا اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے، پھر بنایا تو کس کو پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں۔ اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں اور کس کے بتلانے سے شیطانِ مردود و ملعونِ خداوندی کے بہکانے سے کیا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے اور کوئی احمق سے احمق بھی اس کو قبول کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ عورت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "اناثاً" سے مراد بت ہیں۔

صحیحین میں ہے، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بالکل بے عیب ہوتا ہے، لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے، اللہ عز وجل فرماتا ہے، میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا، لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
اور کہا شیطان نے کہ میں البتہ لونگا تیرے بندوں سے
مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
حصہ مقررہ

شیطان کا پروگرام:

یعنی جب شیطان سجدہ نہ کرنے پر ملعون اور مردود کیا گیا تو اس نے تو اسی وقت کہا تھا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر میں بھی تیرے بندوں یعنی اولاد آدم میں سے اپنے لئے ایک مقدار معلوم اور بڑا حصہ لوں گا یعنی ان کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں گا جیسا کہ سورۂ حجر اور بنی اسرائیل وغیرہ میں مذکور ہے مطلب یہ ہوا کہ متمرد اور ملعون ہونے کے علاوہ شیطان تو جملہ بنی آدم کا اول روز سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے اور اس دشمنی کو صاف ظاہر کر چکا ہے تو اب یہ احتمال بھی نہ رہا کہ گو شیطان ہر طرح سے خبیث و گمراہ ہے مگر شاید کسی کو خیر خواہانہ کوئی نفع کی بات بتلا دے بلکہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دشمنِ ازلی تو بنی آدم کو جو کچھ بتلائے گا ان کی گمراہی اور بربادی ہی کی بات بتلائے گا پھر ایسے گمراہ اور بدخواہ کی اطاعت کرنی کس قدر جہالت اور نادانی ہے حصہ مقررہ لینے کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تیرے بندے اپنے مال میں میرا حصہ ٹھہرائیں گے جیسا کہ لوگ بت یا جن وغیرہ غیر اللہ کی نذر اور نیاز کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
اور اُن کو بہکاؤں گا اور اُن کو اُمیدیں دلاؤں گا اور اُن کو سکھلاؤں گا
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ
کہ چیریں جانوروں کے کان اور اُن کو سکھلاؤں گا کہ بدلیں صورتیں
خَلْقَ اللّٰهِ ۚ
بنائی ہوئی اللہ کی

یعنی جو لوگ میرے حصہ میں آئیں گے ان کو طریق حق سے گمراہ کرونگا اور ان کو حیاتِ دنیوی اور خواہشات کے حصول کی اور قیامت اور حساب و کتابِ امورِ اخروی کے نہ ہونے کی آرزو دلاؤنگا۔ اور اس بات کی تعلیم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر ان کو چھوڑیں گے۔ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو اور اس کی مقرر کی ہوئی باتوں کو بدل ڈالیں گے۔

اللہ کی پیدائش کو تبدیل کرنا:

فائدہ: کافروں کا دستور تھا گائے، بکری، اونٹ کا بچہ بت کے نام کا کر دیتے اور اس کا کان چیر کر، یا اس کے کان میں نشانی ڈال کر چھوڑ دیتے۔ اور صورت بدلنا جیسے خوجہ کرنا، یا بدن کو سوئی سے گود کر تل بنانا، یا نیلا

داغ دینا، یا بچوں کے سر پر چوٹیاں رکھنی کسی کے نام کی۔ مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا ضرور ہے۔ داڑھی منڈوانا بھی اسی تغیر میں داخل ہے۔ اور اللہ کے جتنے احکام ہیں کسی میں تغیر کرنا بہت سخت بات ہے۔ جو چیز اس نے حلال کر دی، اس کو حرام کرنا، یا حرام کو حلال کرنا اسلام سے نکال دیتا ہے۔ تو جو کوئی ان باتوں میں مبتلاء ہو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ میں شیطان کے مقررہ حصہ میں داخل ہوں، جس کا ذکر گزرا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تغیر خلق اللہ میں مندرجہ ذیل امور داخل ہیں۔ حامی (نر سانڈ) کی ایک آنکھ پھوڑ دینا (جیسا کہ مشرک کیا کرتے تھے)۔ غلاموں کو خصی بنانا، گودنا (یعنی سوئی سے گود کر اس میں کاجل بھرنا تا کہ کھال پر بیل بوٹے یا کسی مندر وغیرہ کی تصویر کھد جائے)، دانتوں کو ریت کر تیز کرنا، (لاش کو) مثلہ کرنا (یعنی ناک کان یا ہاتھ پاؤں کاٹ دینا)، لواطت یا عورتوں کا آپس میں تحق کرنا، چاند سورج اور پتھروں (درختوں، دریاؤں وغیرہ) کی پوجا کرنا، ہاتھ پاؤں اور بدنی طاقتوں کو ان کاموں میں صرف کرنا جو نفس میں کسی طرح کا کمال پیدا کرنے والے نہ ہوں، فطرتِ خداوندی یعنی اسلام کو بگاڑ دینا۔

فِطْرَةَ اللهِ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح چوپایوں کا بچہ پورے اعضاء کا پیدا ہوتا ہے (نہ دم کٹا ہوتا ہے نہ کان چرا، نہ خصی)۔ کیا تم (پیدائشی طور پر کسی جانور کے بچہ کے) ناک، کان، لب، ہاتھ، پاؤں کٹے ہوئے پاتے ہو؟ اس بیان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، (فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ):

(رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما)

گودنے اور گدوانے والی:

حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کرتے تھے گودنے والی، گدوانے والی، بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر۔

جانوروں کو خصی کرنا:

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جانوروں کو خصی کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے نماء (بڑھوتری) تو نروں میں ہی ہے (ان کی تنقیص درست نہیں)۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جانوروں کو خصی کرنے میں کوئی گناہ نہیں (ہدایہ)

ہزار میں ایک جنتی:

حسن نے کہا، ہر ہزار میں سے ۹۹۹ دوزخ کو اور ایک جنت کو جائے گا۔ میں کہتا ہوں، حدیث بعث النار میں ایسا ہی آیا ہے۔ یا مفروضا کا معنی ہے جدا، الگ۔ یعنی خوش نصیبوں سے الگ بدبختوں کی جماعت۔

(وَلَاُضِلَّنَّهُمْ) اور ضرور (راہِ حق سے) ان کو بھٹکاؤں گا۔ یعنی ان کے دلوں میں وسوسے ڈالوں گا اور خواہشاتِ نفس کو آراستہ و پیراستہ شکل میں، ان کے سامنے لاؤں گا۔ گمراہ کرنے کی نسبت شیطان کی طرف مجازی ہے (حقیقت میں گمراہ کرنے والا اور ہدایت یاب بنانے والا اللہ ہی ہے۔ شیطان تو گمراہی کا ایک ذریعہ ہے)۔

شیطان کا طریقہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بعض لوگوں کے پاس شیطان آ کر کہتا ہے اس کو کس نے پیدا کیا (پھر) اس کو کس نے پیدا کیا۔ (بندہ کہتا چلا جاتا ہے کہ سب کو رب نے پیدا کیا)۔ لہٰذا اگر کوئی اس درجہ تک پہنچ جائے تو اس کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے (کیونکہ یہ تو شیطانی توہم ہے) اور (اپنے توہم سے) باز آ جانا چاہئے، ﴿رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما﴾

(وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ) اور میں یقیناً ان کو (باطل) ہوسیں دلاؤں گا کہ نہ قیامت ہوگی، نہ عذاب ہوگا اور زندگی بھی بہت لمبی ہے۔ اور باوجود عصیاں کوشی کے سعادتِ آخرت تم کو ملے گی۔

شیطان کا خون کی طرح دوڑنا:

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کے اندر جہاں خون دوڑتا ہے، شیطان بھی وہاں دوڑتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کو ایک کچوکا شیطان کا اور ایک کچوکا فرشتہ کا ہوتا ہے۔ شیطان کا کچوکا تو شر کا آرزو مند کرنا اور حق کو جھٹلانا ہے۔ اور فرشتہ کا کچوکا خیر کا وعدہ دلانا اور حق کی تصدیق کرنا ہے۔ اگر کسی کو یہ چیز مل جائے تو یقین کر لے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، اور اللہ کا شکر کرے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اور جو کوئی بناوے شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر
اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ
تو وہ پڑا صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے

وَ يُمَنِّيهِمْ ۖ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے

اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا

ان کو شیطان سو سب فریب ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

پاویں گے وہاں سے کہیں بھاگنے کو جگہ

یعنی جب شیطان کی خباثت و شرارت اور اس کی عداوت کی کیفیت خوب معلوم ہو چکی تو اب اس میں کچھ شک نہ رہا کہ اپنے سچے معبود سے منحرف ہو کر جو کوئی اس کی موافقت کرے گا، سخت نقصان میں پڑے گا۔ اس کے تمام وعدے اور امیدیں محض فریب ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا، یعنی جو شیطان کو اپنا رب بنائے گا کہ اللہ کے حکم کے خلاف شیطان کے حکم کو مانے گا۔

نکتہ: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرک کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا مقبول نہیں۔ اللہ کی شرک آمیز عبادت درحقیقت اللہ کی عبادت نہیں، غیر کی عبادت ہے۔ اللہ کی عبادت، غیر کی عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

مشرک کے ساتھ اللہ کا معاملہ:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے، میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے غنی ہوں۔ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے، میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ دوسری آیت میں آیا ہے، میں اس سے بری ہوں۔ اس کا عمل اسی (شریک) کیلئے ہے جس کے لئے اس نے کیا ہے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

(يَعِدُهُمْ): شیطان ان کو وعدے دیتا ہے۔ یعنی دماغوں میں فاسدہ خیالات پیدا کرتا ہے، یا اپنے دوستوں کی زبانی ایسے وعدے کراتا ہے جن کو وہ کبھی پورا نہیں کرتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان خود آدمی کی شکل میں آ کر کامیابی کے لالچ دیتا ہو۔ جیسا جنگ بدر میں کیا تھا اور کہا تھا، لا غالب لکم الیوم۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں، میں ضامن ہوں۔ لیکن، (فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ) جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو ایڑیاں موڑ کر بھاگ گیا۔ اور کہنے لگا، آج تمہاری کوئی حمایت نہیں کر سکتا۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ چیزیں نظر آ رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔

(وَ يُمَنِّيهِمْ) اور ان کو امیدیں دلاتا ہے۔ باطل امیدیں جن کو وہ کبھی نہیں پاتے، مثلاً طول عمر اور کثرت مال کی امیدیں۔

(وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا) اور شیطان کا وعدہ محض فریب ہی ہوتا ہے۔ نقصان رساں فعل کو نفع بخش اور سود مند کام کو ضرر آفریں بتاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الشیطان یعدکم الفقر۔ یعنی شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے۔ کہتا ہے اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے یا رشتہ داروں کو دو گے تو محتاج ہو جاؤ گے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

انکو ہم داخل کرینگے باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ

نہریں رہا کریں ان ہی میں ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ سے سچا کون

شیطان سے محفوظ رہنے والوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ:

یعنی اور لوگ جو شیطان کی خرابی سے محفوظ ہیں اور ارشاد خداوندی کے موافق ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، وہ ہمیشہ کے لئے باغ و بہار میں رہیں گے۔ اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جس سے سچی کسی کی بات نہیں ہو سکتی۔ پھر ایسے سچے وعدے کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی باتوں میں آنا کس قدر گمراہی اور کتنی بڑی مضرت کو سر پر لینا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ

برا کام کرے گا اس کی سزا پاویگا اور نہ پاوے گا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ

اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار اور

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

جو کوئی کام کرے اچھے مرد ہو یا عورت

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا تل بھر

مغفرت کیلئے نیک عمل کی ضرورت:

کتاب والوں یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کو خیال تھا کہ ہم خاص بندے ہیں، جن گناہوں پر خلقت پکڑی جائے ہم نہ پکڑے جائیں گے۔ ہمارے پیغمبر حمایت کر کے ہم کو بچالیں گے۔ اور نادان اہلِ اسلام بھی اپنے حق میں یہی خیال کرلیا کرتے ہیں۔ سو فرمادیا کہ نجات اور ثواب کسی کی امید اور خیال پر موقوف اور منحصر نہیں۔ جو برا کرے گا، پکڑا جائے گا۔ کوئی ہو اللہ کے عذاب کے وقت کسی کی حمایت کام نہیں آسکتی۔ اللہ جس کو پکڑے وہی چھوڑے تو چھوٹے۔ دنیا کی مصیبت اور بیماری کو دھیان کرلو۔ اور جو کوئی عملِ نیک کرے گا، بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو، سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اپنی نیکیوں کا پورا ثواب پائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ثواب و عقاب کا تعلق اعمال سے ہے۔ کسی کی امید اور آرزو سے کچھ نہیں ہوتا۔ سو ان امیدوں پر لات مارو اور نیک کاموں میں ہمت کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بیعت نبوی:

حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت میں آیا ہے کہ صحابہؓ کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری بیعت کرو! کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ کروگے، چوری نہ کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے، کسی پر تہمت تراشی دیدہ و دانستہ نہیں کروگے اور کسی اچھے کام (کے معاملہ) میں نافرمانی نہیں کروگے۔ پس تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا، تو اس کے اجر کا اللہ ذمہ دار ہے۔ اور اگر کچھ (گناہ) کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا مل جائے گی تو اس کے گناہ کی معافی ہوجائے گی۔ لیکن اگر کسی نے کوئی نافرمانی کی، پھر اللہ نے اس کا پردہ ڈھانکے رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ چاہے معاف کردے، چاہے سزادے۔ ہم نے ان شرائط پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ﴿صحیحین﴾

مومن کی بیماری:

ابن ابی شیبہ اور احمد اور بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مومن پر جو بیماری دکھ خرابی اور غم وفکر آتا ہے، اللہ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ کردیتا ہے۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایت سے بھی ایسا آیا ہے۔ ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت بریدہؓ اسلمی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے، جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی لگتا ہے، تو اس کا نتیجہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ یا تو اس مصیبت کے عوض اللہ اس کا کوئی گناہ معاف کردیتا ہے جو بغیر اس کے معاف ہونے والا نہیں ہوتا۔ یا اس کو کسی عزت پر پہنچادیتا ہے کہ اس جیسی مصیبت کے بغیر اس عزت پر پہنچ نہیں سکتا تھا۔

ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابو فاطمہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ اللہ بندہ کو دکھ میں مبتلاء کردیتا ہے۔ اور یہ صرف اللہ کی طرف سے بندہ پر مہربانی ہوتی ہے۔ جنت کے اندر اس بندہ کو ایسا درجہ عنایت ہوگا جس پر بغیر اس دکھ میں مبتلاء ہونے کے اور کسی عمل سے وہ پہنچ نہیں سکتا۔ بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

صحابہ پر اس آیت کا اثر:

جامع ترمذی اور تفسیر ابن جریر وغیرہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ان کو سنائی تو ان پر یہ اثر ہوا جیسے کمر ٹوٹ گئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اثر دیکھ کر فرمایا، کیا بات ہے؟ تو صدیقِ اکبرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون ایسا ہے، جس نے کوئی برائی نہیں کی، اور جب ہر برائی کی جزاء ملنی ہے تو ہم میں سے کون بچے گا؟ آپؐ نے فرمایا، اے ابوبکرؓ! آپ اور آپ کے مومن بھائی کوئی فکر نہ کریں، کیونکہ دنیا کی تکالیف کے ذریعہ آپ لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا آپ بیمار نہیں ہوتے؟ کیا آپ کو کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچتا؟ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، بے شک سب چیزیں پہنچتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، بس یہی جزاء ہے تمہارے سیئات کی۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک حدیث میں ہے، جس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ کہ بندہ کو جو بخار یا تکلیف پہنچتی ہے، یا کانٹا لگتا ہے، تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز ایک جیب میں تلاش کرے، مگر دوسری جیب میں ملے۔ اتنی مشقت بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ
اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر
حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾
جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے بنالیا ابراہیم کو خالص دوست

حضرات صحابہ کی فضیلت:

پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال کا اعتبار ہے بیہودہ آرزو کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اہل کتاب وغیرہ سب کے لئے یہی قاعدہ مقرر ہے جس میں اشارہ تھا اہل اسلام یعنی حضرات صحابہ کی تعریف اور فضیلت کی طرف اور اہل کتاب کی مذمت اور برائی کی طرف اب کھول کر فرماتے ہیں کہ دینداری میں ایسے شخص کا مقابلہ کون کر سکتا ہے جو دل سے لگا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی سچی پیروی کرتا ہو جو سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو گیا تھا اور اس کو اللہ نے اپنا دوست بنالیا ظاہر ہے کہ یہ تینوں خوبی حضرات صحابہ میں علی درجۃ الکمال موجود تھیں نہ کہ اہل کتاب میں اب اس سے اہل کتاب کی وہ آرزو جو پہلے گذری لغو محض اور باطل ہو گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سبب نزول:

بغوی نے مسروق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب آیت (لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ) نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا ہم اور تم برابر ہیں اس پر آیت وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ الخ نازل ہوئی اور مندرجہ ذیل آیت کا بھی نزول ہوا۔

(وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ) :اور ایسے شخص سے اچھا دین کس کا ہوگا جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی جسنے اپنی ذات کو اللہ کے لئے خالص کر دیا کہ اس کے قلب کی کوئی علمی یا میلانی وابستگی اور آوختگی غیر خدا سے نہیں رہی دل اور سارا بدن اللہ کے اوامر و نواہی کا پابند ہو گیا یہاں تک کہ عالم امکان میں اپنا یا کسی اور کا کوئی وجود اصلی حقیقی استوار ہی نہیں آتا کسی کے مستقل وجود یا کسی کو معبود و محبوب ماننے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

نکتہ: انکار کو بصورت استفہام ذکر کرنے سے کمال انکار کی طرف اشارہ ہے۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ: ایسی حالت میں کہ وہ اچھے کام کرنے والا بھی ہے یعنی نیک اعمال کرتا اور برے کام چھوڑ دیتا اور ہمیشہ حضور قلبی اور اخلاص رکھتا ہے۔

احسان کیا ہے:

حضرت جبرئیلؑ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ احسان (اعمال کی خوبی) کیا ہے تو آپ نے فرمایا (عبادت کی خوبی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اللہ کو (اس وقت اپنی نظر) سے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ پاتے تو وہ تو یقیناً تم کو دیکھتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ متفق علیہ۔

ابراہیم علیہ السلام کی شان:

روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور پوچھا کیا آپ کو مدد کی ضرورت ہے فرمایا آپ کی مدد کی ضرورت نہیں حضرت جبرئیلؑ نے کہا تو اپنے رب سے ہی دعا کیجئے فرمایا وہ میرے حال کو جانتا اس کو میرے سوال کی ضرورت نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کی وجہ:

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ جبرئیلؑ اللہ نے ابراہیمؑ کو خلیل کس وجہ سے بنایا حضرت جبرئیلؑ نے کہا (مخلوق کو) کھانا کھلانے کی وجہ سے۔ ابن المنذر نے ابن ابزی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے پوچھا میرے رب نے مجھے خلیل کس وجہ سے بنایا ملک الموت نے جواب دیا اس لئے کہ آپ (مخلوق کو) دینا پسند کرتے ہیں لینا پسند نہیں کرتے۔ دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی روایت سے اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ زبیر بن بکار کا قول ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کے پاس وحی بھیجی کیا تم واقف ہو کہ میں نے تم کو خلیل کیوں بنایا ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے رب مجھے نہیں معلوم اللہ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تیرے دل کو دیکھا تو میں نے پایا کہ تو دینا پسند کرتا ہے اور یہ پسند نہیں کرتا کہ تجھے دیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کو خلیل کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ صرف اللہ کے محتاج تھے مخلوق کے سامنے اپنی حاجت نہیں پیش کرتے تھے۔ آپ دیتے تھے لیتے نہ تھے اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے۔

نکتہ: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا : جملہ معترضہ ہے وسط کلام میں اس کا ذکر اتباع ملت ابراہیمی کے وجوب کو مؤکد طور پر ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اتنے اونچے مرتبہ پر فائز ہو جائے کہ اللہ اس کو اپنا خلیل بنائے محبّ اور حبیب کے راز ظاہر کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم کا ایک عجیب واقعہ:

عبدالرزاق اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں زید بن اسلم کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ زمین پر سب سے اول جبار نمرود تھا لوگ اس سے آ کر کھانے کے لئے اناج مانگتے تھے اور وہ دیتا تھا دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک بار حضرت ابراہیمؑ بھی اس سے غلہ لینے گئے جب لوگ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا تمہارا پالنہار کون ہے لوگوں نے کہا آپ (اس نے غلہ دیدیا) جب حضرت ابراہیمؑ کی باری آئی اور آپ پہنچے تو نمرود نے پوچھا تیرا رب کون ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میرا مالک وہ ہے جس کے قبضہ میں موت وزندگی ہے نمرود نے کہا میں بھی موت وزندگی دیتا ہوں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے (اگر تجھے رب ہونے کا دعویٰ ہے تو) تو اس کو مغرب کی طرف سے لے آ۔ یہ بات سن کر وہ منکر خدا لاجواب ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ کو بغیر اناج دیئے واپس کر دیا۔ واپسی میں آپ کا گذر خاکستر رنگ کے ایک ریت کے ٹیلے کی طرف سے ہوا آپ نے سوچا کہ گھر والوں کو بہلانے کے لئے مجھے یہی ریت کچھ لے لینا چاہئے۔ تاکہ میرے پہنچتے ہی ان کو مایوسی نہ ہو (رات گذرنے کے بعد صبح ہوگی تو دیکھا جائے گا) یہ سوچ کر آپ نے کچھ ریت لے لی اور گھر پہنچ کر سامان اتار کر رکھ دیا اور سو گئے (رات میں) بیوی نے اٹھ کر سامان کھولا تو اندر سے اعلیٰ قسم کا غلہ نکلا۔ اس نے فوراً اس میں سے کچھ لے کر کھانا تیار کیا اور ابراہیمؑ کے سامنے لے آئی۔ حضرت ابراہیمؑ جس وقت گئے تو گھر میں کچھ کھانا نہیں تھا اب کھانا سامنے آیا تو پوچھا یہ کہاں سے تیار کیا گیا بیوی نے کہا اسی غلہ سے تیار کیا گیا ہے جو آپ لے کر آئے تھے اس وقت آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

امت کے اعمال اور کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وکمال ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا۔ اس کو اس طریقہ پر چلنے کا ثواب بھی ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ہوگا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر ان چلنے والوں کے ثواب میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت کے اعمال اور کمالات کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور کمالات میں ہے۔ حضورؐ نے اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے ان تفصیلی کمالات کو طلب کرنے کے لئے ہی دعا کی تھی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ہزار برس کے بعد یہ مقام حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو عنایت فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام:

ترمذی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم خلیل اللہ تھے اور واقع میں وہ ایسے ہی تھے (لیکن) سن لو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور (یہ) فخر نہیں ہے (اظہار واقعہ ہے) سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور یہ فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں ہی جنت کی زنجیر ہلاؤنگا اللہ اس کو کھول کر مجھ کو اندر داخل فرمائے گا۔ اس وقت میرے ساتھ فقراء مومنین بھی ہونگے اور یہ فخر نہیں ہے اور میں قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں گا اور یہ فخر نہیں ہے۔ ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو خلت کے لئے اور موسیٰ کو کلام کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار کے لئے چن لیا۔

امت محمدیہ کی مثال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میری امت کی حالت بارش کی طرح ہے کہ معلوم نہیں اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخر حصہ یا باغ کی طرح ہے جس سے ایک سال ایک جماعت کو اور دوسرے سال دوسری جماعت کو کھانے کو ملتا ہے ہو سکتا ہے کہ دوسرے سال والی جماعت پہلی جماعت سے زیادہ فراخ اور وسیع رزق والی اور اس سے زیادہ خوش حال ہو۔ رواہ رزین من حدیث جعفر بن محمدؒ۔

عمل کے مقبول ہونے کی شرطیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کے مقبول ہونے کی دو

شرطیں ہیں۔ اخلاص اور حسن عمل نام ہے اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس لئے اخلاص کے ساتھ اور حسن عمل کرنے والوں کا یہ بھی فرض ہے کہ عمل کرنے سے پہلے یہ معلوم کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کس طرح کیا ہے، اور اسکے متعلق کیا ہدایتیں دی ہیں، ہمارا جو عمل سنت کے طریقہ سے ہٹے گا۔ نامقبول ہوگا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات وخیرات اور ذکر اللہ اور درود وسلام سب میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کس طرح انجام دیا، اور کس طرح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے، آخر آیت میں اخلاص اور حسن عمل کی ایک مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش کر کے ان کے اتباع کا حکم دیا گیا اور واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا۔ فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ حضرت خلیلؑ کے اس مقام بلند کا سبب یہی ہے کہ وہ مخلص بھی اعلیٰ درجے کے تھے اور ان کا عمل بھی باشارت خداوندی صحیح اور درست تھا۔ ﴿معارف القرآن مفتیؒ﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ میں فرمایا تھا: لوگو! اگر میں زمین میں سے کسی کو خلیل اور دلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر بن ابو قحافہ کو بناتا، بلکہ تمہارے ساتھی (محمدؐ) خدا کے خلیل ہیں۔ ﴿بخاری ومسلم﴾

ابراہیم علیہ السلام کی ملک الموت علیہ السلام سے گفتگو:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے کوئی نہ ملا۔ واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے۔ پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں، مجھے اللہ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ خدا نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیمؑ نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتائیے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ خدا کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گزاروں گا یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن امور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے سن کر فرمایا اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو۔ اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ خوف:

صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت خوف خدا آپ پر غالب آجاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے تھے اس طرح دور ونزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کی کھدبدی کی آواز ہو۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾
اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں

ممکنہ وہم کا ازالہ:

یعنی زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کے بندے اور اس کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں اپنی رحمت اور حکمت سے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے اس کو کسی کی حاجت نہیں خلیل بنانے سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور اہل عالم کے جملہ اعمال خیر وشر کی جزا اور سزا میں تردد نہ کرے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ
اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دے
فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ
اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن
يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا
میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کیلئے
كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
مقرر کیا ہے اور چاہتے ہو کہ انکو نکاح میں لے آؤ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ
اور حکم ہے ناتواں لڑکوں کا اور یہ کہ قائم رہو

تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ
یتیموں کے حق میں انصاف پر

سببِ نزول:

اس سورت کے اول میں تاکید فرمائی تھی یتیموں کے حق ادا کرنے کی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کرسکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعضی جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی اور فرمایا کہ وہ جو پہلے ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فائدہ: عرب والے عورتوں بچوں یتیموں کو بعض حقوق میں محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بے جا تصرف کرتے تھے۔ چنانچہ اس سورت کے اول میں ان باتوں کی تاکیدات گذر چکیں اب اس موقع پر چند رکوع پہلے سے جو ارشاد چلا آرہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الٰہی ہے کہ کسی کی عقل کسی کا دستور کسی کا حکم کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سننی اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن اور بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں۔ آپ نے فرمایا بیشک حق تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ان کو میراث دی جائے نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ارشاد ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کے مطابق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں کہ نکاح مہر نفقہ معاملات میں اپنے زیردستوں کی ادنیٰ حق تلفی روا نہیں رکھتے اور حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنے منافع اور اغراض ذاتی اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی اصلا پروا نہیں کرتے یہی حکم الٰہی کی مخالفت کے احتمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو کرتے ہیں صاف اجازت لینے کے بعد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو
بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾
معلوم ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذرہ ذرہ بھلائی معلوم ہے سو یتیموں اور عورتوں کے حق میں جو بھلائی کرو گے اس کا ثواب ضرور پاؤ گے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا
یا جی پھر جانے سے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں
بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ
آپس میں کسی طرح صلح اور صلح خوب چیز ہے

یعنی اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کرلے تو اس میں مصالحت میں کسی کے ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ازدواجی زندگی کے متعلق چند قرآنی ہدایات:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا﴾ (الی قولہ) واسعاً حکیماً.

ان تینوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ازدواجی زندگی کے اس تلخ اور کٹھن

پہلو کے متعلق ہدایات دی ہیں باہمی رنجش اور کشیدگی، اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر صحیح اصول کے ماتحت قابو پانے کی کوشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ گھریلو رنجش خاندانوں اور قبیلوں کی باہمی جنگ اور قتال تک نوبت پہنچا دیتی ہے قرآن عزیز مرد و عورت دونوں کے تمام جذبات اور احساسات کو سامنے رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام زندگی بتلانے کے لئے آیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا ہی میں جنت بن جائے گا، گھریلو تلخیاں محبت و راحت میں تبدیل ہو جائیں گے، اور اگر نا گزیر حالات میں علیحدگی کی نوبت بھی آ جائے تو وہ بھی خوشگوار طریقہ، خوش اسلوبی کے ساتھ، قطع تعلق بھی ایسا ہو کہ عداوت و دشمنی اور ایذا رسانی کے جذبات پیچھے نہ چھوڑے،

متعلقہ آیات کے مضمون کا خلاصہ یہ ہو گیا کہ شوہر جب یہ دیکھے کہ کسی وجہ سے اس کا دل اپنی بیوی سے نہیں ملتا اور اس کے حقوق پورے نہیں ہوتے تو جہاں تک بیوی کے اختیاری معاملات کا تعلق ہے ان کی تو اصلاح کی کوشش کرے، تنبیہ کے لئے عارضی طور پر بے رخی، زبانی تنبیہ اور مجبوری معمولی مار پیٹ بھی کرنا پڑے تو کرے، جیسا کہ سورۂ نساء کی شروع کی آیات میں گزر چکا ہے، اور اگر ساری کوششوں کے باوجود اصلاح سے مایوس ہو جائے یا معاملہ کوئی ایسا ہے جس کا درست کرنا عورت کے اختیار ہی میں نہیں، تو اب اس کو قانون شرع یہ حق دیتا ہے کہ خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے طلاق دے کر آزاد کر دے۔ لیکن اگر وہ اس کے تعلق کو اسی حالت میں نبھائے، اپنے حقوق کو نظر انداز اور اس کے حقوق پورے پورے ادا کرے تو یہ اس کے لئے افضل و اعلیٰ اور موجب ثواب عظیم ہے، اس کے بالمقابل اگر معاملہ برعکس ہو کہ مرد حقوق واجبہ نہیں ادا کرتا، اس لئے عورت آزادی چاہتی ہے تو اس صورت میں اگر شوہر بھی آزاد کرنے پر راضی ہے تو معاملہ صاف ہے عورت کو بھی یہ حق ملتا ہے کہ جب شوہر ادائے حقوق میں کوتاہی کی بناء پر اس کو آزاد کرنا چاہے تو عورت بھی اپنی آزادی اختیار کر لے، اور اگر شوہر باختیار خود آزاد کرنے پر آمادہ نہیں تو عورت کو حق پہنچتا ہے کہ اسلامی عدالت سے اپنی آزادی کا مطالبہ کر کے آزاد ہو جائے لیکن اگر وہ شوہر کی بے رخی اور کج روی پر صبر کر کے اپنے حقوق کا مطالبہ چھوڑ کر اس کو نبھائے۔ اور شوہر کے حقوق کو ادا کرے تو یہ اس کے لے افضل و اعلیٰ اور موجب ثواب عظیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہراتؓ میں برابری اور عدل کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے، اور ساتھ ہی بارگاہ جل شانہ میں عرض کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ

"یعنی اے اللہ! یہ میری منصفانہ تقسیم اور مساوات اس چیز میں ہے جو میرے اختیار میں ہو اس لئے جو چیز آپ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں، یعنی قلبی میلان اور رجحان اس میں مجھ سے مؤاخذہ نہ فرما۔ (معارف القرآن جلد دوم)

صلح کی اقسام:

امام اعظم رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ نکالا کہ صلح کی سب اقسام جائز ہیں، خواہ اقرار کے ساتھ ہو جیسے مدعا علیہ یہ اقرار کرے کہ مدعی کے دعوے کے مطابق میرے ذمہ اس کے ایک ہزار روپیہ واجب الاداء ہیں، پھر مصالحت اس پر ہو جائے کہ مدعی اس میں سے کچھ رقم لے لے، یا مدعا علیہ دعوے کے بارے میں اقرار و انکار کچھ نہ کرے، اور کہے کہ حقیقت میں جو کچھ بھی ہو میں چاہتا ہوں کہ تم اس صورت پر صلح کر لو، یا مدعا علیہ دعوی سے قطعی انکار کر لے۔ لیکن انکار کے باوجود جھگڑا قطع کرنے کے لئے کچھ دینے پر راضی ہو جائے اور اس پر صلح ہو جائے یہ تینوں قسمیں صلح کی جائز ہیں، سکوت اور انکار کی صورت میں بعض ائمہ فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔ (معارف القرآن مفتی)

حضرت علیؓ نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا، اگر کوئی عورت کسی کے نکاح میں ہو، لیکن بدصورتی یا زیادتی عمر کے سبب مرد کی نظر میں نہ جچے، اور عورت اس مرد سے جدا ہونا بھی پسند نہ کرے اور (نکاح میں قائم رہنے کے لئے) مرد کو کچھ مال دے دے، تو یہ مال اس شخص کے لئے حلال ہے۔ اور اگر اپنی باریوں میں سے کوئی باری دے، تب بھی درست ہے۔

نکتہ: آیت میں لفظ بَیْنَهُمَا سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر کسی تیسرے کے دخل دیئے، میاں بی بی کو خود ہی باہم صلح کر لینی مناسب ہے تا کہ ان کے آپس کی کوئی بری بات تیسرے آدمی کو معلوم نہ ہو۔

وہم کا ازالہ:

عورت کا اپنے حق میں کچھ دینا رشوت کی مشابہت رکھتا ہے۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے بھی وَالصُّلْحُ فرمایا۔

آیت کا عموم:

یہ آیت اگرچہ میاں بیوی کے درمیان مصالحت کرنے کے سلسلہ میں

خصوصیت سے نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ الفاظ عام ہیں، لہٰذا صحیح دعویٰ کے بعد جو بھی مصالحت ہو اس کو حکمِ آیت شامل ہے۔

ناجائز صلح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی صلح جائز ہے، مگر وہ صلح ناجائز ہے، جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔ اور مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر اس شرط کے پابند نہیں جو حلال کو حرام کر دے۔ رواہ الحاکم۔

مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے اس شرط پر صلح کرلے کہ اس کی سوکن سے صحبت نہیں کرے گا (سوکن سے صحبت قطعی طور حلال ہے، اگر بیوی سے صلح اس کی سوکن سے ترکِ صحبت کی شرط پر کرے گا، تو یہ صلح باطل ہوگی) دیکھو اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور بیوی شوہر سے اس شرط پر صلح کرلے کہ میں اپنی باری سوکن کو دیتی ہوں، مجھے طلاق نہ دو، تو یہ مصالحت باجماعِ علماء صحیح ہے باوجودیکہ مصالحت سے پہلے بعض عورتوں کو باری کی تقسیم میں ترجیح دینا حرام تھا، مگر مصالحت کی وجہ سے حلال ہوگیا۔

مسئلہ: اقرارِ دعویٰ کے بعد اگر مصالحت ہوجائے تو اگر مالی دعویٰ ہو اور اس کے عوض کچھ مال دینے کی شرط پر مصالحت ہوجائے تو اس کو بیع سمجھا جائے گا (جس مال کا دعویٰ ہے اور مدعیٰ علیہ اس کا مقر ہے وہ ثمن اور جو مال دعویٰ والے مال کے عوض دینا قرار پایا ہو وہ بیع قرار پائے گا)۔ لہٰذا اس میں شفعہ کا قانون جاری ہوگا۔ خیارِ عیب خیارِ شرط اور خیارِ رؤیت بھی ہوگا۔ مال بدل اگر مجہول ہو تو عقدِ صلح فاسد ہوجائے گا۔ لیکن اگر وہ مال مجہول ہو جس کا دعویٰ تھا تو عقدِ صلح فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اس کو تو ساقط ہونا ہی ہے، وصول ہونا نہیں ہے (اور ساقط ہونے والے حق کی جہالت میں مضر نہیں نہ باعثِ نزاع بن سکتی ہے)۔ یہ ضروری ہے کہ مدعیٰ علیہ کو مالِ بدل ادا کرنے پر قدرت ہو۔

اگر مال کا دعویٰ ہو اور اس کے عوض (مدعی کا) کچھ کام کرنا طے ہو جائے تو اس کا قیاس عقدِ اجارہ پر ہوگا (یعنی اس کو اجارہ مانا جائے۔ اور جس طرح اجارہ میں کام کے وقت کی تعیین ضروری ہے، اسی طرح اس میں وقت کی تعیین ضروری ہے۔ اور اگر مدتِ مصالحت کے اندر مدعی مدعیٰ علیہ میں سے کوئی مرجائے تو عقدِ مصالحت باطل ہوجائے گا۔

مسئلہ: سکوت و انکار کی صورت میں مصالحت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے بچ جائے گا (مصالحت نہ ہوتی تو مدعاء علیہ پر قسم عائد ہوتی، کیونکہ منکر پر قسم عائد ہوتی ہے) اور مدعی کو اپنے حق کا معاوضہ مل جائے گا۔ لہٰذا مدعی نے اگر کسی گھر کے متعلق دعویٰ کیا اور کچھ دے کر مدعیٰ علیہ نے مصالحت کرلی تو اس مکان میں شفعہ واجب نہیں، لیکن اگر دعویٰ کے عوض مدعیٰ علیہ نے مکان دے دیا تو اس مکان میں شفعہ واجب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مکان کا دعویٰ کیا اور مکان کا ایک ٹکڑا مدعیٰ علیہ نے دے کر صلح کرلی تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جتنا حصہ مدعی نے حاصل کرلیا وہ اس کے دعویٰ کا ایک جزو ہے، اس لئے باقی حصہ میں اس کا دعویٰ قائم رہے گا۔ ہاں اگر مدعیٰ علیہ نے بدلِ صلح میں ایک درہم بڑھا دیا، یا یہ صراحت ہوگئی کہ مدعی باقی دعویٰ سے دست بردار ہوجائے گا تو صلح صحیح ہے، اور باقی حصہ میں مدعی کا دعویٰ قائم نہیں رہے گا۔

مرد اگر کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے اور کچھ مال لے کر دست بردار ہوجائے تو جائز ہے۔ گویا یہ خلع ہوجاتا ہے۔ اگر کسی پر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ تو میرا غلام ہے اور وہ کچھ مال دے کر مصالحت کرلے تو جائز ہے۔ گویا یہ مال کے عوض آزادی ہوجائے گی۔

مسئلہ: اگر کسی پر قرض کا دعویٰ ہو اور مدعیٰ علیہ کچھ دے کر مصالحت کرلے تو صحیح ہے۔ گویا یہ صورت اس طرح ہوجائے گی کہ مدعی نے اپنا کچھ قرض وصول کرلیا اور باقی معاف کردیا۔ پس اگر کھرے ہزار روپیہ کا دعویٰ ہو اور کھوٹے پانچ سو روپے پر صلح کرلی جائے، تو یہ صلح درست ہوگی۔ اور یوں سمجھا جائے گا کہ مدعی نے اپنے کھرے روپیہ کے حق کو معاف کردیا اور تعداد میں بھی کمی کردی اور نقدی کی جگہ ادائیگی کے لئے مہلت دے دی۔

لیکن اگر کھوٹے ہزار روپیہ کا دعویٰ ہو تو پانچ سو کھرے روپے کی ادائیگی پر صلح کرنا جائز نہیں (خواہ ادائیگی نقد ہو یا تاخیر کے ساتھ)۔ کیونکہ حق تو کھوٹے روپے کا تھا اور مصالحت کھرے روپیہ کی شرط پر ہوئی، تو کھوٹے ہزار روپے کا معاوضہ کھرے پانچ سو سے ہوگیا، یہ سود ہے۔

لیکن اگر دراہم (نقرئی) کا دعویٰ ہو اور (سونے کے) کچھ دینار پر مصالحت ہوجائے، تو چونکہ یہ بیع ہے، صرف ہوگئی، اس لئے اشرفیوں پر فوراً مجلسِ مصالحت کو چھوڑنے سے پہلے مدعی کا قبضہ ضروری ہے۔

سببِ نزول:

حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ آیت والصلح خیر اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کے نکاح میں ایک عورت تھی اور اس سے اس کے بچے بھی تھے، لیکن اس شخص نے اس کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ عورت نے اس کی رضامندی کے لئے کہا تم مجھے اپنے پاس رہنے دو اور مجھے اپنی باری کی ضرورت نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ
اور دلوں کے سامنے موجود ہے حرص

نفع کی حرص:

یعنی اپنے نفع اور مال کی حرص اور بخیلی ہر ایک کے جی میں گھسی ہوئی ہے۔ سو نظر بر مصلحت اگر عورت مرد کو کچھ نفع پہنچائے گی، تو مرد خوش ہو جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حرص، کنجوسی کی مذمت:

میرے نزدیک الشح کا معنی ہے "حرص آمیز کنجوسی"۔ صحاح و قاموس، یعنی اکثر حالات میں کسی سے کنجوسی دور نہیں ہوتی۔ نہ عورت کو گوارا ہوتا ہے کہ مرد اس کی طرف سے منہ پھیر لے اور اس کا حق اداء کرنے میں کوتاہی کرے۔ نہ مرد کو گوارا ہوتا ہے کہ عورت کو (ہر حالت میں) اپنے پاس رکھے اور اس کے حقوق اداء کرتا رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ کو تمہارے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾
سب کاموں کی خبر ہے

جھگڑے اور ناراضگی سے بچنے کا طریقہ:

یعنی اگر عورتوں کے ساتھ سلوک نیک کرو گے، اور بدسلوکی اور لڑائی سے پرہیز رکھو گے، تو اللہ تعالیٰ تو تمہاری سب باتوں سے خبردار ہے۔ اس نیکی کا ثواب ضرور عنایت کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ اعراض اور ناخوشی کی نوبت آئے گی اور نہ راضی کرنے اور اپنے کسی حق کو چھوڑنے کی ضرورت ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ
اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ
اگرچہ اسکی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ
رکھو ایک عورت کو جیسے ادھر میں لٹکتی

ناانصافی نہ کرو:

یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو، مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو نہ خود ہی آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ کرو جو دوسرے سے نکاح کر سکے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ) اور اس کو ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو کہ وہ نہ رانڈ رہے نہ سہاگن۔

بیوی سے ناانصافی کی سزا:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کی دو عورتیں ہوں اور وہ ایک کی طرف مڑ جائے (اور دوسری سے منہ پھیر لے)، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ٹیڑھا ہوگا۔ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیز گاری کرتے رہو تو اللہ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾
بخشنے والا مہربان ہے

حتی المقدور کوشش کرو:

یعنی اگر اصلاح اور مصالحت کا معاملہ کرو گے اور تعدی اور حق تلفی سے تا بمقدور بچتے رہو گے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ
اور اگر دونوں جدا ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دیگا اپنی کشائش
وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾
سے اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے

میاں بیوی میں جدائی ہو جائے تو بھی اللہ کارساز ہے:

یعنی اگر زوجین جدائی ہی کو پسند کریں اور طلاق کی نوبت آئے تو کچھ حرج نہیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے اور سب کی حاجات کا پورا کرنے والا ہے، اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے رکھے اور ایذاء نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے۔ واللہ

اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسئلہ: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس آیت کا اقتضاء ہے کہ تمام بیبیوں کی باری (اور مصارف) کی تقسیم میں برابری رکھنا شوہر پر واجب ہے۔ برابری نہ رکھنے میں اللہ کی نافرمانی ہے۔ قاضی پر بھی واجب ہے کہ جس عورت کی حق تلفی ہو رہی ہو اس کو ڈگری دے۔ لیکن تسویہ اور برابری جماع میں ضروری نہیں، کیونکہ جماع بغیر طبعی نشاط کے نہیں ہوتا اور طبعی جوش انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہاں شب باشی میں برابری واجب ہے۔

نئی اور پرانی بیوی:

نئی بی بی بھی پرانی بیبیوں کی طرح باری کی تقسیم میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک برابر ہے، کیونکہ حدیث مذکور مطلق ہے، باقی تین اماموں کے نزدیک نئی بی بی اگر ناکتخدا ہو تو اس کے پاس پیہم ایک ہفتہ تک رہے اور دوشیزہ نہ ہو تو تین رات مسلسل رہے۔ اس مدت کے بعد سب کی باری برابر کردے۔ نئی بی بی کے پاس ابتداء جو راتیں گزاری ہوں پرانی بیبیوں کے لئے ان کی تلافی واجب نہیں۔

ابوقلابہؒ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، سنت ہے کہ اگر پہلی بی بی پر کسی کنواری سے نکاح کرلے تو اس کے پاس سات رات رہے۔ اور اگر غیر دوشیزہ سے نکاح کیا ہو تو اس کے پاس تین رات رہے۔ پھر سات اور تین راتوں کے بعد باری کی (برابر) تقسیم کرے۔ ابوقلابہؒ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد کہا، اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا تھا۔ متفق علیہ۔

حالت سفر کا حکم:

اگر کوئی شخص سفر کو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حالت سفر میں کسی بی بی کو باری کا حق نہیں ہے، اس لئے جس کو چاہے ساتھ لے جائے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ قرعہ اندازی کردے اور جس کا نام نکل آئے اس کو ساتھ لے جائے۔ حالت سفر میں کسی عورت کا کوئی حق نہیں۔ دیکھو، اگر مرد کسی کو بھی ساتھ نہ لے جائے تو باجماع علماء مرد کو اس کا حق ہے، لہٰذا کسی ایک کو ساتھ لے جانے کا بھی حق ہے۔

اپنی باری کسی کو دیدینا:

اگر کسی بی بی نے اپنی باری سوکن کو دے دی ہو تو اس کی باری ساقط ہو جائے گی۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حضرت سودہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنی باری عائشہؓ کو دے دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے دو دن کر دیئے تھے۔ ایک دن خود ان کا اور ایک دن حضرت سودہ والا۔ متفق علیہ۔

بغوی نے سلیمانؒ بن یسار کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا﴾ الخ کے ذیل میں فرمایا، اگر عورت اپنے بعض مصارف یا باری کو معاف کردینے پر رضامند ہو گئی ہو تو جب تک رضامند رہے جائز ہے۔ اور اگر رضامندی کے بعد پھر انکار کردے تو اس کا حق اس کو واپس مل جائے گا۔

مسئلہ: مرض کی وجہ سے عورت کی رضامندی کے بغیر اس کی باری ترک کردینا جائز نہیں، رضامند ہو تو جائز ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات کی حالت میں (روزانہ) فرماتے تھے، میں کل کہاں ہوں گا۔ اس سے آپ کی مراد حضرت عائشہؓ کی باری معلوم کرنا ہوتی تھی۔ (یہ دیکھ کر) بیبیوں نے اجازت دیدی کہ آپؐ جہاں چاہیں رہیں۔ چنانچہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر رہنے لگے۔ اور وہیں وفات پائی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

اور ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو

قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا

اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر نہ مانوگے

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي

اور اللہ ہے بے پرواہ سب خوبیوں والا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ

وَكِيْلًا ۝

کافی ہے کارساز

ربط: اوپر سے ترغیب وترہیب کا ذکر چلا آتا تھا، یعنی حکم خداوندی کی اطاعت کرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا سب کو ضرور ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی طرف کان رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ بیچ میں چند حکم یتیموں اور عورتوں کے متعلق جن میں لوگ مبتلاء تھے، بیان فرما کر پھر اسی ترغیب وترہیب کا بیان ہے۔

آیتوں کا خلاصہ:

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔ تو اب اگر کوئی اس کے حکم کو نہ مانے تو وہ سب چیزوں کا مالک ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ یعنی اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اس کا کچھ نقصان نہیں۔ اور فرمانبرداری کروگے تو سمجھ لو کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ تمہارے سب کام بنا سکتا ہے۔ تین دفعہ فرمایا کہ اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اول سے کشائش اور وسعت مقصود ہے کہ اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ دوسری سے بے نیازی اور بے پروائی کا بیان مقصود ہے کہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں اگر تم منکر ہو۔ تیسری دفعہ میں رحمت اور کارسازی کا اظہار ہے بشرطیکہ تقویٰ کرو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ

اگر چاہے تو تم کو دور کردے اے لوگو اور لے آئے

بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾

اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے

اللہ کی بے نیازی:

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کردے اٹھالے اور دوسرے لوگ مطیع وفرمانبردار پیدا کردے۔ اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغناء اور بے نیازی خوب ظاہر ہوگئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تخویف بھی ہوگئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت سلمانؓ کی قوم:

سعید بن منصور اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک حضرت سلمانؓ کی پشت پر مار کر فرمایا، یقیناً وہ لوگ اس کی قوم والے ہونگے۔ اس حدیث کی روشنی میں آیت کا مفہوم ویسا ہی ہوگا جیسے آیت (اِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ) ثُمَّ کا۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کا بیان منقول ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آیت (وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ) اتری تو عرض کیا گیا، یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ حضورؐ نے دستِ مبارک حضرت سلمانؓ پر رکھ کر فرمایا، اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا (یعنی زمین پر ایمان کا کہیں وجود نہیں رہے گا)، تب بھی کچھ لوگ ان (کی قوم) میں کے ایمان کو حاصل کرلیں گے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: (وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم) اگر تم منہ پھیر لوگے تو اللہ تمہارے علاوہ کچھ اور لوگوں کو لے آئے گا۔ پھر وہ لوگ تم جیسے (کافر بداعمال) نہ ہونگے، تلاوت فرمائی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہونگے؟ حضورؐ نے دستِ مبارک سلمانؓ کی ران پر مار کر فرمایا، یہ اور اس کی قوم والے۔ اگر دین ثریا پر بھی ہوگا، تو فارس کے کچھ لوگ اس کو پالینگے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عجمیوں کا تذکرہ آیا تو آپؐ نے فرمایا، میں ان پر یا (فرمایا) ان میں سے بعض پر تم سے یا (فرمایا) تمہارے بعض لوگوں سے زیادہ اعتماد رکھتا ہوں۔

مشائخ ومحدثین ماوراء النہر:

میں کہتا ہوں شاید ان احادیث میں حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ اور آپ جیسے دوسرے مشائخ ماوراء النہر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بزرگ اگرچہ عجمی النسل نہ تھے، مگر وطنیت کے اعتبار سے عجمی تھے۔ اکثر حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور صحابہ کرام کی نسل سے تھے۔ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنت کو زندہ کیا اور کبھی بدعت کو، سیئہ ہو یا حسنہ پسند نہیں کیا۔ مولانا جامی نے کیا خوب کہا ہے،

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند ☆ نوبت آخر بخارا زدند

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ماوراء النہر کے محدثین کرام اور فقہاء عظام کی طرف اشارہ ہو جیسے امام ابوعبداللہ بخاری رحمۃ اللہ وغیرہ۔

امام ابوحنیفہؒ:

شیخ محمد بن یوسف صالحی نے کہا کہ شیخ نے یعنی شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا اس حدیث میں امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔ شیخ محمد

بن یوسف صالحی نے کہا سیوطی کے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اہل فارس میں سے کوئی بھی امام ابوحنیفہ اور آپ کے ساتھیوں کے علمی درجہ کو نہیں پہنچا۔ اور سلمان فارسی امام ابوحنیفہؒ کے جد اعلیٰ تھے۔ از مفسر میں سرۃ ﴿تفسیر مظہری﴾

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
ثواب دنیا کا اور آخرت کا

اطاعت الٰہی سے دنیا و آخرت کا بھلا ہے:

یعنی اگر اس کی تابعداری کرو تو تم کو دنیا بھی دے اور آخرت بھی پھر صرف دنیا کے پیچھے پڑنا اور اس کی نافرمانی کر کے آخرت سے محروم رہنا بڑی نادانی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا
اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور سب باتیں سنتا ہے جس کے طالب ہو گے وہی ملے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عبداللہ بن رواحہ کا تقویٰ:

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے کھیتوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا سنو! خدا کی قسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو، لیکن باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر ناممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ				
اے	ایمان	والو	قائم	رہو
بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ				
انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو				

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا

سچی گواہی:

یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے۔ اگرچہ اس میں تمہارا یا تمہارے کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو جو حق ہو اس کو صاف ظاہر کر دینا چاہئے دنیوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ لو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بہترین گواہ:

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دیدیں، ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

آیت کا دوسرا مطلب:

شهداء لِلّٰهِ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کی وحدانیت ذات کمال صفات اس کی کتابوں اور پیغمبروں کی صداقت اور احکام کی حقانیت کے گواہ بن جاؤ خواہ اس شہادت سے تمہاری اپنی ذات والدین اور اقارب کو دکھ پہنچ جائے قتل کر دیئے جاؤ یا مال تباہ ہو جائے اور مفلس ہو جاؤ کیونکہ کوئی مالدار ہو یا نادار دونوں کے لئے ان کی جان و مال سے زیادہ اللہ اولیٰ اور اعلیٰ ہے اسلئے جان سے زیادہ اللہ کے احکام قابل لحاظ ہونے چاہئیں۔

جج کی ذمہ داری:

قاضی پر واجب ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں سے مساویانہ سلوک کرے بیٹھنے اور کسی کی طرف متوجہ ہونے میں امتیاز سے کام نہ لے۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قاضی ہونے کی مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے تو فریقین کی نشست اشارہ اور نظر میں مساوات رکھے کسی ایک پر دوسرے سے زیادہ نہ چیخے (یعنی لب ولہجہ اور آواز میں بھی دونوں کے ساتھ مساوی سلوک کرے۔

﴿رواہ اسحاق بن راہویہ فی المسند والدارقطنی﴾

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا
اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا
سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں

گواہی میں کسی کی طرفداری نہ کرو:

یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اور اگر تم زبان ملوگے یا بچا جاؤ گے تو اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾
تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے

گواہی سچی اور صاف دو:

زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی سوان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہوگا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر بھیجنے اور کتابیں اُتارنے کا مقصد:

بعثت انبیاء اور تنزیل کتب سماویہ کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت ہی کافی نہ ہوگی، بلکہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کر کے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ
اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾
پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا

تمام احکام پر دل سے یقین لاؤ:

یعنی جو اسلام قبول کرے اس کو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں پر دل سے یقین لائے اس کے ارشادات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائے گا۔ تو وہ مسلمان نہیں صرف ظاہر زبانی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ
پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾
ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ

منافقوں اور یہودیوں کی حالت:

یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذبذب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا رستہ نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہر کی مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی، اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر کافر ہوئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾
خوشخبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ
وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ
مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت
فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾
سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری

عزت کا مالک فقط اللہ ہے:

یعنی منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ خیال کہ کافروں کے پاس بیٹھ کر ہم کو دنیا میں عزت ملے گی بالکل غلط ہے سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب
سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا
سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ
تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں
حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہوگئے اللہ اکٹھا
جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾
کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ

انکار و تمسخر کی مجلسوں میں نہ بیٹھو:

یعنی اے مسلمانو خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔

سببِ نزول: منافقوں کی مجالس میں آیات و احکام الٰہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت: (وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ) الی آخرہ کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ فائدہ اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے اگر چہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت علیؓ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے، مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کرلے۔ پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، پھر وہ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں۔

فخر کیلئے کافر باپ دادوں سے منسوب ہونا:

مسند احمد بن حنبل کی یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے اگائے اور نو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہوگا۔

اس آیت سے فقہاء کا استدلال:

امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان غلام خریدے تو بیع فاسد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا بیع صحیح ہے کیونکہ کافر اہل عقد ہے اور مسلمان غلام محل بیع ہے البتہ اس آیت کے زیر اثر (کافر اپنی ملک میں مسلمان غلام کو نہ رکھ سکے گا بلکہ) کافر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مسلمان غلام کا مالک ہونے کے بعد فروخت کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر شوہر مرتد ہو جائے اور بیوی مسلمان رہے تو مرتد ہوتے ہی بیوی کی تفریق ہو جاتی ہے۔ (یعنی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے)

ریاء کار کی نماز:

ابو یعلی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کے سامنے تو نماز اچھی طرح پڑھے اور جب لوگ نہ دیکھتے ہوں تو نماز کو خراب پڑھے تو یہ نماز کو حقیر سمجھنا ہے ایسی نماز سے یہ شخص اپنے رب کی استہانت کرتا ہے۔

منافق کی حالت:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا منافق کی حالت ایسی ہے جیسے ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری جو دو گلوں کے درمیان کبھی ایک طرف اور کبھی دوسرے کی طرف گھومتی ہے۔ رواہ مسلم۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

حضرت عمرؓ کا فرمان:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یعنی جو شخص مخلوقات اور بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں"

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے عامل (گورنر) سے فرمایا:

كُنْتُمْ اَقَلَّ النَّاسِ فَكَثَّرَكُمُ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَكُنْتُمْ اَذَلَّ النَّاسِ فَاَعَزَّكُمُ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ مَهْمَا تَطْلُبُوا الْعِزَّةَ بِغَيْرِ اللّٰهِ ﴿مستدرک ص ۸۲﴾

"یعنی اے ابوعبیدہ تم تعداد میں سب سے کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت و شوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو خدا تعالیٰ تم کو ذلیل کر دے گا"

جب تک مسلمان صحیح معنی میں مسلمان رہے، دنیا نے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا، اور پھر آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امامت و قیادت میں مسلمان صحیح اسلام پر قائم ہو جائیں گے تو پھر غلبہ انہی کا ہوگا۔ درمیانی اور عبوری دور میں مسلمانوں کے ضعف ایمان اور ابتلاء معاصی کی وجہ سے ان کا کمزور نظر آنا اسکے منافی نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے، ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے، اس نے شراب نہیں پی، لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیوں تھا، ﴿بحر محیط، صفحہ ۳۷۵ جلد ۳﴾

شراب نوشی کی مجلس:

تفسیر ابن کثیر میں اس جگہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ"

"یعنی جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔" ﴿معارف القرآن مفتی﴾

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ
وہ منافق جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو فتح ملے

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ
اللہ کی طرف سے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر
كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ
نصیب ہو کافروں کو تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا
عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے

منافقت:

یعنی یہ منافق وہ ہیں جو برابر تمہاری تاک اور انتظار میں لگے رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح ہو تو تم سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں مال غنیمت میں ہم کو بھی شریک کرو، اور اگر کافروں کو لڑائی میں کچھ حصہ مل گیا یعنی وہ غالب ہوئے تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہ لیا تھا اور تمہاری حفاظت نہیں کی اور ہم نے کیا تم کو مسلمانوں کے ضرر سے نہیں بچایا۔ لوٹ میں ہم کو بھی حصہ دو۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بھی بنائے رکھنا یہ بھی نفاق کی بات ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

منافقت کا عذاب:

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول لکھا ہے صندوقوں کے اندر منافق بند ہوں گے جن کے اندر منافقوں کے اوپر نیچے انگارے دہک رہے ہوں گے۔

ابن وہبؒ نے کعب احبار کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخ میں ایک بند کنواں ہے بند کرنے کے بعد اس کو کھولا ہی نہیں گیا ہے آغاز آفرینش سے روزانہ دوزخ اس کی گرمی سے اللہ کی پناہ مانگتی ہے۔ دوزخ کا درک اسفل یہی ہے۔ منافق دوزخ کے نچلے طبقہ کے مستحق اس لئے قرار پائے کہ یہ تمام کافروں سے زیادہ خبیث ہیں، ان کے اندر کفر کے ساتھ اللہ، رسول اور اسلام کے استہزاء کرنے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی بھی خباثت ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ (باوجود کافر ہونے کے) یہ قتل اور جزیہ سے بچ گئے اس کے عوض درک اسفل کے مستحق قرار پائے۔

اخلاص: ابن عساکر نے ابوادریس کا قول نقل کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دریافت کیا یا روح اللہ، اللہ کا مخلص کون ہے فرمایا وہ شخص مخلص ہے جو اللہ کے لئے عمل کرے اور اس عمل پر لوگوں کی تعریف کو پسند نہ کرے۔ حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں حضرت زید بن ارقم کی روایت سے لکھا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جنت میں داخل ہوگیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کلمہ پڑھنے میں اخلاص کیا ہے فرمایا پڑھنے والے کو یہ کلمہ ممنوعات سے باز رکھے۔ یہ اخلاص کلمہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

بیہقی نے شعب الایمان میں اور حاکم نے حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حاکم بنا کر یمن کو بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ ہدایت فرمائیے۔ فرمایا اپنے دین کو خالص رکھنا تیرے لئے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ
سو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا
اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾
اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ

کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے:

یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں حکم فیصل فرما دے گا کہ تم کو جنت دیگا اور ان کو جہنم میں ڈالے گا دنیا میں جو کچھ ان سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہرگز نہ کرسکیں گے جو ان کی دلی تمنا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ
البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دیگا

دغا کی سزا:

یعنی دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان تاکہ دونوں طرف کی مضرت اور ایذا سے محفوظ رہیں اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں حق تعالیٰ ان کی اس دغابازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغابازی مسلمان پر کھل گئی اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرما دی چنانچہ آیات آئندہ میں ذکر آتا ہے خلاصہ کہ ان کی دھوکہ بازی سے تو کچھ نہ ہوا اور اللہ نے ان کو ایسا دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئیں۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ
اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ۙ
مگر تھوڑا سا

منافقوں کی نماز:

یعنی نماز جو نہایت ضروری اور خالص عبادت ہے اور اس کے ادا کرنے میں جانی مالی کسی مضرت کا بھی اندیشہ نہیں منافق لوگ اس سے بھی جان چراتے ہیں بجبوری لوگوں کے دکھانے کو اور دھوکہ دینے کو پڑھ لیتے ہیں کہ ان کے کفر کی کسی کو اطلاع نہ ہو اور مسلمان سمجھے جاویں پھر ایسوں سے اور کسی بات کی کیا توقع ہوسکتی ہے اور وہ کیسے مسلمان ہوسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
اُدھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ انکی طرف
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
اور نہ ان کی طرف اور جس کو گمراہ کرے اللہ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾
تو ہرگز نہ پاوے گا تو اُس کے واسطے کہیں راہ

منافقوں کی پریشان حالی:

یعنی منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں۔ اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف اور اللہ جس کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا چاہے اس کو نجات کا راستہ کہاں مل سکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نماز شوق سے پڑھو:

حضرت ابن عباسؓ تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ نمازی کو چاہئے کہ ذوق و شوق سے راضی خوشی پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر خدا تعالیٰ کے کام میں، اس کی طلب پوری کرنے کو خدا تیار ہے ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

منافقوں پر بھاری نمازیں:

بخاری و مسلم میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے۔ اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے یہ ضرور آ جاتے۔ میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں کے ارد گرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو۔ اور ان کے گھروں کو جلا دو۔ ایک روایت میں ہے، خدا کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں۔ لیکن آخرت کی اور خدا کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں۔ اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں، مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔

منافق کی مثال:

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے دو ریوڑ کے درمیان کی بکری، کہ کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے، کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ اس میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔

اور حدیث میں ہے، منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی۔ پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔ پھر فرمایا، جسے خدا ہی راہ حق سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون ہوا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْكَٰفِرِينَ
اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو
أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن
اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر
تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ
اللہ کا الزام صریح بیشک
ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ
منافق ہیں سب سے نیچے درجہ میں دوزخ کے

وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾
اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار

نفاق کی دلیل:

یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا دلیل ہے نفاق کی، جیسا کہ منافقین کرتے ہیں۔ سو تم اے مسلمانو! ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ خداوند تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہو جائے گی کہ تم بھی منافق ہو اور منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نیچا طبقہ مقرر ہے اور کوئی ان کا مددگار نہیں ہو سکتا کہ اس طبقہ سے ان کو نکالے یا عذاب میں کچھ تخفیف کرا دے۔ مسلمانوں کو ایسی بات سے دور رہنا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کافروں سے دوستی کا نقصان:

حق جل شانہ جب منافقین کے اعمال قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا، ورنہ جو ان کی سزا ہے وہ تمہاری ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، المرأ مع من احب کیونکہ ان کی دوستی سے تمہارے دلوں سے خدا تعالیٰ کی محبت جاتی رہے گی۔ آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے۔ کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا۔ (مَا جَعَلَ ٱللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِى جَوْفِهِۦ) اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟ وَٱعْتَصَمُوا۟ بِٱللَّهِ
مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو
وَأَخْلَصُوا۟ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ
اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے
وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾
ساتھ اور جلد دیگا اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب

خالص مسلمان:

یعنی جو منافق اپنے نفاق سے توبہ کرے اور اپنے اعمال کی درستی کرے اور اللہ کے پسندیدہ دین کو خوب مضبوط پکڑے اور اللہ پر توکل کرے اور ریاء وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک وصاف رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے۔ دین و دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے۔ ان کے ساتھ ان کو بھی ملے گا جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے

اللہ قدر دان ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدر دان ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے۔ سو جو شخص اس کے حکم کو ممنونیت اور شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا۔ وہ سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

شکر گزاروں کا انعام:

اللہ شکر گزار مؤمن کو عذاب نہیں دے گا، کیونکہ بندوں کو عذاب دینے سے نہ اس کے اقتدار میں اضافہ ہو جاتا ہے، نہ عذاب نہ دینے سے حکومت میں کوئی کمی آجاتی ہے۔ کسی فائدہ کو حاصل کرنا یا ضرر کو دفع کرنا تو عذاب دینے کا مقصد ہی نہیں ہے۔

ایمان و شکر سے علاج:

جیسے مزاج کے بگڑنے سے مرض پیدا ہوتا ہے، اگر ایمان اور شکر کی وجہ سے آدمی کی قلبی بیماری یعنی نفاق و کفر کا ازالہ ہو جائے اور دل کو پاک کر لیا جائے تو آدمی برے نتیجہ سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

شکر اور ایمان:

میں کہتا ہوں شاید شکر سے مراد ہے ایمانِ مجازی عامی جو کفر کی ضد ہے۔ اور ایمان سے مراد ہے ایمانِ حقیقی (اور ایمانِ مجازی ایمانِ حقیقی کا زینہ ہے۔ ظاہری مجازی ایمان سے ہی ترقی کر کے آدمی ایمانِ حقیقی تک پہنچتا ہے۔ اس لئے شکر کو ایمان سے پہلے ذکر کیا)۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

﴿پارہ پنجم ختم ہوا﴾

الحمد للہ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ

اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا

غیبت کی ممانعت:

یعنی کسی میں دین یا دنیا کا عیب معلوم ہو تو اس کو مشہور نہ کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ سب کی بات سنتا ہے اور سب کے کام کو جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے موافق جزاء دے گا۔ اسی کو غیبت کہتے ہیں، البتہ مظلوم کو رخصت ہے کہ ظالم کا ظلم لوگوں سے بیان کرے۔ ایسے ہی بعض اور صورتوں میں بھی غیبت روا ہے۔ اور یہ حکم یہاں شاید اس لئے فرمایا کہ مسلمان کو چاہئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے۔ اس میں وہ بگڑ کر شاید بے باک ہو جائے، بلکہ مبہم نصیحت کرے۔ منافق آپ سمجھ لے گا یا تنہائی میں نصیحت کرے اس طرح شاید ہدایت قبول کر لے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے، کسی کا نام لے کر مشہور نہیں فرماتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

سب سے زیادہ عذاب والے:

عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون کو ہوگا۔ اور قرآن کریم میں اس کی تصدیق موجود ہے۔

نام لے کر عیب بیان کرنا:

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں منافقین کے عیوب بیان کئے، مگر نام کسی کا نہیں لیا۔ اس لئے کہ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کسی کا نام لے کر اس کا عیب بیان کیا جائے۔ ہاں اگر مظلوم اپنے ظالم کا نام لے کر اس کا عیب بیان کرے اور اس کی شکایت کرے تو یہ جائز ہے۔ ظالم کی شکایت داخل غیبت نہیں سمجھی جائیگی، کیونکہ بغیر ظالم کا نام لئے ہوئے مظلوم چارہ جوئی نہیں کر سکتا۔

مظلوم اگر ظالم کی برائی یا زیادتی کو افشاء کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، لیکن اگر معاف کر دے تو اور بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عادت باوجود قدرت کے خطاء کاروں سے معاف کرنے اور درگزر کرنے کی ہے۔ ﴿معارف القرآن، کاندھلوی﴾

گزشتہ آیت ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا﴾ الخ میں یہ بیان تھا کہ بدکار اور گنہگار توبہ کے بعد مؤمنین کاملین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اس آیت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گزشتہ نفاق اور مکر وفریب اور دیگر عیوب کا ذکر کر کے طعن و تشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا روا نہیں۔ ہاں مظلوم کو بقدر ظلم وستم اپنے ظالم کو برا کہنا جائز ہے۔ حدیث میں ہے، ان صاحب الحق مقالا، رواہ احمد۔ صاحب حق کو کہنے اور بولنے کی گنجائش ہے۔ تفسیر کبیر ص ۴۹۵ ج ۳۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

عیوب کو ظاہر کرنا کب جائز ہے:

فاسق اور بدکار کے عیوب کو ظاہر کرو تا کہ لوگ اس سے احتیاط اور پرہیز کریں۔ مطلب یہ ہوا کہ جس ظالم کا ضرر شدید ہو اور اس کا کید اور مکر عظیم ہو تو اس کے فضائح اور قبائح کے اعلان اور اظہار میں کوئی حرج نہیں۔

مظلوم کو اجازت:

مظلوم کے لئے جہر بالسوء کی اجازت کا یہ معنی ہے کہ مظلوم ظالم کے ظلم کی فریاد اور اس کے لئے بددعاء کر سکتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک بد زبانی کرنے سے مراد ہے گالی دینا۔ اگر کوئی گالی دے (تو جائز ہے لیکن) ویسی ہی گالی مظلوم دے سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾۔ الآیہ

حضرت انس وحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو گالیاں دینے والوں میں سے جو پہل کرے، الزام اس پر ہے جب تک کہ مظلوم حد مساوات سے آگے نہ بڑھ جائے (رواہ مسلم)

میزبان کا حق:

بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مہمان کے حق میں ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی قوم کے پاس جا کر اترے اور وہ میزبانی نہ کریں اور ان کی طرف سے اچھی طرح مہمانی نہ ہو تو مہمان کے لئے شکوہ کرنا اور جیسا اس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے ویسا بیان کرنا جائز ہے۔

مظلوم کو پہلے انتقام لینے کی اجازت دی۔ اس آیت میں مکارم اخلاق پر آمادہ کرنے کے لئے معاف کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، خادم کو کتنی مرتبہ معاف کیا جائے؟ فرمایا، ہر روز ستر مرتبہ (یعنی بہت مرتبہ)۔ ﴿رواہ ابوداؤد والترمذی وابویعلی﴾

> اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
>
> اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا اسکو چھپاؤ یا معاف کرو

> عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾
>
> برائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے

مظلوم کو معاف کر دینے کی ترغیب:

اس آیت میں مظلوم کو معافی کی رغبت دلانی منظور ہے کہ حق تعالیٰ زبردست اور قدرت والا ہو کر خطا والوں کی خطاء بخشتا ہے۔ بندۂ زیر دست عاجز کو تو بطریق اولیٰ دوسروں کا قصور معاف کر دینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ صبر کرے اور بخش دے۔ آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذاء اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ۔ ظاہر کی طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسلمان کے لئے بددعاء کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بددعاء کرنی جائز نہیں۔ ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو، اسے اپنے ظالم کے لئے بددعاء کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر وتحمل کرے تو فضیلت اسی میں ہے۔ ابوداؤد میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کوئی چیز چور چرا کر لے گئے تو آپ ان کے لئے بددعاء کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اس کے لئے بددعا نہ کرنی چاہئے، بلکہ یہ دعاء کرنی چاہئے، اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّیْ مِنْهُ. خداوندا اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے! ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

انسداد جرم:

جس شخص پر کوئی ظلم کرے تو مظلوم اس کے ظلم کی شکایت یا کسی عدالت میں چارہ جوئی کر سکتا ہے، جو عین عدل و انصاف کا تقاضا اور انسداد جرائم کا ایک ذریعہ ہے۔

ظلم کے جواب میں ظلم کی اجازت نہیں بلکہ ظلم کا بدلہ انصاف سے ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے کہ بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، مگر صبر کرنا اور معاف کر دینا بہتر ہے۔

> اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
>
> جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ

اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو

وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾

اور چاہتے ہیں کہ نکالیں ان کے بیچ ایک راہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا

ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب

ربط: یہاں سے ذکر ہے یہود کا۔ چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپؐ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور ان کے مشورہ پر چلنے والے تھے۔ اس لئے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔

بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا کفر ہے:

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ پر ایمان لاتے اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور بعض رسولوں کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لئے نکالیں، ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیٹ کافر ہیں، ان کے لئے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔

فائدہ: اللہ کا ماننا جبھی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اس کا حکم مانے بدون تصدیق نبی کے اللہ کا ماننا غلط ہے۔ اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے۔ یہود نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ کی اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیئے گئے اور کٹے کافر سمجھے گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ

جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دے گا

اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

مسلمانوں کی فضیلت:

یعنی اور جن لوگوں نے کسی نبی کو جدا نہیں کیا بلکہ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو بڑے ثواب عطاء فرمائے گا۔ اس سے مراد مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب پر ایمان لائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لادے

كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى

لکھی ہوئی کتاب آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے

اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

اس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا

سو آپڑی ان پر بجلی ان کے گناہ کے باعث پھر بنا لیا

الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

بچھڑے کو بہت کچھ نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ

وہ بھی معاف کیا

سبب نزول: یہودیوں کے چند سردار آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر تم سچے پیغمبر ہو تو ایک کتاب لکھی لکھائی یکبارگی آسمان سے لا دو، جیسے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لائے تھے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

یہودیوں کے سوالات کے جوابات:

اس تمام رکوع میں الزامات کو ان کے جواب میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد تحقیقی جواب دیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہودی جو تم سے عناداً ایسی کتاب طلب کرتے ہیں، ان کی یہ بے باکی اور سرکشی تعجب کی بات نہیں۔ ان کے بزرگوں نے تو اس سے بھی بڑی اور سخت بات اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے طلب کی تھی کہ خداوند تعالیٰ کو آشکارا ہمکو دکھادو، ورنہ ہم تمہارا یقین نہ کریں گے۔ جیسا کہ سورۂ بقر میں گزرا۔ اس پر یہ ہوا کہ ان کہنے والوں پر بجلی آپڑی اور سب مرگئے۔ پھر حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے ان کو زندہ کردیا۔ ایسی عظیم الشان نشانیاں دیکھ کر پھر یہ کیا کہ بچھڑے کو پوجنے لگے۔ بالآخر حق تعالیٰ نے اس سے بھی درگزر فرمائی۔ سورۂ بقرہ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا
اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ صریح

موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو تو ذبح کر کے آگ میں جلادیا اور اس کی راکھ ہوا میں دریا پر اڑادی اور ستر ہزار آدمی بچھڑے کو سجدہ کرنے والے قتل کئے گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ
اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ قرار لینے کے واسطے

یہود کی سرکشی:

یعنی جب یہود نے کہا تھا کہ توریت کے حکم سخت ہیں ہم نہیں مانتے۔ تو اس وقت کوہ طور کو زمین سے اٹھا کر ان کے سروں پر معلق قائم کردیا تھا کہ ان حکموں کو قبول کرو اور مضبوطی سے پکڑو، ورنہ پہاڑ ڈالا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت موسیٰ کی فرمانبرداری سے بے زاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کردیا۔ اور ان سے کہا کہ اب بولو، پہاڑ گرا کر دبادوں، یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام خدا بجالانے کا مضبوط عہد و پیمان کیا۔ یہاں تک دل میں دہشت تھی کہ سجدے میں بھی کن انکھیوں سے اوپر کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مرجائیں۔ پھر پہاڑ ہٹالیا گیا۔

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
اور ہم نے کہا داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے

سجدے کے حکم کی نافرمانی:

یہود کو حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخل ہو سجدہ کر کے اور سر جھکائے ہوئے۔ انہوں نے سجدہ کے بدلے سرین پر سرکنا اور پھسلنا شروع کیا۔ جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا، دو پہر میں قریب ستر ہزار کے مرگئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا
اور ہم نے کہا کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور ہم نے
مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا
ان سے لیا قول مضبوط

ہفتہ والے حکم کی نافرمانی:

یہودیوں کو حکم تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ اور سب دنوں سے زیادہ ہفتہ ہی کے دن مچھلیاں دریا میں بکثرت نظر آتیں۔ یہودیوں نے یہ حیلہ کیا کہ دریا کے پاس حوض بنائے، ہفتہ کے دن جب مچھلیاں دریا سے حوضوں میں آتیں تو ان کو بند کر رکھتے، پھر دوسرے دن حوضوں میں سے شکار کرتے۔ اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر کردیا، جو جانوروں میں بہت خسیس اور مکار ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ
ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے
اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ
اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کردی انکے دل پر کفر کے سبب
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا
سو ایمان نہیں لاتے مگر کم

یہود پر عذاب کے اسباب:

یعنی یہود نے اس عہد کو توڑ دیا تو حق تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی پر اور

آیات الٰہی سے منکر ہونے اور انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کرنے اور ان کے اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو غلاف میں ہیں، ان پر سخت عذاب مسلط فرمائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ہدایت کی تو کہنے لگے، ہمارے دل پردہ میں ہیں، تمہاری بات وہاں تک پہنچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بات نہیں، بلکہ کفر کے سبب ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، جس کے باعث ان کو ایمان نصیب نہیں ہوسکتا، مگر تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ «تفسیر عثمانی»

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا
اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر
وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى
اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ
ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا

انکارِ عیسیٰ اور بہتان

یعنی اور نیز اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو کر دوسرا کفر کمایا اور حضرت مریم پر طوفانِ عظیم باندھا اور ان کے اس قول پر کہ فخر سے کہتے تھے، ہم نے مار ڈالا عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول اللہ تھا۔ ان تمام وجوہ سے یہود پر عذاب اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔ «تفسیر عثمانی»

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی
شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
صورت بن گئی انکے آگے اور جو لوگ اسمیں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ
لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں انکو اسکی خبر
اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا
صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست
حَكِيْمًا
حکمت والا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا:

اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا۔ یہود جو مختلف باتیں اس بارہ میں کہتے ہیں، اپنی اپنی اٹکل سے کہتے ہیں۔ اللہ نے ان کو شبہ ڈال دیا، خبر کسی کو بھی نہیں۔ واقعی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا، حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھالیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کردی۔ جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کردیا۔ پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا؟ اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ اب صرف اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، علم کسی کو بھی نہیں۔ حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا۔ «تفسیر عثمانی»

یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟

(وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ) کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہوگئے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے۔ ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کردیا جائے، اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو؟ ان میں سے ایک آدمی نے اس غرض کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیا۔ آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ عطاء کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی۔ اور

جب وہ باہر نکل آیا تو یہودا سے پکڑ کر لے گئے، اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا۔ ﴿قرطبی، معارف القرآن، مفتی صاحب﴾

مولانا سید ابو منصور امام فن مناظرہ، نوید جاوید ص ۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پریسبیٹیرین مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۴۴ء کو چھاپا۔

''نوید جاوید'' کی عبارت:

ترجمۂ آل عمران آیت ۵۳ میں لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسلیدی ایک فرقہ تھا جو خیال کرتے تھے کہ آپ مسیح مصلوب نہ ہوا پر قرینی (جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا، اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا۔ پھر سرنہتی اور کارپوک راتی اور دوسیتی تین فرقے تھے، جو زمانۂ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے۔ انتہی وتم کلامہ نوید جاوید ص ۳۸۲۔

گناستی فرقہ کا خیال:

گناستی فرقہ کے عیسائیوں کا قول تھا کہ دنیا مادہ سے اور مادہ کے لئے شرارت اور معصیت ضرور ہے اور مسیح مادہ سے پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے مصلوب نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کا جسم نہ تھا۔ انتہی تعلیم الایمان چھاپہ لدھیانہ ۱۸۶۹ء

کتاب تعلیم الایمان کا حوالہ:

صفحہ ۱۳۶ میں لکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک فرقہ نے یہ گمان کیا کہ مسیح کا حقیقی جسم نہ تھا اور نہ وہ پیدا ہوا، نہ اس نے دکھ اٹھایا۔ پر اس کا جسم ایک مجازی طور پر تھا، جیسا کہ فرشتے اکثر اوقات انسانیت کو اختیار کر لیتے تھے، یا جیسا کہ روح کبوتر کی مانند اتری تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی تعلیم کو اختیار کر کے اپنے تابعین کو تلقین کیا کہ مسیح خود نہیں مارا گیا۔ انتہی۔

پادری اسمتھ کی گواہی:

اور دیکھو رومن تواریخ کلیسا چھاپہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۹۶ دین حق کی تحقیق مصنفہ پادری اسمتھ صاحب وغیرہ مطبوعہ الہ آباد ارفن پریس ۱۸۶۶ء صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح کا احوال کہ کس طرح وہ ہنڈولے میں بولا، مٹی کی چڑیاں بنائیں اور یہودیوں کو بندر بنایا، اور یہ کہ وہ نہیں مارا گیا، بلکہ دوسرا اس کے عوض مصلوب ہوا۔ یہ باتیں اس نے (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصریوں کے قصے سے نکالیں، جن کو دو تین شخصوں نے مسیح کے پانچ یا چار سو برس بعد بنایا تھا۔ انتہی۔

انجیل برناباس کی شہادت:

اور برناباس کی انجیل میں مسیح نے اپنی مصلوبی کا بطلان صاف بیان کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ دنیا ہی میں یہودا کی موت کے سبب میری تضحیک ہو جائے گی اور ہر شخص یہ گمان کرے گا کہ میں صلیب پر کھینچا گیا۔ پر یہ ساری ہتک اور ہنسائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک رہے گی۔ جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایک ایمان دار کو اس غلطی سے آگاہ کر دے گا اور یہ دھوکہ لوگوں کے دل سے اٹھا دے گا۔ انتہی ترجمہ قرآن شریف مصنفہ سیل صاحب صفحہ ۴۳۔ انتہی۔

نوید جاوید کی عبارت:

دیکھو نوید جاوید ص ۳۸۳ اور دیکھو دلیل ثانی عشر از فارق ص ۲۸۹

(معارف القرآن کاندھلوی)

اے نصاریٰ! خدارا یہ تو بتلاؤ کہ کیا خدا کو بھی مجبوری لاحق ہو سکتی ہے اور کیا سولی پر چلا کر دم دیدینا خدا کی شان کے شایان ہے۔

حضرت عیسیٰؑ خدا کا ایک بندہ تھا:

انجیل لوقا باب ۸ ہشتم آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ (مسیح) اور اس کے شاگرد کشتی پر چڑھے اور اس نے ان سے کہا کہ آؤ جھیل کے پار چلیں۔ پس وہ روانہ ہوئے مگر جب کشتی چلی جاتی تھی تو وہ سو گیا اور جھیل پر بڑی آندھی آئی اور کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خطرے میں تھے۔ انہوں نے پاس آ کر اسے جگایا اور کہا کہ صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔

(۱) پس مسیح اگر خدا ہوتا تو اس قدر بے خبر نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر نیند طاری ہو سکتی تھی۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باوجود صاحب جسم و صاحب لحم و دم ہونے کے خدا اور خالق عالم ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ رب معبود کا کچھ حصہ تو قدیم اور ازلی ہے اور کچھ حصہ مخلوق اور حادث ہے۔ اس لئے کہ جسم اور لحم اور دم بلاشبہ مخلوق اور حادث ہے۔ اور بقول نصاریٰ اندر کی روح قدیم ہے۔

(۳) نیز نصاریٰ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ کو ساری دنیا کا خالق مانتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ دنیا کا ایک جزو تھے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کا یہ جزو خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔

(۴) نیز انجیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بال بھی کٹواتے تھے اور ناخن ترشواتے تھے، جو زمین پر گر کر لاشئے بن جاتے تھے۔ تو نصاریٰ کے مذہب پر نتیجہ یہ نکلے گا کہ خالق ازلی کے بعض اجزاء کا کٹ جانا اور کٹ کر

زمین میں مل جانا اور پھر ان کا فنا ہو جانا سب جائز ہے۔

(۵) نیز نصاریٰ کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد بتدریج نشو ونماء پایا اور ان کے طول وعرض میں زیادتی ہوئی، حتیٰ کہ جوان ہوئے۔

یہودیوں شبہ میں کیسے پڑے:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور آپؑ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھلائے۔ مثلاً پیدائشی اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ۔ تو یہودیوں کو بہت طیش آیا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذاء رسانی شروع کر دی۔ آپ کی زندگی تنگ کر دی، کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا۔ ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گزاری، پھر بھی انہیں چین نہ آیا۔

بادشاہ کو حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے، لوگوں کو بہکا رہا ہے، روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے، امن میں خلل ڈالتا ہے، لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا، ایک فرمان لکھا کہ وہ (حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اور اس کے سر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمانِ شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا، جس میں روح اللہ تھے۔ آپؑ کے ساتھ اس وقت بارہ (۱۲) یا تیرہ (۱۳) یا زیادہ سے زیادہ ستر آدمی تھے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کر لیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا، تو آپؑ نے صحابہؓ سے فرمایا، تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے۔ یعنی اس کی صورت اللہ تعالیٰ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے خدا مخلصی دے، میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہ سن کر ایک جوان نے کہا مجھے منظور ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا۔ تیسری دفعہ کہا، مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اب آپؑ نے بھی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی۔ بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ یہی ہیں۔ اور چھت کی طرف روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ پر اونگھ کی سی حالت طاری ہو گئی۔ اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی، عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے۔

وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لئے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ شہید ہو گیا، باقی عیسائی بھی یہویوں کی سی راگنی الاپنے لگے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا:

امام بخاری علیہ الرحمۃ ''کتاب ذکر انبیاءؑ'' میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ عادل حاکم بن کر صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ہٹا دیں گے، مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی لینا منظور نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔

صحیح بخاری میں ہے، اس وقت کیا ہو گا جب تمہارے درمیان مسیح بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔ ابوداؤد و مسندِ احمد وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں۔ مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریمؑ سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں۔ اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔ یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان لو! درمیانہ قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے، دو ممصر کپڑے اوڑھے باندھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، اگرچہ تری نہ پہنچی ہو۔ صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے۔ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانہ میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا۔ ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امانت واقع ہو گی، یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے۔ اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ چالیس (۴۰) برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے۔ اور مسلمان آپؑ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔

صحیح مسلم میں ہے، قیامت قائم نہ ہو گی جب تک رومی اعماق یا وابق میں

نہ اتریں، اوران کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ جائے، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے۔

قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ابھی تو وہ اپنی تلوار زیتون میں لٹکائے ہوئے مالِ غنیمت تقسیم کررہے ہوں گے، جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آگیا۔ اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، شام میں پہنچیں گے۔ دشمنوں سے جنگ آزماء ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کررہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ ان کی امامت کرائیں گے۔ جب دشمنِ خدا انہیں دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ اسے یونہی چھوڑ دیں، جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپؑ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا۔ اور آپؑ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔

دجال:

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا۔ جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاءؑ اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا۔ اگر میری موجودگی میں آگیا تب تو میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلماں کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام وعراق کے درمیان نکلے گا، دائیں بائیں خوب گھومے گا۔ لوگو! اے اللہ تعالیٰ کے بندو! دیکھو دیکھو! تم ثابت قدم رہنا۔ سنو! میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداء دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں۔ پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا، میں خدا ہوں۔ پس تم یاد رکھنا کہ خدا کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں مرنے کے بعد دیدارِ باری تعالیٰ ہوسکتا ہے۔ اور سنو! وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہوگا، جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ، غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا، اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا۔

سنو! تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے، وہ اللہ سے فریادرسی چاہے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی، جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہوگئی تھی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کردوں، پھر تو تو مجھے رب مان لے گا؟ وہ اقرار کرلے گا۔ اتنے میں دو شیطان اس کے ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور اس سے کہیں گے بیٹے! یہی تیرا رب ہے۔ تو اسے مان لے۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کردیا جائے گا۔ اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروادے گا۔ پھر لوگوں سے کہے گا کہ میرے اس بندے کو دیکھنا۔ اب میں اسے زندہ کردوں گا۔ لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے۔ چنانچہ یہ اسے اٹھائے بٹھائے گا، اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تو خدا کا دشمن دجال ہے۔ خدا کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہوگیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، یہ مؤمن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ ہی ہوں گے۔ آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا۔

دجال اور حضرت عیسیٰؑ کا مقابلہ:

ام شریکؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن عرب کہاں ہونگے؟ فرمایا، اولاً تو ہونگے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی۔ ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا، جب حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہونگے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تاکہ آپؑ آگے بڑھ کر امامت کرائیں۔ لیکن آپؑ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، اقامت تمہارے لئے کہی گئی ہے۔ پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ فرمائیں گے کہ دروازہ کھول دو۔ پس کھول دیا جائے گا۔ ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا، جن کے سر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا۔ دجال آپؑ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا، جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کردے گا۔ لیکن آپؑ فرمائیں گے، خدا نے مقرر کردیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا، تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپؑ اسے مشرقی باب ''لد'' کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں

گے۔اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے،لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ہر پتھر،ہر درخت،ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے۔آ کر اسے مار ڈال! ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے۔یہ نہیں بولے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا۔ سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر کی طرح اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔صبح ہی ایک شخص شہر کے دروازے سے چلے گا اور ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا ہوگا جو شام ہو جائے گی۔لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا،اندازہ کر لیا کرو۔جس طرح ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔حضورؐ نے فرماتے ہیں، پھر عیسیٰؑ بن مریم میری امت میں حاکم ہونگے، عادل ہونگے، امام ہونگے، با انصاف ہونگے،صلیب کو توڑ دینگے،خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیے کو ہٹا دیں گے،صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا،ہر زہریلے جانور کا زہر لتا دیا جائے گا۔بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے،لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔شیروں سے لڑکے کھیلیں گے،نقصان کچھ نہ ہوگا۔بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو۔

قیامت کی دس علامتیں:

مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گزرے۔اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے،تو آپؐ نے فرمایا، جب تک دس باتیں نہ ہولیں، قیامت قائم نہ ہوگی۔آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا،دھوئیں کا آنا، دابۃ الارض کا نکلنا،یاجوج و ماجوج کا آنا،عیسیٰ بن مریمؑ کا نازل ہونا،دجال کا آنا،تین جگہ زمین کا دھنس جانا،شرق میں،غرب میں،اور جزیرۂ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جا کر دے گی۔وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دو پہر کو وہ آرام کریں گے،یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے۔

جامعِ دمشق:

صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر اتریں گے۔اس زمانے میں یعنی ۷۴۱ھ میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے،اس لئے کہ آگ کے صدمہ سے یہ جل گیا ہے،اور یہ آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے۔کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہونگے۔

معراج کی رات انبیاء سے ملاقات:

بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے (حضرت) موسیٰ سے ملاقات کی۔وہ درمیانہ قد،صاف بالوں والے ہیں،جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں۔اور (حضرت) عیسیٰؑ سے بھی ملاقات کی۔وہ سرخ رنگ،میانہ قد ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی میں نے دیکھا۔بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔بخاری کی اور روایت میں ہے (حضرت) عیسیٰؑ سرخ رنگ،گھونگھریالے بالوں والے،چوڑے چکلے سینے والے تھے۔(حضرت) موسیٰؑ گندمی رنگ کے جسیم اور سیدھے بالوں والے تھے۔جیسے ''زط'' کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے دجال کی شکل و صورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی،جیسے پھولا ہوا انگور۔آپؐ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں۔میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریمؑ ہیں۔میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی،ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا۔سخت الجھے ہوئے بال تھے۔وہ بھی دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ خدا کی قسم حضورؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو سرخ رنگ کا نہیں بتلایا بلکہ آپؐ نے گندمی رنگ کا بتلایا ہے۔﴿تفسیر ابن کثیر﴾

(وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ) اور انہوں نے عیسیٰ کو نہ قتل کیا نہ صلیب دی بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا۔

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰؑ اور آپ کی والدہ کو گالیاں دیں،آپؑ نے ان کے لئے بددعا کی۔حضرت کی بددعاء سے اللہ نے ان کی صورتیں بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں۔ اس پر سب یہودی آپ کے قتل پر متفق الرائے ہوگئے۔مگر اللہ نے آپؑ کو اطلاع دیدی کہ تم کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جائے گا۔

کلبی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے سردار یہودا نے ایک شخص کو جس کا نام طیطانوس تھا،مقرر کیا تھا کہ گھر

میں گھس کر حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیں گے۔ مگر اللہ نے عیسیٰ کو اٹھالیا اور طیطانوس کی صورت عیسیٰ جیسی بنادی۔ جب وہ باہر نکل کر آیا تو لوگوں نے اسی کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ کر مار ڈالا اور صلیب دیدی۔ بعض کا قول ہے کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو ایک مکان میں بند کر دیا تھا اور ایک چوکیدار نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ اللہ نے اس چوکیدار کی صورت عیسیٰ جیسی کر دی اور لوگوں نے اسی کو قتل کر دیا۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ
اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سوعیسیٰ پر یقین لاوینگے
بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
اسکی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہو گا
عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾
ان پر گواہ

یہود و نصاریٰ ضرور اقرار کریں گے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں آسمانوں پر۔ جب دجال پیدا ہوگا تب اس جہان میں تشریف لا کر اسے قتل کریں گے۔ اور یہود اور نصاریٰ ان پر ایمان لائیں گے کہ بے شک عیسیٰ زندہ ہیں، مرے نہ تھے۔ اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میری تکذیب اور مخالفت کی اور نصاریٰ نے مجھ کو خدا کا بیٹا کہا۔

نزول عیسیٰ کا قرآنی ثبوت:

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، عنقریب ابن مریمؑ حاکم منصف ہو کر تم میں اتریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ساقط کر دیں گے، مال بہائیں گے کہ مال کو قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا، اگر تم (اس کا ثبوت) چاہتے ہو تو پڑھو: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ یعنی عیسیٰ بن مریمؑ کے مرنے سے پہلے (ہر کتابی ایمان لے آئے گا)۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ان الفاظ کا اعادہ تین مرتبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ کے نزول کے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ عیسیٰ کے زمانہ میں سوائے اسلام کے تمام مذاہب ہلاک ہو جائیں گے (نابود ہو جائیں گے)۔ ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی بغیر ایمان لائے نہیں رہے گا۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنھا اور محمد بن الحنفیہ سے مروی ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے نزول سے پہلے مریں گے، وہ لوگ اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر صحیح ایمان لاتے رہیں گے۔ اور جو اہل کتاب حضرت مسیح کے زمانہ نزول کو پائیں گے، وہ تمام کے تمام حضرت مسیح پر حضرت مسیح کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئیں گے۔

ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، در آں حالیکہ وہ فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے ہونگے۔ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور لڑائی کو ختم کر دیں گے۔ اور مال کو پانی کی طرح بہا دیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی مال کا قبول کرنے والا نہ ملے گا اور اس وقت ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر اس حدیث کو بیان کر کے ابو ہریرہؓ یہ کہتے کہ اگر قرآن سے اس حدیث کے مضمون کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ الخ۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ کا اترنا اور آپ کے زمانہ میں سوائے اسلام کے ہر مذہب کا نابود ہو جانا بالکل صحیح اور حق ہے، اور صحیح مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔

نصاریٰ کے متعدد فرقے رفع عیسیٰ کے قائل ہیں:

یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی ہے اور نصاریٰ کے متعدد فرقے بھی اسی کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب، بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ دیکھو نوید جاوید ص ۳۷۲ تا ۳۹۴ کلیا نمبر (۸)۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

نصاریٰ، حضرت عیسیٰ کا مصلوب ہونا اپنی محرف انجیلوں سے اور مورخین کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں اور علاوہ محرف ہونے کے اناجیل کے بیانات اس درجہ مختلف اور متعارض ہیں کہ بیان سے باہر ہیں، جیسا کہ نوید جاوید از ص ۳۵۸ تا ۳۹۲ ان اختلافات کو تفصیل کے ساتھ

بیان کیا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے:

قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں اور رنہ ان کے پاس اس واقعہ قتل کا کوئی عینی شاہد موجود ہے۔ اس لئے کہ تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ جب یہود حضرت مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے گئے تو وہ رات کا وقت تھا اور گرفتاری کے وقت مصلوبی سے پہلے ہی تمام حواری حضرت مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ واقعہ کے وقت کوئی حواری حاضر نہ تھا، تو پھر متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا اور پولوس کس بات کی شہادت دیتے ہیں؟ کیا کسی انگریزی عدالت میں ایسے شخص کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے کہ جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو، بلکہ یہ کہے کہ میں خود تو موجود نہ تھا، ہاں کسی سے سنا ہے کہ فلاں آدمی کو سولی پر چڑھایا گیا۔ اور جس سے سنا ہے اس کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس لئے کہ کسی انجیل میں کسی حواری نے کسی سندِ متصل کے ساتھ یہ روایت نہیں کیا کہ فلاں شخص نے اپنی آنکھ سے دیکھ کر یہ واقعہ بیان کیا۔

حواریوں کی بے وفائی:

غرض یہ کہ گرفتاری کے وقت حضرت مسیح کو ان کے تمام شاگرد تن تنہاء چھوڑ کر بھاگ گئے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ درس ۵۶ میں ہے۔

سب نے بے وفائی کی، حالانکہ پہلے وفاء کا بڑا دم بھرتے تھے۔ نیز اگر نامردی اور بے وفائی کی وجہ سے ایسی پریشانی کے وقت میں حضرت مسیح کے ساتھ گرفتار ہونا یا جان دینا مشکل تھا تو کیا حضرت مسیح کے لئے رات کو جاگتے رہنا بھی مشکل تھا، مگر حواری بے فکری کے ساتھ سوتے رہے، حالانکہ حضرت مسیح نے ان کو تاکید کی تھی کہ میرا دل مرنے تک بہت غمگین ہے، تم یہاں میرے ساتھ جاگتے رہو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ درس ۳۸۔ پھر اس حکم کے بعد حضرت ذرا دور جا کر سربسجود دعاء میں مشغول ہو گئے۔ (۴۰)۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے پایا اور پطرس حواری سے خاص طور پر یہ کہا کہ کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے؟ (۴۱)۔ جاگو اور دعاء مانگو کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ از درس ۳۸ تا درس ۴۶۔

افسوس کہ حضرت مسیح نے بار بار شکایت کی کہ تم اب بھی سوتے ہو اور آرام کرتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اگر حوارئین کو مسیح سے کچھ بھی محبت ہوتی تو ایسے وقت میں کبھی ان کو نیند نہ آتی۔ دنیاداروں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کسی عزیز اور دوست پر کوئی پریشانی آجاتی ہے تو گھبرا اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔

اور یہوداہ نے تو یہ ستم کیا کہ تیس درہم رشوت لے کر اپنے خداوند یسوع مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔ جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۱۴ میں ہے۔ اور انجیل مرقس باب ۱۴ درس ۱۰۔ ۱۱ میں ہے اور انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۳ میں مذکور ہے۔ اور پطرس جو کہ نصاریٰ کے نزدیک اعظم الحوارئین ہے اس نے تو قسم کھا کر کہا کہ میں اس شخص (مسیح) کو جانتا ہی نہیں۔ جیسا کہ ولیم میور نے اپنی تاریخ کے پہلے باب کے تیرھویں دفعہ میں لکھا ہے کہ مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک (یعنی مسیح کے مصلوب ہونے تک) اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا۔ اور ان کا سست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا تھا۔ اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا، وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا۔ ﴿منقول از ازالۃ الشکوک ص ۱۷۹ ج ۱﴾

والدہ بھی موقع پر موجود نہ تھیں:

غرض یہ کہ یہ تو حوارئین کا حال ہوا کہ حضرت مسیح کی گرفتاری کے وقت سب بھاگ گئے تھے، ان میں سے کوئی موجود نہ تھا جو گواہی دے سکے اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر سکے۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح کی والدہ محترمہ حضرت مریم بھی اس وقت موجود نہ تھیں۔ جب ان کے لختِ جگر کو پھانسی دی جارہی تھی، اس وقت اگر شاگرد بھاگ گئے تھے تو والدہ کو تو ضرور بالضرور موجود رہنا چاہئے تھا۔

یہودِ بے بہبود کی کور چشمی:

باقی رہے یہودِ بے بہبود، جن کو نصاریٰ گواہی میں پیش کرتے ہیں، علاوہ ازیں کہ وہ ایک ظالم حاکم کے پولیس چند بے دین سپاہی چپڑاسی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو قتل کر آئے۔ جن کا حال یہ تھا کہ حضرت مسیح کو پہچانتے ہی نہ تھے اور اشتباہ میں پڑے ہوئے تھے، اس لئے، اگر یہود کو اشتباہ نہ تھا تو حضرت مسیح کے ایک شاگرد کو تیس درہم رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟ تیس روپیہ رشوت کے اسی لئے دیئے کہ وہ ان کو بتا سکے کہ مسیح یہ ہیں۔

امام تفسیر ابن کثیرؒ نے آیت وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر میں لکھا ہے:

وَ قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَحَادِيْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَنَّهُ اَخْبَرَ بِنُزُوْلِ عِيْسىٰ عَلَيْهِ السَّلَام قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِمَاماً عَادِلاً ﴿ابن کثیر﴾

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں، کہ آپ

نے قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں نازل ہونے کی خبر دی ہے"۔

ان روایات متواترہ کو ہمارے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جمع فرمایا، جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے، حضرت استاذ کے حکم پر احقر نے اس مجموعے کو بزبان عربی مرتب کیا، حضرتؒ نے اس کا نام التصریح بما تواتر فی نزول المسیح تجویز فرمایا، جو اسی زمانے میں شائع ہو چکا تھا، حال میں حلب شام کے ایک بڑے عالم علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے مزید شرح وحواشی کا اضافہ کر کے بیروت میں اعلیٰ کتابت کے ساتھ شائع کرایا ہے، آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔ ﴿معارف القرآن، مفتی﴾

حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعاء

(۱) چار انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ جب حضرت مسیح کو یہ محسوس ہوا کہ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی کہ موت کا یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ اور آنسو بہا بہا کر خدا سے دعائیں اور التجائیں کیں اور خدا ترسی کی وجہ سے ان کی دعاء سنی گئی۔ جیسا کہ پولوس کے خط عبرانیوں کے نام کے پانچویں باب اور ساتویں درس میں اس کی تصریح ہے۔ دیکھو دلیل اول از کتاب الفاروق ص ۲۸۶۔

پس جب اس کی دعاء قبول ہوئی تو پھر گرفتاری کے کیا معنیٰ؟

(۲) نیز زبور باب ششم کے درس ہشتم میں ہے۔

(۸) مجھ سے دور ہوا ے سارے بدکردارو! کہ خداوند نے میرے رونے کی آواز سنی۔

(۹) خداوند نے میری فریاد سنی ہے، خداوند میری دعاء قبول کریگا۔

(۱۰) میرے سارے دشمن شرمندہ ہو جائیں گے اور نہایت پکپی میں پڑیں گے۔ وہ پھریں گے اور ناگہانی خجالت کھینچیں گے۔ ﴿انتی﴾

علماءِ نصاریٰ کے نزدیک یہ زبور حضرت مسیح کے حق میں ہے، جس میں صراحۃً یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی دعاء قبول ہوگی اور ان کے دشمن ناکام اور شرمندہ ہو کر واپس ہونگے۔

معلوم ہوا کہ دشمن حضرت عیسیٰ کے قتل وصلب پر قادر نہ ہونگے۔ حتیٰ کہ ان کے قریب بھی نہ جاسکیں گے۔

(۳) نیز زبور باب ۱۰۹ (ایک سو نو) اور درس چھبیس (۲۶) میں ہے۔

(۲۶) اے خداوند میرے خدا! میری کمک کو اپنی رحمت کے مطابق مجھے نجات دے۔ (۲۷) تا کہ وہ جانیں کہ یہ تیرا ہاتھ ہے کہ تو نے اے خداوند! یہ کیا ہے۔ (۲۸) وہ لعنت کریں پر تو برکت دے، جب وہ اٹھیں تو شرمندہ ہوں پر تیرا بندہ شادمان ہو۔

(۲۹) میرے دشمن خجالت کی پوشاک سے ملبس ہوں اور اپنی شرمندگی کی چادر سے آپ کو چھپالیں۔

(۳۰) میں اپنے منہ سے خداوند کی بہت ہی ستائش کروں گا میں بتوں کے بیچ اس کی حمد گاؤں گا۔

تواتر اور شہرت میں فرق

نصاریٰ کا یہ زعم ہے کہ واقعۂ صلیب تواتر سے ثابت ہے۔ سو یہ زعم، زعمِ فاسد ہے۔ اس لئے کہ تواتر اس کو کہتے ہیں کہ عین واقعہ کے وقت چشم دید شہادت دینے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عادۃً ان کا متفق ہو کر جھوٹ بنالینا محال ہو۔ اور جب عین واقعہ کا کوئی عینی گواہ ہی نہ ہو، تو زمانہ مابعد کی شہرت محض افواہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کو تواتر نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ ہندوؤں میں یہ مشہور ہے کہ راون کے دس سر تھے اور ہنومان جی نے پہاڑ اٹھالیا تھا۔ تو اس قسم کی بے سروپا خبروں کو متواتر نہیں کہا جاسکتا۔

نصاریٰ کا دعویٰ:

کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین دن قبر میں رہنے کے بعد زندہ ہوگئے اور قبر سے اٹھ کھڑے ہوئے، نصاریٰ کے پاس اس کا کوئی شاہدِ عینی موجود نہیں، نہ حواریین میں سے نہ عوام میں سے، نہ عورتوں میں سے اور نہ یہود میں سے اور نہ چپڑاسیوں میں سے اور نہ پہرہ داروں میں سے۔ کوئی بھی اس کا گواہ نہیں کہ میں نے حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے دیکھا ہے۔ اور مریم کی جو روایت نقل کی جاتی ہے، اس میں فقط اتنا ہے کہ مریم نے قبر کے پاس دور سے کچھ فرشتے اور کچھ آدمی دیکھے۔ باقی حضرت مسیح کو قبر سے اٹھتے ہوئے دیکھنا مریم نے بھی بیان نہیں کیا۔ دیکھو الفارق ص ۲۹ دلیل سادس عشر۔

اسی مضمون کی ایک دوسری آیت

﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ حق تعالیٰ نے جب سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر کیا تو ان میں ایک بڑا انعام یہ شمار کیا ہے کہ اے عیسیٰ یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا تھا کہ وہ تمہارے پاس آنے پر بھی قادر نہ ہوئے۔

خلاصۂ کلام:

یہ کہ واقعۂ قتل کے وقت حواریین اور اصحاب عیسیٰ علیہ السلام میں سے موقعہ پر کوئی موجود نہ تھا۔ صرف پولیس کے چند یہودی موجود تھے، جو حضرت مسیح کو پہچانتے ہی نہ تھے۔ ان کو خود معلوم نہ تھا کہ مسیح کون ہے؟ اور

ہم کس کو گرفتار کر رہے ہیں۔ ان کو یقین نہ تھا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہے۔ نشان دہی کے مطابق ایک شخص کو مسیح سمجھ کر قتل کیا۔ پس کیا پولیس کے ایسے چند بے خبر چپڑاسیوں کی خبر کو خبر متواتر کہا جا سکتا ہے؟ اور کیا اہلِ عقل کے نزدیک ایسی خبر سے کوئی جزم اور یقین حاصل ہو سکتا ہے؟

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو گھر میں ایک چشمہ تھا، وہاں جا کر حضرت عیسیٰ نے غسل فرمایا اور غسل فرما کر باہر مجلس میں تشریف لائے، جہاں بارہ حواری موجود تھے (غالباً یہ غسل آسمان پر جانے کے لئے تھا، جیسے مسجد میں آنے سے پہلے وضوء کرتے ہیں)۔ حواریوں کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر (انکار) کرے گا۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس پر راضی ہے کہ اس پر میری شباہت ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ قتل ہو اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق بنے۔ یہ سنتے ہی ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو اس جان نثاری اور فدائیت کے لئے پیش کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جاؤ! اور پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اسی سابق کلام کا اعادہ فرمایا۔ پھر وہی نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اچھا تو ہی وہ شخص ہے۔ اس کے فوراً بعد ہی اس نوجوان پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے ایک روشندان سے آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ بعد ازاں یہود کے پیادے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے کے لئے گھر میں داخل ہوئے اور اسی شبیہ کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ اور ایک شخص نے بارہ مرتبہ حضرت عیسیٰ کا انکار کیا۔ بعد ازاں لوگوں میں تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ اللہ ہمارے درمیان میں جب تک چاہا رہا۔ پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ اس فرقہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں۔ دوسرے فرقہ نے کہا کہ اللہ کا بیٹا ہمارے درمیان تھا جب تک چاہا، پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اس فرقہ کو نسطوریہ کہتے ہیں۔ تیسرے فرقہ نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول تھے، جب تک خدا نے چاہا ہمارے درمیان رہے، پھر اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ اول کے دو کافر فرقوں نے اس مسلمان فرقہ پر چڑھائی کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اس دن سے اسلام یعنی حق بے نام ونشان ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ جنہوں نے آ کر دنیا کو صحیح حقیقت سے آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن عباس تک روایت کی سند نہایت صحیح ہے۔ اور اسی طرح نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح بہت سے سلف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ جس پر میری شباہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلہ میں قتل ہو، تو وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ انتہی

(تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۴، ج ۱۔ اور ایسا ہی تفسیر قرطبی ص ۱۰۰ ج ۴)

اور اس چودھویں صدی کا مسیلمہ پنجاب یعنی متنبی قادیان یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل تو نہیں ہوئے، مگر ہاں وہ سولی ضرور دیئے گئے۔ جب وہ بے ہوش ہو گئے تو یہود نے ان کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا۔ جب قبر میں ان کو ہوش آیا تو وہ قبر سے خفیہ طور پر نکل کر چلے گئے اور ریاستِ کشمیر کے مشہور شہر سری نگر میں جا کر قیام کیا اور خفیہ طور اپنے زخموں کا علاج کراتے رہے۔ اور ستاسی (۸۷) سال زندہ رہ کر فوت ہوئے اور وہیں محلہ خان یار میں مدفون ہوئے۔ اور وہیں ان کا مزار ہے۔ یہ سب مرزائے قادیان کی بکواس ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں۔ دیوانہ گفت ابلہ باور کرد، کا مصداق ہے۔ مرزائے قادیان کے قول کی بناء پر آیت اس طرح ہونی چاہئے تھی، (وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۞ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ) الی کشمیر۔

روح منه یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ اور لطیف روح ہیں جو روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ صورت آپ کی اگرچہ بشری ہے، مگر فطرت اور اندرونی حقیقت ملکی اور جبرئیلی ہے۔

نقشِ آدم لیک معنی جبرئیل رستہ از جملہ ہوا وقال قیل

اور عجب نہیں کہ اسی بناء پر آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہو کہ جس طرح کلمہ کے الفاظ اور حروف میں ایک لطیف معنی مستور ہوتے ہیں، اسی طرح حضرت مسیح کی صورت بشریہ میں ایک نہایت لطیف شئے یعنی حقیقتِ ملکیہ اور معنیٔ جبرئیلی مستور اور مخفی تھے۔

نقابیست ہر سطر من زیں کتیب فرو ہشتہ بر عارضِ دلفریب

معانی است در زیر حرف سیاہ چو در پردہ معشوق و در میغ ماہ

اور اس وصف میں اشارہ اس طرف تھا کہ جب آپ کی فطرت ملکی اور روحانی ہے تو ملائکہ اور روحانیین کی طرح آپ کے لئے عمر بھر میں ایک مرتبہ عروج الی السماء اور نزول ضرور پیش آئے گا۔ کما قال تعالیٰ،

(تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ)

فرشتے اور روح (جبرئیل) آسمان پر جاتے ہیں۔

(تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ)

فرشتے اور روح (جبرئیل) آسمان سے اترتے ہیں۔

پس جس طرح روح الامین کے لئے عروج اور نزول ثابت ہے، اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام جو خدا کی ایک خاص روح ہیں، اور روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوئے ہیں، ان کے لئے بھی ضرور عروج الی السماء اور نزول فی الارض ہوگا۔

اجماعی عقیدہ کا انکار سب سے پہلے سرسید علی گڑھی نے کیا۔ اور پھر اس کی تقلید میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا، اور وفاتِ مسیح کو اپنی صداقت کا معیار قرار دیا۔

حالانکہ بفرضِ محال اگر تھوڑی دیر کے لئے حضرت مسیح کی وفات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے مرزائے قادیان کی نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ مان لو کہ ایک بادشاہ مر گیا اور اس کا تخت بھی خالی ہے اور بادشاہت کا سلسلہ بھی بند نہیں ہوا۔ تو کیا اس سے کسی بھنگی یا چمار کی بادشاہت ثابت ہو سکتی ہے؟ جس میں نہ کسی قسم کی قابلیت ہے اور نہ کوئی لیاقت بلکہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو منصب بادشاہی کے بالکل مباین اور مخالف ہیں۔

کس نیاید بزیرِ سایۂ بوم   در ہما از جہاں شود معدوم

لہٰذا

ہر مسلمان کو چاہئے کہ جب کسی مرزائی شخص سے بحث کا موقع آجائے، تو یہ کہدے کہ حیات اور وفات کی بحث علماء پر چھوڑ دو، مرزا صاحب میں اوصاف نبوت کو ثابت کرو۔ خود مرزا کو اپنے مراق اور خرابیٔ حافظہ کا اقرار ہے۔ کیا معاذ اللہ خبطی اور مراقی بھی نبی ہو سکتا ہے۔ اور علماءِ اسلام نے کتابوں میں مرزا کے جھوٹ نقل کئے ہیں کیا جھوٹا بھی نبی ہو سکتا ہے؟

دعوائے نبوت سے پہلے خود مرزائے قادیان کا یہی عقیدہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنی ''الہامی'' کتاب میں لکھتے ہیں،

''اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لاویں گے، تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔ براہین احمدیہ ص ۴۹۸ وص ۴۹۹، مصنفہ مرزا صاحب''۔ اور مرزائے قادیان لکھتا ہے،

''اس بات پر تمام سلف وخلف کا اتفاق ہو چکا ہے کہ عیسیٰ جب نازل ہوگا، تو امتِ محمدیہ میں داخل ہوگا۔ ازالۃ الاوہام ص ۵۶۹''۔

عقیدۂ تثلیث (ثالوث)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حق جل شانہ کے رسول برحق تھے اور توحیدِ خالص کے منادی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور اولین اصحاب، سب کے سب توحید اور تسبیح وتقدیس کا عقیدہ رکھتے تھے۔ توریت وانجیل میں اس عقیدہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں، اور نہ کسی نبی نے اس کی تعلیم دی۔ عقیدۂ ثالوث (تثلیث) پولوس رسول کے عہد سے دینِ مسیحی میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ الوہیتِ مسیح اور ابنیتِ مسیح اور تثلیثِ کلیسہ کا مقبول عقیدہ بن گیا۔ عقیدۂ تثلیث کا جب ظہور اور آغاز ہوا، تو علماء نصاریٰ میں اس کے رد وقبول پر بڑی بحثیں ہوئیں اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے۔ فرقۂ آریوس یہ کہتا تھا کہ خدا وحدہ لاشریک لہ ہے اور حضرت مسیح تمام کائنات سے افضل اور برتر ہیں۔ اور فرقۂ سابیلین یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ ذاتِ واحد ہے اور اب ابن اور روح القدس یہ اسی ذاتِ واحد کی مختلف صورتیں ہیں جن کا مختلف حیثیتوں سے ذاتِ واحد پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعد میں کلیسہ کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء نے ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کر لیا۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ اب اور ابن اور روح القدس یہ تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں۔ اور یہی حق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کا نام عقیدۂ امانت رکھا جس کا متن روح المعانی اور الجواب الفسیح میں مذکور ہے، اور دوسرے فرقوں کے متعلق فتویٰ صادر کر دیا کہ جو تثلیث کا عقیدہ نہ رکھے وہ ملحد اور بے دین ہے۔ اور عقیدۂ توحید کو بدعت قرار دیا۔ اب عام طور پر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا تین اقنوم (اصل) ہیں، باپ، بیٹا، روح القدس۔ اور ان ہی تین اقانیم کے مجموعی حقیقت کا نام خدا ہے اور اس توحیدِ حقیقی میں تثلیث مضمر ہے۔

اقانیمِ ثلثہ، یعنی اقنوم اب اور اقنوم ابن اور اقنوم روح القدس میں امتیاز اور فرق حقیقی مانتے ہیں چنانچہ مفتاح الاسرار کی فصل اول باب دوم کے آخر میں نسخۂ مطبوعہ ک ۱۸۵۰ء عیسوی میں ہے ہر چند خدا کی ذات میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے درمیان حقیقی امتیاز ہے پھر ذات کی وحدانیت زائل نہیں ہوتی اور تثلیث کی تعلیم سے ذات کو نقصان اور قصور نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت میں صرف ایک خدائے واحد حقیقی ہے۔

اور تیرھویں صدی عیسوی کے متعدد فرقوں نے یہ صاف طور پر کہہ دیا کہ عقیدۂ تثلیث۔ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے اور نا قابل تعلیم ہے مگر قومی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے سے باز رکھا۔

اہل اسلام کا مسیحین کے ساتھ نزاع اس صورت میں کہ جب تین

اقنوم خارج میں حقیقۃً علیحدہ علیحدہ مانیں اور تینوں کو واجب الوجود مانیں اور ان کے درمیان امتیاز حقیقی جانیں اور اگر امتیاز حقیقی کے قائل نہوں یا توحید کو مجازی یا توحید اور تثلیث دونوں کو مجازی کہیں اور اقانیم سے محض صفات مراد لیں۔ علیحدہ علیحدہ اور جدا تین مستقل ذاتیں نہ مانیں تو پھر نصاریٰ کے ساتھ اہل اسلام کا یہ نزاع نہ ہوگا کوئی اور نزاع ہوگا۔ مگر عام طور پر نصاریٰ کا اقانیم ثلاثہ کو محض صفات الٰہیہ نہیں مانتے بلکہ تین شخصیتیں باعتبار وجود اور شخص کے علیحدہ علیحدہ جدا اور ممتاز مانتے ہیں اور صفات کا وجود موصوف سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

ابطال تثلیث

نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ تین ایک میں اور ایک تین میں سراسر خلاف عقل ہے فرقہ یونی ٹیرین جو عیسائی فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے اب اسکے بھی لاکھوں آدمی یورپ میں موجود ہیں وہ تثلیث کا منکر ہے اور بہت سے علماء نصاریٰ وفرنگ نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ توریت اور انجیل میں کسی جگہ بھی لفظ تثلیث موجود نہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور نہ کسی حواری نے کسی عیسائی کو یہ تعلیم دی کہ تم تثلیث کا عقیدہ رکھو بغیر اسکے نجات ممکن نہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ (۱) از ص ۳۳۴ تا ص ۳۵۵ مصنفہ امام فن مناظرہ مولانا سید ابوالمنصور رحمۃ اللہ علیہ۔

زوجیت اور فردیت اور وحدت اور کثرت کا ایک ذات میں جمع ہونا عقلاء عالم کے نزدیک ایک بدیہی محال ہے۔ جس سے عقل کوسوں دور بھاگتی ہے اور اس حماقت کا سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ مختصر یہ کہ نصاریٰ یہ بتلائیں کہ یہ تینوں اقانیم اپنے وجود اور تشخص میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں یا نہیں۔ اگر یہ کہیں کہ تینوں کا تشخص اور وجود علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر یہ تین اشخاص ہوئے، توحید کہاں رہی۔ ایک کہنا غلط ہوا اور اگر یہ کہیں کہ تینوں کا وجود ایک ہے تو پھر تین کہنا غلط ہوا اور تثلیث ختم ہوئی۔

(۲) نیز تینوں کا مجموعہ مل کر خدائے مستقل ہے یا جداگانہ ہر ایک مستقل خدا ہے۔ پہلی صورت میں کوئی بھی خدا نہ رہا۔ نہ حضرت مسیح اور نہ روح القدس، بلکہ خود خدا بھی خدا نہ رہا۔ اس لئے کہ خدا تو تینوں کا مجموعہ ہے، جداگانہ کوئی بھی مستقل خدا نہیں۔ اور دوسری صورت میں جب ہر ایک جداگانہ مستقل خدا ہے تو توحید کہاں رہی۔

(۳) نیز ایک تین کا ثلث یعنی تہائی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شئے اپنے ثلث (تہائی) کا عین نہیں ہوسکتی۔ (۲۵۷)

(۴) نیز تین کل ہیں اور ایک تین کا جزو ہے۔ اور کل اور جزو کا ایک ہونا عقلاً محال ہے۔ اس لئے کہ کل اور جزو کیسے ایک ہوسکتے ہیں۔

(۵) نیز جب تین، ایک کا عین ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک اپنے نفس کا بھی ثلث ہو اور تین اپنا ثلث ہو اور کسی شئے کا خود اپنا ثلث ہونا بداھۃً محال ہے۔

(۶) نیز ایک تین کا جز ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور تین بوجہ کل ہونے کے مؤخر ہے اس لئے کہ جز کل سے مقدم ہوتا ہے اور کل جز سے مؤخر ہوتا ہے۔

پس اگر ایک اور تین ایک ہوں تو مقدم کا عین مؤخر ہونا اور مؤخر کا عین مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداھۃً محال ہے۔

(۸) بلکہ شئے کا خود اپنے پر مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداھۃً محال ہے۔

نیز تمام اعداد حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں لہٰذا شئے واحد کا حقیقۃً ایک ہونا اور تین ہونا عقلاً محال ہے۔

(۹) نیز مسیحیین کے نزدیک جب خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہوا اور ہر اقنوم واجب الوجود ہوا تو مجموعہ اپنے وجود خارجی میں ان تین اجزاء یعنی تین اقنوموں کا محتاج ہوگا اور مجموعہ معلول ہوگا اور اقانیم ثلثہ اس کی علت ہونگے۔ اور جو کسی علت کا محتاج ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوسکتا اس لئے کہ معلول علت سے مؤخر ہوتا ہے اور جو مؤخر ہوتا ہے وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے۔

(۱۰) نیز حضرت مسیح کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ کو بیٹے پر ضرور تقدم زمانی ہوتا ہے اور بیٹے کو تاخر زمانی۔ اور بیٹا اپنے وجود میں باپ کا محتاج بھی ہوتا ہے اور مؤخر اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا۔

(۱۱) امام رازی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ہم نے دنیا میں نصاریٰ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب رکیک اور عقل سے بعید نہیں دیکھا۔ اسی وجہ سے جارج سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مطبوعہ ۱۸۳۶ء میں عیسائیوں کو وصیت کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے مسئلے نہ بیان کرو کہ جو خلاف عقل ہوں کلیسا میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔ الخ۔ دیکھو ازالۃ الشکوک ص ۲۶ ج ۱۔

حکایت

کسی زمانہ میں ایک پادری صاحب نے چین کے علاقہ میں جاکر بڑی کوشش سے تین آدمیوں کو عیسائی بنایا اور طوطے کی طرح ان کو یہ مسئلہ یاد کرایا۔ اور وہ بھی تین تین ٹکے روز یا تین تین روپیہ مہینہ کی لالچ سے مسئلۂ تثلیث کو طوطے کی طرح ٹی ٹی کرتے رہے۔ اتفاقاً ایک مدت کے بعد پادری صاحب کا ایک دوست وہاں آگیا اور اثناء تذکرہ میں اس نے پوچھا

کہ تم نے اتنی مدت میں کتنے شخصوں کو عیسائی بنایا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسیٰ خداوند مسیح کے فضل سے تین شخص مسیحی جماعت میں داخل ہوئے ہیں اور مسیح کے وفادار سپاہی اور خدمت گزار ہیں۔ وہ بن کر ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا۔ پادری صاحب نے اول ایک کو بلایا اور اپنے دوست کو بتلانے کے لئے یہ مسئلہ اس سے پوچھا۔ اس شاگرد نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین ہیں۔ ایک جو آسمان پر رہتا ہے دوسرا جو بی بی مریم کنواری کے پیٹ میں نو مہینہ رہ کے پیدا ہوا تھا۔ تیسرا وہ جو اس دوسرے خدا پر تیس برس کی عمر میں کبوتر کی شکل ہو کے اترا تھا۔ پادری صاحب خفاء ہوئے اور فرمانے لگے، یہ نامعقول ہے۔ دوسرے کو جو اس سے زیادہ عاقل تھا، آواز دی۔ وہ فوراً حاضر ہوا، اس سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین تھے۔ ایک تو سولی پا کر مر گیا اور دو ابھی تک جیتے ہیں۔ پادری صاحب اس پر بھی چیں بہ جبیں ہوئے اور تیسرے کو جو ان میں فرد کامل تھا، بلایا۔ اور اس سے پوچھا، اس نے کہا کہ جیسا آپ نے سکھایا تھا ہے ویسا ہی مجھے خوب یاد ہے کہ تین میں ایک اور ایک میں تین اور تینوں ایک تھے۔ اور جب ایک خدا پنطوس پلاطوس کی حکومت میں سولی پا کر مر گیا تو تینوں مر گئے۔ اور اب کوئی خدا باقی نہیں رہا۔ پادری صاحب بہت لال سرخ ہوئے اور اسی وقت تینوں کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ منقول از ازالۃ الشکوک ص ۲۵ ج ۱، والفارق۔

بیشک یہ عقیدہ ایسا ہی ہے۔ جاہل تو کیا عاقل بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ تفصیل اگر درکار ہو تو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ نمبر۳ مصنفہ مولانا سید ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ از ص ۳۵۵ تا ص ۳۶۹ دیکھیں۔

ذکر عقیدۂ امانت سراپا خیانت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم خالص توحید اور تفرید کی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد عرصہ اکیاسی سال تک لوگ توحید پر قائم رہے۔ پھر رفتہ رفتہ نصاریٰ میں مختلف فرقے ہو گئے۔ پھر ایک یہودی شخص جس کا نام پولوس تھا، وہ فریب سے عیسائی مذہب میں داخل ہوا اور ظاہراً عیسائی بن کر اس نے عیسائی مذہب میں طرح طرح کی خرابیاں ڈالیں۔ منجملہ ان کے یہ مسئلہ تثلیث رفتہ رفتہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں شائع ہو گیا۔ نصاریٰ میں جب عقیدۂ تثلیث شائع ہوا تو آریوس نے جو اسکندریہ کے قسیسین میں سے تھا، اس عقیدۂ باطلہ کی تردید کی اور تثلیث کو دین مسیحی میں بدعت قرار دیا اور علی الاعلان حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا۔

اور یہ تعلیم دی کی خدا تعالیٰ ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے مخلوق اور برگزیدہ بندے ہیں۔ آریوس کا یہ عقیدہ جب لوگوں میں شائع ہوا تو اہل تثلیث کو اس کی فکر دامن گیر ہوئی۔ بالآخر ۳۲۵ء شہر نائیس میں قسطنطین شاہ روم کے سامنے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ آریوس نے اپنے عقیدۂ توحید کی شرح اور تفصیل کی بہت سے پادریوں نے حمایت کی۔ مگر مجلس کی اکثریت نے عقیدۂ تثلیث کی حمایت کی اور آریوس کی تعلیم کو باطل ٹھہرایا۔ عقیدۂ تثلیث جب مجلس کی اکثریت سے طے ہو گیا تو بادشاہ نے سرکاری طور پر حکم جاری کر دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا، اس کا مال ومتاع ضبط کیا جائے گا اور اس شخص کو جلاء وطن کیا جائے گا۔ تب اکثر لوگوں نے بادشاہ کے خوف سے عقیدۂ تثلیث کو قبول کیا۔ اس وقت سے تثلیث کا سلسلہ چلا اور اس عقیدۂ تثلیث پر جو متفقہ تحریر تیار کی گئی، اس کا نام امانت رکھا گیا۔ اس عقیدۂ امانت کے متن کو شیخ ابو الفضل مالکی مسعودی نے منتخب التنجیل ص ۵۶ میں ذکر کیا ہے۔

آریوس کے مرنے کے بعد بھی اس پر مباحثے ہوتے رہے اور سلسلۂ اختلاف جاری رہا۔ اور بہت سے لوگ آریوس ہی کی تعلیم کے قائل اور معتقد رہے اور کئی فرقوں تک یہ اعتقاد جاری رہا اور فرقہ آریوسیہ کی طرح یونی ٹیرین فرقہ کے لوگ بھی تثلیث سے انکار کرتے ہیں اور الوہیت صرف خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے اگر ان اختلافات کی تفصیل درکار ہے تو نوید جاوید سکرمنٹ نمبر۳ مصنفہ مولانا سید ابو المنصور از ص ۳۵۵ تا ص ۳۶۰ کی مراجعت کریں۔

متن عقیدۂ امانت سراپا خیانت

اب ہم ناظرین کے سامنے نصاریٰ کے عقیدۂ امانت کا متن پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قانون نجات اور مدار ایمان ہے۔ پھر ان کے اس مزعوم عقیدۂ امانت کی خیانت کو ظاہر کریں گے تاکہ اس امانت کی حقیقت منکشف ہو جائے وھو ھذا۔

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں ایک اللہ پر جو باپ ہے اور ہر چیز کا بنانے والا اور مالک ہے اور مرئی اور غیر مرئی یعنی جو چیزیں نظر آتی ہیں اور جو نظر نہیں آتیں۔ اور ان سب چیزوں کا وہ صانع ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں ایک پروردگار یسوع مسیح پر جو خدا کا بیٹا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے اول باپ سے پیدا ہوا۔ وہ مصنوع نہیں، وہ خدائے برحق ہے، جو خدائے برحق سے نکلا ہے اور باپ کے جوہر سے ہے۔ وہ جس کے ہاتھوں سے تمام جہانوں نے پختگی اور استحکام پایا اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اے دنیا کے

لوگو! وہ ہماری ہی خلاصی اور چھٹکارے کے لئے آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم سے متجسد ہو کر انسان بن گیا اور روح القدس سے اس کا حمل قرار پایا۔ اور مریم کے بطن سے پیدا ہوا اور دکھ اور درد اٹھائے اور پیلاطوس کے ایام حکومت میں سولی پر لٹکایا گیا۔ اور پھر تیسرے روز مردوں میں سے جی اٹھا، جیسا کہ نوشتوں میں تھا۔ پھر آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گیا، اور وہ دوبارہ آنے کے لئے تیار ہے تاکہ مردوں اور زندوں کے درمیان فیصلہ کرے اور ہم روح القدس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ایک ہے اور روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں اس بات پر کہ ایک بپتسمہ گناہوں کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کاطولیکی جماعت پاک اور مقدس جماعت ہے (جس نے یہ عقیدۂ امانت ایجاد کیا ہے)۔ اور ہم ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پر ایمان لاتے ہیں جو ابدالآباد تک رہے گی۔ (عقیدۂ امانت کا ترجمہ ختم ہوا)۔

۱- نیز اس نادان کو یہ علم نہیں کہ جسم انسانی لحم اور شحم اور دم اور معدہ اور امعاء سے مرکب ہے، جن سے خداوندِ قدوس پاک اور منزہ ہے۔ پس ایک ابن آدم اور ابن مریم کا اصل جو ہر خداوندِ قدوس کے اصل جوہر کے ساتھ کیسے متحد ہوسکتا ہے۔

۲- نیز تمام عقلاءِ عالم کا اس پر اتفاق ہے کہ حادث اور قدیم کی حقیقت جدا جدا ہے۔ پس خداوند قدیم اور ایک شیر خوار بچہ کی حقیقت ایک کیسے ہوسکتی ہے۔ جسم اور روح کی حقیقت ایک نہیں تو قدیم اور حادث کی حقیقت ایک کیسے ہوسکتی ہے۔

۳- نیز اگر ایک الٰہ حق سے دوسرا الٰہ حق پیدا ہوسکتا ہے تو دوسرے الٰہ سے تیسرا الٰہ اور تیسرے الٰہ سے چوتھے الٰہ کا اور چوتھے الٰہ سے پانچویں الٰہ کا پیدا ہونا بھی ممکن ہوگا (بلکہ) پہلے ہی خدا سے بے شمار خداؤں کا پیدا ہونا ممکن ہوگا۔ اس لئے کہ جس انسان سے ایک بیٹے کا پیدا ہونا ممکن ہے، اسی سے دس بیٹوں کا پیدا ہونا بھی بلاشبہ ممکن ہے۔ اور خداوندِ قدوس کی صفات کمال تو غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ تو اگر بفرضِ محال بقول نصاریٰ ولادت خداوندِ قدوس کی صفت بن سکتی ہے تو پھر وہ غیر متناہی ہونی چاہئے، ایک بیٹے پر اس کو ختم کر دینا مناسب نہیں۔

۴- نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ مسیح کے ہاتھ سے ہر چیز پیدا ہوئی، اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی والدۂ ماجدہ مریم صدیقہ بھی ان کی مخلوق ہوں، بلکہ ان کے آباء واجداد بھی ان کے مخلوق ہوں، کیونکہ ہر چیز میں وہ بھی داخل ہیں۔ اور مولود کو اپنی والدہ اور اپنے آباء واجداد کا خالق کہنا دیوانے کا کام ہے۔

۵- نیز نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ باپ کی طرح بیٹے نے بھی تمام کائنات کو پیدا کیا۔ گویا کہ کائنات کے دو خالق ہوگئے۔ ایک باپ اور ایک بیٹا۔ اگر باپ تمام کائنات کا خالق ہے تو بیٹے کے لئے کیا باقی رہا؟ اور اگر بیٹا خالق کائنات ہے تو باپ کے لئے کیا باقی رہا؟

۶- نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ وہ خدا آسمان سے نازل ہوا اور مجسم ہو کر کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تاکہ عالم کی خلاصی اور نجات کا سبب بنے۔ سو یہ امر سراسر غیر مقبول ہے اور ذرہ برابر قابل قبول نہیں۔ اول تو یہ کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندہ مسیح بن مریم پر صریح بہتان اور افتراء ہے۔ اور الوہیت اور نبوت کی تحقیر وتذلیل کی ایک عجیب وغریب من گھڑت داستان ہے جس کو کوئی ادنیٰ عقل والا بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور تجسم عالم کی خلاصی اور نجات کے لئے ہوا تھا، تو علماءِ نصرانیت اور عقلاءِ مسیحیت یہ بتلائیں کہ تمہارے زعم کے مطابق حضرت مسیح نے جو مصیبت اور ذلت تمہاری خلاصی اور نجات کے لئے اختیار فرمائی وہ تمہاری کس مصیبت اور ذلت سے نجات دینے کے لئے اختیار فرمائی۔ اگر یہ کہیں کہ یسوع مسیح نے ہم کو دنیا کی تکالیف اور مصائب و آلام اور امراض واسقام اور موت سے نجات دلائی تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا۔ کوئی فرد بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ جو طلب معاش میں سرگردان اور حیران نہ ہو، اور رنج وغم اور بیماری اور موت سے نجات پا گیا ہو۔ اور اگر یہ کہیں کہ نفس وشیطان کے پنجہ سے ہم کو نجات دلائی تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ نصاریٰ کی جس مجلس میں چاہے چلے جاؤ اور آنکھ سے دیکھ لو، نفس اور شیطان نے نصاریٰ کا کس طرح کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے۔ نصاریٰ سے بڑھ کر کوئی قوم نفس وشیطان کی اسیر نہیں۔ اور اگر یہ کہیں خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دارِ دنیا میں احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور پابندی سے خلاص اور آزاد ہوگئے اور نماز اور روزہ ہم پر ضروری اور فرض نہیں رہا، اور ہم جو چاہیں کریں، خدا کا ہم پر کوئی مواخذہ نہیں، تو حضرت مسیح اور ان کے حواریین کے اقوال اس کی تکذیب کریں گے، جو خدا تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کے متعلق ان سے اناجیل میں منقول ہیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دارِ آخرت کے احکام سے خلاص ہوگئے اور نجات پاگئے، یعنی دنیا میں چاہیں چوری کریں یا زنا اور بدکاری اور شراب خوری کریں، اور رقص وسرود کی محفلیں کریں، غرض یہ کہ جو چاہیں نفس وشیطان کے مطابق کام کریں۔ آخرت

میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ یسوع مسیح ہمارا نجات دہندہ ہے، اس نے صلیب کی تکلیف اور مصیبت جھیل کر ہم کو قیامت کے مؤاخذہ اور حساب اور عذاب اور عقاب سے نجات دلا دی ہے۔ سو اگر نصاریٰ کے نزدیک خلاصی اور نجات سے یہ معنی مراد ہیں تو یہ معنی تمام انبیاء کرام کی تعلیم اور حضرت مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں۔ اور توریت اور انجیل اس کی تکذیب کرتی ہے۔ انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل یمین سے یہ کہیں گے کہ جاؤ نعیم مقیم کی طرف اور اہل شمال کو اولاً توبیخ اور سرزنش کریں گے کہ تم نے یہ کیا اور یہ کیا۔ جاؤ اس کی سزا بھگتو اور اس عذاب کی طرف جاؤ جو تمہارے لئے پہلے سے تیار کیا گیا ہے۔

پس اے نصارائے حیاری! جب تم کو اپنی دنیا اور آخرت کا حال معلوم ہوگیا تو ذرا یہ بتلاؤ کہ تمہارے زعم کے مطابق جس خدا نے آسمان سے اتر کر تمہاری نجات اور خلاصی کے لئے صلیبی موت کا مزہ چکھا، اس نے کس مصیبت سے تم کو نجات دلائی اور جس کا نام تم نے مخلص عالم اور نجات دہندۂ جہاں رکھا۔ یہ بتلاؤ کہ اس نے تم کو دنیا اور آخرت کی کس مصیبت اور بلاء سے نجات اور خلاصی بخشی اور تم کو دنیا اور آخرت کی کن پریشانیوں سے بے فکر بنا دیا۔ اور کیا تم اس مفروضہ صلیبی موت کے ذریعہ نفس اور شیطان کے چنگل سے نجات پا گئے ہو؟

پھر یہ کہ عقیدۂ امانت میں یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آکر زندوں اور مردوں کے درمیان فیصلہ کریں گے تو عرض یہ ہے کہ جو ذات نصاریٰ کے نزدیک اس قدر عاجز اور لاچار اور بے بس ہو کہ اپنے چند دشمنوں کو بھی جو اسی کی مخلوق ہیں، ان کو بھی دفع نہ کر سکے، وہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد سارے عالم کا کس طرح فیصلہ کر سکے گی۔ ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ کی طرح دوسری مرتبہ بھی حضرت مسیح پر ان کے دشمن غالب آجائیں اور نصاریٰ کے پاس اس کی کیا کفالت ہے کہ حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کے بعد پہلی مرتبہ کی طرح ذلت اور اہانت کا ماجرا پیش نہیں آسکتا۔

نیز اس عقیدۂ امانت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسیح مریم عذرا اور روح القدس سے مجسم ہوئے۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسیح، روح القدس کے بیٹے ہوں، جیسا کہ وہ مریم کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے۔ اس لئے کہ حضرت مسیح کو جب روح القدس سے تجسد اور تجسم حاصل ہوا تو وہ ابن روح القدس ہوئے نہ کہ ابن اللہ۔

۷۔ پھر یہ کہ اس امانت کے اخیر میں یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو کہ روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے ہیں اور یہ بھی خدا کے بیٹے ہیں، اور حضرت مسیح کے بھائی ہیں۔ اس لئے کہ جب مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے تو وہ بھی اسی باپ کے بیٹے ہوئے جس باپ کے حضرت مسیح بیٹے ہیں۔ اور ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے حضرت مسیح روح القدس کے بھائی ہوئے۔ اور اس اعتبار سے کہ حضرت مسیح روح القدس سے مجسم اور متجسد ہوئے ہیں (جیسا کہ ابھی گزرا) حضرت مسیح روح القدس کے بیٹے ہوئے۔ اور ایک ہی ذات کا ایک ہی ذات کے حق میں بیٹا اور بھائی بننا عقلاً محال ہے۔

۸۔ نیز عیسائیوں کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور ان دونوں سے روح القدس متولد ہوئے۔ دیکھو استفسار ص ۲۴۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسیح بن مریم تو خدا کے بیٹے ہیں اور روح القدس خدا کے پوتے ہیں، کیونکہ بیٹے کا بیٹا پوتا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ نصاریٰ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کے بغیر ان کے نزدیک نجات ممکن نہیں۔ ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ عقیدہ۔ عقیدۂ امانت نہیں بلکہ در حقیقت عقیدۂ خیانت ہے کہ جواز اول تا آخر جہالتوں اور حماقتوں اور تناقض اور متضاد باتوں کا مجموعہ ہے اور تمام انبیاء کرام تعلیمات تلقینات اور حضرت مسیح اور حواریین کی تصریحات کے صریح خلاف ہے اس لئے کہ تمام کتب سماویہ اور توریت اور زبور اور انجیل توحید کی تعلیم سے بھری پڑی ہیں۔

پھر یہ عقیدۂ امانت عجب گورکھ دھندا ہے جس کا اور اول آخر متناقض اور متضاد ہے اسلئے کہ اس عقیدہ کے ابتداء میں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسیح مولود اور مخلوق ہیں اور اللہ ہی ہر نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی چیز کا خالق ہے جس میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ بھی داخل ہیں پھر اس ایمان اور اقرار کے بعد چند جملوں کے بعد یہ کہ دیا کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے اور تمام اشیاء کا خالق ہے تو کیا یہ دونوں ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض نہیں تو جس عقیدہ میں اس درجہ اختلاف اور تناقض ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتا۔

نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدائے معبود بھی کہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مولود بھی ہے مریم کے پیٹ میں حمل رہے اور پھر اس سے متولد ہوئے نصاریٰ بتلائیں کہ کیا ایک فرزند مولود بھی خدائے معبود ہو سکتا ہے ایک ذات میں مولودیت اور معبودیت کا اجتماع عقلاً ناممکن اور محال ہے مگر خیال یہ آتا ہے کہ نصاریٰ سے کیا کہیں ان کے نزدیک تو خدا مر کر اور قبر میں

دفن ہونے کے باوجود بھی خدا ہوسکتا ہے اور موت اور دفن ان کے نزدیک الوہیت کے منافی نہیں تو شکم مادر سے ولادت ان کے نزدیک کہاں سے الوہیت کے منافی ہوگی نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ. ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

تین عیسائی فرقے ملکانیہ، یعقوبیہ، نسطوریہ:

سعید ابن بطریق اسکندری جو ۴۰۰ھ کے قریب گزرا ہے اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس زمانے کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے پھر اس قدر اختلاف آپ میں کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے، دس کا ایک عقیدہ ہے بیس کا ایک خیال ہے چالیس اور ہی کہتے ہیں ساٹھ اور طرف جارہے ہیں غرض ہزار ہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہوگئے۔ بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید ونصرت کی اور ان کے لئے کنیسے اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے۔ یہیں انہوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے۔ ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے۔ یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ ان میں بھی باہم دگر اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا
سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں
عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۝ وَّ اَخْذِهِمُ
روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے
الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
کہ سود لیتے تھے اور ان کو اسکی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ
لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝
واسطے جو ان میں ہیں عذاب دردناک

یہود پر سختی کی وجہ:

یہود کی اگلی پچھلی سخت سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور انکا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہوگیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طیبات تو ان پر توریت میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم پر تہمت لگانا نزول توریت کے بہت بعد میں ہوا تو سزا اس جرم سے مقدم کیسے بن گئی۔ اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ تم سے عناداً توریت جیسی کتاب دفعۃً واحدۃً طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لئے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے ﴿تفسیر عثمانی﴾

شریعتِ محمدیہ اور شریعتِ عیسوی میں چیزوں کی حرمت کی علت

شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بعض چیزیں حرام ہیں، لیکن وہ کسی جسمانی یا رُوحانی ضرر کی وجہ سے حرام کردی گئیں، بخلاف یہود کے کہ ان پر جو طیبات حرام کردی گئی تھیں ان میں کوئی جسمانی یا روحانی ضرر نہیں تھا، بلکہ ان کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر حرام کردی گئی تھیں،

(معارف القرآن مفتی اعظم)

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ
لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اور ایمان والے سو مانتے ہیں اسکو جو نازل ہوا تجھ پر اور

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز پر قائم رہنے والوں کو

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور جو دینے والے ہیں زکوۃ کے اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر

الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

اور قیامت کے دن پر سو ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب

یہود کے اہل حق:

یعنی بنی اسرائیل میں جن کا علم مضبوط ہے جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور انکے ساتھی اور جو لوگ کہ صاحب ایمان ہیں وہ مانتے ہیں قرآن اور توریت وانجیل سب کو اور نماز کو قائم رکھنے والوں کا تو کیا کہنا ہے اور دینے والے زکوۃ کے اور ایمان رکھنے والے اللہ پر اور قیامت پر ایسے لوگوں کو ہم دینگے بڑا ثواب بخلاف اول فریق کے کہ ان کے لئے عذاب سخت موجود ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف

صداقت قرآن:

اہل کتاب اور مشرکین مکہ جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت صداقت میں طرح طرح سے بے ہودہ شبہ پیدا کرتے دیکھیے اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے اتار دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے خوئے بدر ابہانہ بسیار سو حق تعالی نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اسکی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الٰہی کی متابعت کو عامۃً اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الٰہی کا ماننا سب پر فرض ہے کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم کرنے میں تردد یا تامل یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ

جیسے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر

مِنْۢ بَعْدِهٖ

جو اسکے بعد ہوئے

اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیائے سابقین پر جیسے وحی الٰہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالی نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہئے اور جس نے انکار کیا گویا ان سب کا منکر ہو گیا اور حضرت نوح وغیرہ سے مشابہت کی وجہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہوگئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہوگئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے چنانچہ انبیائے اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الٰہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔ خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الٰہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ انکو معذور سمجھ کر انکو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔ اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہود حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

اور وحی بھیجی ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى

اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اسکی اولاد پر اور عیسیٰ پر

وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ

اور ایوب پر اور یونس پر اور ہارون پر اور سلیمان پر

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

اور ہم نے دی داؤد کو زبور اور بھیجے ایسے رسول کہ جن کا احوال ہم نے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

سنایا تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول جن کا احوال نہیں سنایا

عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر

یہود کی حماقت: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو انبیاء ہوئے ان سب کو بالا جمال ذکر فرما کر جو ان میں اولوالعزم ہیں اور جو مشہور اور جلیل القدر ہیں انکو تخصیص اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرما دیا جس سے خوب معلوم ہو گیا کہ آپ کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اسکا حق ہونا اور اسکا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولوالعزم اور مشاہیر انبیاء کی وحی کو اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء پر جو وحی آتی ہے کبھی فرشتہ پیغام لیکر آتا ہے کبھی کتاب لکھی ہوئی مل جاتی ہے کبھی بغیر پیغام اور بدون واسطہ کے خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بات کرتا ہے مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ کا ہی حکم ہے کسی دوسرے کا حکم نہیں تو بندوں پر اسکی اطاعت یکساں فرض ہے بندوں تک پہنچنے کا طریقہ تحریر ہو خواہ تقریر ہو خواہ پیغام ہو تو اب یہود کا یہ کہنا کہ توریت کی طرح پوری کتاب ایک دفعہ میں آسمان سے لاؤ گے تو ہم تم کو سچا جانیں گے ورنہ نہیں کتنی بے ایمانی اور حماقت ہے جب وحی حکم الٰہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آوے اس کے ماننے میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ سے آئے گی تو مانوں گا ورنہ نہیں صریح کفر ہے اور کھلی حماقت ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت داؤد علیہ السلام:

﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد پر اتاری گئی تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زبور میں اللہ کی حمد و ثناء اور مجد کا بیان تھا۔ حضرت داؤد شہر سے باہر جنگل میں جا کر کھڑے ہو کر زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ اس وقت علماء بنی اسرائیل آپ کے پیچھے صف بستہ ہوتے تھے اور علماء کے پیچھے دوسرے لوگ اور سب آدمیوں کے پیچھے جنات حسب تفاوت درجہ کھڑے ہوتے تھے۔ پہاڑی چوپائے بھی آپ کے سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے اور تعجب سے تلاوت کو سنتے تھے۔ اور پرندے بازو پھیلائے لوگوں کے سروں پر منڈلاتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رات تم مجھے دیکھتے، میں تمہاری قرأت سن رہا تھا۔ تم کو داؤد کے سروں میں سے ایک سر دیا گیا ہے۔ ابوموسیٰؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو خدا کی قسم میں خوب ادائیگی سے کام لیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جب حضرت ابوموسیٰؓ سے ملاقات ہوتی تو آپ فرماتے، ابوموسیٰؓ! ہم کو کچھ نصیحت کرو! (یعنی قرآن پڑھ کر سناؤ تاکہ ہم کچھ نصیحت حاصل کریں)۔ حضرت ابوموسیٰؓ کچھ پڑھ کر سناتے۔

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کون پیغمبر تھا؟ فرمایا، آدمؑ! میں نے عرض کیا وہ نبی تھے؟ فرمایا، ہاں نبی تھے، جن سے کلام کیا گیا تھا۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا، تین سو اور کچھ اوپر دس ایک بڑی جماعت۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! انبیاء کی پوری گنتی کتنی تھی؟ فرمایا، ایک لاکھ چوبیس ہزار، جن میں تین سو پندرہ کی ایک بڑی جماعت رسولوں کی ہوئی۔ رواہ احمد وابن ابی حاتم۔ حاکم نے ضعیف سند سے اور ابویعلیٰ نے اور حلیہ میں ابونعیم نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے۔ چار ہزار بنی اسرائیل میں سے اور چار ہزار باقی لوگوں میں سے۔

ہم کلامی کا انتہائی درجہ:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ "اور اللہ نے موسیٰ سے یقیناً کلام کیا" اللہ کا کلام کرنا وحی کا انتہائی درجہ ہے۔ یہ فضیلت اللہ نے تمام پیغمبروں میں سے حضرت موسیٰؑ کو عطاء فرمائی تھی، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی بڑھ کر فضیلت عطاء کی اور آپؐ کے درجات اونچے کئے۔ فرمایا ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴾۔

سب سے زیادہ باغیرت اور عذر قبول کرنے والا:

حضرت مغیرہؓ کی روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے کہا، اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے پاس دیکھ لوں تو تلوار کی دھار سے اس کو ضرور قتل کر دوں۔ اس قول کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا، کیا تم کو سعد کی غیرت سے تعجب ہوتا ہے۔ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں

اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اللہ کی اسی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نے کھلی چھپی فحش کاریاں حرام کردی ہیں۔ اور اللہ سے زیادہ کسی کو (گناہ گار کی) عذر خواہی پسند نہیں۔ اسی لئے اس نے ڈرانے والے اور بشارت دینے والے پیغمبر بھیجے اور اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں۔ اسی لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ رواہ البخاری وغیرہ۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
بھیجے پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ رہے
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ
لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾
اللہ زبردست ہے حکمت والا

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد:

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی اور غیر مرضی معلوم نہ تھی، معلوم ہوتی تو ضرور اس پر چلتے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہیں سنا جاسکتا۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی، بلکہ سب حجتیں قطع ہوجاتی ہیں۔ اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے، مگر اس کو پسند نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

انبیاء و رُسل کی تفصیل:

مشہور حدیث حضرت ابوذرؓ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا، ایک لاکھ چوبیس ہزار! میں نے پوچھا، ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا، تین سو تیرہ! بہت بڑی جماعت۔ میں نے دریافت کیا، سب سے پہلے کون سے ہیں؟ فرمایا، آدمؑ! میں نے کہا، کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھر ان میں اپنی روح پھونکی، پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر فرمایا، اے ابوذرؓ! چار سریانی ہیں، آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ اور خنوخؑ، جن کا مشہور نام ادریسؑ ہے۔ انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور تمہارے نبیؐ۔ اے ابوذرؓ! بنو اسرائیل کے پہلے نبی (حضرت) موسیٰؑ ہیں اور آخری (حضرت) عیسیٰؑ ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی (حضرت) آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے، حافظ ابو حاتمؒ نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے، جس پر صحت کا نشان دیا ہے۔

انبیائے کرام جن کے اسماء قرآن میں مذکور ہیں:

جن انبیاء کرامؑ کے نام قرآن کے لفظوں میں آگئے ہیں یہ ہیں۔ آدم علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، یونس علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، الیسع علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل (اور ایوب اور الیاس علیہ السلام) اور ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ
لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے
بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى
اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور اللہ کافی ہے
بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾
حق ظاہر کرنے والا

قرآن کریم کی خصوصیت:

یعنی وحی ہر پیغمبر کو آتی رہی یہ کچھ نئی بات نہیں سب کو معلوم ہے لیکن اس قرآن میں اللہ نے اپنا خاص علم اتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کردے گا چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو علوم اور حقائق قرآن مجید میں سے حاصل ہوئے اور برابر حاصل ہوتے رہیں گے وہ کسی کتاب سے نہیں ہوئے اور جس قدر ہدایت لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور کسی سے نہیں ہوئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ): اللہ نے یہ کتاب اپنے خاص علم کے ساتھ اتاری ہے (یعنی یہ کتاب اللہ کے علم خاص کی حامل ہے) علم خاص سے مراد ہے گذشتہ اور آئندہ کے غائب امور کا علم۔ قرآن کی عبارت کا علم جس کی مختصر ترین سورت کی طرح بھی کوئی عبارت نہیں پیش کی جاسکتی۔ اس امر کو جاننا کہ نبوت

کا اہل کون ہے اور کس پر کتاب نازل کی جائے۔ اور اس بات کو جاننا کہ لوگوں کو اپنی معاش و معاد کی درستگی کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔

خدائی شہادت:

(وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا) اور اللہ کی شہادت کافی ہے یعنی آپ کی نبوت کے جو دلائل اللہ نے قائم کر دیئے ہیں ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کی شہادت طلب کرنیکی ضرورت نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ مومنوں اور کافروں کا بدلہ دینا قیامت کے دن اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا لہٰذا اسی کی شہادت کافی ہے منصف حاکم کو اگر واقعہ کا علم ہو اور وہ خود شاہد ہو تو پھر کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
جو لوگ کافر ہوئے اور روکا اللہ کی راہ سے
اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
وہ بہک کر دور جا پڑے جو لوگ
كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
کافر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں انکو
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ
اور نہ دکھلاوے گا ان کو سیدھی راہ مگر راہ دوزخ کی
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى
رہا کریں اسمیں ہمیشہ اور یہ اللہ پر
اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾
آسان ہے

ہدایت و گمراہی کا معیار

قرآن مجید اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور توثیق کے بعد فرماتے ہیں کہ اب جو لوگ آپ سے منکر ہوئے اور توریت میں جو آپ کے اوصاف اور حالات موجود تھے ان کو چھپالیا اور لوگوں پر کچھ کا کچھ ظاہر کر کے ان کو بھی دین حق سے باز رکھا سو ایسوں کو نہ مغفرت نصیب ہو نہ ہدایت جس سے خوب واضح ہو گیا کہ ہدایت آپ کی متابعت میں منحصر ہے اور گمراہی آپ کی مخالفت کا نام ہے۔ جس سے یہود کو پوری سرزنش ہوگئی اور انکے خیالات کی تغلیط واضح ہوگئی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
اے لوگو تمہارے پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر
مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ
تمہارے رب کی سو مان لو تا کہ بھلا ہو تمہارا اور اگر نہ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
مانو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں
وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾
اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا

صدائے عام

آپکی اور آپکی کتاب کی تصدیق اور آپ کے مخالفین یعنی اہل کتاب کی تغلیط اور تضلیل بیان فرما کر اب عام سب لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اے لوگو ہمارا رسول سچی کتاب اور سچا دین لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا اب تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اس کی بات مانو اور نہ مانو گے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور تمہارے تمام احوال اور افعال سے خبردار ہے تمہارے اعمال کا پورا حساب و کتاب ہو کر اس کا بدلہ ملے گا۔ فائدہ اس ارشاد سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ وحی جو پیغمبر پر نازل ہو اس کا ماننا فرض اور اسکا انکار کفر ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا
اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو
عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى
اللہ کی شان میں مگر پکی بات بیشک مسیح جو ہے عیسیٰ
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ
مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اسکا کلام ہے جس کو ڈالا
اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
مریم کی طرف اور روح ہے اسکے ہاں کی سو مانو اللہ کو

وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا
اور اسکے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ و بہتر ہوگا
لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ
تمہارے واسطے بیشک اللہ معبود ہے اکیلا اس کے لائق نہیں ہے
يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ
کہ اس کے اولاد ہو

یہودیوں کی مبالغہ آرائی:

اہل کتاب اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو اور جس سے اعتقاد ہو اس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہئے۔ جتنی بات ہو اس سے زیادہ نہ کہو اور حق تعالیٰ کی شان مقدس میں بھی وہی بات کہو جو سچی اور محقق ہو اپنی طرف سے کچھ مت کہو تم نے یہ کیا غضب کہ حضرت عیسیٰ کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے تھے انکو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے ایک خدا دوسرے حضرت عیسیٰ تیسرے حضرت مریم۔ ان باتوں سے باز آؤ اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اسکا بیٹا ہو سکے اسکی ذات پاک اس سے منزہ اور مقدس ہے یہ تمام خرابی اسکی ہے کہ تم نے وحی کی اطاعت اور پابندی نہ کی وحی کی متابعت کرتے تو خدا کے لئے بیٹا نہ مانتے اور تین خدا کے قائل ہو کر صریح مشرک نہ ہوتے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الرسل اور قرآن مجید افضل الکتب کی تکذیب کر کے آج ڈبل کافر نہ بنتے۔

دو گمراہ گروہ:

فائدہ: اہل کتاب کے ایک فریق نے تو حضرت عیسیٰ کو رسول بھی نہ مانا اور قتل کرنا پسند کیا جن کا ذکر پہلے گذرا۔ دوسرے فریق نے انکو خدا کا بیٹا کہا دونوں کافر ہو گئے۔ دونوں فریق کی گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وحی کا خلاف کیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ نجات وحی کی متابعت میں منحصر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صحیح عقیدہ:

صحیح بخاری میں ہے جس نے اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد و رسول ہونے کی اور عیسیٰ کے عبد و رسول ہونے کی گواہی دی اور یہ مانا کہ آپ خدا تعالیٰ کے کلمہ سے تھے جو حضرت مریم کی طرف ڈالا گیا تھا اور خدا کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروزوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ کو "روح اللہ" کہنا:

آپ کا روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی صرف شرافت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ حدیث میں بھی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

حضرت عبادہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے لاشریک ہونے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت و رسالت کی شہادت دی اور یہ بھی اعتراف کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جو اللہ نے مریم کو پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے صادر شدہ روح اور (یہ بھی یقین رکھا کہ) جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اس کو (آخر کار) اللہ جنت میں لے جائے گا خواہ اعمال اس کے کچھ بھی ہوں۔ ﴿رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما﴾

اللہ اولاد سے پاک ہے:

(سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ): وہ اس امر سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اولاد ہونے کا تصور تو وہاں ہو سکتا ہے جہاں اصل کی مثل ہو سکے اور فنا کا تصور کیا جا سکتا ہو۔ (اللہ کا تو نہ مثل ہے نہ وہ فانی ہے) اسی لئے اللہ نے اپنے لئے صاحب اولاد ہونے کے قول کو گالی قرار دیا۔

ابن آدم کی گمراہی:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرمایا۔ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا، اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ بھی درست نہ تھا۔ میری تکذیب تو اس قول سے کی کہ اول تخلیق کی طرح دوبارہ اللہ تخلیق نہیں کرے گا حالانکہ اول تخلیق سے دوبارہ تخلیق میرے لئے دشوار نہیں اور گالی اس قول سے دی کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنالیا حالانکہ میں اکیلا ہوں بے احتیاج ہوں نہ میری اولاد نہ میں کسی کی اولاد، نہ میرا کوئی مثل، حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں میں بیوی اور اولاد اختیار کرنے سے پاک ہوں۔ رواہ البخاری۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ
اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اور کافی ہے اللہ کارساز

اللہ تعالیٰ کیلئے شریک اور اولاد نہ ہونے کی دلیل

یعنی آسمانوں اور زمین میں نیچے سے اوپر تک جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک اور اس کے بندے ہیں۔ پھر کیسے اس کا شریک یا اس کا بیٹا کون اور کیونکر ہوسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کام بنانے والا ہے اور سب کی کارسازی کیلئے وہی کافی اور بس ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں پھر بتلایئے اس کا شریک یا بیٹے کی حاجت کیسے ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نہ کسی مخلوق میں اس کا شریک بننے کی قابلیت اور لیاقت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش اور نہ اس کو اس کی حاجت۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک یا بیٹا کہنا اس کا کام ہے۔ جو ایمان اور عقل دونوں سے محروم ہو۔

فائدہ: مضمون بالا سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کے لئے بیٹا یا کسی کو اس کا شریک مانتا ہے وہ حقیقت میں جمیع موجودات کو مخلوق باری تعالیٰ اور باری تعالیٰ کو خالق جملہ موجودات نہیں مانتا اور نیز اللہ تعالیٰ کو سب کی حاجت براری اور کارسازی کے لئے کافی نہیں جانتا گویا خدا کو خدائی سے نکال کر مخلوقات اور ممکنات میں داخل کر دیا تو اب ارشاد (سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ) میں جس ناپاکی کی طرف اشارہ خفی تھا اس کا پتہ چل گیا اور فرزند حقیقی اور فرزند مجازی اور ظاہری دونوں میں وہ ناپاکی چونکہ برابر موجود ہے تو خوب سمجھ میں آ گیا کہ اس کی ذات قدس جیسے اس سے پاک ہے کہ اس کے بیٹا پیدا ہوا ایسا ہی اس سے بھی پاک اور برتر ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

افراط کی ممانعت:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بڑھایا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا۔ (ابن کثیر)

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ

مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ

عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں

اعلیٰ درجہ کی شرافت:

یعنی اللہ کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کے حکموں کو بجالانا تو اعلیٰ درجہ کی شرافت اور عزت ہے حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین سے اس نعمت کی قدر اور ضرورت پوچھیے اس کو اس سے کیسے ننگ اور عار آسکتا ہے البتہ ذلت اور غیرت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی میں ہے جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح کو ابن اللہ اور معبود مان لیا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کی اور بتوں کی عبادت کرنے لگے سو ان کے لئے ہمیشہ کو عذاب اور ذلت ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے

فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

سو وہ جمع کریگا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو ان کو پورا دے گا انکا ثواب

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور زیادہ دے گا اپنے فضل سے اور جنہوں نے

اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

عار کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دیگا عذاب

اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

دردناک اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار

مؤمن و منکر کا ضرور فیصلہ ہوگا:

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھاوے گا اور سرکشی کرے گا تو وہ یونہی نہ چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ ایک روز سب کو اللہ کے سامنے جمع ہونا ہے اور حساب دینا ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے یعنی اللہ کی بندگی پوری بجالائے ان کو ان کے کاموں کا پورا ثواب ملے گا۔ بلکہ اللہ کے

فضل سے بڑی بڑی نعمتیں ان کے ثواب سے زیادہ بھی ان کو عنایت ہونگی اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ناک چڑھائی اور سرکشی کی وہ عذاب عظیم میں گرفتار ہونگے اور کوئی ان کا خیرخواہ اور مددگار نہ ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں شریک کر کے عذاب میں پڑے وہ بھی کام نہ آئیں گے سو اب نصاریٰ خوب سمجھ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے ان کے مناسب حال کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے موافق شان کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اے لوگو تمہارے پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح سو جو لوگ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ
ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کریگا
فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ
اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچا دے گا
اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾
ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر

اصلی بات کی تاکید:

پہلے سے وحی الٰہی اور بالخصوص قرآن مجید کی عظمت اور اس کی حقانیت کا بیان اور اس کی متابعت اور اتباع کی تاکیدات کا ذکر تھا اسی کے ذیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے کا ذکر کیا تھا جس کے قائل نصاریٰ تھے اس کی تردید اور ابطال کے بعد اب اخیر میں پھر اسی اصلی اور ضروری بات کی سب کو تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اے لوگوں تمہارے پاس رب العالمین کی طرف سے حجۃ کامل اور نور روشن پہنچ چکا جو ہدایت کے لئے کافی اور وافی ہے یعنی قرآن مجید، اب کسی تامل اور تردد کی گنجائش نہیں سو جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور اس مقدس کتاب کو مضبوط پکڑے گا وہ اللہ کی رحمت اور فضل میں داخل ہوگا اور براہ راست اس تک پہنچے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا اس کی گمراہی اور خرابی اسی سے سمجھ لیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

برہان سے کیا مراد ہے؟

(قولہ تعالیٰ) قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ برہان کے لفظی معنی دلیل کے ہیں، اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے (روح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو لفظ برہان سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ پر کتاب کا نزول، یہ سب چیزیں آپ کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے کھلے کھلے دلائل ہیں جن کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ تو یوں سمجھنا چاہئے کہ آپ کی ذات خود ہی ایک مجسم دلیل ہے۔

نور سے کیا مراد ہے؟

اور نور سے مراد قرآن مجید (روح) جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین۔ یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے۔ اور وہ ایک کتاب واضح یعنی قرآن ہے۔ (بیان القرآن) اس آیت میں جس کو نور کہا گیا ہے آگے اسی کو کتاب مبین کہا گیا، یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ عطف تو تغائر کو چاہتا ہے لہٰذا نور اور کتاب ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ تغائر عنوان کا کافی ہے، اگرچہ مصداق اور معنون ایک ہی ہے۔ (روح)

اور اگر نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہو، اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو یہ بھی صحیح ہے (روح) لیکن اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا نور محض ہونا ثابت نہیں ہوتا جو بشریت اور جسمانیت کے منافی ہو) (معارف القرآن مفتی اعظم)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ
حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا

جس کا باپ اور اولاد موجود نہ ہو:

شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کلالہ کے معنی کمزور اور ضعیف۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ

ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دوتہائی اور اگر بھائی اور بہن ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہونگے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف مال میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں سو ان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا ان کا حصہ معین ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں، میں اپنی بیماری میں بے ہوش پڑا تھا، جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا حضور! وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمرؓ کا قول:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے آخری وقت میں میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ
اگر کوئی مرد مر گیا اور اسکے بیٹا نہیں اور اسکے ایک بہن ہے تو
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ
اسکو پہنچے آدھا اس کا جو چھوڑ مرا

یعنی اگر کوئی مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ
اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اسکے بیٹا

یعنی اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لاولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ نہ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیافی چھوڑے گی تو اس کیلئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ
پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو
مِمَّا تَرَكَ
چھوڑ مرا

اور اگر دو سے زیادہ بہنیں چھوڑے تو ان کو بھی دو تہائی دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ
اور اگر کئی شخص ہوں اسی رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ
حصہ ہے برابر دو عورتوں کے

کچھ مرد اور کچھ عورتیں یعنی کچھ بھائی اور کچھ بہنیں چھوڑیں تو بھائی کا دوہرا اور بہن کا اکہرا حصہ ہے جیسا کہ اولاد کا حکم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا
بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو

اللہ کے احکام ہدایت ہی ہدایت ہیں:

یعنی اللہ رحیم کریم محض اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور ان کو گمراہی سے بچانے کی غرض سے اپنے احکام حقہ صادقہ بیان فرماتا ہے جیسا یہاں میراث کلالہ کو بیان فرمادیا۔ اس کی اس میں کوئی غرض نہیں وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے تو اب جو اس مہربانی کی قدر نہ کرے بلکہ اس کے حکم سے انحراف کرے اس کی شقاوت کا کیا ٹھکانا اس سے معلوم ہو گیا کہ بندہ کو جملہ احکام کی تابعداری لازم ہے اگر ایک معمولی اور جزوی امر میں بھی خلاف کرے گا تو گمراہی ہے پھر جو لوگ اس کی ذات پاک اور اس کی صفات کمال میں اس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور اپنی عقل اور اپنی خواہش کو اسکے مقابلہ میں اپنا مقتدا بناتے ہیں تو ان کی ضلالت اور خباثت کو اسی سے سمجھ لیجئے کہ کس درجہ کی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾
اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے

مسائل پوچھ لینے کی تحسین و ترغیب:

اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق سبحانہٗ اپنے بندوں کی ہدایت کو پسند فرماتا ہے

اور اب فرمایا کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہیں تو مطلب یہ نکلا کہ مسائل دینیہ میں جو ضرورت پیش آئے اس کو پوچھ لو سو اس ارشاد میں صحابہ نے جو کلالہ کے مسئلہ میں استفسار فرمایا تھا اس کی تحسین کی طرف اور آئندہ کو ایسے سوالات کرنے کی ترغیب کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے یعنی تم نہیں جانتے تم تو یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ کلالہ اور اس کے سوا دیگر صورتوں میں جو حصہ مقرر فرمایا گیا اس کی وجہ حقیقت میں کیا ہے پھر آدمی کی عقل اس قابل کب ہو سکتی ہے کہ اس کے بھروسے سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں وحی کے خلاف پر جرأت کرے جو اپنے تعلقات اور اپنے اقارب کے فرق اور امتیاز سے عاجز ہو وہ ذات بے چگوں اور اس کی صفات کو بدون اس کے بتلائے کیا سمجھ سکتا ہے۔ فائدہ اس جگہ کلالہ کے حکم اور اس کے سبب نزول کو بیان فرمانے سے چند باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جیسا پہلے ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ فرما کر اس کے بعد بطریق تمثیل اہل کتاب کا حال ذکر فرمایا تھا ایسے ہی ارشاد ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہم اجمعین کو بطریق تمثیل ذکر فرمایا تاکہ وحی سے انحراف کرنے والوں کی گمراہی اور برائی اور وحی کا اتباع کرنے والوں کی حقانیت اور بھلائی خوب سمجھ میں آجائے اسی کے ذیل میں دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوگئی کہ اہل کتاب نے تو یہ غضب کیا کہ ذات اقدس سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد جیسے شنیع امر کو اپنا ایمان بنالیا اور وحی الٰہی کا خم ٹھونک کر خلاف کیا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے کہ اصول ایمان اور عبادات تو درکنار معاملات جزئی اور معمولی مسائل متعلقہ میراث نکاح وغیرہ میں بھی وحی کے متجسس اور منتظر رہتے ہیں۔ اور ہر امر میں رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے منہ کو تکتے ہیں اپنی عقل اور خواہش کو حاکم نہیں سمجھتے اگر ایک دفعہ میں تشفی نہ ہوئی تو مکرر حاضر خدمت ہو کر دریافت کرتے ہیں۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حاکم صرف اللہ ہے: اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت سید المرسلین بھی بلا حکم وحی اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے تھے اگر کسی امر میں حکم وحی موجود نہ ہوتا تو حکم فرمانے میں نزول وحی کا انتظار فرماتے جب وحی آتی تب حکم فرماتے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ذات پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی حاکم نہیں چنانچہ آیات متعددہ میں اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ وغیرہ صاف مذکور ہے باقی جو ہیں وہ سب واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے اوروں کو حکم الٰہی پہنچایا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کوئی واسطہ قریب ہے کوئی بعید جیسا حکم سلطانی پہنچانے کے لئے وزیر اعظم اور دیگر مقربین شاہی اور حکام اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ بدرجہ سب واسطہ ہوتے ہیں پھر اس سے زیادہ گمراہی کیا ہوگی کہ کسی امر میں وحی الٰہی کے مقابلہ میں کوئی گمراہ کسی کی بات سنے اور اس پر عمل کرے۔ شعر

آنانکہ زروئے تو بجائے نگرانند — کوتہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

ایک ہی دفعہ پورا قرآن نازل نہ کرنے کی حکمت:

نیز اشارہ ہے اس طرف کہ ایک دفعہ تمام کتاب کے نازل ہونے میں جیسا کہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں وہ خوبی نہیں جو حسب حاجت اور حسب موقع متفرق نازل ہونے میں ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی ضرورت کے موافق اس صورت میں سوال کر سکتا ہے اور بذریعہ وحی متلو اس کو جواب مل سکتا ہے جیسا کہ اس موقع میں اور قرآن مجید کے بہت سے مواقع میں موجود ہے اور یہ صورت مفید تر ہونے کے علاوہ بوجہ شرافت ذکر خداوندی و عزت خطاب حق عزوجل ایسے فخر عظیم پر مشتمل ہے جو کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ **واللہ ذو الفضل العظیم** جس صحابی کی بھلائی میں یا اس کے سوال کے جواب میں کوئی آیت نازل ہوئی وہ اس کے مناقب میں شمار ہوتی ہے اور اختلاف کے موقع پر جس کی رائے یا جس کے قول کے موافق وحی متلو اتری قیامت تک اس کی خوبی اور نام نیک باقی رہے گا۔

سو کلالہ کے متعلق سوال و جواب کا ذکر فرما کر اس طرح کے بالعموم سوالات کو مطلق رکھا مسئول عنہ کو سوال کے ساتھ ذکر نہ فرمایا بلکہ جواب میں اس کی تصریح فرمائی جس کی دوسری نظیر قرآن شریف میں نہیں اور جواب کو بالتصریح حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا واللہ اعلم واللہ الہادی الحاصل جملہ احکام کے لئے وحی الٰہی منشاء اور اصل ہے اور ہدایت اسی کی متابعت پر موقوف ہے اور کفر وضلالت اسی کی مخالفت میں منحصر ہے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جملہ مشرکین اور جملہ اہل ضلالت کی گمراہی کی جڑ یہی مخالفت تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بہت جگہ وحی کی متابعت کی خوبی اور اس کی مخالفت کی خرابی پر متنبہ فرمایا بالخصوص اس موقع میں تو دو رکوع اس مہتم بالشان مضمون کیلئے نازل فرمائے اور تفصیل اور تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا شاید اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب میں باب ”کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ منعقد فرما کر آیۃ

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾

کو ترجمۃ الباب میں داخل کیا اور ان دونوں رکوع کی طرف اشارہ کر گئے گویا مطلب یہ ہے کہ **وقولہ تعالیٰ**

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾

الیٰ آخر مضمون الوحی واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ المائدہ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو

ایمان شرعی:

ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم وانقیاد۔ یعنی خدا اور رسول کے جملہ ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم وقبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین احکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد واقرار ہے گویا حق تعالیٰ کی ربوبیۃ کاملہ کا وہ اقرار جو عہد الست کے سلسلہ میں لیا گیا تھا جس کا نمایاں اثر انسان کی فطرت اور سرشت میں آج تک موجود ہے اسی کی تجدید وتشریح ایمان شرعی سے ہوتی ہے۔ پھر ایمان شرعی میں جو کچھ اجمالی عہد و پیمان تھا۔ اسی کی تفصیل پورے قرآن وسنت میں دکھلائی گئی ہے (تفسیر عثمانی)

دعویٰ ایمان:

اس صورت میں دعوی ایمان کا یہ مطلب ہوا کہ بندہ تمام احکام الٰہیہ میں خواہ ان کا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اس کا عہد کرتا ہے کہ ہر نہج سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد و پیمان اسلام، جہاد، سمع وطاعت، یا دوسرے عمدہ خصال عمل اور امور خیر کے متعلق صحابہؓ سے بشکل بیعت لیتے تھے، وہ اسی عہد ایمانی کی ایک محسوس صورت تھی۔ اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال وجبروت کی صحیح معرفت اور اس کی شان انصاف، وانتقام اور وعدوں کی سچائی کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بد عہدی اور غداری کے مہلک عواقب سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو جو خدا سے یا بندوں سے یا خود اپنے نفس سے کئے ہوں، اس طرح پورا کرے کہ مالک حقیقی کی وفاداری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اس تقریر کے موافق عقود (عہدوں) کی تفسیر میں جو مختلف چیزیں سلف سے منقول ہیں ان سب میں تطبیق ہو جاتی ہے اور آیت میں "ایمان والو" کے لفظ سے خطاب فرمانے کا لطف مزید حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ مائدہ کا نزول:

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اتر گئے۔ (مسند احمد) کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورۃ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ الخ ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ

سب سے آخری سورۃ:

حضرت جبیرؒ بن نفیر فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا سنو سب سے آخر یہی سورۃ نازل ہوئی ہے، اس میں جس چیز کو حلال پاؤ حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ سورہ سفر حج الوداع میں نازل ہوئی:

مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ واسماء بنت یزید منقول ہے کہ سورۂ مائدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ سفر میں عضباء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ نزول وحی کے وقت جو غیر معمولی ثقل اور بوجھ ہوا کرتا تھا حسب دستور اس وقت بھی ہوا۔ یہاں تک کہ اونٹنی عاجز ہو گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نیچے اُتر آئے۔ یہ سفر بظاہر حجۃ الوداع کا سفر ہے جیسا کہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حجۃ

الوداع ہجرت کے دسویں سال میں ہوا، اور اس سے واپسی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات تقریباً اسی دن رہی ابن حیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ سورۂ مائدہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت نزول قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے۔

ابن کثیر نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت جبیر بن نفیرؓ سے نقل کی ہے کہ وہ حج کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جبیر تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ یہ قرآن پاک کی آخری سورۃ ہے اس میں جو احکام حلال وحرام کے آئے ہیں وہ محکم ہیں۔ ان میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ ان کا خاص اہتمام کرو۔ سورۂ مائدہ میں بھی سورۂ نساء کی طرح فروعی احکام، معاملات، معاہدات وغیرہ کے زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ اسی لئے روح المعانی نے فرمایا ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران باعتبار مضامین کے متحد ہیں۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر احکام اصول عقائد، توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے آئے ہیں۔ فروعی احکام ضمنی ہیں اور سورۂ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان دونوں میں بیشتر فروعی احکام کا بیان ہے، اصول کا بیان ضمنی ہے۔ سورۂ نساء میں باہمی معاملات اور حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔

سورۃ کے مضامین:

شوہر بیوی کے حقوق، یتیموں کے حقوق، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں بھی ان تمام معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اسی لئے سورۂ مائدہ کا دوسرا نام سورۂ عقود بھی ہے۔ (بحر محیط)

معاہدات اور معاملات کے بارہ میں یہ سورۃ اور بالخصوص اس کی ابتدائی آیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا اور ایک فرمان لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ تو اس فرمان کے سرنامہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تحریر فرمائی تھی۔

عقد کا معنی:

امام جصاص نے فرمایا کہ عقد کہا جائے یا عہد و معاہدہ، اس کا اطلاق ایسے معاملہ پر ہوتا ہے جس میں دو فریقوں نے آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا چھوڑنے کی پابندی ایک دوسرے پر ڈالی ہو۔ اور دونوں متفق ہو کر اس کے پابند ہوگئے ہوں۔ ہمارے عرف میں اسی کا نام معاہدہ ہے اسی سے مضمون اس جملہ کا یہ ہوگیا کہ باہمی معاہدات کا پورا کرنا لازم وضروری سمجھو۔

معاہدات کی قسمیں:

اسی لئے امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ معاہدات کی جتنی قسمیں ہیں سب اس لفظ کے حکم میں داخل ہیں پھر فرمایا کہ اس کی ابتدائی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے۔ مثلاً ایمان، طاعت کا عہد یا حلال وحرام کی پابندی کا عہد دوسرے وہ معاہدہ جو ایک انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہے، جیسے کسی چیز کی نذر اپنے ذمہ مان لے، یا حلف کر کے کوئی چیز اپنے ذمہ لازم کر لے، تیسرے وہ معاہدہ جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہے۔ اور اس تیسری قسم میں وہ تمام معاہدات شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتوں یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ حکومتوں کے بین العالمی معاہدات۔ یا باہمی سمجھوتے۔ جماعتوں کے باہمی عہد و میثاق اور دو انسانوں کے درمیان ہر طرح کے معاملات نکاح، تجارت، شرکت، اجارہ، ہبہ وغیرہ ان تمام معاہدات میں جو جائز شرطیں باہم طے ہوجائیں اس آیت کی رو سے ان کی پابندی ہر فریق پر لازم وواجب ہے۔ اور جائز کی قید اس سے لگائی کہ خلاف شرع شرط لگانا یا اس کا قبول کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

تعبیر:

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کھلانے پلانے میں کریم النفس ہو مگر ایک ظالم قوم سے اس کو مصیبت پہنچے گی۔ (ابن سیرین رحمہ اللہ)

دو چیزوں کا اتنا مضبوط اتصال کہ دونوں کا الگ الگ ہونا دشوار ہو عقد کہلاتا ہے۔

منافق کی نشانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی معاہدہ شکنی کو بھی قرار دیا تھا۔ رواہ الشیخان من حدیث عبداللہ بن عمروؓ تحلیل حلال اور تحریم حرام بھی چونکہ ان عقود میں داخل ہے جن کا مکلف اللہ نے بندوں کو کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایمان ایک معاہدہ ہے:

ایمان درحقیقت ایک معاہدۂ التزام ہے کہ میں دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کو صحیح اور صادق سمجھ کر ان کو واجب الالتزام اور

لازم العمل تسلیم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ دل و جان سے ان احکام کی تعمیل کروں گا پس یہ عہد التزام ایمان کی حقیقت ہے جس میں تمام احکام آگئے اور یہ ایمان درحقیقت عہد (الست) کی تجدید ہے جس میں حق ربوبیت ادا کرنے کا عہد لیا گیا تھا اسی طرح ایمان جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد اور اقرار ہے اس لئے حکم یہ دیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم نے ایمان لا کر التزام احکام کا اجمالی طور پر جو عہد اور پیمان کیا ہے اس کو پورا کرو پھر اس حکم اجمالی کے بعد خاص خاص عہدوں اور خاص خاص حکموں کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں عقود جمع عقد کی ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر خوب باندھ دیا جائے اس جگہ عقود سے تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ مراد ہیں جن میں اللہ نے بندوں کو باندھ دیا ہے اور بندہ ان میں جکڑا ہوا ہے بندہ پر ان کی پابندی اور التزام ضروری ہے پس یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان درحقیقت التزام اطاعت کا اجمالی معاہدہ ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری کہتے ہیں یہ اجمالی معاہدہ تو ایک امر بسیط ہے لیکن تمام احکام شرعیہ اس معاہدہ کی دفعات ہیں اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں اس لئے کہ ایمان درحقیقت التزام طاعت خداوندی کے معاہدہ کا نام ہے جو ایک امر بسیط ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ

حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی

بدعہدی پر یہود کو سزا:

''سورۂ نساء'' میں گذر چکا ہے کہ یہود کو ظلم و بدعہدی کی سزا میں بعض حلال وطیب چیزوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ (نساء رکوع ۲۲)

جن کی تفصیل ''سورۂ انعام'' میں ہے اس امت مرحومہ کو ایفائے عہد کی ہدایت کے ساتھ ان چیزوں سے بھی متمتع ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ بکری اور اسی جنس کے تمام اہلی اور وحشی (پالتو اور جنگلی) چوپائے مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ تمہارے لئے ہر حالت میں حلال کئے گئے، بجز ان حیوانات یا حالات کے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمہارے جسمانی یا روحانی یا اخلاقی مصلحت کے لئے ممانعت فرما دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جنگلی چوپائے:

کلبی نے کہا بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ سے وہ جنگلی چوپائے مراد ہیں جو شہری چوپایوں کی طرح جگالی کرتے ہیں اور ان کے منہ نوکیلے نہیں ہوتے جیسے ہرن نیل گائے وغیرہ۔

پیٹ کا بچہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا پیٹ کے بچہ کو بغیر مستقل ذبح کرنے کے کھانا درست نہیں۔ اس کے بال نکل آئے ہوں یا نہ نکلے ہوں۔

ابوحنیفہ نے فرمایا پیٹ کا بچہ مستقل زندگی رکھتا ہے۔ ماں کے مرنے کے بعد بچہ کی زندگی کا امکان ہے۔ اور بچہ خون رکھنے والا جاندار بھی ہے اور ذبح کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ گوشت کو خون سے علیحدہ کر دیا جائے اور یہ بات تنہا ماں کو ذبح کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ ماں کو ذبح کرنے سے بچہ کے بدن سے خون نہیں نکل جاتا۔ شکار کو زخمی کرنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں زخمی ہو جانے سے کچھ خون نکل ہی جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جاویں گے

غالباً اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسی رکوع کی تیسری آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی حرمت علیکم المیتة سے ذلکم فسق تک۔ (تفسیر عثمانی)

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ

مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں

احرام اور حرم کا احترام:

محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں۔ دریائی شکار کی اجازت ہے۔ اور جب حالت احرام کی رعایت اسقدر ہے کہ اس میں شکار کرنا ممنوع ٹھہرا تو خود حرم شریف کی حرمت کا لحاظ اس سے کہیں زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی حرم کے جانور کا شکار محرم و غیر محرم سب کے لئے حرام ہوگا جیسا کہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کے عموم سے مترشح ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے

حلال حرام کا اختیار فقط اللہ کو ہے:

جس خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا پھر کمال حکمت سے ان میں باہم

فرق مراتب رکھا ہر نوع میں اس کی استعداد کے موافق جدا جدا فطری خواص وقویٰ ودیعت کئے۔ زندگی اور موت کی مختلف صورتیں تجویز کیں بلا شبہ اسی خدا کو اپنی مخلوقات میں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کامل، علم محیط اور حکمت بالغہ کے اقتضا سے جس چیز کو جس کسی کے لئے جن حالات میں چاہے حلال یا حرام کر دے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی طرح بے مہار نہ بنو:

نہ تو مجوسی اور بت پرستوں کی طرح مطلقاً ان جانوروں کے ذبح ہی کو حرام قرار دو کہ یہ حکمتِ حق جل شانہٗ پر اعتراض اور اس کی نعمت کی ناشکری ہے۔ اور نہ دوسرے گوشت خور فرقوں کی طرح بے قید ہو کر ہر طرح کے جانور کو کھا جاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے تحت جن جانوروں کو اس نے حلال کیا ہے اُن کو کھاؤ۔ اور جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے اُن سے بچو۔

گندے ناپاک جانوروں سے منع فرماتے ہیں۔ جو انسانی صحت کے لئے مہلک ہیں یا اُن کے اخلاق خراب کرنے والے ہیں۔

(معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ
اے ایمان والو حلال نہ سمجھو اللہ کی نشانیوں کو

عظمتِ الٰہی کے نشانات:

یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کی عظمت و معبودیت کے لئے علامات اور نشانات خاص قرار دی گئی ہیں ان کی بے حرمتی مت کرو۔ ان میں حرم محترم بیت اللہ شریف، جمرات، صفا مروہ، ہدی، احرام، مساجد کتب سماویہ وغیرہ تمامی حدود و فرائض اور احکام دینیہ شامل ہیں۔ آگے ان نشانیوں میں سے بعض مخصوص چیزوں کا جو مناسک سے متعلق ہیں، ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں بھی محرم کے بعض احکام ذکر کئے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کی بے حرمتی سے بچنے کی ہدایت، دوسرے اپنے اور غیر دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور ظلم کا بدلہ ظلم سے لینے کی ممانعت۔

سببِ نزول:

اس آیت کے نزول کا سبب چند واقعات ہیں۔ ایک واقعہ حدیبیہ کا ہے جس کی تفصیل قرآن نے دوسری جگہ بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ ہجرت کے چھٹے سال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ارادہ کیا کہ عمرہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سے زائد صحابہ کے ساتھ احرام عمرہ باندھ کر بقصد مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب مقام حدیبیہ میں پہنچ کر مکہ والوں کو اطلاع دی کہ ہم کسی جنگ یا جنگی مقصد کے لئے نہیں بلکہ صرف عمرہ کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ ہمیں اس کی اجازت دو۔ مشرکین مکہ نے اجازت نہ دی۔ اور بڑی سخت اور کڑی شرطوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ اس وقت سب اپنے احرام کھول دیں اور واپس جائیں۔ آئندہ سال عمرہ کے لئے اس طرح آئیں کہ ہتھیار ساتھ نہ ہوں۔ صرف تین روز ٹھہریں۔ اور عمرہ کر کے چلے جائیں۔ اور بھی بہت سی ایسی شرائط تھیں جن کا تسلیم کر لینا بظاہر مسلمانوں کے وقار و عزت کے منافی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب مطمئن ہو کر واپس ہو گئے۔ پھر سنہ ۷ھ میں دوبارہ ماہ ذی قعدہ میں انہیں شرائط کی پابندی کے ساتھ یہ عمرہ قضا کیا گیا۔

شعائر کے احترام کا تقاضا:

تاہم، شعائر اللہ کی حفاظت و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے تمہیں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ ان کے بغض و عداوت کا انتقام اس طرح لینا جائز نہیں کہ مسلمان ان کو مکہ میں داخل ہونے یا شعائر حج ادا کرنے سے روک دیں۔ کیونکہ یہ اُن کے ظلم کے بدلہ میں ہماری طرف سے ظلم ہو جائے گا، جو اسلام میں روا نہیں۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ
اور نہ ادب والے مہینہ کو

ادب والے مہینے:

ادب والے مہینے چار ہیں مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (توبہ، ع ۵) ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب۔ ان کی تعظیم واحترام یہ ہے کہ دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ان میں نیکی اور تقویٰ کو لازم پکڑے اور شر و فساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دق کر کے حج بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔ گو یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ مؤکد قرار دیئے گئے۔ باقی دشمنان اسلام کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام، تو جمہور کا مذہب یہی ہے بلکہ ابن جریر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی اس کا بیان سورۂ توبہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں سے چار ماہ حُرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب، جسے قبیلہ مضر کا رجب کہا جاتا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ
اور نہ اس جانور کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور نہ جن کے گلے پٹا ڈال کر لیجاویں کعبہ کو

قربانی کا جانور اور اس کی علامت:

قلائد قلادہ کی جمع ہے، جس سے مراد وہ ہار یا پٹا ہے جو ہدی کے جانور کے گلے میں نشان کے طور پر ڈالتے تھے تا کہ ہدی کا جانور سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا جائے اور دیکھنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنے کی ترغیب بھی ہو قرآن کریم نے ان چیزوں کی تعظیم وحرمت کو باقی رکھا۔ اور ہدی یا اس کی علامات سے تعرض کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریرؒ کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر حج:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی، اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا، قربانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے۔ جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا دل تقویٰ والا ہے۔

قربانی کے جانور کی تعظیم:

بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا پلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں۔ (رواہ اہل السنن، تفسیر ابن کثیر)

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
اور نہ آنیوالوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں فضل
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا
اپنے رب کا اور اس کی خوشی

حج وعمرہ کرنے والوں کا احترام:

بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے۔ یعنی جو مخلص مسلمان حج وعمرہ کے لئے جائیں ان کی تعظیم واحترام کرو۔ اور ان کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے، اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل وقرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جب کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا کی منادی کرائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا
اور جب احرام سے نکلو تو شکار کرلو

یعنی حالت احرام میں شکار کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ احرام کھول دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ
اور باعث نہ ہو تم کو اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو روکتی تھی
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا
حرمت والی مسجد سے اس پر کہ زیادتی کرنے لگو

سخت دشمن کے مقابلہ میں بھی عدل نہ چھوڑو:

پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم ومحترم قرار دیا تھا سنہ ۶ ہجری میں مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ ماہ ذیقعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا نہ حالت احرام کا خیال کیا نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی وقلائد کا، مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیئے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں

جس قدر بھی غیظ و غضب اور بغض وعداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہو کر جو کارروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی۔ لیکن اسلام کی محبت و عداوت دونوں جچی تلی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے جابر و ظالم دشمن کے مقابلہ پر بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کا حکم دیا۔ عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل وانصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو۔ (تفسیر عثمانی)

ظالم کی امداد کرنے والا:

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تا کہ اس کی اعانت وامداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا
اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ
پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر

جوش انتقام میں کی ہوئی زیادتی کا علاج:

اگر کوئی شخص بالفرض جوش انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ جماعت اسلام اس کے ظلم وعدوان کی اعانت نہ کرے۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیز گاری کا مظاہرہ کریں اور اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں۔ (تفسیر عثمانی)

برّ اور اثم:

حضرت نواس بن سمعان انصاری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براور اثم کی تشریح دریافت کی گئی۔ فرمایا بر حسن خلق ہے اور اثم وہ کھٹک ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہو اور لوگوں کا اس سے واقف ہونا تم کو پسند نہ ہو۔ رواہ مسلم فی صحیحہ والبخاری فی الادب والترمذی. حضرت ابو ثعلبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بر" وہ بات ہے جس پر تمہارے دل کو سکون واطمینان ہو جائے خواہ مفتی تم کو (اس کے خلاف جواز کا) فتویٰ دیدیں۔ رواہ احمد۔ میں کہتا ہوں یہ پاک باطن نفوس مطمئنہ والوں کو خطاب ہے۔ (تفسیر مظہری)

دوست دشمن سب سے عدل کرو:

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ عدل وانصاف میں دوست دشمن سب برابر ہونے چاہئیں۔ تمہارا دشمن کیسا ہی سخت ہو اور اس نے تمہیں کیسی ہی ایذا پہنچائی ہو اس کے معاملہ میں بھی انصاف ہی کرنا تمہارا فرض ہے۔

نظام دنیا کا مدار تعاونِ باہمی پر ہے:

ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا انتظام انسانوں کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کی مدد نہ کرے تو کوئی اکیلا انسان خواہ وہ کتنا ہی عقلمند یا کتنا ہی زور آور یا مالدار ہو، اپنی ضروریات زندگی کو تنہا حاصل نہیں کر سکتا۔ اکیلا انسان نہ اپنی غذا کے لئے غلہ اگانے سے لے کر کھانے کے قابل بنانے تک کے تمام مراحل کو طے کر سکتا ہے۔ نہ لباس وغیرہ کے لئے روئی کی کاشت سے لے کر اپنے بدن کے موافق کپڑا تیار کرنے تک بے شمار مسائل کا حل کر سکتا ہے اور نہ اپنے بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسرے ہزاروں۔ لاکھوں انسانوں کا محتاج ہے۔ اُنکے باہمی تعاون وتناصر سے ہی سارا دنیا کا نظام چلتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو یہ تعاون دنیوی زندگی ہی میں......ضروری نہیں۔ مرنے سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک کے سارے مراحل بھی اسی تعاون کے محتاج ہیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج رہتا ہے۔

نیکی پر تعاون کرو:

حسن زبصرہ بلال ازحبش صہیب از روم
زخاک مکہ ابو جہل ایں چہ بو العجبی ست

غور کیجئے کہ اس میں قرآن کریم نے یہ عنوان بھی اختیار نہیں فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کرو اور غیروں کے ساتھ نہ کرو۔ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کی جو اصل بنیاد ہے، یعنی نیکی اور خدا ترسی اسی کو تعاون کرنے کی بنیاد قرار دیا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھائی بھی اگر حق کے خلاف یا ظلم وجور کی طرف چل رہا ہو تو ناحق اور ظلم پر اس کی مدد نہ کرو۔ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ ناحق اور ظلم سے اس کا ہاتھ روکو۔ کیونکہ درحقیقت یہی اسکی صحیح امداد ہے تا کہ ظلم وجور سے اس کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔

ظالم کی امداد اسے ظلم سے روکنا:

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً۔ یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ کرامؓ جو قرآن تعلیم میں رنگے جا چکے تھے، انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم بھائی کی امداد تو ہم سمجھ گئے۔ مگر ظالم کی امداد کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روکو۔ یہی اس کی امداد ہے۔

مسلم قومیت کی بنیاد:

قرآن کریم کی اس تعلیم نے بر و تقویٰ یعنی نیکی اور خدا ترسی کو اصل معیار بنایا۔ اسی پر مسلم قومیت کی تعمیر کھڑی کی۔ اس پر تعاون و تناصر کی دعوت دی۔ اس کے بالمقابل اثم و عدوان کو سخت جرم قرار دیا۔

نیکی اور برائی کا داعی:

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت اور نیکی کی طرف دعوت دے تو جتنے آدمی اس کی دعوت پر نیک عمل کریں گے، ان سب کے برابر اس کو بھی ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے۔ اور جس شخص نے لوگوں کو کسی گمراہی یا گناہ کی طرف بلایا۔ تو جتنے لوگ اس کے بلانے سے گناہ میں مبتلا ہوئے ان سب کے گناہوں کے برابر اس کو بھی گناہ ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

اور ابن کثیر نے بروایت طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اسی پر سلف صالحین نے ظالم بادشاہوں کی ملازمت اور کوئی عہدہ قبول کرنے سے سخت احتراز کیا ہے۔ کہ اس میں ان کے ظلم کی امداد و اعانت ہے۔ تفسیر روح المعانی میں آیت کریمہ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز آواز دی جائے گی کہ کہاں ہیں ظالم لوگ اور ان کے مددگار یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے ظالموں کے دوات، قلم کو درست کیا ہے۔ وہ بھی سب ایک لوہے کے تابوت میں جمع کرکے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

یہ ہے قرآن و سنت کی وہ تعلیم جس نے دنیا میں نیکی۔ انصاف۔ ہمدردی۔ اور خوش خلقی پھیلانے کیلئے ملت کے ہر فرد کو ایک داعی بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اور جرائم و ظلم و جور کے انسداد کے لئے ہر فرد ملت کو ایک سپاہی بنا دیا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②
اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے

یعنی حق پرستی، انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے اور اگر خدا سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ
حرام ہوا تم پر مردہ جانور

مردار جانور: اس آیت سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہوا ان میں اول میتہ (مردار جانور) ہے جو واجب الذبح جانور ذبح کئے بدون خود اپنی موت سے مر جائے اس کا خون اور حرارت غریزیہ گوشت ہی میں مختقن اور جذب ہو کر رہ جاتی ہے جس کی سمیت اور گندگی سے کئی قسم کے بدنی اور دینی مضار لاحق ہوتے ہیں (ابن کثیر) شاید اسی تعلیل پر متنبہ فرمانے کے لئے میتہ (مردہ جانور) کے بعد دم (خون) کی حرمت مذکور ہوئی اس کے بعد حیوانات کی ایک خاص نوع (خنزیر) کی تحریم کا ذکر کیا۔ جس کی بے انتہا نجاست خوری اور بے حیائی مشہور عام ہے شاید اسی لئے شریعت حقہ نے دم (خون) کی طرح اس کو نجس العین قرار دیا ان تین چیزوں کے ذکر کے بعد جن کی ذوات میں مادی گندگی اور خباثت پائی جاتی تھی محرمات کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا یعنی وہ جانور جو اپنی ذات کے اعتبار سے حلال و طیب ہے۔ مگر مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی نیاز کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہو اس کا کھانا بھی نیت کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی بناء پر حرام ہے۔ کسی جاندار کی جان صرف اسی مالک و خالق کے حکم اور نام پر لی جا سکتی ہے۔ جس کے حکم و ارادہ سے اس پر موت و حیات طاری ہوتی ہے۔ باقی "منخنقہ" وغیرہ غیر مذبوح جانور سب میتہ کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ "مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ" وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ساتھ ملحق ہے۔ جاہلیت میں ان سب چیزوں کے کھانے کی عادت تھی اسی لئے اس قدر تفصیل سے ان کا بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

مردار کا گوشت مضر صحت ہے:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حرام کئے گئے تم پر مردار جانور، مردار سے مراد وہ جانور ہیں جو بغیر ذبح کے کسی بیماری کے سبب یا طبعی موت سے مر جائیں۔ ایسے مردار جانور کا گوشت "طبی" طور پر بھی انسان کیلئے سخت مضر ہے اور روحانی طور پر بھی۔

مچھلی اور ٹڈی:

البتہ حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کو

مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ایک "مچھلی" دوسرے ٹڈی۔ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَالدَّمُ
اور لہو

یعنی بہتا ہوا خون اور ما مسفوحا۔ (الانعام رکوع ۱۸) (تفسیر عثمانی)

وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
اور گوشت سؤر کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ
اور کا اور جو مر گیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے
وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ
اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے
عَلَى النُّصُبِ
جو ذبح ہوا کسی تھان پر

غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونیوالے جانور:

تھوڑا سا پہلے ہدی کے ادب و احترام کا ذکر فرمایا تھا یعنی وہ جانور جو تقرب الی اللہ کی غرض سے خدائے واحد کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے اس کے بالمقابل اس جانور کا بیان فرمایا جسے خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے۔ (موضح القرآن) اس دوسری صورت میں بھی فی الحقیقۃ نیت نذر غیر اللہ ہی کی ہوتی ہے گو ذبح کے وقت زبان سے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جائے۔ اس تقریر کے .. فق وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کا فرق واضح ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

خنزیر کے گوشت کو چھونا بھی بُرا ہے:

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابو سفیان نے ہرقل سے کہا وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے۔

کونچیں کا ٹنا:

ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کونچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی۔ پھر ابو داؤد نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے۔

مقابلہ بازی اور ریاکاری والوں کا کھانا:

ابو داؤد کی ان دو حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔

نصب:

نصب پر جو جانور ذبح کئے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے ارد گرد تھیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں یہ تین سو ساٹھ بت تھے۔

سب سے بڑا بت:

قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہُبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنویں پر نصب تھا جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے۔ اس بُت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آکر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔

متردیہ وہ ہے جو پہاڑی سے یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

خنزیر کا گوشت:

تیسری چیز "لحم خنزیر" ہے۔ جس کو حرام فرمایا ہے۔ لحم سے مراد اس کا پورا بدن ہے۔ جس میں چربی، پٹھے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا شرک ہے:

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر اگر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے۔ اور یہ جانور باتفاق مردار کے حکم میں ہے۔

جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔ یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر، اور اگر بوقت ذبح نام تو اللہ تعالیٰ کا لیا، مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہوا اور اس کی رضامندی کے لئے قربان کیا ہے تو جمہور فقہاء نے اس کو بھی مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

منخنقة: یعنی وہ جانور حرام ہے جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا

خود ہی کسی جال وغیرہ میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو۔ اگرچہ منخنقہ، اور موقوذۃ بھی میتہ کے اندر داخل ہیں، مگر اہل جاہلیت ان کو جائز سمجھتے تھے۔ اس لئے خصوصی ذکر کیا گیا۔

موقوذۃ: یعنی وہ جانور جو ضرب شدید کے ذریعہ ہلاک ہوا ہو۔ جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو۔ اور جو تیر کسی شکار کو اس طرح قتل کر دے کہ دھار کی طرف سے نہ لگے ویسے ہی ضرب سے مر جائے وہ بھی موقوذۃ میں داخل ہو کر حرام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات "معراض" تیر سے شکار کرتا ہوں اگر شکار اس سے مر جائے تو کیا کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ جانور عرضِ تیر کی چوٹ سے مرا ہے تو وہ موقوذۃ میں داخل ہے اس کو مت کھا اور اگر دھار کی طرف سے لگا ہے اور اس نے زخم کر دیا ہے تو کھا سکتے ہو۔

امام جصاصؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ المقتولۃ تلک الموقوذہ. یعنی بندوق کے ذریعہ جو جانور قتل کیا گیا ہے وہ ہی موقوذۃ ہے اس لئے حرام ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ: اور وہ جانور جس پر (یعنی جس کو ذبح کرنے کے وقت) اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہلال آواز بلند کرنا اس سے مراد وہ آواز ہے جو کسی جانور کو ذبح کرنے کے وقت مشرکین چیخ کر باسم اللات والعزی کہا کرتے تھے۔

لعنت کا حقدار آدمی:

ابوالطفیل کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ کوئی چیز (بطور وصیت یا اندرونی حکم) دی تھی فرمایا عام لوگوں کو جو چیز نہ دی ہو اور ہم کو خصوصیت کے ساتھ دی ہو ایسی کوئی چیز نہیں ہاں جو میری تلوار کے پرتلہ میں ہے بس یہی چیز تھی پھر آپ نے (تلوار کے پرتلہ سے) ایک تحریر نکالی جس میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی اللہ کی لعنت اس پر جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ذبح کرے (یعنی ذبح کے وقت دوسرے کے نام کو شریک بنا لے یا تنہا دوسرے کا نام لے) اور اللہ کی لعنت اس پر جو زمین کے نشانات میں چوری کرے۔ دوسری روایت میں چوری کے لفظ کی جگہ بگاڑنے کا لفظ آیا ہے یعنی جو زمین کے نشانات کو بگاڑتے اور اللہ کی لعنت اس پر جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ کی لعنت اس پر جو (دین میں اپنی طرف سے) نئی بات نکالنے والے کو ٹھکانا دے۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

سور کے حرام ہونے کی وجہ:

سور کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے جس میں اس کی چربی اور اس کی کھال بھی شامل ہے۔ غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور سور میں بہت سی صفات ذمیمہ پائی جاتی ہیں وہ حد درجہ کا حریص اور پرلے درجہ کا بے غیرت ہے بے غیرتی اس کے خمیر میں داخل ہے جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں وہ بے غیرت ہیں عیاں را چہ بیان۔ اس لئے شریعت نے سور کے گوشت کو حرام کیا۔

نُصُب اور صنم میں فرق:

جو جانور غیر خدا کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے وہ مردار ہے۔

نصب اور صنم میں فرق یہ ہے کہ نُصب اُس غیر مصور پتھر کو کہتے ہیں کہ جو کسی دیوتا یا دیوی کے نام پر کھڑا کیا جائے اور صنم وہ مصور پتھر ہے جس پر کسی دیوتا یا دیوی کی تصویر یعنی صورت بنی ہوئی ہو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر کھڑے کئے ہوئے تھے جن کو مشرکین اپنے دیوتاؤں کا تھان سمجھ کر بتوں کے لئے اُن کے پاس آ کر قربانیاں کیا کرتے تھے اور کچھ خون بھی ان پر چھڑک دیتے تھے اور ان پتھروں کو بدلتے بھی رہتے تھے ایک پتھر کے بجائے دوسرا اچھا پتھر رکھ دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی نجس اور حرام کر دیا۔

بتوں کیلئے کی گئی قربانی حرام ہے:

ان قربانیوں کے کھانے کی ممانعت کی جو ان تھانوں پر کی جائیں کیونکہ یہ صورت بھی فی الحقیقت نذر غیر اللہ کی ایک خاص صورت ہے گو ذبح کے وقت زبان سے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ دیا جائے اس لئے اصل مقصود اور اصل نیت اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب ہے جو شرک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا کیونکہ حرمت کا اصل دار و مدار نیت شرکیہ پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے یعنی ایسے مقامات پر ذبح کرنے سے جو بتوں کے نام پر بنے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی ذبیحہ کا کھانا حرام قرار دیا دیکھو تفسیر قرطبی ص ۵۷ ج ۶ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ ج ۲ و تفسیر کبیر ص ۲۶۶ ج ۳۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ
اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے

بتوں پر رکھے ہوئے تیر

بعض مفسرین نے ازلام سے تقسیم کے تیر مراد لئے ہیں جو زمانہ جاہلیت

میں گم ذبیحہ وغیرہ کے بانٹنے میں استعمال ہوتے تھے اور وہ ایک صورت قمار (جوئے) کی تھی جیسے آج کل چٹھی ڈالنے کی رسم ہے لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ازلام سے مراد وہ تیر ہیں جن سے مشرکین مکہ کسی اشکال اور تردد کے وقت اپنے ارادوں اور کاموں کا فیصلہ کرتے تھے یہ تیر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت "ہبل" کے پاس رکھے تھے۔ ان میں سے کسی پر امرنی ربی، لکھا تھا (میرے پروردگار نے حکم دیا) کسی پر "نھانی ربی" تحریر تھا (میرے رب نے مجھ کو منع کردیا) اسی طرح ہر تیر پر یوں ہی اٹکل پچو باتیں لکھ چھوڑی تھی جب کسی کام میں تذبذب ہوا تو تیر نکال کر دیکھ لئے۔ اگر "امرنی ربی" والا تیر نکل آیا تو کام شروع کردیا اور اس کے خلاف نکلا تو رک گئے وعلیٰ ہذا القیاس گویا بتوں سے یہ ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی۔ چونکہ اس رسم کا مبنیٰ خالص جہل، شرک، اوہام پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھا اس لئے قرآن کریم نے متعدد مواقع میں نہایت تغلیظ وتشدید کے ساتھ اس کی حرمت کو ظاہر فرمایا ہے اس تقریر کے موافق "ازلام" کا ذکر "نصب" کی مناسبت سے ہوا اور مردار، خون، خنزیر وغیرہ نہایت ہی خبیث اور گندی چیزوں کی تحریم کے سلسلہ میں منسلک کر کے بتلا دیا کہ اس کی معنوی اور اعتقادی نجاست وخباثت ان چیزوں سے کم نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں "رجس" کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے یا تیروں سے فال نکالے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے۔

استخارہ کی اہمیت:

بخاری اور سنن میں مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آپڑے تو اُسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر یہ دُعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ودنیای و معاشی و عاقبة امری فاقدره لی ویسره لی ثم بارک لی فیه وان کنت تعلم انه شرلی فی دینی و دنیای و معاشی و عاقبة امری فاصرفه عنه واصرفه عنی واقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی به." (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کاہن سے خبر طلب کی یا نصیب معلوم کرنا چاہا یا سفر سے رک جانے کا شگون لیا وہ قیامت کے دن جنت کے اونچے درجات کی طرف بھی نہیں دیکھے گا۔ رواہ البغوی عن قبیصۃ۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کے ناموں سے آوازوں سے اور گذرنے سے فال حاصل کرنا اور شگون لینا اور کنکریاں مارنا (یعنی ہار جیت یا کرنے نہ کرنے کا حکم معلوم کرنا کفر ہے۔

رواہ ابوداؤد بسند صحیح۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

یہ گناہ کا کام ہے آج نا امید ہو گئے کافر تمہارے

دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ

دین سے سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اب کافر مایوس ہو چکے ہیں:

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ زندگی کے ہر شعبہ اور علوم ہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول وقواعد ایسی طرح ممہد ہو چکے تھے اور فروع وجزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت سے کیا جا چکا تھا کہ پیروان اسلام کے لئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست، جانباز اور سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی جس کو قرآنی تعلیم کا مجسم نمونہ کہا جاسکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہد وپیمان پورے کر رہے تھے، نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی۔ شعائر الٰہیہ کا ادب واحترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا۔ ظنون و اوہام اور انصاب وازلام کا تار وپود بکھر چکا تھا۔ شیطان جزیرۃ العرب کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کردیا گیا تھا کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہوسکے، ان حالات میں ارشاد ہوا:

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی

آج کفار اس بات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر ''انصاب'' و ''ازلام'' وغیرہ کی طرف لے جائیں یا دین اسلام کو مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ میں کسی تحریف و تبدیل کی امید قائم کر سکیں آج تم کو کامل و مکمل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں۔ خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا بھی احتمال نہیں ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے ہاتھ میں تمہاری ساری نجاح و فلاح اور کل سود و زیاں ہے۔ گویا ''فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ''۔ میں اس پر متنبہ فرما دیا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیۂ الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود رہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کا راستہ:

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں، ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے۔

اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی:

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نہیں اترا۔ اس حج سے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ اس آخری حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیلؑ کی تجلی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر جھک پڑے، وحی اُترنی شروع ہوئی، اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اڑھا دی۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے۔ حج اکبر والے دن جب کہ یہ آیت اُتری تو حضرت عمرؓ رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم ابھی دین کی اور زیادتی کی امید میں تھے اب وہ کامل ہو گیا دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا

تکمیل دین:

یعنی اس کے اخبار و قصص میں پوری سچائی، بیان میں پوری تاثیر، اور قوانین و احکام میں پورا توسط و اعتدال موجود ہے۔ جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیانِ سماویہ میں محدود و ناتمام تھیں ان کی تکمیل و تتمیم اس دین قیم سے کر دی گئی۔ قرآن و سنت نے ''حلت'' و ''حرمت'' وغیرہ کے متعلق تنصیصاً یا تعلیلاً جو احکام دیئے ان کا اظہار و ایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے یومِ عرفہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جبکہ مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا۔ پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی قانون جاری تھا۔ اس پر فرمایا کہ اب سے پہلے جو کفار یہ منصوبے بنایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کی جماعت ہمارے مقابلہ میں کم بھی ہے اور کمزور بھی ان کو ختم کر دیا جائے۔ اب نہ اُن میں یہ حوصلے باقی رہے، نہ ان کی وہ طاقت رہی۔ اس لئے مسلمان اُن سے مطمئن ہو کر اپنے رب کی اطاعت و عبادت میں لگ جائیں۔

آیت کی خاص شان:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

اس آیت کے نزول کی خاص شان ہے، عرفہ کا دن ہے جو تمام سال کے دنوں میں سید الایام ہے اور اتفاق سے یہ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا۔ جس کے فضائل معروف ہیں۔ مقام میدانِ عرفات کا جبل رحمت کے قریب ہے، جو عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ رحمت کا خاص مقام ہے۔ وقت عصر کے بعد کا ہے، جو عام دنوں میں بھی مبارک وقت ہے۔ اور خصوصاً یوم جمعہ میں کہ قبولیتِ دعا کی گھڑی بہت سی روایات کے مطابق اسی وقت آتی ہے اور عرفہ کے روز اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول ہونے کا خاص وقت ہے۔

حج کے لئے مسلمانوں کا سب سے بڑا پہلا عظیم اجتماع ہے۔ جس میں

تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ شریک ہیں۔ رحمۃ للعالمین صحابہ کرامؓ کے ساتھ جبل رحمت کے نیچے اپنی ناقہ ''عضباء'' پر سوار ہیں۔ اور حج کے اب بڑے رکن یعنی وقوف عرفات میں مشغول ہیں۔

ان فضائل و برکات اور رحمتوں کے سایہ میں یہ آیہ۔ کریمہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ جب آپ پر یہ آیت بذریعہ وحی نازل ہوئی تو حسب دستور وحی کا ثقل اور بوجھ اتنا محسوس ہوا کہ اونٹنی اس سے دبی جارہی تھی یہاں تک کہ مجبور ہو کر بیٹھ گئی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت احکام سے متعلق نازل نہیں ہوئی۔ صرف ترغیب و ترہیب کی چند آیتیں ہیں۔ جن کا نزول اس آیت کے بعد بتلایا گیا ہے۔

ایک مرتبہ چند علماء یہود، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول کا ایک جشنِ عید مناتے۔ فاروق اعظمؓ نے سوال کیا کہ وہ کونسی آیت ہے۔ انہوں نے یہی آیت۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ پڑھ دی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی۔ اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا ایک عرفہ دوسرے جمعہ۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید میلاد منائی۔ ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے نام سے ایک عید بنا دی۔ اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے۔ جس کی کوئی اصل صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلاف اُمت کے عمل میں نہیں ملتی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دن منانے کا طریقہ اُن قوموں میں تو چل سکتا ہے کہ جو باکمال افراد اور ان کے حیرت انگیز کارناموں کے لحاظ سے مفلس ہیں۔ دو چار شخصیتیں کل قوم میں اس قابل ہوتی ہیں، اور اُن کے بھی کچھ مخصوص کام ایسے ہوتے ہیں، جن کی یادگار منانے کو قومی فخر سمجھتے ہیں۔

اسلام میں یہ دن منانے کی رسم چلے تو ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد تو انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کی نہ صرف پیدائش بلکہ ان کی حیرت انگیز کارناموں کی طویل فہرست ہے جن کے دن منانے چاہئیں۔ انبیاءؑ کے بعد خاتم الانبیاء ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے ....تو آپ کی زندگی کا شاید کوئی دن بھی ایسے کارناموں سے خالی نہ ہو جن کا دن منانا چاہئے.... بچپن سے لے کر جوانی تک کے وہ کمالات جنہوں نے پورے عرب میں آپ کو امین کا لقب دیا تھا۔ کیا وہ ایسے نہیں ہیں کہ مسلمان ان کی یادگار منائیں پھر نزولِ قرآن۔ ہجرت۔ غزوہ بدر، احد، خندق، فتح مکہ۔ حنین، تبوک اور تمام غزوات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی یادگار نہ منائی جائے۔ اسی طرح آپ کے ہزاروں معجزات یادگار منانے کی چیزیں ہیں۔ اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ کی حیات طیبہ کا ہر دن نہیں ہر گھنٹہ ایک یادگار منانے کا داعیہ رکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ وہ ہیں، جن میں سے ہر ایک درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا:

قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ اور جو بظاہر زیادتی احکام کی اصول اجتہاد کے تحت فقہاء و مجتہدین کی طرف سے ہوئی۔ وہ درحقیقت زیادتی نہیں بلکہ احکام قرآن کی توضیح و بیان ہے۔

اتمامِ نعمت:

اور اتمام نعمت سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور مکہ مکرمہ کی فتح اور رسوم جاہلیت کے مٹانے سے اور اس سال حج میں کسی مُشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بتلادیا کہ اُمتِ مرحومہ کے لئے دینِ اسلام ایک بڑی نعمت ہے جو ان کو بخشی گئی ہے۔ اور یہی دین ہے جو ہر حیثیت اور جہت سے کامل و مکمل ہے، نہ اس کے بعد کوئی نیا دین آئے گا اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جائے گی۔

یہی وجہ تھی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عام مسلمان اس کو سُن کر خوش ہو رہے تھے مگر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ اس آیت سے اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کا قیام اس دنیا میں بہت کم ہے۔ کیونکہ تکمیل کے ساتھ ارسال رسول کی ضرورت بھی پوری ہوچکی۔ رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر و بحر محیط وغیرہ) چنانچہ آنے والے وقت نے بتلا دیا کہ اس کے صرف اکیاسی روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ (معارف القرآن جلد سوم)

کیا اسلام ترقی سے روکتا ہے؟

اسلام حقیقی ترقی کا ہرگز ہرگز مانع نہیں بلکہ حقیقی ترقی کا حکم دیتا ہے اس سے بڑھ کر کیا ترقی ہو سکتی ہے کہ صحابۂ کرام نے چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کیا اور روئے زمین پر اپنی سیادت اور اقتدار کو قائم کر دیا۔ اور شریعت اسلامیہ کا دستور اور قانون دنیا میں رائج کر دیا اور جس سرزمین پر قدم رکھا۔ بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی کے وہاں کی زبان عربی بن گئی اور وہاں کا تمدن اسلامی تمدن بن گیا اور آج سے دو سو سال پیشتر تک تمام سلاطین اسلام کا یہی حال رہا اور اللہ نے اُن کو وہ عزت دی جو اب خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی البتہ اسلام اس خیالی ترقی کا مانع اور مخالف ہے جس کی حقیقت سوائے حرص اور طول امل کے کچھ نہیں شیخ چلی کی سی پلاؤ پکا لینے کا نام ترقی نہیں۔

ترقی کا مدار:

عالم کی اصل ترقی کا دارومدار چار چیزیں ہیں۔ زراعت اور تجارت اور صنعت و حرفت اور ملازمت جس کو اصطلاح شریعت میں اجارہ کہتے ہیں۔ شریعت کی بے شمار نصوص سے ان تمام امور کی تاکید اور ترغیب ثابت ہے اور حق تعالیٰ نے ان امور کے متعلق احکام صادر کئے ہیں جو چیزیں حقیقۃً مفید اور نافع تھیں ان کو جائز قرار دیا اور جو چیزیں حقیقۃً مضر تھیں اُن کو ناجائز قرار دیا اگرچہ کوئی خود غرض بعض چیزوں کو اپنے لئے مفید اور نافع سمجھتا ہو۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا

سب سے بڑا احسان:

سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا مزید براں اطاعت و استقامت کی توفیق بخشی۔ روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دستر خوان تمہارے لئے بچھا دیا، حفاظت قرآن، غلبۂ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرما دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا
اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین

نجات فقط اسلام میں ہے:

یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے "اسلام" جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں (تنبیہ) اس آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا نازل فرمانا بھی من جملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ یہ آیت ۱۰ھ ہجری میں "حجۃ الوداع" کے موقع پر "عرفہ" کے روز "جمعہ" کے دن "عصر" کے وقت نازل ہوئی جب کہ میدان عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان کیا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جبرئیلؑ نے (مجھ سے) اللہ کا قول نقل کیا یہ دین ہے جس کو میں نے اپنے لئے (یعنی اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے) انتخاب کیا ہے اس دین کی درستی صرف سخاوت اور حسن اخلاق سے ہوگی لہٰذا جب تک تم اس دین کے رفیق ہو سخاوت اور حسنِ اخلاق سے اس کو عزت دو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ
پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر
لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾
مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مجبور آدمی کی رعایت:

یعنی حلال و حرام کا قانون تو مکمل ہو چکا، اس میں اب کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ مضطر جو بھوک پیاس کی شدت سے بے تاب اور لاچار

ہو وہ اگر حرام چیز کھا پی کر جان بچالے بشرطیکہ مقدار ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ اور لذت مقصود نہ ہو (غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ) تو حق تعالیٰ اس تناول محرم کو اپنی بخشش اور مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ گویا وہ چیز تو حرام ہی رہی مگر اسے کھا پی کر جان بچانے والا خدا کے نزدیک مجرم نہ رہا۔ یہ بھی اتمام نعمت کا ایک شعبہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے ابوواقد لیثی کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم (کبھی) ایسی سرزمین میں ہوتے ہیں جہاں ہم کو بھوک لگتی ہے (اور کھانے کو کچھ ملتا نہیں) ہمارے لئے مردار کب حلال ہو جائے گا فرمایا جب صبح کو تم کچھ نہ پی سکو نہ پچھلے دن میں کچھ پی سکو نہ زمین سے کچھ سبزی اکھاڑ کر کھا سکو اس وقت تم جانور اور مردار کو کھا سکتے ہو۔ واللہ اعلم

طبرانی، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابورافع کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیدی لیکن جبرئیلؑ نے داخل ہونے میں تاخیر کی تو حضور خود اپنی چادر لے کر (یعنی اوڑھ کر) باہر تشریف لے آئے اور دیکھا دروازہ پر حضرت جبرئیلؑ موجود ہیں فرمایا ہم نے تو آپ کو داخل ہونے کی اجازت دیدی تھی۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا بے شک لیکن ہم اس گھر میں نہیں جاتے جہاں کوئی تصویر یا کتا ہو۔ لوگوں نے دیکھا تو ایک کوٹھری میں کتے کا بچہ موجود تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ
تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لئے حلال ہے کہہ دے تم کو
لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ
حلال ہیں ستھری چیزیں

سوال اور جواب:

پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا، دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں۔ اور چونکہ شکاری جانور سے شکار کرنے کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لئے آیت کے اگلے حصہ میں اس کو تفصیلاً بتلا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلۂ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتمؓ اور زید بن مہلہلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مُردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ
اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو
مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ
اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں
عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠
تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اس پر

شکاری کتے اور پرندے کے شکار کا حکم:

شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے

(۱) شکاری جانور سدھایا ہوا ہو

(۲) شکار پر چھوڑا جائے۔

(۳) اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جارہا ہو فوراً چلا آئے اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جب اس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا"

(۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہو گئی پانچویں شرط جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے اس کی طرف لفظ "جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر نہ مرا ہو اور ذبح کر لیا جائے تو وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدہ سے حلال ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ:

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے کھانا سب مل کر کھایا کرو اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگِ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی میں نے اُسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا، اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔

بسم اللہ پڑھ کر شکار کرو:

ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور خدا تعالیٰ کا نام تُو نے لے لیا ہو تو کھالے گو اُس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو، اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے۔

بسم اللہ نہ پڑھو تو شیطان ساتھ کھاتا ہے:

مسند احمد۔ ابوداؤد۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جو ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اُسے کوئی دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لُقمہ اٹھانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا کہ جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کرلیتا ہے، وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اس اعرابی کے ساتھ آیا تو میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا، اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ اُن دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، تفسیر ابن کثیر)

شکاری کتے اور باز وغیرہ کے شکار کی پانچ شرطیں:

شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لئے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں:

اول یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اُس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لئے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگر چہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لئے کرتے ہیں اپنے لئے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بُلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا۔ اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کرلیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ مکلّبین سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتے کو سکھلانے کے ہیں۔ پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحبِ جلالین اس جگہ مکلّبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں: جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا۔ اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لئے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کردے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم اُن وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں، اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کرلیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

شکار میں نماز وغیرہ سے غفلت:

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کردی گئی ہے کہ شکار جانور کے ذریعے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حلال تو کردیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن جلد سوم)

تیر سے شکار میں بھی زخم شرط ہے:

اسی طرح بالا جماع تیر سے شکار کرنے میں بھی زخمی کرنا شرط ہے

حضرت عدی بن حاتم کا قول ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم چپٹے تیر سے شکار کرتے ہیں فرمایا تیر گھس جائے اور کاٹ پیدا کر دے تو کھالو اور تیر کا چپٹا حصہ اگر شکار (کے لگے اور اس سے شکار مر جائے تو مت کھاؤ یہ کوٹے ہوئے کی طرح ہوگا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

کالا کتا:

امام احمد نے فرمایا خالص سیاہ کتے کا شکار حلال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتے بھی من جملہ دیگر (حیوانی) امتوں کے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو عام طور پر) قتل کر دینے کا حکم دیدیتا۔ اب تم خالص سیاہ کتے کو قتل کر دیا کرو۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی۔

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا ہم کو حکم دیا پھر کچھ مدت کے بعد ممانعت فرما دی اور فرمایا دو نقطوں والے خالص سیاہ کتے کو قتل کر دیا کرو وہ یقیناً شیطان ہے۔ جمہور کے نزدیک عموم آیت کی وجہ سے ہر کتے کا شکار حلال ہے۔

تعلیم وتربیت:

مکلبین ٹرینگ دیئے ہوئے تعلیم کے اندر ٹریننگ داخل ہے مکرر ذکر تعلیم میں قوت پیدا کرنے اور ترغیب دینے کے لئے کیا گیا۔ مکلب کتوں کو ٹریننگ دینے والا۔ یہ لفظ کلب سے بنا ہے چونکہ کتوں کو ادب آموزی کثیر الوقوع بھی ہے اور زیادہ اثر انگیز بھی اس لئے کلب سے تکلیب بنا کر عام شکار کی ٹریننگ کے لئے استعمال کر لیا گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ کلب ہر درندہ کو کہتے ہیں (لہٰذا ہر درندہ کو شکار آموزی کیلئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا) قاموس میں ہے کلب ہر کٹکھنا درندہ۔ عتبہ بن ابی لہب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بد دعا کی اور فرمایا اے اللہ اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو (یعنی کسی درندہ کو) اس پر مسلط کر دے چنانچہ شام کو جانے کے ارادہ سے جب وہ قافلہ کے ساتھ مکہ سے نکلا اور قافلہ کسی منزل پر اترا تو عتبہ نے کہا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ڈر لگا ہوا ہے لوگوں نے اپنا سارا سامان اس کے گرد اگرد جمع کر دیا۔

کتے اور باز کا کھایا ہوا:

عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب کتا کھالے تو تم نہ کھاؤ اور شکرا کھالے تو تم (بقیہ) کھا سکتے ہو کیونکہ کتا ضرب کو برداشت کر سکتا ہے اور شکرا برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت عدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اگر بسم اللہ کر کے تم کتے کو چھوڑو اور کتا جا کر شکار کو پکڑ لے اور تم شکار کو زندہ پالو تو ذبح کر لو اور اگر کتا اس کو قتل کر چکا ہو مگر خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو تم اس کو کھا سکتے ہو۔ اور اگر کتے نے کچھ کھا لیا ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ وہ کتے نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ (الحدیث۔ متفق علیہ)

بسم اللہ پڑھنا:

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ : اور اس شکاری جانور پر اللہ کا نام لے لیا کرو یعنی شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ لہٰذا کتے اور باز وغیرہ کو شکار پر چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے اسی طرح تیر چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھنی لازم ہے ویسے جیسے ہی ذبح کے وقت پڑھنی ضروری ہے فرق یہ ہے کہ ذبح میں جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور تیر یا شکاری جانور کو چھوڑتے وقت کیونکہ شکار پر گرفت تیر پھینکنے یا شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت نہیں ہوتی لہٰذا ایسے فعل کے وقت اللہ کا نام لینا چاہئے جس پر قدرت ہو یہی وجہ ہے کہ اگر کسی بکری کو پچھاڑا اور بسم اللہ پڑھی اور اس بسم اللہ سے ذبح دوسری کر دی تو ناجائز ہے اور اگر کسی شکار پر تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھی اور تیر دوسرے پرندہ کے لگ گیا جس سے وہ مر گیا تو حلال ہے اور اگر ایک بکری کو پچھاڑا اور بسم اللہ پڑھی پھر وہ چھری پھینک دی اور دوسری سے ذبح کر دیا تو حلال ہے اور اگر تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھی مگر وہ تیر نہ چھوڑا بلکہ دوسرا چھوڑا تو شکار حلال نہیں۔

مسئلہ: جانور یا تیر چھوڑنے کے وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دی یا ذبح کرنے کے وقت قصداً بسم اللہ نہ کہی یا ٹرینڈ کتے کے ساتھ کوئی ان ٹرینڈ کتا یا مجوسی کا کتا یا کوئی ایسا کتا جس کو چھوڑنے کے وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دی گئی ہو شریک ہو گیا تو اس شکار کو کھانا حلال نہیں کیونکہ اس آیت میں شکار کے حلال ہونے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ فوت ہوگئی اس کے علاوہ دوسری آیت میں آیا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ۔

جب دوسرا کتا بھی شریک ہو جائے:

حضرت عدیؓ کی روایت میں ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ایک اور کتا بھی شریک ہو جاتا ہے فرمایا اس کو مت کھاؤ۔ کیونکہ بسم اللہ تو تم نے اپنے

کتے کو چھوڑنے وقت پڑھی ہے دوسرے کتے پر نہیں پڑھی۔ (متفق علیہ)

عنبر:

حضرت جابرؓ کا بیان ہے میں جیش خبط کے ساتھ جہاد میں شریک تھا ابو عبیدہ کمانڈر تھے ہم سخت بھوک زدہ ہو گئے (کھانے کو کچھ موجود نہ تھا) سمندر نے ایک اتنی بڑی مچھلی مردہ باہر نکال پھینکی تھی کہ ہم نے اتنی بڑی مچھلی نہیں دیکھی اس کو عنبر کہا جاتا تھا ہم نے نصف ماہ تک اسی کو کھایا ابو عبیدہ نے اس کی ایک ہڈی لے کر کھڑی کی تو اس کے (کمانچے کے) نیچے سے اونٹ سوار نکل گیا جب ہم خدمت گرامی میں پہنچے تو ہم نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا داد رزق کھاؤ اور اگر تمہارے پاس ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ چنانچہ ہم نے اس میں سے کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیج دیا اور آپ نے اس کو کھایا۔ متفق علیہ۔ حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں عنبر ایک قسم کی مچھلی ہی تھی دیکھو حضرت جابرؓ نے اس کو حوت کے لفظ سے تعبیر کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④
اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

حدود کا خیال رکھو:

یعنی ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو، کہیں "طیبات کے استعمال اور شکار وغیرہ سے منتفع ہونے میں حدود و قیود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ عموماً آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ مشاغل میں پڑ کر خدا اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اس لئے تنبیہ کی ضرورت تھی کہ خدا کو مت بھولو اور یاد رکھو کہ حساب کا دن کچھ دور نہیں۔ خدا کے انعامات اور تمہاری شکر گذاری کا موازنہ اور عمر عزیز کے ایک ایک لمحہ کا حساب ہونے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ
آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں

حلال چیزیں ہمیشہ حلال ہیں:

یعنی جیسے آج کا دین کامل تم کو دیا گیا، دنیا کی تمام پاکیزہ نعمتیں بھی تمہارے لئے دائمی طور پر حلال کر دی گئیں جو کبھی منسوخ نہ ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

انسانیت کا امتیاز:

لغت میں طیبات صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ اور خبائث اس کے بالمقابل گندی اور قابل نفرت چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے آیت کے اس جملہ نے یہ بتلا دیا کہ جتنی چیزیں صاف ستھری اور مفید اور پاکیزہ ہیں وہ انسان کے لئے حلال کی گئی ہیں، اور جو گندی قابل نفرت اور مضر ہیں وہ حرام کی گئی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصدِ زندگی دنیا میں کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور جینے مرنے تک محدود ہو، اس کو قدرت نے مخدوم کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصد اعلیٰ پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے بداخلاق انسان درحقیقت انسان کہلانے کے قابل نہیں۔

غذا کا اخلاق پر اثر:

ظاہر ہے کہ جب گرد و پیش کی چیزوں سے انسانی اخلاق متاثر ہوتے ہیں تو جو چیزیں انسان کے بدن کا جزو بنتی ہیں اُن سے اخلاق کس قدر متاثر ہوں گے۔ اس لئے کھانے پینے کی ساری چیزوں میں اس کی احتیاط لازمی ہوئی۔ چوری، ڈاکہ۔ رشوت، سود، قمار وغیرہ کی حرام آمدنی جس کے بدن کا جزو بنے گی، وہ لازمی طور پر اس کو انسانیت سے دُور اور شیطنیت سے قریب کر دے گی۔

مردار اور خنزیر:

چنانچہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک ہر پیغمبر نے مردار جانور اور خنزیر وغیرہ کو حرام کرنے کا اپنے وقت میں اعلان فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ایسی خبائث ہیں کہ ہر زمانے کے سلیم الطبع حضرات نے ان کو گندی اور مضر چیز سمجھا ہے۔

حرام ہونے کے دو اصول:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے کہ جتنے جانور شریعت اسلام نے حرام قرار دیئے ہیں، ان سب پر غور کیا جائے تو سمٹ کر یہ سب دو اُصولوں کے تحت آجاتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی جانور اپنی فطرت وطبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کا طریقہ غلط ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ کے بجائے میتہ یعنی مردار قرار دیا جائے گا۔

خبیث ہونے کی ایک علامت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کے خبیث ہونے کی ایک علامت یہ بتائی کہ کسی قوم کو بطور عذاب کے جس جانور کی شکل میں مسخ و تبدیل کیا گیا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ جانور طبعاً خبیث ہے، کہ جن لوگوں پر حق تعالیٰ کا غضب، نازل ہوا ان کو اس جانور کی شکل دی گئی۔

اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیئے کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ کیا کوئی انسان اس کو کھا سکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے جانور ہیں جن کی خصلت ایذا رسانی۔ چیزوں کو اچک لینا ہے۔ جیسے سانپ۔ بچھو۔ چھپکلی۔ مکھی۔ یا چیل اور باز وغیرہ۔

ایک ضابطہ:

اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضابطہ کے طور پر بیان فرمایا کہ ہر درندہ جانور جو دانتوں سے پھاڑ کھاتا ہے، جیسے شیر، بھیڑیا وغیرہ۔ اور پرندوں میں وہ جانور جو اپنے پنجے سے شکار کرتے ہیں۔ جیسے باز، شکرہ وغیرہ یہ سب حرام ہیں۔ یا ایسے جانور جن کی طبیعت میں خست اور ذلت یا نجاسات کے ساتھ ملوث ہونا ہے، جیسے چوہا یا مردار خور جانور یا گدھا وغیرہ، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ ان جانوروں کے طبعی خواص اور ان کا مضر ہونا ہر انسان جو معمولی سلامت طبع رکھتا ہو محسوس کرتا ہے۔

کافرانہ رسم کی جگہ بہترین عبادت:

زمانہ جاہلیت سے یہ رسم جاری تھی کہ مشرکین جانوروں کے ذبح کے وقت اپنے بتوں کے نام لیا کرتے تھے۔ شریعت اسلام نے ان کی اس کافرانہ رسم کو ایک بہترین عبادت میں تبدیل کر دیا کہ اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا۔ اور اس مشرکانہ رسم کو مٹانے کی مناسب صورت یہی تھی کہ غلط نام کی بجائے کوئی صحیح نام تجویز کر دیا جائے۔

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص
اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے

اہل کتاب کا ذبیحہ:

یہاں طعام (کھانے) سے مراد "ذبیحہ" ہے یعنی کوئی یہودی یا نصرانی (بشرطیکہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو) اگر حلال جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے تو اس کا کھانا مسلمان کو حلال ہے۔ مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جن کو باتفاق اہل کتاب کہا جاتا ہے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ تو قرآن حکیم کے اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے۔

اہل کتاب سمجھنے کی شرط:

اب رہا یہ معاملہ کہ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہنے اور سمجھنے کے لئے کیا یہ شرط ہے کہ وہ صحیح طور پر اصلی تورات و انجیل پر عمل رکھتے ہوں۔ یا محرف تورات اور انجیل کا اتباع کرنے والے اور عیسیٰ و مریم علیہما السلام کو خدا کا شریک قرار دینے والے بھی اہل کتاب میں داخل ہیں۔ سو قرآن کریم کی بے شمار تصریحات سے واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کرنے کے دعوے دار ہوں۔ خواہ اس کے اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں۔

عہد فاروق میں ایک یہودی فرقہ:

امام جصاص نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں آپ کے کسی عامل یا گورنر نے ایک خط لکھ کر یہ دریافت کیا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تورات پڑھتے ہیں اور یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی یہود کی طرح کرتے ہیں مگر قیامت پر ان کا ایمان نہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے تحریر فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ سمجھے جائیں گے۔

نام کے یہودی یا نصرانی اہل کتاب نہیں:

صرف نام کے یہودی و نصرانی جو در حقیقت دہریے ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے۔ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔

اہل کتاب اور دوسرے کفار کے طعام میں فرق:

اہل کتاب اور دوسرے کفار کے طعام میں جو فرق شرعاً ہو سکتا ہے وہ صرف اُن کے ذبائح کے گوشت میں ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں باتفاق امت طعام اہل کتاب سے مُراد ان کے ذبائح ہیں۔ امام تفسیر قرطبی نے لکھا ہے: "لفظ طعام ہر کھانے کی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس میں ذبائح بھی داخل ہیں۔ اور اس آیت میں طعام کا لفظ خاص ذبائح کے لئے استعمال کیا گیا ہے اکثر علماء تفسیر کے نزدیک، اور اہل کتاب کے طعام میں سے جو چیزیں مسلمانوں کے لئے حرام ہیں۔ وہ اس عموم خطاب میں داخل نہیں۔ (قرطبی ص ۷۷، ج۶)

کھانے کی اقسام اور حکم:

اس کے بعد امام قرطبی نے مزید تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے:

"علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ چیزیں جن میں ذبح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کھانا جس میں تصرف نہیں کرنا پڑتا جیسے میوہ اور گندم وغیرہ اس کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں کسی کا مالک بننا

چنداں مضر نہیں ہے۔ البتہ وہ کھانا جس میں انسان کو کچھ عمل کرنا پڑتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مثلاً آٹے سے روٹی بنانا زیتون سے تیل نکالنا وغیرہ، تو کافر ذمی کی ایسی چیزوں سے اگر کوئی بچنا چاہے تو وہ محض طبعی کراہت کی بناء پر ہوگا۔ اور دوسری قسم وہ ہے، جس میں عمل ذبح کرنا پڑتا ہے جس کے لئے دین اور نیت کی ضرورت ہے۔ تو اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ کافر کی نماز اور عبادتوں کی طرح اس کا عمل ذبح بھی قبول نہ ہونا چاہئے تھا، لیکن اللہ نے اس امت کے لئے خاص طور پر ان کے ذبائح حلال کر دیئے اور حضرت ابن عباسؓ کی نص نے اس مسئلہ کو خلاف قیاس ثابت کیا ہے۔

کتابی اللہ کا نام نہ لے تو:

تفسیر بحر محیط میں بالفاظ ذیل مذکور ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ کتابی اگر ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لے اور اللہ کے سوا کوئی نام لے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ یہی قول ہے ابوالدرداء، عبادہ بن صامت اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا۔ اور یہی ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد، زفر اور مالک کا مذہب ہے۔ نخعی اور ثوری اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ (بحر محیط ص ۴۳۱۔ ج ۳)

طعام کا مفہوم:

خلاصہ یہ ہے کہ طعام اہل کتاب سے مراد اس آیت میں باتفاق علماء تفسیر وہ طعام ہے جس کی حلت مذہب اور عقیدہ پر موقوف ہے یعنی ذبیحہ۔ اسی لئے اس طعام میں اہل کتاب کے ساتھ امتیازی معاملہ کیا گیا۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان کے مدعی ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریفات نے ان کے دعویٰ کو مجروح کر دیا یہاں تک کہ شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے۔ بخلاف بت پرست مشرکین کے کہ وہ کسی آسمانی کتاب یا نبی یا رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی نہیں رکھتے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کی وجہ

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں سینکڑوں تحریفات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی اسلام کے بالکل مطابق ہے۔ یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر جانور کو مردار میتہ اور ناپاک و حرام قرار دیتے ہیں۔

امام تفسیر ابن کثیر نے یہی قول اکثر صحابہ و تابعین کا منقول پایا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے:۔

ابن عباس، ابو امامہ مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ، حسنؒ، مکحولؒ، ابراہیم نخعیؒ، سدیؒ، اور مقاتل بن حیانؒ نے طعام اہل کتاب کی تفسیر ان کے ذبائح کے ساتھ کی ہے۔ اور یہ مسئلہ مسلمانوں کے لئے یہاں اجماعی ہے کہ ان کے ذبیحے مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ذبیحوں پر خدا کے سوا اور کسی کا نام نہیں لیتے۔ اگرچہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی باتوں کے معتقد ہوں۔ جن سے باری تعالیٰ پاک، اور بلند و بالا ہے۔

ابن کثیر کے اس بیان میں ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام مذکور الصدر حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک طعام اہل کتاب سے ان کے ذبائح مراد ہیں۔ اور ان کے حلال ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ (معارف القرآن جلد سوم)

کتاب سے مراد:

باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو۔ جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ و ابراہیم وغیرہ۔ اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں۔ وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی۔ جیسے مشرکین مکہ۔ مجوس، بت پرست ہندو۔ بدھ۔ آریہ۔ سکھ۔ وغیرہ۔

موجودہ تورات وانجیل کے احکام:

موجودہ تورات وانجیل جو مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہوں ان کے مندرجہ ذیل اقوال۔ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں جو موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔

ذبیحہ کے متعلق یہ احکام ہیں:

(۱) جو جانور خود بخود مر گیا ہو۔ اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو۔ ان کی چربی اور کام میں لاؤ تو لاؤ تم اسے کسی حال میں نہ کھانا۔ (احبار ۔ ۲۴)

(۲) پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خداوند اپنے دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کر کے کھا سکے گا...... لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا۔ (استثنا ۱۲۔ ۱۵)

(۳) تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گلا گھونٹے

ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ (عہد نامہ جدید کتاب اعمال ۱۵۔۲۹)

(۱) عیسائیوں کا سب سے بڑا پیشوا پولس کرنتھیون کے نام پہلے خط میں لکھتا ہے کہ جو قربانی غیر قومیں کرتی ہیں شیاطین کے لئے قربانی کرتی ہیں، نہ کہ خدا کیلئے اور میں نہیں چاہتا کہ تم شیاطین کے شریک ہو۔ تم خداوند کے پیالے اور شیاطین کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔ (کرنتھیون ۱۰۔۲۰۔۲۰)

(۵) کتاب اعمال حواریین میں ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں، اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ (اعمال ۲۱۔۲۵)

یہ تورات و انجیل کی وہ تصریحات ہیں جو آج کل کی بائبل سوسائیٹیوں نے چھاپی ہوئی ہیں، جن میں سینکڑوں تحریفات و ترمیمات کے بعد بھی بعینہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق یہ چیزیں باقی ہیں۔ (معارف القرآن جلد سوم)

اگر اہل کتاب بوقت ذبح مسیح وعزیر کا نام لیں تو جائز نہیں

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر سب کا مذہب یہی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جب حلال ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اگر مسیح اور عزیر علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۲۲ ج ۲۔ معارف القرآن کاندھلوی)

مفتی عبدہ کی غلطی:

مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہ سے ایک سخت لغزش ہوگئی ہے جس کی غلط اور کتاب وسنت اور جمہور امت کے خلاف ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ موصوف سے تفسیر المنار میں اس جگہ دوہری غلطی ہوئی۔

اوّل تو اہل کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار۔ مجوس۔ ہندو۔ سکھ۔ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی تقسیم وتفریق کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

اور دوسری غلطی اس سے بڑی یہ ہوئی کہ طعام اہل کتاب کے مفہوم میں اہل کتاب کے ہر کھانے کو بلا کسی شرط کے حلال کر دیا۔ خواہ وہ جانور کو ذبح کریں یا نہ کریں۔ اور اُس پر اللہ کا نام لیں۔ یا نہ لیں۔ ہر حال میں وہ جانور کو جس طرح کھاتے ہیں اس کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا۔

جس وقت ان کا یہ فتویٰ مصر میں شائع ہوا اس وقت خود مصر کے اور دنیا کے تمام اکابر علماء نے اس کو غلط قرار دیا۔ اس پر بہت سے مقالے اور رسالے لکھے گئے۔ مفتی عبدہ کو عبدۂ فتویٰ سے معزول کرنے کے مطالبات ہر طرف سے ہوئے۔ ادھر مفتی صاحب موصوف کے شاگردوں اور کچھ مغرب زدہ یورپین معاشرے کے دلدادہ لوگوں نے بخشیں چلائیں۔ کیونکہ یہ فتویٰ اُن کی راہ کی تمام مشکلات کا حل تھا کہ یورپ کے یہود و نصاریٰ بلکہ دہریوں کا ہر کھانا ان کے لئے حلال ہوگیا۔

لیکن اسلام کا یہ بھی معجزہ ہے کہ خلاف شریعت کام خواہ کتنے ہی بڑے عالم سے کیوں نہ ہو جائے۔ عام مسلمانوں کے قلوب اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ اس معاملہ میں بھی یہی ہوا۔ اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے اس کو گمراہی قرار دیا۔

مسلمان عورت اہل کتاب کیلئے جائز نہیں ہے:

اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے۔ مگر عورتوں کے نکاح کا یہ معاملہ نہیں۔ اہل کتاب کی عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ مگر مسلمانوں کی عورتیں اہل کتاب کے لئے حلال نہیں۔

مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بننے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے

کہ اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں۔ بلکہ وہ مرتد ہے، اس کا ذبیحہ باجماع امت حرام ہے۔ اسی طرح جو مسلمان ضروریات اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے، اگرچہ وہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہو وہ بھی مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ محض قرآن پڑھنے یا قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے سے وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی دوسرے مذہب وملت کا آدمی اگر اپنا مذہب چھوڑ کر یہودی ونصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوگا اور اس کا ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ
اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے

کتابی کیلئے مسلمان کا کھانا جائز ہے:

اس مقام پر اس کا ذکر بطور مجازات ومکافات کے استطراداً فرمایا یعنی بعض احادیث میں جو آیا ہے۔ لا یاکل طعامک الا التقی (تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار) اس کا مطلب یہ نہیں۔ کہ غیر پرہیزگاروں کے لئے تمہارا کھانا حرام ہے۔ جب مسلمان کے لئے کافر کتابی کے ذبیحہ کی اجازت ہو

گئی تو ایک موحد مسلم کا ذبیحہ اور کھانا دوسروں کے لئے کیوں حرام ہوگا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان

پاکدامنی سب سے اہم ہے:

''پاکدامن'' کی قید شاید ترغیب کے لئے ہو یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ نکاح کرتے وقت پہلی نظر عورت کی عفت اور پاکدامنی پر ڈالے۔ یہ مطلب نہیں کہ پاکدامن کے سوا کسی اور سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب

مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں:

اہلِ کتاب کے ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرما دیا۔ یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے۔ مشرکہ سے اجازت نہیں وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ (بقرہ رکوع ۲۷)

اِس دَور کے نصاریٰ:

مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے ''نصاریٰ'' عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں۔ لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں۔ لہٰذا بدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

چاہئے کہ عفیف و پاکدامن عورت سے نکاح کرے۔ بدکار، ناقابلِ اعتبار عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین و دنیا دونوں کی تباہی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ اس آیت میں اہل کتاب کی قید سے باجماع اُمت یہ ثابت ہوگیا کہ جو غیر مسلم اہل کتاب میں داخل نہیں، اُن کی عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔

یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی قوم اہل کتاب نہیں ہے:

سابقہ بیان میں یہ واضح ہو چکا کہ اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں۔ ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست یا بت پرست ہندو یا سکھ آریہ بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعوے دار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات وانجیل ہی ہیں۔ جن کی ماننے والی کچھ تو میں اس وقت دنیا میں موجود ہیں، باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ و موجود ہیں، نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعوے دار ہے اور ''وید'' اور ''گرنتھ'' یا زردشت وغیرہ.... کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے۔ اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا ''وید'' یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ امکان محض اور احتمال محض ہے۔ جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے باجماع اُمت ثابت ہوگیا کہ موجود زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے۔

اہلِ کتاب کی عورت سے نکاح مکروہ ہے:

اور جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی۔ ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی حضرت حذیفہؓ کو تنبیہ:

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے

حرام ہے؟ تو پھر امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے۔ اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانہ میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے۔ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابوحنیفہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظمؓ نے جب حضرت حذیفہؓ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے:

"اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتیٰ تخلی سبیلها فانی اخاف ان یقتدیک المسلمون فیختارو النساء اهل الذمة لجمالهن و کفیٰ بذلک فتنة لنساء المسلمین. (کتاب الآثار ص ۱۵۶)

یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔ کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لئے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔

اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسنؒ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ کے علاوہ طلحہؓ اور کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے آیت مائدہ کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیا تو جب فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔ (مظہری)

حضرت عمرؓ کی بصیرت اور آج کا تقاضا:

فاروق اعظمؓ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں۔ یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دوربین اتنے ہی مفاسد کے سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔ اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ ان کا توراۃ و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ عیسیٰ علیہما السلام پر وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لئے کسی طرح حلال نہیں۔ اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانہ میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کے عبرتناک روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اسکے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آجکل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔ آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں۔ ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ (معارف القرآن جلد سوم مفتی اعظم)

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
تم سے پہلے جب دو ان کو مہر ان کے قید
مُحْصِنِيْنَ
میں لانے کو

نکاح عورت کیلئے رحمت ہے:

یعنی قید نکاح میں لانے کو۔ گویا اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نکاح بظاہر قید ہے لیکن یہ قید ان آزادیوں اور ہوس رانیوں سے بہتر ہے جن کی طلب میں انسان نما بہائم سلسلہ ازدواج ہی کو معدوم کر دینا چاہتے ہیں۔

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ
نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو

نکاح کا مقصد:

جس طرح پہلے عورت کی پاکدامنی کا ذکر کیا تھا، یہاں مرد کو پاکباز اور عفیف رہنے کی ہدایت فرمادی وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (نور رکوع ۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی نظر میں نکاح کی غرض گوہر عصمت کو محفوظ اور مقصد تزویج کو پورا کرنا ہے شہوت رانی اور ہواپرستی مقصود نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ
اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اسکی
وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
اور آخرت میں وہ ٹوٹے والوں میں ہے

بروقت تہدید:

جن کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت ہوئی، اس کا فائدہ یہ ہونا چاہیے کہ مومن قانت کی حقانیت عورت کے دل میں گھر کر جائے۔ نہ یہ کہ کتابیات پر مفتون ہو کر الٹا اپنی متاع ایمانی ہی کو گنوا بیٹھے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو کر رہ جائے۔ چونکہ کافر عورت سے نکاح کرنے میں اس فتنہ کا قوی احتمال ہوسکتا ہے، اس لئے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ کی تہدید نہایت ہی برمحل ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ باقی حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کو کفار سے دوحکم میں مخصوص کیا یہ فقط دنیا میں ہے اور آخرت میں ہر کافر خراب ہے اگر عمل نیک بھی کرے تو قبول نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اے ایمان والو

احسانات کا تقاضا:

امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے، ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مومن کا دل شکر گذاری اور اظہار وفاداری کے جذبات سے لبریز ہو جائیگا اور فطری طور پر اسکی یہ خواہش ہوگی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کیلئے اٹھو تو پاک وصاف ہو کر آؤ۔ جن لذائذ دنیوی اور مرغوبات طبیعی سے متمتع ہونے کی

آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طیبات اور محصنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوتی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں ہیں اور کل احداث (موجبات وضو، غسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا امر غوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور اکل وشرب وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مومن کا بدن پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑتے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا قُمْتُمْ
جب تم اٹھو

وضو کا حکم:

یعنی سو کر اٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو، تو پہلے وضو کرلو۔ لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جب کہ پیشتر سے باوضوء نہ ہو۔ آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض وغایت وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ سے بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ منہ وغیرہ دھونے کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقض وضو پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دینے سے امت حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کیلئے اگر تازہ وضو کر لیا جائے تو مستحب ہوگا۔ شاید اسی لئے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ الآیۃ میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہی جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضو کی ترغیب ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر نماز کیلئے وضو:

(باوضو آدمی کیلئے ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کرنا مستحب ہے) اور نمازی اگر باوضو بھی ہو تب بھی باجماع علماء وضو کرنا مسنون یا (کم سے کم) مستحب ہے۔ مسنون ہونے پر حضرت انسؓ کی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے (تازہ) وضو کرتے تھے۔ (رواہ النسائی وصحح)

مستحب ہونے پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پاک ہونے کے باوجود وضو کرتا

ہے اللہ اسکے لئے دس نیکیاں لکھدیتا ہے۔ رواہ النسائی باسناد ضعیف

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ قضائے حاجت سے واپس آئے تھے کھانا خدمت میں پیش کیا گیا اور عرض کیا گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرینگے فرمایا میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں تو وضو کرتا ہوں۔ (رواہ البغوی)

بے وضو پر وضو واجب ہے اور باوضو کے لئے تجدید وضو مستحب ہے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نمازیں ایک وضوء سے پڑھیں اور چمڑے کے موزوں پر مسح کیا اس سے پہلے آپ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عمل کیا جو پہلے نہیں کرتے تھے فرمایا عمرؓ میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔ (رواہ مسلم واصحاب السنن الاربعۃ من حدیث بریدۃؓ) (تفسیر مظہری)

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

نماز کو تو دھولو اپنے منہ

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ

اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو

سر کا مسح:

یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدۃ العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا ''مقدار ناصیہ'' چوتھائی سر کے قریب ہے ابوحنیفہؒ اس قدر مسح کو فرض کہتے ہیں۔ باقی اختلافات اور دلائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

داڑھی کے دھونے اور مسح کرنے کا مسئلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لپ سے منہ دھولیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری من حدیث ابن عباسؓ. حالانکہ ریش مبارک بہت گھنی تھی۔ ذکرہ القاضی عیاض۔ قاضی عیاض کے قول کی تائید بکثرت صحابہؓ کے اقوال سے ہوتی ہے جو صحیح سندوں کے ساتھ آئے ہیں۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے بال بہت تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر داڑھی گھنی ہو تو ایک لپ پانی ہر بال کی جڑ تک پہنچانا تو ممکن ہی نہیں۔ کھال کے عوض داڑھی کے اوپری سطح کو دھولینا جمہور کے نزدیک واجب ہے جس طرح سر کے بالوں کا مسح بجائے سر کی کھال کے واجب ہے۔ ایک روایت میں امام اعظمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب ظہیریہ نے اسی پر فتویٰ ہونا نقل کیا ہے صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ اس قول کے علاوہ دوسرے اقوال سے امام صاحب کا رجوع کر لینا ثابت ہے ایک روایت میں امام صاحب کا قول اس طرح آیا ہے کہ چوتھائی داڑھی کا مسح کرنا واجب ہے دوسری روایت میں تہائی داڑھی کے مسح کا وجوب آیا ہے۔ تیسری روایت میں آیا ہے کہ داڑھی کو نہ دھونا واجب ہے نہ مسح کرنا داڑھی کے اوپری حصہ کو دھونے کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ داڑھی کے اندر کی کھال کو دھونا بالاجماع ساقط ہے اور اجماع کی تائید عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ایک لپ سے چہرہ دھولیا کرتے تھے۔

مسح کے حکم کی وضاحت:

وامسحو ابرء وسکم اور اپنے سروں پر مسح کرو۔ اس آیت سے سر کا مسح واجب ہوتا ہے۔ کتنے سر کا مسح واجب ہے اس میں علما کا اختلاف ہے امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح واجب ہے کیونکہ سر کا مفہوم متعین ہے اور برؤسکم میں باء زائد ہے لہذا پورے سر کا مسح کرنا واجب ہے جیسے چہرہ دھونے کے حکم میں پورے چہرے کو دھونا واجب ہے اور تیمم میں پورے چہرے کا مسح واجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے سر پر مسح کرنا اس قول کی تائیدی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے کو لائے پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے گئے اور گدی سے اس مقام تک واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ (متفق علیہ)

امام شافعیؒ نے عطاء کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو عمامہ کو اٹھا کر سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ یہ روایت مرسل ہے مگر اس کی تائید ایک اور متصل روایت سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے لکھی ہے مگر اس سند میں ایک راوی ابو معقل مجہول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آیت مجمل ہے (تفصیل طلب) حضرت مغیرہ والی حدیث اور اس کی ہم معنی دوسری روایات اجمال آیت کو دور کر رہی ہیں اسی لئے ہم چوتھائی سر پر مسح کرنے کو واجب کہتے ہیں (سر کا اگلا حصہ سر کا ایک چوتھائی ہوتا ہے) اگر آیت کو مطلق قرار دیا جائے گا تو وہ ایک بال کا مسح بھی کافی ہوگا حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ پورے چہرے کو دھونے سے سر کے اگلے حصہ کے چند بال خود دھل جاتے ہیں (پھر مسح راس کا مستقل ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں) (تفسیر مظہری)

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اور پاؤں ٹخنوں تک

پاؤں کا دھونا فرض ہے:

مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ "کو" نہ لکھ کر نہایت اشارہ فرما دیا کہ "ارجلکم" کا عطف مغسولات پر ہے۔ یعنی جس طرح منہ، ہاتھ دھونے کا حکم ہے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں۔ چنانچہ اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں "موزوں" پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وضو کے لئے بسم اللہ:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا وضو ہی نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے۔

بیدار ہونے پر ہاتھ دھونا:

صحیحین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے، اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں۔

پاؤں دھونے کی احادیث:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں، خشک رہ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں جب پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ آپؓ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ اور روایت میں ہے کہ جب ایمان اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت تمام خطائیں دھل کر وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عمرؓو بن عنبرؓ نے فضیلت وضو کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جسکے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر دونوں قدم دھولے جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں دھونے کی حدیث بطور تواتر منقول ہے اور اتنے راویوں نے پاؤں دھونے کی احادیث نقل کی ہیں جن کا کذب پر اتفاق بعید ہے۔

پاؤں پر مسح کی کوئی حدیث نہیں ہے:

قدمین پر مسح کرنے کی ایک حدیث بھی منقول نہیں صحابہ کا بھی (عملاً) پاؤں دھونے پر اجماع ہے۔

حضرت انسؓ کا قول:

ابن جریر نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن (بظاہر) مسح (کا حکم) لیکر نازل ہوا اور سنت قدم دھونے کا (حکم لے کر آئی) حضرت انسؓ کا یہ قول بتا رہا ہے کہ (بظاہر) قرآن کی آیت مسح قدمین پر دلالت کر رہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم دھویا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عمل اسی وقت ممکن ہے کہ آیت میں پاؤں دھونا مراد ہو یا مسح کا حکم منسوخ ہو گیا ہو۔

حضرت عمرؓ کا بیان:

ہمارے قول کا ثبوت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پیچھے رہ گئے اور اس وقت پہنچے جب نماز بالکل قریب تھی اور ہم وضو کررہے تھے اس لئے ہم پاؤں پر مسح کرنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اونچی آواز سے فرمایا (خشک) ایڑیوں کے لئے دوزخ کا (طبقہ) ویل ہے (یا عذاب دوزخ ہے) (متفق علیہ)

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کچھ لوگوں کی طرف سے گذرے جو وضو کررہے تھے آپ نے فرمایا وضو پورا پورا کرو۔ میں نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے (خشک) ایڑیوں کے لئے عذاب دوزخ ہے۔ متفق علیہ حضرت جابرؓ و حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

موزوں پر مسح

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت تک نہ ہوا جب تک دن کی روشنی کی طرح مجھ پر اس کی وضاحت نہیں ہوگئی۔ یہ بھی امام اعظم ہی کا قول ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہتا مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

مسئلہ: موزوں پر مسح کرنے کی میعاد مسافر کے لئے تین شبانہ روز اور مقیم کے لئے ایک رات دن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

پاؤں کا دھونا متواتر اور مُسلَّم ہے:

غرض یہ کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پیروں کو دھوتے تھے۔ اور عہد صحابہ سے لیکر اسوقت تک امت کا تعامل یہی چلا آرہا ہے کہ وضو میں پیروں کو دھویا جائے۔ اور عہد صحابہ سے لیکر اسوقت تک پوری امت کا مسلسل عمل خود ایک مستقل دلیل ہے جسکے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ نیز کتب شیعہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں کا دھونا منقول ہے اور یہ روایتیں صحیح ہیں اور ثابت ہیں اور بالاتفاق فریقین کے نزدیک مسلمہ ہیں اور مسح کے بارہ میں اختلاف ہے بس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متفق علیہ اور مسلمہ فریقین کو لے لیا جائے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا جائے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

داڑھی کا خلال:

داڑھی میں انگلیوں سے خلال کرنا بھی سنت ہے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریش مبارک میں خلال کرتے تھے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ وابن خزیمہ والحاکم وابن حبان۔

داڑھی کے خلال کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بھی آئی ہے جسکو ابن ماجہ دارقطنی اور بیہقی نے نقل کیا ہے اور ابن السکن نے اسکو صحیح کہا ہے۔

رخساروں کو ملنا:

دونوں رخساروں کو کسی قدر ملنا بھی سنت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رخساروں کو کسی قدر رگڑتے تھے۔ رواہ ابن ماجہ والدارقطنی، یہ حدیث حسن ہے مگر ابن السکن نے اس کو صحیح کہا ہے۔

دائیں طرف سے شروع کرنا:

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ جس قدر ممکن ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہر کام، وضو کرنا، جوتہ پہننا، کنگھا کرنا، دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وضو کرو تو دائیں اعضاء سے شروع کرو۔ رواہ احمد وابوداؤد وغیرہما۔

وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعاء پڑھنی مستحب ہے۔ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین۔ (تفسیر مظہری)

مسواک سنت انبیاء ہے:

حدیث حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار کام انبیاء کی سنت ہیں (۱) ختنہ (۲) خوشبو (۳) مسواک (۴) نکاح۔ (ترمذی بحوالہ الترغیب والترھیب ص ۱۹۵ ج ۱)

حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتی ہیں کہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں ۱۔ مونچھوں کا کاٹنا ۲۔ داڑھی بڑھانا ۳۔ مسواک کرنا ۴۔ ناک میں پانی دے کر صاف کرنا ۵۔ ناخنوں کو کاٹنا ۶۔ انگلیوں کے جوڑوں (کی میل کو اچھی طرح) دھونا ۷۔ بغل کے بال صاف کرنا ۸۔ زیر ناف بال صاف کرنا ۹۔ پانی سے استنجاء کرنا ۱۰۔ اور دسویں چیز راوی بھول گیا اور وہ کلی ہوسکتی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتی ہیں کہ جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے اس کا ثواب اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ (مسند احمد۔ بحوالہ الترغیب والترھیب ص ۱۹۷ ج ۱)

مسواک کی اہمیت:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وضوء کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ بحوالہ التلخیص الحبیر ص ۱۴ ج ۱)

حدیث حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (رواہ ابن ابی خیثمہ فی تاریخہ بحوالہ تلخیص الحبیر ص ۶۲ ج۱)

حدیث حضرت عائشہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ میں نے مسواک کی اس قدر پابندی کی کہ مجھے دانتوں کے گرنے کا خوف ہونے لگا۔ (طبرانی بحوالہ الترغیب والترھیب ص ۱۶۷ ج۱)

گھر میں سب سے پہلا کام:

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے فرمایا کہ مسواک فرماتے تھے۔ (مسلم بحوالہ الترغیب والترھیب ص ۱۶۶ ج۱)

نماز تہجد سے پہلے مسواک:

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کیلئے اٹھتے تو مسواک فرماتے۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۴ ج۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزاری تو تہجد کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور مسواک کیا پھر وضو کیا اور اس وقت آپ نے یہ آیات تلاوت کیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ حتیٰ کہ سورۃ کے آخر تک پڑھا پھر اٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام۔ رکوع۔ سجود کو لمبا کیا۔ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر آپ نے یہی عمل تین مرتبہ کیا اور چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر مرتبہ مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی کرتے تھے اور ہر مرتبہ یہی مذکورہ آیات کی تلاوت بھی کرتے تھے پھر آخر میں تین رکعت وتر کی ادا فرمائیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۰۶ ج۱)

حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ روزے دار کی اچھی خصلتوں میں سے ہے مسواک کرنا۔ (رواہ ابن ماجہ بحوالہ تلخیص الحبیر ص ۸۶ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رات کو وضو کا پانی اور مسواک رکھ دیا جاتا تھا جب آپ بیدار ہوتے تھے تو قضائے حاجت کے بعد مسواک کرتے تھے۔ (ابوداؤد ص ۸ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تھے تو وضوء کرنے سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ (مسند احمد و ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۵ ج۱)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جب نیند سے بیدار ہوں تو مسواک کیا کروں۔ (رواہ احمد بحوالہ تلخیص الحبیر ص ۶۲ ج۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرتے تھے نہ کہ لمبائی میں۔ (تلخیص الحبیر ص ۶۹ ج۱)

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی سے دانتوں کو ملنا بھی ایک طرح کی مسواک ہے انگوٹھے سے منہ کا دائیں طرف اور انگلی سے بائیں طرف صاف کرے۔ (طحطاوی علی الدر ص ۷۰ ج۱)

مسئلہ: مسواک چھوٹی انگلی کے برابر موٹی اور ایک بالشت لمبی ہو۔ (شامی ص ۸۵ ج۱)

مسئلہ: مسواک پہلے اوپر والے دانتوں کی دائیں جانب پر اور پھر بائیں جانب پر کرے اور پھر اسی ترتیب سے نچلے دانتوں پر کرے۔ (البحر الرائق ص ۲۱ ج۱)

فائدہ: دنداسہ جو اخروٹ کے چھلکے کا ہوتا ہے یہ بھی عورت کیلئے مسواک کے قائم مقام ہو جائے گا۔

مسئلہ: مسواک ایک بالشت سے بڑی نہ ہونی چاہیئے ورنہ اس پر شیطان سوار ہو جاتا ہے۔ (شامی ص ۸۵ ج۱)

مسواک کے دنیوی فوائد:

(۱) مسواک منہ کو صاف رکھتی ہے (۲) مسواک سے حافظہ قوی ہوتا ہے
(۳) مسواک سے بلغم دور ہوتا ہے۔ (احیاء ص ۱۳۸ ج۱)
(۴) مسواک شیطان کو غصہ دلاتی ہے
(۵) ہاضمہ کو درست کرتی ہے (۶) منہ کی زائد رطوبت کو ختم کرتی ہے
(۷) ذہانت اور فطانت کو نکھارتی ہے (۸) بڑھاپے کو دور کرتی ہے
(۹) کمر کو سیدھا رکھتی ہے۔
(۱۰) دشمن پر رعب کا سبب ہے جیسا کہ حکایت نقل کی گئی ہے۔

حکایت:

ایک مرتبہ مسلمانوں کا لشکر کفار سے قتال کر رہا تھا قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جاتی ان کے آپس میں گفتگو ہوئی کہ شکست کی کیا وجہ ہے تو صلحاء نے نصیحت کی کہ مسواک کیا کرو انہوں نے کھجوروں کی مسواک بنائی اور استعمال کی تو اس سے دشمن کے دل میں رعب بیٹھ گیا کہ یہ تو درختوں کو کھا رہے ہیں ہمارے ساتھ کیا کریں گے بس دشمن خوف سے

بھاگ کھڑا ہوا۔ (حاشیہ ترغیب ص ۱۶۸ ج ۱، تلخیص از رسالہ "فوائد مسواک")

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ
اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو

غسل جنابت:

یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضاء اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے حنفیہ غسل میں "مضمضہ" اور "استنشاق" (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں۔ وضو میں ضروری نہیں، سنت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: عورت ہو یا مرد غسل میں ہر ایک کے لئے سر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے ڈاڑھی کے اندر بھی پانی پہنچانا لازم ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں وضوء پر قیاس کرتے ہوئے داڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب نہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں میں فرق یہ ہے کہ غسل میں طہارت مبالغہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ وضوء میں اس کی ضرورت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جلد کو خوب صاف کرو۔ حضرت علیؓ کا بیان میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس نے غسل جنابت میں بال برابر جگہ چھوڑ دی جس پر پانی نہ پہنچے تو اللہ اس کے ساتھ ایسا ایسا دوزخ سے کریگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کر لی ہے۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ واسنادہ صحیح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی کیفیت:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اسماء نے غسل حیض کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اس حدیث میں ہے پھر خوب ملے یہاں تک کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے۔ (رواہ مسلم)

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی کیفیت کے بیان میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا پھر آپ انگلیاں پانی میں داخل کر کے ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کرتے تو ہاتھ دھونے سے ابتداء کرتے۔ پھر اسی طرح وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے کرتے تھے (صرف پاؤں نہ دھوتے) پھر انگلیاں پانی میں ڈالکر ان انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر باقی جلد بدن پر پانی بہاتے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا کوئی تم
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ
میں آیا ہے جائے ضرور سے یا پاس گئے ہو
النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ
مٹی پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور ہاتھ اس سے

بوقت ضرورت تیمم کی اجازت:

یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کر کے آیا اور وضو کی ضرورت ہے، یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ تیمم کر لے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں کیونکہ تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے وہ بہر صورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے۔ "تیمم" کے اسرار و مسائل اور اس آیت کے فوائد "سورۃ نساء" کے ساتویں رکوع میں مفصل گذر چکے۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس سرہ نے لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کا جو ترجمہ کیا ہے (پاس گئے ہو عورتوں کے) وہ محاورہ کے اعتبار سے حالت جنابت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ترجمہ ابن عباسؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی تفسیر کے موافق ہے جسے ابن مسعودؓ نے بھی سکوتاً تسلیم کیا ہے (کمافی البخاری) نیز مترجم علام نے "فَتَيَمَّمُوْا" ترجمہ میں "قصد کرو" کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ اصل لغت کے اعتبار سے "تیمم" کے معنی میں "قصد" معتبر ہے۔ اور اس لغوی معنی کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے "تیمم شرعی" میں بھی قصد یعنی نیت کو علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ
اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے

اللہ تعالیٰ بندوں پر تنگی نہیں چاہتے:

اسی لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا صرف وہ اعضا (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلا دمتمد نہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تا کہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں ''حدث اکبر'' بمعنی ''جنابت'' جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کیلئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے، اسکے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر ''مرض'' اور ''سفر'' وغیرہ حالات میں کس قدر آسانی فرمادی۔ اول تو پانی کی جگہ ''مٹی'' کو مطہر بنا دیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کر دی کہ جہاں سے پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اس بالکل اڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کر دیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد وغبار میں ان کا تلوث شدید تر ہے۔ لہٰذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بے کار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے ''منہ'' اور ''ہاتھ'' ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا ''تیمم'' ہو جاتا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
اور لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے

کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تا کہ تم احسان مانو

اللہ کے احسان:

پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں انکو سنکر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کیلئے فوراً کھڑا ہو جائے۔ اسے بتلا دیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرما دینا یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہو گئے۔ اسلئے ارشاد ہوا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو ''احکام وضو'' وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے حضرت بلالؓ نے تحیۃ الوضو کا سراغ لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جنکی شکر گزاری کیلئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ
اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا
الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا
وَاَطَعْنَا ۡ
اور مانا

اصلی سبق کی یاد دہانی:

غالباً یہ عہد وہی ہے جو سورۃ بقرہ کے آخر میں مومنین کی زبان سے نقل فرمایا تھا۔ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (سورۃ البقرۃ رکوع ۴۰) جب صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے، اس وقت بھی یہ اقرار کرتے تھے کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق آپ کی ہر بات کو سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہمارے منشا اور طبیعت کے موافق ہو یا خلاف۔ یہ تو عام عہد تھا اس کے بعد بعض ارکان اسلام جب مناسب حال اہم چیزوں کے متعلق خصوصیت سے بھی عہد لیا جاتا تھا گویا اس سورۃ کے شروع میں فرمایا تھا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ درمیان میں بہت سے احسانات کا ذکر کر کے جن کو سن کر ایفائے عہد کی مزید ترغیب ہوتی ہے پھر وہ ہی اصلی سبق یاد دلایا گیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے
الصُّدُوْرِ ۝
دلوں کی بات

نعمتوں پر تکبر نہ کرو اللہ سے ڈرو:

ایک شریف اور حیادار آدمی کی گردن اپنے محسن اعظم کے سامنے جھک جانی چاہئے۔ مروت وشرافت اور آیندہ مزید احسانات کی توقع اسی کو مقتضی

ہے کہ بندہ اس منعم حقیقی کا بالکل تابع فرمان بن جائے۔ خصوصاً جب کہ زبان سے اطاعت ووفاداری کا پختہ عہد واقرار بھی کر چکا ہے۔ ممکن ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا مہربانیاں دیکھ کر بندہ مغرور ہو جائے اسکی نعمتوں کی قدر اور اپنے قول وقرار کی کوئی پروانہ کرے اس لئے فرمایا "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" یعنی خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ ایک لمحہ میں تم سے سب نعمتیں چھین سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ کر سکتا ہے۔ بہر حال مروت، شرافت، امید اور خوف ہر چیز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسکی مخلصانہ اطاعت اور وفاداری میں پوری مستعدی دکھلائیں۔ آگے وہ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے ہم جو کچھ کرینگے وہ ہمارے اخلاص یا النفاق، ریاکاری، یا قلبی نیاز مندی کو خوب جانتا ہے فقط زبان سے "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہنے یا شکر گذاری کی رسمی اور ظاہری نمائش سے ہم اسکو دھوکا نہیں دے سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ
اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫
اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی

صرف زبانی نہیں عمل کر کے دکھاؤ:

اس سے پہلے آیت میں مومنوں کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد وپیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلا دیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں، بلکہ عملی رنگ میں ان سے اسکا ثبوت مطلوب ہے۔ اس آیت میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے خدا کے بیشمار احسانات اور اپنے عہد واقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس محسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے ولی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کیلئے کھڑے ہو جاؤ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ" میں "حقوق اللہ کی شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ میں حقوق العباد" کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی ایک آیت "والمحصنات" کے آخر میں گذر چکی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں "بِالْقِسْطِ" کو "للہ" پر مقدم کر دیا شاید اسلئے کہ وہاں دور سے حقوق العباد کا ذکر چلا آرہا تھا اور یہاں سے حقوق اللہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس لحاظ سے وہاں بِالْقِسْطِ کی اور

یہاں "للہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں آگے بھی مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ "قسط" کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور "سورۃ النساء" کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لئے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاہدہ:

صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم سنتے رہیں گے اور مانتے رہیں گے، خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو چھینیں گے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی
اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو
اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ
ہرگز نہ چھوڑو

عدل کی ترازو صحیح رکھو:

"عدل" کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اسکے دونوں پلوں میں سے کسی پلہ کو جھکا نہ سکے۔

اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫
عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے

تقویٰ اور اس کے اسباب:

جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہیں ان سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اسکا نام "تقویٰ" ہے۔ تحصیل تقویٰ کے اسباب قریبہ وبعیدہ بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ اور خصال خیر کو اسکے اسباب ومعدات میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "عدل وقسط" یعنی دوست ودشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا یہ خصلت حصول تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے "هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" فرمایا (یعنی یہ عدل

جس کا حکم دیا گیا تقویٰ سے نزدیک تر ہے) کہ اسکی مزاولت کے بعد تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو

صحیح عادل بننے کا واحد نسخہ:

یعنی ایسا عدل وانصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جسکے اختیار کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے اسکے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اسکی شان انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف "اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو اسکا قلب خشیۂ الٰہی سے لرزنے لگیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل وانصاف کا راستہ اختیار کریگا۔ اور احکام الٰہیہ کے امتثال کے لیے غلامانہ تیار رہے گا۔ پھر اس نتیجہ پر ثمرہ وہ ملے گا جسے اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ۔ (تفسیر عثمانی)

عدل کے دو مانع:

انسان کو عدل وانصاف سے روکنے اور ظلم وجور میں مبتلا کرنے کے عادتاً دو سبب ہوا کرتے ہیں ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں، عزیزوں کی طرفداری۔ دوسرے کسی شخص کی دشمنی وعداوت۔

"نساء" اور "مائدہ" کی دو آیتوں کا خلاصہ:

جو شخص انصاف پر کھڑا ہوگا، وہ اللہ ہی کے لئے کھڑا ہوگا۔ اور جو شخص اللہ ہی کے لئے کھڑا ہوا ہے وہ ضرور انصاف ہی کرے گا۔

سورۃ نساء اور مائدہ کی دونوں آیتوں میں دو چیزوں کی طرف ہدایت ہے۔ ایک یہ کہ خواہ معاملہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے عدل وانصاف کے حکم پر قائم رہو۔ نہ کسی تعلق کی رعایت سے اس میں کمزوری آنی چاہیے اور نہ کسی دشمنی وعداوت سے دوسری ہدایت ان دونوں آیتوں میں اس کی بھی ہے کہ سچی شہادت اور حق بات کے بیان کرنے سے پہلوتہی نہ کی جائے۔ تاکہ فیصلہ کرنے والوں کو حق اور صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

آج کی عدالتوں کا حال:

آج کی عدالتوں اور ان میں پیش ہونے والے مقدمات کی اگر صحیح تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ موقع کے اور سچے گواہ شاذ و نادر کہیں ملتے ہیں۔ سمجھدار شریف آدمی جہاں کوئی ایسا واقع دیکھتا ہے وہاں سے بھاگتا ہے کہ کہیں گواہی میں نام نہ آجائے۔ پولیس ادھر ادھر کے گواہوں سے خانہ پری کرتی ہے۔ اور نتیجہ اس کا وہی ہوسکتا ہے جو رات دن مشاہدہ میں آرہا ہے کہ فی صد دس پانچ مقدمات میں بھی حق وانصاف پر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

عدالتی بدحالی کا سبب:

مگر اس بنیادی غلطی کو کوئی نہیں دیکھ سکتا کہ اگر گواہوں کے ساتھ شریفانہ معاملہ کیا جائے اور ان کو بار بار پریشان نہ کیا جائے تو اچھے بھلے نیک اور سچے آدمی قرآنی تعلیمات کے پیش نظر گواہی میں آنے سے باز نہ رہیں گے۔ مگر جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ کی ابتدائی تحقیق جو پولیس کرتی ہے وہ ہی بار بار بلا کر گواہ کو اتنا پریشان کر دیتی ہے کہ وہ آئندہ اپنی اولاد کو کہہ مرتا ہے کہ کبھی کسی معاملہ کے گواہ نہ بننا۔ پھر اگر معاملہ عدالت میں پہنچتا ہے تو وہاں تاریخوں پر تاریخیں لگتی ہیں۔ ہر تاریخ پر اس ناکردہ گناہ گواہ کو حاضری کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اس طولانی ضابطہ کارروائی نے جو انگریز اپنی یادگار چھوڑ گیا ہے، ہماری ساری عدالتوں اور محکموں کو گندہ کیا ہوا ہے۔ قدیم سادہ طرز پر جو آج بھی حجاز اور بعض دوسرے ممالک میں رائج ہے نہ مقدمات کی اتنی کثرت ہوسکتی ہے اور نہ ان میں اتنا طول ہوسکتا ہے نہ گواہوں کو گواہی دینا مصیبت بن سکتا ہے۔

گواہی کی بعض اہم صورتیں:

کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں۔ یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے۔ اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کاذبہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخابات میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے

بھی اور دیانت وامانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

اور تو اور لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی نا اہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحق لعنت و عذاب بن رہے ہیں۔

نمائندوں کے انتخاب کے لئے ووٹ دینے کی ازروئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ کیا اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک عمل کرتے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾

کہ ان کے واسطے بخشش اور بڑا ثواب ہے

فرمانبرداروں کو شاباش:

یعنی نہ صرف یہ کہ ان کوتاہیوں کو معاف کردینگے جو بمقتضائے بشریت رہ جاتی ہیں بلکہ عظیم الشان اجر وثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

دوزخ والے

نافرمانوں کو سزا:

یہ پہلے فریق کے بالمقابل اس جماعت کی سزا ذکر کی گئی جس نے قرآن کریم کے ان صاف وصریح حقائق کو جھٹلایا یا ان نشانات کی تکذیب کی جو سچائی کی طرف رہنمائی کرنے کیلئے خدا کی طرف سے دکھلائے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا

عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ

اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ تم پر ہاتھ چلاویں

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

پھر روک دیئے تم سے ان کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ ایمان والوں کو

بعض خصوصی احسانات:

عمومی احسانات یاددلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں۔ یعنی قریش مکہ اور انکے پٹھوؤں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کیلئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل ورحمت نے انکا کوئی داؤ چلنے نہ دیا۔ اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کرلینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل وانصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔

مؤمن کی سیاست:

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہوگی۔ کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بدباطنوں کی جرات بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" سے فرمادیا۔ یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست "تقویٰ" اور "توکل علی اللہ" (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے۔ خدا سے ڈرنے سے مطلب یہ ہے کہ ظاہر وباطن میں اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد واقرار کئے ہیں ان میں پوری وفاداری دکھلاتے رہو۔ پھر بحمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگلی آیت میں ہماری عبرت کیلئے ایک ایسی قوم کا ذکر فرمادیا جس نے خدا سے نڈر ہوکر بدعہدی اور غداری کی تھی وہ کس طرح۔ (تفسیر عثمانی)

ترقی کیلئے دو وصف:

جو قوم یا فرد جس زمانہ اور جس مکان میں ان دو وصفوں کو اختیار کرے گا اس کی بھی اس ہی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت وحمایت ہوگی۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

نیز تقویٰ اور خوف خدا ہی وہ چیز ہے جو کسی انسان کو عہد و میثاق کی پابندی پر ظاہراً و باطناً مجبور کرسکتا ہے۔ جہاں یہ تقویٰ یعنی خوف خدا نہیں ہوتا وہاں عہد و میثاق کا وہی حشر ہوتا ہے جو آجکل عام لوگوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے اوپر کی جس آیت میں میثاق کا ذکر ہے، وہاں بھی آخر آیت میں وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ فرمایا گیا تھا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے

یعنی کچھ امت محمدیہ ہی کی خصوصیت نہیں پہلی امتوں سے بھی عہد لئے جاچکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا
اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار

بنی اسرائیل کے بارہ سردار:

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے بارہ سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چن لئے تھے جن کا نام بھی مفسرین نے تورات سے نقل کئے ہیں ان کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی قوم پر عہد پورا کرنے کی تاکید اور انکے احوال کی نگرانی رکھیں۔ عجب اتفاق یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب "انصار نے" لیلۃ العقبہ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں سے بھی بارہ ہی "نقیب" نامزد ہوئے۔ ان ہی بارہ آدمیوں نے اپنی قوم کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جابر بن سمرہ کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے متعلق جو بارہ خلفاء کی پیشن گوئی فرمائی ان کا عدد بھی "نقبائے بنی اسرائیل" کے عدد کے موافق ہے اور مفسرین نے تورات سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "میں تیری ذریت میں سے بارہ سردار پیدا کرونگا" غالباً یہ وہی بارہ ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسرائیلی سرداروں کی ذمہ داری:

پوری قوم بنی اسرائیل جو بارہ خاندانوں پر مشتمل تھی انھیں سے ہر خاندان سے ایک سردار چنا گیا اور ہر خاندان کی طرف سے اس کے ہر سردار نے ذمہ داری اٹھائی کہ میں اور میرا پورا خاندان اس میثاق الٰہی کی پابندی کرے گا۔ اس طرح ان بارہ سرداروں نے پوری قوم بنی اسرائیل کی ذمہ داری لے لی۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ خود بھی اس میثاق کی پابندی کریں۔ اور اپنے خاندان سے بھی کرائیں۔

ایک اہم وضاحت:

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عزت وفضیلت کے معاملہ میں اسلام کا اصل اصول تو یہ ہے کہ

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا اعلان فرمادیا ہے کہ اسلام میں عرب وعجم، کالے، گورے اور اونچی نیچی ذات پات کا کوئی اعتبار نہیں۔ جو اسلام میں داخل ہوگیا وہ سارے مسلمانوں کا بھائی ہوگیا۔ حسب، نسب، رنگ، وطن، زبان کے امتیازات جو جاہلیت کے بت تھے ان سب کو اسلام نے توڑ ڈالا لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ انتظامی معاملات میں قائم رکھنے کے لئے بھی خاندانی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے۔

یہ فطری امر ہے کہ ایک خاندان کے لوگ اپنے خاندان کے جانے پہچانے آدمی پر بہ نسبت دوسروں کے زیادہ اعتماد کرسکتے ہیں۔ اور یہ شخص ان کی پوری نفسیات سے واقف ہونیکی بنا پر ان کے جذبات وخیالات کی زیادہ رعایت کرسکتا ہے۔ اسی حکمت عملی پر مبنی تھا کہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں سے جب عہد لیا گیا تو ہر خاندان کے ایک ایک سردار کو ذمہ دار ٹھرایا گیا۔

اور اسی انتظامی مصلحت اور مکمل اطمینان وسکون کی رعایت اس وقت بھی کی گئی، جبکہ قوم بنی اسرائیل پانی نہ ہونے کی وجہ سے سخت اضطراب میں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور بحکم خداوندی انہوں نے اپنا عصا ایک پتھر پر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر سے بارہ چشمے بارہ خاندانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ جاری کردئے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اس امت کے بارہ خلفاء:

اسی طرح آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لیلۃ العقبہ میں صحابہ سے بیعت لی تو ان میں سے بارہ نقیب مقرر کئے تین قبیلہ اوس کے اور نو قبیلہ خزرج کے یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے عرفاء یعنی چودھری تھے اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر سمع وطاعت کی بیعت کی اور جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہونگے۔ مطلب یہ ہے کہ میری امت میں بارہ

خلیفہ ایسے نیک اور صالح ہونگے کہ جو ٹھیک ٹھیک حق کو قائم کریں گے اور امت میں ٹھیک ٹھیک عدل وانصاف کرینگے اور ان کے دور حکومت میں اسلام کو عزت حاصل ہوگی لیکن یہ لازم نہیں کہ ان بارہ کا زمانہ مسلسل اور لگاتار ہو ان ہی میں سے چار تو خلفاء راشدین ہوئے اور ایک عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور انہی بارہ میں ایک امام مہدی ہونگے جنکا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور توریت میں جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بشارت آئی ہے وہاں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی پشت سے بارہ سردار ہونگے ان سے یہی بارہ خلفاء مراد ہیں جنکا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بارہ خلفاء کے متعلق دیگر روایتیں:

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے۔ جو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت کے کتنے خلیفے ہوں گے؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارہ ہوں گے جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری ومسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں۔ پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اب کونسا لفظ فرمایا انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب قریش ہونگے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں گے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں۔ پس چار خلفاء تو پے در پے ہوئے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم، جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد ہونی ضروری ہے اور انہی میں سے حضرت امام مہدیؒ ہیں جن کی بشارت حدیثوں میں آچکی ہے ان کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا ہوگا، زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ
اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہوں

بنی اسرائیل سے اللہ کا مشروط وعدہ:

یا تو یہ خطاب بارہ سرداروں کو ہے یعنی تم اپنا فرض ادا کرو میری حمایت اور امداد تمہارے ساتھ ہے۔ یا سب بنی اسرائیل کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی کسی وقت تم مجھے اپنے سے دور مت سمجھو۔ جو کچھ معاملہ تم سراً یا علانیہ کرو گے وہ ہر جگہ اور ہر وقت میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں۔ اس لئے جو کچھ کرو خبردار ہو کر کرو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک تم عہد کو پورا کرتے رہو گے اللہ کا ساتھ ہونا بے کیف ہے (یعنی مخلوق کی معیت کی کیفیت سے خالی ہے۔ اللہ کی معیت کی حقیقت کو نہیں بیان کیا جاسکتا) ہاں اللہ کی معیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اوامر ونواہی کی پابندی ہو جاتی ہے سینہ کھل جاتا ہے اور دل میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ
اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ
اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے انکی

یعنی جو رسول حضرت موسیٰ کے بعد آتے رہیں گے ان سب کی تصدیق کرو گے اور دلی تعظیم سے پیش آؤ گے اور دشمنان حق کے مقابلہ پر انکا پورا ساتھ دو گے جان سے بھی اور مال سے بھی۔

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ
اور قرض دو گے اللہ کو

خدا کو قرض دینے کا مطلب:

خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے جس طرح روپیہ قرض دینے والا اس امید پر دیتا ہے کہ اس کا روپیہ واپس مل جائیگا اور قرض لینے والا اسکے ادا کرنے کو اپنے ذمہ پر لازم کر لیتا ہے۔ اسی طرح خدا ہی کی دی ہوئی جو چیز یہاں اسی کے راستہ

میں خرچ کی جائیگی وہ ہرگز گم یا کم نہیں ہوگی، حق تعالیٰ نے کسی مجبوری سے نہیں محض اپنے فضل ورحمت سے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے کہ وہ چیز تم کو عظیم الشان نفع کی صورت میں واپس کردے۔ (تفسیر عثمانی)

صرف زکوٰۃ سے فرض پورا نہیں ہوتا:

یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان صرف زکوٰۃ ادا کر کے ساری مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اور مالی حقوق انسان کے ذمہ لازم ہیں۔ کسی جگہ مسجد نہیں تو تعمیر مسجد اور دینی تعلیم کے لئے حکومت متکفل نہیں ہے تو دینی تعلیم کا انتظام مسلمانوں ہی پر لازم ہے۔ فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ فرض عین اور یہ فرض کفایہ ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَرۡضًا حَسَنًا
اچھی طرح کا قرض

قرض حسن:

اچھی طرح سے مراد یہ ہے کہ اخلاص سے دو اور اپنے محبوب ومرغوب اور پاک وصاف مال میں سے دو۔ (تفسیر عثمانی)

قرض حسن وہ قرض ہے جو لینے والے پر احسان رکھنے سے خالی ہو۔ اس میں غرور اور دکھاوٹ بھی نہ ہو اور ان تمام امور سے پاک ہو جن سے عمل اکارت ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَّأُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّكُمۡ
توالبتہ دور کرونگا میں تم سے گناہ تمہارے اور داخل کرونگا تم کو
جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
باغوں میں کہ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

نیکی اور کوشش سے کوتاہی دُور ہو جاتی ہے:

یعنی نیکیاں جب کثرت سے ہوں تو وہ برائیوں کو دبا لیتی ہیں۔ جب آدمی خدا کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو حق تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی خوشنودی اور قرب کے مکان میں جگہ دیتا ہے۔

فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ
پھر جو کوئی کافر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بیشک گمراہ ہوا

سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۲﴾
سیدھے راستے سے

اقرار کے باوجود انکار سراسر گمراہی ہے:

یعنی ایسے صاف اور پختہ عہد وپیمان کے بعد بھی جو شخص خدا کا وفادار ثابت نہ ہوا اور غدر وخیانت پر کمربستہ ہو گیا تو سمجھ لو کہ اس نے کامیابی اور نجات کا سیدھا راستہ گم کر دیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہلاکت کے کس گڑھے میں جا کر گرے گا۔ بنی اسرائیل سے جن باتوں کے عہد لینے کا یہاں ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، پیغمبروں پر ایمان لانا، انکی جان و مال سے مدد کرنا۔ ان میں سے پہلی عبادت بدنی ہے، دوسری مالی تیسری قلبی مع لسانی، چوتھی فی الحقیقت تیسری کی اخلاقی تکمیل ہے۔ گویا ان چیزوں کو ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ جان ومال اور قلب وقالب ہر چیز سے خدا کی اطاعت ووفا شعاری کا اظہار کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے چن چن کر ایک ایک عہد کی خلاف ورزی کی۔ کسی قول وقرار پر قائم نہ رہے۔ ان عہد شکنیوں کا جو نتیجہ ہوا اسے اگلی آیت میں بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ
سو ان کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی

عہد شکنی ملعون بناتی ہے:

"لعن" کے معنی طرد وابعاد کے ہیں۔ یعنی عہد شکنی اور غداری کی وجہ سے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور پھینک دیا۔ اور انکے دلوں کو سخت کر دیا۔ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ کے لفظ سے ظاہر فرما دیا کہ انکے ملعون اور سنگدل ہونے کا سبب عہد شکنی اور بے وفائی ہے جو خود انہی کا فعل ہے۔ اسباب پر مسبب کا مرتب کرنا چونکہ خدا ہی کا کام تھا، اس لحاظ سے جَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً کی نسبت اسی کی طرف کی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

بنی اسرائیل کو دو قسم کی سزا:

بنی اسرائیل پر ان کی بدعملی اور سرکشی کی سزا میں دو طرح کے عذاب آئے۔ ایک ظاہری اور محسوس جیسے پتھراؤ یا زمین کا تختہ الٹ دینا وغیرہ جن کا ذکر قرآن کریم کی آیات میں مختلف مقامات پر آیا ہے دوسری قسم عذاب کی معنوی اور روحانی ہے کہ سرکشی کی سزا میں ان کے دل و دماغ مسخ ہو گئے۔ ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ رہی۔ وہ اپنے گناہوں کے وبال میں مزید گناہوں میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ
اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت پھیرتے ہیں

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
کلام کو ان کے ٹھکانے سے

یہودی تحریف کرتے تھے:

یعنی خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں کبھی اسکے الفاظ میں کبھی معنی میں کبھی تلاوت میں۔ تحریف کی یہ سب اقسام قرآن پاک اور کتب حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جس کا قدرے اعتراف آج کل بعض یورپین عیسائیوں کو بھی کرنا پڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بار بار گناہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ انسان جب اول کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، جس کی برائی کو وہ ہر وقت ایسا محسوس کرتا ہے جیسے کسی صاف سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ لگ جائے وہ ہر وقت نظر کو تکلیف دیتا ہے۔ پھر اگر اس نے متنبہ ہو کر توبہ کر لی اور آئندہ گناہ سے باز آ گیا تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے اور اگر اس نے پرواہ نہ کی بلکہ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوتا چلا گیا تو ہر گناہ پر ایک نقطہ سیاہ کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کا صفحہ قلب ان نقطوں سے بالکل سیاہ ہو جائے گا۔ اس وقت اس کے قلب کی یہ حالت ہو جائے گی جیسے کوئی برتن اوندھا رکھا ہو کہ اس میں کوئی چیز ڈالی جائے تو فوراً باہر آ جاتی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
اور بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی

یہودیوں پر ملعونیت کا اثر:

یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان قیمتی نصیحتوں سے فائدہ اٹھاتے جو مثلاً نبی آخر الزمان کی آمد اور دوسرے مہمات دینیہ کے متعلق انکی کتابوں میں موجود تھیں مگر اپنی غفلتوں اور شرارتوں میں پھنس کر یہ سب بھول گئے بلکہ نصیحتوں کا وہ ضروری حصہ ہی گم کر دیا اور اب بھی جو نصیحتیں اور مفید باتیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے انکو یاد دلائی جاتی ہیں انکا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ "نقض عہد" کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں۔ ملعونیت اور قسوت قلب ان دونوں کا نتیجہ یہ دو چیزیں ہوئیں۔ تحریف کلام اللہ اور عدم انتفاع بالذکر یعنی لعنت کے اثر سے انکا دماغ ممسوخ ہو گیا تھا کہ نہایت بیہودگی اور بدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف بدعہدی کی نحوست سے دل سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحت سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا اس طرح علمی اور عملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ
اور ہمیشہ تو مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی دغا پر

یہودی آج تک عہد شکن ہیں:

یعنی ان کی دغابازی اور خیانت کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ اسی لئے ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی دغابازی اور مکر و فریب پر آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ
مگر تھوڑے لوگ ان میں سے

یعنی عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اسلام میں داخل ہو چکے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
سو معاف کر اور درگذر کر ان سے اللہ دوست رکھتا ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳
احسان کرنے والوں کو

لہٰذا ان سے معاملہ دوٹوک رکھیں:

یعنی جب انکی عادت قدیمہ ہی یہ ہے تو ایسے لوگوں سے ہر جزئی پر الجھنے اور انکی ہر خیانت کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت نہیں ان کو چھوڑیئے اور درگذر کیجئے اور انکی برائی کا بدلہ عفو و احسان سے دیجئے شاید اسی سے کچھ متاثر ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے مگر اسکی حاجت نہیں۔ قتال کا حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت اور کسی موقع پر بھی ایسی قوم کے مقابلہ میں عفو و درگذر اور تالیف قلب سے کام نہ لیا جا سکے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى
اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ

عیسائی اوران کا دعویٰ:

نصاریٰ کا ماخذ یا تو ''نصر'' ہے جس کی معنی مدد کرنے کے ہیں اور یا ''ناصرہ'' کی طرف نسبت ہے جو ملک شام میں اس بستی کا نام ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام رہے تھے۔ اسی لئے انکو ''مسیح ناصری'' کہتے ہیں۔ جولوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے تھے وہ گویا اس بات کے مدعی تھے کہ ہم خدا کے سچے دین اور پیغمبروں کے حامی و ناصر اور حضرت مسیح ناصری کے متبع ہیں اس زبانی دعوے اور لقبی تفاخر کے باوجود دین کیمعاملہ میں جو رویہ تھا وہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے
ذُكِّرُوْا بِهٖ
جو ان کو کی گئی تھی

عیسائی بھی عہد شکن نکلے:

یعنی یہود کی طرح ان سے بھی عہد لیا گیا لیکن یہ بھی عہد شکنی اور بے وفائی میں اپنے پیشروں سے کچھ کم نہیں رہے۔ انہوں نے بھی ان بیش بہا نصائح سے جن پر نجات و فلاح ابدی کا مدار تھا کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ''بائبل'' میں نصیحتوں کا وہ حصہ باقی ہی نہ چھوڑا جو حقیقۃً مذہب کا مغز تھا۔ (تفسیر عثمانی)

میثاق لیا تھا یعنی انجیل میں اور عیسیٰ کی زبانی ہم نے نصاریٰ کا میثاق (پختہ وعدہ) لیا تھا کہ انجیل جو توریت کی تصدیق کرتی ہے اور ایک آنے والے رسول کی بشارت دے رہی ہے جن کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا اور وہ عیسیٰ کے بعد آئیں گے تم انجیل کے اس حکم کی تعمیل کرنا۔ حسن نے کہا اس آیت سے یہ بات نکل رہی ہے کہ عیسائیوں کا لقب ''نصاریٰ'' اللہ نے نہیں رکھا بلکہ خود انہوں نے اپنے کو نصاریٰ کہا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ
پھر ہم نے لگا دی آپس میں انکے دشمنی اور کینہ

حق کو چھوڑنے کی سزا:

یعنی باہم نصاریٰ میں یا یہودی اور نصاریٰ دونوں میں عداوتیں اور جھگڑے ہمیشہ کے لئے قائم ہوگئے۔ آسمانی سبق کو ضائع کرنے اور بھلا دینے کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔ یعنی جب وحی الٰہی کی اصلی روشنی انکے پاس نہ رہی تو اوہام و اہواء کی اندھیریوں میں ایک دوسرے سے الجھنے لگا۔ مذہب تو نہ رہا پر مذہب کے جھگڑے رہ گئے بیسیوں فرقے پیدا ہو کر اندھیرے میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ یہ باہمی فرقہ وار تصادم آخر کار آپس کی شدید ترین عداوت و بغض پر منتہی ہوا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی بیحد تفریق و تشتت اور مذہبی تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بحمد اللہ بلا کم و کاست محفوظ ہے۔ اسلئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت برابر مرکز حق و صداقت پر قائم رہی ہے۔ اور رہے گی اسکے برخلاف یہود و نصاریٰ کے اختلافات یا مثلاً پروٹسنٹ اور رومن کیتھولک وغیرہ فرقوں کی باہمی مخالفت میں کوئی ایک فریق بھی نہ آج شاہراہ حق و صداقت پر قائم ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی کی روشنی کو جس کے بدون کوئی انسان خدا تعالیٰ اور اسکے قوانین کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے ضائع کر چکے ہیں۔ اب جب تک وہ اس محرف بائبل کے دامن سے وابستہ رہیں گے محال ہے کہ قیامت تک ان کورانہ اور محض بے اصول اختلافات اور فرقہ وار بغض و عناد کی ظلمت سے نکل کر حق کا راستہ دیکھ سکیں اور نجات ابدی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ باقی جو لوگ آج نفس مذہب خصوصاً عیسائیت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے لفظ مسیحیت یا موجودہ بائبل کو محض چند سیاسی ضرورتوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے اس آیت میں ان نصاریٰ کا ذکر نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ وہ بھی آیت کے تحت میں داخل ہیں تو انکی باہمی عداوتیں اور ایک دوسرے کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں اور علانیہ تیاریاں بھی باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
قیامت کے دن تک

ان کی تفرقہ پرستی قیامت تک رہے گی:

یعنی جب تک وہ رہیں گے یہ اختلاف اور بغض و عناد بھی ہمیشہ رہے گا۔ یہاں قیامت تک کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص تو قیامت تک بھی فلاں حرکت سے باز نہ آئے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ شخص قیامت تک زندہ رہے گا اور یہ حرکت کرتا رہے گا۔ مراد یہ ہے کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو اس بات کو نہ چھوڑیگا۔ اسی طرح آیت میں الی یوم القیامہ کا لفظ آنے سے یہ ثابت

نہیں ہوتا کہ یہود ونصاریٰ کا وجود قیامت تک رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض مبطلین نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا
اور آخر جتا دے گا ان کو اللہ جو کچھ
يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾
کرتے تھے

یعنی آخرت میں پوری طرح اور دنیا میں بھی بعض واقعات کے ذریعہ سے ان کو اپنے کرتوت کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے کتاب والو تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ
ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے
مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ
کتاب میں سے اور در گذر کرتا ہے بہت چیزوں سے

یہود ونصاریٰ کو ناصحانہ خطاب:

یہ سب ''یہود'' ونصاریٰ کو خطاب ہے کہ وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جنکی آمد کی بشارات تمہاری کتابوں میں اس قدر تحریف ہونے پر بھی کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہیں۔ تشریف لے آئے جن کے منہ میں خدا نے اپنا کلام ڈالا ہے اور جنہوں نے ان حقائق کی تکمیل کی جو حضرت مسیح ناتمام چھوڑ گئے تھے ''توراۃ'' و ''انجیل'' کی جن باتوں کو تم چھپاتے تھے اور بدل سدل کر بیان کرتے تھے ان میں کی سب ضروری باتیں اس نبی آخر الزماں نے ظاہر فرمادیں اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہ تھی ان سے درگذر کیا۔

شانِ نزول:

ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ یہودی رجم (سنگسار کردینے) کا حکم دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا سب سے بڑا عالم کون ہے (اس کو پیش کرو) یہودیوں نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صوریا کو اس خدا کی قسم دی جس نے موسیٰ پر توریت اتاری تھی اور بنی اسرائیل کے سروں پر طور کو اٹھا کر (توریت پر عمل کرنے کا) مضبوط وعدہ لیا تھا اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کتاب میں رجم کی سزا ہے اگر ہے تو تم لوگوں نے اس کو کس طرح ترک کردیا۔ ابن صوریا نے کہا۔ جب ہمارے اندر زنا کی کثرت ہوگئی (اور سنگسار کرنا دشوار ہوگیا)۔ تو ہم نے خود سو تازیانے مارنے اور سر مونڈنے کی سزا جاری کردی یہ سن کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رجم کا حکم دیدیا۔ اس پر اللہ نے آیت صراط مستقیم تک نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾
بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنیوالی
يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اسکی رضا کا
السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ
روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾
سیدھی راہ

ہدایت قرآن سے ملے گی:

شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی یہود ونصاریٰ جو وحی الٰہی کی روشنی کو ضائع کرکے اہواء وآراء کی تاریکیوں اور باہمی خلاف وشقاق کے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کا بحالت موجودہ قیامت تک امکان نہیں ان سے کہہ دو کہ خدا کی سب سے بڑی روشنی آگئی اگر نجات ابدی کے صحیح راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو اس روشنی میں حق تعالیٰ کی رضا کے پیچھے چل پڑو سلامتی کی راہیں کھلی پاؤ گے اور اندھیرے سے نکل کر اجالے میں بے کھٹکے چل سکو گے۔ اور جسکی رضا کے تابع ہو کر چل رہے ہو اسی کی دستگیری سے صراط مستقیم کو بے تکلیف طے کرلو گے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل کتاب اگر بالفرض یہ نبی امی تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی نہ ظاہر کرتا

تب بھی تم پر اسکی دعوت کا قبول کرنا واجب تھا۔ اسلئے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے مراد محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک روشن کتاب آئی ہے قتادہ اور زجاج سے منقول ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے۔ اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات بابرکات خود آپکی نبوت ورسالت کی ایک دلیل ہے اسلئے کہ اللہ نے آپ کو نور ہدایت اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

مسیح ہے مریم کا بیٹا

اُلوہیت مسیح کا کافرانہ عقیدہ:

یعنی مسیح کے علاوہ خدا کوئی اور چیز نہیں کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں سے فرقہ یعقوبیہ کا ہے جن کے نزدیک مسیح کے قالب میں خدا حلول کئے ہوئے ہے (معاذ اللہ) یا یوں کہا جائے کہ جب نصاریٰ حضرت مسیح کی نسبت الوہیت کے قائل ہیں اور ساتھ ہی توحید کا بھی زبان سے اقرار کرتے جاتے ہیں یعنی خدا ایک ہی ہے تو ان دونوں دعووں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی خدا نہ ہو۔ بہر حال کوئی صورت لی جائے اس عقیدہ کے کفر صریح ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ

تو کہہ دے پھر کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ

اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ

ہلاک کرے مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو

قدرت وملکیت اللہ ہی کی ہے:

یعنی اگر فرض کرو خدائے قادر قہار یہ چاہے کہ حضرت مسیح اور مریم اور اگلے پچھلے کل زمین پر بسنے والوں کو اکٹھا کر کے ایک دم میں ہلاک کر دے، تو تم ہی بتلاؤ کہ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔ یعنی ازل وابد کے سارے انسان بھی اگر فرض کرو مجتمع کر دیئے جائیں اور خدا ایک آن میں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو سب کی اجتماعی قوت بھی خدا کے ارادہ کو تھوڑی دیر کیلئے ملتوی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مخلوقات کی قدرت جو عطائی اور محدود ہے، خدا کی ذاتی اور لامحدود قدرت کے مقابلہ میں عاجز محض ہے۔ جس کا اعتراف خود وہ لوگ بھی کرتے ہیں جنکے رد میں یہ خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ خود مسیح ابن مریم بھی جن کو یہ لوگ خدا بنا رہے ہیں، اسکے معترف ہیں۔ چنانچہ مرقس کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ مقولہ موجود ہے۔ "اے باپ ہر چیز تیری قدرت کے تحت میں ہے تو مجھ سے یہ (موت کا) پیالہ ٹلا دے اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں بلکہ اس طرح جیسے تیرا ارادہ ہے" پس جب حضرت مسیح علیہ السلام جنکو تم خدا کہتے ہو اور انکی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ جو تمہارے زعم میں خدا کی ماں ہوئیں۔ وہ دونوں بھی تمام من فی الارض کے ساتھ مل کر خدا کی مشیت وارادہ کے سامنے عاجز ٹھہرے تو خود سوچ لو کہ انکی یا انکی والدہ یا کسی اور مخلوق کی نسبت خدائی کا دعویٰ کرنا کس قدر گستاخی اور شوخ چشمی ہوگی۔ آیہ کی اس تقریر میں ہم نے ہلاک کو موت کے معنی میں لیا ہے مگر جمیعا کے لفظ کی تھوڑی سی وضاحت کر دی جو مدلول لفظ جمیعاً کا ہم نے بیان کیا وہ ائمہ عربیہ کی تصریحات کے عین موافق ہے اس کے سوا یہ بھی ممکن ہے کہ آیۃ میں ہلاک کے معنی موت کے نہ لئے جائیں جیسا کہ راغب نے لکھا ہے کبھی ہلاک کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا مطلقاً فنا اور نیست و نابود ہو جانا۔ مثلاً كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ، یعنی خدا کی ذات کے سوا ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر خدائے قدیر حضرت مسیح اور انکی والدہ اور تمام من فی الارض کو قطعاً فنا نیست و نابود اور بالکلیہ فنا کر ڈالنے کا ارادہ کرلے تو کون ہے جو اسکے ارادہ کو روک دیگا۔

اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند عالمے را در دمے ویراں کند

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا کہ انکی امت بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھاوے والا نبی اس لائق کا ہے کو ہیں ان کے مرتبہ عالی اور وجاہت عند اللہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا خطاب کیا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ

درمیان ان دونوں کے ہے پیدا کرتا ہے جو چاہے

جو چاہے اور جس طرح چاہے۔ مثلاً حضرت مسیح کو بدون باپ کے حضرت حوا کو بدون ماں کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بدون ماں اور باپ کے پیدا کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

کسی کا زور اسکے سامنے نہیں چل سکتا سب اخیار و ابرار بھی وہاں مجبور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ

اور اس کے پیارے

یہود و نصاریٰ کے دعوے:

شاید اپنے کو بیٹے یعنی اولاد اس لئے کہتے ہیں کہ انکی بائیبل میں خدا نے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کو اپنا بیٹا اور اپنے کو باپ کہا ہے۔ ادھر نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانتے ہیں تو اسرائیل کی اولاد اور حضرت مسیح علیہ السلام کی امت ہونے کی وجہ سے غالباً ابناء اللہ کا لفظ اپنی نسبت استعمال کیا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیٹا کہنے سے مراد یہ ہو کہ ہم خدا کے خواص اور محبوب ہونے کی وجہ سے گویا اولاد ہی جیسے ہیں۔ اس صورت میں ابنا کا حاصل وہ ہی ہو جائیگا جو لفظ احباء کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء یہود سے کچھ گفتگو کی اور ان کو اللہ کیطرف بلایا اور انکو خدا کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم کو خدا کے عذاب سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ

تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر

یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوؤں کی تردید

چونکہ کسی مخلوق کا حقیقۃً ابن اللہ ہونا بالکل محال اور بدیہی البطلان ہے اور خدا کا محبوب بن جانا ممکن تھا۔ یحبھم و یحبونہ (مائدہ رکوع ۸) اس لئے اس جملہ میں اول محبوبیت (پیارے ہونے) کے دعوے کا رد کیا گیا یعنی جو قوم علانیہ بغاوتوں اور شدید ترین گناہوں کی بدولت یہاں بھی کئی طرح کی رسوائیوں اور عذاب میں گرفتار ہو چکی اور آخرت میں بھی حبس دوام کی سزا کا عقلاً و نقلاً استحقاق رکھتی ہے کیا ایسی باغی و عاصی قوم کی نسبت ایک لمحہ کیلئے بھی کوئی ذی شعور یہ خیال کر سکتا ہے کہ وہ خدا کی محبوب اور پیاری ہوگی۔ خدا سے کسی کا نسبی رشتہ نہیں۔ اسکا پیار اور اسکی محبت صرف اطاعت اور حسن عمل سے حاصل ہو سکتی ہے ایسے کڑے مجرموں کو سخت سے سخت سزا کے مستحق اور مورد بن چکے ہوں، شرمانا چاہئے کہ وہ نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ کا دعویٰ کریں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو باوجودیکہ انکا صلبی بیٹا تھا خدا نے فرمادیا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر تم واقع میں اللہ کے فرزند اور اسکے محبوب اور پیارے ہو تو اللہ تمکو تمہارے گناہوں کے بدلہ میں دنیا میں ذلت ناک اور رسوا کن عذاب کیوں دیتا ہے اگر تم خدا کے فرزند اور محبوب تھے تو اسنے تم کو قردۃ اور خنازیر یعنی بندر اور سوروں بنایا اور طرح طرح سے تم کو ذلیل اور رسوا کیا۔ باپ اپنے بیٹے کو اور حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا پس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قتل اور مسخ کا عذاب چکھایا اور آخرت کے متعلق تم کو اقرار ہے کہ چند روز کے لئے تم کو آگ چھوئیگی معلوم ہوا کہ یہ سب تمہارے دعاوی باطلہ ہیں اور امانی عاطلہ ہیں تم خدا کے محبوب نہیں۔

اللہ اپنے پیاروں کو عذاب نہیں دیتا:

مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے ایک چھوٹا سا بچہ راہ میں کھیل رہا تھا۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آرہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ ان میں نہ آ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ اس پر صحابہؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
کوئی نہیں بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں

بشر کا معنی اور ایک نکتہ:

''بشر'' اصل لغت میں کھال کی اوپر والی سطح کو کہتے ہیں تھوڑی سی مناسبت سے آدمی کو بشر کہنے لگے۔ شاید اس لفظ کے یہاں اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہو کہ تم کو خدا کا بیٹا اور پیارا تو در کنار، شریف اور ممتاز انسان بھی نہیں کہا جاسکتا صرف بشرہ اور شکل وصورت کے لحاظ سے خدا کے پیدا کئے ہوئے ایک معمولی آدمی کہلائے جاسکتے ہو جنکی پیدائش بھی اسی معتاد طریقہ سے ہوئی ہے جس طرح عام انسانوں کی ہوتی ہے پھر بھلا ابنیت کا وہم کدھر سے راہ پاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ
بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے

کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کون بخشنے کے لائق ہے اور کسے سزا دی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ دونوں
بَیْنَهُمَا ۡ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾
کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

قدرتِ خداوندی سے کوئی باہر نہیں ہے:

تو جسے وہ اپنی رحمت اور حکمت سے معاف کرنا چاہے یا عدل وانصاف سے سزا دینا چاہے اسمیں کون مزاحم ہوسکتا ہے نہ کسی مجرم کیلئے یہ گنجائش ہے کہ اسکے قلمرو وآسمان وزمین سے باہر نکل جائے اور نہ یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کہیں اور بھاگ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَكُمْ
کھولتا ہے تم پر

ربطِ آیات اور ہدایت پانے کی دو شرطیں:

یعنی ہمارے احکام وشرائع نہایت توضیح کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اس رکوع کے شروع سے ''بنی اسرائیل'' (یہود ونصاریٰ) کی مختلف قسم کی شرارتوں اور حماقتوں کو بیان فرما کر یہ بتلایا تھا کہ اب ہمارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آچکا جو تمہاری غلط کاریوں کو واضح کرتا ہے اور تم کو ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اسکے بعد اس پر متنبہ فرمایا کہ اب نور ہدایت کی طرف جانا دو چیزوں پر موقوف ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرو اور مخلوق وخالق کے تعلق کے متعلق غلط عقیدے مت جماؤ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ سے یہاں تک اسی جزو کا بیان تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نبی الانبیاء صلعم پر ایمان لاؤ جو تمام انبیائے سابقین کے کمالات کے جامع اور شرائع الٰہیہ کے سب سے بڑے اور آخری شارح ہیں اس جزو کا بیان اس آیت یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ الخ میں کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا
رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس
جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ۡ فَقَدْ
نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو
جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ ؕ
آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا

جہالت کے اندھیروں میں مینارۂ نور:

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو برس سے انبیاء کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ساری دنیا الا ماشاء اللہ جہل، غفلت اور اوہام و اہواء کی تاریکیوں میں پڑی تھی۔ ہدایت کے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ظلم وعدوان فساد والحاد کی گھٹا تمام آفاق پر چھا رہی تھی اس وقت سارے جہان کی اصلاح کیلئے خدا نے سب سے بڑا ہادی اور نذیر وبشیر بھیجا، جو جاہلوں کو فلاح دارین کے راستے بتلائے۔ غافلوں کو اپنے انذار وتخویف سے بیدار کرے اور پست ہمتوں کو بشارتیں سنا کر ابھارے۔ اس طرح ساری مخلوق پر خدا کی حجت تمام ہوگئی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عیسیٰؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ:

امام بخاریؒ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور خاتم الانبیاء علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا۔ اور اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف میں حدیث آئی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِعِيسیٰ۔ یعنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں۔ اور اس کا مطلب آخر حدیث میں یہ بیان فرمایا لیس بیننا نبی یعنی ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔

زمانہ فترت کے احکام:

آیت مذکورہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی قوم ایسی ہو کہ ان کے پاس نہ کوئی رسول اور نہ کوئی پیغمبر آیا اور نہ ان کے نائبین پہنچے اور نہ پچھلے انبیاء کی شریعت ان کے پاس محفوظ تھی تو یہ لوگ اگر شرک کے علاوہ کسی غلط کاری اور گمراہی میں مبتلا ہو جاویں تو وہ معذور سمجھے جاویں گے۔ وہ مستحق عذاب نہیں ہوں گے۔ اسی لئے حضرات فقہا کا اہل فترت کے معاملہ میں اختلاف ہے کہ وہ بخشے جاویں گے یا نہیں۔

جمہور کا رجحان یہ ہے کہ امید اسی کی ہے کہ وہ بخش دیئے جاویں گے جبکہ وہ اپنے اس مذہب کے پابند رہے ہوں جو غلط سلط ان کے پاس حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کی طرف منسوب ہو کر موجود تھا۔ بشرطیکہ وہ توحید کے مخالف اور شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ کیونکہ مسئلہ توحید کسی نقل کی محتاج نہیں۔ وہ ہر انسان ذرا سا غور کرے تو اپنی ہی عقل سے معلوم کر سکتا ہے۔

ایک سوال اور جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو اس آیت میں خطاب ہے، ان کے لئے اگرچہ زمانہ فترت میں کوئی رسول نہیں پہنچا۔ مگر ان کے پاس تورات اور انجیل تو موجود تھی۔ ان کے علما بھی تھے تو پھر قیامت میں ان کے لئے یہ عذر کرنے کا کیا موقع تھا کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت نہیں پہنچی تھی۔ جواب یہ ہے کہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تورات و انجیل اصلی باقی نہیں رہی تھی۔ تحریفات ہو کر ان میں جھوٹے قصے کہانیاں داخل ہوگئی تھیں۔ اس لئے ان کا وجود عدم برابر تھا۔ اور اتفاق سے کہیں کوئی اصلی نسخہ کسی کے پاس گمنام جگہ میں محفوظ رہا بھی تو وہ اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض علماء ابن تیمیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ تورات و انجیل کے اصلی نسخے کہیں کہیں موجود تھے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

یہودیوں کا عذرِ لنگ:

محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت اور ترغیب دی۔ حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت سعدؓ بن عبادہ نے کہا اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم ضرور جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بعثت سے پہلے تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے اس کے جواب میں رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا بولے ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے کوئی کتاب نہیں اتاری اور نہ کسی شخص کو موسیٰ کے بعد پیغمبر بنا کر بھیجا۔

تمام انبیاء ایک ہیں:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیا اور آخرت میں عیسیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھتا ہوں انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور دین سب کا ایک ہے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی اور پیغمبر نہیں ہوا۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیح (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾					
اور	اللہ	ہر	چیز	پر	قادر ہے

اللہ دوسری قوم لانے پر قادر ہے:

یعنی تم اگر اس پیغمبر کی بات نہ مانو گے تو خدا کو قدرت ہے کہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اسکے پیغام کو پوری طرح قبول کرے گی اور پیغمبر کا ساتھ دیگی خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور خدا تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں۔ فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین

والوں کو دیکھا اور تمام عرب وعجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کرلوں، میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا، جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں قریشیوں میں پیغام خدا پہنچاؤں۔ میں نے کہا خدایا! یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنادیں گے۔ پروردگار نے فرمایا تو انہیں نکال جیسے انہوں نے تجھے نکالا، تو ان سے جہاد کر تیری امداد کی جائیگی، تو ان پر خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا، تو ان کے مقابلہ پر لشکر بھیج ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے، اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔

جنتی اور جہنمی لوگ:

جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔

۱۔ بادشاہ عادل توفیق خیر والا صدقہ خیرات کرنے والا،

۲۔ اور رحم دل ہر قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا،

۳۔ اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا حالانکہ صاحب عیال بھی ہے۔ اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں،

۱۔ وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد خورے اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد دھن دولت نہیں،

۲۔ اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے۔

۳۔ اور وہ لوگ جو صبح وشام لوگوں کو ان کے اہل ومال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں۔ ۴۔ اور بخیل یا فرمایا کذاب ،

۵۔ شنظیر یعنی بدگو۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
احسان اللہ کا اپنے اوپر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا وعدہ:

موضح القرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے اور مدت تک انکے اولاد نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام انکو دونگا اور نبوت، دین، کتاب اور سلطنت ان میں رکھونگا۔

بنی اسرائیل پر انعام اور ان کی ناشکری:

پھر حضرت موسیٰ کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا۔ اور اسکو غرق کیا اور انکو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے، ملک شام فتح کرلو۔ پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے۔ ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کا زور وقوت بیان کیا، حضرت موسیٰ نے انکو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ ان میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر الٹے مصر چلے جائیں اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ ہوئے انکے ہاتھ سے فتح ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ
جب پیدا کئے تم میں نبی

یعنی تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم سے لیکر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے۔ مثلاً حضرت اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف اور خود موسیٰ وہارون علیہم الصلوۃ والسلام پھر انکے بعد بھی یہی سلسلہ مدت دراز تک ان میں قائم رکھا۔

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا
اور کردیا تم کو بادشاہ

بادشاہت وآزادی سے نوازا:

یعنی فرعونیوں کی ذلیل ترین غلامی سے آزادی دلا کر انکے اموال واملاک پر قابض کیا اور اس سے پہلے تم ہی میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزائن اور سلطنت پر کیسا تسلط عطا فرمایا۔ پھر مستقبل میں بھی حضرت سلیمان وغیرہ نبی اور بادشاہ پیدا کئے گویا دین اور دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے تم کو سرفراز کیا۔ کیونکہ دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیوی اقبال کی آخری حد آزادی اور بادشاہت ہے، یہ دونوں چیزیں مرحمت کی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

بنی اسرائیل کی بادشاہت:

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں اگر کسی کے پاس خادم بیوی اور سواری ہوتی تھی تو اس کو بادشاہ کہا جاتا تھا۔ زید بن اسلم کی مرسل روایت، حضرت ابوسعیدؓ کی مرفوع روایت کی تائید میں آئی ہے۔ عبدالرحمن حبلی کا بیان ہے۔ میرے سامنے ایک شخص نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کچھ سوال کیا تھا اور عرض کیا تھا کیا ہم فقراء ومہاجرین میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ کیا تیری بیوی ہے جس کے پاس تو رہتا ہے اس نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تیرا مکان ہے جس میں تو رہتا ہے اس نے کہا جی ہاں! حضرت عبداللہؓ نے فرمایا پھر تو تو غنی ہے۔ اس شخص نے کہا میرا تو ایک خادم بھی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰
اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان میں

بنی اسرائیل امت محمدیہ سے افضل نہیں:

یعنی اس وقت جب موسیٰ علیہ السلام کے یہ خطاب فرما رہے تھے بنی اسرائیل پر تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ خدا کی نوازشیں ہوئیں اور اگر اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ کو عموم پر حمل کیا جائے تو یہ اسلئے صحیح نہیں کہ امت محمدیہ کی نسبت خود قرآن میں تصریح ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران رکوع ۱۲) اور وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ رکوع ۱۷)

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ
اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جو مقرر کر دی ہے
كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ
اللہ نے تمہارے واسطے

ارض مقدس کا وعدہ:

یعنی خدا نے پیشتر حضرت ابراہیم سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری اولاد کو یہ ملک دونگا وہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ خوش قسمت ہونگے وہ لوگ جن کے ہاتھ پر پورا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ارض مقدس کہنے کی وجہ:

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ملک شام پورا ارض مقدس ہے۔ اس زمین کو مقدس اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا وطن اور مستقر رہا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم یہاں سے آپ نظر ڈالو، جہاں تک آپ کی نظر پہنچے گی ہم نے اس کو ارض مقدس بنادیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حضرت کعب کا بیان ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب یعنی (توراۃ) میں پڑھا تھا کہ شام اللہ کی زمین کا خزانہ ہے اور شام کے رہنے والے اللہ کے بندوں میں خزانہ ہیں۔ مقدسہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ارض مذکور انبیاء کی قرارگاہ اور اہل ایمان کا مسکن ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر جا پڑو گے
خٰسِرِيْنَ ۝۲۱
نقصان میں

بزدل بن کر غلامی نہ خریدو:

یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی قیادت میں ارض مقدس کی آزادی:

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ سے وعدہ کر لیا تھا کہ ارض مقدسہ کا تم کو اور تمہاری قوم کو وارث بنایا جائیگا۔ ارض مقدسہ سے مراد سرزمین شام تھی پہلے وہاں مغرور ظالم کنعانی آباد تھے۔ فرعون کے کام سے فراغت کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تو اللہ نے ان کو اریحا علاقہ شام کو جانے کا حکم دیا، اریحا ہی ارض مقدسہ تھی اس علاقہ میں ایک ہزار آبادیاں تھیں اور ہر بستی میں ہزار باغ تھے۔ میں کہتا ہوں شاید ہزار سے مراد کثیر تعداد ہے کوئی معین عدد مراد نہیں ہے۔ اور اللہ نے فرمایا موسیٰ میں نے اس زمین کو تمہارا مسکن اور قرارگاہ مقرر کر دیا ہے تم وہاں جاؤ اور وہاں کے باشندوں سے جہاد کرو۔ میں تم کو فتح عنایت کرونگا اور اپنی قوم میں سے بارہ سردار بطور نمائندہ چن لو، ہر سبط کا ایک نمائندہ ہو جو اپنی قوم کی طرف سے تعمیل حکم الٰہی کا ذمہ دار ہو۔ چنانچہ موسیٰ نے بارہ سردار چن لئے اور بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر چل دیئے، جب اریحا کے قریب پہنچے تو سرداروں کو تلاش احوال اور فراہمی معلومات کے لئے اریحا کو روانہ کیا۔ راستہ میں ان کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اسی جبار قوم میں سے تھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ عوج سب کو آستین میں بھر کر بادشاہ کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے لیجا کر بکھیر دیا بادشاہ نے حکم دیا، واپس لوٹ جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا اپنی قوم سے جا کر کہہ دو (ان کے ملک کے پھلوں کی یہ حالت تھی کہ) انگوروں کا ایک خوشہ کسی تختہ پر رکھ کر پانچ آدمی اٹھاتے تھے اور ایک انار کے دانے اگر نکال لئے جائیں تو (چھلکے میں اتنا بڑا خلا ہو جاتا تھا کہ) پانچ آدمی اس میں سما جاتے تھے۔

سرداران بنی اسرائیل جب لوٹ کر حضرت موسیٰ کے پاس پہونچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے حکم دیا اس بات کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا اور کسی سپاہی کو اطلاع نہ دینا ورنہ سب پست ہمت ہو جائینگے لیکن حضرت موسیٰؑ کے حکم کے خلاف، سوائے دو شخصوں کے سب نے اپنے عزیزوں اور قرابت داروں سے بات کہہ دی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ
بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے زبردست

بنی اسرائیل کی بزدلی:

یعنی بہت قوی ہیکل، تنومند اور پر رعب۔ بنی اسرائیل کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی تو سب نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا اور کہنے لگے کاش ہم مصر میں ہی مرجاتے کاش ہم کو موت آجاتی اور یہاں نہ آتے کہ ہمارے بال بچے اور عورتیں اور مال ومتاع سب ان کے لئے مال غنیمت بنتا۔ بعض لوگ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے آؤ کسی اور کو اپنا سردار بنالیں اور (موسیٰؑ) کو یہیں چھوڑ کر) ہم مصر کو لوٹ چلیں۔

جبار کا معنیٰ:

بغوی نے لکھا ہے جبار اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زبردستی نہ کر سکے اور اس کا مقابلہ ممکن نہو۔ ''نخلة جبارة'' کھجور کا وہ طویل درخت کہ ہاتھ کی رسائی سے باہر ہو۔

قابض قوم کی جباریت:

میں کہتا ہوں ان کی جباریت یا تو درازی قامت کی وجہ سے تھی۔ جیسا مذکورہ بالا قصہ سے معلوم ہوتا ہے یا فوج کی کثرت، مال کی فراوانی اور جنگی اسلحہ کی بہتات کی وجہ سے، بغوی نے لکھا ہے یہ لوگ عمالقہ کی قوم میں سے تھے جو قوم عاد کی نسل سے تھے۔ (عاد، ثمود، طسم) مدلیس عرب عاربہ کے مختلف قبائل تھے جنکی نسل دنیا سے ختم ہوگئی انہی کو اقوام بائدہ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس قوم کی ڈیل ڈول اور قوت وطاقت ضرب المثل تھی کہ ان میں کا ایک آدمی قوم بنی اسرائیل کے بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے لے جانے پر قادر ہوگیا۔

سرداروں کا حال:

بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس اریحا (مقام) پر پہنچے اور حضرت موسیٰ سے اس عجیب وغریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰؑ کے قلب پر تو ان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح وکامیابی کی بشارت سنادی تھی۔ بقول اکبر

مجھ کو بے دل کر دے ایسا کون ہے یاد مجھ کو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ہے

(معارف القرآن مفتی اعظم)

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا
اور ہم ہرگز وہاں نہ جاوینگے یہاں تک کہ وہ نکل جاویں اس میں
فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾
سے پھر اگر وہ نکل جاوینگے اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہونگے

یعنی مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ ہاں بدون ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالینگے۔ آپ معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ
کہا دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی
اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
نوازش تھی ان دو پر

حضرت یوشع اور حضرت کالب کی تحریک:

وہ دو شخص حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا تھے جو خدا سے ڈرتے تھے۔ اسی لئے عمالقہ وغیرہ کا کچھ ڈر انکو نہ رہا۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

(تفسیر عثمانی)

اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ
گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازوں میں پھر جب تم اس میں

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ
گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے

یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو پھر خدا تم کو غالب کریگا۔ خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے۔ (تفسیر عثانی)

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾
اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو

توکل کیا ہے:

معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے۔ پھر اسکے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔ اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا
بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ جاوینگے گے ساری
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ
عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾
لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں

یہودیوں کا حال:

یہ اس قوم کا مقولہ ہے جو نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کا دعویٰ رکھتی تھی مگر یہ گستاخانہ کلمات انکے مستمر تمرد وطغیان سے کچھ بھی مستبعد نہیں۔ (تفسیر عثانی)

صحابہ کرام کی وفاداری:

غزوہ بدر میں نہتے اور بھوکے مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک ہزار مسلح نوجوانوں کا لشکر آ کھڑا ہوا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر اپنے رب سے دعائیں فرمانے لگے۔ تو حضرت مقداد بن اسود صحابیؓ آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم ہے ہم ہرگز وہ بات نہ کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔ کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں سے اور سامنے سے اور پیچھے سے مدافعت کریں گے۔ آپ بے فکر ہو کر مقابلہ کی تیاری فرمائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے۔ اور صحابہ کرامؓ میں بھی جوش جہاد کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مقداد بن اسود کے اس کارنامہ پر مجھے بڑا رشک ہے کاش یہ سعادت مجھے بھی حاصل ہوتی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ
بولا اے رب میرے میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعاء:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت دلگیر ہو کر یہ دعا فرمائی۔ چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی اور بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اس لئے دعا میں بھی اپنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ یوشع اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعاً آ گئے۔

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾
سو جدائی کر دے تو ہم میں اور اس نافرمان قوم میں
قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
فرمایا تحقیق وہ زمین حرام کی گئی ہے ان پر چالیس برس
سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ
سر مارتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر
عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾
نافرمان لوگوں پر

دُعاء کی قبولیت اور معنوی جدائی:

یعنی جدائی کی دعا حسی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی۔ ہاں معنی جدائی ہو گئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارونؑ پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے۔ جیسے کسی بستی میں عام وبا پھیل پڑی اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو انکے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر فَافْرُقْ بَيْنَنَا کا ترجمہ، جدائی کر دے کی جگہ فیصلہ

کردے ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔

یہ قصہ سنانے کا مقصد:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چرا بیٹھے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہو گی۔ چنانچہ نصیب ہوئی۔

دعوتِ فکر:

ایک لمحہ کیلئے اس سارے رکوع کو سامنے رکھ کر امت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے ان پر خدا کے وہ انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی امت پر ہوئے نہ آئندہ ہونگے۔ انکے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت دیکر بھیجا۔ ان میں وہ علماء اور ائمہ پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد امت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی۔ اس امت کو بھی جہاد کا حکم ہوا۔ عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں محض سرزمین شام فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق وغرب میں ''کلمۃ اللہ'' بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کیلئے بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس امت سے یہ فرمایا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

(نور، رکوع ۷)

اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ

(انفال، رکوع ۲)

انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقا تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گذرے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑلو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم سے علیحدہ نہیں رہے گا۔ امید ہے کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائینگی۔ ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اسکے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ہر طرف جہاد کرینگے۔ خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہو کر ''وادی تیہ'' میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرق ومغرب میں ہدایت وارشاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ (تفسیر عثمانی)

جدوجہدِ آزادی اور ارض شام کی فتح:

بغوی نے لکھا ہے اس روایت پر قصہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور چالیس سال کی مدت گذر گئی تو اللہ نے حضرت یوشع کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت یوشع نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ نے عمالقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت (جہاد) کرلی اور اریحا کی طرف روانہ ہو گئے، ساتھ ساتھ میثاق والا صندوق بھی تھا۔ اریحا پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا اور چھ ماہ تک محاصرہ جاری رکھا ساتواں مہینہ شروع ہوتے ہی سنکھ پھونکا گیا اور یکدم نعرہ مارا فوراً شہر پناہ کی دیوار گر پڑی اور بنی اسرائیل نے شہر میں گھس کر عمالقہ سے مار دھاڑ شروع کر دی آخر ان کو شکست دیدی اور یکدم حملہ کر کے قتل کرنے لگے۔ بنی اسرائیل کا گروہ کا گروہ ایک ایک عمالقی کی گردن پر چڑھ کر کاٹنے کے لئے زور لگاتا تھا مگر کاٹ نہ پاتا تھا۔ یہ جنگ جمعہ کے دن ہوئی تھی۔ دن بھر جاری رہی پھر بھی شام تک پوری نہ ہوئی سورج غروب ہونے لگا اور سنیچر کا دن شروع ہونے والا تھا۔ حضرت یوشع نے دعا کی اے اللہ! سورج کو میری طرف لوٹا دے اور سورج سے فرمایا تو اللہ کی تعمیل حکم میں لگا ہوا ہے اور میں بھی اسی کی فرماں پذیری میں مشغول ہوں تو ٹھہر جا تا کہ اللہ کے دشمنوں سے میں انتقام لے لوں سورج کو لوٹا دیا گیا اور دن ایک گھنٹہ بڑھا دیا گیا۔ آخر حضرت یوشع علیہ السلام نے سب کو قتل کیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت یوشع نے پھر شاہان شام کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ۳۱ بادشاہوں کا قتل کیا اور تمام ملک شام پر تسلط حاصل کرلیا اور اپنی طرف سے حاکم ہر طرف مقرر کر دیئے اور مال غنیمت جمع کر لیا مگر (مال غنیمت کو جلانے کے لئے) آگ آسمان سے نہیں اتری (یوشع پریشان ہوئے کہ خدا جانے کیا قصور ہو گیا وحی آئی کہ کسی نے مال

غنیمت میں کچھ چوری کی ہے۔ بنی اسرائیل کو حکم دو کہ وہ (از سر نو) تمہاری بیعت کریں۔ حسب الحکم سب نے بیعت کی۔ بیعت کرتے وقت ایک شخص کا ہاتھ حضرت یوشعؑ کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ حضرت یوشعؑ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے وہ شخص سونے کا بنا ہوا بیل کا ایک سر لے آیا۔ جو جواہرات سے مرصع تھا، اس آدمی نے مال غنیمت میں سے اس کو چرایا تھا۔ حضرت یوشعؑ نے وہ سر قربانی کے مال میں شامل کر دیا اور چور کو بھی اسی میں ڈال دیا اور (آسمان سے) ایک آگ آ کر سب کو کھا گئی۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت یوشعؑ کی وفات ہوگئی اور کوہ افرائیم میں آپ کو دفن کیا گیا آپ کی عمر ۱۲۶ سال ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ۲۶ برس آپ نے بنی اسرائیل کا انتظام کیا۔ (تفسیر مظہری)

فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ، پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے۔ پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اس اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشعؑ اور کالبؑ ہی باقی رہے تھے۔

عصائے موسیٰ:

ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جثے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا۔

وادی تیہ میں قید ہونا:

یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ یعنی ملک شام کی زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام قرار دی گئی۔ اب اگر وہ وہاں جانا بھی چاہیں تو نہ جا سکیں گے۔ اور پھر یہ نہیں کہ ملک شام نہ جا سکیں گے۔ بلکہ وہ اگر اپنے وطن مصر کی طرف لوٹنا چاہیں گے تو وہاں بھی نہ جا سکیں گے بلکہ اس میدان میں ان کو نظر بند کر دیا جائے گا۔

خدائے عزوجل کی سزاؤں کے لئے نہ پولیس اور نہ ان کی ہتھکڑیاں شرط ہیں اور نہ جیل خانے کی مضبوط دیواریں اور آہنی دروازے۔ بلکہ جب وہ کسی کو محصور و نظر بند کرنا چاہیں تو کھلے میدان میں بھی قید کر سکتے ہیں۔ سب ظاہر ہے کہ ساری کائنات اسی کی مخلوق اور محکوم ہے۔ جب کائنات کو کسی کی قید کا حکم ہوجاتا ہے تو ساری ہوا اور فضا اور زمین و مکان اس کے لئے جیلر بن جاتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند ۔۔۔ بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

تیہ کا میدان:

چنانچہ یہ مختصر سا میدان جو مصر اور بیت المقدس کے درمیان ہے۔ جس کی پیمائش حضرت مقاتل کی تفسیر کے مطابق تیس فرسخ لمبائی اور نو فرسخ چوڑائی ہے، ایک فرسخ دیا جائے تو نوے میل کے طول اور ستائیس میل کے عرض کا کل رقبہ ہوجائے۔ صرف تیس میل ضرب اٹھارہ میل کا رقبہ ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ سارے دن کے سفر کے بعد جب شام ہوتی تو یہ معلوم ہوتا کہ پھر پھرا کر وہ اسی مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صبح چلے تھے۔

اسی چالیس سالہ دور میں اول حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ اور اس کے ایک سال یا چھ مہینہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ انکے بعد حضرت یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مامور فرمایا، اور چالیس سالہ قید ختم ہونے کے بعد بنی اسرائیل کی باقی ماندہ قوم حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں جہاد بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئی، اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملک شام ان کے ہاتھوں فتح ہوا، اور اس ملک کی ناقابل قیاس دولت ان کے ہاتھ آئی۔ (معارف مفتی اعظم)

قوم فاسقین:

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۔ اور ان بدکار لوگوں کا رنج نہ کرو۔ یہ خطاب حضرت موسیٰؑ کو اس وقت کیا گیا جب آپ کو بددعا کرنے پر پشیمانی ہوئی تھی۔

الفاسقین کے لفظ سے اس طرف واضح اشارہ ہے کہ فاسق ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اسی کے مستحق ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل چھ فرسخ کے اندر چالیس سال تک گھومتے رہے دن بھر کوشش کر کے چلتے لیکن شام کو اسی جگہ ہوتے جہاں سے چلنا شروع کرتے، ابوالشیخ ''العظمۃ'' میں اور ابن جریر نے وہب بن منبہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے لیکن اس روایت میں چھ فرسخ کا ذکر نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل چھ لاکھ (جنگی) سپاہی تھے بعض اقوال میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ان کے ساتھ نہیں تھے مگر صحیح یہ ہے کہ ساتھ میں موجود تھے اور تیہ میں موجودگی آپ کے لئے بطور سزا نہ تھی بلکہ ترقی درجات کا باعث اور (اخروی) راحت کا سبب تھی سزا تو صرف (نافرمان) بنی اسرائیل کے لئے

تھی۔ تیہ میں ابر کا سایہ تمام لوگوں پر پانچ یا چھ فرسخ تک ہوتا تھا۔ ابن جریر نے ربیع بن انس کا یہی قول نقل کیا ہے رات میں روشنی کا ایک ستون نمودار ہوجاتا تھا۔ جس سے اجالا ہوجاتا تھا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ تھا اور پینے کے لئے اس پتھر سے پانی پھوٹ نکلتا تھا جو بنی اسرائیل قوم ساتھ لئے پھرتے تھے جب تیہ کی مدت ختم ہوگئی تو حکم ہوا۔ بستی میں جاکر اترو۔ پھر حضرت موسیٰ نے عمالقہ سے جہاد کیا اور اریحا کو فتح کیا اور حکم دیا گیا کہ (شہر کے) دروازے میں سر جھکائے استغفار کرتے داخل ہو۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات:

سدی نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ میں ہارون کو وفات دینے والا ہوں تم ان کو فلاں پہاڑ پر لے کر آؤ حسب الحکم موسیٰ اور ہارون مقررہ پہاڑ کی طرف گئے وہاں ایک عجیب درخت دیکھا کہ ایسا درخت کبھی نہیں دیکھا تھا اور ایک مکان بھی نظر آیا جس کے اندر تخت بچھا ہوا تھا اور تخت پر بستر لگا ہوا تھا جس سے خوشبو مہک رہی تھی۔ حضرت ہارون نے یہ منظر دیکھ کر پسند کیا اور بولے موسیٰ میں تو اس تخت پر سونا چاہتا ہوں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا سوجاؤ حضرت ہارون نے کہا اندیشہ یہ ہے کہ کہیں گھر والا آکر ناراض نہ ہو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اس کا اندیشہ نہ کرو، گھر والے سے میں نمٹ لوں گا۔ حضرت ہارون نے کہا موسیٰ! میرے ساتھ آپ بھی سوجائیں۔ اب گھر والا آجائے گا تو مجھ پر اور آپ پر دونوں پر غصہ ہوگا۔ چنانچہ دونوں سوگئے اور (سوتے میں ہی) حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی۔ وفات سے پہلے موت کا احساس کرکے حضرت ہارونؑ نے کہا موسیٰ میری آنکھوں کو بند کردو جب وفات ہوگئی تو وہ مکان درخت اور تخت سب آسمان کی طرف اٹھالئے گئے اور حضرت موسیٰ تنہا بغیر ہارون کے لوٹ آئے۔ تنہا آتا دیکھ کر بنی اسرائیل بولے چونکہ قوم والے ہارونؑ سے محبت کرتے تھے اس لئے موسیٰ کو حسد ہوا اور انہوں نے ہارونؑ کو قتل کردیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا۔ ارے کم بختو! ہارونؑ تو میرا بھائی تھا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے اس کو قتل کردیا، جب لوگوں نے یہ بات بہت زیادہ کہی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی آپ کی دعاء سے تخت اتر آیا اور لوگوں نے آسمان وزمین کے درمیان معلق تخت دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تصدیق کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قصہ:

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ کو موت گوارا نہ تھی اور اللہ نے چاہا کہ موسیٰ کی نظر میں موت محبوب ہوجائے اس لئے یوشع بن نون کو پیغمبری سے سرفراز فرمایا، حضرت یوشع صبح شام حضرت موسیٰ کے پاس جاتے تھے اور حضرت موسیٰ ان سے پوچھتے تھے اے اللہ کے نبی اللہ نے آپ کے پاس کیا نیا پیام بھیجا۔ حضرت یوشعؑ کچھ نہیں بیان کرتے تھے اور جواب دیتے تھے۔ اے نبی اللہ کیا اتنے سال میں آپ کی صحبت میں نہیں رہا تو کیا اتنی طویل مدت میں جب تک آپ نے خود ہی ذکر نہیں کیا۔ میں نے کبھی آپ سے سوال کیا۔ اللہ نے کیا نیا پیام آپکے پاس بھیجا ہے۔ آپ نے اپنی طرف سے خود ہی بیان کردیا تو کردیا جب موسیٰ نے یہ جواب سنا تو زندگی سے نفرت اور موت سے رغبت ہوگئی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کا فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا اپنے رب کا بلاوا قبول کیجئے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے طمانچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی ملک الموت نے اللہ سے جاکر عرض کیا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا تھا جو مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ اللہ نے دوبارہ ملک الموت کو آنکھ عطا کرکے حکم دیا کہ میرے بندے کے پاس واپس جاکر کہو کہ کیا تو زندہ رہنے کا خواستگار ہے اگر تیری خواہش یہی ہے تو اپنا ہاتھ کسی بیل کی پشت پر رکھ جتنے بال تیرے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے ہی سال تو زندہ رہے گا (ملک الموت نے جاکر حضرت موسیٰ کو اللہ کا پیام پہنچایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا۔ ملک الموت نے کہا پھر آپ کو مرنا ہوگا۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کہا تو پھر ابھی سہی۔ اور دعا کی پروردگار مجھے ارض مقدس کے اتنے قریب پہنچادے کہ ایک اینٹ پھینکنے کے بقدر فاصلہ رہ جائے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو موسیٰ کی قبر راستہ کے کنارہ پر سرخ ٹیلہ کے قریب دکھا دیتا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

وہب نے بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ
اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا

ہابیل قابیل کا قصہ اور اُس کے نتائج:

یعنی آدم کے دو صلبی بیٹوں قابیل وہابیل کا قصہ انکو سناؤ۔ کیونکہ اس قصہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی کی مقبولیت اور تقویٰ پر حسد کرنے

اور اسی غیظ میں اسکو ناحق قتل کر ڈالنے کا ذکر ہے اور ناحق خون کرنے کے عواقب بیان کئے ہیں۔ پچھلے رکوع میں یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اب ہابیل وقابیل کا قصہ سنانا اسکی تمہید ہے کہ متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اور جس سے ان لوگوں کو بے انتہا تہدید وتشدید کیساتھ منع کیا گیا تھا اسکے لئے یہ ملعون ہمیشہ کیسے مستعد اور تیار نظر آتے ہیں۔ پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف از راہ بغض وحسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل وآسر کی سازشیں کرنا، یہ اس قوم کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ اس تقریر کے موافق قابیل وہابیل کا قصہ پھر اس میں مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الآیت کی تفریع، یہ سب تمہید ہوگی اس مضمون کی جو اس قصہ اور تفریع کے ختم پر فرمایا:

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ○ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ۔

(تفسیر عثمانی)

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا
جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ
اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی

نکاح کے جھگڑے کا فیصلہ:

یعنی آدم علیہ السلام دستور کے موافق جو لڑکی ہابیل کے نکاح میں دینا چاہتے تھے قابیل اسکا طلبگار رہا۔ آخر حضرت آدم علیہ السلام کے اشارہ سے دونوں نے خدا کیلئے کچھ نیاز کی کہ جس کی نیاز مقبول ہو جائے لڑکی اسی کو دے دی جائے۔ آدم کو غالباً یہ یقین تھا کہ ہابیل ہی کی نیاز مقبول ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

آتش آسمانی ظاہر ہوئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی یہی علامت اس وقت قبول عند اللہ کی تھی۔

جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام دنیا میں آئے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توام پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت جبکہ آدم کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعتِ آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرمادیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو تو وہ آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی، بلکہ ان کے درمیان رشتہ ازدواج ومناکحت جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین وجمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی، جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی، اس پر قابیل ناراض ہو کر ہابیل کا دشمن ہوگیا، اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے، حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل وقابیل کے درمیان رفعِ اختلاف کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو، جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے، یعنی ہابیل کی، اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی، اور جس قربانی کو آگ نہ کھائے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں، اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشتکار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم وغیرہ قربانی کے لئے پیش کیا، اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا، اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا، لاقتلنک یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کی بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی جس میں اس کی ہمدردی وخیر خواہی بھی تھی کہ ! اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قربانی پیش کرنیکا قصہ اہل علم نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت حواء کے

بطن سے ہر مرتبہ میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ کل بیس مرتبہ میں چالیس بچے پیدا ہوئے سب سے پہلے قابیل اور اس کی ہمزاد اقلیمیا کی ولادت ہوئی، دوسری مرتبہ میں ہابیل اور اسکی ہمزاد لیودا ہوئے، آخر میں ابوالمغیث اور ام المغیث کی پیدائش ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کی زندگی میں ہی آپکی اولاد اور اولاد کی نسل چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

بعض اہل علم کا بیان ہے کہ زمین پر اترنے کے سو برس کے بعد حضرت آدمؑ نے حضرت حواء سے قربت کی اور (زمین پر) قابیل اور اس کی بہن کی پیدائش ہوئی۔ پھر دو سال کے بعد ہابیل اور اس کی بہن کی پیدائش ہوئی۔ یہ آخری فقرہ کلبی کا ہے۔

ہابیل تو اس حکم پر رضامند ہوگیا مگر قابیل ناخوش ہوگیا کیونکہ اس کی ہمزاد زیادہ حسین تھی۔ کہنے لگا میں اس کا زیادہ مستحق ہوں۔ ہم دونوں کی پیدائش جنت میں ہوئی تھی اور ان دونوں کی زمین پر حضرت آدمؑ نے فرمایا تیری ہمزاد تیرے لئے حلال نہیں۔

قابیل نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا اور بولا یہ کوئی اللہ کا حکم نہیں ہے، صرف آپ کی رائے ہے۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا تو تم دونوں قربانی پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہوجائے گی وہی اس کا مستحق قرار پائیگا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ
کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا

حسد کی آگ:

قابیل یہ دیکھ کر آتش حسد میں جلنے لگا اور بجائے اسکے مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا غیظ وغضب میں اپنے حقیقی بھائی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾
وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیزگاروں سے

ہابیل کا جواب:

یعنی ہابیل نے کہا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے خدا کے یہاں کسی کی زبردستی نہیں چلتی تقویٰ چاہتا ہے۔ گویا میری نیاز جو قبول کرلی گئی اسکا سبب تقویٰ ہے تو بھی اگر تقویٰ اختیار کرلے تو خدا کو تجھ سے کوئی ضد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قبولیت کی نعمت:

حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ اگر یہ بات یقینی طور پر طے ہوجائے کہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوگئی تو میرے لئے وہ ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے زیادہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خط:

"میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور اہل تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا، اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا، اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں"

حضرت علیؓ کا ارشاد:

اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے، اور جو عمل مقبول ہوجائے وہ چھوٹا کیسے کہا جاسکتا ہے۔
(ابن کثیر، معارف القرآن مفتی اعظم)

حاسد کیلئے سبق:

قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ اللہ انہی کی (قربانی) قبول فرماتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ حاسد کو چاہئے کہ اپنی ناکامی کا سبب اپنی کوتاہی کو سمجھے اور جس سبب سے محسود کامیاب ہوتا ہے اس کو حاصل کرنیکی کوشش کرے محسود کے نصیب کے زوال کی کوشش نہ کرے اس سے حاسد کا نقصان ہی ہوگا۔ کچھ فائدہ نہوگا اور اطاعت اسی مؤمن کی قبول کی جاتی ہے جو ممنوعات اور بری حرکتوں سے بچتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت میں خلوص ہو۔

قربانی کس کی قبول ہوتی ہے:

آیت مذکورہ کی تفسیر میں ابن ابی شیبہ نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شاید اس آیت سے مراد یہ ہے کہ قربانی اسی کی قبول کی جاتی ہے جو دونوں میں حق پر ہو جو باطل پر ہو اس کی قربانی قبول نہیں کی جاتی۔

موسیٰ بن اعین سے اس آیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حلال چیزوں سے بھی حرام چیزوں (میں مبتلا ہوجانے) کے ڈر سے بچتے ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا تقویٰ کے ساتھ کوئی (چھوٹا اور تھوڑا) عمل بھی قلیل نہیں ہوتا جو عمل قبول ہوجائے وہ قلیل کیسے ہوسکتا ہے۔

ابن عسا کر نے ہشام بن یحییٰ کی روایت سے یحییٰ کا بیان نقل کیا ہے کہ کوئی مانے والا حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے

اپنے لڑکے کو حکم دیا اس کو ایک درہم دیدو لڑکے نے ایک درہم دے دیا جب سائل واپس چلا گیا تو بیٹے نے کہا ابا اس نے آپ کا دیا ہوا درہم قبول کرلیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سجدہ یا ایک درہم کا صدقہ قبول فرمالیا تو پھر موت سے زیادہ محبوب مجھے کوئی غائب چیز نہ ہوگی (ساری دنیا میرے پاس سے چلی جائے مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی میں موت کا مشتاق ہو جاؤنگا) تم جانتے ہو اللہ کس کا عمل قبول فرماتا ہے۔ صرف تقویٰ والوں کا قبول فرماتا ہے۔

ابن عساکر نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر میرے علم میں آجائے کہ اللہ میرا ایک عمل قبول فرما رہا ہے تو یہ بات زمین بھر سونے سے میرے لئے زیادہ محبوب ہوگی۔ حضرت عامر بن عبداللہ کے مرنے کا وقت آیا تو رونے لگے لوگوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں آپ تو ایسے ایسے، یعنی بڑے عبادت گذار تھے فرمایا میں نے سنا ہے اللہ فرماتا ہے کہ تقویٰ والوں کا عمل ہی اللہ قبول فرماتا ہے اور معلوم نہیں اس کی نظر میں میں تقویٰ والا ہوں یا نہیں ہوں۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ

اگر تو ہاتھ چلاویگا مجھ پر مارنے کو میں نہ

اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ

ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو

مظلوم کو اپنے بچاؤ کا حق ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ناحق کسی کو مارنے لگے اسکو رخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے۔ ورنہ جہاں انتقام و مدافعت میں شرعی مصلحت و ضرورت ہو وہاں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ مثلاً کافروں یا باغیوں سے قتال کرنا۔ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ۔

اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾

میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہان کا

امت محمدیہ کا پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھایا:

یعنی میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ جہاں تک شرعاً گنجائش ہے بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کروں۔ ایوب سختیانی فرماتے تھے کہ امت محمدیہ میں سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے (ابن کثیر) چنانچہ انہوں نے اپنا گلا کٹوا دیا لیکن اپنی رضا سے کسی مسلمان کی انگلی نہ کٹنے دی۔ (تفسیر عثمانی)

جرائم اور ان کی سزائیں:

دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو مطلقاً تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی جرم سے متعلق ہوں، تعزیرات ہند، تعزیرات پاکستان وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، وہ ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں پر مشتمل ہیں، لیکن شریعت اسلام میں۔ معاملہ ایسا نہیں بلکہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔

۱۔حدود ۲۔قصاص ۳۔تعزیرات، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لئے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں، اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لئے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لئے ضروری سمجھے وہ جاری کرے، یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا دے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کر دے، جیسا کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے، اور اس وقت تمام ممالک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے۔ تعزیری جرائم کی تفصیلات کے بیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں، سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے

عرف عام کی بناء پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آتے ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم وامیر کو ادنیٰ تغیر و تبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان ومکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر وحاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں، ۱۔ ڈاکہ ۲۔ چوری ۳۔ زنا ۴۔ تہمت زنا کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے۔ اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہوگئیں، جن کو حدود کہا جاتا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم وامیر کم یا معاف نہیں کرسکتا اسی طرح توبہ کرنے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معاف نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہوکر وہاں کا کھاتہ بیباک ہوجاتا ہے، ان میں سے صرف ڈاکہ کی سزا میں ایک استثناء ہے کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے کی توبہ پر اطمینان ہوجائے تو بھی یہ حد ساقط ہوجائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل سے ہو یا بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں۔ حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے

حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے کہ ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کرسکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی یہ سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لئے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہوجاتی ہے، بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہوجاتی ہے، اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ الحدود تندرء بالشبھات یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کردیا جاتا ہے۔

ایک اہم وضاحت:

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن صورتوں میں حد شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہوجائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرات پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا۔ اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجئے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوسکتا، مگر از روئے قانون شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ حاکم وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی یا چوری کے ثبوت کیلئے جو شرائط مقرر ہیں ان میں کوئی کمی یا شبہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہوسکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہوگیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسب حال دی جائیں گی۔ قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہے، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے، زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دیجائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، اگر صاحب حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا، اور حد ساقط نہ ہوگی۔ مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کردے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن وسنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم قتل ثابت ہوجانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کردیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے، اور اس کو قتل کرادے، اور چاہے معاف کردے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کرچکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لئے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاء مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرات بڑھ جائے گی۔ اور قتل کی وارداتیں عام ہوجائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولی مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کردیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لئے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کرسکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اپنا دفاع نہ کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ کا مقتول بندہ ہو

جا قاتل بندہ نہ ہو۔ اخرجہ ابن سعد فی الطبقات من حدیث عبد اللہ ہماری شریعت میں بھی خود سپردگی اور عدم دفاع جائز ہے جیسا حضرت عثمانؓ نے کیا ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں محاصرہ خانہ کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ کی مدد کرنے حاضر ہوا ہوں (آپ جس طرح حکم دیں مدد کر سکتا ہوں) فرمایا ابو ہریرہؓ کیا تم کو یہ بات پسند ہوگی کہ تم سب لوگوں کو جن کو اندر میں بھی شامل ہوں قتل کرا دو میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بس اگر ایک آدمی کو بھی قتل کرو گے تو گویا سب کو قتل کر دیا۔

نکتہ: لَئِنْ بَسَطْتَ کی جزا میں ہابیل نے مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ ارادہ قتل کی بھی نفی کر دی اور ارادہ قتل کا جس عمل سے ظہور ہو سکتا تھا اس کا بھی انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں قتل کے ارادے سے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ
میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ

ہابیل کی خود سپردگی:

یعنی میرے قتل کا گناہ بھی اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ حاصل کر لے۔ ابن جریر نے مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ "باثمی" کے معنی یہی ہیں۔ باقی جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے وہ مضمون بھی ایک حیثیت سے صحیح ہے۔ مگر محققین کے نزدیک وہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔ اب ہابیل کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ اگر تو نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ میرے قتل کا وبال اپنے سر رکھے تو میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ کوئی مدافعت اپنی جانب سے نہ کروں حتیٰ کہ ترک عزیمت کا حرف بھی مجھ پر نہ آنے پائے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن مظلوم اور ظالم کا معاملہ:

قیامت کے دن مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ظلم کے عوض دیدی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہونگی یا ادائے حقوق کے لئے کافی نہ ہونگی تو ظالم پر مظلوم کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائیگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت میں مفلس وہ آدمی ہوگا جو نماز، روزہ، زکوٰۃ (سب کچھ) لیکر آئے گا (لیکن) کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا، لہٰذا اس کی کچھ نیکیاں اس کو اور کچھ نیکیاں اس کو دیدی جائیں گی اور حقوق کی ادائیگی پوری پھر بھی نہ ہوگی اور نیکیاں باقی نہ رہیں گی تو حقداروں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائینگے۔ پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائیگا۔ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
پھر ہو جاوے تو دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا
الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۹﴾
ظالموں کی

یعنی تیرے عمر بھر کے گناہ تجھ پر ثابت رہیں اور میرے خون کا گناہ چڑھے اور مظلومیت کی وجہ سے میرے گناہ اتریں۔ (موضح القرآن)

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ
پھر اس کو راضی کیا اسکے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے

نفس کی کارستانی:

شاید ابتدا میں کچھ جھجک ہوگی۔ شدہ شدہ نفس امارہ نے خیال پختہ کر دیا اور یہی کیفیت عموماً معاصی کی ابتدا میں ہوتی ہے۔

فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾
پھر اسکو مار ڈالا سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں

قتل و قطع رحم کی سزا:

دنیوی خسران تو یہ کہ ایسا نیک بھائی جو قوت بازو بنتا ہاتھ سے کھویا اور خود پاگل ہو کر مرا۔ حدیث میں ہے کہ ظلم اور قطع رحم دو گناہ ایسے ہیں جنکی سزا آخرت سے پہلے یہاں بھی ملتی ہے اور اخروی خسران یہ کہ ظلم، قطع رحم، قتل عمد اور بدامنی کا دروازہ دنیا میں کھول دینے سے ان سب گناہوں کی سزا کا مستوجب ہوا اور آیندہ بھی جتنے اس نوعیت کے گناہ دنیا میں کئے جائیں گے سب میں بانی ہونے کی وجہ سے اسکی شرکت رہی جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ
پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو

لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ
تا کہ اسکو دکھلاوے کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی بولا
يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
اے افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کے
الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ
کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی

دفن کا طریقہ کوے نے بتلایا:

چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لئے قتل کے بعد اسکی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے۔ آخر ایک کوے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے۔ اسے دیکھ کر کچھ عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دوں اور افسوس بھی ہوا کہ میں عقل وفہم اور بھائی کی ہمدردی میں اس جانور سے بھی گیا گذرا ہوا شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ جانور کے ذریعہ سے اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی وحشت اور حماقت پر کچھ شرمائے۔ جانوروں میں کوے کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کھلا چھوڑ دینے پر بہت شور مچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾
پھر لگا پچھتانے

قابیل کی ندامت:

پچھتانا وہ نافع ہے جس کے ساتھ گناہ سے معذرت وانکسار اور فکر وتدارک بھی ہو۔ اس موقع پر اسکا پچھتانا حق تعالیٰ کے عصیان پر نہیں بلکہ اپنی بدحالی پر تھا جو قتل کے بعد اسے لاحق ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

کوے کو دفن کرنے کی تدبیر بتائی اور براہ راست قابیل کو نہیں بتائی بلکہ کوے کو رہنما بنایا یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کی نظر میں قابیل کوے سے بھی زیادہ حقیر تھا اسی لئے تو کوے کو اس کا معلم اور اسکو کوے کا شاگرد بنایا۔

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ بعض نے قتل پر پشیمان ہونا مراد لیا ہے قتل پر پشیمان ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کو اپنے اس جرم پر ندامت ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ میں نے گناہ کا کام کیا بلکہ ندامت اس بات پر ہوئی کہ قتل کرنے کی وجہ سے ماں باپ کو بھی ناراض کیا اور فائدہ بھی کچھ نہ ہوا۔

قتل کے بعد زلزلہ:

مطلب بن عبداللہ بن حنطب کا بیان ہے کہ جب آدمؑ کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو زمین میں لرزہ آ گیا پھر پانی کی طرح مقتول کا خون زمین نے پی لیا (سطح زمین پر خون کا کوئی نشان نہیں رہا) اور اللہ نے قابیل کو ندا کی کہ تیرا بھائی کہاں ہے۔ قابیل نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ میں اس کا نگراں نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا تیرے بھائی کا خون مجھے زمین سے پکار رہا ہے تو نے کس وجہ سے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ قابیل نے کہا۔ اگر میں نے اس کو قتل کیا ہے تو اس کا خون کہاں ہے (اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا) اسی دن سے اللہ نے خون کو زمین میں جذب ہونے کی ممانعت کر دی۔

قتل کے بعد قابیل کی حالت:

روایت میں آیا ہے کہ قتل کے بعد قابیل کا بدن کالا پڑ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے بھائی کے متعلق دریافت کیا تو قابیل نے کہا میں اس کا ذمہ دار نہ تھا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ تو نے اس کو قتل کیا ہے اسی وجہ سے تیرا بدن کالا ہو گیا۔ حضرت آدمؑ قابیل سے بیزار ہو گئے اور اس کے بعد سو برس تک کبھی نہیں ہنسے۔

قتل کا اثر درختوں، پھلوں، کھانوں اور پانی پر:

مقاتل بن سلیمان نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس زمانہ میں حضرت آدمؑ مکہ میں تھے قتل ہونے کے بعد درخت خاردار ہو گئے۔ کھانے سڑنے لگے، پھلوں میں ترشی پیدا ہو گئی، پانی شور ہو گیا اور زمین غبار آلود بن گئی (یعنی ہابیل کی شہادت سے پہلے ایسی کوئی بات نہ تھی نہ درختوں میں کانٹے ہوتے تھے نہ کھانا سڑتا تھا نہ پھلوں میں ترشی نہ پانی میں نمکینی تھی نہ زمین پر غبار ہوتا تھا) حضرت آدمؑ نے فرمایا زمین پر ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے۔ چنانچہ آپ ہندوستان آ گئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا ہے۔ آپ فوراً یہ شعر پڑھنے لگے۔ سب سے پہلے آپ نے ہی شعر کہے ہیں۔ (ترجمہ)

بستیاں اور بستیوں کے رہنے والے بدل گئے۔ روئے زمین غبار آلود اور بدنما ہو گیا۔ ہر مزہ دار چیز کا مزہ اور رنگدار چیز کا رنگ بگڑ گیا اور خوبصورت چہروں کی شگفتگی معدوم ہو گئی۔

حضرت شیث علیہ السلام:

ہابیل کی شہادت کے پانچ سال بعد جب حضرت آدمؑ کی عمر ایک سو

تیس برس کی ہوگئی تو حضرت حوا کے بطن سے شیث علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کا نام ہبۃ اللہ تھا یعنی آپ ہابیل کے قائم مقام ہوئے۔ اللہ نے آپ کو رات دن کی ساعتوں کا علم دیا اور ہر ساعت کی ایک عبادت کی تعلیم دے دی۔ اللہ نے آپ پر پچاس صحیفے نازل فرمائے اور آپ حضرت آدمؑ کے وصی اور جانشین قرار پائے۔

قابیل کا انجام:

قابیل کا قصہ یہ ہوا کہ اس سے کہہ دیا گیا جا مردود، مارا مارا پھر، تجھے امن نصیب نہ ہو، تو جس کو دیکھے اس کی طرف سے مطمئن نہ رہے۔ قابیل اپنی بہن اقلیما کا ہاتھ پکڑ کر عدن علاقہ میں بھاگ گیا۔ وہاں اس سے ابلیس نے آکر کہا ہابیل چونکہ آگ کو پوجتا تھا اس لئے آگ نے اس کی قربانی کھالی تو بھی آگ (کے لئے آتشکدہ) قائم کر، تاکہ آگ تیرے اور تیری نسل کے لئے ہوجائے قابیل نے حسب مشورہ آتشکدہ بنادیا اور سب سے پہلے اسی نے آگ کی پوجا کی۔ قابیل کی اولاد نے آلات لہو بانسری ڈھول، باجے، عود اور طنبورے بنائے اور لہو ولعب، شراب خواری، زنا، عیاشی اور آتش پرستی میں منہمک ہوگئے آخر حضرت نوح کے زمانہ میں اللہ نے سب کو طوفان بھیج کر غرق کردیا اور حضرت شیث کی نسل باقی رہ گئی۔

ہر قتل میں قابیل کا حصہ ہے:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدمؑ کے پہلے بیٹے کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ قتل کا دستور سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا ہے۔ رواہ البخاری وغیرہ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمروؓ کا قول لکھا ہے کہ آدمؑ کا قاتل بیٹا (دوسرے) دوزخیوں کے عذاب کا آدھا حصہ صحیح طور پر تقسیم کر کے اپنے لئے لے گیا۔ (یعنی سارے دوزخیوں کا آدھا عذاب اس پر ہوگا)

ایک سال تک بھائی سے قطع تعلق کرنا:

ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھے گا (یعنی قطع تعلق رکھے گا) وہ اللہ کے سامنے قابیل کے گناہ کا حامل ہو کر جائیگا۔ سوائے دوزخ میں داخلہ کے اس کو قابیل سے کوئی چیز جدا نہیں کریگی (یعنی قیامت کے دن وہ قابیل کا ساتھی ہوگا، مگر دوزخ میں قابیل سے الگ ہوگا کیونکہ قابیل کا عذاب سخت اور طویل ہوگا) (تفسیر مظہری)

قابیل سال بھر لاش اٹھائے پھرا:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ مروی ہے کہ سال بھر تک تو قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے پھرتا رہا پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کرسکا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مار کر وہ پھر بہت پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔

قاتل ومقتول دونوں جہنمی:

صحیحین میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس وقت جب کہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو گھیر کر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عنقریب فتنہ برپا ہوگا بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑا رہنے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ کسی نے پوچھا حضور! اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدمؑ کے بیٹے کی طرح ہوجا۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا

اسی سبب سے لکھا ہم نے

قتل کے نقصان:

یعنی ناحق قتل میں جو دنیوی اور اخروی خسران ہے اور جو بدنتائج اس پر مرتب ہوتے ہیں حتی کہ خود قاتل بھی اس حرکت کے بعد بسا اوقات پچھتاتا اور کف افسوس ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت کی کہ!

عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا

بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ

یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں

فساد کی صورتیں:

ملک میں فساد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اہل حق کو دین حق سے روکے یا پیغمبروں کی اہانت کرے یا "العیاذ باللہ" مرتد ہو کر اپنے وجود سے دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے وقس علیٰ ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فساد کے تحت حربی کافروں کا فساد، رہزنوں کی رہزنی اور زنا وغیرہ داخل ہے یعنی ان اشیاء کے بغیر اگر کسی نے قتل کیا تو گویا سب آدمیوں کو مار ڈالا۔

عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جس نے کسی نبی یا خلیفہ وقت کو قتل کیا اس نے گویا سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے کسی پیغمبر یا خلیفہ، عادل کی مدد کی اس نے گویا سب لوگوں کو زندہ کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا
تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا
فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ
ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو

ایک کا قتل پوری انسانیت کا قتل:

یعنی اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ اسکے بعد رسم پڑگئی اسی سبب سے توریت میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کو بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا مثلاً ناحق قتل سے ڈوبنے سے جلنے سے دیوار کے نیچے دبنے سے بچالیا اس کا ثواب اتنا بڑا ہوگا جیسے اس نے سب آدمیوں کو بچالیا۔ حسن نے کہا ایک آدمی کو بھی ناحق قتل کرنے سے اسی طرح قصاص واجب ہوگا جس طرح سب لوگوں کو قتل کرنے سے واجب ہوتا۔ اور جس نے ایک (واجب القصاص قاتل) کو معاف کر دیا۔ قصاص نہ لیا تو گویا اس نے سب کو زندگی عطا کی۔

تمام اقوال کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ نے قتل نفس اور احیاء نفس کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے تاکہ قتل سے لوگ بچتے رہیں اور احیاء نفس کی کوشش کریں۔

ایک مؤمن کا ناحق خون:

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کل) دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک ایک مومن کے ناحق خون کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجہ بسند حسنؒ۔ بیہقی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ اگر (تمام) آسمانوں والے اور (کل) زمین والے ایک مومن کے خون میں شریک ہو جائیں تو سب کو اللہ دوزخ میں بھیج دیگا۔

بیہقی کی دوسری روایت میں ناحق خون بہانے کا لفظ آیا ہے۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ابن ماجہ کی روایت کی طرح حدیث نقل کی ہے کہ نسائی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک مومن کا قتل (کل) دنیا کے زوال سے بھی بڑا ہے۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے تو کیسا پاکیزہ ہے۔ تیری خوشبو کیسی اچھی ہے تیری عظمت کس قدر بڑی ہے۔ تیری عزت کتنی عظیم ہے لیکن قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے مال وخون کی عزت وحرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ
اور لا چکے ہیں انکے پاس رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم

واضح حکم:

مترجم رحمہ اللہ نے "بینات" سے کھلے ہوئے حکم مراد لئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بینات سے وہ کھلے کھلے نشان مراد لئے جائیں جن سے کسی پیغمبر کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہو۔

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ
پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی ملک میں دست درازی
لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲
کرتے ہیں

بنی اسرائیل کا مزاج فساد وخونریزی ہے:

یعنی بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ ایسے کھلے نشان دیکھ کر اور ایسے کھلے احکام سن کر بھی اپنے ظلم وطغیان اور دست درازیوں سے باز نہ آئے انبیائے معصومین کو قتل اور آپس میں ناحق خون کرنا انکا ہمیشہ سے وطیرہ رہا

ہے اور آج بھی خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل یا ایذاء رسانی اور مسلمانوں کی تذلیل کیلئے ہر قسم کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حکم توراۃ کے موافق۔ کیف ما اتفق کسی ایک آدمی کا ناحق مارڈالنا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اسکا قاتل تمام دنیا کے انسانوں کا قاتل ہے تو دنیا کے سب سے زیادہ کامل واکمل انسان اور سب سے زیادہ مقبول ومقدس جماعت کے قتل وایذا رسانی کے درپے ہونا اور ان سے لڑائی اور مقابلہ کیلئے کمر باندھنا خدا کے نزدیک کتنا بھاری جرم ہوگا۔ خدا کے سفراء سے لڑائی تو درحقیقت خدا ہی سے لڑائی کرنا ہے شاید اسی لئے اگلی آیت میں ان لوگوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا اور پیغمبر سے لڑائی کرتے ہیں یا دنیا میں طرح طرح کے فساد پھیلا کر " مسرفون فی الارض " کے مصداق بنتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
یہی سزا ہے ان کی جولڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اسکے رسول سے
وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو

بدامنی:

یعنی بدامنی کرنے کو اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہوجاتا ہے۔ آیہ کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو انکے عموم پر رکھا جائے " اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنا " یا " زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا یہ دولفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل ونہب، مجرمانہ سازش اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہوسکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ:

اللہ سے لڑنے کا معنی ہے اللہ کے بندوں سے جنگ کرنا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راہ زندگی کا محافظ ہے اور اسکے جانشین خلیفہ ہوں یا بادشاہ رسول کے نائب ہیں (ان سب سے جنگ اللہ سے جنگ ہے) یا اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کرنے سے مراد ہے دونوں کے احکام کی مخالفت اور اللہ کی قائم کی ہوئی حرمت مالی و جانی میں رخنہ اندازی،

بیضاوی نے لکھا ہے حرب کا اصلی معنی ہے چھیننا۔ قاموس میں ہے کہ حرب کا معنی معروف ہے، یعنی جنگ۔

شانِ نزول:

خرائطی نے مکارم الاخلاق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے (لیکن مدینہ کی آب وہوا انکو موافق نہ آئی) ہاتھ پاؤں سوکھ گئے چہرے زرد پڑ گئے اور پیٹ بڑے ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ (پڑاؤ پر جنگل میں) رہنے کا حکم دیا تا کہ اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں (وہ چلے گئے) اور دودھ وغیرہ پی کر تندرست اور موٹے ہوگئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے اور مرتد ہوگئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آکر اطلاع دی اور (مشورہ دیا کہ کسی کو ان کا تعاقب میں روانہ کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے پیچھے لوگوں کو روانہ کر دیا۔ جبرئیلؑ نے یہ بھی کہا کہ آپ ان الفاظ سے دعا بھی کیجئے۔ اے اللہ بلاشبہ آسمان تیرا آسمان ہے۔ زمین تیری زمین ہے۔ مشرق تیرا اور مغرب تیرا ہی ہے۔ اللہ ان پر زمین کو باوجود فراخ ہونے کے تنگ کردے یہاں تک کہ تو ان کو میرے قابو میں دیدے آخر لوگ ان کو گرفتار کر کے لے آئے۔ اس پر یہ آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ اللہ نے نازل فرمائی۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ
کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ
کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے

سزائیں: یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ
یا دور کر دیئے جاویں اس جگہ سے

کہیں اور لیجا کر انہیں قید کر دیں کما ہو مذہب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

جبرئیل نے حکم دیا کہ جس نے مال چھینا ہو اور قتل کیا ہو اس کو صلیب دی جائے اور جس نے صرف قتل کیا ہو اس کو صرف قتل کیا جائے اور جس

نے صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے مگر دونوں ایک طرف کے نہیں بلکہ ایک دایاں اور دوسرا بایاں۔

فرار و گم شدہ کی واپسی:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر کوئی غلام بھاگ جائے یا کوئی جانور یا آدمی گم ہو جائے تو یہ دعا پڑھی جائے اور کسی چیز پر لکھ کر کسی صاف پاک مقام میں دفن کی جائے اللہ ضرور فراری یا گم شدہ پر قابو عنایت فرما دیگا۔

حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکا دکا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اسی لئے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنیوالے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: ڈاکو ایک شخص ہو یا گروہ بہر طور ایسا طاقتور ہونا چاہئے کہ مقابلہ کر رہا ہو اور کر سکتا ہو اس لئے وہ اچکے جو قافلہ کے پچھلے حصہ پر حملہ کر کے مال لیکر راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور وہ لوگ جو چند آدمیوں پر اپنی قوت (جسمانی) کی وجہ سے غالب آ جاتے ہیں قافلہ کے ڈاکو نہیں قرار پائیں گے۔ ہاں جن کو لوٹا ہوگا انکے لحاظ سے ہم ان کو راہزن اور ڈاکو کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکو کے اندر مقابلہ کی طاقت ہونا ضروری ہے۔ یہ شرط خود آیت سے مستفاد ہے کیونکہ محاربت اور ملک میں فساد بغیر مقابلہ کی طاقت ہونے کے ممکن نہیں۔

فائدہ: باتفاق علماء اس آیت میں محاربین مفسدین سے مراد راہزن ڈاکو ہیں۔ خواہ مسلمان ہوں یا ذمی ہوں اس مسئلہ پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص شہر سے باہر نکل کر ڈرانے کے لئے ہتھیار نکالے اور مقام ایسا ہو کہ وہاں حکومت یا راہ گیروں کی طرف سے مدد نہ پہنچ سکتی ہو وہ محارب اور راہزن ہے۔ اس پر اس آیت کے احکام جاری کئے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي
یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے
الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾
آخرت میں بڑا عذاب ہے

چار حالتیں چار سزائیں:

ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے۔

۱۔ قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی

۲۔ قتل بھی کیا اور مال بھی لیا

۳۔ مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا

۴۔ نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قاصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہ ہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اَوْ کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، چند چیزوں میں اختیار دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور تقسیم کار کے لئے بھی، اسی لیے فقہاء امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف اَوْ کو تخییر کے لئے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیبؒ، عطاءؒ، داؤدؒ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ، نخعیؒ، مجاہدؒ، اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور ایک جماعت صحابہؓ و تابعینؒ نے حرف اَوْ کو اس جگہ تقسیم کار کے معنے میں لیکر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی، اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آ رہے تھے، ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لیکر نازل ہوئے، کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے، اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے، اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں، اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے، اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہو گیا، اس کو جلاوطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دارالاسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلا واسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو، اور اگر کسی کو قتل بھی

کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا ہے، یعنی ان کو سولی چڑھایا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیئے جائیں، اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلاواسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سزا سب کے لئے یہی ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون وامداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لئے سب شریک جرم ہیں، اور اگر ابھی تک قتل وغارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا، کہ پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے تو ان کی سزا اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے، یعنی انکو زمین سے نکال دیا جائے۔

زمین سے نکالنے کا مطلب:

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لئے ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے، یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔

سوال: رہا یہ سوال کی اس طرح کے مسلح حملوں میں آجکل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل وخوں ریزی ہی پر اکتفاء نہیں ہوتا، بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغواء وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے تو وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے۔

جواب: اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام وامیر کو اختیار ہوگا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حد زنا جاری کرے۔

جواب: اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

شرعی سزا بغیر توبہ کے آخرت کی سزاء سے بچاؤ نہیں

آخر آیت میں فرمایا!

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یعنی یہ سزا شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے، یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے، اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود وقصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کر لے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ

میں ایک استثناء ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت و طاقت بحال ہے، اس حالت میں اگر توبہ کر کے رہزنی سے خود ہی باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

مکحول کی روایت ہے کہ قید خانہ میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے (ڈاکو کو) بند کیا اور فرمایا میں اس وقت تک ان کو بند رکھوں گا۔ جب تک توبہ نہ کر لیں۔ یہاں سے نکال کر دوسرے شہر میں نہیں بھیجونگا کہ وہاں لوگوں کو دکھ پہنچائیں۔

قتل اور ڈکیتی کی سزا:

قتل کے عوض قتل، مال لینے کے عوض، ہاتھ کٹنا اور دونوں جرم ہوں تو قتل کے ساتھ صلیب بھی دینا تقاضائے عقل کے مطابق بھی ہے۔

اگر قتل یا مال چھیننے کا ارتکاب ایک نے کیا ہو باقی مددگار ہوں، مرتکب جرم نہ ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک شرعی سزا سب کو دیجائے گی۔ امام مالکؒ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے یہ سزا محاربت (اللہ کے خلاف جنگی کوشش) کی ہوگی۔ کیونکہ اس کوشش میں سب باہم مددگار ہیں۔ ایک کا بھی پاؤں اکھڑ جائے تو سب بھاگ اٹھیں اور چونکہ سب کے قدم جمے ہوئے ہیں اس لئے سب مجرم ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ قتل کا وقوع ہوا ہو۔

امام اعظمؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک سزا ہے چونکہ سبب سخت ہے اس لئے سزا بھی سخت ہے قتل کرنے اور مال چھیننے کی وجہ سے ڈاکو امن عام کو انتہائی طور پر تباہ کرتا ہے اس لئے اس کو سخت سزا دیجانی چاہئے اسی لئے بڑی چوری میں ہاتھ اور پاؤں کو کاٹنا ایک سزا قرار دیا جاتا ہے اور چھوٹی چھوٹی چوریوں میں دو سزائیں تجویز کی جاتی ہیں (ہاتھ کاٹنا ایک سزا، پاؤں کاٹنا دوسری سزا، اور جب سزا ایک ہے (خواہ کتنی ہی سخت ہے مگر ہے ایک) تو تداخل ممکن نہیں کیونکہ تداخل دو سزاؤں میں ہوتا ہے ایک میں نہیں ہوتا۔

سولی پر لٹکانے کی مدت:

امام اعظمؒ کے نزدیک تین دن سے زائد صلیب پر لٹکا نہ چھوڑا جائے اس سے زیادہ چھوڑنے سے لاش بگڑ جائیگی اور لوگوں کو دکھ ہوگا۔ امام ابو

یوسفؒ کے نزدیک تختہ پر اس وقت تک لٹکا رکھا جائے کہ خود ٹوٹ کر گر پڑے تاکہ لوگوں کو عبرت ہوتی رہے۔ ہم کہتے ہیں عبرت آفرینی تو صرف صلیب پر لٹکانے سے ہی ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر ڈاکو نے قتل نہ کیا ہو اور مال بھی نہ لیا ہو، صرف زخمی کر دیا ہو تو جو قابلِ قصاص زخم ہوگا اس کا قصاص (بدلہ) لیا جائیگا اور جو قابل تاوان زخم ہوگا اس کا مالی معاوضہ لیا جائے گا۔ اور لینے نہ لینے کا اختیار مجروح کو ہوگا وہ چاہے تو معاف کر دے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس جرم کی کوئی شرعاً مقرر سزا نہیں صرف حق عبد کا اس سے تعلق ہے، لہٰذا مجروح کو اختیار ہوگا، لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ اس جرم کی کوئی شرعی سزا نہیں، قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ ڈرانا دھمکانا تو موجود ہے اور (مال لینے اور قتل کرنے کے بغیر صرف ڈرانے دھمکانے کی شرعی سزا شہر بدر کر دینا مقرر رہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے
عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾
تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کا حق توبہ سے معاف ہو جاتا ہے:

یعنی مذکورہ بالا سزا میں جو حدود اور حق اللہ کے طور پر تھیں وہ گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہونگے۔ مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہوگا، قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائیگا۔ ہاں ان چیزوں کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہے (تنبیہ) اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

ڈاکوں کی سزا:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے، راستوں کو پُرخطر بنادے، امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔

ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے اگر اسکی سند صحیح ہو تو، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنھوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنادیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے، اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطرہ راہ اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے، اسے سولی چڑھا دو۔

قبیلہ مُراد کا ایک آدمی:

قبیلہ مُراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوفہ! میں فلاں بن فلاں مرادی قبیلہ کا ہوں، میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی لڑی۔ زمین میں فساد کی کوشش کی، لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں۔ اس سے پہلے میں تائب ہو گیا، اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں، اس پر حضرت ابو موسیٰؓ کھڑے ہوگئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے، اگر یہ سچا ہے تو الحمدللہ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اس کو ہلاک کر دیں گے، یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر نکل کھڑا ہوا۔ خدا نے بھی اسکے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مارڈالا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قبیلہ عکل کا آدمی:

بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا۔ چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مارڈالا، اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور انکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

توبہ کی اجازت کی حکمت:

ایک طاقت ور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا اس لئے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا، کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قتل نفس ایک انتہائی سزا ہے، اس میں قانون اسلام کا رخ یہ ہے کہ اس کا وقوع کم سے کم ہو اور ڈاکہ کی صورت میں ایک جماعت کا قتل لازم آتا ہے اس لئے ترغیبی پہلو سے ان کو اصلاح کی دعوت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھی گئی۔

علی اسدی کی توبہ:

اسی کا یہ اثر تھا کہ علی اسدی جو مدینہ طیبہ کے قرب میں ایک جتھہ جمع کر کے آنے جانے والوں پر ڈاکہ ڈالتا تھا، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اس کے کان میں پڑ گئی،

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

قاری کے پاس پہنچے، اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی دوسری مرتبہ آیت سنتے ہی اپنی تلوار میان میں داخل کی اور رہزنی سے توبہ کر کے مدینہ طیبہ پہنچے، اس وقت مدینہ پر مروان بن حکم حاکم تھے، حضرت ابو ہریرہؓ ان کا ہاتھ پکڑ کر امیر مدینہ کے پاس لے گئے، اور قرآن کی آیت مذکورہ پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔ حکومت بھی ان کے فساد و رہزنی سے عاجز ہو رہی تھی سب کو خوشی ہوئی۔

حارثہ بن اسد:

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا، اور قتل وغارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

حد کی معافی سے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے:

یہاں یہ بات قابل یاداشت ہے کہ حد شرعی کے معاف ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں، بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے، البتہ چونکہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاء مقتول یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا، اور جو کوئی مالی نقصان کسی کو پہونچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا لازم ہے، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات یوں بھی ظاہر ہے کہ حقوق العباد سے خلاصی حاصل کرنا خود توبہ کا ایک جزء ہے، بدون اس کے توبہ ہی مکمل نہیں ہوتی اس لئے کسی ڈاکو کو تائب اسی وقت مانا جائے گا جب وہ حقوق العباد کو ادا یا معاف کرالے۔ (تفسیر مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک

اَلْوَسِيْلَةَ
وسیلہ

وسیلہ ڈھونڈنا:

وسیلہ کی تفسیر ابن عباس مجاہد ابو وائل حسن وغیرہم اکابر سلف نے قربت سے کی ہے تو وسیلہ ڈھونڈھنے کی معنی یہ ہونگے کہ اسکا قرب و وصول تلاش کرو۔ قتادہ نے کہا ای تقربوا الیہ بطاعتہ والعمل بما یرضیہ خدا کی نزدیکی حاصل کرو اسکی فرمانبرداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا غفل الواشون عدنا لوصلنا　　　وعاد التصافی بیننا والوسائل

اسمیں یہ معنی قرب واتصال کے مراد ہیں۔

جنت کا اعلیٰ مرتبہ:

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک نہایت ہی اعلیٰ منزل ہے جو دنیا میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اذان کے بعد میرے لئے خدا سے وہ ہی مقام طلب کیا کرو۔ تو اس مقام کا نام بھی وسیلہ اسی لئے رکھا گیا کہ جنت کی تمام منزلوں میں وہ سب سے زیادہ عرش رحمٰن کے قریب ہے اور حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سب سے بلند واقع ہوا ہے۔

اللہ کا ڈر: بہر حال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیئے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اسکی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو اسی لئے اتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ فرمایا۔ یعنی اسکی ناخوشی اور بعد دحجر سے ڈر کر قرب و وصول حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب ہم اسی وقت ہو سکتے ہیں۔ جبکہ درمیانی راستہ قطع کر لیں جس پر چل کر اس کے پاس پہنچ سکتے ہوں۔ اسی کو فرمایا وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ جہاد کرو اسکی راہ میں۔ یعنی اس پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم اسکی نزدیکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکو۔ (تفسیر عثمانی)

اذان کی دُعاء: صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اذان سن کر اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ الخ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے، جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو، ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائیں گے پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ

سے وسیلہ طلب کرو، وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا، مجھے امید ہے وہ بندہ میں ہی ہوں، پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مقامِ محمود: ایک اور بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے منبر کوفہ پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید ایک زرد، زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے جس میں ستر ہزار بالاخانے ہیں جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے اسکے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑے ہیں، اسی کا نام وسیلہ ہے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لئے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ لفظ وسیلہ میں محبت ورغبت کا مفہوم شامل ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وسیلہ کے درجات میں ترقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر موقوف ہے، اور محبت پیدا ہوتی ہے اتباع سنت سے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اس لئے جتنا کوئی اپنی عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرے گا اتنا ہی اللہ کی محبت اس کو حاصل ہوگی، اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو جائے گا۔ اور جتنی زیادہ محبت بڑھے گی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

شخصیات کا وسیلہ: لفظ وسیلہ کی لغوی تشریح اور صحابہ و تابعین کی تفسیر سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا ذریعہ بنے وہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا وسیلہ ہے، اس میں جس طرح ایمان اور عمل صالح داخل ہیں اسی طرح انبیاء و صالحین کی صحبت و محبت بھی داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہے، اور اسی لئے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا درست ہوا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعاء مانگی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

نابینا صحابی کی دُعاء:

اور ایک روایت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک نابینا صحابی کو اس طرح دعا مانگنے کی تلقین فرمائی اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ (منار) (معارف القرآن مفتی اعظم)

اولیائے امت کی مقام وسیلہ تک رسائی:

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مرتبہ وسیلہ تو براہ راست (بغیر کسی دوسرے کے ذریعہ کے) مخصوص ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے دوسرے اولیاء امت اور کاملین کے لئے بھی وہاں تک رسائی ممکن ہے (احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مرتبہ وسیلہ تک کسی دوسرے کی رسائی کی نفی نہیں کی گئی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خصوصیات کو ظاہر کیا گیا ہے) اس مقام کی زیادہ تفصیل وتوضیح کے لئے دیکھو "مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی" یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ وسیلہ کا اطلاق تمام مراتب قرب پر عموماً کیا گیا ہو (قرب الٰہی کا ہر درجہ وسیلہ ہو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وسیلہ کی اپنے لئے مخصوص طور پر طلب فرمائی، وہ تمام مراتب قرب میں چوٹی کا درجہ ہو۔ واللہ اعلم۔

معیت الٰہی کی خاص کیفیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں ظاہر فرمایا ہے کہ میرے لئے اللہ کی معیت میں (یعنی اللہ کے قرب کے مرتبہ میں) ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جس میں میرے ساتھ کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی (یعنی تنہا میں ہی اس وقت اس چوٹی کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہوں) یہ سیر صرف محبت سے وابستہ ہے۔ محبت اتباع سنت کا ثمرہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾
اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو

ربطِ آیات: پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی واخروی سزائیں فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو ان سزاؤں سے ڈرا کر بتلایا گیا کہ جب شقی اور بدبخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہو کر جہاد کرو۔ وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن وسکون قائم کرنے کی فکر کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی
جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ
الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ
زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ

دیں اپنے قیامت کے عذاب سے تو ان سے قبول نہ ہوگا

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے

آخرت کی کامیابی تقوی سے مل سکتی ہے:

پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے اس کا قرب حاصل کرنے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح وکامیابی کی امید کرسکتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ فرمادیا کہ جن لوگوں نے خدا سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کرڈالینگے اور فدیہ دیکر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی تقوی ابتغائے وسیلہ جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

زمین بھر کا خزانہ دیکر بھی نجات نہ ہوسکے گی:

حضرت انسؓ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے قیامت کے دن جس دوزخی کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس زمین بھر کی تمام چیزیں ہوجائیں تو کیا اس عذاب سے چھوٹنے کے لئے تو وہ تمام چیزیں دے دیگا۔ دوزخی کہے گا۔ بے شک اللہ فرمائے گا جب تو آدم کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت ہی زیادہ حقیر بات کی طلب کی تھی وہ یہ تھی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دینا مگر دنیا میں پہنچنے کے بعد تو نے سوائے شرک کے ہر چیز کو ماننے سے انکار کردیا۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ

چاہیں گے کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ اس سے

بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے

کفار کبھی جہنم سے نہیں نکل سکیں گے:

احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ بہت سے گناہ گار مومنین ایک مدت تک دوزخ میں رہ کر پھر نکالے جائینگے اور حق تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے جنت میں داخل کریگا۔ یہ آیت ان احادیث کی مخالف نہیں کیونکہ یہاں شروع آیت سے صرف کفار کا حال بیان کیا گیا ہے مومنین کے متعلق اس آیت میں کوئی حرف نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا

اور چوری کرنیوالا مرد اور چوری کرنیوالی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ

چور کی سزا: یعنی پہلی مرتبہ چوری کرے تو داہنا ہاتھ گٹے پر سے کاٹ دو۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ملیں گی۔ پچھلے رکوع میں ڈکیتی وغیرہ کی سزا ذکر کی گئی تھی۔ درمیان میں بعض مناسبات کی وجہ سے جن کو ہم بیان کرچکے ہیں، مومنین کو چند ضروری نصائح کی گئیں۔ اب پھر اسی پچھلے مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی وہاں ڈکیتی کی سزا مذکور ہوئی تھی۔ اس آیت میں چوری کی سزا بتلادی۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری ومسلم میں حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے۔ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہوگیا اس نے چوری کرلی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ساتھ عورت کا بھی ذکر کردیا۔

نکتہ: اس آیت میں مرد کا ذکر پہلے اور حد زنا کی آیت میں عورت کا ذکر پہلے اسلئے کیا کہ چوری کے لئے جرات کی ضرورت ہے جو مردوں میں زیادہ ہوتی ہے اور زنا کا مدار شہوت پر ہے جو عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ہاتھ چوری کا آلہ ہے لیکن زنا کی سزا میں آلہ زنا کاٹنے کا حکم نہیں دیا گیا تاکہ قطع نسل نہ ہو۔

ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے:

ہاتھ کا اطلاق پورے ہاتھ پر مونڈھے تک ہوتا ہے اسی لئے خوارج کے نزدیک چور کا ہاتھ مونڈھے سے کاٹنے کا حکم ہے۔

لیکن امت اسلامیہ کا عمل ہمیشہ سے یونہی چلا آیا ہے اور اسی پر اجماع ہوچکا ہے کہ پہنچے سے ہاتھ کاٹا جائے۔ عمل متوارث اور ایسے اجماع کے لئے کسی سند اور خصوصی دلیل کی ضرورت نہیں۔ (پوری امت کا اتفاق آرا گمراہی پر نہیں ہوسکتا) خصوصی طور پر کچھ احادیث بھی آئی ہیں جن کے اندر پہنچے سے ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے۔

ابن ابی شیبہ نے رجاء بن حیوۃ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوڑ سے (ایک شخص کی) ٹانگ کٹوائی تھی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یہ بھی لکھا ہے حضرت عمرؓ اور حضرت

علیؓ نے جوڑ سے ہاتھ کٹوائے تھے۔

حضرت صفوانؓ مسجد میں سو رہے تھے کسی شخص نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کٹوا دیا۔ رواہ مالک فی الموطا و احمدو الحاکم و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه صاحب تنقیح نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح مختلف طریقوں سے آئی ہے اور الفاظ بھی مختلف روایات میں کچھ مختلف ہیں، اگرچہ بعض سلسلے منقطع اور بعض کچھ ضعیف ہیں (مگر بحیثیت مجموعی حدیث صحیح ہے) (تفسیر مظہری اردو جلد۳)

جہاں تک ہو سکے حدود کو ساقط کرو:

حضرت عائشہؓ کی روایت سے شافعی اور ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود (شرعی سزاؤں) کو ساقط کرو۔ مسلمان کے لئے خلاصی کا اگر کوئی بھی راستہ نکل سکتا ہو تو اس کو رہا کر دو۔ کیونکہ غلطی سے معاف کر دینا سزا میں خطا کرنے سے حاکم کے لئے بہتر ہے۔

ابن ماجہ نے حسن سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم کو دفع کرنیکا راستہ ملے اللہ کے بندوں سے حدود کو دفع کرو۔ حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حدود کو دفع کرو مگر امام کے لئے حدود کو معطل کر دینا جائز نہیں (کہ کامل ثبوت کے بعد بھی سزا نہ دے) رواہ الدار قطنی والبیہقی بسند حسن اجماع علماء ہے کہ حدود کو شبہات کی وجہ سے ساقط کر دیا جائے۔

مسئلہ: لٹیرے اور اچکے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہ سامنے سے لیتے ہیں۔ چوری نہیں کرتے۔ خائن اور منکر امانت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ حفاظت کاملہ کے اندر سے اس صورت میں مال نہیں لیا جاتا، مالک اپنی مرضی سے اپنا مال امانت رکھتا اور دوسرے کی حفاظت میں دیتا ہے اس لئے مال مالک کی حفاظت میں نہیں رہتا۔ خائن اور منکر امانت کی حفاظت میں چلا جاتا ہے چور کی حفاظت میں مالک خود اپنا مال نہیں دیتا چور کو اس کی حفاظت میں دخل ہوتا ہے اصل مسئلہ کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹنے والے پر قطع (دست کا جرم) نہیں اور جو علی الاعلان لوٹے وہ ہم میں سے نہیں۔ رواہ ابوداؤدؒ

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک مخزومی عورت لوگوں کا سامان بطور عاریت لے کر منکر ہو جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اس عورت کے آدمی نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے پاس کچھ عرض معروض کی، جس کی وجہ سے حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسامہؓ میرا تو خیال تھا کہ تم اللہ کی قائم کی ہوئی کسی حد میں مجھ سے کبھی کچھ نہیں کہو گے پھر باہر تشریف لا کر خطبہ دینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا تم سے پہلے والے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ اگر ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کمزور چوری کرتا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام نخعیؒ اور شعبیؒ کے نزدیک بیت المال کے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک کاٹا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں بیت المال کا مال عام لوگوں کا مال ہے اور چور بھی عوام میں داخل ہے (فی الجملہ بیت المال کی ملکیت میں چور بھی شریک ہے) ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس پر یعنی بیت المال سے چوری کرنے والے پر ہاتھ کاٹنے کا جرم نہیں ہے۔ ہر ایک کا بیت المال میں کچھ نہ کچھ حق ہے۔ بیہقی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بیت المال سے جس نے چوری کی ہو اس پر قطع دست کا جرم نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شریک اگر شرکت کا مال دوسرے شریک کے تحفظ میں سے چرالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

مسئلہ: اگر ایک آدمی کے دوسرے آدمی پر کچھ روپیہ قرض ہوں اور دائن مدیون سے اپنے قرض کی برابر روپیہ چرالے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے صرف اپنا حق وصول کیا بلکہ اگر رقم قرض سے زائد بھی چرائے تو چونکہ چور کی ملکیت بھی اس چرائی ہوئی رقم کے ساتھ مخلوط تھی اس لئے اس صورت میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

مسئلہ: ماں باپ اور ساری اوپر کی اصل اپنی اولاد کا مال چرالیں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تیری ذات اور تیرا مال سب باپ کا ہے اسی طرح اگر اولاد اور نسل اپنے ماں باپ اور بالائی اصول کا مال چرالے تو تین اماموں کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ صرف امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی محرم قرابت دار کے گھر سے کسی غیر آدمی کا مال چرایا تو

ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر محرم رشتہ دار کا مال کسی غیر کے گھر سے چرایا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اول صورت میں حفاظت ناقصہ کے اندر سے چوری کی اور دوسری صورت میں حفاظت کاملہ کے اندر سے چرایا۔

مسئلہ: اگر بیوی نے میاں کے گھر سے یا میاں نے بیوی کے گھر سے یا اس مکان سے جس میں دونوں رہتے ہیں کسی غیر شخص کا مال چرایا تو امام صاحب کے نزدیک چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک منقول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے امام مالکؒ نے فرمایا اگر مشترک مکان سے جس میں میاں بیوی دونوں رہتے تھے کسی اجنبی کا مال چرایا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

مسئلہ: اگر غلام نے اپنے آقا کا یا آقا کی بیوی کا یا مالکہ کے شوہر کا مال چرالیا تو چونکہ غلام کو داخلہ کی اجازت ہوتی ہی ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

اگر مہمان نے مہمانی کے دوران میزبان کی کوئی چیز چرائی تو چونکہ اس کا میزبان کی طرف سے اندر آنے کی اجازت مل چکی تھی اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

وہ مکان جس میں عام طور پر دن میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے جیسے بازار کی دکانیں تو دن کے وقت اس میں چوری کرنے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ داخلہ کی اجازت عمومی ہوتی ہے۔

کون سی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا:

ہاتھ کاٹنے کے لئے چوری کا بقدر نصاب سرقہ ہونا تمام اہل سنت کے نزدیک بالا جماع ضروری ہے لیکن خوارج اور داؤد ظاہری اور ابن بنت الشافعیؒ کے نزدیک نصاب ضروری نہیں۔ حسن بصریؒ کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے۔ کیونکہ آیت مطلق ہے اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور پر اللہ کی لعنت رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مسئلہ: چوری کا نصاب امام اعظمؒ کی نزدیک دس درہم یا ایک دینار ہے یا کوئی مال جس کی قیمت دس درہم یا ایک دینار ہو وہ بھی انصاب سرقہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ یہ الفاظ چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو۔ اس سے کم (قیمت) والی چیز میں نہ کاٹو۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت کے بقدر یعنی تین درہم کی چوری میں کٹوایا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ابوداؤد نے مراسیل میں جریر بن حازم کی روایت سے حسن بصریؒ کا قول لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کھانے کی چوری میں ہاتھ نہیں کٹواؤں گا۔ شیخ عبدالحق نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور سوائے مرسل ہونے کے اور کوئی خرابی نہیں بیان کی۔ مگر ہمارے نزدیک مرسل قابل استدلال ہے۔

نسائی نے یہ حدیث نقل کی ہے اور سند اس طرح قائم کی ہے از وہب از عمرو بن حارث وہشام بن سعد از عمرو بن شعیب۔ نسائی کی حدیث اس طرح ہے، کہ قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان بکریوں کی چوری کا حکم دریافت کیا جو رات کو گھر واپس نہ آسکی ہوں چراگاہ میں ہی رہ گئی ہوں۔

فرمایا ان کو چرانے پر دوگنی قیمت دی جائے اور مارا جائے اور ایسی سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو اور جو بکری وغیرہ تھان پر سے چرائی ہو تو اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ بشرطیکہ اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو جائے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پھلوں کا کیا حکم ہے جو اپنے غلاف کے اندر ہوں؟

فرمایا جو شخص ان میں سے اپنے منہ سے لے لے اور جھولی نہ بنائے (یعنی صرف وہیں کھالے تو اس پر کچھ تاوان و سزا نہیں ہے) اور جو اٹھا کر لے آئے تو اس کی دوہری قیمت اور مار پیٹ اور عبرت ناک سزا ہونی چاہئے اور اگر خشک کرنے کے مقام سے پھل لئے ہوں تو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہوگی۔ (رواہ احمد والنسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اضطراری بھوک کی وجہ سے چوری کرنے میں قطع دست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قحط کے سال میں قطع دست نہیں ہے کیونکہ ایسے وقت میں بظاہر کھانے کے لئے ہی لوگ چوری کرتے ہیں۔

متعدد بار چوری کرنے والا:

اور اگر چور کا پہلے سے ہی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹا ہوا ہو یا چوری میں ہاتھ پاؤں کاٹ دیا گیا ہو اور تیسری بار چوری کرے تو امام اعظمؒ اور امام احمد کے نزدیک قطع کی سزا اس کو نہیں دی جائے گی۔ بلکہ قید میں ڈالدیا جائے گا اور تعزیر کی جائے گی۔

عطاءؒ اور عمرو بن عاصؓ عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت عثمانؓ کا قول آیا ہے کہ پانچویں مرتبہ چرانے پر اس کو قتل کردیا جائے گا۔

امام محمدؒ بن حسن نے موطا میں لکھا ہے کہ زہری نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا حضرت عائشہؓ نے فرمایا جس شخص نے حضرت اسماءؓ کا زیور چرایا تھا اس کا دایاں ہاتھ پہلے سے کٹا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کا بایاں پاؤں کٹوا دیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا زہری اس حدیث کو دوسروں سے زیادہ جانتے تھے۔

سعید نے بروایت ابوالاحوص از سماک بن حرب از عبدالرحمن بن عامر بیان کیا۔ حضرت عبدالرحمنؒ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں ایک شخص کو پیش کیا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا اور اس نے چوری کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا پاؤں کاٹنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اللہ تو فرماتا ہے إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ آپ نے اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں تو کٹوا ہی دیا ہے اب مناسب نہیں کہ اس کا دوسرا پاؤں بھی کٹوا کر ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ چلنے کے لئے اس کے پاس پاؤں ہی نہ رہے یا تو اس کو تعزیر کیجئے یا اس کو قید خانہ میں ڈال دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ یہ روایت بیہقی نے بیان کی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں سماک کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے چور کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ سب نے حضرت علیؓ کے قول پر اتفاق رائے کیا۔

مکحول کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو، اور پھر کرے تو اس کا دوسرا ہاتھ نہ کاٹو اور اسکو رہنے دو (کہ ایک ہاتھ) سے کھائے اور استنجاء کرے مگر مسلمانوں سے اسکو روک دو (یعنی قید کر دو کہ مسلم معاشرے میں وہ فساد نہ کرے)

ابن ابی شیبہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی حضرت علیؓ کے قول کے موافق نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کی رائے پر سب کا اجماع ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (تفسیر مظہری اردو جلد۳)

مسئلہ: کاٹنے کے بعد داغ دینا بھی چاہئے تا کہ خون نکل کر ہلاک نہ ہو جائے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک داغنا مستحب ہے۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا، جس نے چادر چرائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔ چور بولا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں کی (یعنی میں نے یقیناً چوری کی ہے) فرمایا اس کو لیجاؤ اور ہاتھ کاٹ دو پھر داغ بھی دو۔ پھر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور داغ بھی دیا گیا۔ پھر اس کو پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ سے توبہ کر۔ چور نے کہا میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اللہ بھی تجھ پر مہربان ہو گیا (اس نے تیری توبہ قبول کر لی اور رحمت نازل فرما دی)۔

حاکم نے کہا یہ حدیث بر شرط مسلم صحیح ہے ابوداؤد نے اس حدیث کو مراسیل میں لکھا ہے اور قاسمؒ بن سلام نے غریب الحدیث میں دار قطنی نے موقوفاً لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ جوڑ سے کٹوا دیئے۔ پھر ان کو داغ دیا۔ امام اعظمؒ کے قول کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ اقرار کرنے پر چور کا ہاتھ کٹوا دیا اور پھر داغ بھی دیا۔ (تفسیر مظہری)

جَزَاءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ
سزا میں ان کی کمائی کی تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے

سزا مال مسروقہ کا بدلہ نہیں ہے:

یعنی جو سزا چور کو دی جا رہی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اسکے فعل سرقہ کی سزا ہے تا کہ اسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے بلا شبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دو چار ہی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔

تہذیب جدید کے دعویدار:

آج کل مدعیان تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں، لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا اس غیر مہذب وستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو وہ حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہئے کہ انکے تہذیبی مشن میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے۔ بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ قطع ید یا ہاتھ کاٹنے کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دیکر اس سے ہلکی سزا دہی کا اختیار شریعت حقہ سے حاصل کر لیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اسکی کوئی نظیر پائی گئی۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر قطع ید سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ کسی ملحد نے پرانے زمانہ میں اس

حد سرقہ پر یہ بھی شبہ کیا تھا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جسکے کٹنے پر پانسو دینار واجب ہوں دس پانچ روپیہ کی چوری میں کس طرح کاٹا جاسکتا ہے۔ ایک عالم نے اسکے جواب میں کیا خوب فرمایا۔ انھا لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت ھانت یعنی جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا۔ جب (چوری کرکے) خائن ہوا تو ذلیل ہوا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾
اور اللہ غالب ہے حکمت والا

قانون کے نفاذ کی طاقت اللہ ہی رکھتا ہے:

چونکہ غالب ہے اسلئے اسے حق ہے کہ جو چاہے قانون نافذ کردے کوئی چون و چرا نہیں کرسکتا۔ لیکن چونکہ حکمت والا بھی ہے اس لئے یہ احتمال نہیں کہ محض اپنے اختیار کامل سے کام لیکر کوئی قانون بے موقع نافذ کرے۔ نیز وہ اپنے ناتواں بندوں کے اموال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کرسکے، یہ اسکی عزت اور غلبہ کے منافی ہے اور چوروں ڈاکوؤں کو یونہی آزاد چھوڑ دے یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک قطع سے چرائے ہوئے مال کی عصمت ساقط ہوجاتی ہے یعنی چرایا ہوا مال اس قابل نہیں رہتا کہ اگر وہ تلف ہوگیا ہو یا تلف کردیا گیا ہو تو اس کا تاوان دینا لازم ہو۔

اگر قطع دست کے بعد مالی تاوان واجب ہوگا تو تاوان ادا کرنے کے بعد چور کو اس مال کا مالک چوری کرنیکے وقت سے ہی قرار دینا پڑیگا اور جب چور کو مال لینے کے وقت سے ہی مالک مان لیا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹنے کی کوئی وجہ ہے؟ اس نے اپنے مال چرایا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دایاں ہاتھ کٹنے کے بعد چور پر مالی تاوان نہیں۔ رواہ الدارقطنی۔ (تفسیر مظہری)

سرقہ کا معنیٰ اور شرائط:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے۔ اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی اس کی شرعی تعریف ہے، اور اس تعریف کی رُو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہوئیں۔

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چُرانے والے کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو، اور نہ ایسی چیزیں ہوں جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی، جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے، یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے۔

دوسری چیز تعریف سرقہ میں مال محفوظ ہوتا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگراں چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا، اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہوجائے تو بھی حد ساقط ہوجائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔

تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو، وہ اس کو بالکل لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی، اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہوجائے تو حد ساقط ہوجائے گی۔

چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے .... کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہوچکی ہے، وہ غرض خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

حدود وسزا کے متعلق اسلامی تعلیمات:

قرآن کریم نے صرف چار جرموں کی سزائیں خود مقرر اور متعین کردی ہیں، جن کو شرعی اصطلاح میں حد کہا جاتا ہے، ڈاکہ کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر، چوری کی سزا داہنا ہاتھ پہونچے پر سے کاٹنا، زنا کی سزا بعض صورتوں میں سو کوڑے لگانا اور بعض میں سنگسار کرکے قتل کردینا، زنا کی جھوٹی تہمت کسی پر لگانے کی سزا اسی کوڑے پانچویں حد شرعی شراب پینے کی ہے، جو با جماع صحابہ اسی کوڑے مقرر کئے گئے ہیں، ان پانچ جرائم کے سوا تمام جرائم کی سزا حاکم وقت کی صواب دید پر ہے، کہ جرم اور مجرم اور اس کے ماحول پر نظر کرکے جتنی اور جیسی چاہے سزا دے، اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سزاؤں کی تحدید وتعیین کا کوئی خاص نظام اہل علم واہل رائے کے مشورے سے مقرر کرکے قاضی یا جج کو ان کا پابند کردیا جائے، جیسا کہ آجکل عموماً اسمبلیوں کے ذریعہ تعزیری قوانین متعین کئے جاتے ہیں، اور قاضی یا جج مقررہ حدود کے اندر سزا جاری کرتے ہیں۔ البتہ ان پانچ جرائم میں جن کی سزائیں قرآن یا اجماع سے متعین کردی گئی ہیں، اور ان میں کسی فرد یا جماعت یا اسمبلی کو تغیر وتبدل کا کوئی اختیار نہیں ہے، مگر ان میں بھی اگر جرم کا ثبوت شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ شہادت سے نہ ہوسکے، یا جرم کا ثبوت تو ملے مگر اس جرم پر جن شرائط کے ساتھ یہ سزا جاری کی جاتی ہے وہ شرائط مکمل نہ

ہوں، اور نفس جرم قاضی یا جج کے نزدیک ثابت ہو تو اس صورت میں بھی حد شرعی جاری نہ ہوگی بلکہ تعزیری سزا دی جائے گی، اسی کے ساتھ یہ شرعی ضابطہ بھی مقرر اور مسلم ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو پہنچتا ہے ثبوت جرم یا جرم کی شرائط میں سے کسی چیز میں شبہ پڑ جائے تو حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے، مگر نفس جرم کا ثبوت ہو جائے تو تعزیری سزا دی جائے گی۔

دیکھئے کہ شریعت اسلام میں ہاتھ کاٹنے کی سزا مطلقاً ہر چوری پر عائد نہیں، کہ جس کو عرف عام میں چوری کہا جاتا ہے، بلکہ سرقہ جس پر سارق کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس کی ایک مخصوص تعریف ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ کسی کا مال محفوظ جگہ سے سامان حفاظت توڑ کر ناجائز طور پر خفیہ طریقہ سے نکال لیا جائے اس تعریف کی رو سے بہت سی صورتیں جن کو عرفاً چوری کہا جاتا ہے، حد سرقہ کی تعریف سے نکل جاتی ہیں، مثلاً محفوظ مکان کی شرط سے معلوم ہوا کہ عام پبلک مقامات مثلاً مسجد، عید گاہ، پارک، کلب، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل، جہاز وغیرہ میں عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کرے، یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرالے، یا شہد کی چوری کرلے تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہوگی، بلکہ عام ممالک کے قوانین کی طرح تعزیری سزا دی جائیگی، اسی طرح وہ آدمی جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی ہے خواہ وہ آپ کا نوکر ہو یا مزدور و معمار ہو، یا کوئی دوست عزیز ہو وہ اگر آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو وہ اگرچہ عرفی چوری میں داخل اور تعزیری سزا کا مستحق ہے، مگر ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا اس پر جاری نہ ہوگی، کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا، اس کے حق میں حفاظت مکمل نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی یا ہاتھ میں سے زیور یا نقد چھین لیا یا دھوکہ دے کر کچھ وصول کر لیا، یا امانت لے کر مکر گیا، یہ سب چیزیں حرام و ناجائز اور عرفی چوری میں ضرور داخل ہیں، مگر ان سب کی سزا تعزیری ہے، جو حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے، شرعی سرقہ کی تعریف میں داخل نہیں، اس لئے اس پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

اسی طرح کفن کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، کیونکہ اول تو وہ محفوظ جگہ نہیں، دوسرے کفن میت کی ملکیت نہیں، ہاں اس کا یہ فعل سخت حرام ہے، اس پر تعزیری سزا حسب صواب دید حاکم جاری کی جائیگی، اسی طرح اگر کسی نے ایک مشترک مال تھا شرکت مال میں چوری کرلی جس میں اس کا بھی کچھ حصہ ہے خواہ میراث کا مشترک تجارت کا مال تھا، تو اس صورت میں چونکہ لینے والے کی ملکیت کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل ہے اس ملکیت کے شبہ کی وجہ سے حد شرعی ساقط ہو جائے گی تعزیری سزا دی جائے گی۔ حد سرقہ کے نفاذ کی شرائط کا اجمالی خاکہ جو اس وقت بیان کیا گیا ہے، یہ سب فقہ حنفی کی نہایت مستند کتاب بدائع الصنائع سے ماخوذ ہے۔

حدود کا ضابطہ شہادت:

حدود کا ضابطہ شہادت بھی عام معاملات کے ضابطہ شہادت سے مختلف اور انتہائی احتیاط پر مبنی ہے اس میں ذراسی کمی رہ جائے تو حد شرعی تعزیری سزا میں منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح تکمیل جرم کے سلسلہ میں کوئی کمی پائی جائے جب بھی حد شرعی ساقط ہو کر تعزیری سزا رہ جاتی ہے، جس کا عملی رخ یہ ہوتا ہے کہ حدود شرعیہ کے نفاذ کی نوبت شاذ و نادر کبھی پیش آتی ہے عام حالات میں حدود والے جرائم میں بھی تعزیری سزائیں جاری کی جاتی ہیں لیکن جب کہیں تکمیل جرم تکمیل ثبوت کے ساتھ جمع ہو جائے گو وہ ایک فی صدی ہی ہو تو سزا نہایت سخت عبرتناک دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلط ہو جائے اور اس جرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن پر لرزہ پڑنے لگے جو ہمیشہ کے لئے انسداد جرائم اور امن عامہ کا ذریعہ بنتی ہے۔

انگریزی تعزیری قوانین:

بخلاف مروجہ تعزیری قوانین کے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل ہیں جس کو وہ بڑی خوشی سے کھیلتے ہیں جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی آئندہ اس جرم کو خوبصورتی سے کرنے کے پروگرام بناتے رہتے ہیں جن ممالک میں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت سامنے آجائیگی کہ وہاں نہ آپ کو بہت سے لوگ ہاتھ کٹے ہوئے نظر آئیں گے نہ سالہا سال میں آپ کو کوئی سنگساری کا واقعہ نظر پڑتا ہے مگر ان شرعی سزاؤں کی دھاک قلوب پر ایسی ہے کہ وہاں چوری ڈاکہ اور بے حیائی کا نام نظر نہیں آتا سعودی عربیہ کے حالات سے عام مسلمان براہ راست واقف ہیں کیونکہ حج و عمرہ کے سلسلہ میں ہر طبقہ و ہر ملک کے لوگوں کی وہاں حاضری رہتی ہے دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے کہ دکانیں کھلی ہوئی ہیں لاکھوں کا سامان ان پر پڑا ہوا ہے اور ان کا مالک بغیر دکان بند کئے ہوئے نماز کے وقت حرم شریف میں پہونچ جاتا ہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد آتا ہے اس کو کبھی یہ وسوسہ بھی پیش نہیں آتا کہ اس کی دکان سے کوئی چیز غائب ہوگئی ہوگی پھر یہ ایک دن کی بات نہیں عمریوں ہی گذرتی ہے دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک میں ایسا کر کے دیکھئے تو ایک دن میں سینکڑوں چوریاں

اور ڈاکے پڑ جائیں گے، تہذیب انسانی اور حقوق انسانی کے دعویدار عجیب ہیں۔ کہ جرائم پیشہ لوگوں پر رحم کھاتے ہیں مگر پورے عالم انسانیت پر رحم نہیں کھاتے جن کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھی ہے حقیقت یہ ہے کہ مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کا مرادف اور امن عامہ کو مختل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ رب العالمین جو نیکوں بدوں اتقیا اولیا اور کفار و فجار سب کو رزق دیتا ہے سانپوں، بچھوؤں، شیروں، بھیڑیوں کو رزق دیتا ہے اور جس کی رحمت سب پر وسیع ہے اس نے جب حدود شرعیہ کے احکام قرآن میں نازل فرمائے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا، وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ۔

یعنی اللہ کی حدود جاری کرنے میں ان مجرموں پر ہرگز ترس نہ کھانا چاہئے اور دوسری طرف قصاص کو عالم انسانی کی حیات قرار دیا۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حدود کے خلاف کرنیوالے یہ چاہتے ہی نہیں کہ جرائم کا انسداد ہو، ورنہ جہاں تک رحمت وشفقت کا معاملہ ہے وہ شریعت اسلام سے زیادہ کون سکھا سکتا ہے جس نے عین میدان جنگ میں اپنے قاتل دشمنوں کا حق پہچانا ہے اور حکم دیا ہے کہ عورت سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو۔ بچہ سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، بوڑھا سامنے آجائے تو ہاتھ روک لو، مذہبی عالم جو تمھارے مقابلہ پر قتال میں شریک نہ ہوا اپنے طرز کی عبادت میں مشغول ہو اس کو قتل نہ کرو۔

خود میاں فضیحت دوسروں کو نصیحت:

اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان اسلامی سزاؤں پر اعتراض کے لئے ان لوگوں کی زبانیں اٹھتی ہیں جن کے ہاتھ ابھی تک ہیروشیما کے لاکھوں بے گناہ بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں۔ جن کے دل میں شاید کبھی مقاتلہ اور مقابلہ کا تصور بھی نہ آیا ہو ان میں عورتیں بچے بوڑھے سب ہی داخل ہیں اور جن کی آتش غضب ہیروشیما کے حادثہ سے بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی بلکہ روز کسی خطرناک سے خطرناک نئے بم کے بنانے اور تجربہ کرنے میں مشغول ہیں ہم اس کے علاوہ کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں سے خودغرضی کے پردے ہٹا دے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے صحیح اسلامی طریقوں کی طرف ہدایت کرے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ

پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو

اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

صحیح توبہ:

یعنی توبہ اگر ٹھیک ہو جسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہوگیا ہو تو ضمان دے اور ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے۔ اور اپنے فعل پر نادم ہو اور آیندہ کیلئے اس سے مجتنب رہنے کا عزم رکھے تو اس طرح کی توبہ سے امید ہے کہ حق تعالیٰ اخروی عقوبت جسکے مقابلہ میں دنیوی سزا کی کچھ حقیقت نہیں، اس پر سے اٹھالے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول:

احمد ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے چوری کی، اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہوگئی، فرمایا ہاں آج تو اپنے گناہ سے ایسی (پاک) ہوگئی جیسی پیدا ہونے کے دن تھی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

توبہ کا مطلب:

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ، پھر جس نے اپنی بے جا حرکت کے بعد توبہ کرلی اور عمل درست کرلیا تو کوئی شک نہیں کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔

توبہ سے مراد ہے کئے ہوئے گناہ پر پشیمانی اور اس کے لئے استغفار اور استغفار کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ اور اصلاح سے مراد ہے، اپنے اعمال کو درست کرلینا توبہ کا معنی ہے لوٹنا جب اس کے بعد لفظ علی آتا ہے اور اللہ کی طرف توبہ کی نسبت کی جاتی ہے تو رحمت کے ساتھ بندہ کی طرف متوجہ ہونے اور توبہ قبول کرنے کے معنی ہوتے ہیں پس) يَتُوْبُ عَلَيْهِ کا معنی یہ ہے کہ اللہ بندہ پر رحم کرے گا اور اس کی توبہ قبول کرے گا اور آخرت میں اس کو عذاب نہیں دے گا۔

مسئلہ: حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہونے اور جانے سے پہلے اگر چور نے چوری کا مال مالک کو واپس کردیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا، اول قول کی وجہ یہ ہے کہ چوری ہونے کے لئے دعوی ضروری ہے لہٰذا ہاتھ کاٹنے کے لئے

بھی حاکم تک مقدمہ کا پہنچنا شرط ہے اور جب مال واپس دے دیا تو دعوی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ہاں اگر دعوی دائر ہونے گواہان ثبوت پیش ہونے اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد مال واپس کیا تو ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت:

حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صحابہ کی جماعت موجود تھی، آپ نے فرمایا مجھ سے بیعت کرو اس شرط پر کہ کسی کو ربوبیت معبودیت اور خصوصی صفات میں، اللہ کا شریک نہ بناؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، دیدہ و دانستہ کسی پر بہتان تراشی نہ کرو گے اور کسی بھلائی میں نافرمانی نہ کرو گے تم میں سے جو شخص اس معاہدہ کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگا اور جو شخص مذکورہ افعال میں سے کسی فعل میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دے دی جائے گی تو اس کے گناہ کا اتار ہو جائے گا، اور اگر مذکورہ افعال میں سے کوئی فعل کرنے کے بعد اللہ اس کے فعل پر پردہ ڈال دے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا، چاہے معاف کرے، چاہے سزا دے۔ (متفق علیہ)

حد کے بعد بھی توبہ کی ضرورت ہے:

بغوی نے لکھا ہے، صحیح یہ ہے کہ حد شرعی (قطع دست) جرم کی سزا ہے، توبہ کرنے کی اس کے بعد ضرورت ہے اس کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ملتا ہے کہ ہاتھ کاٹنے اور داغنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا تھا اللہ سے توبہ کر اور اس نے عرض کیا میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا تو اللہ نے بھی تیری توبہ قبول فرمالی۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ
تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں
وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ
اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے
لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾
جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے

ہر طرح کا اختیار اللہ کو ہے:

جب حقیقی سلطنت و حکومت اسی کی ہے تو بلاشبہ اسی کو یہ اختیار ہوگا کہ جسے مناسب جانے معاف کر دے اور جسے اپنی حکمت کے موافق سزا دینا چاہے سزا دے اور نہ صرف یہ کہ اسے معاف کرنے اور سزا دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں بلکہ ان اختیارات کے استعمال سے کوئی روکنے والا بھی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز پر وہ پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ
اے رسول غم نہ کر ان کا جو دوڑ کر
يُسَٰرِعُونَ فِي الْكُفْرِ
گرتے ہیں کفر میں

یہودی زنا کاروں کا فیصلہ:

پچھلی آیات میں ڈکیتی اور چوری وغیرہ کی حدود بیان کی گئی تھیں۔ اب بعض ان اقوام کا حال سناتے ہیں جنہوں نے "حدود اللہ" میں تحریف کر کے اپنے کو عذاب عظیم کا مستحق ٹھہرایا۔ ان کا مفصل واقعہ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد اور عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ تورات میں اس جرم کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) تھی، مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو "یثرب" میں ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتاب میں "زانی" کے لئے "رجم" کا حکم نہیں، کوڑے مارنے کا ہے تو "بنی قریظہ" کے یہود میں سے کچھ آدمی انکے پاس بھیجو، کیونکہ وہ انکے ہمسایہ ہیں اور ان سے صلح کا معاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ وہ انکا خیال معلوم کر لیں گے۔ چنانچہ ایک جماعت اس کام کے لئے روانہ کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرلے کہ "زانی محصن" کی کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔ اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان پر رکھ کر قبول کر لو۔ اور "رجم" کا حکم دیں تو مت مانو۔ انکے دریافت کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہو گے؟ انہوں نے اقرار کر لیا خدا کی طرف سے جبرئیل "رجم" کا حکم لے کر آئے مگر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے، سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر "شرائع موسویہ" کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ نے اسکو بلوایا اور نہایت ہی شدید حلف دے کر پوچھا کہ تورات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے

جسکا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا۔ تاہم ابن صوریہ نے جو انکا مسلم معتقد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اسکا اقرار کر لیا کہ بیشک تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے۔ بعدہ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو اڑا کر زنا کی سزا یہ رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا سوار کرا کر گشت کرایا جائے۔ الحاصل حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مرد عورت پر رجم کی سزا جاری کی اور فرمایا کہ اے اللہ آج میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو دنیا میں زندہ کیا اسکے بعد کہ وہ اسے مردہ کر چکے تھے۔ یہ واقعہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ اے پیغمبر آپ کو ان لوگوں کی حرکت رنجیدہ نہ بنائے جو کفر میں تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں جس چیز کا شرعاً اعتقاد اور بشرط امکان اقرار بھی ضروری ہے اس کا انکار کفر ہے۔

شانِ نزول:

امام احمد اور مسلم نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی جس کو سزا تازیانہ دے کر منہ کالا کر دیا گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہاری کتاب میں زانی کی شرعی سزا یہی ہے یہود یوں نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ نے ایک یہودی عالم کو طلب فرمایا اور اس سے فرمایا میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توریت نازل کی تھی کیا زانی کی شرعی سزا تم کو اپنی کتاب میں یہی ملتی ہے۔ یہودی عالم نے کہا نہیں خدا کی قسم (توریت میں یہ حد زنا نہیں ہے) اگر آپ مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ سے نہ بیان کرتا۔ ہماری کتاب میں زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے لیکن ہمارے بڑے آدمیوں میں جب زنا کی کثرت ہوگئی تو ہمارا یہ طریقہ ہو گیا کہ بڑا آدمی پکڑا جاتا تو ہم اس کو بغیر سزا دیئے چھوڑ دیتے اور کمزور کو پکڑا جاتا تو اس پر حد شرعی جاری کرتے، آخر ہم نے آپس میں کہا کہ کوئی ایسی سزا تجویز کر لینی چاہیے جو اونچے اور نیچے دونوں طبقوں والوں کو ہم دے سکیں چنانچہ اتفاق آراء کے بعد ہم نے تجویز کی کہ منہ کالا کرنا اور کوڑے مارنا زنا کی سزا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے اللہ ان لوگوں نے تو تیرے حکم کو مردہ کر دیا میں ہی سب سے پہلے تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا اور اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس پر اللہ نے آیت یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ ...... ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ تک نازل فرمائی اس آیت میں یہودیوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْهُ یعنی یہودیوں نے کہا کہ محمد کے پاس چلیں اگر وہ کالا منہ کرنے اور کوڑے مارنے کا فتویٰ دے دیں تو عمل کرنا اور سنگسار کرنے کا فیصلہ کریں تو مت ماننا۔

مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ
وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے
تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۚ
دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں

یعنی منافقین اور یہود بنی قریظہ

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ
جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کیلئے وہ جاسوس ہیں دوسری
اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ
جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے

یہودیوں کے جاسوس:

"سَمّٰعُوْنَ" کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے پھر "بہت زیادہ سننا" کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اسکے معنی ہوتے ہیں "بہت زیادہ قبول کرنے والا" جیسے "سمع اللہ لمن حمدہ" میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن ابن جریر وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے "سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ" یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے "سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ" یعنی دوسری جماعت جس نے انکو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی انکی بات بہت زیادہ ماننے والے۔ (تفسیر عثمانی)

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ
بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر

یعنی خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں یا کہیں کی بات کہیں لگا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ
کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا

لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ

اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا

یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرو ورنہ نہیں۔ گویا خدا کی شریعت کو اپنی ہوا کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ

اور جس کو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا سو تو اس کے لئے کچھ

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

نہیں کرسکتا اللہ کے ہاں

ہر چیز کا وجود ارادۂ خداوندی کا محتاج ہے:

ہدایت و ضلالت خیر و شر کوئی چیز بھی بدون ارادہ خداوندی کے عالم وجود میں نہیں آسکتی۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جسکا انکار کرنا اس کے تسلیم کرنے سے زیادہ مشکل ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدا کا ارادہ یہ ہو کہ چوری نہ کرے اب وہ شخص اگر اپنے ارادہ میں کامیاب رہا تو لازم آتا ہے کہ خدا اس کے مقابلہ میں معاذ اللہ عاجز ہوا اور اگر خدا ہی کا ارادہ بندہ کے ارادہ پر غالب رہتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کہیں چوری وغیرہ کسی شر کا وجود نہ رہے اور اگر خدا تعالیٰ خیر و شر میں سے کسی کا بھی ارادہ نہیں کرتا تو اس سے معاذ اللہ اسکا تعطل یا غفلت و سفاہت لازم آتی ہے۔ تعالی اللہ عن کل الشرور و تقدس۔ ان تمام شقوق پر غور کرنے کے بعد ناچار یہی ماننا پڑیگا کہ کوئی چیز بھی اسکے ارادہ تخلیق کے بدون موجود نہیں ہوسکتی۔ یہ مسئلہ نہایت مبہم اور طویل الذیل ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ واللہ الموفق۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ

یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے ان کے

منافقین اور یہود کی بیماریاں:

اول منافقین اور یہود کا طرز عمل بیان فرمایا جس میں یہ چند اعمال ذکر کئے گئے ہمیشہ جھوٹ اور باطل کی طرف جھکنا۔ اہل حق کے خلاف جاسوسی کرنا بد باطن اور شریر جماعتوں کو مدد پہنچانا۔ ہدایت کی باتوں کو تحریف کر کے بدل ڈالنا اپنی خواہش اور مرضی کے خلاف کسی کی ہدایت کو قبول نہ کرنا جس قوم میں یہ خصائل پائی جائیں اسکی مثال ایسے مریض کی سمجھو جو نہ دوا استعمال کرے نہ مہلک اور مضر چیزوں سے پرہیز قائم رکھ سکے، اطباء اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے، فہمائش کرنے والوں کو گالیاں دے نسخہ پھاڑ کر پھینک دے یا اپنی رائے سے اسکے اجزاء بدل ڈالے اور یہ عہد بھی کرلے کہ جو دوا میری خواہش اور مذاق کے خلاف ہوگی کبھی استعمال نہ کرونگا۔ ان حالات کی موجودگی میں کوئی ڈاکٹر یا طبیب خواہ اسکا باپ ہی کیوں نہ ہو اگر معالجہ سے دست بردار ہو کر یہی ارادہ کرلے کہ ایسے مریض کو اب اسکی بے اعتدالیوں غلط کاریوں ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنے دو تو کیا یہ طبیب کی بے رحمی یا بے اعتنائی کا ثبوت ہوگا یا خود مریض کی خودکشی سمجھی جائیگی اب اگر مریض اس بیماری سے ہلاک ہوگیا تو طبیب کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کہ اس نے علاج نہ کیا اور تندرست کرنا نہ چاہا۔ بلکہ بیمار خود ملزم ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو تباہ کیا اور طبیب کو موقع نہ دیا کہ وہ اسکی صحت واپس لانے کی کوشش کرتا۔ ٹھیک اسی طرح یہاں یہود کی شرارت ہوا پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کو بیان فرما کر جو یہ لفظ فرمائے وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ الخ (جسکو اللہ نے گمراہ کرنا چاہا) اور أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ انکے دلوں کو پاک کرے) اسکا یہی مطلب ہے کہ خدا نے انکی سوء استعداد اور بدکاریوں کی وجہ سے اپنی نظر لطف و عنایت ان پر سے اٹھالی۔ جس کے بعد انکے راہ پر آنے اور پاکی قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ آپ انکے غم میں اپنے کو نہ گھلائیں لقولہ تعالیٰ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ الخ باقی یہ شبہ کہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ انکی سب شرارتوں اور غلط کاریوں کو جبراً روک دیتا اور مجبور کر دیتا کہ وہ کوئی ضد اور ہٹ کر ہی نہ سکیں۔ تو بیشک میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا کی قدرت کے سامنے یہ چیز کچھ مشکل نہ تھی وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس، رکوع ۱۰) لیکن اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر و شر کے اکتساب میں مجبور محض نہ بنایا جائے اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت و مصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملتا۔ مثلاً عفو غفور، حلیم، منتقم، ذو البطش الشدید، قائم بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ۔ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اسکی تمامی صفات کمالیہ کا مظاہرہ ہو، کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار

اسکے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتلا سکا۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (سورۂ ملک، رکوع ا) اس سے زائد تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں بلکہ اس قدر بھی ہمارے موضوع سے زائد ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي

ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو

الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ

آخرت میں بڑا عذاب ہے جاسوسی کرنے والے جھوٹ بولنے

لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ

کے لئے اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں وہ تیرے

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ

پاس تو فیصلہ کردے ان میں یا منہ پھیر لے ان سے

اسلام کے مطابق فیصلے کردیا کرو:

ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ وغیرہ اکابر سلف سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ابتداء میں تھا۔ آخر میں جب اسلام کا تسلط اور نفوذ کامل ہوگیا تو ارشاد ہوا وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ یعنی انکے نزاعات کا فیصلہ قانون شریعت کے موافق کردیا کرو۔ مطلب یہ کہ اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بربادی کا ایک سبب:

آج کی دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی بربادی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں تو بڑے ہوشیار، چست وچالاک ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر حکیم کو تلاش کرتے ہیں، کوئی مقدمہ پیش آتا ہے تو اچھے سے اچھا وکیل بیرسٹر ڈھونڈ لاتے ہیں، کوئی مکان بنانا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ آرکیٹکٹ اور انجینئر کا سراغ لگا لیتے ہیں، لیکن دین کے معاملہ میں ایسے سخی ہیں کہ جس کی داڑھی اور کرتہ دیکھا اور کچھ الفاظ بولتے ہوئے سن لیا، اس کو مقتداء، عالم، مفتی، رہبر بنالیا، بغیر اس تحقیق کے کہ اس نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں بھی تعلیم پائی ہے یا نہیں؟ علماء ماہرین کی خدمت میں رہ کر علم دین کا کچھ ذوق پیدا کیا ہے یا نہیں، کچھ علمی خدمات کی ہیں یا نہیں، سچے بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر کچھ تقوی وطہارت پیدا کی ہے یا نہیں؟

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ دین کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں ان کا بہت بڑا حصہ جاہل واعظوں اور دکاندار پیروں کے جال میں پھنس کر دین کے صحیح راستہ سے دور جا پڑتا ہے، ان کا علم دین صرف وہ کہانیاں رہ جاتی ہیں جن میں نفس کی خواہشات پر زد نہ پڑے، وہ خوش ہیں کہ ہم دین پر چل رہے ہیں۔

رشوت نظام مملکت کی بربادی کا سبب ہے:

رشوت کو سُحت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک وملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو تباہ کرنے والی ہے، جس ملک یا جس محکمہ میں رشوت چل جائے وہاں قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے، اور قانون ملک ہی وہ چیز ہے جس سے ملک وملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے، وہ معطل ہوگیا تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ آبرو نہ مال، اس لئے شریعت اسلام میں اس کو سُحت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے، اور اس کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے امراء وحکام کو جو ہدیے اور تحفے پیش کئے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دیکر حرام کر دیا گیا ہے۔ (جصاص)

رشوت سے متعلقہ تمام افراد پر لعنت:

اور ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت کرتے ہیں، اور اس شخص پر بھی جو ان دونوں کے درمیان دلال اور واسطہ بنے (جصاص)

رشوت کی تعریف شرعی یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے یا لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کرنے کے ذمہ دار ہیں کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے، وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے، یا صوم وصلوٰۃ اور حج اور تلاوت قرآن عبادات ہیں جو مسلمان کے ذمہ ہیں، ان پر کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے تو وہ رشوت ہے تعلیم قرآن اور امامت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (على فتوى المتأخرين)

پھر جو شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے، وہ رشوت

لینے کا گناہ گار ہے اور یہ مال اس کے لئے سحت اور حرام ہے، اور اگر رشوت کی وجہ سے حق کے خلاف کام کیا تو یہ دوسرا اشد ید جرم، حق تلفی اور حکم خداوندی کو بدل دینے کا اس کے علاوہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

ناجائز فیصلہ کیلئے رشوت:

مسروق کا بیان ہے میں نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کیا فرمائیے کیا ناجائز فیصلہ کے لئے رشوت لینا سحت ہے، فرمایا نہیں وہ تو کفر ہے۔ سحت تو یہ ہے کہ بادشاہ کے پاس کسی کو قرب وعزت حاصل ہو اور کسی شخص کی بادشاہ سے کوئی ضرورت وابستہ ہو مگر یہ مصاحب سلطانی بغیر کچھ ہدیہ تحفہ لئے صاحب غرض کا کام نہ کرے۔

سُحت کے دو طریقے:

حضرت عمرؓ کا ارشاد منقول ہے کہ سحت کے دو طریقے ہیں جن سے لوگ (حرام) کھاتے ہیں (ناجائز) فیصلہ کی رشوت اور زانیہ کی بھاڑ۔

حضرت عمرؓ کی احتیاط:

لیث کی روایت ہے کہ کسی مقدمہ کے دونوں فریق مدعی اور مدعی علیہ حضرت عمرؓ کی طرف آگے بڑھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ٹھہرا دیا وہ پھر بڑھے، حضرت نے پھر ٹھہرا دیا (تیسری بار) وہ پھر آگے بڑھے تو آپ نے ان کا فیصلہ کر دیا۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا (پہلی بار) دونوں آگے آئے تھے تو مجھے ایک کی طرف اپنے اندر ایسا جھکاؤ محسوس ہوا جو دوسرے کی طرف نہ تھا۔ میں نے اس حالت میں فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دوسری مرتبہ بڑھے تب بھی کچھ کیفیت مجھے اندر محسوس ہوئی اس حالت میں بھی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آخر میں جب تیسری بار بڑھے تو اول کیفیت بالکل زائل ہو چکی تھی اس وقت میں نے فیصلہ کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کی لعنت فیصلہ کے سلسلہ میں رشوت دینے اور لینے والے پر رواہ احمد والترمذی وصححہ والحاکم عن ابی ہریرۃ۔ بغوی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بھی یہ حدیث مرفوعاً بیان کی ہے۔

امام احمد نے ضعیف اسناد سے حضرت ثوبانؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ اللہ لعنت کرے رشوت دینے والے اور رشوت دلوانے والے پر جو رشوت کے لین دین میں دوڑا پھرتا ہے۔

رشوت کی اقسام:

ابن ہمام نے لکھا ہے رشوت چند طرح کی ہوتی ہے (۱) رشوت دے کر مقام قضاء حاصل کرنا۔ اس صورت میں قاضی قاضی نہیں ہو سکتا (یعنی رشوت دے کر قاضی بننا ناجائز ہے۔ ایسا قاضی اختیارات قضاء کا مالک نہیں ہو سکتا (۲) رشوت لے کر قاضی کا فیصلہ اس مقدمہ میں نافذ نہ ہوگا۔ خواہ فیصلہ اپنی جگہ حق ہی ہو کیونکہ بغیر کچھ لئے اجراء حق قاضی پر لازم ہوتا ہے۔ مال کا لین دین دونوں ناجائز ہیں۔ (۳) اگر تحصیل منفعت (جائزہ) یا دفع مضرت کے لئے کسی کو رشوت دی کہ حاکم وقت سے سفارش کر کے وہ معاملات ٹھیک کرا دے تو یہ مال لینے والے کے لئے حرام ہے دینے والے کے لئے یہ فعل جائز ہے۔ لینے والے کے لئے جواز کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے ایک دو دن محنت کرنے اور اپنا وقت صرف کرنے کا معاوضہ طے کر لے اور وقت کو صرف کرنے اور محنت کرنے کی اجرت لے لے۔ اس صورت میں وہ مال سفارش کی رشوت نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر جان و مال کا کسی سے ڈر ہو اور اس ڈر سے اس شخص کو کچھ دے دے تو لینے والے کے لئے حرام ہے، دینے والے کے لئے جائز ہے۔

یہی حکم اس وقت ہے کہ مدعی حق پر ہو لیکن اس کو اندیشہ ہو کہ حاکم بغیر رشوت لئے میرا حق نہیں دلوائے گا اور فریق ثانی کے ظلم کو رفع نہیں کرے گا تو اس صورت میں رشوت دینا جائز ہے لیکن حاکم کے لئے حق کا فیصلہ دینے کے لئے رشوت لینا بھی ناجائز ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ
اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے
وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ
اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾
بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو

خواہ کوئی دشمن ہو انصاف نہ چھوڑو:

قرآن کریم نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی شریر ظالم اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر اسکے حق میں بھی تمہارا دامن عدالت ناانصافی کے چھینٹوں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ یہی وہ خصلت ہے جسکے سہارے زمین و آسمان کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غیر مسلموں کے شخصی مذہبی معاملات:

جنرل قانون میں طبقات یا مذاہب کی وجہ سے کوئی فرق نہیں کیا جاتا، مثلاً چور

کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے تو یہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ ہر باشندہ ملک کیلئے یہی سزا ہوگی، اسی طرح قتل وزنا کی سزائیں بھی سب کیلئے عام ہوں گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر مسلموں کے شخصی اور خالص مذہبی معاملات کا فیصلہ بھی شریعت اسلام کے مطابق کرنا ضروری ہو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور خنزیر کو مسلمانوں کے لئے تو حرام قرار دیا، اور اس پر سزا مقرر فرمائی مگر غیر مسلموں کو اس میں آزاد رکھا، غیر مسلموں کے نکاح، شادی وغیرہ شخصی معاملات میں کبھی مداخلت نہیں فرمائی، ان کے مذہب کے مطابق جو نکاح صحیح ہیں ان کو قائم رکھا۔

مقام ہجر کے مجوسی اور نجران اور وادی قریٰ کے یہودی ونصاریٰ اسلامی حکومت کے ذمی بنے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ مجوسیوں کے نزدیک اپنی ماں بہن سے بھی نکاح حلال ہے، اسی طرح یہود ونصاریٰ میں بغیر عدت گذارے یا بغیر گواہوں کے نکاح معتبر ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شخصی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں فرمائی اور ان کے نکاحوں کو برقرار تسلیم کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت کے باشندے ہیں ان کے شخصی اور ذاتی اور مذہبی معاملات کا فیصلہ انہی کے مذہب وخیال پر چھوڑا جائے گا اور اگر فصل مقدمات کی ضرورت پیش آئے گی تو انہی کے مذہب کا حاکم مقرر کر کے فیصلہ کرایا جائیگا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

مسلم حکام کو اب بھی اختیار ہے کہ چاہیں تو اہل کتاب کے باہمی مقدمہ کا فیصلہ کر دیں نہ چاہیں نہ کریں لیکن اگر کریں تو اسلامی فیصلہ کریں نخعی، شعبی، عطاء اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کفار کے باہمی مقدمہ کا فیصلہ کرنا مسلم حاکم پر واجب ہے میں کہتا ہوں فریقین ذمی کافر ہوں یا حربی اگر مسلم حاکم کے سامنے اپنا مقدمہ لائیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا حاکم پر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر ہوں گے، رواہ مسلم۔

حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے اعلیٰ مرتبہ والا منصف خوش اخلاق حاکم ہوگا۔ اور بدترین مرتبہ والا ظالم، جاہل حاکم ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ

اور وہ تجھ کو کس طرح منصف بنائیں گے اور انکے پاس تو توریت

فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ

ہے جس میں حکم ہے اللہ کا پھر اس کے پیچھے پھرے جاتے ہیں

ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳

اور وہ ہرگز ماننے والے نہیں ہیں

یہ اہل کتاب کسی کتاب کو نہیں مانتے:

یعنی تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حکم ٹھہراتے ہیں اور جس توراۃ کو کتاب آسمانی مانتے ہیں اسکے فیصلہ پر بھی راضی نہیں تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں۔ نہ قرآن پر نہ تورات پر اگلے رکوع میں تورات وانجیل کی مدح فرما کر متنبہ کیا ہے کہ کیسی عمدہ کتاب اور کیسے علوم ہدایت تھے جن کی ان نالائقوں نے بےقدری کی اور انہیں ایسا ضائع کیا کہ آج اصل چیز کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے بالکل آخر میں وہ کتاب بھیجی جو ان سب پہلی کتابوں کے مطالب اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے اور جسکی ابدی حفاظت کا انتظام نازل کرنے والے نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

ہم نے نازل کی توریت کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے

توراۃ: یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کیلئے ہدایت کا اور شبہات ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کیلئے روشنی کا کام دیتی ہے۔

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم

اللہ والوں اور اہل علم کا دستور العمل:

یعنی توراۃ میں ایسا عظیم الشان دستور العمل اور آئین ہدایت تھا کہ کثیر التعداد پیغمبر اور اہل اللہ اور علماء برابر اسی کے موافق حکم دیتے اور نزاعات کے فیصلے کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ربانیین اور احبار:

پہلے ربنیون دوسرے احبار، لفظ ربانی رب کی طرف منسوب ہے جس

کے معنی ہیں اللہ والا، اور احبار، حبر کی جمع ہے یہود کے محاورہ میں عالم کو حبر کہا جاتا تھا، اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو اللہ والا ہوگا ضروری ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام کا علم بھی ہو، ورنہ بغیر علم کے عمل نہیں ہوسکتا اور بغیر احکام الٰہیہ کی اطاعت وعمل کے کوئی شخص اللہ والا نہیں ہوسکتا، اسی طرح اللہ کے نزدیک عالم اسی کو کہا جاتا ہے جو اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو ورنہ وہ عالم جو احکام الٰہیہ سے واقف ہونے کے باوجود ضروری فرائض وواجبات پر بھی عمل نہیں کرتا، نہ اس کی طرف کوئی دھیان دیتا ہے وہ اللہ ورسول کے نزدیک جاہل سے بدتر ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر اللہ والا عالم ہوتا ہے، اور ہر عالم اللہ والا ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ ان دونوں کو الگ الگ بیان فرما کر اس بات پر متنبہ فرمادیا کہ اگرچہ اللہ والے کے لئے علم ضروری اور عالم کے لئے عمل ضروری ہے لیکن جس پر جس رنگ کا غلبہ ہو اس کے اعتبار سے اس کا نام رکھا جاتا ہے، جس شخص کی توجہ زیادہ تر عبادات وعمل اور ذکر اللہ میں مصروف ہے اور علم دین صرف بقدر ضرورت حاصل کرلیتا ہے وہ ربانی یعنی اللہ والا کہلاتا ہے جس کو آجکل کی اصطلاح میں شیخ، مرشد، پیر وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں، اور جو شخص عملی مہارت پیدا کر کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتلانے سکھلانے کی خدمت میں زیادہ مشغول ہے اور فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ دوسری نفلی عبادات میں زیادہ وقت نہیں لگا سکتا، اس کو حبر یا عالم کہا جاتا ہے۔

علماء وصوفیاء: خلاصہ یہ ہے کہ اس میں شریعت وطریقت اور علماء ومشائخ کی اصلی وحدت کو بھی بتلا دیا، اور طریقہ کار اور غالب مشغلہ کے اعتبار سے ان میں فرق کو بھی واضح کر دیا جس سے معلوم ہوگیا کہ علماء، اور صوفیاء، کوئی دو فرقے یا دو گروہ نہیں، بلکہ دونوں کا مقصد زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، البتہ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کے طریق کار صورۃً متغایر نظر آتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا
اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ
کی خبرگیری پر مقرر تھے

یہودیوں پر توراۃ کی ذمہ داری:

یعنی توراۃ کی حفاظت کا انکو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی طرح "إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ" کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء واحبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا "تورات" محفوظ ومعمول رہی آخر دنیا پرست علمائے سوء کے ہاتھوں سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا
سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو اور مت
تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا
خریدو میری آیتوں پر مول تھوڑا

اے یہودی اُمراء اور علماء توراۃ میں تحریف نہ کرو:

یعنی لوگوں کے خوف یا دنیوی طمع کی وجہ سے آسمانی کتاب میں تبدیل وتحریف مت کروا سکے احکام واخبار کو مت چھپاؤ اور خدا کی تعذیب وانتقام سے ڈرتے رہو۔ تورات کی عظمت شان اور مقبولیت جتلانے کے بعد یہ خطاب یا تو ان رؤسا وعلماء یہود کو کیا گیا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے کیونکہ انہوں نے حکم "رجم" سے انکار کر دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشینگوئیوں کو چھپاتے اور انکے معنی میں عجیب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔ اور یا درمیان میں امت مسلمہ کو نصیحت ہے کہ تم دوسری قوموں کی طرح کسی سے ڈر کر یا حب مال وجاہ میں پھنس کر اپنی آسمانی کتاب کو ضائع مت کرنا۔ چنانچہ اس امت نے بحمد اللہ ایک حرف بھی اپنی کتاب کا کم نہیں کیا اور آج تک اسکو مبطلین کی تغیر وتحریف سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جو آدمیوں سے وابستہ ہو اللہ اس کو انہیں کے حوالے کر دیتے ہیں

ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آدمی آدمی سے ڈرے تو اس شخص پر اسی آدمی کو مسلط کیا جاتا ہے، جس سے وہ ڈرتا ہے۔ اور اگر آدمی اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو تو اللہ اپنے سوا کسی کو اس پر قابو نہیں دیتا۔ اور جو آدمی آدمی سے امید رکھتا ہے اس کو اسی سے وابستہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کے سوا کسی سے امید نہ کرے تو اللہ اپنے سوا کسی اور کے سپرد اس کو نہیں کرتا۔ (مظہری)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر

احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرنا:

"مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اسکی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کر لے۔ جیسا کہ یہود نے حکم "رجم" کے متعلق کیا تھا۔ تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ عملاً اسکے خلاف کرے تو کافر سے مراد عملی کافر ہوگا یعنی اسکی عملی حالت کافروں جیسی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ

اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے

بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ

ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے

بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط

بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر

پچھلی شریعتوں کے احکام:

قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا۔ اور بہت سے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ جو پچھلی شرائع قرآن کریم یا ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نقل فرمائیں بشرطیکہ انکی نسبت کسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انکار یا ترمیم نہ فرمائی ہو تو وہ اس امت کے حق میں بھی تسلیم کی جائینگی۔ گویا بدون ردوانکار کے انکو سنانا تلقی بالقبول کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بدلہ لینے کی تفصیلات:

اگر جوڑ سے قصداً کاٹ دیا ہو تو کاٹنے والے کا ہاتھ بھی اسی جوڑ سے کاٹا جائے گا، خواہ ہاتھوں کی لمبائی (اور موٹائی) میں اختلاف ہو یہی حکم ٹانگ، سر، ناک، کان کی لو کاٹنے اور دانت توڑنے کا ہے اگر ضرب کی وجہ سے آنکھ باہر نکل پڑے تو بدلہ ناممکن ہے کیونکہ مثلیت نہیں ہو سکتی لیکن اگر آنکھ اپنی جگہ باقی ہو اور بینائی جاتی رہے تو بدلہ واجب ہے کیونکہ مثلیت ممکن ہے، بدلہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ آئینہ کو خوب گرم کیا جائے گا اور مارنے والے کے چہرہ پر تر روئی رکھی جائے گی اور پھر گرم آئینہ کو آنکھ کے قریب لایا جائے گا (آئینہ کی تپش تر روئی پر لگے گی تو اس سے ایک خاص قسم کی بھاپ اٹھ کر پتلی پر لگے گی) اس طرح آنکھ کی روشنی جاتی رہے گی۔ علماء کی ایک جماعت کا قول اسی طرح آیا ہے کفایہ میں ہے کہ ایسا ایک واقعہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مسئلہ پوچھا لیکن کسی نے شافی جواب نہ دیا اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لے آئے اور آپ نے یہ ترکیب بتائی کسی صحابی نے اس کی تردید نہیں کی گویا اتفاق آراء ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسی طرح حکم جاری کر دیا سوائے دانت کے اور کسی ہڈی (کو توڑنے) کا بدلہ نہیں ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک زخم کا بدلہ اس وقت لیا جائے گا جب زخم کا اندمال ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک (بھرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا) فوراً بدلہ لیا جائے گا۔

احناف کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص کو زخمی کیا گیا تھا۔ اس نے فوراً بدلہ لینے کی درخواست کی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی کے اچھا ہونے تک زخمی کرنے والے سے بدلہ لینے کی ممانعت فرمادی۔ (رواہ الدارقطنی)

مسئلہ: زبان اور عضو مخصوص کو کاٹنے کا بھی امام صاحب کے نزدیک قصاص نہیں کیونکہ یہ دونوں عضو پھیلتے اور سکڑتے ہیں اس لئے ممکن نہیں ہاں اگر حشفہ کو کاٹ دیا ہے تو بدلہ لیا جائے گا کیونکہ کاٹنے کی حد معین ہے۔

ربیع نے ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑا:

حضرت انسؓ کی ہی ایک روایت یہ بھی ہے کہ انس بن مالک کی پھوپھی ربیع نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا۔ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم سن کر انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر بولے یا رسول اللہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس بدلہ اللہ کا فرض حکم ہے، اسکے بعد مدعی راضی ہو گئے اور مالی عوض انہوں نے قبول کر لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے اعتماد پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

ناسخ ومنسوخ کی مثال:

شرائع میں ناسخ ومنسوخ کی مثال بالکل ایک حکیم یا ڈاکٹر کے نسخہ کی مثال

ہے کہ جس میں دوائیں تدریجاً بدل جاتی ہیں کہ حکیم ڈاکٹر کو پہلے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تین روز اس دوا کو استعمال کرنے کے بعد مریض پر یہ کیفیات طاری ہو جائیں گی اس وقت فلاں دوا دی جائے گی جب وہ پچھلا نسخہ منسوخ کر کے دوسرا دیتا ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوتا کہ پچھلا نسخہ غلط تھا اس لئے منسوخ کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ پچھلے ایام میں وہی نسخہ صحیح اور ضروری تھا، اور بعد کے حالات میں یہی دوسرا نسخہ صحیح اور ضروری ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ
پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا

معاف کر دینے کی فضیلت:

یعنی جروح کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اسکی تصریح آتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت کو جارح کے حق میں رکھا ہے یعنی اگر مجروح نے جارح کو معافی دیدی تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا۔

والراجح والاول:

ترمذی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس شخص کو کوئی جسمانی اذیت دی جائے اور وہ معاف کر دے تو اللہ اس عمل کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور گناہ کو ساقط فرماتا ہے۔ (مظہری)

حضرت جانِ جاناں صاحبؒ کا معاف کرنا:

ہمارے شیخ وامام (حضرت مرزا جان جاناں، رحمہ اللہ کو جب زخمی کیا گیا اور ایسا زخمی کیا گیا کہ اسی سے آپ کی وفات ہوگئی اور امیر الامراء (نواب نجف خاں) نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ میں آپ کے مجرم سے قصاص لوں گا تو شیخ نے فرمایا تم میرے مجرم سے کچھ تعرض نہ کرو شیخ نے اس کو معاف کر دیا۔

ابن جریج نے کہا قرآن مجید گذشتہ کتاب الٰہیہ کا امین ہے اگر اہل کتاب اپنی کتابوں سے کچھ بیان کریں اور وہ بیان قرآن میں بھی ہو تو اس کی تصدیق کر دو ورنہ جھوٹ سمجھو یعنی اگر قرآن میں اس کی تصدیق ہو تو اس کو صحیح سمجھو اور قرآن میں تکذیب ہو تو اس کو غلط قرار دو اور اگر قرآن اس کے معاملہ میں خاموش ہو تو تم بھی خاموش رہو نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کیونکہ اہل کتاب کے بیان میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
وہی لوگ ہیں ظالم

بنو نضیر کا ظلم:

یہود نے حکم قصاص کے خلاف بھی تعامل قائم کر لیا تھا۔ ان میں "بنی نضیر" جو زیادہ معزز اور قوی سمجھے جاتے تھے "بنو قریظہ" سے پوری دیت وصول کرتے اور جب انکو دینے کی نوبت آتی تو نصف دیت ادا کرتے "بنی قریظہ" نے اپنی کمزوری کی وجہ سے ان سے اس طرح کا معاہدہ کر رکھا تھا اتفاقاً بنی قریظہ کے ہاتھ سے "بنی نضیر" کا آدمی مارا گیا۔ انہوں نے دستور سابق کے موافق ان سے پوری دیت طلب کی بنی قریظہ نے جواب دیا کہ وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت سے مجبور ہو کر یہ ظلم منظور کر لیا تھا۔

اب ظلم نہیں ہوگا:

اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آچکے ہیں ان کا دور دورہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم جو دیت تم سے لیتے ہیں اس سے دگنی ادا کریں۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں محال ہے کہ کوئی قوی ضعیف کو کچل سکے یا دبا سکے کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ ہر ضعیف وقوی کے ساتھ یکساں انصاف کرتے ہیں۔ اور اقویاء کے مظالم کے مقابلہ میں ضعفاء کی دستگیری فرماتے ہیں۔ انجام کار یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا اور بنی قریظہ نے جو خیال اس پیکر عدل وانصاف کی نسبت ظاہر کیا تھا بلا کم وکاست صحیح نکلا حکم قصاص کے بعد وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ فرمانے سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ "رجم" کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صریحاً انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپس کی مفاہمت سے خلاف حکم شرعی ایک دستور قائم کر لیا تھا۔ تو قانون عدل کی یہ اعتقادی نہیں صرف عملی مخالفت ہوئی اسی لئے یہاں کافرون کی جگہ ظلمون فرمایا۔ یعنی یہ ظلم صریح ہے کہ قوی سے کم اور ضعیف سے زیادہ دیت لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ذمی کے بدلہ مسلمان:

امام ابو حنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان

قتل کر دیا جائے گا، اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔

قریشی کا انصاری کو معاف کرنا:

ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دیدیا جس سے اسکے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم کو کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کرلے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے اس انصاری نے یہ سن کر کہا، کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے" آپ نے فرمایا میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ
اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے

مَرْيَمَ
بیٹے کو

یعنی ان کے نقش قدم پر یہ بھی چلتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
تصدیق کرنے والا توریت کی جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ
نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
اور تصدیق کرتی تھی اپنے سے اگلی کتاب توریت کی

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾
اور راہ بتلانے والی اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کو

انجیل: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنی زبان سے تورات کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب (انجیل) ان کو دی گئی تھی وہ بھی تورات کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل کی نوعیت بھی نور و ہدایت ہونے میں تورات کی طرح تھی احکام و شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ فرق تورات کی تصدیق کے منافی نہیں جیسے آج ہم قرآن کو ماننے اور صرف اسی کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود بحمد اللہ تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے

فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾
سو وہی لوگ ہیں نافرمان

عیسائیوں سے خطاب:

یا تو عیسائی جو نزول انجیل کے وقت موجود تھے انکو یہ حکم دیا گیا تھا اسی کو یہاں نقل فرما رہے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو عیسائی مخاطب تھے ان سے کہا گیا ہو کہ جو کچھ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اسکے موافق ٹھیک ٹھیک حکم کریں۔ یعنی ان پیشینگوئیوں کو چھپانے یا لغو اور مہمل تاویلات سے بدلنے کی کوشش نہ کریں جو انجیل میں پیغمبر آخر الزمان اور مقدس "فارقلیط" کی نسبت حضرت مسیح کی زبانی کی گئی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی کہ جس ہادی جلیل اور مصلح عظیم کے متعلق حضرت مسیح یہ فرمائیں کہ "جب وہ روح حق آئیگی تو تمہیں سچائی کی ساری راہیں بتائے گی۔ اسی کی تکذیب پر کمر بستہ ہو کر اپنے لئے ابدی خسران قبول کرو۔ گیا مقدس مسیح اور اس کے پروردگار کی فرمانبرداری کے یہی معنی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین

عَلَيْهِ
پر نگہبان

قرآنِ کریم "غالب وامین" ہے:

"مہیمن" کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ امین، غالب، حاکم محافظ ونگہبان اور ہر معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کا کتب سابقہ کیلئے "مہیمن" ہونا صحیح ہے۔ خدا کی جو امانت تورات وانجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ مع شے زائد قرآن میں محفوظ ہے جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی اور جو بعض فروعی چیزیں ان کتابوں میں اس زمانہ یا ان مخصوص مخاطبین کے حسب حال تھیں انکو قرآن نے منسوخ کر دیا اور جو حقائق نا تمام تھیں انکی پوری تکمیل فرمادی ہے اور جو حصہ اس وقت کے اعتبار سے غیر مہم تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
سو تو حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے

رشوتی اسلام منظور نہیں:

یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گئی تھی ایک فریق جس میں انکے بڑے بڑے مشہور علماء اور مقتدا شامل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فصل نزاع کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود ہمارے اختیار واقتدار میں ہے اگر آپ فیصلہ ہمارے موافق کر دینگے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اسلام لانے سے جمہور یہود اسلام قبول کرلیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور انکی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار فرمادیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ
اور ان کی خوشی پر مت چل چھوڑ کر سیدھا راستہ جو تیرے پاس آیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ استقامت:

گزشتہ فائدہ میں ان آیات کا جو شان نزول ہم لکھ چکے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ آیت کا نزول بعد اسکے ہوا کہ آپ انکی خوشی اور خواہش پر چلنے سے انکار فرما چکے تھے۔ تو یہ آیات آپ کی استقامت کی تصویب اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کیلئے نازل ہوئیں۔

ایک اہم وضاحت:

جو لوگ اس قسم کی آیات کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عصمت کے خلاف تصور کرتے ہیں وہ نہایت ہی قاصر الفہم ہیں۔ اول تو کسی چیز سے منع کرنا اسکی دلیل نہیں کہ جس کو منع کیا جارہا ہے وہ اس ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی "معصومیت" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی معصیت ان سے صادر نہیں ہو سکتی یعنی کسی کام کو یہ سمجھتے ہوئے کہ خدا کو ناپسند ہے ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر اتفاقاً کسی وقت بھول چوک یا رائے واجتہاد کی غلطی سے راجح وافضل کی جگہ مرجوح ومفضول کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی کو مرضی سمجھ کر عمل کر گذریں جسکو اصطلاح میں "زلۃ" کہتے ہیں تو اس طرح کے واقعات مسئلہ عصمت کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت آدم اور بعض دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات شاہد ہیں اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد "وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ" اور "وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ" اور اسی طرح کی دوسری آیات کا مطلب سمجھنے میں کوئی خلجان نہیں رہتا کیونکہ ان میں صرف اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ ان ملعونوں کی تلمیع اور سخن سازی سے قطعاً متاثر نہ ہوں اور کوئی ایسی رائے قائم نہ فرمالیں جسمیں بلا قصد انکی خواہشات کے اتباع کی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً اسی قصہ میں جو ان آیات کی شان نزول ہے یہود نے کیسی عیارانہ اور پرفریب صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ انکے حسب منشاء فیصلہ کر دیں تو سب یہود مسلمان ہو جائینگے وہ جانتے تھے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز آپ کے نزدیک محبوب اور عزیز نہیں ایسے موقع پر امکان تھا کہ بڑے سے بڑا مستقیم انسان بھی یہ رائے قائم کرلے کہ انکی ایک چھوٹی سی خواہش کے قبول کر لینے میں جب کہ اتنی عظیم الشان دینی منفعت کی توقع ہو، کیا مضائقہ ہے۔ اس طرح کے خطرناک اور مزلۃ الاقدام موقع پر قرآن کریم پیغمبر علیہ السلام کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر بھی کوئی ایسی رائے قائم نہ کر لیجئے جو آپ کی شان رفیع کے مناسب نہ ہو حضور کا کمال تقویٰ اور انتہائی فہم وتدبر تو نزول آیت سے پہلے ہی ان ملاعین کے مکروفریب کو رد کر چکا تھا لیکن فرض کیجئے اگر ایسا نہ ہو چکا ہوتا تب بھی آیت کا مضمون جیسا کہ ہم تقریر کر چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عصمت کے اصلاً مخالف نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا
ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ

تمام شریعتوں کے اصول ایک ہیں:

یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اسکے احوال واستعداد کے

مناسب جداگانہ رکھا ہے اور باوجودیکہ تمام انبیاء اور ملل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے، باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات اور فروع کے لحاظ سے ہر امت کو انکے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص احکام وہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اسی فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاء علیہم السلام کو آپس میں علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل ومفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے، اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے ورنہ مبداء فیاض میں کوئی اختلاف وتعدد نہیں۔ سب شرائع وادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اسکا علم ازلی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سابقہ کتب کے تمام احکام قابلِ ترک نہیں ہیں:

اگر قرآن یا حدیث سے ثابت ہو جائے کہ اللہ نے سابق کتابوں میں یہ حکم دیا تھا اور قرآن وحدیث سے اس حکم کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو تو لامحالہ ہم بھی اس کے مکلف ہوں گے۔ کیونکہ وہ بھی ہماری شریعت کے احکام میں ہی داخل ہے (کیونکہ گذشتہ اقوام وملل کے لئے اس حکم کا خاص ہونا ثابت نہیں اس لئے اس کو عام ہی قرار دیا جائے گا اور قیامت تک سب اس پر مامور ہوں گے) اب یہ کہنا کہ کتب سابقہ کے تمام احکام قابل ترک ہیں عقل سے بھی بغاوت ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ رہا شریعتوں کا باہم اختلاف تو وہ اصول میں نہیں ہے اکثر فروعی مسائل میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

شریعت اور منہاج کا معنیٰ:

شرعۃ کے معنی شریعت کے ہیں اور منہاج کے معنی طریقت کے ہیں شریعت اصل میں پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا دارومدار ہے اور اصطلاح میں شریعت احکام خداوندی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلہ آب حیات کے ہیں کہ ان کے پینے سے یعنی ان پر عمل کرنے سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اور منہاج سے طریقہ عمل اور طریقہ اصلاح مراد ہے یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اسکے ماتحت ہے کتاب وسنت میں احکام شریعہ بھی ہیں اور تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے طریقے بھی ہیں اور سب خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں کوئی کسی راہ سے اور کوئی کسی راہ سے جا رہا ہے۔

حکمت الٰہی:

حق جل شانہ نے باقتضائے حکمت ومصلحت ہر زمانہ اور ہر امت کے احوال اور استعداد کے مناسب انبیاء کرام کو شریعتیں اور ہدایتیں عطا فرماتے رہے مگر اصول دین اور مقاصد کلیہ جن پر نجات ابدی کا مدار ہے اور جسکو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر لفظ دین سے تعبیر کیا ہے، اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ وہ تمام انبیاء کرام کا ایک ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نحن معاشر الانبیاء اخوۃ علات دیننا واحد۔ یعنی ہم تمام پیغمبر بمنزلہ علاتی بھائیوں کے ہیں جن کا باپ (یعنی دین) ایک ہے اور مائیں (یعنی شریعتیں) مختلف ہیں انبیاء کرام کی شریعتیں مختلف رہیں کسی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں حرام کسی ملت کے احکام میں خفت اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں اور کسی میں شدت اور صعوبت جیسا کہ شریعت موسویہ جس زمان اور مکان اور جس قوم کے لئے حق تعالیٰ نے جو مصلحت جانا اسکے مطابق حکم دیا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا میں اسی طرف اشارہ ہے کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت اور صلاحیت اور استعداد پر مبنی ہے اس علیم وحکیم نے جیسا مناسب جانا ویسی شریعت نازل کی۔

آخری شریعت:

اب اس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل کی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لئے کافی اور شافی ہے جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ تھیں اور واجب الاطاعت تھیں۔ اسی طرح یہ آخری شریعت بھی من جانب اللہ ہے بصد ہزار شوق ورغبت اسکو قبول کرنا چاہئے ایک وفادار غلام کا فریضہ یہ ہے کہ آقا کے جدید اور آخری حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کیلئے تیار رہے جدید حکم کے ہوتے ہوئے سابق اور قدیم حکم پر عمل کرنا تمرد اور سرکشی کی دلیل ہے۔

پس اے لوگو تم تعصب اور ہوا پرستی کو چھوڑ کر اپنے مرنے سے پہلے ان بہترین عقائد اور اعمال اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑو اور انکی طلب میں سرگرم رہو جنکی طرف تمکو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیہ۔ دعوت دیتی ہے یعنی تمکو چاہئے کہ اس آخری شریعت کا اتباع کرو جسکو نبی آخر الزماں لیکر آئے ہیں اور وہ شریعت کاملہ اور عادلہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہو کر آئی ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست　　کتب خانہ چند ملت بشست

پیغام خدا نخست آدم آورد　　انجام بشارت ابن مریم آورد

با جملہ رسل نامہ بے خاتم بود　　احمد بر ما نامہ وخاتم آورد

اب نجات اس آخری شریعت کے اتباع میں منحصر ہے جیسے حضرت عیسٰی کی بعثت کے بعد نجات حضرت عیسٰی کے اتباع میں منحصر تھی۔ حضرت عیسٰی کی بعثت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا اتباع نجات کے لئے کافی نہ تھا اسی طرح خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد نجات آپکے اتباع میں منحصر ہے اور اسی میں خیر ہے اور اسی کے ذریعہ تم خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ پس اگر تم میدان سعادت میں گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو اس آخری شریعت کا اتباع کرو۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند

کس بہ میدان در نمی آید سواراں را چہ شد

(معارف کاندھلوی)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کر دیتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ
اپنے دیئے ہوئے حکموں میں

کون اللہ تعالیٰ کا غلام بنتا ہے:

یعنی کون تم میں سے خدا کی مالکیت مطلقہ میں علم محیط اور حکمت بالغہ پر یقین کر کے ہر نئے حکم کو حق وصواب سمجھ کر بطوع ورغبت قبول کرتا ہے اور ایک وفادار غلام کی طرح ہر جدید حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کیلئے تیار رہتا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

یہ جانچنا مقصود ہے کہ تم میں سے کون اللہ کے حکم پر چلتا ہے اور کون اپنے باپ دادا کے دین کی اندھی تقلید پر جما رہتا ہے۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا کہ تم سب اسلام پر ہو جاؤ تو جبراً تم کو اسلام پر متفق بنا دیتا مگر اس نے تمہارے جانچنے کی غرض سے یہ نہیں کیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ
سو تم دوڑ کر لو خوبیاں

عمل کی کوشش کرو:

یعنی شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ کی قیل وقال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنے والوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہئے اور جو عقائد، اخلاق اور اعمال کی خوبیاں شریعت سماویہ پیش کر رہی ہے انکے لینے میں چستی دکھلانی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی فرصت کو غنیمت سمجھو اور اعمال صالحہ کی طرف دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو تا کہ سبقت کی فضیلت تم کو حاصل ہو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے) جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس طریقہ پر چلنے کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کا ثواب بھی ملے گا جو قیامت تک اس طریقہ پر چلتے رہیں گے مگر ان چلنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (مظہری)

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا جس بات میں
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾
تم کو اختلاف تھا

تو انجام کا خیال کر کے حسنات وخیرات کی تحصیل میں مستعدی دکھلاؤ۔ اختلافات کی سب حقیقت وہاں جا کر کھل جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اسکے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ
چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی
عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ
ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر ④

آپ ہر حال میں حکم الٰہی پر فیصلے کرتے رہیں:

یعنی آپس کے اختلافات میں خواہ دنیا کیسی ہی دست وگریباں رہے آپ کو یہی حکم ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے موافق حکم دیتے رہیں۔ اور کسی کے کہنے سننے کی کوئی پروانہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے
يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ
کہ پہنچاوے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی

کچھ سزا دُنیا میں بھی ملے گی:

پوری سزا تو قیامت میں ملے گی لیکن کچھ تھوڑی سی سزا دے کر یہاں بھی مجرم کو یا دوسرے دیکھنے والوں کو ایک گونہ تنبیہ کردی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾
اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان

یعنی آپ ان لوگوں کے اعراض و انحراف سے زیادہ ملول نہ ہوں دنیا میں فرمانبردار بندے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف، رکوع ۱۱) (تفسیر عثمانی)

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ
اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم
مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾
کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے

اب جاہلیت کے فیصلے نہیں چلتے:

یعنی جو لوگ خدا کی شہنشاہیت، رحمت کاملہ اور علم محیط پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ انکے نزدیک دنیا میں کسی کا حکم خدا کے حکم کے سامنے لائق التفات نہیں ہوسکتا۔ پھر کیا یہ لوگ احکام الٰہیہ کی روشنی آجانے کے بعد ظنون واہواء اور کفر و جاہلیت کے اندھیرے ہی کی طرف جانا پسند کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

بعض اہل روایت نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی قریظہ اور بنی نضیر کے حق میں ہوا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کا فیصلہ وہی کیا جائے جو اہل جاہلیت (دور اسلامی سے پہلے کے لوگ) کرتے تھے کہ جدا جدا قبائل کے مقتولوں میں نیچ اونچ کا لحاظ رکھتے تھے اور ایک قبیلہ کے مقتولوں کو دوسرے قبیلے کے مقتول سے (قصاص اور دیت کے لحاظ سے) بڑا چھوٹا قرار دیتے تھے۔ آیت میں استفہام انکاری ہے یعنی (حکم جاہلیت کی طلب نہ کرنی چاہیے) آپ ایسا نہ کریں۔ (مظہری)

اہل ایمان کے غور و فکر کا نتیجہ:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہے ایمان رکھنے والوں کے نزدیک۔ لقوم میں لام بیان کا ہے یعنی اہل ایمان ہی غور و فکر کرتے ہیں اور سوچ سمجھ کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ سے بہتر اور برتر حکم والا اور کوئی نہیں ہوسکتا مخلوق کا علم ناقص اور اللہ کا علم کامل ہے مخلوق کے ساتھ جذبات اور میلانات لگے ہوئے ہیں اس لئے اس کے قائم کردہ قوانین اور جاری کردہ احکام میں بھی جول رسم و رواج قومیت، وطنیت، نسلیت اور لسانیت وغیرہ کے جذبہ کا لگاؤ ضرور ہے لیکن اللہ ہر جذبہ سے پاک ہے اس لئے اس کا بنایا ہوا قانون اور دیا ہوا حکم علم و عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قانونِ شریعت پر نکتہ چینی ناجائز ہے:

جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانیکے بعد قانون حکومت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانون شریعت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت اور اس کا پیش خیمہ ہے اور اگر وہ اسکو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اسکی وفاداری مشکوک ہوجاتی ہے اسی طرح کافروں سے دوستانہ تعلقات سے خدا تعالیٰ کی نظر میں اسلام کی وفاداری مشکوک ہوجاتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ					
یہود	بناؤ	مت	والو	ایمان	اے
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ					
اور نصاریٰ کو دوست					

کافروں سے دوستانہ تعلقات نہ کرو:

''اولیاء، ولی کی جمع ہے'' ''ولی'' دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی، غرض یہ ہے کہ ''یہود و نصاریٰ'' بلکہ تمام کفار سے، جیسا کہ سورۃ نساء میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ موالات مروت وحسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل وانصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان مشروع طریقہ پر کرسکتے ہیں۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (انفال، رکوع ۸) عدل وانصاف کا حکم جیسا کہ گذشتہ آیات سے معلوم ہوچکا، مسلم وکافر ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ ''مروۃ'' اور ''حسن سلوک'' یا ''رواداری'' کا برتاؤ ان کفار کیساتھ ہوسکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی

اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ سورۂ ''ممتحنہ'' میں تصریح ہے۔ باقی ''موالاۃ'' یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرۃ ومعاونت، تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو ''اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً'' کے تحت میں داخل ہو، اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اسکی اجازت ہے بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں جو غیر معمولی تشدید وتضییق منقول ہے اسکو محض سد ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

عیسائی کاتب کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی ناراضگی:

قاضی عیاض کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ آپ نے جو کچھ لیا دیا ہوا ایک چمڑے پر (لکھ کر) پیش کیجئے حضرت ابوموسیٰ کا کاتب عیسائی تھا، کاتب نے حساب پیش کیا حضرت عمرؓ نے تعجب کیا اور فرمایا یہ بڑی یادداشت رکھتا ہے، اچھا ہمارا ایک خط شام سے آیا ہے تم اس کو مسجد میں چل کر پڑھ دو، حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا یہ مسجد میں نہیں جاسکتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا یہ جنب ہے، حضرت ابوموسیٰ نے کہا نہیں، عیسائی ہے، حضرت ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے میرے کچوکا مارا اور میری ران پر ضرب رسید کی اور فرمایا اس کو نکال دو پھر آیت اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ تلاوت فرمائی اخرجہ ابن ابی حاتم، والبیہقی فی شعب الایمان (تفسیر مظہری)

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ
وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے

کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں:

یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض وعداوت کے باوجود وہ باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الکفر ملة واحدة (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ
اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے

منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی:

یعنی ان ہی کے زمرہ میں شامل ہے یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اسکا بہت دوستانہ تھا اس کا گمان یہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ السلام کی جماعت مغلوب ہوگئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئیگی اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی موالاۃ کا اصلی منشاء یہ تھا کہ یہود جماعت اسلام کے مدمقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے۔

کافروں کا دوست اسلام کا دشمن ہے:

ظاہر ہے کہ جو شخص یہود ونصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے اسکے کفر میں کیا شبہ ہوسکتا ہے منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ احد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر ان ہی کا مذہب اختیار کرلیں گے، اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ''کا ظاہری مدلول علانیہ صادق ہے۔ رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشاء سے خالی ہوکر یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، چونکہ انکی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہوکر رفتہ رفتہ ان ہی کا مذہب اختیار کرلیں۔ یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور نہ رہیں۔ اس اعتبار سے فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ کا اطلاق انکے حق میں بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ حدیث المرء مع من احب نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ
اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو

یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کرکے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب ومقہور ہونے کا انتظار کررہے ہیں ایسی بدبخت، معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئیگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ
اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے دوڑ کر ملتے ہیں
فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ
ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی

منافقوں کے دِل کی بیماری:

یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے۔جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔تا کہ انکے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہوسکیں۔اور انکے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کے یہی معنی انکے دلوں میں مکنون تھے۔لیکن یہی الفاظ (نَخْشٰۤی اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ) جب پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ نہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض دوام لے لیتے ہیں۔اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائینگے۔ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔(تفسیر عثمانی)

حضرت عبادہؓ بن صامت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہودیوں میں میرے ہم معاہدہ لوگوں کی تعداد بہت ہے مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی دوستی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے موالات کرتا ہوں، اس پر ابن ابی نے کہا مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا اندیشہ ہے میں اپنے ہم معاہدہ لوگوں کی دوستی سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالحباب یہود کی دوستی سے جو تم کو عبادہ پر ترجیح حاصل ہوگی وہ تمہاری ہوگی عبادہ کی نہ ہوگی ابن ابی نے کہا تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔(تفسیر مظہری)

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ
سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی حکم
عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ
اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات
نٰدِمِيْنَ ۞
پر پچھتانے

اسلام کا غلبہ اور منافقوں کی رسوائی قریب ہے:

یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتحانہ داخل کرے یا اسکے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت اور رسوائی اور اخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں۔جب فضیحت وخسران کے یہ نتائج سامنے آجائینگے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔(تفسیر عثمانی)

الئن قدندمت وما ينفع الندم، چنانچہ ایسا ہی ہوا اسلام کے عام غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہوگئے بہت سے یہود مارے گئے بہت سے جلاوطن ہوئے۔منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے۔موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ
کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے
لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۞
ساتھ ہیں برباد گئے ان کے عمل پھر رہ گئے نقصان میں
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ
اے ایمان والو جو کوئی تم میں پھرے گا
عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ
اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے
وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى
اور وہ اسکو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر
الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
زبردست ہیں کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ
اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے

اسلام قائم رہے گا:

اس آیت میں اسلام کی ابدی بقاء اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشینگوئی کی گئی ہے۔پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے۔جیسا کہ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ میں تنبیہ کی گئی ہے۔قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے،اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں یا انکے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے،وہ مسلمانوں پر شفیق ومہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اورزبردست ہونگے۔یہ پیشن گوئی بحول اللہ وقوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔

سب سے پہلے فتنۂ ارتداد کا انسداد:

ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے عہد میں پھیلا۔کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی جرات اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے ازسرنو اخلاص وایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔

آج کی صورتحال:

آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیمات اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کیلئے خدا ایسے وفادار اور جاں نثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثانی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قوم:

روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا،وہ اسکی قوم ہے۔ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہورہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے،ان بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔جیسے فرمایا أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں ہے کہ آپ "ضحوک" تھے اور "قتال" تھے یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ان کی ساری کاروائیاں برباد گئیں اور دنیا ودین میں یہ ناکام ہوگئے یہ آیت یا مومنوں کا مقولہ ہے یا اللہ کا مقولہ ہے اللہ نے منافقوں کے اعمال کی بربادی اور ان کی نامرادی کی شہادت دی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ اے اہل ایمان تم میں سے جو اپنے دین اسلام سے (کفر کی جانب) پھر جائے گا،حسن بصری نے فرمایا اللہ کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ اسلام سے پھر جائیں گے،اس لئے اس نے پہلے سے خبر دیدی کہ ایسا ہوگا۔

اللہ کی محبّ اور محبوب قوم کونسی ہے:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ،تو اللہ آئندہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی یعنی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کے لئے تم میں سے ہی اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو اللہ کے محبّ بھی ہوں گے اور محبوب بھی۔

اس قوم سے مراد کونسی قوم ہے اس کے متعلق اقوال میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضرت علیؓ مراد ہیں حسن،ضحاک اور قتادہ کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں جنہوں نے مرتدوں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کیا تھا۔

فتنۂ ارتداد اور انکارِ زکوٰۃ کی تفصیل:

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی سوائے اہل مکہ اور اہل مدینہ اور بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کے عام عرب مرتد ہوگئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا مگر صحابہ کرامؓ نے اس ارادہ کو پسند نہیں کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا (یہ لوگ کلمہ گو ہیں) آپ ان سے کس طرح جہاد کر سکتے ہیں،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہوگیا اس نے اپنی جان ومال کو مجھ سے محفوظ کر لیا اور اس کا (اندرونی) محاسبہ اللہ کا کام ہے ہاں کسی حق کی وجہ سے (اس کلمہ گو کے جان ومال سے) تعرض کیا جاسکتا ہے،حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو لوگ نماز اور زکوٰۃ (کی فرضیت) میں فرق پیدا کرتے ہیں خدا کی قسم میں ان سے جہاد کروں گا

کیونکہ (جس طرح نماز جسمانی عبادت ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی فرض ہے۔خدا کی قسم اگر یہ لوگ بکری کا بچہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اور مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ادا زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنا صحابہ کو (شروع میں) پسند نہ تھا۔ان کا قول تھا کہ یہ لوگ تو اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ سے جہاد نہیں کیا جا سکتا۔لیکن جب ابوبکرؓ گردن میں تلوار لٹکائے تنہا نکل کھڑے ہوئے تو صحابہ کو بھی نکلے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے ہم کو شروع میں حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ پسند نہ تھا۔لیکن آخر میں ہم نے آپ کے خیال کی تعریف کی۔ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے میں نے ابوحفص کو یہ کہتے سنا کہ انبیاء کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔

مرتدوں کے فرقے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تین گروہ مرتد ہو گئے تھے۔(۱) بنی مذحج جن کا سردار، ذوالحمار، عبہلہ بن کعب عنسی تھا ان کا لقب اسود تھا یہ ایک شعبدہ باز کاہن تھا یمن میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور بلاد یمن پر قابض ہو گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ گورنر یمن اور آپ کے ساتھی مسلمانوں کو لکھا کہ لوگوں کو مضبوطی کے ساتھ دین پر قائم رہنے کی ترغیب دیتے رہیں اور اسود سے لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔چنانچہ فیروز دیلمی نے گھر میں گھس کر اسود کو اس کے بستر پر ہی قتل کر دیا۔حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ قتل کی رات کو ہی آسمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسود کے قتل ہونے کی خبر مل گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ آج رات اسود کو قتل کر دیا گیا اور مبارک شخص نے اس کو قتل کیا ہے عرض کیا گیا وہ کون ہے فرمایا فیروز فیرور کامیاب ہو گیا۔اس بشارت کو سنانے کے دوسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور مدینہ میں اسود کے قتل کی خبر (باضابط) ماہ ربیع الاول کے آخر میں پہنچی جبکہ حضرت اسامہؓ جہاد کے لئے جا چکے تھے سب سے اول حضرت ابوبکرؓ کے پاس اسی فتح کی اطلاع آئی۔(۲) بنی حنیفہ جن کا سردار مسیلمہ کذاب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ۱۰ھ کے آخر میں اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اس کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے بھی نبوت میں شریک کر دیا گیا چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں اس نے مندرجہ ذیل خط بھی بھیجا تھا۔مسیلمہ رسول خدا کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اما بعد یہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ خط آدمیوں کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصدوں سے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لکھوایا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام اما بعد ساری زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہوتا ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے کثیر لشکر کے ساتھ خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ سے لڑنے کو کہا۔آخر مطعم بن عدی کے غلام وحشی کے ہاتھوں سے مسیلمہ مارا گیا۔وحشی وہی شخص تھا جس نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ کو شہید کیا تھا اور مسیلمہ کو قتل کرنے کے بعد کہا کرتا تھا میں نے مسلمان ہونے سے پہلے سب سے بہتر آدمی کو شہید کیا تھا اور مسلمان ہونے کے بعد بدترین آدمی کو قتل کر دیا۔

(۳) بنی اسدان کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا یہ مدعیان نبوت میں سب سے آخری شخص تھا جس نے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ رسول اللہ کی زندگی ہی میں کر دیا تھا لیکن اس سے جہاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا گیا۔حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولیدؓ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا حضرت خالدؓ نے شدید جنگ کے بعد اس کو شکست دی یہ بھاگ کر شام کو چلا گیا پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام خلوص کے ساتھ رہا۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بہت لوگ مرتد ہو گئے تھے جن کو ہم سات فرقے کہہ سکتے ہیں۔

۱-بنی فزارہ۔یہ عیینہ بن حصین کا قبیلہ تھا۔

۲-بنی غطفان۔یہ قرہ بن سلمہ قشیری کا قبیلہ تھا۔

۳-بنی سلیم۔یہ فجاۃ بن عبد یالیل کا قبیلہ تھا۔

۴-بنی یربوع۔یہ مال بن نویرہ کا کنبہ تھا۔

۵-خاندان بنی تمیم کا کچھ حصہ، یہ قبیلہ سجاح بنت منذر زوجہ مسیلمہ کذاب کا تھا سجاح نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن آخر مسلمان ہو گئی تھی۔

۶-بنی کندہ۔یہ اشعث بن قیس کا خاندان تھا۔

۷-بنی بکر بن وائل یہ بحرین کے باشندے اور حطیم کے قبیلہ والے تھے آخر کار حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں اللہ نے ان سب کا کام تمام کرا دیا اور اپنے دین کو فتحیاب کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی استقامت:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی

عرب مرتد ہوگئے اور نفاق ان کے دلوں میں جم گیا اور میرے باپ پر وہ مشکلات پڑیں کہ اگر مضبوط پہاڑوں پر پڑتیں تو ان کا بھی چورہ کر دیتیں۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں جبلہ بن ایہم کا قبیلہ غسان مرتد ہو گیا تھا یہ ارتداد اس وقت ہوا جب شاہ غسان جبلہ بن ایہم سے ایک غریب آدمی کا بدلہ لینے کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا اور وہ عیسائی ہو کر ملک شام چلا گیا تھا بعض علماء کے نزدیک قوم محب و محبوب سے مراد اشعری قبیلہ کے لوگ ہیں عیاض بن غنم کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قوم والے رواہ ابن جریر فی السنن والطبرانی والحاکم، اشعری قبیلہ کے لوگ یمن کے باشندہ تھے۔

یمن والوں کا ایمان:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس یمن والے آئے ہیں جنکے دل بڑے کمزور اور نرم ہیں ایمان تو یمن کا ہے اور حکمت (بھی) یمن کی ہے (متفق علیہ) کلبی نے کہا یہ یمن کے مختلف قبائل والے تھے قبیلہ نخع کے دو ہزار افراد بنی کندہ اور بجیلہ کے پانچ ہزار اور مختلف قبائل کے تین ہزار ان سب نے حضرت عمرؓ کی خلافت میں قادسیہ کی جنگ میں اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اعزۃ علی الکافرین۔ کافروں کے مقابلہ میں طاقتور یعنی کافروں کے مقابلہ میں طاقتور ہیں عاجزی اور کمزوری ظاہر نہیں کرتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے میں نے رسول اللہ کے پاس آیت فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ اہل یمن میں سے ہیں اور اہل یمن میں سے بھی بنی کندہ میں سے اور بنی کندہ میں سے بھی قبیلہ سکون میں سے اور سکون میں سے قبیلہ تجیب میں سے۔

قاسم بن عمرہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے مرحبا کہا پھر آیت مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي الخ تلاوت کی پھر میرے مونڈھے پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اے اہل یمن وہ محب محبوب قوم تم میں سے ہوگی۔ اخرجه البخاري في تاريخه۔ میں کہتا ہوں ابو بکرؓ کے لشکر نے اہل یمن کی مدد سے مرتدوں سے جہاد کیا تھا (لہٰذا دونوں روایتیں صحیح ہیں) (تفسیر مظہری)

مومنوں اور منافقوں کا موازنہ:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

ترجمہ: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنے سے خوف زدہ نہیں ہوں گے۔

(کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہیں کریں گے) یہ یجاھدون کی ضمیر سے حال ہے اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ وہ کافروں کی ملامت کا اندیشہ کئے بغیر جہاد کریں گے۔ منافقوں کی حالت اس کے خلاف تھی وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ یا تو مال غنیمت کی طمع میں نکلتے تھے یا اس خیال سے نکلتے تھے کہ نہ نکلنے کی صورت میں ان کے نفاق کا اظہار ہو جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ یہودی دوستوں کے برا کہنے کا اندیشہ لگا رہتا تھا اس لئے کوئی ایسا کام نہ کرتے تھے جس پر یہودی ان کو آئندہ ملامت کر سکیں۔ لایخافون کا عطف یجاھدون پر ہے یعنی ان کے اندر دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں دوسرے دین میں بڑے ٹھوس ہیں دینی کام میں ان کو کسی کے برا کہنے کا اندیشہ نہیں حضرت عبادہؓ بن صامت کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت ان شرطوں پر کی کہ حکم سنیں گے اور مانیں گے اور جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اللہ کے معاملہ میں کسی برا کہنے والے کے برا کہنے کا اندیشہ نہیں کریں گے، متفق علیہ۔

لومة ایک بار ملامت کرنا دونوں کو نکرہ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کسی ملامت گر کی کسی ایک ملامت کی بھی ان کو پرواہ نہ ہوگی۔

تین مسجدوں والے:

قتادہ نے بیان کیا اللہ کو معلوم تھا کہ آئندہ کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ اس لئے اس آیت میں اس نے اطلاع دیدی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عام عرب اسلام سے پھر گئے صرف تین مسجدوں والے مرتد نہیں ہوئے مدینہ والے مکہ والے اور جواثا والے قبیلہ عبدالقیس کے لوگ۔

مرتدوں اور منکروں کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا شرح صدر:

مرتدوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہیں دیں گے ہمارا مال چھینا نہیں جا سکتا۔ حضرت ابو بکرؓ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی گئی کہ اس وقت آپ چشم پوشی کریں اور عرض کیا گیا کہ آئندہ جب ان میں دینی سمجھ آ جائیگی تو زکوٰۃ دیدیں گے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا جن چیزوں کو اللہ نے جمع کیا میں ان میں تفریق نہیں کروں گا اگر اللہ اور اس کے رسول کی مقررہ کردہ ایک رسی کے دینے سے بھی یہ انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا چنانچہ اللہ نے آپ کے ساتھ بھی کچھ جماعتیں کر دیں یہاں

تک کہ مرتدوں سے جنگ ہوئی ان کو قتل کیا گیا آخر مانعین یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کا انہوں نے اقرار کیا۔

صرف حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتدوں سے جہاد کیا گیا صحابہ کی رائے شروع میں اس کے خلاف تھی اور حضرت ابوبکر کے خلاف انہوں نے ناگواری کا اظہار بھی کیا تھا لیکن آپ نے کسی کی ناگواری کی پروا نہیں کی۔ آخر صحابہ نے بھی آپ کی رائے کی تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے صدیق کے قلب کو اس جہاد کے لئے مضبوط فرما دیا۔ اور آپؓ نے ایک ایسا بلیغ خطبہ صحابہ کرام کے سامنے دیا کہ اس جہاد کے لئے ان کا بھی شرح صدر ہو گیا اس خطبہ میں اپنے پورے عزم و استقلال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ۔

''جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکام اور قانون اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں اگر میرے مقابلہ پر تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا''

اور یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چلنے لگے اس وقت صحابہ کرام آگے آئے اور صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ بٹھلا کر مختلف محاذوں پر مختلف حضرات کی روانگی کا نقشہ بن گیا۔ اسی لئے حضرت علی مرتضیٰؓ حسن بصریؒ ضحاکؒ قتادہ وغیرہ جمہور ائمہ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آئی ہے وہی سب سے پہلے اس قوم کا مصداق ثابت ہوئے جن کے من جانب اللہ میدان عمل میں لائے جانے کا آیت مذکورہ میں ارشاد ہے۔

مسیلمہ کذاب سے مقابلہ:

بہرحال صحابہ کرام کی ایک جماعت حضرت صدیق اکبرؓ کے زیر ہدایت اس فتنہ ارتداد کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو گئی حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک بڑا لشکر کر دے کر مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر یمامہ کی طرف روانہ کیا۔

وہاں مسیلمہ کذاب کی جماعت نے اچھی خاصی طاقت پکڑ لی تھی۔ سخت معرکے ہوئے بالآخر مسیلمہ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کی جماعت تائب ہو کر پھر مسلمانوں میں مل گئی اسی طرح طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ پر بھی حضرت خالدؓ ہی تشریف لے گئے وہ فرار ہو کر کہیں باہر چلا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خود بخود ہی اسلام کی دوبارہ توفیق بخشی اور مسلمان ہو کر لوٹ آئے۔

اسود عنسی اور دیگر قبائل پر فتح:

خلافت صدیقی کے پہلے مہینہ ربیع الاول کے آخر میں اسود عنسی کے قتل اور اس کی قوم کے مطیع و فرمانبردار ہو جانے کی خبر پہنچ گئی اور یہی خبر سب سے پہلی فتح کی خبر تھی جو حضرت صدیق اکبر کو ان حالات میں پہنچی تھی اسی طرح دوسرے قبائل مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ میں بھی ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فتح مبین نصیب فرمائی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

روافض کی تردید:

پس جب صدیق اکبرؓ اور ان کے رفقاء کا خاصان خدا ہونا یعنی خدا تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا ثابت ہو گیا تو پھر ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ رہا۔ یہ امر تاریخ سے اور شیعہ اور سنی روایات سے بالاتفاق ثابت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہی کچھ لوگ مرتد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے تو یہ آگ اور تیز ہو گئی اور یہ امر بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ سوائے ابوبکرؓ کے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کے کسی نے مرتدین سے قتال و جہاد نہیں کیا۔

اس آیت کو حضرت علیؓ کی لڑائیوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ ان کی لڑائی مرتدین اسلام سے نہ تھی بلکہ اپنے باغی بھائیوں سے تھی جیسا کہ خود حضرت علیؓ کا ارشاد ہے ھؤلاء اخوا ننا قد بغوا علینا. جن لوگوں سے حضرت علیؓ نے قتال کیا وہ اسلام میں مرتد نہ تھے بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت اور روایات سے باغی تھے اور کسی کی امارت نہ تسلیم کرنے سے اسلام سے مرتد نہیں ہوتا۔ معاذ اللہ اگر حضرت معاویہ روافض کے زعم کے مطابق مرتد تھے تو حضرت امام حسن نے باوجود قوت و شوکت کے ان سے صلح کیسے کی اور ان کے حق میں خلافت کے حق سے کیسے دستبردار ہوئے کیا مرتد کی خلافت اور اطاعت پر صلح کرنا جائز ہوا کہ امام حسنؓ کے نزدیک حضرت معاویہ مسلمان تھے مرتد نہ تھے بلکہ خلافت اور امارت کے اہل تھے اور امام حسنؓ شیعہ کے نزدیک امام معصوم اور مفترض الاطاعت ہیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین قبیلے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں مرتد ہو گئے اور ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص دعوائے نبوت کرتا ہوا اٹھا اور اسکے قوم کے لوگوں نے اسکی تصدیق کی اور فساد عظیم برپا کیا۔

مارشل لاء: مارشل لاء حکومت کے مرتدین کیلئے ہے مارشل لاء کا قانون حکومت سے منحرف ہونے والوں کے لئے ہے اور تمام مغربی قومیں

اسکے جواز پر متفق ہیں۔لیکن شریعت الٰہیہ کے مرتدین کے لئے سزا قتل کے نام سے ناک منہ سے چڑھاتے ہیں۔

چند سال ہوئے کہ پاکستان میں مارشل لاء کی عدالت سے یہ حکم جاری ہوا کہ مارشل لاء کے احکام پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہ ہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے یہ دو شعر نکلے۔

مارشل لاچہ بودائے ارجمند　　چشم بندو گوش بندو لب بہ بند
حکم فانی راچو شدایں حرمتے　　حکم باقی رابدان چوں رفعتے

مرتد کی سزا:

(۱) حدیث میں ہے من بدل دینه فاقتلوه رواہ البخاری وابوداؤد والدار قطنی عن ابن عباسؓ۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسکو قتل کرڈالو یہ حدیث مشہور ہے اور اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ میں اسی طرح آیا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے وہ قابل گردن زدنی ہے خواہ وہ برسرپیکار ہو یا نہ ہو۔مرتد۔ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے نہ کہ برسرپیکار ہونے کی وجہ سے۔

(۲) ابوموسیٰ اشعریؓ۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والی یمن تھے ایک مرتبہ انکی ملاقات کیلئے معاذ بن جبلؓ ان کے پاس گئے اور کہا کہ ان کے پاس ایک مرتد شخص قید کر کے لایا گیا ہے معاذ بن جبل نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے اسلام کو چھوڑ کر یہودی بن گیا ہے اسپر معاذ بن جبلؓ نے فرمایا لا اجلس حتی یقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل۔(بخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی واحمد) میں اسوقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسکو قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے تین مرتبہ یہی کہا چنانچہ اسکو قتل کیا گیا صحیح بخاری وغیرہ۔

(۳) حضرت عثمان غنیؓ جب اپنے گھر میں محصور تھے اور باغی اور مفسد انکو قتل کرنا چاہتے تھے تو اسوقت عثمان غنیؓ نے دیوار پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل اسوقت تک جائز نہیں کہ جب تک اس سے ان تینوں کاموں سے کوئی کام سرزد نہ ہو جائے وہ تینوں کام یہ ہیں زنی بعد احصان و کفر بعد اسلام وقتل النفس بغیر حق شادی کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر اور مرتد ہو جانا اور کسی کو ناحق قتل کر دینا۔(نسائی وترمذی وابن ماجہ)

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا فاینما تقیمو هم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجرا لمن قتلهم یوم القیامة بخاری ومسلم وغیرہما یعنی انکو (مرتدین) کو جہاں پاؤ قتل کرڈالو اسلئے کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن بڑا ہی اجر عظیم ملے گا حضرت علی کرم اللہ وجہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مرتدین اور زنادقہ کو آگ میں جلایا کرتے تھے۔(دیکھو صحیح بخاری)

(۵) قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعد میں مرتد ہو گئے۔آپ نے ان سب کے قتل کا حکم دیا یہ روایت بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں مذکور اور مشہور ہے۔(معارف القرآن کاندھلوی)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ
یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾
کشائش والا ہے خبردار

بڑی سعادت: انسان کی بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادۂ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچایا کرے۔خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم عطا فرماتا ہے۔اس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے بندہ اسکا اہل اور مستحق ہے۔(تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا
تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ
وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾
اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں

ربط آیات: پچھلی آیتوں میں یہود ونصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات محبت و داد اور معاملات رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔اس آیت میں بتلادیا گیا کہ ان کا رفیق اصلی خدا اور پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔(تفسیر عثمانی)

نکتہ: بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر روایت سے ثابت ہو جائے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوئی تو صیغہ جمع کا استعمال دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ہے کہ وہ بھی حضرت علیؓ کی طرح کریں اور اسی حکم میں شامل ہو جائیں۔

شانِ نزول:

طبرانی نے الاوسط میں مجہول راویوں کی سند سے حضرت عمار بن یاسرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ ایک بار نفل نماز کے رکوع کی حالت میں تھے کہ ایک سائل آ کھڑا ہوا آپ نے اسی حالت میں اپنی انگشتری اتار کر اس کو دیدی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی کی (یہ روایت اگرچہ مجہول راویوں کی سند سے ہے لیکن) اس روایت کے دوسرے شواہد بھی آئے ہیں، عبدالرزاق بن عبدالوہاب بن مجاہدؒ نے اپنے باپ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے حق میں نازل ہوئی، ابن مردویہ نے دوسری سند سے بھی حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے اور حضرت علی کا بھی یہی قول بیان کیا گیا ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے سلمہ بن کہیل کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، ثعلبی نے حضرت ابوذر کی روایت سے اور حاکم نے علوم الحدیث میں خود حضرت علی کا قول اسی طرح لکھا ہے، یہ تمام شواہد ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے۔

مسئلہ: (۱) اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے اندر عمل قلیل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسی پر اجماع ہے، اس قصہ سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ صدقہ، نافلہ (خیرات) کو زکوٰۃ کہنا درست ہے اور آیت کا نزول اگرچہ حضرت علیؓ کے حق میں ہوا مگر مورد کی خصوصیت حکم کے عموم سے مانع نہیں اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں الفاظ کے عموم کا ہے اور صیغہ جمع کا استعمال اس کا قرینہ بھی ہے (کہ جو لوگ بھی ایسا کرتے ہوں ان کا یہی حکم ہے)

حضرت ابوجعفر محمد بن علی باقر نے فرمایا یہ آیت مومنوں کے متعلق نازل ہوئی، دریافت کیا گیا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ اس کا نزول حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق ہوا فرمایا وہ بھی مومنوں میں سے تھے، رواہ عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابونعیم فی الحلیۃ۔

عکرمہ کا قول روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکرؓ کے متعلق ہوا، بغوی نے لکھا ہے (حضرت علیؓ کے متعلق جو روایات آئی ہیں ان کو چھوڑ کر باقی) روایات کی روشنی میں راکعون سے مراد ہوں گے رات دن نفل نماز پڑھنے والے۔ (تفسیر مظہری)

اور بعض روایات میں ہے کہ یہ جملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے ایک خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوا ہے وہ یہ کہ ایک روز حضرت علی مرتضیٰؓ نماز میں مشغول تھے جب آپؓ رکوع میں گئے تو کسی سائل نے آ کر سوال کیا آپؓ نے اسی حالت رکوع میں اپنی ایک انگلی سے انگوٹھی نکال کر اس کی طرف پھینک دی غریب فقیر کی حاجت روائی میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہیں فرمایا کہ نماز سے فارغ ہو کر اس کی ضرورت پوری کریں یہ مسابقت فی الخیرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند آئی اور اس جملہ کے ذریعہ اس کی قدر افزائی فرمائی گئی۔

حضرت علیؓ کے مناقب:

اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے لیکن روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز وزکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں اور ان میں خصوصیات کیساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس دوستی کے زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ ایک دوسری صحیح حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (رواہ احمد از مظہری) ''یعنی میں جس کا دوست ہوں تو علی بھی اس کے دوست ہیں۔'' اور ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ''یعنی یا اللہ آپ محبوب بنالیں اس شخص کو جو محبت رکھتا ہے علی مرتضیٰؓ سے اور دشمن قرار دیں اس شخص کو جو دشمنی کرے علی مرتضیٰؓ سے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس خاص شرف کے ساتھ غالباً اس لئے نوازا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئندہ پیش آنے والا فتنہ منکشف ہو گیا تھا کہ کچھ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت و دشمنی رکھیں گے اور ان کے مقابلہ پر علم بغاوت اٹھائیں گے جیسا کہ خوارج کے فتنہ میں اس کا ظہور ہوا۔ جب کسی نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا کہ اس آیت میں الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی مومنین میں داخل ہونے کی حیثیت سے اس آیت کا مصداق ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب پر غالب آ کر رہے جو طاقت ان سے ٹکرائی پاش پاش ہو گئی خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ کے مقابلہ پر اندرونی فتنے اور بغاوتیں کھڑی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سب پر غالب فرمایا حضرت فاروق اعظمؓ کے مقابلہ پر دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں قیصر وکسریٰ کی آ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا نام ونشان مٹا دیا اور پھر ان کے بعد کے خلفاء اور مسلمانوں میں جب تک ان احکام کی پابندی رہی کہ مسلمانوں

نے غیروں کے ساتھ غلط ملط اور گہری دوستی کے تعلقات قائم نہیں کئے وہ ہمیشہ مظفر ومنصور نظر آئے۔ (معارف القرآن)

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اسکے رسول کو اور ایمان والوں کو
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾
تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے

کمزور دِل والوں اور ظاہر بینوں کی تسلی:

کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار' کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے۔ ایسے لوگوں کی تسلی کیلئے فرمادیا کہ مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو جس طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہونگے' وہی پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت عبادہؓ کی فضیلت:

یہ آیتیں خصوصیت سے حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی منقبت میں نازل ہوئی ہیں۔ یہود بنی قینقاع سے انکے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر خدا اور رسول کی موالات اور مومنین کی رفاقت کے سامنے انہوں نے اپنے سب تعلقات منقطع کر دیئے۔ (عثمانی) وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جن کے دوست اللہ، اللہ کا رسول اور مومن ہوں (تو یہ اللہ کا گروہ ہوگا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان سے مراد مہاجر وانصار ہیں یعنی جو لوگ مہاجرین وانصار کی دوستی اختیار کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

رافضیوں کا استدلال:

رافضی قائل ہیں کہ خلافت کا حصر صرف حضرت علی میں ہے اس قول پر استدلال روافض نے اس آیت سے کیا ہے اس جگہ ولی سے مراد ہے مسلمانوں کا ناظم اور امور انتظامیہ کا متولی پس اللہ نے اپنے لئے اور اپنے رسول کے لئے جس طرح ولایت کو ثابت کیا ہے اس طرح علیؓ کو بھی مسلمانوں کا والی قرار دیا ہے اور لفظ انما کو حصر کے لئے ذکر کیا ہے (تا کہ مسلمانوں کا والی اللہ' اللہ کا رسول اور علی قرار پائیں کسی دوسرے کو یہ امتیازی وصف حاصل نہ ہو) اور چونکہ اللہ اور اللہ کے رسول کا والی ہونا عمومی ہے (تمام مسلمانوں کو حاوی ہے) اس لئے علی کی ولایت بھی عمومی ہے بس علی ہی امام ہیں آپ کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ ہونے کا حق نہیں' اس کی تائید براء بن عازب اور زید بن ارقم کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مقام) خم کے تالاب پر فروکش ہوئے تو علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ میں مومنوں کا والی خود اُن کی ذات سے بھی زیادہ ہوں صحابہ نے عرض کیا بیشک ایسا ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے 'اے اللہ جو علی کا دوست ہو تو بھی اُس سے دوستی رکھ اور جو علیؓ کا دشمن ہو تو بھی اس کا دشمن ہو جا۔ اس واقعہ کے بعد عمرؓ کی ملاقات علیؓ سے ہوئی تو عمر نے کہا اے ابن طالب تم کو مبارک ہو تم شبانہ روز (ہر وقت) ہر مومن مرد وعورت کے مولیٰ ہو گئے۔ رواہ احمد وغیرہ۔

یہ حدیث حد تواتر تک پہنچ چکی ہے تقریباً تیس صحابیوں کی روایت سے محدثین کی ایک جماعت نے صحاح سنن اور مسندوں میں اُس کا ذکر کیا ہے، علی بن ابی طالب، بریدہ بن حصیب، ابوایوب عمرو بن مرہ، ابو ہریرہ، ابن عباس، عمار بن بریدہ، سعد بن وقاص، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جریر بن مالک بن حویرث، ابوسعید خدری، طلحہ، ابوالطفیل، حذیفہ بن اسید اور بکثرت دوسرے صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے، بعض روایات کے الفاظ اس طرح ہیں میں جس کا والی اس کی جان سے زیادہ ہوں علی بھی اُس کا ولی (والی) ہے۔

غدیر خم کی یہ حدیث واضح طور پر علی کی خلافت کو ثابت کر رہی ہے' عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی مجھ سے ہے اور میں علی سے۔ علی ہر مومن کا ولی (والی) ہے رواہ الترمذی وابن ابی شیبہ۔ یہ دونوں حدیثیں آیت مذکورہ سے بھی زیادہ علی کی خلافت پر واضح طور سے دلالت کر رہی ہیں کیوں کہ آیت کا نزول اگر علی کے لئے قرار دیا جائے تب بھی تمام مومنوں کو حکم ولایت شامل ہے اور دونوں حدیثوں میں تو علی کی خصوصی ولایت کی صراحت ہے (کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوسکتا)

جواب: ہم کہتے ہیں کہ آیت اور حدیثوں سے سوائے حضرت علی کے دوسروں کی خلافت کی نفی پر دلیل لانا غلط ہے' کیونکہ صاحب قاموس نے لکھا وَلْیٌ وَلِیّ سے اسم (صفت) ہے ولی کا معنی ہے' محب' دوست' مددگار' جوہری نے صحاح میں لکھا ہے' ولاء اور توالی دو یا زیادہ چیزوں کا اس طرح ہو جانا کہ اُن کے درمیان بیگانگی نہ رہے' مجازاً اس کا اطلاق قرب مکانی' قرابت نسبی' قرابت دینی' قرب دوستی' قرب مدد' قرب عقیدہ اور آقائیت پر ہوتا ہے

اور ناظم امور (متولی انتظام) ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے مولیٰ کا معنی ہے مالک' غلام آزاد کرنے والا' آزاد کیا ہوا' ساتھی قرابتدار۔ جیسے چچا کا بیٹا بہن کا بیٹا۔ ہمسایہ' معاہد' مہمان' شریک' رب' ولی' مددگار' نعمت دینے والا' انعام یافتہ' محب' تابع' دوست' قرآن میں یہ لفظ آیا ہے بندہ کی خدا سے جو نسبت محبت وقربت ہوتی ہے اُس کو ولایت کہتے ہیں اور ولی کا اطلاق بندہ پر بھی ہوتا ہے جیسے کسی کو ولی اللہ کہا جاتا ہے اور اللہ پر بھی ہوتا ہے آیت میں آیا ہے' اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' قرآن میں مولیٰ کا اطلاق اللہ پر آیا ہے' فرمایا ہے نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ نیز جبرئیل اور نیک مومنوں پر بھی آیا ہے' فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

خلاصہ یہ کہ یہ آیت اور یہ احادیث تعیین کے ساتھ حضرت علی کی خلافت پر ہی دلالت نہیں کرتیں دوسروں کی خلافت کی نفی تو بجائے خود رہی ہاں آیت سے حضرت علی کا مستحق محبت ہونا اور احادیث سے حضرت علی کی محبت کا واجب ہونا اور آپ کی دشمنی کا حرام ہونا ضرور ثابت ہو رہا ہے' جس طرح آیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی اور موالات رکھنے کی حرمت معلوم ہو رہی ہے۔ ابونعیم مدائنی کا بیان ہے کہ جب حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ سے کہا گیا کہ حدیث من کنت مولاہ میں حضرت علی کی خلافت کی صراحت ہے تو فرمایا سنو! خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل واضح طور پر بیان فرما دیتے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے تو سب سے واضح کلام فرمایا کرتے تھے 'غدیر خم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر کا باعث یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو امیر لشکر بنا کر یمن کو بھیجا حضرت علیؓ نے خمس کے مال میں سے ایک باندی لے لی اس کی شکایت بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شکایت کو سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا تم ایسے شخص سے کیا چاہتے ہو جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ دیا تا کہ حضرت علیؓ کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں جم جائے اور ان کی شکایت دور ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں جو یہ فرمایا ہے الستم تعلمون انی اولی بکل مؤمن' اس سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ علی کی محبت کا جو میں تم کو حکم دے رہا ہوں اس کی تعمیل تم پر واجب ہے اسی طرح آخر کلام میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے اُس کی غرض بھی علی کی محبت کی تاکید ہے۔

آیت میں دوطرح سے رافضیوں کی تردید ہے:

یہ آیت دوطرح سے رافضیوں کے مذہب کی تردید کر رہی ہے۔

(۱) رافضیوں کے مذہب کی بنا تقیہ پر ہے مگر آیت اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ تقیہ کی تردید کر رہی ہے۔ اس میں تعریف ان لوگوں کی کی گی ہے جو علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ جہاد کرتے ہوں اور کسی کے برا کہنے سے نہ ڈرتے ہوں۔ حضرت علیؓ نے تینوں خلفاء کی بیعت کی اور تینوں کے ساتھ مل کر ۲۳ برس تک نمازیں پڑھیں اور جہاد کئے اور حضرت عمرؓ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیا۔ سب کچھ تقیہ کے ساتھ لوگوں کے دباؤ کے زیر اثر تھا اگر ایسا تھا تو پھر آپ کا شمول اس آیت کے حکم میں نہ ہوگا۔ اس قول کے کہنے کی جرات سوائے رافضیوں کے کوئی سنی تو کر نہیں سکتا۔

(۲) آیت فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ بتا رہی ہے کہ صرف اہل سنت کا فرقہ ہی فرقہء ناجیہ ہے رافضی یا کوئی دوسرا بدعتی فرقہ نجات یافتہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمیشہ اہل سنت غالب رہے ہیں بلکہ رافضی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت علی نے محض تقیہ کے ساتھ دباؤ کے زیر اثر خلفاء ثلاثہ کا ساتھ دیا اور آپ کے بعد دوسرے اماموں نے خوف کی وجہ سے اپنے دین کا اظہار نہیں کیا اور اپنے ساتھیوں کو پوشیدہ طور پر دین کی تعلیم دیتے رہے اور پوشیدہ رکھنے کا ہی حکم دیتے رہے اور برابر کہتے رہے دیکھو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں بہت ہی اخفاء سے کام لینا چاہئے امام باقر اور امام جعفر صادق کی طرف یہ لوگ ایسے ہی اقوال کی نسبت کرتے ہیں جو اُن کی کتابوں میں موجود ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صاحب الامر (امام مہدی' سامرہ کے تہ خانہ میں ہزار برس سے چھپے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

آیت ذیل کا شانِ نزول:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں کافر تھے مسلمان دونوں کو دوست سمجھنے لگے تھے اس پر مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل وہ لوگ جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ

کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو

کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں جیسا کہ عطف سے ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہودِ بنوقریظہ کی سازش:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہونے کے بعد ان اطراف کے یہود نصاریٰ سے ایک معاہدہ اس پر کرلیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نہ خود جنگ کریں گے نہ کسی جنگ کرنے والی قوم کی امداد کریں گے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اسی طرح مسلمان نہ ان لوگوں سے جنگ کریں گے نہ ان کے خلاف کسی قوم کی امداد کریں گے۔ بلکہ مخالف کا مقابلہ کریں گے۔ کچھ عرصہ تک یہ معاہدہ جانبین سے قائم رہا لیکن یہودی اپنی سازشی فطرت اور اسلام دشمن طبیعت کی وجہ سے اس معاہدہ پر زیادہ قائم نہ رہ سکے اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے سازش کر کے ان کو اپنے قلعہ میں بلانے کے لئے خط لکھ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب اس سازش کا انکشاف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک دستہ مجاہدین کا بھیج دیا بنوقریظہ کے یہ یہودی ایک طرف تو مشرکین مکہ سے یہ سازش کر رہے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں میں گھسے ہوئے بہت سے مسلمانوں سے دوستی کے معاہدے کئے ہوئے تھے اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے لئے جاسوسی کا کام دیتے تھے اس لئے یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی گہری دوستی سے روک دیا تاکہ مسلمانوں کی خاص خبریں معلوم نہ کرسکیں۔

صحابہ کرام کا آیت پر عمل:

اس وقت بعض صحابہ کرام حضرت عبادہؓ بن صامت وغیرہ نے تو کھلے طور پر ان لوگوں سے اپنا معاہدہ ختم اور ترک منافقانہ کا اعلان کر دیا اور بعض لوگ جو منافقانہ طور پر مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے یا ابھی ایمان ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا ان لوگوں سے قطع تعلق کر دینے میں یہ خطرات محسوس کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ مشرکین و یہود کی سازش کامیاب ہو جائے اور مسلمان مغلوب ہو جائیں تو ہمیں ان لوگوں سے بھی ایسا معاملہ رکھنا چاہئے کہ اس وقت ہمارے لئے مصیبت نہ ہو جائے عبداللہ بن ابی بن سلول نے اسی بناء پر کہا ان لوگوں سے قطع تعلق میں تو مجھے خطرہ ہے ہی اس لئے ایسا نہیں کرسکتا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اپنا دوست اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

ترکِ موالات کی تاکید:

گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں ایک خاص مؤثر عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شَعَآئِرُ اللّٰهِ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جسکے دل میں خشیت الٰہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستانہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کیلئے گوارا کریگا۔ اگر انکے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ انکا یہ تمسخر و استہزاء ہے علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

پچھلی قوموں کی بربادی کا ایک سبب:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگلے لوگ جو برباد ہوئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے برے کام اختیار کئے اور ان کے علماء نے انہیں منع نہ کیا حضرات اہل علم تفصیل کیلئے امام غزالی کی احیاء العلوم باب الامر بالمعروف و نہی عن المنکر دیکھیں۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ ٹھہراتے ہیں

وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اس کو ہنسی اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں

کافروں کا اذان سے جلنا:

یعنی جب اذان کہتے ہو تو اس سے جلتے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ جو انکی کمال حماقت اور بے عقلی کی دلیل ہے۔ کلمات اذان میں خداوند قدوس کی عظمت و کبریاء کا اظہار، توحید کا اعلان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام

انبیاء سابقین اور کتب سماویہ کے مصدق ہیں انکی رسالت کا اقرار۔ نماز تمام جو اوضاع عبودیت کو جامع اور غایت درجہ کی بندگی پر دال ہے اسکی طرف دعوت فلاح دارین اور اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کیلئے بلاوا ان چیزوں کے سوا اور کیا ہوتا ہے پھر ان میں کونسی چیز ہے جو ہنسی اڑانے کے قابل ہو۔ ایسی نیکی اور حق وصداقت کی آواز پر مسخرا پن کرنا صرف اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جس کا دماغ عقل سے یکسر خالی ہو اور جسے نیک وبد کی قطعاً تمیز باقی نہ رہے۔

ایک عیسائی کا جلنا:

بعض روایات میں ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی جب اذان میں اشھدان محمدا رسول اللّٰہ سنتا تو کہتا "قدحرق الکاذب" (جھوٹا جل گیا یا جل جائے) اس کی نیت تو ان الفاظ سے جو کچھ ہو مگر یہ بات بالکل اسکے حسب حال تھی۔ کیونکہ وہ خبیث جھوٹا تھا اور اسلام کا عروج وشیوع دیکھ کر آتش حسد میں جلا جاتا تھا اتفاقاً ایک شب میں کوئی چھوکری آگ لیکر اسکے گھر میں آئی۔ وہ اور اسکے اہل وعیال سورہے تھے۔ ذرا سی چنگاری نادانستہ اسکے ہاتھ سے گرگئی جس سے سارا گھر مع سونے والوں کے جل گیا اور اس طرح خدا نے دکھلا دیا کہ جھوٹے لوگ دوزخ کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ میں کس طرح جل جاتے ہیں۔

حضرت ابومحذورہؓ:

اذان کے ساتھ استہزا کرنے کا ایک اور واقعہ صحیح روایات میں منقول ہے وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ حنین سے واپس ہورہے تھے راستہ میں حضرت بلال نے اذان کہی چند نو عمر لڑکے جن میں ابومحذورہ بھی تھے اذان کی ہنسی اور نقل کرنے لگے آپ نے سب کو پکڑ بلوایا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ابومحذورہ کے دل میں خدا نے اسلام ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مکہ کا مؤذن مقرر فرمادیا۔ اس طرح خدا کی قدرت نقل سے اصل بن گئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن محیریز جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت ابو محذورہؓ سے جن کی گود میں انھوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے کہا کہ آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آرہے تھے راستے میں ہم لوگ ایک جگہ تھے اور نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان کہی ہم نے اس کی نقل اور مذاق اڑانا شروع کیا۔ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں بھی آوازیں پڑگئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب کو تو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو اور اذان کہو۔ واللہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا کھڑا ہوگیا۔ اب خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکھاتے رہے میں کہتا رہا (پھر اذان پوری بیان کی) جب اذان سے فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر برکت دے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کی قسم میرے دل سے عداوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بالکل جاتی رہی اور بجائے اس کے ایسی ہی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل میں پیدا ہوگئی۔ میں نے آرزو کی کہ مکہ کا مؤذن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو بنادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکہ میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اُسید سے مل کر مؤذنی پر مامور ہوگیا۔ حضرت ابومحذورہؓ کا نام سمرہ بن معیر بن لوذان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مؤذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے مؤذن رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

عتاب بن اُسید اور حارث بن ہشام کا اقرار:

فتح مکہ کے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا قریب ہی ابوسفیان بن حرب عتاب بن اُسید اور حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب نے تو اذان سنکر کہا کہ میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی لیتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے بھی خبر نہ کردیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں ورنہ ہم یہ گمان کرسکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق) (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول:

ایک روایت میں آیا ہے کہ کفار جب اذان سنتے تو جل جاتے ایک بار

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے ایک ایسی بدعت نکالی ہے کہ تم سے پہلے کسی امت میں اس کی نظیر کہیں سننے میں نہیں آئی اگر تم نبوت کے مدعی ہو تو اس بدعت کو ایجاد کر کے تم نے گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی کیوں مخالفت کی اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو انبیاء اس بھلائی کے زیادہ مستحق تھے انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا یہ مینڈھے کی طرح چیخنا تم نے کہاں سے سیکھ • کسی بری آواز ہوتی ہے اور یہ کام کتنا قبیح ہے اس پر آیت وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا نازل ہوئی اور یہ آیت بھی اتری۔

بے سمجھ قوم: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ یہ (حق سے استہزاء) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کیوں کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ استہزاء نہ کرتے اور کسی چیز کی اچھائی برائی پر غور کرتے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ کافروں میں دینی سمجھ نہیں ہوتی خواہ دنیا کے معاملات میں کتنے ہی ہوشیار ہوں اس سے معلوم ہوا کہ عقل وحواس سے سوچنا اور انجان چیزوں پر غور کرنا حصول علم کی علت موجبہ نہیں (اگرچہ فلاسفہ صحیح غور وفکر کو حصول علم کا لازمی سبب قرار دیتے ہیں) بلکہ اللہ کا قانون اور دستور ہے کہ اگر آدمی صحیح غور وفکر کرتا ہے تو خدا تعالیٰ انجان چیز کا علم عطا کر دیتا ہے (تو گویا غور وفکر اور نتیجہ کے درمیان اصل چیز اللہ کی مشیت ہے) (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ
تو کہہ اے کتاب والو کیا ضد ہے تم کو ہم سے
اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ
مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل
مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (۵۹)
ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں

اذان دینے والوں کی فضیلت:

کسی کام پر طعن کرنا یا ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہی ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو۔ پچھلی آیت میں بتلا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پرلے درجے کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے یعنی استہزاء کرنیوالے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرائع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے انکو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی برائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو انکے زعم میں لائق استہزاء ہو بجز اسکے کہ ہم اس خدائے وحدہ لاشریک لہ پر اور اسکی اتاری ہوئی تمام کتابوں اور اسکے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسکے بالمقابل استہزاء کرنیوالوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی سچی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء ورسل کی تصدیق وتکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسنے اور طعن وتشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بری جزا ہے اللہ کے ہاں
عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ
اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور اور جنہوں
الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ
نے بندگی کی شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بہکے
سَوَآءِ السَّبِيْلِ (۶۰)
ہوئے ہیں سیدھی راہ سے

اہل کتاب کو بے مثال جواب:

یعنی اگر "ایمان باللہ" پر مستقیم ہونا اور ہر اس چیز کی جو خدا کی طرف سے کسی زمانہ میں نازل ہو سچے دل سے تصدیق کرنا ہی تمہارے زعم میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی برائی ہے اور اسی وجہ سے تم انکو مورد طعن ملام بناتے ہو۔ تو آؤ کہ میں تم کو ایک ایسی قوم کا پتہ بتلاؤں جو اپنی شرارت اور گندگی کی وجہ سے بدترین خلائق ہے۔ جن پر خدا کی لعنت اور غضب کا اثر آج بھی نمایاں طور پر آشکارا ہے جس کے بہت سے افراد اپنی مکاری اور بے حیائی اور حرص دنیا کی سزا میں بندر اور سور بنائے جا چکے ہیں اور جس نے خدا کی بندگی سے نکل کر شیطان کی غلامی اختیار کر لی۔ اگر

انصاف سے دیکھا جائے تو یہ بدترین خلائق اور گم کردہ راہ قوم ہی اصلی معنی میں تمہارے طعن و استہزاء کی مستحق ہو سکتی ہے اور وہ خود تم ہی ہو۔ (تفسیر عثانی)

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ
اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حالت
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا
یہ ہے کہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور اللہ خوب جانتا
يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾
ہے جو کچھ چھپائے ہوئے تھے

بعض استہزاء کرنے والوں کی منافقت:

یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو غائبانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا مخلص مسلمانوں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے۔ حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کیلئے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا۔ نہ پیغمبر علیہ السلام کے ربانی وعظ و تذکیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ اگر اس ''عالم الغیب والشہادۃ'' کی نسبت جو ہر قسم کے ضمائر و سرائر پر مطلع ہے۔ ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کونسی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے گویا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا۔ جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہیے۔ اگلی آیات میں بھی اسی مضمون کی تتمیم و تکمیل ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ
اور تو دیکھے گا بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑتے ہیں گناہ پر
وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا
اور ظلم اور حرام کھانے پر بہت برے کام ہیں
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾
جو کر رہے ہیں

اہل کتاب کے عوام کی حالت:

غالباً ''اثم'' سے لازمی اور ''عدوان'' سے متعدی گناہ مراد ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بہت شوق اور رغبت سے ہر قسم کے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں۔ خواہ انکا اثر اپنی ذات تک محدود ہو یا دوسروں تک پہنچے۔ جنکی اخلاقی حالت ایسی زبوں ہو اور حرام خوری کی ان کا شیوہ ٹھہر گیا ہو انکی برائی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے یہ تو انکے عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثانی)

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ
کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء گناہ
قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ
کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت ہی برے
مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾
عمل ہیں جو کر رہے ہیں

اہل کتاب کے خواص کی بدحالی:

جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اسکے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں اور اسکے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات و شہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اسکے قوانین و احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انہوں نے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ دنیا کی حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید و تہدید کی گئی ہے کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلہ میں اس فرض ''امر بالمعروف'' کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔ (تفسیر عثانی)

بھلائی ترک کرنا:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ بھلائی کو ترک کرنا گناہ کرنے سے زیادہ برا ہے کیونکہ معصیت میں تو نفس کے لئے لذت ہوتی ہے طبیعت کا جھکاؤ ہوتا ہے لیکن بھلائی کے ترک میں نہ لذت ہوتی ہے نہ میلان طبع اس لئے

بھلائی کا ترک زیادہ مذمت کے قابل ہے۔

اس آیت میں مشائخ و علماء کو سخت زجر ہے کیوں کہ ان کا فرض تو یہ تھا کہ دوسروں کو برائی سے روکیں بجائے روکنے کے وہ برائی کا حکم دیتے بلکہ خود بھی کرتے تھے' بعض اہل تفسیر کے نزدیک الربانیوں سے علماء نصاریٰ اور احبار سے علماء یہود مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ
اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا

یہودیوں کی بے باکیاں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہل کتاب کے قلوب انکی شرارت' کفر وطغیان' بدکاری' حرام خوری وغیرہ کی ممارست سے اسقدر مسخ ہوگئے تھے کہ بارگاہ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی انکو کچھ باک نہ ہوتا تھا' خداوند قدوس کا رتبہ انکے یہاں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زیادہ نہ رہا تھا۔حق تعالیٰ کی جناب میں بے تکلف ایسے واہی تباہی کلمات بک دیتے تھے جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔کبھی کہتے اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (خدا کا ہاتھ بند ہوگیا) اس سے مراد تو وہی ہوگی جو اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ سے تھی کہ خدا معاذ اللہ تنگ دست ہوگیا اسکے خزانہ میں کچھ رہا نہیں اور "غل ید" کنایہ بخل وامساک سے ہو۔یعنی تنگ دست تو نہیں مگر آج کل بخل کرنے لگا ہے (العیاذ باللہ) بہر حال کوئی معنی لو اس کلمہ کفر کا منشا یہ تھا کہ جب تمرد وطغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان ملاعین پر ذلت ونکبت' ضیق عیش' بدحالی اور تنگ میدانی مسلط فرمادی تو بجائے اسکے کہ اپنی سیہ کاریوں اور شرارتوں پر متنبہ اور نادم ہوتے' الٹے حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگے۔شاید یہ خیال ہوا ہوگا کہ ہم تو پیغمبروں کی اولاد بلکہ خدا کے بیٹے اور اسکے پیارے تھے۔پھر یہ کیا معاملہ ہونے لگا کہ آج بنی اسمٰعیل تو دنیا میں پھیلتے جارہے ہیں۔زمینی فتوحات اور آسمانی برکات تو ان پر کشادہ کردی گئی ہیں اور ہم بنی اسرائیل کی خدا صرف ہمارا اور ہم اسکے تھے۔اسطرح ذلیل ومغلوب اور تنگ حال ہو کر دربدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ہم تو وہی اسرائیل کی اولاد اور "ابناء اللّٰه واحباء" آج بھی ہیں جو پہلے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا کے ہم اولاد اور محبوب تھے (معاذ اللہ) اسکے خزانہ میں کمی آگئی یا آج کل بخل وامساک نے اسکا ہاتھ بند کردیا ہے احمق اتنا نہ سمجھے کہ حق تعالیٰ کے خزائن تو لامحدود اور اسکے

کمالات غیر متبدل اور غیر متناہی ہیں۔اگر معاذ اللہ اسکے خزانہ میں کچھ نہ رہتا یا مخلوق کی تربیت واعانت سے وہ ہاتھ کھینچ لیتا تو دنیا کا نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور جو روز افزوں عروج وفروغ پیغمبر علیہ السلام اور انکے رفقاء کا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو' یہ کس کے خزانہ اور دست کرم کا رہین منت ہوتا۔لہٰذا تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا ہاتھ بند نہیں ہوا۔البتہ گستاخیوں اور شرارتوں کی نحوست سے خدا کی جو لعنت اور پھٹکار تم پر پڑتی ہے اس نے تمہارے حق میں خدا کی زمین باوجود وسعت کے تنگ کردی ہے اور آئندہ اور زیادہ تنگ ہونے والی ہے۔اپنی تنگ حالی کو خدا کی تنگدستی سے منسوب کرنا تمہاری انتہائی سفاہت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ
انہی کے ہاتھ بند ہوجاویں اور لعنت ہے انکواس کہنے پر بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ
مَبْسُوْطَتٰنِ
کھلے ہوئے ہیں

یہ دعا کے رنگ میں پیشینگوئی یا ان کی حالت واقعی کی خبر دی گئی ہے چنانچہ واقع میں بخل وجبن نے انکے ہاتھ بالکل بند کردیئے تھے۔

صفاتِ الٰہی:

حق تعالیٰ کیلئے جہاں ہاتھ' پاؤں' آنکھ وغیرہ نعوت ذکر کی گئی ہیں ان سے بھول کر بھی یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ وہ معاذ اللہ مخلوق کی طرح جسم اور اعضائے جسمانی رکھتا ہے۔بس جس طرح خدا کی ذات اور وجود حیات' علم' وغیرہ تمامی صفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اسکے سوا بیان نہیں ہوسکتی۔

اے برتراز خیال وقیاس وگمان ووہم
وزہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر
ماہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

اسی طرح ان نعوت وصفات کو خیال کرو۔خلاصہ یہ کہ جیسے خدا کی ذات بامثال ہے' اسکے سمع' بصر' ید وغیرہ نعوت وصفات کے معانی بھی اسکی ذات اور شان اقدس کے لائق اور ہمارے کیف وکم اور تعبیر و بیان کے احاطہ سے بالکل وراء الوراء ہیں۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ' رکوع ۲) حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان آیات پر جو فائدہ لکھا ہے اسمیں دو ہاتھوں سے مراد "مہر" کا اور "قہر" کا ہاتھ لیا ہے۔یعنی آجکل خدا

کی مہر کا ہاتھ "امت محمدیہ" پر اور قہر کا بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتوں میں اشارہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

ترجمہ: اس طرح ہوگا انہی کے ہاتھ بندھ جائیں یعنی یہ مفلس محتاج ہو جائیں یا ہاتھ بندھنے سے حقیقتاً ہاتھ بندھ جانا مراد ہے یعنی دنیا میں ہتھکڑیاں پہننا قید ہو جانا یا دوزخ کے اندر طوق و زنجیروں سے جکڑا جانا۔

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' اللہ کا ہاتھ ہونا بھی دیکھنے اور سننے کی طرح اللہ کی ایک مخصوص صفت ہے۔ جس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ہم پر اس کو ماننا اور ایمان لانا فرض ہے لیکن انسانی ہاتھ پر اس کو قیاس نہ کرنا چاہیے' انسانی ہاتھ کی ہر حالت اور کیفیت سے وہ پاک ہے۔ اہل سنت کے تمام ائمہ سلف کا قول ہے کہ ان صفات کا جس طرح ذکر آیا ہے اسی کو مانا جائے اور کسی کیفیت کا بیان نہ کیا جائے۔

ذکر کیلئے جمع ہونے والے:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عنسہ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے' رحمن کے دائیں ہاتھ کی طرف' اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ پیغمبر ہوں گے نہ شہید مگر انبیاء اور شہداء ان کے مرتبہ اور قرب پر رشک کریں گے ان کے چہروں کا نور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو چندھیا دے گا عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہوں گے' فرمایا وہ ان لوگوں کی جماعتیں ہونگی جو اپنے اپنے قبائل سے نکل کر ذکر خدا کے لئے جمع ہوتے ہیں اور جس طرح پاکیزہ چیزوں کا کھانا مرغوب ہوتا ہے اسی طرح پاکیزہ کلام ان کو مرغوب ہوتا ہے' (رواہ الطبرانی بسند جید)

ان جماعتوں سے مراد پاک باطن خانقاہ نشین صوفیہ اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا مطلب:

متاخرین علماء نے دست خدا کی تاویل کی ہے اور قدرت قبضہ وغیرہ بطور مجاز مراد لیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ہاتھوں کے کشادہ ہونے سے انتہائی سخاوت مراد ہے' دو ہاتھ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ قطعاً بخیل نہیں ہے کامل طور پر سخی ہے کیونکہ سخی کی انتہائی سخاوت یہی ہوتی ہے وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا مال دے۔

دنیا اور آخرت کی عطا کی طرف بھی اس سے اشارہ ہے (ایک ہاتھ سے دنیا اور دوسرے ہاتھ سے آخرت کے انعام) یا یوں کہو کہ اللہ کی طرف سے عطا دو طرح کی ہوتی ہے ایک ڈھیل دینے کیلئے دوسری عزت افزائی کیلئے (دونوں ہاتھوں سے دینے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے) (تفسیر مظہری)

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ
خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے:

یعنی اسکو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس وقت' کس پر' کس قدر خرچ کیا جائے' کبھی ایک وفادار کو امتحان یا اصلاح حال کی غرض سے تنگی اور حسرت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اسکی وفاداری کے صلہ میں نعمائے آخرت سے پہلے دنیوی برکات کے دروازے بھی کھول دیتا ہے اسکے بالمقابل ایک مجرم متمرد پر کبھی آخرت کی سزا سے پہلے تنگ حالی ضیق عیش اور مصائب و آفات دنیوی کی سزا بھیجتا ہے اور کسی وقت دنیوی ساز و سامان کو فراخ کر کے مزید مہلت دیتا ہے کہ خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر اپنے فسق و فجور پر کچھ شرمائے اور یا اپنی شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر کے انتہائی سزا کا مستحق ہو ان مختلف احوال و اغراض اور متنوع حکمتوں کی موجودگی میں کسی شخص کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ خدا کی اطلاع یا قرائن و احوال خارجیہ کی بناء پر کیا جا سکتا ہے جس طرح ایک چور کا ہاتھ کاٹا جائے' یا ڈاکٹر کسی مریض کا ہاتھ کاٹے' دونوں کی نسبت ہم احوال خارجہ اور قرائن سے سمجھ لیتے ہیں کہ ایک بطور سزا اور دوسرا از راہ شفقت و علاج کاٹا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا تیرے
مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا
رب کی طرف سے شرارت اور انکار

کافروں کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں:

انکی گستاخی کا جواب دیا جا چکا ہے لیکن قرآن کے ایسے حکیمانہ جوابات سے ان معاندین اور سفہاء کو تسکین نہیں ہوگی۔ بلکہ کلام الٰہی سن کر شرارت اور انکار میں اور زیادتی کرینگے اگر غذائے صالح ایک بیمار کے معدہ میں پہنچ کر اسکے مرض کو زیادہ کر دیتی ہے تو اسمیں غذا کا قصور نہیں مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی
اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر
یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ؕ
قیامت کے دن تک

کافروں میں پھوٹ غلبۂ اسلام کی نشانی ہے:

اگرچہ قریب میں خاص یہود کا مقولہ نقل کیا تھا۔ لیکن "وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمْ" سے مراد غالباً وہ انکے بھائی بند سب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور سب اہل کتاب کا حال بیان فرمایا ہے جیسا کہ پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے اور اگلی آیت میں بھی سب اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے مطلب یہ ہوا کہ جوں جوں انکی شرارت اور انکار کو ترقی ہوگی اسی قدر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور منصوبے گانٹھیں گے اور لڑائی کی آگ سلگانے کیلئے تیار ہونگے لیکن ان کے آپس میں پھوٹ پڑ چکی ہے جو مٹ نہیں سکتی۔ اس سبب سے اسلامی برادری کے خلاف انکی جنگی تیاریاں کامیاب نہیں ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ ۙ
جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے اللہ اسکو بجھا دیتا ہے
وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰہُ لَا
اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے ہوئے اور اللہ پسند نہیں کرتا
یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۴﴾
فساد کرنے والوں کو

مسلمانوں کا اتفاق کافروں کی موت ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد و صلاح کے طریق پر گامزن ہوکر فتنہ اور فساد سے مجتنب رہنے کا اہتمام رہے گا جیسا کہ صحابہؓ میں تھا، اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں انکے مقابلے میں بیکار ثابت ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا
اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم دور کر دیتے

عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ
ان سے ان کی برائیاں اور ان کو داخل کرتے نعمت کے
النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾
باغوں میں

کاش اب بھی یہ سمجھ جاتے:

یعنی باوجود ایسے شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے اگر اب بھی اہل کتاب اپنے رویہ سے تائب ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو دروازہ توبہ کا بند نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کمال فضل و رحمت سے انکو اخروی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرما دیتا۔ اسکی رحمت بڑے سے بڑے مجرم کو بھی جب وہ شرمسار اور معترف ہو کر آئے مایوس نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام، ہجرت اور حج پچھلے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں:

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پھیلایئے میں آپ سے بیعت کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا دیا مگر میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فرمایا عمرو کیوں کیا بات ہے میں نے عرض کیا میں ایک شرط کرنا چاہتا ہوں، فرمایا وہ کیا ہے بیان کرو میں نے عرض کیا میں یہ شرط لگانا چاہتا ہوں کہ میرے (گذشتہ) قصور معاف کر دیئے جائیں، فرمایا عمرو! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے کئے ہوئے گناہوں کو گرا دیتی ہے اور حج بھی گذشتہ گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔ (رواہ مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے:

وَلَاَدْخَلْنٰھُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۔ اور بیشک ہم اُن کو راحت کی جنتوں میں داخل کرتے کیوں کہ جنت میں داخلہ کی شرط ایمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے جو یہودی اور عیسائی میری رسالت کی خبر سن لے پھر اس پر ایمان نہ لائے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور اسی حالت میں مر جائے تو ضرور دوزخی ہوگا۔ (رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ)

امتوں کے فرقے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امت موسیٰ کے اکہتر

فرقے بن گئے جن میں سے ستر دوزخی ہوا اور ایک جنتی ہوا اور امت عیسیٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئی جن میں ایک جنتی اور اکہتر دوزخی ہوئے اور میری امت آئندہ تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں ایک جنتی اور بہتر دوزخی ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ (جنتی) کون ہوں گے، فرمایا جماعتیں جماعتیں (یعنی اہل جماعت) رواہ ابن مردویہ من طریق یعقوب بن زید بن طلحۃ عن زید بن اسلم عن انسؓ۔ یعقوب بن زید (جو مذکورہ حدیث کا ایک راوی ہے) نے کہا جب حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے۔ ولو انّ اھل الکتاب اٰمنوا واتقوا.... ساء ما یعملون تک میں کہتا ہوں کہ نجات یافتہ فرقہ وہ ہے جو اللہ کی کتاب کو پکڑے ہوئے ہو۔

علم جاتا رہے گا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ (ایسا) اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا تو زیاد بن لبید نے کہا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) علم کیسے جاتا رہے گا ہم قرآن پڑھتے ہیں اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں گے قیامت تک یوں ہی سلسلہ جاری رہے گا، فرمایا ابن لبید تیری ماں تجھے روئے، میں تو تجھے مدینے کے لوگوں میں بڑا سمجھ دار جانتا تھا کیا یہ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل نہیں پڑھتے ہیں لیکن توریت وانجیل کے اندر جو (ہدایت) ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اسکو جو کہ نازل ہوا

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

ان پر ان کے رب کی طرف سے

تورات کو ماننے کا تقاضا قرآن کو ماننا ہے:

یعنی قرآن کریم جو توراۃ وانجیل کے بعد ان کی تنبیہ اور ہدایت کیلئے نازل ہوا، اسکو قائم کرتے۔ کیونکہ اس کی تسلیم کے بدون تورات وانجیل کی بھی صحیح معنی میں اقامہ نہیں ہوسکتی بلکہ تورات وانجیل اور جملہ کتب سماویہ کی اقامت کا مطلب ہی اب یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم جو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھیجے گئے ہیں، انکو قبول کیا جائے گویا اقامت تورات وانجیل کا حوالہ دیکر آگاہ فرمادیا کہ اگر قرآن کو انہوں نے قبول نہ کیا تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اپنی کتابوں کے قبول کرنے سے بھی منکر ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے

احکام الٰہی پر عمل کرنے سے خوشحالی ملتی ہے:

یعنی تمام ارضی وسماوی برکات سے انکو متمتع کیا جاتا اور ذلت، بدحالی اور ضیق عیش کی جو سزا انکے عصیان وتمرد پر دی گئی تھی وہ اٹھالی جاتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اوپر سے بارش ہوتی اور نیچے زمین سرسبز ہوجاتی اور کھیتیاں پیدا ہوتیں۔ اسی کی طرح دوسری آیت میں آیا ہے ''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ'' (ترجمہ) اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ممنوعات سے بچتے تو ہم آسمان زمین سے ان کے لئے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، حاصل مطلب یہ ہے کہ ان پر رزق کی تنگی اللہ کے بخیل بن جانے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے کفر ومعاصی کی نحوست کی وجہ سے ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ

کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھی راہ پر

اہل کتاب سے چند لوگ:

یہ وہ معدودا افراد ہیں جنہوں نے فطری سعادت سے توسط اعتدال کی راہ اختیار کی اور حق کی آواز پر لبیک کہا۔ مثلاً عبداللہ بن سلام اور ملک حبشہ نجاشی رحمہ اللہ وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا

اور بہت سے ان میں برے کام کر رہے ہیں اے

الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ

اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بیشک اللہ راستہ نہیں

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

دکھلاتا قوم کفار کو

ربطِ آیات:

پچھلی آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور سیہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کل کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ، سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس ''اقامت'' کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر اور لاشے محض ہے يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الخ'' میں اسی دوٹوک اعلان کیلئے حضور کو تیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے۔ اگر بفرض محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدائی پیغمبر) ہونے کے رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے، سمجھا جائیگا کہ آپ نے اسکا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔

مؤثر ترین عنوان:

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر بیش از بیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مؤثر عنوان نہ ہوسکتا تھا۔ آپ نے بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی جانفشانی، مسلسل جدوکد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت وتبلیغ کو ادا کیا، وہ اسکی واضح دلیل تھی کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت وبلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام وثبت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہ ہی ہوسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یایھا الرسول سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بفرض محال تبلیغ میں ادنی سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے۔ یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تمرد وطغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مثمر اور منتج ہونے سے مایوسی ہو، پہلی وجہ کا جواب یایھا الرسول سے فما بلغت رسالتہ تک، دوسری کا واللہ یعصمک من الناس میں، اور تیسری کا ان اللہ لایھدی القوم الکفرین میں دیدیا گیا۔ یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ خدا تعالیٰ آپ کی جان اور عزت وآبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلائے گا، باقی ہدایت وضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی قوم جس نے کفر وانکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔ نوع انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کردی، اور وفات سے دوڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمانِ اسلام اور عاشقانِ تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے (علیٰ رؤس الاشھاد) اعلان فرمادیا کہ ''اے خدا تو گواہ رہ میں (تیری امانت) پہنچا چکا ہوں'' (تفسیر عثمانی)

مسروق کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا جو شخص تم سے کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نازل کردہ کلام میں سے کوئی حصہ چھپالیا وہ جھوٹا ہے کیونکہ اللہ خود فرمارہا ہے یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک. بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور اسی کی تائید میں ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری ؓ کی روایت سے جو احادیث بیان کی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ خندق میں ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس قوم میں کوئی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا (مسند احمد) ابوداؤد

میں ہے کہ یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آپڑے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا، کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و درایت کے جو خدا کسی شخص کو دے، اور جو کچھ صحیفے میں ہے اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں، قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں، اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔

ہماری ذمہ داری:

صحیح بخاری میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تبلیغ اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت کا نزول:

ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوکیدار (رات کو) کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اللہ نے وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ، آیت نازل فرمائی۔ (اس کے بعد آپ نے لوگوں سے اپنی حفاظت ترک کرادی اور) خیمہ کے اندر سے سر نکال کر فرمایا، لوگو! واپس چلے جاؤ اللہ نے میری حفاظت کردی ہے، اسی حدیث میں ہے کہ یہ آیت لیلیٰ فراشی ہے یعنی رات کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر تھے اس وقت اس کا نزول ہوا۔

بخاری نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی حفاظت کی خاطر شب کو) بیدار رہتے ہے، جب مدینہ میں تشریف لائے تو فرمایا اگر میرے رفقاء میں سے کوئی شخص آج رات میرا پہرا دیتا تو مناسب تھا اتنے میں ہم نے ہتھیاروں کی کچھ آواز سنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے ادھر سے آواز آئی میں سعد بن ابی وقاص ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دینے آیا ہوں (اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ منجملہ حفاظتی گارڈ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی تھے پھر جب آیت واللہ یعصمک من الناس، نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہرہ چوکی چھوڑ دیا۔ طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک حطمی کا بیان نقل کیا ہے کہ رات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے آخر جب آیت وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی پہرہ چھوڑ دیا۔

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی انمار میں بمقام ذات الرقیع ایک اونچے درخت کے نیچے فروکش ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں کے من پر پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے کہ قبیلۂ بنی نجار کے (ایک شخص) وارث نے کہا میں محمد کو قتل کئے دیتا ہوں لوگوں نے پوچھا تو ان کو کیسے قتل کردے گا بولا میں ان سے جا کر کہوں گا ذرا مجھے اپنی تلوار دیجئے جب وہ دیدیں گے تو میں ان کو قتل کردوں گا چنانچہ وہ خدمت گرامی میں آیا اور عرض کیا محمد ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھایئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیدی مگر اس کا ہاتھ لرزنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے مقصد میں رکاوٹ پیدا ہوگئی، اس پر اللہ نے آیت یاایہا الرسول بلغ الخ نازل فرمائی، بخاری نے بھی یہ قصہ اسی طرح لکھا ہے مگر اس میں نزول آیت کا ذکر نہیں ہے۔

اس آیت کے نزول کے اسباب میں سے ایک عجیب سبب نزول یہ بھی آیا ہے کہ (مکہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی محافظ کے زیر حفاظت رہتے تھے، ہر روز ابو طالبؓ آپ کی حفاظت کے لئے آپ کی ہمراہی میں کسی ایک ہاشمی کو بھیج دیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوگئی اور اس کے بعد بھی جب ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محافظ کو بھیجنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا اللہ نے جن وانس سے میری حفاظت کردی ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی واقعہ نقل کیا ہے، یہ قصہ چاہتا ہے کہ یہ آیت مکی ہو مگر ظاہر اس کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک حدیث میں حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے تبلیغ و رسالت کے احکام ملے تو میرے دل میں اس کی بڑی ہیبت تھی، کہ ہر طرف سے لوگ میری تکذیب اور مخالفت کریں گے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو سکون و اطمینان حاصل ہوگیا۔ (تفسیر کبیر)

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ تبلیغ و رسالت کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند پہنچا سکے، جنگ و جہاد میں

عارضی طور سے کوئی تکلیف پہنچ جانا اس کے منافی نہیں ہے۔ (تفسیر معارف مفتی اعظمؒ)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ
کہہ دے اے کتاب والو تم کسی راہ پر نہیں
حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ
جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اترا
اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
تمہارے رب کی طرف سے

اب اسلام کی اطاعت کے بغیر کسی کی کوئی قیمت نہیں ہے:

یعنی کل کتب سماویہ جن کا خاتم اور مہیمن قرآن کریم ہے۔ پچھلے رکوع میں اس آیت کی تفسیر گذر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شریعت اسلام کی پابندی کے بغیر تمہارے سارے کمالات اور اعمال سب (اکارت ہیں) تم کو اللہ تعالیٰ نے ایک کمال فطری یہ عطا فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہو، دوسرے تورات وانجیل کے علمی کمالات بھی تمہیں حاصل ہیں، تم میں سے بہت سے آدمی دَرویش منش بھی ہیں، مجاہدات وریاضات کرتے ہیں، مگر ان سب چیزوں کی قیمت اور وزن اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اس پر موقوف ہے کہ تم شریعت الٰہیہ کا اتباع کرو، اسکے بغیر نہ کوئی نسبی فضیلت کام آوے گی نہ علمی تحقیقات تمہاری نجات کا سامان بنیں گی نہ تمہارے مجاہدات وریاضیات۔

مسلمانوں کیلئے راہنمائی:

اس ارشاد میں مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت مل گئی کہ کوئی درویشی اور سلوک وطریقت، مجاہدات وریاضات اور کشف والہام اس وقت تک اللہ کے نزدیک فضیلت اور نجات کی چیز نہیں جب تک کہ شریعت کی پوری پابندی نہ ہو۔

حُجّیتِ حدیث:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح مجھے علم و حکمت کا خزانہ قرآن کریم دیا گیا، اسی طرح دوسرے علوم ومعارف بھی عطا کئے گئے ہیں، جن کو ایک حیثیت سے قرآن کریم کی تشریح بھی کہا جاسکتا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: ’’یاد رکھو! کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور بھی علوم دیئے گئے، آئندہ زمانہ میں ایسا ہونے والا ہے کہ کوئی شکم سیر راحت پسند یہ کہنے لگے کہ تم کو صرف قرآن کافی ہے، جو اس میں حلال ہے صرف اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہو صرف اس کو حرام سمجھو، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا ہے وہ بھی ایسی ہی حرام ہے جیسی اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعہ حرام کی ہوئی اشیاء حرام ہیں‘‘ (ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی)

احکام کی تین اقسام:

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام امت کو دیئے ان میں ایک تو وہ ہیں جو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہیں، دوسرے وہ ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جداگانہ وحی کے ذریعہ نازل ہوئے، تیسرے وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد وقیاس سے کوئی حکم دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف کوئی حکم نازل نہیں فرمایا، وہ بھی بحکم وحی ہوگیا، یہ تینوں قسم کے احکام واجب الاتباع ہیں۔

کون سا ایمان معتبر ہے:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اور اپنی کتاب قرآن پر ایمان نہ رکھنے والے تمام یہود ونصاریٰ سے اور دوسری قوموں سے نہ صرف تبلیغی جہاد کیا، بلکہ قتل وقتال اور سیف وسنان کی جنگیں بھی لڑیں اور اگر انسان کے مؤمن اور مقبول عنداللہ ہونے کے لئے صرف اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آنا کافی ہوتو بیچارہ ابلیس کس جرم میں مردود ہوتا کیا اس کو اللہ پر ایمان نہ تھا، یا وہ روز آخرت اور قیامت کا منکر تھا اس نے تو عین حالتِ غضب میں بھی اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ کہہ کر ایمان بالآخرت کا اقرار کیا ہے۔

اصطلاح قرآن میں ایمان باللہ وہی معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی ساری چیزوں پر ایمان ہو، قرآن کریم نے اپنی اس اصطلاح کو ان الفاظ میں واضح فرما دیا، فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا یعنی جس طرح کا ایمان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا صرف وہی ایمان باللہ کہلانے کا مستحق ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے ایمان کا بہت بڑا رکن ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اس لئے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کے لفظوں میں خود ایمان بالرسول داخل ہے۔ (تفسیر معارف مفتی اعظمؒ)

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
اور ان میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو تجھ پر اترا
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ
تیرے رب کی طرف سے شرارت اور کفر سو تو افسوس نہ کر اس

الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾
قوم کفار پر

یعنی اس غم اور افسوس میں پڑ کر تنگ دل نہ ہوں اپنا فرض امن واطمینان سے ادا فرماتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا
بیشک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی
وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ
اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾
ڈر ہے نہ وہ غمگین ہونگے

کامیابی کا معیار ایمان اور عملِ صالح ہے:

یعنی جو قوم مسلمان کہلاتی ہے، یا یہود یا نصاریٰ یا صابی (یا اور کچھ۔ تمثیلاً چند مشہور مذاہب کا ذکر کیا گیا) کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ احوال وخصائص کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ کامیاب اور مامون ومصئون ہونے کا ایک اور صرف ایک معیار ہے، یعنی ایمان وعمل صالح، جس قوم کو اپنے مقرب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اسی کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لے۔ اگر اسمیں کھری اترے تو بے خوف وخطر مفلح اور کامیاب ہے، ورنہ ہر وقت اپنے کو خدا کے غضب وقہر کے نیچے سمجھے۔ پچھلی آیات میں خاص اہل کتاب کو تبلیغ تھی اس آیت میں تمام اقوام وملل کے سامنے بلا رو رعایت ایسا عجیب وغریب، معقول اور منصفانہ قانون پیش کیا گیا ہے جسکے بعد کسی سلیم الفطرت انسان کو اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص جب تک خدا (یعنی اسکے وجود، وحدانیت، صفات کمالیہ، نشانہائے قدرت، تمام احکام وقوانین، کل نائبین وسفراء) پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور نیکی اختیار نہ کرے، کیا عقل سلیم قبول کرسکتی ہے کہ وہ نعیم دائم رضائے حق اور سرور ابدی سے ہمکنار ہو سکے گا۔ ''ایمان باللہ'' کے تحت میں یہ سب چیزیں داخل ہیں (فرض کرو ایک شخص روشن دلائل نبوت کی موجودگی میں کسی پیغمبر کی توہین کرتا ہو اور اسکو دعویٰ نبوت میں جھوٹا کہنا یہی اسکی توہین ہے) تو کیا کسی حکومت کے سفیر کی توہین اور اسکے صاف وصریح اسناد سفارت کی تکذیب اس حکومت کی توہین وتکذیب نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی ایک سچے پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے اور اسکو قبول نہیں کرتا وہ فی الحقیقت خدا کے ان صاف وصریح نشانات ودلائل کو جھٹلا رہا ہے جو اس نے تصدیق نبوت کیلئے اتارے تھے۔ فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (انعام، رکوع ۴) کیا اللہ کی آیات اور صریح وعلانیہ نشانات کو جھٹلانے کے بعد بھی ''ایمان باللہ'' کا دعویٰ رہ سکے گا۔ قرآن کریم نے جن تفصیلات کی طرف ''ایمان باللہ وعمل صالح'' کے اجمالی عنوان سے یہاں ارشاد فرمایا ہے۔ دوسرے مواضع میں وہ شرح وبسط سے مذکور ہیں۔

صابی:

میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صابئین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکمائے اشراقین اور فلاسفہ طبیعیین کے اصول سے ماخوذ تھے۔ یہ لوگ روحانیات کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ انکی پرستش کرتے تھے۔ انکا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت واستمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود) تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کرکے ''عالم روحانیات'' کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہیے۔ پھر انکی خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں، کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کیلئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کیلئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ حنفاء کے مقابلہ میں صابئین کی جماعت تھی جنکا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اسکے لوازم وخواص پر ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم حنیف علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابی العقیدہ تھی جس کے رد وابطال میں خدا کے خلیل نے جانبازی دکھلائی۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
ہم نے لیا تھا پختہ قول بنی اسرائیل سے

یہودی معیار پر پورا نہیں اُترے:

گذشتہ آیت میں جو معیار قبول عند اللہ کا بیان ہوا تھا یعنی ایمان اور

عمل صالح۔ یہاں یہ دکھلانا ہے کہ یہود اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ
اور بھیجے ان کی طرف رسول جب لایا ان کے پاس کوئی
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا
رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا
وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور بہتوں کو قتل کرڈالتے تھے

غلام کی وفاداری کا امتحان اس میں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کرگزرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنادے۔ ورنہ صرف ان چیزوں کا مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں، یہ کونسا کمال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا
اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہوگئے اور بہرے
ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا
پھر توبہ قبول کی اللہ نے ان کی پھر اندھے اور بہرے ہوئے
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ
ان میں سے بہت

یہودیوں کی عہد شکنی اور سزا:

یعنی پختہ عہد و پیمان توڑ کر خدا سے غداری کی، اسکے سفراء میں سے کسی کو جھٹلایا، کسی کو قتل کیا۔ یہ تو انکے "ایمان باللہ اور اعمال صالح" کا حال تھا۔ "ایمان بالیوم الآخر" کا اندازہ اس سے کرلو کہ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کا ارتکاب کر کے بالکل بےفکر ہو بیٹھے، گویا ان حرکات کا کوئی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑیگا۔ اور ظلم و بغاوت کے خراب نتائج کبھی سامنے نہ آئینگے یہ خیال کر کے خدائی نشانات اور خدائی کلام کی طرف سے بالکل ہی اندھے اور بہرے ہوگئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کئے حتی کہ بعض انبیاء کو قتل اور بعض کو قید کیا۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمایا۔ پھر ایک مدت دراز کے بعد بعض ملوک فارس نے بخت نصر کی قید ذلت و رسوائی سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کو واپس کیا۔ اس وقت ان لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے، خدا نے توبہ قبول کی، لیکن کچھ زمانے کے بعد پھر وہ ہی شرارتیں سوجھیں اور بالکل اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے قتل کی جرأت کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل پر تیار ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾
اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

یعنی وہ اگرچہ خدا کے غضب و قہر کی طرف سے اندھے ہوگئے ہیں لیکن خدا ان کی تمام حرکات کو برابر دیکھتا رہا ہے۔ چنانچہ ان حرکات کی سزا اب امت محمدیہ کے ہاتھوں سے دلوا رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے
ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ
مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے کہ اے بنی اسرائیل
اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ
بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا بیشک
مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ
جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا
اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾
نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا

عیسائی بھی معیار پر نہ اُترے:

یہاں سے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھلائی گئی ہے کہ وہ کہاں تک حقانیت کے اس معیار پر پورے اترے۔ ان کے ایمان باللہ کا حال

یہ ہے کہ عقل کے خلاف فطرت سلیمہ کے خلاف اور حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنادیا "ایک تین اور تین ایک" کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہے حقیقۃً سارا زور و قوت صرف حضرت مسیح کی الوہیۃ ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا اعلانیہ اعتراف فرمارہے ہیں۔ اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اسکی برائی کس زور و شور سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

عیسائیوں کا عقیدۂ حلول:

حقیقت خداوندی اور حقیقت انسانی کا ملکر ایک ہو جانا محال ہے اور اگر عقلاء نصرانیت یہ دعوی کریں کہ یہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے تو پھر نصاری یہ بتلائیں کہ خدا تعالی کا جسم فرعون اور جسم نمرود کے ساتھ اور رام چندر اور کرشن کے ساتھ متحد ہو جانا کس دلیل سے محال ہے نصاری کے نزدیک جب ایک جسم بشری میں خدا تعالی کا حلول اور نزول جائز ہے تو نمرود اور فرعون اور کرشن اور رام چندر کے جسم میں خدا تعالی کا حلول اور نزول کس دلیل سے محال ہے نصاری اسکا جواب دیں اور اگر بالفرض نصاری کے نزدیک مریم کے بیٹے کا خدا ہونا ممکن ہے تو کوسلیا کے بیٹے یعنی رامچندر کا اور نوکی کے بیٹے یعنی کنہیا کا خدا ہونا کیوں ناممکن ہے اور بشن اور مہادیو اور برہما جن کو ہندو لوگ اسطرح خدا مانتے ہیں جسطرح نصاری حضرت عیسیٰ کو خدا مانتے ہیں نصاری بتلائیں کہ یہ کیوں خدا نہیں ہو سکتے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ
بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک

عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث:

یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ۔ یا مسیح مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں (العیاذ باللہ) ان میں کا ایک حصہ دار اللہ ہوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہی ہے اور اس خلاف عقل و بداہت عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچ دار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اسکو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے لن یصلح العطار ما افسده الدهر. (تفسیر عثمانی)

وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ
حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے اور اگر نہ باز آویں گے
يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ
اس بات سے کہ کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان میں سے کفر پر قائم
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ
رہنے والوں کو عذاب دردناک کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے
إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾
آگے اور گناہ بخشواتے اس سے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

یہ اسی غفور رحیم کی شان ہے کہ ایسے ایسے باغی اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اور اصلاح کا عزم کر کے حاضر ہوں تو ایک منٹ میں عمر بھر کے جرائم معاف فرمادیتا ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول گذر چکے اس سے
مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ
پہلے بہت رسول

یعنی اسی مقدس و معصوم جماعت کے یہ بھی ایک فرد ہیں، انہیں خدا بنا لینا تمہاری سفاہت ہے

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ
اور اسکی ماں ولی ہے

خواتین میں نبوت نہیں آئی:

جمہور امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی۔ یہ منصب رجال ہی کیلئے مخصوص رہا ہے

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰٓ (یوسف رکوع ۱۲)

حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں۔ نبی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ ہم کیسے بتلاتے ہیں

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

ان کو دلیلیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جا رہے ہیں

حضرت عیسیٰ اور مریم کی خدا نہ ہونے کی دلیل:

غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے۔ زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ ملیے اور کھاد سے بھی اسے استغنا نہیں ہوسکتا۔ غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلا واسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر کھانے سے جو اثرات ونتائج پیدا ہونگے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ احتیاج وافتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح ومریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کرسکتے ہیں کہ مسیح ومریم اکل وشرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے، اور جو اکل وشرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم وجاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے۔ اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

تو کہدے کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں

لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا

حضرت عیسیٰ کے معبود ہونے کی تردید:

یعنی جب مسیح کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو مگر معبود بننا صرف اسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک اور پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے اور انتہائی تذلل اسی کے سامنے اختیار کرسکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا۔ ہر آن سب کی سننے والا اور سب کے احوال کا پوری طرح جاننے والا ہو۔ اسمیں تثلیت کے عقیدہ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا رد ہوگیا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

تو کہہ اے اہل کتاب مت مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں

غَيْرَ الْحَقِّ

ناحق کا

اعتقاد وعمل کا غلو:

عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا۔ اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید، رکوع ۴) یہود کی جو قبائح بیان کی جاچکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی انکے یہاں کوئی عظمت ووقعت نہ تھی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت وقتل وغیرہ ان کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اسکے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اسقدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرلی۔ (تفسیر عثمانی)

غلو کے معنی حد سے نکل جانے کے ہیں، دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد وعمل میں دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھ جائیں، مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ ان کو خلق خدا میں سب سے افضل جانے، اس حد سے آگے بڑھ کر انہی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہدینا اعتقادی غلو ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ

اور مت چلو خیالات پر ان لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے

قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ

پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے

السَّبِيْلِ ۝

سیدھی راہ سے

عیسائیوں کی گمراہی:

یعنی اصل انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں اس عقیدہ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ

تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى
ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد کی زبان پر
لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا
اور عیسیٰ بیٹے مریم کی یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸
اور حد سے گذر گئے تھے

انبیاء کی زبانی سرکشوں پر لعنت:

یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گذر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا بلکہ سب شیر وشکر ہو کر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے۔ منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ جیسے گناہوں پر ان کی جسارت حد سے گذر چکی تھی۔ یہ لعنت بھی جو ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی، غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ غالباً اسی لعنت کے نتیجہ میں ان میں کے بہت سے افراد ظاہراً و باطناً بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کردیے گئے اور باطنی مسخ کا دائرہ تو اس قدر وسیع ہوا کہ انکے بہت سے لوگ آج بھی ان مسلمانوں کو چھوڑ کر جو خدا کی تمام کتب سماویہ تمام انبیاء کی تصدیق وتعظیم کرتے ہیں، مشرکین مکہ سے جو خالص بت پرست اور نبوت وغیرہ سے جاہل محض ہیں، مسلمانوں کے خلاف دوستی گانٹھتے ہیں۔

لعنت کا اثر:

اگر ان اہل کتاب کو خدا پر نبی پر اور وحی الٰہی پر واقعی اعتقاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس قوم کی ضد میں جو ان تمام چیزوں کو مکمل طور پر مانتے ہیں بت پرستوں سے ساز باز کرتے۔ یہ بے حسی، بدمذاقی اور خدا پرستوں سے بھاگ کر بت پرستوں سے دوستی کرنا اسی لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے۔ جس نے انہیں خدا کی رحمت عظیمہ سے کوسوں دور پھینک دیا ہے۔ پچھلی آیات میں انکی گذشتہ کفریات اور جرائم کو بیان کرکے غلو فی الدین اور گمراہوں کی کورانہ تقلید سے منع فرمایا تھا تاکہ اب بھی اپنی ملعون حرکات سے تائب ہو کر حق وصداقت کے راستہ پر چلنے کی کوشش کریں اس رکوع میں ان کی موجودہ حالت پر متنبہ کرتے ہوئے بتلایا کہ جو لعنت داؤد اور مسیح علیہما السلام کی زبانی ہوئی تھی اسکے آثار آج تک موجود ہیں۔ اہل اللہ اور عارفین سے نفرت وعداوت اور جاہل مشرکوں سے محبت، یہ کھلی دلیل اسکی ہے کہ انکے قلوب خدائی لعنت کے اثر سے بالکل ممسوخ ہو چکے ہیں۔ مگر اب بھی انہوں نے اپنی حالت کو نہ سنبھالا اور حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ایسی شدید لعنت کے مورد بنیں گے جو خدا تعالیٰ سید الانبیاء خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان پر بھیجے گا۔ (تفسیر عثمانی)

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ
آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے

روک ٹوک نہ کرنے کا نتیجہ:

لایتناھون کے دو معنی ہوسکتے ہیں (۱) "نہیں رکتے تھے" کما فی روح المعانی (۲) "نہیں روکتے تھے ایک دوسرے کو" کما ھو المشہور جب بدی کسی قوم میں پھیلے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں، اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبدالرحمن بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنی اسرائیل میں سے اگر کوئی شخص گناہ کرتا تھا تو دوسرا شخص اس کو منع کرتا تھا لیکن دوسرے روز صبح کو یہی منع کرنے والا اسی مرتکب گناہ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل گناہ میں اس کو آلودہ اس نے دیکھا ہی نہ تھا جب اللہ نے ان کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو سب کے دل ایک جیسے کردیئے اور کچھ لوگوں کو ان میں بندر اور سور بنا ڈالا اور داؤد و عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت کی اس کا سبب ان کی

نافرمانی اور حدود ممانعت سے تجاوز تھا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو ضرور نیکی کی ہدایت اور برائی سے باز داشت اور بیوقوف کے ہاتھوں پر گرفت اور حق پر اجتماعی موافقت کرنی لازم ہے ورنہ تمہارے دلوں کو بھی اللہ ایک جیسا کر دے گا (یعنی سب کے دلوں پر مہر لگا دیگا اور جس طرح ان پر لعنت کی اسی طرح تم پر بھی لعنت کریگا (رواہ ترمذی وابوداؤد من حدیث عبداللہ بن مسعود مرفوعا) (تفسیر مظہری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اغلب ہے کہ اللہ کا عذاب ان سب پر آ جائے۔ (تفسیر مظہری)

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ تَرَىٰ كَثِيرًا
کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے تو دیکھتا ہے ان میں کہ بہت سے
مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لوگ دوستی کرتے ہیں کافروں سے

کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ان آیات کا مصداق یہود مدینہ تھے جنہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر کے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھانی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن
کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے واسطے وہ یہ کہ
سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٨٠﴾
اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں

یعنی جو ذخیرہ اعمال کا مرنے سے پہلے آخرت کیلئے بھیج رہے ہیں وہ ایسا ہے جو انکو غضب الٰہی اور عذاب ابدی کا مستحق بناتا ہے۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ
اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اترا
إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ
تو کافروں کو دوست نہ بناتے

یہودیوں اور منافقوں کا کسی نبی پر ایمان نہیں

"النبی" سے بعض مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بعض نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان یہود کو واقعی یقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اور تعلیمات پر ہوتا تو نبی آخر الزمان کے مقابلہ میں جنکی بشارت خود موسیٰ علیہ السلام دے چکے ہیں مشرکین سے دوستی نہ کرتے یا یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلصانہ ایمان لے آتے تو ایسی حرکت ان سے سرزد نہ ہوتی کہ دشمنان اسلام سے ساز باز کریں۔ اس دوسری تقدیر پر آیت منافقین یہود کے حق میں ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨١﴾
لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں

یہودیوں کی بے عقلی:

خدا کی اور خود اپنے تسلیم کردہ پیغمبر کی نافرمانی کرتے کرتے یہ حالت ہوگئی کہ اب موحدین پر مشرکین کو ترجیح دیتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم بہت سے نام نہاد مسلمانوں کی حالت بھی یہی پاتے ہیں کہ مسلمان اور کفار کے مقابلہ کے وقت کافروں کو دوست بناتے اور انہی کی حمایت و وکالت کرتے ہیں۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ (تفسیر عثمانی)

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ
تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا
آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم
یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گا سب سے نزدیک
مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ
محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں
ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا
یہ اس واسطے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں
وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾
اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى

اور جب سنتے ہیں اس و جو اترا رسول پر تو دیکھے تو انکی

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

آنکھوں کو کہ ابلتی ہیں آ ووں سے اس ے کہ انہوں نے

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ

پہچان لیا حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو

الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ

اور اس چیز پر جو پہنچی ہم کو حق سے اور توقع رکھیں اسکی

يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝

کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

پھر انکو بدلے میں دیئے اللہ نے اس کہنے پر ایسے باغ کہ جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہی

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

اور یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا اور جو لوگ

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ کے

الْجَحِيْمِ ۝

رہنے والے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کافروں کا تجزیہ:

ان آیات میں بتلایا گیا کہ یہود کا مشرکین سے دوستی کرنا محض اسلام اور مسلمانوں کی عداوت وبغض کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن اقوام سے زیادہ سابقہ پڑتا تھا ان میں یہ دونوں قومیں یہود اور مشرکین علی الترتیب اسلام و مسلمین کی شدید ترین دشمن تھیں۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن ملعون یہود نے بھی کوئی کمینہ سے کمینہ حرکت اٹھا کرنہیں رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خبری میں پتھر کی چٹان گرا کر شہید کرنا چاہا، کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی، سحر اور ٹونکے کرائے، غرض غضب پر غضب اور لعنت پر لعنت حاصل کرتے رہے۔ اسکے بالمقابل نصاری باوجود یہ کہ وہ بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج انکو ایک نظر نہ بھاتا تھا، تاہم ان میں قبول حق کی استعداد ان دونوں گروہوں سے زیادہ تھی۔ انکے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبتاً جلد مائل ہو جاتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک ''عیسائیوں'' میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی۔ جس قوم میں یہ خصائل کثرت سے پائی جائیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اسمیں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ قبول حق سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں۔ جہل، حب دنیا یا حسد وتکبر وغیرہ۔ نصاری میں قسیسین کا وجود جہل کو، رہبان کی کثرت حب دنیا کو، نرمئ دل اور تواضع کی صفت کبر ونخوت وغیرہ کو کم کرتی تھی چنانچہ قیصر روم، مقوقس مصر اور نجاشی ملک حبشہ نے جو کچھ برتاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رسالت کے ساتھ کیا وہ اسکا شاہد ہے کہ اس وقت نصاری میں قبول حق اور مودت مسلمین کی صلاحیت نسبۃً دوسری قوموں سے زائد تھی۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر جب ایک جماعت صحابہؓ نے ''حبشہ'' کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ملک حبشہ کے دربار تک اپنا پروپیگنڈہ نہ چھوڑا تو بادشاہ نے ایک روز مسلمانوں کو بلا کر کچھ سوالات کئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت بھی انکا عقیدہ دریافت کیا۔ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی آیات پڑھیں اور اپنا عقیدہ صاف صاف بیان فرمایا بادشاہ بے انتہا متاثر ہوا اور اقرار کیا کہ جو کچھ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کی نسبت عقیدہ ظاہر کیا ہے، وہ بلا کم وکاست صحیح ہے۔ اس نے کتب سابقہ کی بشارت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان تسلیم کیا۔ قصہ طویل ہے۔ انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت اقدس میں روانہ کیا یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے تو کلام الٰہی سن کر وقف گریہ وبکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ''ربنا امنا'' الخ یہ کلمات جاری تھے ان آیات میں اسی جماعت کا حال بیان فرمایا ہے قیامت تک کیلئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود ومشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام ومسلمین کیساتھ یہی رہے گی۔ آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیسین ورہبان اور متواضع ومنکسر المزاج ہیں اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں جب اقربھم مودۃ کی علت ہی جو ذلک بان منھم قسیسن الخ سے بیان کی گئی، موجود نہیں تو معلول یعنی ''قرب مودت'' کیوں موجود ہوگا۔ بہرحال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود مشرکین کے بیان ہوئے، وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہونگے، اسی نسبت سے اسلام ومسلمین کی محبت وعداوت کو خیال کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نجاشی:

یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابوطالبؓ نے قرآن شریف پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے انسان کی اصلاح وتربیت کے لئے دو سلسلے رکھے، ایک کتاب اللہ اور دوسرے رجال اللہ، جن میں انبیاء علیہم السلام اور پھر ان کے نائبین علماء ومشائخ سب داخل ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے دربار میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ کھینچ دیا تھا، اور پھر ان حضرات کے قیام نے نہ صرف اس کے دل میں بلکہ وہاں کے حکام وعوام سب کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت وعظمت پیدا کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا مطمئن ہوجانا معلوم ہوا اور مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کیا تو نجاشی شاہ حبشہ نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء ومشائخ کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں باسٹھ حضرات حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے۔

شاہ حبشہ کے وفد کی درگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

یہ وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک درویشانہ اور راہبانہ لباس میں ملبوس حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی، یہ لوگ سنتے جاتے تھے، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، سب نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے کتنا مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، اور یہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

ان کی واپسی کے بعد شاہ حبشہ نجاشی نے بھی اسلام کا اعلان کردیا، اور اپنا ایک خط دے کر اپنے صاحبزادہ کو ایک دوسرے وفد کا قائد بنا کر بھیجا، مگر سوئے اتفاق سے کشتی دریا میں غرق ہوگئی، الغرض حبشہ کا بادشاہ اور حکام وعوام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا بلکہ بالآخر خود بھی مسلمان ہوگئے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا کہ آیات متذکرہ انہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى اور بعد کی آیات میں ان کا خوف حق تعالیٰ سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے۔

ہجرت حبشہ اوّل:

رجب ۵ھ نبوت۔ کو روانہ ہوئے اور سمندر پر پہنچ کر نصف دینار میں ایک کشتی کرایہ پر لے کر ملک حبش کو چلے گئے۔ یہ ہی پہلی ہجرت ہوئی۔ کچھ مدت کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب بھی چلے گئے اور آپ کے بعد پھر مسلمان حبش کی طرف ہجرت کرنے لگے عورتوں اور بچوں کے علاوہ صرف مردوں کی تعداد ۸۲ ہوگئی جو حبش میں پہنچ گئے۔ قریش کے علم میں جب یہ بات آئی کہ مسلمان حبش میں پناہ گیر ہوگئے ہیں تو انہوں نے عمرو بن عاص کو حبش بھیجا۔ نجاشی اور اس کے سرداروں کے لئے عمرو بن عاص کے ساتھ کچھ تحفے ہدیئے بھی کردیئے تاکہ شاہ حبش مسلمانوں کو واپس لوٹا دے لیکن ان کی یہ تدبیر ناکام ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ یہ قصہ ہم سورۂ آل عمران کی آیت اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حبشہ میں حضرت ام حبیبہ سے نکاح

عمرو بن عاص اور ان کا ساتھی جب ناکام واپس لوٹ آئے تو نجاشی

نے بڑی خاطر مدارت کے ساتھ مسلمانوں کو رکھا۔ مدت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ کو) ہجرت کی اور ۶ھ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ نامہ مبارک نجاشی کے نام روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ اگر ام حبیبہ راضی ہوں تو ان کا نکاح مجھ سے کر دو اور مسلمانوں کو میرے پاس واپس بھیج دو۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئی تھیں لیکن حبش میں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو نامہ مبارک لکھا)

حسب الحکم نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو چار سو دینار دیکر حضرت ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا اور ابرہہ کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام نکاح حضرت ام حبیبہ کو پہنچایا، یہ پیام سنکر خوشی کے مارے ابرہہ کو اپنے کنگن دیدیئے اور خالد بن سعید بن العاص کو وکیل نکاح بنا دیا۔ خالد نے چار سو دینار مہر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے کر دیا۔ نجاشی نے رقم مہر حضرت ام حبیبہ کو دیدی۔ ابرہہ جب مہر کی اشرفیاں لے کر حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے پچاس اشرفیاں اس کو عطا فرمائیں۔ ابرہہ نے لینے سے انکار کر دیا اور عرض کیا مجھے بادشاہ نے نہ لینے کی ہدایت کر دی ہے۔ میں تو بادشاہ کے توشہ خانہ کی مہتمم ہوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی اور ان پر ایمان لاتی ہوں، میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ جب آپ پہنچیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام عرض کر دیں۔ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا بہت اچھا۔ بادشاہ نے اپنی عورتوں کو حکم دیا حضرت ام حبیبہ کو (جو خوشبوئیں موجود ہوں جیسے) عود عنبر بھیج دیں۔ حضرت ام حبیبہ کا بیان ہے کہ ہم حبش سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہتے تھے وہ خیبر کو چلے گئے مگر میں مدینہ میں رہی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے مدینہ کو واپس آ گئے تو میں خدمت گرامی میں حاضر ہوئی آپ مجھ سے نجاشی کا حال پوچھنے لگے میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اس پر آیت عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً نازل ہوئی یعنی ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ تمہارے دشمنوں کی (ابوسفیان وغیرہ) دشمنی کو اللہ دوستی سے بدل دے گا۔ چنانچہ ابوسفیان کو جب ام حبیبہ کے نکاح کی اطلاع پہنچی تو بولا وہ نر ہے اس کی ناک کو نہیں ٹھونکا جا سکتا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) شریف بہادر ہیں ان میں کوئی عیب نہیں)

نجاشی کے بیٹے کی خدمت اقدس میں روانگی:

حضرت جعفر کے ساتھ نجاشی نے اپنے بیٹے ارہا بن اصحمہ بن الجر کو ساٹھ حبشیوں کی جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اور ایک عرضداشت بھی بھیجی تھی جس میں لکھا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں آپ کی (گذشتہ کتابوں میں بھی) تصدیق کی گئی ہے میں نے آپ سے اور آپ کے چچا کے بیٹے کی بیعت کر لی ہے اور اللہ رب العالمین کا فرماں بردار ہو گیا ہوں میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا کو بھیج رہا ہوں اگر آپ کا حکم ہوگا تو خود بھی حاضر ہو جاؤں گا۔ والسلام علیک۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قافلہ حضرت جعفر اور آپ کے ساتھیوں کے بعد ایک کشتی میں سوار ہوا لیکن وسط سمندر میں پہنچ کر ڈوب گیا۔ حضرت جعفر اور آپ کے ستر ساتھی اونی کپڑے پہنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔

نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے اوصاف:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ

اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھتے ہیں۔ طبرانی نے بھی نسائی کی مذکورہ بالا روایت کی طرح بیان کیا ہے مگر واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں نجاشی یا وفد نجاشی کے متعلق آیت کا نزول حکم کی تخصیص کو نہیں چاہتا کہ انہی کے ساتھ حکم مخصوص ہو کیونکہ الفاظ کا عموم معتبر ہوتا ہے واقعہ کی خصوصیت نا قابل اعتبار ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ سننے والوں سے مراد ہیں نجاشی اور ان کے ساتھی حبش میں (نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے ان کو کھیعص پڑھ کر سنائی تھی تو جب تک آپ پڑھتے رہے وہ لوگ روتے رہے)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ

کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم نے (تیرے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کتاب کو جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے مان لیا تو ہم کو بھی انہی لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرنے والے ہیں (امنا سے مراد گذشتہ ایمان کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ایمان لانے سے مراد ہے اب ایمان لانا اور دائرہ مومنین میں داخل ہونا۔ ربنا کا لفظ کہنا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ منافقوں کی طرح ایمان نہیں لائے بلکہ سچے دل سے انہوں نے تصدیق کی۔ الشاہدین سے مراد ہے امت محمدیہ جو (قیامت کے دن) پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیگی (کہ ان پیغمبروں نے اپنی اپنی

امتوں کو پیام ہدایت پہنچادیا تھا)

نومسلم عیسائیوں نے اپنی دعاء میں یہ لفظ اس لئے کہا کہ ان کو انجیل پڑھنے سے معلوم ہو گیا تھا کہ امت محمدیہ پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیگی یا شاہدین سے مراد ہیں نبوت محمدیہ اور حقانیت قرآن کی شہادت دینے والے یعنی مسلمان۔ شہادت (سے مراد تصدیق ہے کیونکہ شہادت) وہی ہے جو اندرون قلب اور سچے دل سے ہو۔

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ اور یہ (جنت) نیکوکاروں کی جزاء ہے''

یعنی ان نیکوکاروں کی جزاء اعمال ہے جو حضور قلب اور انتہائی خشوع سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عبادت کی انتہائی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا (وہ تمہارے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر یہ یقین رکھو) کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

قرآن مجید کا ضابطہ ہے کہ ترغیب کے بعد خوف بھی دلاتا ہے دونوں کو جوڑ کر بیان کرتا ہے اس لئے آئندہ آیت میں کافروں کی سزا کا ذکر کیا۔ اور چونکہ اہل ایمان کے ذکر میں قلبی تصدیق معرفت حق اور اقرار قولی کو بیان کیا تھا، اس لئے (اس کے مقابل) انکار حق اور تکذیب کا ذکر کیا اور فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ

اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے

اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

لئے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ

پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ

اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ

اللہ کے دیئے ہوئے میں سے جو چیز حلال پاکیزہ ہے اور ڈرتے

بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو

ربطِ مضامین:

آغاز سورت میں "ایفائے عہود" کی تاکید کے بعد حلال وحرام کا بیان شروع ہوا تھا۔ اسی ضمن میں خاص خاص مناسبات سے بعض کا ذکر موقع بہ موقع ہم کر چکے ہیں، دوسرے مفید مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا "الشیء بالشیء یذکر" بات میں سے بات نکلتی رہی تمام استطرادی مضامین کو تمام کر کے اس پارہ کے پہلے رکوع سے پھر اصل موضوع بحث کی طرف عود کیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس رکوع سے متصل پہلے رکوع میں جو مضمون گذرا اس سے بھی رکوع حاضر کا مضمون پوری طرح مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلے رکوع میں یہود ونصاریٰ کی جو فضائح بیان کی گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک انکا خلاصہ دو چیزیں تھیں۔ یعنی یہود کا لذات وشہوات دنیا اور حرام خوری میں انہماک جو "تفریط فی الدین" کا سبب ہوا۔ اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا۔

رہبانیت کی تردید:

بلاشبہ رہبانیت جسے دینداری یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہیے، نیت اور منشائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی۔ اسی لئے "ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا" کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد وترک دنیا، اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مرعی رکھا ہے اس لئے وہ عالمگیر مذہب جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش ومعاد کا متکفل ہو کر آیا ہے، ضروری تھا کہ اس طرح کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے۔

تقویٰ:

کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے دو آیتوں میں پیش کی ہے۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ وہ کسی لذیذ حلال وطیب چیز کو اپنے اوپر عقیدۃً یا عملاً حرام ٹھہرالیں۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال وطیب نعمتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی ہے مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ (۱) اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) (۲) اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں) اعتداء کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں۔ یا لذائذ وطیبات سے تمتع کرنے میں حد اعتدال سے گذر جائیں۔ حتیٰ کہ لذات وشہوات میں منہمک ہو کر یہودی کی

طرح حیات دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیں۔ الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط و معتدل راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے ور نہ ازراہ رہبانیت مباحات وطیبات کو چھوڑنے کی۔ ''ازراہ رہبانیت'' کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا ممانعت میں داخل نہیں۔ نیز مسلمان تقوی کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا، اور تجربے سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ ایسے مباحات کو عہد وقسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کردے تو رہبانیت نہیں بلکہ ورع و تقوی میں شامل ہے حدیث میں ہے لایبلغ العبدان یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذرا مما به بأس (ترمذی) الحاصل ترک اعتداء، اور اختیار تقوی کی قید کو ملحوظ رکھ کر ہر قسم کے طیبات سے مومن مستفید ہو سکتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابیؓ کو رہبانیت سے منع فرمادینا:

عثمان ابن مظعونؓ نے عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ نہ یہ اہل کے پاس جاتے نہ اہلیہ ان کے پاس آسکتی۔ اب ان کی عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ دوسری ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا، اے خولاء! یہ تجھے کیا ہو گیا چہرے کا رنگ فق ہے، نہ کنگھی چوٹی ہے نہ تیل عطر ہے؟ تو اس نے کہا کنگھی کر کے تیل وعطر لگا کے کیا کروں، میرا شوہر نہ مجھ پر آ گرتا ہے نہ ذرا سا کپڑا تک میرا ہٹاتا ہے، سب کی سب اس کی بات سن کر ہنس پڑیں۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے فرمایا سب کی سب کیوں ہنس رہی ہو؟ تو کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خولاء ایسا ایسا کہہ رہی ہے۔ تو آپ نے عثمان بن مظعونؓ کو بلا کر کہا، یہ تو نے کیا کیا وہ کہنے لگے کہ میں نے یہ عیش خدا کے لیے چھوڑ دیا ہے تا کہ عبادت کے لیے بالکل خاص رہوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی ہی کر لوں۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو خدا کی قسم ہے ہرگز ایسا نہ کرنا فوراً گھر جا اور بیوی سے مل۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا روزہ ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ توڑ دے چنانچہ حسب انہوں نے پوری تعمیل کی اب خولاءؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی کنگھی کی ہوئی، سرمہ اور عطر لگائے ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے ہنس کر پوچھا خولاءؓ کیا ہوا۔ کہنے لگی کل وہ آیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عثمانؓ سے فرماتے تھے کہ عثمان ایسا قطعی نہ کرنا یہ دین پر بہت بڑی زیادتی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا ہے۔ ہاں قسم کا پیمان باندھا گیا ہو تو گرفت کریگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجات:

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجے ہیں، ایک یہ کہ اعتقاداً اس کو حرام سمجھ لیا جائے، دوسرے یہ کو قولاً کسی چیز کو اپنے لئے حرام کر لے، مثلاً قسم کھالے کہ ٹھنڈا پانی نہ پیوں گا یا فلاں قسم کا حلال کھانا نہ کھاؤں گا، یا فلاں جائز کام نہ کروں گا تیسرے یہ کہ اعتقاد و قول تو کچھ نہ ہو محض عملاً ہمیشہ کیلئے کسی حلال چیز کو چھوڑ دینے کا عزم کرے۔

پہلی صورت میں اگر اس چیز کا حلال ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہو تو اس کا حرام سمجھنے والا قانون الٰہی کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اور دوسری صورت میں اگر الفاظ قسم کہا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے، تو قسم ہو جائے گی، قسم کے الفاظ بہت ہیں، جو کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں، ان میں ایک مثال یہ ہے کہ صراحۃً کہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ فلاں چیز نہ کھاؤں گا، یا فلاں کام نہ کروں گا، یا یہ کہے کہ فلاں چیز یا فلاں کام کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں، اس کا حکم یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسی قسم کھانا گناہ ہے اس پر لازم ہے کہ اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ قسم ادا کرے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسری قسم جس میں اعتقاد اور قول سے کسی حلال کو حرام نہ کیا ہو، بلکہ عمل میں ایسا معاملہ کرے جیسا حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے، کہ دائمی طور پر اس کے چھوڑنے کا التزام کرے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حلال کو چھوڑنا ثواب سمجھتا ہے تو یہ بدعت اور رہبانیت ہے، جس کا گناہ عظیم ہونا قرآن وسنت میں منصوص ہے، اس کے خلاف کرنا واجب اور ایسی پابندی پر قائم رہنا گناہ ہے، ہاں اگر ایسی پابندی بہ نیت ثواب نہ ہو بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہو مثلاً کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے سبب سے کسی خاص چیز کو دائمی طور پر چھوڑ دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، بعض صوفیائے کرام اور بزرگوں سے حلال چیزوں کے چھوڑنے کی جو روایات منقول ہیں وہ سب اسی قسم میں داخل ہیں کہ انہوں نے اپنے نفس کے لئے ان چیزوں کو مضر سمجھا، یا کسی بزرگ نے مضر

بتلایا، اس لئے بطور علاج چھوڑ دیا، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ترتیب آیات کی خوبی:

ترتیب آیات میں ایک خاص خوبی ہے اول نصاریٰ کی تعریف فرمائی اور انکی رہبانیت کو قابل مدح صفت قرار دیا اور نفسانی جوش کو توڑنے کی ترغیب دی پھر اس کے بعد حد مقررہ سے آگے بڑھنے اور حلال کو حرام کی حدود میں داخل کر دینے کی ممانعت فرمادی۔ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔

اور (حلال کو حرام بنا کر) حدود مقررہ سے آگے نہ بڑھو اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ حلال کی حد سے آگے بڑھ کر حرام کے دائرہ میں داخل نہ ہو (یعنی حرام کے مرتکب نہ ہو) اس وقت آیت میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانیکی ممانعت اور اعتدال کی راہ اختیار کرنیکی دعوت ہوگی۔ یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو استعمال کرنے میں اسراف (اعتدال سے زیادتی) اختیار نہ کرو۔

شانِ نزول:

ابن جریر نے بسند عوفی بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور بعض دوسرے صحابیوںؓ نے عورتوں اور گوشت کو اپنے لئے حرام بنا لیا تھا اور چھریاں لے کر مردانہ آلات کو کاٹ ڈالنے کا محکم ارادہ کر لیا تھا تاکہ نفسانی خواہش کی جڑ ہی کٹ جائے اور عبادت کے لئے فراغت دل حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے اہل تفسیر کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور قیامت کا تذکرہ کیا جس کو سن کر لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور حضرت عثمانؓ بن مظعون کے مکان میں دس صحابیؓ جمع ہوئے۔ عثمانؓ بن مظعونؓ، ابوبکر صدیقؓ علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہؓ بن عمرو، ابوذر غفاریؓ ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ سالمؓ مقداد بن اسود، سلمانؓ فارسی، معقلؓ بن مقرن مشورہ کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ سب کے سب تارک الدنیا ہو کر ٹاٹ کا لباس پہن لیں گے، آلات مردانگی کو قطع کر لیں گے۔ ہمیشہ روزے رکھیں گے رات بھر نمازیں پڑھیں گے بستر پر نہیں سوئیں گے، گوشت چربی نہیں کھائیں گے عورتوں کے اور خوشبو کے پاس بھی نہیں جائیں گے اور سیاحت میں بسر کرینگے جونہی اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعونؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ عثمانؓ سے ملاقات نہیں ہوئی عثمانؓ کی بیوی خولاء ام حکیم بنت ابی امیہ موجود تھیں خولاء عطر ساز تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا مجھے تمہارے شوہر کے متعلق جو اطلاع ملی ہے کیا وہ صحیح ہے خولاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھیں اور نہ شوہر کا راز فاش کرنا مناسب سمجھتی تھیں اس لئے کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عثمانؓ نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی ہے تو صحیح کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ حضرت ابن مظعونؓ جب گھر پہنچے تو بیوی نے اطلاع دی۔ فوراً عثمانؓ اور ان کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے سرکار دوالا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم لوگوں کا فلاں فلاں باتوں پر اتفاق ہو گیا ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن مظعونؓ نے کہا بے شک صحیح ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا مقصد صرف نیکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے پھر فرمایا تم پر کچھ تمہاری جانوں کا بھی حق ہے روزے رکھو اور ناغہ بھی کیا کرو قیام (رات کی عبادت) کرو اور نیند بھی میں (رات کے کچھ حصہ میں) اٹھتا ہوں (یعنی نماز پڑھتا ہوں) اور (کچھ حصہ میں) سوتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں گوشت اور چکنائی بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے قربت بھی کرتا ہوں جو میرے طریقہ سے اعراض کریگا وہ مجھ سے (متعلق) نہ ہوگا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے عورتوں کو اور کھانے کو اور خوشبو کو اور نیند کو اور دنیوی خواہشات کو بالکل حرام قرار دے رکھا ہے میں تم کو سنیاسی اور سادھو بن جانے کا حکم نہیں دیتا میرے دین میں گوشت اور عورتوں کو ترک کر دینے اور خانقاہ نشین بنجانے کا حکم نہیں ہے میری امت کی سیاحت روزہ اور انکی رہبانیت صرف جہاد ہے اللہ کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا ساجھی نہ قرار دو حج کرو، عمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور سیدھی چال چلو تمہارے امور درست ہو جائیں گے۔ تم سے پہلے والے لوگ شدت پسندی کی وجہ سے ہی تباہ ہوئے انہوں نے اپنے اوپر خود سختیاں عائد کیں تو اللہ نے بھی ان پر سختیاں کر دیں گرجاؤں اور یہودی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے لوگ انہی کے پس ماندہ (نشانات) ہیں۔ اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

اپنے اوپر سختیاں نہ ڈالو:

ابوداؤد نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے خود اپنے اوپر سختیاں نہ ڈالو ورنہ اللہ تم پر سختیاں ڈال دیگا جن لوگوں نے خود شدت پسندی کی اللہ نے بھی ان پر شدت ڈال دی یہ یہودی خانقاہوں اور عیسائی گرجاؤں والے ان ہی کے پس ماندہ (آثار) ہیں (اللہ فرماتا ہے) رہبانیت خود ان کی ایجاد کردہ تھی ہم نے

ان پر رہبانیت فرض نہیں کی تھی۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کا بیان منقول ہے کہ ایک (بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت دیدی لیکن کچھ لوگوں نے اس کام سے علیحدہ رہنا پسند کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کو جمع کر کے) ایک تقریر کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد فرمایا کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں خدا کی قسم میں ان سے زیادہ خدا کو جانتا بھی ہوں اور اللہ کا خوف بھی ان سے زیادہ رکھتا ہوں۔

بغوی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ شیرینی یا شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب خاطر تھا۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب روٹی کا ثرید اور دلیے کا ثرید تھا رواہ ابوداؤد حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔ رواہ الترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث سنان بن سنہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ان قسموں کا کیا کریں جو حلال چیزوں کے سلسلے میں ہم کھا چکے ہیں۔ صحابہؓ نے مذکورہ بالا (تین) امور کو ترک کرنے کے متعلق آپس میں بقسم معاہدہ کر لیا تھا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر

بیہودہ قسموں کا کفارہ نہیں ہے:

یعنی ان پر دنیا میں کفارہ نہیں جیسا کہ ''یمین منعقدہ'' میں واجب ہے ''لغو'' وبیہودہ قسم کی تفسیر پارہ سیقول کے آخر میں گذر چکی چونکہ اوپر تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم ''یمین'' بھی ہے اس لئے ''یمین'' کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قسم کھانے کی چند صورتیں اور ان سے متعلقہ احکام:

اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے، بعض کا بیان سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اگر کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کوئی کام کر لیا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا آخرت ہے مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، توبہ واستغفار لازم ہے، اسی لئے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ غموس کے معنی ڈوبا دینے والے کے ہیں، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کر دینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آ گیا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اس کو یمین لغو کہتے ہیں، اسی طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمین لغو کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ ہوتا ہے، بعض میں نہیں ہوتا۔

اس جگہ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں بظاہر ہر لغو سے وہی قسم مراد ہے، جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ بالمقابل عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد صرف دنیا کا مواخذہ ہے، جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

مسئلہ: چاروں ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک انعقاد قسم کے لئے حرف قسم ضرور ہونا چاہیے خواہ تلفظ کیا گیا ہو یا محذوف ہو پھر حرف قسم کا اللہ کے کسی نام کے ساتھ یا کسی ایسے لفظ کے ساتھ آنا بھی ضروری ہے۔ جو اللہ کی ذات پر دلالت کر رہا ہے جیسے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قسم ہے اسکی جس کے سوا کوئی معبود نہیں قسم ہے دلوں کو پھیر دینے والے کی قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی وغیرہ۔

ابن عبدالبر نے مسئلہ قسم میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال نقل کر کے صراحت کی ہے کہ سب کے نزدیک قرآن کی قسم کا کفارہ واجب ہے اس کے خلاف کسی کا قول قابل اعتبار نہیں۔

مسئلہ: اگر کعبہ یا نبی کی قسم کھائی تو امام احمدؒ کے علاوہ تینوں اماموں کے نزدیک قسم نہیں ہوگی نہ کفارہ واجب ہوگا امام احمدؒ کا قوی روایت میں قول اسکے

خلاف آیا ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ نبی کی قسم کھائی تو قسم ہو جائیگی۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ

لیکن پکڑتا ہے اس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ

سو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو

اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ

اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو

قسم کا کفارہ

یعنی قسم توڑنے کے بعد یہ کفارہ دیا جائیگا۔ کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ دس مساکین کو گھر بٹھلا کر کھانا کھلا دے یا صدقۂ فطر کی برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت ادا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم:

(صحیحین) ابوداؤد نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول موقوفاً منقول ہے، اللہ کی جھوٹی قسم کھانا میرے نزدیک کسی اور کی سچی قسم کھانے سے بہتر ہے۔

مسئلہ: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اگر اس طرح کہا ہو کہ اگر میں نے یہ کام کیا ہو تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کعبہ سے بیزار ہوں یا کافر ہوں یا یہودی یا عیسائی ہوں تو لامحالہ اس کو قسم مانا جائے گا کیونکہ جب وقوع شرط کو کفر کی نشانی اس نے خود قرار دے دیا تو لامحالہ وقوع شرط سے باز رہنا واجب ہے لہٰذا اس کو قسم مانا جائیگا جیسے بعض دوسری صورتوں میں (حرف قسم یا شرط ذکر نہ کرنے کی صورت میں) بھی قسم قرار دیا جاتا ہے مثلاً کسی حلال چیز کو کسی نے اپنے لئے حرام بنا لیا تو یہ قسم ہو جائے گی۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک تحریم حلال قسم نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مملوکہ) کو اور شہد پینے کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

(كذا في الصحيحين اس کی تفصیل سورۂ تحریم میں ان شاء اللہ آئے گی)

مسئلہ: اگر میں نے ایسا کیا ہو تو یہودی ہوں یا اسلام سے خارج ہوں یہ الفاظ یمین غموس کے ہیں (یعنی گذشتہ واقعہ کے متعلق دانستہ بالارادہ جھوٹی قسم ہے) اگر اس نے ماضی میں وہ فعل کر بھی لیا ہوگا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس قسم سے کافر نہیں ہو جائے گا کیونکہ مستقبل کے متعلق اگر یہی الفاظ استعمال کرے (اور یوں کہے اگر میں ایسا کروں تو اسلام سے خارج ہو جاؤں گا اور پھر وہ کام کر لے) تو کافر نہیں ہو جاتا ہے پس ماضی کو مستقبل پر قیاس کیا جائے گا۔

بعض لوگ کافر ہو جانے کے قائل ہیں کیونکہ اس نے دانستہ کفر کو اپنے اوپر لاگو کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے صحیح یہ ہے کہ ایسا کہنے والا اگر اس قول کو صرف قسم جانتا ہے تو کافر نہ ہوگا اور اگر سمجھتا ہے کہ اس حلف سے وہ کافر ہو جائے گا۔ تو چونکہ حلف کھا کر اس نے خود کفر کو پسند کیا ہے اس لئے کافر ہو جائے گا حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے کہا کہ میں اسلام سے الگ ہوں پس اگر وہ جھوٹا ہے (واقع میں مومن ہوتے ہوئے اس نے اپنے کو خارج از اسلام کہا) تو اپنے قول کے مطابق ہو جائے گا۔ اور سچا ہے تو اسلام کی طرف خالص طور پر نہیں لوٹے گا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ آیت فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ کی تشریح میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلا دے، روٹی گوشت ہو یا روٹی اور روغن زیتون یا روٹی اور گھی یا روٹی اور کھجوریں۔

مسئلہ: کھانے والے مسکینوں میں اس بچہ کی گنتی نہ ہوگی جس کا دودھ حال میں چھڑایا گیا ہو کیونکہ وہ پورے طور پر (کھانا) نہیں کھا سکتا۔

مسئلہ: اگر گیہوں کی روٹی نہ ہو تو سالن ہونا بھی ضروری ہے تا کہ پیٹ بھر کر پورے طور پر کھائی جا سکے گیہوں کی روٹی میں یہ شرط نہیں ہے بشرطیکہ کھانا کھلانے والا بغیر سالن کے گیہوں کی روٹی معمولاً کھاتا ہو۔

مسئلہ: امام صاحب کے نزدیک ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا دینا جائز ہے لیکن ایک دن میں ایک ہی شخص کو دس مرتبہ کھانا دینا جائز نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دن میں دس مرتبہ کھلانا کافی نہیں ہے لیکن ایک دن میں دس مرتبہ کھانا دینا (یعنی دس مرتبہ میں دس آدمیوں کی خوراک کا ایک شخص کو ایک ہی دن میں مالک بنا دینا) جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو طبرانی نے حضرت اوسؓ بن صامت کی روایت سے بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تھا، ساٹھ مسکینوں کو تیس صاع کھانا دیدے اس نے عرض کیا میرے پاس تو یہ نہیں ہاں اگر آپ مدد کردیں تو ایسا ہوسکتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پندرہ صاع کی مدد دی اور باقی دوسروں نے اعانت کر دی کہ تیس صاع ہوگئے (اتنی میں کہتا ہوں غالباً وہ پندرہ صاع) گیہوں ہوں گے۔

ابوداؤد نے سلمہ بن صخر بیاضی کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق چھوارے دیدو اس شخص (یعنی سلمہ بن صخر) نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے ہم دونوں رات کو بھوکے رہے ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بنی زریق کی زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کے پاس چلے جاؤ وہ تجھے دے دیگا اس میں سے ایک وسق چھوارے تو ساٹھ مسکینوں کو دیدینا اور باقی تو اور تیرے بال بچے کھالیں۔ الحدیث اخرجه احمد و ابو داؤد

مسکینوں کو کیسا کھانا کھلائے:

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ درمیانی درجہ کی غذا ہو نہ اعلیٰ نہ ادنیٰ پس جو دولت مند آدمی اپنے گھر والوں کو لذیذ کھانا کھلاتا ہو اس پر لازم ہے کہ مسکینوں کو بھی وہی کھلائے جو عموماً اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہو، آیت مذکورہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید کر رہی ہے کہ فقیر کو کھانے کی اجازت دیدینا (یعنی بغیر مالک بنائے ہوئے صرف کھانے کی اجازت دے دینا) جائز ہے۔

مسئلہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی کسی صفت کے ذکر کے ساتھ بصیغۂ ماضی قسم کھائی مثلاً قَسمتُ بِا للّٰہِ یا حَلفتُ باللّٰہِ یا شَہِدتُ باللّٰہِ یاعَزمتُ باللّٰہِ کہا تو باتفاق علماء یہ قسم ہوگئی اور اگر بصیغۂ مضارع قسم کھائی مثلاً اُقسِمُ باللّٰہِ یا اَحلِفُ باللّٰہ یا اَشہَدُ باللّٰہِ یا اَعزِمُ باللّٰہ کہا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (مضارع کا معنی حال کا لیا جائے گا۔)

مسئلہ: اگر اللہ کا نام اور صفت ذکر نہیں کی بلکہ صرف اَقسَمتُ یا اُقسِمُ یاحَلَفتُ یا اَحلِفُ کہا (یعنی میں نے قسم کھالی ہے یا قسم کھاتا ہوں) تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ قسم ہوگی قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

ہم کہتے ہیں اللہ کی قسم ہی مسلمانوں کا دستور اور مشروع ہے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھانا ممنوع ہے اس لئے نیت غیر مشروع نہ ہونے کی صورت میں مشروع ہی کی طرف کلام کو لوٹایا جائے گا (اسکا ثبوت حدیث میں آیا ہے) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خواب دیکھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے میں اس کی تعبیر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور حضرت ابوبکرؓ نے تعبیر دی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے صحیح تعبیر دی فرمایا (کچھ) صحیح دی اور (کچھ) غلط دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قسم کھاتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (میری غلطی) مجھے بتا دیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح قسم نہ کھاؤ امام احمدؒ کی روایت میں اس حدیث کے الفاظ اسی طرح آئے ہیں لیکن صحیحین میں یہ الفاظ ہیں (حضرت ابوبکرؓ نے کہا) اللہ کی قسم آپ ضرور مجھے بتائیں گے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم نہ کھاؤ۔ واللہ اعلم۔

کھانا کھلانا یا کھانے کا مالک بنا دینا:

اِطعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِینَ ''دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے'' اطعام کھانے پر قادر بنا دینا خواہ اس طرح ہو کہ کسی کو کھانے کا مالک بنا دے یا اس طرح ہو کہ اس کو کھانے کی اجازت دیدے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر صبح شام دو وقت پیٹ بھر کر کھلا دیا اور مالک نہیں بنایا (یعنی کھانا اس طرح نہ دیا کہ چاہے وہ گھر کو لیجائے اور چاہے خود وہیں کھالے) تو جائز ہے خواہ انہوں نے تھوڑا کھایا ہو یا بہت (یعنی مقدار طعام دینا شرط نہیں ہے پیٹ بھر کر کھلا دینا کافی ہے۔

ہم کہتے ہیں زکوٰۃ کیلئے تو لفظ '' اتوا '' آیا ہے اور صدقہ فطر کے لئے بھی لفظ ادا استعمال کیا گیا ہے اور ایتاء ہو یا ادا دونوں کا حقیقی معنی مالک بنا دینا (ہر قسم کے تصرف کا کامل حق دے دینا) ہی ہے مگر اطعام کا حقیقی معنی کھانا دینا نہیں ہے بلکہ کھانے پر قادر بنا دینا ہے (یعنی کھانا کھلانا اطعام کا حقیقی مفہوم ہے) (تفسیر مظہری)

اَوْكِسْوَتُهُمْ
یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو

کپڑے دینا:

اس قدر جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے۔ مثلاً کرتہ اور پاجامہ یا لنگی اور چادر۔

ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْكِسْوَتُهُمْ سے کیا مراد ہے فرمایا عباء (لمبا ڈھیلا کرتہ) طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک عباء (ہونا چاہیے)

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ

یا ایک گردن آزاد کرنی

غلام آزاد کرنا:

یعنی ایک بردہ آزاد کرنا اس میں مومن ہونا شرط نہیں۔

اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ "یا بردہ آزاد کرنا۔ رقبۃ (گردن کو کہتے ہیں مراد ہے) انسان (مرد ہو یا عورت) امام اعظمؒ کے نزدیک قسم اور ظہار کے کفارہ میں کافر غلام یا باندی آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ نص میں رقبۃ کا لفظ مطلق ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کافر کو آزاد کرنا کافی نہیں مؤمن ہونا ضروری ہے۔ کفارہ قتل میں غلام باندی کا مؤمن ہونا ضروری ہے (کیونکہ وہاں مؤمن کی قید آیت میں موجود ہے) اسی پر قیاس کر کے اس جگہ بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں مطلق کو اطلاق پر اور مقید کو تقیید پر رکھا جائے گا کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے۔

مسئلہ: لفظ اَوْ کا تقاضا ہے کہ کفارہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی ایک قسم واجب ہے اور تعیین کا اختیار کفارہ دینے والے کو ہے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت کفارہ نازل ہوئی تو حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا (تعین کا) ہم کو اختیار ہے فرمایا تم با اختیار ہو چاہو کپڑا دو چاہو کھانا دو اور جس کو (اتنا) کچھ نہ ملے تو پیہم تین روزے ہیں۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ

پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے

یعنی متواتر روزے تین دن کے رکھے اور میسر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ صاحب نصاب نہ ہو کذا فی روح المعانی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں چاہو تو غلام آزاد کر دو، یا کسی کو لباس پہنا دو یا کھانا کھلا دو اور کچھ بھی نہیں تین دن کے پے در پے روزے رکھو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ اب اگر کسی کو (تینوں چیزوں میں سے) کچھ میسر نہ آئے یعنی اتنی چیز اس کو نہ ملے کہ قرض ادا کرنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے پینے کے مصارف کے بعد مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دے سکے یا بردہ آزاد کر سکے بعض علماء کا قول ہے کہ اہل وعیال کی ضروری حاجات پوری کرنے کے بعد اگر صرف اتنا مال باقی ہو کہ کفارہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی قسم ادا کر سکے اور ادائے کفارہ کے بعد مزید کچھ باقی نہ رہے تو ایسے شخص کو عاجز نہیں قرار دیا جائے گا حسن اور سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔ ابو الشیخ نے قتادہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں وہ صاحب توفیق ہے اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے پچاس درہم سے کم رکھنے والا صاحب توفیق نہیں اس کو (قسم کے کفارہ کے لئے) روزے رکھنے چاہئیں۔ ابو الشیخ نے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ بیس درہم رکھنے والا صاحب توفیق ہے۔ مساکین کو (بطور کفارہ) کھانا دینا اس پر واجب ہے۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ

اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی

قسموں کی حفاظت:

قسموں کی حفاظت یہ ہے کہ بے ضرورت بات پر قسمیں نہ کھائے یہ عادت بھلی نہیں۔ اور اگر قسم کھائی تو تا مقدور پوری کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے توڑے تو کفارہ ادا کرے یہ سب چیزیں حفاظت یمین میں داخل ہیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے حکم تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

احسان مانو

کتنا بڑا احسان ہے کہ ہم نے طیبات سے گریز کیا تو اس گریز سے منع فرمایا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے طیبات کو اپنے اوپر حرام ہی کر لیا تو اسکو حفاظت یمین کے ساتھ اس سے حلال ہونے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: غلام کے لئے سوائے روزے رکھنے کے قسم کا کوئی کفارہ نہیں۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک ادائے کفارہ کا ارادہ کرنے کے وقت صاحب مال ہونا شرط ہے (قسم توڑنے کے وقت مالدار ہو یا نہ ہو) کیونکہ روزہ بجائے مال کے مشروع کیا گیا ہے۔

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک کافر کی قسم کا انعقاد ہی نہیں ہوتا اسی لئے کفارہ بھی لازم نہیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک قسم شکنی سے پہلے کسی قسم کے کفارہ کی ادائیگی جائز نہیں۔

حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ دریافت کیا جب کہ اداء کا وقت نہ آیا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی) قسم شکنی سے پہلے کفارہ دینے کے جواز میں مندرجہ ذیل روایت بھی پیش کی گئی ہے عوفؓ بن مالک کے والد کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک چچا کا بیٹا ہے میں اس کے پاس کچھ مانگنے جاتا ہوں تو وہ کچھ نہیں دیتا اور مجھ سے سلوک قرابت نہیں کرتا، پھر جب وہ حاجتمند ہوتا ہے تو میرے پاس مانگنے آتا ہے۔ میں نے قسم کھالی کہ اس کو کچھ نہیں دونگا اور نہ سلوک قرابت کرونگا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جو میرے لئے بہتر ہو میں اپنی قسم کا کفارہ دیدونگا۔ رواہ النسائی وابن ماجہ دوسری روایت اس طرح ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا چچا کا بیٹا میرے پاس آتا ہے اور میں قسم کھا چکا ہوں کہ اسکو کچھ نہیں دوں گا اور سلوکِ قرابت نہیں کرونگا فرمایا اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں کسی بات کی قسم کھالوں اور پھر اس سے بہتر کام مجھے دکھائی دے جائے تو اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ضرور قسم کا کفارہ دیدونگا اور اس بہتر کام کو کر لوں گا۔ (متفق علیہ) حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو قسم کھالے اور پھر اس سے بہتر کام تجھے نظر آجائے تو اپنی قسم کا کفارہ دیدے اور اس بہتر کام کو کرلے دوسری روایت اس طرح ہے، اس بہتر کام کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی کسی بات کی قسم کھالے اور پھر اس سے بہتر بات اس کو نظر آجائے تو قسم کا کفارہ دیدے اور وہ کام کرلے۔ رواہ مسلم۔

اگر کوئی گناہ کرنے پر قسم کھائے تو قسم توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے کیونکہ قسم توڑنے کا گناہ تو کفارہ دیکر دور ہوسکتا ہے اور اگر گناہ کرلیا تو اس کے اتار کی کوئی شکل نہیں۔

اگر امر مستحب کو ترک کرنے کی قسم کھالی تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا اولیٰ ہے اللہ نے فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ یعنی اپنی قسموں کو نیکیوں سے مانع اور رکاوٹ نہ بناؤ۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا تھا میں قسم کھالیتا ہوں کہ بعض لوگوں کو کچھ نہیں دونگا۔ پھر میری رائے دینے کی ہو جاتی ہے تو (دے دیتا ہوں اور کفارہ میں) دس مسکینوں کو (ایک) ایک صاع جو یا چھوارے یا (آدھا) آدھا صاع گیہوں دے دیتا ہوں۔

منت کا کفارہ:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قسم کھا کر کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے آخر جب آیتِ کفارہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اللہ کی عطا کی ہوئی اجازت قبول کرتا ہوں۔ اب اگر کبھی قسم کھاؤں گا اور کوئی بات قسم کے خلاف مجھے بہتر نظر آئی تو وہ کرونگا جو بہتر ہوگا۔ رواہ ابن ابی شیبہ وعبدالرزاق والبخاری وابن مردویہ۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ گناہ کی نذر (نذر) نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی۔ نسائی نے عمران بن حصین کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث لکھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر غیر معین مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے قابل برداشت نذر مانی۔ تو اس کو ضرور پورا کرے۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔ بعض علماء نے اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مالکؓ کی روایت ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے برہنہ پا برہنہ سر ہونے کی حالت میں پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ عقبہؓ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسکو حکم دیدو کہ سر ڈھانک لے اور سوار ہو جائے اور تین روزے رکھ لے۔ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔

مسئلہ: جس نے قسم کے ساتھ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہہ دیا تو قسم منعقد نہیں ہوگی اگر قسم کے خلاف کرے گا تو قسم شکنی نہ ہوگی۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی اور اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بھی کہہ دیا تو اس پر قسم شکنی عائد نہیں ہوتی۔ رواہ اصحاب السنن الاربعۃ والدارمی۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ ایک جماعت نے اس کو حضرت ابن عمرؓ کا قول قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا
وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
اور بت اور پانسے

''انصاب'' و ''ازلام'' کی تفسیر اسی سورت کی ابتداء میں وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ کے تحت میں گذر چکی۔

حضرت عمرؓ کی دُعاء:

ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے دعا کی اے اللہ شراب کے متعلق ہمارے لئے کوئی تسکین بخش بیان نازل فرما اس پر سورۂ بقرہ والی آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ الخ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی اے اللہ شراب کے متعلق ہمارے لئے کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما دے اس پر سورۃ النساء والی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى، نازل ہوئی حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ آیت سنائی گئی۔ آپؓ نے پھر دعا کی الٰہی شراب کے متعلق کھول کر ہمارے لئے کوئی بیان شافی نازل فرما دے تو سورۃ المائدہ والی آیت!

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

تک شراب اور قمار کے متعلق نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی حضرت عمرؓ نے کہا ہم باز آئے ہم باز آئے (یعنی شراب اور قمار سے باز آئے)۔

شراب بُرائیوں کی جڑ ہے:

عبدالرحمٰنؒ بن حارث کا بیان ہے میں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو فرماتے سنا شراب سے بچو، یہ تمام بری باتوں کی جڑ ہے پچھلے زمانہ میں ایک عابد تھا ایک بدچلن عورت اس پر شیفتہ ہوگئی جس نے عابد کو بلانے کے لئے اپنی باندی کو بھیجا باندی نے آ کر عابد سے کہا ہم گواہی کے لئے آپ کو بلانے آئے ہیں۔ عابد باندی کے ساتھ چل دیا (باندی ایک محل سرائے کے دروازے میں داخل ہوئی اور ایک دروازہ کے بعد دوسرے دروازے میں اور دوسرے کے بعد تیسرے میں داخل ہوتی چلی گئی جس دروازہ سے آگے بڑھتی اس کو بند کرتی چلی جاتی تھی آخر ایک گورے رنگ کی عورت کے سامنے پہنچ گئی عورت کے پاس ایک بچہ تھا، اور شراب رکھی ہوئی تھی عابد سے کہنے لگی میں نے تم کو گواہی کے لئے نہیں بلوایا بلکہ تم کو تین کاموں میں سے ایک کام کرنا ہوگا یا تو مجھ سے قربت کرو یا شراب پیو یا اس بچہ کو قتل کرو عابد نے کہا (جب کوئی صورت نجات کی نہیں) تو مجھے شراب پلا دے عورت نے ایک جام پلا دیا عابد نے جام پی کر کہا اب ذرا توقف کرو جب کچھ دیر میں نشہ چڑھا تو اس نے عورت سے قربت بھی کی اور بچہ کو بھی قتل کر دیا۔ لہٰذا تم لوگ شراب سے پرہیز رکھو بخدا ایمان اور شراب خواری کی عادت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ایک کے آنے سے دوسرے کا نکل جانا ضروری ہے۔ رواہ النسائی

شرابیوں کو سزا:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرابیوں کو ہاتھوں، جوتوں اور لاٹھیوں سے پیٹا جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرابیوں کی سزا مقرر کرنی چاہی اور عہد رسالت کی سزا کو دیکھ کر چالیس کوڑوں کی سزا مقرر کی اور چالیس کوڑے مارنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے۔

نکتہ: دوبارہ شراب وقمار اور ان کی خرابیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ ہو رہی ہے کہ آیت میں الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ کا ذکر تو ذیلی طور پر کر دیا گیا ہے اصل مقصد شراب اور جوئے کا بیان ہے الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ کا ذیلی ذکر کر کے یہ بتانا غرض ہے کہ ان کی حرمت بھی شراب وقمار کی طرح ہے۔ (تفسیر مظہری)

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰
بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ

شراب وغیرہ کے حرام ہونے کی تاکید:

اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اول یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(بقرہ، رکوع ۲۷) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا اللھم بین لنا بیاناً شافیاً اس کے بعد دوسری آیت آئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى الی آخر الآیۃ (نساء رکوع ۶) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی۔ گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیۃً حرام ہونے

والی ہے۔ مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہاء کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے "اللھم بین لنا بیاناً شافیاً" آخرکار "مائدہ" کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" تک نازل کی گئیں جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" سنتے ہی چلا اٹھے "انتھینا انتھینا" لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے خم خانے برباد کر دیئے۔ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت واطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے اتنی شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خوار ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ فللّٰه الحمد۔ (تفسیر عثمانی)

شراب پینے کی آخرت میں سزا:

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے جو بندہ دنیا میں اس کو پیئے گا اللہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ (قیامت کے دن) اس کو طینۃ الخبال پلائے گا۔ تم جانتے بھی ہو طینۃ الخبال کیا چیز ہوگی، دوزخیوں کا پسینہ۔ رواہ البغوی۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں شراب پی پھر توبہ نہیں کی (یونہی مر گیا) اللہ اس کو آخرت کی شراب سے محروم کر دے گا۔ (رواہ البغوی)

شراب کی وجہ سے لعنت:

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ کی لعنت شراب پر، شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، بنوانے والے پر، اٹھانے والے پر، اور اس پر جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جاتی ہو اور شراب کی قیمت کھانے والے پر، رواہ ابن ماجہ۔ ابوداؤد کی روایت میں شراب کی قیمت کھانے والے کا ذکر نہیں ہے اس مبحث کی روایت حضرت انسؓ بن مالک سے بھی آئی ہے۔

توبہ توڑ کر بار بار شراب پینا:

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اس مبحث کی احادیث بیان کی ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ اس کی چالیس صبح تک نماز قبول نہیں فرماتا اس کے بعد اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر دوبارہ اگر وہ شراب خوری کرتا ہے تو چالیس صبح (چالیس دن) تک نماز قبول نہیں فرماتا ہے اس کے بعد اگر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ توبہ قبول فرمالیتا ہے پھر (تیسری بار) اگر لوٹ کر پہلی حرکت کرتا ہے تو چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا، لیکن اگر پھر توبہ قبول کر لیتا ہے تو توبہ قبول فرمالیتا ہے چوتھی مرتبہ میں چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ بھی قبول نہیں کرتا اور نہر خبال (کا پانی) اس کو پلائے گا۔ رواہ الترمذی نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نہیں جائے گا ماں باپ کا نافرمان، نہ جواری، نہ دائمی شراب خوار، رواہ الدارمی۔

ایک گھونٹ شراب پینا:

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے جہان کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے میرے رب نے مجھے ساز باجے، بت، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹانے کا حکم دیا ہے اور میرے رب نے قسم کھا کر فرمایا ہے قسم ہے اپنی عزت کی کہ جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پیئے گا۔ میں اتنا ہی اس کو کچ لہو پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑ دے گا۔ میں اس کو قدس کے حوضوں سے (شربت) پلاؤں گا۔ رواہ احمد۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں جن پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔ دائمی شراب خوار، ماں باپ کا نافرمان اور بھاڑو۔ (رواہ احمد والنسائی)

جو لوگ شراب کے حرام ہونے سے پہلے فوت ہوئے:

حضرت ابوؓ موسیٰ اشعری کی روایت میں آیا ہے دائمی شراب خوار اور رشتہ داری کاٹنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ رواہ احمد۔ سورۂ بقرہ میں امام احمد کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہم نے نقل کر دی

ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیا کرتے تھے۔ الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں ہے پھر اس سے بھی زیادہ سخت آیت نازل ہوئی فرمایا ! یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ تک یہ حکم سن کر صحابہؓ نے کہا: اے ہمارے رب ہم باز آئے۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ کچھ لوگ شراب پیتے اور جوئے کی کمائی کھایا کرتے تھے، پھر وہ اللہ کی راہ میں مارے گئے یا اپنے بستر پر مر گئے (ان کا کیا ہوگا؟) اللہ نے تو شراب اور جوئے کو گندگی اور عمل شیطان قرار دیا ہے۔ اس پر آیت لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی۔

شانِ نزول:

نسائی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انصار کے دو قبیلوں کے معاملہ میں شراب کی حرمت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے شراب پی تھی اور نشہ میں مست ہو کر آپس میں گتھم گتھا کی تھی جب نشہ اترا تو چہروں، سروں اور داڑھیوں کی حالت غیر دیکھ کر کہنے لگے یہ حرکت فلاں بھائی کی ہے اگر اس کو میرا پاس (لحاظ) ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا یہ انصاری سب بھائی بھائی تھے کسی کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ تھا، لیکن اس شراب خواری سے ان کے دلوں میں کینے پڑ گئے اس پر آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

شراب کے جسمانی نقصانات:

شرابی کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے اور صحت بدنی میں فرق آ جاتا ہے اور اس کی تمام جسمانی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اس لئے کہ شراب میں غذائیت نہیں ہے کہ وہ ہضم ہو سکے شراب چونکہ معدہ میں جا کر تحلیل نہیں ہوتی اس لئے دن بدن معدہ کو کمزور کرتی جاتی ہے اور قے کا مرض لگ جاتا ہے اور قلت غذا کی وجہ سے بدن میں اتنا خون پیدا نہیں ہو سکتا کہ جو تقویت بدن کا باعث بن سکے اور جس قدر خون پیدا ہوتا ہے اس میں شراب کی سمیت موجود ہوتی ہے جو بدن کو روز بروز گھلاتی رہتی ہے اور دن بدن نظام عصبی میں فرق آتا جاتا ہے عضلات اور عروق بھی بگڑتے جاتے ہیں، پھیپھڑا گلنے لگتا ہے اور کھانسی اور سل شروع ہو جاتی ہے اکثر اطباء کا بیان ہے کہ اگرچہ سل کی بیماری بغیر شراب پینے کے بھی ہو جاتی ہے لیکن ۹۵ فیصدی مریض سل کے شرابی ہی ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی بچتے ہیں۔

یہ کہ شرابی قوی کے ضعیف ہو جانے کی وجہ سے اکثر کام کاج سے جی چرانے لگتا ہے اور بغیر نشہ کے کام نہیں کر سکتا۔ کام کرنے کے لئے بھی اسے شراب پینی پڑتی ہے یہاں تک کہ اس کے قوی بالکل جواب دے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ
شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ
دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے
وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾
تم باز آؤ گے

شراب اور جوا وغیرہ کے معاشرتی نقصانات:

شراب پی کر جب عقل جاتی رہتی ہے تو بعض اوقات شرابی پاگل ہو کر آپس میں لڑتے ہیں۔ حتی کہ نشہ اترنے کے بعد بھی بعض دفعہ لڑائی کا اثر باقی رہتا ہے اور باہمی عداوتیں قائم ہو جاتی ہیں، یہی حال بلکہ کچھ بڑھ کر جوئے کا ہے۔ اس میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں جس سے شیطان کو اودھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے۔ یہ تو ظاہری خرابی ہوئی اور باطنی نقصان یہ ہے کہ ان چیزوں میں مشغول ہو کر انسان خدا کی یاد اور عبادات الٰہی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے شطرنج کھیلنے والوں ہی کو دیکھ لو۔ نماز تو کیا، کھانے پینے اور گھر بار کی بھی خبر نہیں رہتی۔ جب یہ چیز اس قدر ظاہری و باطنی نقصانات پر مشتمل ہے تو کیا ایک مسلمان اتنا سن کر بھی باز نہ آئے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

چوسر کھیلنا: عبد الرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چوسر کھیل کر نماز پڑھنے کو کھڑا ہوا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

انصاب: ابن عباسؓ اور دوسرے بہت سے صحابہؓ کہتے ہیں کہ ''انصاب'' اُن پتھروں کو کہتے ہیں کہ جن پر مشرکین قربانیاں کر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ اور ''ازلام'' بھی اُن پانسوں کو کہتے تھے جنھیں تقسیم کر کے فال لی جاتی تھی۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے۔

شراب کی حرمت تین دفعہ آئی ہے:

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت تین دفعہ آئی۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اُس وقت لوگ شراب پیتے تھے، جوئے کا مال کھاتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا گیا، تو یہ وحی نازل ہوئی کہ "تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اس میں فائدہ تو ہے لیکن بہت کم، اور اس کے مقابلے میں نقصان بہت زیادہ ہے۔" تو لوگوں نے کہا کہ فائدہ کم اور زیادہ نقصان بتایا گیا ہے، حرام نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ شراب پیتے رہے۔ لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مہاجر صحابی نماز مغرب میں قرآن پڑھتے وقت نشے کے عالم میں قرآن کو غلط سلط اور خلط ملط کر دیا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ "اے مومنو! نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔

ہر قسم کی شراب اور نشہ آور چیز حرام ہے:

صحیحین سے ثابت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! شراب حرام ہوگئی ہے اور ان پانچ چیزوں میں سے جس سے بھی بنائی جائے وہ شراب ہے، انگور، کھجور، شہد، گیہوں، جو۔ اور خمر کا لفظ عام ہے ہر ایسی نشے کی چیز پر جو عقل کو ڈھانک دے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ تحریم خمر کے وقت انگور کی شراب چالو نہیں تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مشکیزے چیرے:

ثابتؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے شراب کی قیمت کے بارے میں پوچھا، تو کہا سنو، میں مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوٹ لگائے بیٹھے تھے، فرمانے لگے جس کے پاس شراب ہے لے آئے۔ لوگ لانے لگے۔ کوئی مٹکہ لایا کسی نے مشکیزہ کسی نے کچھ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری شراب میدان بقیع میں جمع کر کے مجھے اطلاع دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی طرف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سہارا لیے ہوئے تھے، اتنے میں ابوبکرؓ مل گئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو میری جگہ لے لیا اور مجھے بائیں طرف کر دیا۔ پھر چلتے میں عمرؓ ملے۔ عمرؓ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں طرف کر دیا اور مجھے پیچھے کر دیا۔ اب آپ شراب کے ذخیرے پر پہنچے اور لوگوں سے کہا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ یہ شراب ہے۔ فرمایا کہ سچ کہتے ہو۔ پھر شراب کے دس متعلقات پر لعنت بھیجی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھری منگوائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری تیز کروائی پھر سارے مشکیزے چیر دیے۔ لوگوں نے کہا کہ اس میں منفعت بھی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، میں خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں، شراب میں خدا کی ناراضگی ہے۔ عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! لایئے میں سب مشکیزے چیر دوں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خود اس کو ضائع کروں گا۔

شراب کی ممانعت کے حکم پر صحابہ کا عمل:

انسؓ کہتے ہیں کہ میں شراب پلا رہا تھا۔ لوگوں کے سر نشے سے ڈھلک رہے تھے کہ منادی نے شراب کی حرمت سنا دی تو ہر آنے جانے والے نے اپنی شراب بہا دی اور مٹکے توڑ دیئے۔ بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کیا بعض نے ام سلیم کے پاس سے لے کر خوشبو لگائی پھر مسجد آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت شراب کی آیت سنائی۔

حضرت ابن کیسان کا شراب تجارت کو ضائع کر دینا:

ابن کیسان کا باپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب کی تجارت کرتا تھا۔ چنانچہ وہ تجارت کے لئے شام سے شراب کے مٹکے لے آیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایک مٹکا لا کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے بڑی نفیس شراب لے آیا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے کیسان! یہ تو تیرے پیچھے حرام ہوگئی ہے۔ تو اس نے پوچھا کہ حضرت! کیا میں اسے فروخت کر دوں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قیمت بھی حرام ہے، تو کیسانؓ نے مٹکوں کو لے جا کر پاؤں سے ٹھوکر مار کر تمام تجارت کی شراب بہا دی۔

ورثہ کی شراب بہا دی:

ابوطلحہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے زیر پرورش یتیم ہیں کہ ورثہ میں جن کو شراب ملی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہا دو! سب بہا دو! ابوطلحہؓ نے کہا ہم اس کا سرکہ بنالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی سب نے اس کی تائید کی ہے۔

شراب کے دس متعلقات پر لعنت:

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ شراب کے دس متعلقات پر لعنت، خود شراب پر لعنت، پینے والے اور پلانے والے پر لعنت، بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت، شراب کشید کرنے والے، شراب بنانے

والے، شراب اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف لے جا رہا ہو اس پر اور شراب کی قیمت کھانے والے، ان سب پر لعنت۔

بازار جا کر شراب کو ضائع کرنا:

ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو لے کر مدینہ کے بازاروں میں گئے۔ وہاں شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے جو شام سے لائے گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں چھرا تھا۔ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھرا لیا۔ پھر جتنے مشکیزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے، سب کو چیر دیا۔ پھر چھرا مجھے دیا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ اس کی مدد کرو اور مجھے حکم دیا کہ بازار میں کوئی ایسا مشکیزہ نہ چھوڑنا جس کو چیر کر شراب بہانہ دی گئی ہو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

نشہ کی وجہ سے نماز چھوڑنا:

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نشے کی وجہ سے ایک وقت کی نماز کھو دی تو گویا کہ ساری دنیا کی دولت اس کو حاصل تھی اور چھن گئی اور جس نے نشے کی وجہ سے چار وقت کی نماز کھو دی، تو اب خدا کو حق ہے کہ اس کو طینۃ الخبال پلائے۔ لوگوں نے کہا۔ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنمیوں کے جسم سے نچوڑی ہوئی گندگی۔

سبب نزول:

صحیح بخاری میں جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ اُحد کی صبح میں لوگوں نے شراب پی تھی اور لڑائی میں اُس روز اکثر شہید ہو گئے، یہ تحریم خمر سے پہلے کی بات ہے تو اکثر یہودی کہنے لگے کہ جو لوگ قتل ہو گئے اور ان کے پیٹوں میں شراب تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نیک عمل کرنے والے مومنین پر آنچ نہیں جب کہ تحریم خمر سے پہلے شراب پی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیطان کا مقصد:

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ : اور (شراب و قمار میں مبتلا کر کے) شیطان تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکتا ہے۔ جب آدمی شراب پینے اور جوا کھیلنے میں منہمک ہوتا ہے تو شیطان اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے اور نماز کو ابتر بنا دیتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے مہمانوں کا ایسا ہی واقعہ ہوا تھا، سب نے شراب پی اور شراب پی کر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور ایک شخص کو امام بنایا امام نے قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا۔ یہ قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

نکتہ: خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر نماز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کیا کیونکہ نماز ہی اہل ایمان کا شعار اور دین کا ستون ہے نماز سے روکنے والا ایمان سے روکنے والے کی طرح ہے مومن و کافر میں ظاہری امتیاز پیدا کرنیوالی نماز ہی ہے اللہ نے نماز کی تعبیر لفظ ایمان سے کی ہے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یعنی (حرمت شراب سے پہلے کی) نماز کو اکارت کر دے۔

حضرت جابرؓ کی روایت سے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ (مومن) بندے اور کافر کے درمیان ترک صلوٰۃ کا فرق ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا
الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾
دینا ہے کھول کر

نفع نقصان کا احاطہ نہ کر سکو تو بھی اطاعت کرو:

اگر کسی چیز کے منافع و مضار کا احاطہ نہ کر سکو تب بھی خدا اور رسول کے احکام کا امتثال کرو اور قانون کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ اگر نہ بچو گے تو ہمارے پیغمبر تم کو قانون و احکام الٰہی کھول کر پہنچا چکے۔ نتیجہ خلاف ورزی کا خود سوچ لو کیا ہوگا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جو لوگ ایمان لائے اور کام نیک کئے ان پر گناہ نہیں
جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا
اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا
اور عمل نیک کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے
وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾
اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

سببِ نزول:

نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یارسول اللہ اُن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

خلاصۂ مطلب:

عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کیلئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ و ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لئے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہوسکتا ہے۔ جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے (وفی حدیث جبریل الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ) پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گذار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے خلجان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔ محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں۔ اور ایمان و یقین کے مراتب بھی بلحاظ قوت وضعف متفاوت ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر وفکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان ویقین مضبوط و مستحکم ہوتا رہتا ہے۔ مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی وعروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام ''احسان'' اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرما دی۔ اور جن حضرات صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس کا جواب ایک عام و تام ضابطہ بیان فرما کر ایسے عنوان سے دیدیا گیا جس میں ان مرحومین کی فضیلت و منقبت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہو گیا۔ ذخیرۂ احادیث صحیحہ میں دو موقع ایسے ہیں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ ایک موقع تو یہی ''تحریم خمر'' کے متعلق ہے اور دوسرا تحویل قبلہ کے وقت سوال کیا گیا تھا کہ یارسول اللہ جو لوگ حکم تحویل سے پہلے وفات پا گئے اور ایک نماز بھی کعبہ کی طرف نہیں پڑھی ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی دو مسئلے ایسے تھے جن میں صاف صاف دوٹوک حکم نازل ہونے سے پہلے نہایت ہی واضح آثار وقرائن ایسے موجود تھے جن کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم ہر آن نزول حکم صریح کا انتظار کر رہے تھے۔ خمر کے متعلق تو ابھی چند فوائد پہلے ہم ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جن سے ہمارے اس دعوے کا کافی زائد ثبوت ملتا ہے اور ''تحویل قبلہ'' کے باب میں قرآن کریم کی آیات قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا جو سیقول کے شروع میں گذریں خبر دے رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت منتظر تھے کب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے واضح حالات صحابہؓ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے تحویل قبلہ کا حکم جب ایک آدمی نے کسی محلہ کی مسجد میں جا کر سنایا تو سارے نمازی محض خبر واحد کوسن کر بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے۔ حالانکہ بیت المقدس کا استقبال قطعی طور پر انہیں معلوم تھا اور خبر واحد ظنی قطعی کے لئے ناسخ نہ ہوسکتی تھی اس لئے علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ یہ خبر واحد محفوف بالقرائن ہونے کی وجہ سے قطعی سمجھی گئی پس جو قرآن وآثار حتمی طور پر خبر دے رہے تھے کہ ''تحریم خمر'' یا ''تحویل قبلہ'' کا حکم اور امروز وفردا میں پہنچنے والا ہے۔ گویا وہ ایک طرح سے صحابہ کو نزول حکم سے پہلے مرضی الٰہی پر فی الجملہ مطلع کر رہے تھے اسی لئے ان دو مسئلوں میں نزول حکم سے قبل کی حالت کے متعلق سوال کرنا محل استبعاد نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً خمر کی نسبت جس کی ممانعت کے نہایت واضح اشارات وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وغیرہ میں موجود تھے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ
اے ایمان والو البتہ تم کو آزماوے گا اللہ ایک بات سے اس شکار
مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ
میں کہ جس پر پہنچتے ہیں ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے

ربطِ آیات:

پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے منع فرما کر بعض چیزوں

سے اجتناب کا حکم دیا تھا جو دائمی طور پر حرام ہیں، اس رکوع میں بعض ایسی اشیاء کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے جن کی حرمت دائمی نہیں۔

امتحان:

بلکہ بعض احوال و وضاع سے مخصوص یعنی بحالت احرام شکار کرنا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مطیع وفرمانبردار بندوں کا یہ امتحان ہے کہ وہ حالت احرام میں جب کہ شکار ان کے سامنے ہو اور بسہولت اس کے مارنے یا پکڑنے پر بھی قادر ہوں، کون ہے جو بن دیکھے خدا سے ڈر کر اس کے حکم کا امتثال کرتا اور اعتداء (احکام خداوندی سے تجاوز کرنے) کی خدائی سزا سے خوف کھاتا ہے۔ ''اصحاب سبت'' کا قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا کہ ان کو حق تعالیٰ نے خاص شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے مکاری اور حیلہ بازی سے اس حکم کی مخالفت کی اور حد سے تجاوز کر گئے۔ خدا نے ان پر نہایت رسوا کن عذاب نازل فرمایا۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کا تھوڑا سا امتحان اس مسئلہ میں لیا کہ حالت احرام میں شکار نہ کریں۔ حدیبیہ کے موقع پر جب یہ حکم بھیجا گیا تو شکار اس قدر کثیر اور قریب تھا کہ ہاتھوں اور نیزوں سے مار سکتے تھے، مگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دکھایا کہ خدا کے امتحان میں ان کے برابر دنیا کی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جن چیزوں کا قتل احرام میں جائز ہے:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں احرام میں بھی ان کو قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں، کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنا محرم کے لئے گناہ نہیں۔

حالتِ احرام میں شکار کا کفارہ:

ابن ابی حاتم کی حدیث ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بحالت احرام ایک شکار کر لیا ہے، اب مجھ پر کیا جزا ہے، آپ نے ابی بن کعبؓ سے جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہو تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟ تو اعرابی نے کہا میں تو تمہارے پاس آیا کہ تم خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو لیکن تم خود دوسرے سے پوچھتے ہو۔ تو ابوبکرؓ نے کہا تم کیوں اعتراض کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ دو عادل مسلمان مل کر کوئی حکم لگائیں چنانچہ میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا۔ ہم دونوں جس بات پر متفق ہو جائیں گے تجھ کو اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔ یہاں اسی بات کا احتمال تھا چنانچہ صدیقؓ نے جب دیکھا کہ اعرابی جاہل ہے اور عادلین کے مسئلہ سے واقف نہیں تو نرمی اور ملائمت سے اسے سمجھا دیا کیونکہ جہل کی دوا تعلیم ہے۔

ابن جریر البجلیؒ کہتے ہیں کہ بحالتِ احرام ایک ہرن کا میں نے شکار کر لیا۔ حضرت عمرؓ سے میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے دو ساتھیوں کو لاؤ تا کہ وہ دونوں تم پر اپنا فیصلہ صادر کریں۔ میں عبدالرحمٰن اور سعد کو لے آیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ میں ایک موٹا تازہ بکرا فدیہ دوں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اربد نے ایک ہرن کو بحالتِ احرام روند کر قتل کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس فیصلہ لینے کے لئے آیا۔ تو عمرؓ نے کہا کہ میرے ساتھ فیصلے کے لئے ایک اور حکم تو خود بن جا۔ چنانچہ دونوں نے ایک پالتو بکری کفارے میں قرار دی جو گھر کا پانی اور چارہ کھا کر خوب تازہ ہو گئی تھی۔ پھر عمرؓ نے عادلین والی آیت پڑھی۔ یہ واقعہ اس بات کے جواز پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل خود حکمین عادلین میں سے ایک ہو سکتا ہے جیسا کہ شافعیؒ اور احمدؒ کا مذہب ہے۔

اور جس میں صحابہ کا کوئی حکم موجود نہ ہو تو پھر اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کریں۔ مالک اور ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حکم اپنے اپنے زمانے کے ہر ہر فرد پر الگ الگ لگے گا اور اپنے زمانے ہی کے عادل قرار پائیں گے خواہ صحابہ کا کوئی حکم اور فتویٰ موجود ہو کہ نہ ہو کیونکہ اللہ پاک نے منکم کا لفظ فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّخَافُهٗ بِالۡغَيۡبِ
تا کہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے

لیعلم اللہ کے لفظ سے جو حدوث علم باری کا وہم گذرتا ہے اس کے ازالہ کے لئے پارہ سیقول کے شروع میں الا لنعلم من یتبع الرسول کا فائدہ ملاحظہ کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۴﴾
پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کیلئے عذاب دردناک
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّيۡدَ وَاَنۡتُمۡ
اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو
حُرُمٌ
احرام میں

اس کے متعلق بعض احکام سورۂ مائدہ کے شروع میں گذر چکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو اس کا امیر بنایا۔ یہ تین سو آدمی تھے میں بھی شامل تھا۔ ہم راستے ہی میں تھے کہ زادِ راہ ختم ہوگیا۔ تو ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ سارے لشکر میں سے سب کا زادِ راہ لا کر جمع کر دیں۔ میرے پاس کھجور زادِ راہ تھی۔ ہم اس میں سے ہر روز تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے۔ آخر کار وہ ذخیرہ ختم ہوا اور رسد کے طور پر ہم کو صرف ایک کھجور ملتی تھی۔ ہم لوگ خود اب مرنے کے قریب ہو گئے لیکن سمندر تک آ پہنچے تھے۔ ساحل پر دیکھا کہ ایک مچھلی ٹیلے کے مانند چوڑی چکلی پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے سارے لشکر نے اس کو تیرہ دن تک کھایا۔ ابوعبیدہؓ نے اس مچھلی کی دو پسلیوں کو بصورتِ کمان قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس کمان کے نیچے سے ایک اونٹنی سوار گذر گیا اور اس کے بالائی حصے کو چھو نہ سکا۔ ابوعبیدہؓ نے اس کی آنکھ کے گڑھے میں تیرہ آدمیوں کو بٹھایا تھا۔ اس کی ایک پسلی لے کر بصورت کمان زمین پر قائم کی گئی تو بڑے سے بڑا اونٹ اس کے نیچے سے نکل گیا۔ غرض یہ کہ وہ مچھلی اس قدر بڑی تھی۔ پھر ہم نے اس کا گوشت سکھا کر زادِ راہ بنالیا۔ جب مدینے پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ تمہارے لئے خدا کا رزق تھا اگر تمہارے ساتھ کچھ ہے تو لاؤ ہمیں بھی کھلاؤ! ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔

مینڈک کو نہ مارو:

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو مارنے کی ممانعت کی ہے اور فرمایا کہ اس کی آواز خدا کی تسبیح ہے۔

دوبارہ جرم کرنے کی سزا:

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب احرام نے شکار کیا اس پر فدیہ کی سزا عائد کی گئی۔ اس نے دوبارہ یہ جرم کیا تو آسمان سے آگ اتری بجلی گری اور اسے جلا دیا۔ یہی معنی فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ کے ہیں۔ اللہ اپنی سلطنت میں غالب ہے کوئی اس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اللہ نے آئندہ امتحان کی پہلے سے اطلاع مؤمنوں کی اعانت کے طور پر دیدی تاکہ نافرمانی سے کامل طور پر بچتے رہیں۔

فمن اعتدیٰ بعد ذلک: اس (امتحان یا اطلاع) کے بعد جو شخص زیادتی کرے گا یعنی شکار کرے گا۔

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس کو خصوصیت کے ساتھ دردناک عذاب ہوگا کیونکہ حقیر چیز سے جب وہ اپنے نفس کو نہ روک سکا اور اللہ کے حکم کا اس نے پاس لحاظ نہیں کیا تو ایسی چیزوں سے اپنے کو کیسے روک سکے گا جن کی طرف طبعی میلان بہت زیادہ ہوتا ہے، بغوی نے لکھا ہے کہ (آیت مذکورہ کے نزول کے بعد) ایک شخص نے جس کو ابوالیسر کہا جاتا تھا (احرام کی حالت میں) ایک گورخر پر حملہ کر کے قتل کر دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ

''اے مسلمانو! بحالتِ احرام شکار کو نہ مارو۔

شکار کی تعریف:

یعنی اس حیوان کو قتل نہ کرو جو اصل خلقت کے لحاظ سے جنگلی اور محفوظ القتل ہو۔ خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ کذافی القاموس۔ امام ابوحنیفہؒ نے صید کی یہی تعریف کی ہے اور یہی مراد لی ہے۔ لیکن ان جانوروں کو حکم سے الگ قرار دیا ہے جن کے قتل کا جواز احادیث میں آ گیا ہے یعنی سانپ، بچھو، چوہا، چیل، کوا، اور لاگو درندہ، جو لاگو نہ ہو اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسی بناء پر کتے کو خصوصاً کٹ کھنے کتے کو قتل کرنا جائز قرار دیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ہر کتا شکار ہے (یعنی اصل خلقت کے اعتبار سے جنگلی ہے) کتے کا پالتو بن جانا عارضی ہے (سکھانے سے پالتو بن جاتا ہے) کچھ لوگ کہتے ہیں کتا طبعاً جنگلی نہیں ہے اس لئے اس کو شکار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا محرم کن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے فرمایا ان (مندرجہ ذیل) جانوروں کو (بحالتِ احرام) قتل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بچھو، چوہا، کوا، چیل، کٹ کھنا کتا، صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں بھی انہی پانچ کا ذکر ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کلب سے مراد درندہ ہے کلب کا اطلاق عام درندہ پر ہوتا ہے عتبہ بن ابی لہب کے قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی تھی الٰہی اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو (یعنی کسی درندہ کو) اس پر مسلط فرما دے (چنانچہ عتبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا) اللہ نے فرمایا ہے من الجوارح مکلبین۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر لغۃً لفظ کلب کا اطلاق ہر درندہ پر تسلیم کر لیا جائے تب بھی عرفاً اس لفظ کا غالب استعمال صرف کتے ہی کے لئے ہوتا ہے اور حدیث مذکورہ بالا (یعنی جس حدیث میں پانچ جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت ہے) کو عرف عام پر محمول کرنا اولیٰ ہے (لہٰذا کلب سے مراد کتا ہی ہے ہر درندہ مراد نہیں ہے) ابوعوانہ نے حضرت عائشہؓ کی

روایت سے چھ جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ سانپ کا ذکر مزید ہے۔ یہ روایت بطریق بخاری ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم سانپ کو بچھو کو چوہے کو کٹ کھنے کتے کو چیل کو اور عادی درندہ کو قتل کر سکتا ہے کوے کو قتل نہ کرے کوئی اینٹ پتھر اس پر پھینک سکتا ہے۔ ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر اس روایت میں عادی درندہ کا ذکر نہیں ہے۔

سعیدؒ بن مسیب کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، محرم سانپ اور بھیڑیے کو قتل کر دے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف چار کا ذکر کیا ہے مشہور پانچ میں سے بچھو کا ذکر ساقط کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قاضی ثناء اللہ کا فیصلہ:

میرے نزدیک قابل فتویٰ وہ قول ہے جس کو صاحب بدائع نے اختیار کیا ہے کہ صحرائی جانور کچھ ماکول ہوتے ہیں (یہ تو سب صید ہیں ان کو بحالت احرام شکار کرنا حرام ہے) اور کچھ غیر ماکول۔ غیر ماکول کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو ابتدائی طور پر دکھ پہنچانے والے ہیں کچھ ایسے نہیں ہوتے ابتدائی دکھ پہنچانے والے، غیر ماکول جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے جواز صید کی طرف علت مرجحہ ابتدائی اذیت رسانی ہے (یعنی جو جانور عموماً ابتدائی طور پر اذیت رساں ہوتے ہیں ان کو بحالت احرام قتل کرنا درست ہے) ایک روایت میں امام ابو یوسف کا بھی یہی قول آیا ہے کذافی فتاویٰ قاضی خاں۔

ایذاء کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں (۱) بدن میں زہر پہنچانا جیسے بچھو کرتا ہے، اس علت میں عقرب (بچھو) کے تحت تمام زہریلے جانور جو ڈنک مارتے اور ڈستے ہیں آ گئے۔ (۲) کترنا سوراخ کرنا۔ جیسے چوہا کرتا ہے چوہے کے تحت اس علت کی وجہ سے نیولا آ گیا ہے (۳) جھپٹا مارنا جیسے کوا اور چیل جھپٹا مار کر لے جاتے ہیں اس علت کی وجہ سے شکرا، باز، شاہین وغیرہ چیل کوے کے ذیل میں آ گئے۔ (۴) حملہ کر کے کاٹنا اس مناسبت سے کٹ کھنے کتے کے تحت ہر درندہ آ گیا۔ پالتو بلا چونکہ جنگلی جانور نہیں ہے اس لئے امام صاحب کے نزدیک وہ صید میں داخل نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ پالتو بلا بھی اصلاً جنگلی جانور ہی ہے اس کا پالتو ہونا عارضی ہے۔ اس کے برخلاف وہ چوپائے ہیں جو خلقۃً تو پالتو ہیں لیکن کبھی بھاگ کر جنگلی بن جاتے ہیں (جیسے کوئی گائے بھینس گھوڑا بیل جنگلی بن جاتا ہے) اس کا شمار جنگلی جانوروں میں نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: شکاری کو اشارہ سے شکار بتانا یا کسی حرکت کرنا جس سے شکاری شکار کو دیکھ لے باجماع علماء قتل کے حکم میں ہے شکار کا جانور جنگلی ہونے اور آنکھوں سے دور رہنے کی وجہ سے قتل ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے والے کے اشارہ کی وجہ سے اس کا امن بے رہنا ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اشارہ بھی قتل کا حکم رکھتا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ سب صحابہؓ نے احرام باندھا ہوا تھا۔ حضرت ابوقتادہؓ محرم نہ تھے، اثناء سفر میں لوگوں نے ایک گورخر دیکھا اور ابوقتادہ نے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور ذبح کر کے اس کا گوشت لائے اور سب نے وہ گوشت کھایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ صحابہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہؓ کو حملہ کرنے کے لئے کہا تھا یا گورخر کی طرف اشارہ کیا تھا، صحابہؓ نے عرض کیا جی نہیں فرمایا تو جو گوشت باقی رہ گیا ہے اس کو (بھی) کھا سکتے ہو۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے جواز کے لئے اشارہ نہ کرنے کی شرط لگائی (جس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اس طرح اشارہ کرنا کہ غیر محرم کو معلوم ہو جائے اور وہ شکار کر لے جائز نہیں ہے)

مسئلہ: پرندہ کے انڈوں کا حکم بھی شکار کا ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک انڈوں کو توڑنے کا کچھ ضمان نہیں۔ اب آگے حدیث اور اقوال صحابہؓ ذکر کریں گے جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ انڈوں کو توڑنے کا محرم پر ضمان ہے۔

مسئلہ: محرم نے اگر شکار کیا یا ذبح کیا تو جمہور کے نزدیک وہ مردار ہے اس کا کھانا نہ احرام والے کو جائز ہے نہ غیر محرم کو۔

مسئلہ: اگر غیر محرم نے شکار کیا مگر محرم نے اس کو شکار کرنے کو کہا تھا یا اشارہ کیا تھا یا اپنی کسی حرکت سے رہنمائی کی تھی تو محرم کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابوقتادہؓ والی حدیث ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ لیکن غیر محرم کے لئے اس کو کھانا جمہور کے نزدیک حلال ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر

جان بوجھ کر شکار کو قتل کرنا:

جان کر مارنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنا محرم ہونا یاد ہو اور یہ بھی مستحضر ہو کہ حالت احرام میں شکار جائز نہیں۔ یہاں صرف "متعمد" کا حکم بیان فرمایا کہ اس کے فعل کی جزا یہ ہے اور خدا جو انتقام لے گا وہ الگ رہا جیسا

کہ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ سے تنبیہ فرمایا۔ اور اگر بھول کر شکار کیا تو جزاء تو یہی رہے گی یعنی "ہدی" یا "طعام" یا "صیام" البتہ خدا اس سے انتقامی سزا اٹھالے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اگر کوئی شخص شکار کرنا چاہتا ہو اور کوئی محرم اس کو زبان سے یا ہاتھ کے اشارہ سے شکار بتادے اور وہ قتل کردے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بتانے والے محرم پر پاداش عائد ہوگی امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بتانے والا گناہگار ہوگا پاداش اس پر عائد نہ ہوگی جیسے کوئی شخص کسی روزہ دار کو کسی عورت کی طرف زبان یا اشارہ سے رہنمائی کرے اور روزہ دار اس سے جاکر جماع کرلے تو بتانے والے پر کفارہ نہیں پڑے گا نہ روزہ دار کے جماع کرنے سے بتانے والے کا روزہ ٹوٹے گا۔ ہاں بتانے والا گناہ گار ضرور ہوگا رہنمائی قتل نہیں ہے اور کفارہ قاتل پر عائد ہوتا ہے۔

ہم کہتے ہیں بتانا درحقیقت قتل ہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کو قتل کے مساوی قرار دیا ہے جیسا کہ ابوقتادہؓ والی حدیث سے ظاہر ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر بتانے والے پر پاداش عائد نہیں کی جائے گی تو بتانے کا گناہ بتانے والے پر باقی رہے گا۔ کیونکہ بتانا بااجماع امت ممنوع ہے اور قتل کا گناہ کفارہ سے دور ہوجاتا ہے اس صورت میں قتل سے زیادہ بتانے کا گناہ قرار پائے گا (جو بداہت کے خلاف ہے)

ایک شبہ: اگر بتانا قتل کے مساوی ہے تو بتانے کے بعد بتانے والے پر پاداش کا وجوب ہونا چاہئے خواہ بتانے کے بعد شکاری شکار کو قتل کرے یا نہ کرے۔

جواب: بتانا قتل کا سبب ہے لیکن صرف تیر مارنا موجب پاداش نہیں جب تک شکار مارا نہ جائے اسی طرح بتانے کے بعد اگر شکار قتل نہ کیا جائے تو موجب پاداش نہیں کیونکہ جب تک قتل نہ ہوگا نہ بتانے کو سبب قتل کہا جاسکتا ہے نہ تیر یا پتھر مارنے کو۔ (تفسیر مظہری)

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِهٖ

تو اس پر بدلہ ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے جو تجویز

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ هَدْیًا بٰلِغَ الْکَعْبَةِ اَوْ

کریں دو آدمی معتبر تم میں سے اسطرح سے کہ وہ جانور بدلے کا بطور نیاز

کَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا

پہنچایا جاوے کعبہ تک یا اس پر کفارہ ہے چند محتاجوں کو کھلانا یا اس

لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ

کے برابر روزے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی

احرام میں شکار پکڑنے اور مارنے کا کفارہ:

حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر احرام میں شکار پکڑا تو فرض ہے کہ چھوڑ دے۔ اگر ماردیا تو دو صاحب بصیرت اور تجربہ کار معتبر آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگوائے اسی قدر قیمت کا مواشی میں سے ایک جانور لے کر (مثلاً بکری، گائے، اونٹ وغیرہ) کعبہ کے نزدیک یعنی حدود حرم میں پہنچا کر ذبح کرے، اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ یا اسی قیمت کا غلہ لے کر محتاجوں کو فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کردے یا جس قدر محتاجوں کو پہنچتا، اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لے۔ (تفسیر عثمانی)

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ : تو اس پر پاداش واجب ہے برابر اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔

نکتہ: "جزاء" پر فاء اس لئے لایا گیا کہ مبتدا معنی شرط کو مشتمل ہے یعنی اس پر پاداش واجب ہے۔

کس قسم کی مثل واجب ہے:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک قربانی کا جانور قیمت میں شکار کے برابر ہونا چاہئے۔

بعض قسم کے شکار کی تو بالاجماع قیمت ہی کا حساب لگانا ضروری ہے مثلاً اس جانور کا شکار کیا ہو جس کا اونٹ گائے، بھینس بکری، مینڈھے وغیرہ میں سے کوئی مثل نہ ہو یا کبوتر سے چھوٹا ہو مثلاً چڑیا ٹڈی وغیرہ ہو لہٰذا مثل معنوی مراد لینا ہی ضروری ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ شرع میں جہاں لفظ مثل بلاقید آیا ہے اس سے مراد یا نوعی مثل ہوتا ہے یا وہ چیز جو قیمت میں برابر ہو اللہ فرماتا ہے فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ اگر کسی نے تم پر زیادتی کی ہو تو جیسی اور جتنی زیادتی اس نے کی ہو ویسا اور ویسا ہی انتقام تم لے سکتے ہو۔

میرے نزدیک صحیح تفسیر یہی ہے کہ من النعم مثل کی صفت ہے اور مثل سے مراد وہ پالتو چوپایہ ہے جو قیمت میں شکار کی مثل ہو بعض اوصاف میں مماثلت مراد نہیں ہے۔ شکار کرنے والا محرم اگر جرم کے کفارہ میں قربانی دے تو پالتو چوپایوں میں سے جس کی قیمت شکار کے برابر ہو یا شکار سے زائد ہو اس کی قربانی کرے۔

اگر شکار کی قیمت پوری بکری کی قیمت سے کم ہو۔ مثلاً بجو، جنگلی چوہا، ہرن، گرگٹ، گوہ، لومڑی وغیرہ تو بکری کے بچے مختلف عمر کے (جیسے شکار کی قیمت ہو) قربانی میں پیش کرے۔ لیکن بکری کے بچے ایسے ہوں کہ ان کی قیمت شکار کی قیمت سے کم نہ ہو۔

کبوتر اور کبوتر سے کم درجہ کا شکار کے عوض اگر قربانی دینا چاہے تو بکری کی قربانی دے مگر بکری ایسی ہو جس پر لفظ بکری کا اطلاق ہو سکتا ہو (یعنی نہ بے عیب کی شرط ہے نہ کسی عمر کی نہ تندرست کی) ہمارا یہ قول ہمارے نزدیک قابل فتویٰ ہے اور جمہور کے مسلک کے مطابق بھی ہے۔

ہماری (یعنی جمہور کی) دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ نے بکری کا چھوٹا بچہ واجب قرار دیا ہے (اور چھوٹے بچے کی قربانی شرعاً درست نہیں ہے)

ابن ابی شیبہؒ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک کبوتر اور دو کبوتر کے چوزوں کو حجرہ کے اندر بند کر دیا بند کر کے عرفات اور منیٰ چلا گیا واپس آیا تو دیکھا تینوں مر چکے ہیں۔ وہ شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ نے اس پر تین بکریوں کی قربانی لازم قرار دی اور آپ کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی یہی فیصلہ کیا (کیونکہ قرآنی آیت میں مثلیت کی جانچ کے لئے دو صالح مسلمانوں کی رائے کو ضروری قرار دیا ہے)

دو معتبر مسلمانوں کا فیصلہ:

یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ: جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں'' یعنی پاداش کا فیصلہ یا مثل ہونے کا فیصلہ دو معتبر مسلمان کر دیں۔ اکثر حنفیہ قائل ہیں کہ مثل ہونے کی جانچ کے لئے ایک شخص کا فیصلہ بھی کافی ہے۔ بکثرت صحابہؓ نے انفرادی فیصلے کئے ہیں۔ یہ انفرادی فیصلے روایات میں آئے ہیں اگر دو کا اجتماعی فیصلہ ہو تو زیادہ اچھا ہے تا کہ غلطی سے بخوبی احتیاط ہو جائے۔

میمون بن مہران کی روایت ہے کہ ایک بدو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے بحالت احرام ایک شکار مار دیا میں کیا پاداش ادا کروں، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے دریافت کیا آپ کی کیا رائے ہے بدو بولا میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں میں آپ سے پوچھتا ہوں اور آپ دوسروں سے پوچھتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تم کو اللہ کے اس فرمان کا انکار ہے اللہ نے فرمایا یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اس حکم کی تعمیل میں میں اپنے ساتھی سے مشورہ لے رہا ہوں جب دونوں کی رائے متفق ہو جائے گی تو ہم ویسا ہی تجھے حکم دے دیں گے۔

ابوبکر مزنی کی روایت ہے کہ دو آدمی احرام بستہ تھے ایک نے ایک ہرن کو ہنکا دیا اور دوسرے نے قتل کر دیا پھر دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ان کی رائے دریافت کی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا میری رائے میں بکری ہونی چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری بھی یہی رائے ہے۔ پھر فرمایا دونوں بکری کی قربانی دو۔ جب دونوں واپس لوٹے تو ایک نے دوسرے سے کہا امیر المومنین کو جواب معلوم نہ تھا تب ہی تو اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن پائی فوراً واپس بلوایا اور کہنے والے کا استقبال دُرہ کی ضرب سے کرتے ہوئے فرمایا، حالت احرام میں شکار بھی مارتے ہو اور شرعی فیصلہ سے آنکھیں بھی بند رکھتے ہو اللہ نے فرمایا۔ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اللہ نے فیصلہ کے لئے تنہا عمرؓ کو پسند نہیں کیا اس لئے میں نے اپنی ساتھی سے مدد لی۔''

ہر زمانہ میں دو عادل مسلمان مستقل فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

کفارہ کی تین صورتیں:

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ: اس آیت میں لفظ او بتا رہا ہے کہ قصور کرنے والے کو اختیار ہے قربانی کرے یا بطور کفارہ مسکینوں کو کھانا دیدے یا روزے رکھے، شعبی اور نخعی نے کہا کہ شکار کرنے کا عوض اسی ترتیب سے ادا کیا جائے گا جس ترتیب سے آیت میں آیا ہے (اول قربانی قربانی کا جانور نہ ملے تو طعام مساکین اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو روزے۔

شکار کرنے کی سزا کو ہلکا کرنے کے لئے اللہ نے مجرم کو تینوں باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیا جیسے قسم کے کفارہ میں اختیار دیا ہے یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے۔

اور جب وہ قیمت کا اندازہ کر دیں تو اب مجرم کو اختیار ہے کہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو پسند کر لے اس قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر کعبہ کو بھیج دے یا کھانا خرید کر مساکین کو دیدے یا ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے۔

قربانی کیلئے شرط:

بالغ الكعبة کا یہ مطلب ہے کہ قربانی کے لئے حرم شرط ہے، حرم سے باہر قربانی نہ ہونی چاہئے۔ یہ مطلب نہیں کہ باہر سے خرید کر ہی بھیجی جائے۔ اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، حج الوداع کے قصہ میں آیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا جس نے قربانی بھیج دی ہو وہ حج پورا کرنے سے پہلے باندھا ہوا احرام نہ کھولے اور جس نے قربانی نہ بھیجی ہو وہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرے بال کترواکر احرام کھول دے پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی کرے اور جس کو قربانی کا جانور نہ ملے وہ روزے رکھے۔ اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ بعض صحابیوں نے باہر سے قربانی کا جانور نہیں بھیجا تھا بلکہ مکہ میں خریدا تھا اور جن لوگوں کو مکہ میں قربانی کا جانور نہیں ملا تھا انہوں نے روزے رکھے تھے دیکھو مکہ کے اندر خریدے ہوئے قربانی کے جانور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ھدی فرمایا اور صراحت فرمادی ثم لیحل بالحج ولیھد۔ اللہ نے بھی تمتع کے سلسلہ میں فرمایا ہے فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (اس آیت میں ہر قربانی کے جانور کو ھدی فرمایا ہے خواہ اس کو باہر سے نہ بھیجا گیا ہو)

مسئلہ: یہ امر اجماعی ہے کہ کھانا قیمت کے مطابق دیا جائے گا۔ اگر شکار کی مثل کوئی چوپایہ نہ ہوگا تو شکار کی قیمت لگا کر اس قیمت کا کھانا دیا جائے گا اور اگر شکار مثلی ہو تو شکار کی مثل جس چوپایہ کو قرار دیا گیا ہو اس چوپایہ کی قیمت لگا کر اس کا کھانا خرید کر دیا جائے گا اس وقت شکار کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں شکار کی قیمت واجب نہیں ہے بلکہ شکار کی مثل چوپایہ واجب ہے کھانا دینا تو چوپایہ کے قائم مقام ہے یہ قول جمہور کا ہے۔ اس قول پر کبوتر کے شکار کے عوض اگر کھانا دینا ہو تو کبوتر کی قیمت کا نہیں بلکہ ایک بکری کی قیمت لگا کر اس کا کھانا دینا ہوگا۔ کیونکہ اصل میں وجوب نظیر کا ہے۔

امام مالکؒ نے خواہ نخواہ ایک شرط لگائی ہے کہ اگر قربانی کا جانور مکہ میں خریدا ہو تو واجب ہے کہ اس کو بوقت ارادۂ حج عرفہ کو لے جائے (اور وہاں سے بھیجے) امام مالک کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ: کیا قربانی کے جانور کا گوشت صرف مکہ کے فقراء کو تقسیم کر دیا جائے جمہور کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے کیونکہ کعبہ تک پہنچنے کی شرط بتا رہی ہے کہ حرم کے مسکینوں کو ہی تقسیم کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ عموم جواز کے قائل ہیں حرم کے فقراء ہوں یا بیرون حرم کے سب کو تقسیم کرنا جائز ہے۔ آیت میں مساکین حرم کی کوئی تخصیص نہیں صرف حرم کے اندر ذبح کرنے کی شرط ہے اگر بیرون حرم ذبح کرے گا تو کافی نہ ہوگا اور ذبح کے لئے مکان کی خصوصیت خلاف قیاس ہے (لیکن آیت میں آگئی ہے لہٰذا ذبح سے آگے بڑھ کر تقسیم تک یہ حکم متجاوز نہ ہوگا جتنا آیت میں آیا ہے اسی حد پر حکم محدود رکھا جائے گا) اور گوشت کی تقسیم بہرحال ایسی عبادت ہے جو موافق عقل ہے اس سے فقراء کی پرورش ہوتی ہے جو عقلاً مستحسن ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ
اللہ نے معاف کیا جو کچھ ہو چکا

اسلام یا نزولِ حکم سے پہلے کا جرم معاف ہے:

یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس سے اب خدا تعرض نہیں کرتا۔ حالانکہ اسلام سے پہلے بھی عرب حالت احرام میں شکار کو نہایت برا جانتے تھے اس لئے اس پر مواخذہ ہونا بیجا نہ تھا کہ جو چیز تمہارے زعم کے موافق جرائم میں داخل تھی اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بدلہ لے گا اللہ اور اللہ زبردست ہے
ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾
بدلہ لینے والا

یعنی نہ کوئی مجرم اس کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ اور یہ مقتضائے عدل و حکمت جو جرائم سزا دینے کے قابل ہیں نہ خدا ان سے درگذر کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

احرام کے ساتھ دوبارہ غلطی کرنے پر حضرت ابن عباسؓ کا رویہ

حضرت ابن عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی محرم شکار کر لیتا تو آپ اس سے پوچھتے کیا تو نے اس سے پہلے بھی حالت احرام میں شکار کیا ہے (یا یہ پہلا جرم ہے) اگر وہ کہتا یہ پہلا جرم ہے تو آپ اس کو (قربانی کرنے یا کھانا دینے یا روزے رکھنے کا) حکم دیدیتے اور اگر وہ کہتا پہلے بھی مجھ سے ایسا جرم ہوا ہے تو آپ کوئی حکم نہ دیتے اور ظاہر آیت کے مطابق فرماتے اللہ تجھ سے انتقام لے گا، پھر اس کی پشت اور سینہ پر دردرساں ضرب رسید کرتے۔ کذا قال البغوی۔ (تفسیر مظہری)

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
حلال ہوا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا تمہارے فائدہ کے
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا
واسطے اور سب مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر جنگل کا شکار

دُمۡتُمۡ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ
جب تک تم احرام میں رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم
تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾
جمع ہوگے

مچھلی کا شکار:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں احرام میں دریا کا شکار یعنی مچھلی حلال ہے اور دریا کا کھانا یعنی جو مچھلی پانی سے جدا ہو کر مرگئی اس نے نہیں پکڑی وہ بھی حلال ہے۔ فرمایا: یہ تمہارے فائدہ کو رخصت دی۔ پھر کوئی نہ سمجھے کہ حج کے طفیل سے حلال ہے فرمایا کہ اور سب مسافروں کے فائدہ کو مچھلی اگرچہ تالاب میں ہو وہ بھی شکار دریا ہے۔ یہ حکم شکار کا معلوم ہوا احرام کے اندر، اور احرام میں قصد ہے مکہ کا اس شہر مکہ اور گرد و پیش میں ہمیشہ شکار مارنا حرام ہے بلکہ شکار کو ڈرانا اور بھگانا بھی۔　(تفسیر عثمانی)

شکار کے گوشت کا احرام میں کھانا:

حارث بن نوفلؓ راوی ہیں کہ دوران حج میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس شکار کا گوشت پیش کیا گیا جس کو غیر محرم نے شکار کیا تھا۔ آپ نے اس میں سے کھالیا مگر حضرت علیؓ نے نہیں کھایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا بخدا ہم نے یہ نہ خود شکار کیا نہ حکم دیا نہ اشارہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وَحُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ صَيۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا۔

حسنؒ راوی ہیں کہ اگر محرم کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو بلکہ غیر محرم نے کسی دوسرے غیر محرم کے لئے شکار کیا ہو تو ایسے شکار کے گوشت کو حضرت عمر بن خطاب محرم کے لئے بھی حلال جانتے تھے لیکن حضرت علیؓ مکروہ قرار دیتے تھے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

مسلم نے نقل کیا ہے کہ معاذؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن عثمان تیمی کے باپ (عبدالرحمٰن) نے بیان کیا کہ ہم احرام کی حالت میں حضرت طلحہؓ بن عبد اللہؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت طلحہؓ کو ایک پرندہ (یعنی شکار کیا ہوا) ہدیہ میں پیش کیا گیا آپ اس وقت سو رہے تھے۔ ہم میں سے بعض آدمیوں نے تو اس کو کھالیا اور بعض نے کھانے سے پرہیز رکھا، طلحہ بیدار ہوئے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی اور فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں شکار کھایا تھا۔

عمرو بن سلمہ ضمیری نے بہزی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ جانے کے ارادہ سے احرام بند برآمد ہوئے روحا کے مقام میں پہنچے تو ایک زخمی گورخر نظر پڑا (جو ذبح کیا ہوا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رہنے دو ممکن ہے اس کو شکار کرنے والا آجائے پھر کے بعد بہزی آگئے۔ بہزی نے اس کا شکار کیا تھا۔ بہزی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اختیار ہے جیسا چاہیں اس میں تصرف کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا (کہ اس کو تقسیم کر دو) حسب الحکم حضرت ابوبکرؓ نے قافلہ والوں کو اس کا گوشت بانٹ دیا۔ رواہ مالک واصحاب السنن۔ ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تقریر سابق سے ظاہر ہو گیا کہ آیت میں صید سے مراد ہے شکار کرنا۔

امام مالکؒ نے موطا میں حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے فرمایا میں نے مقام العرج میں حضرت عثمانؓ بن عفان کو دیکھا گرمی کا زمانہ تھا آپ احرام بند تھے اور چہرہ کو چادر سے ڈھانکے ہوئے تھے کچھ دیر بعد شکار کا گوشت پیش کیا گیا آپ نے ساتھیوں سے فرمایا تم لوگ کھاؤ، عرض کیا گیا آپ نہیں کھائیں گے۔ فرمایا میری حالت تمہاری طرح نہیں ہے میرے لئے شکار کیا گیا ہے (اس لئے میرے لئے حلال نہیں)

اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو تو اس کا کھانا (محرم اور غیر محرم، سب کے لئے جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ محرم اس کو نہ کھائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھا کر جواز کا اظہار فرما دیا اور نہ کھا کر تنبیہ فرما دی کہ نہ کھانا مستحب ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری وغیرہ میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا احسان (عبادت کی خوبی) کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے رب کی اس طرح عبادت کرنا کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو تو (کم سے کم اتنا یقین رکھنا) کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ حضرت مفسرؒ کی آخری تفسیر کی بناء اسی حدیث پر ہے۔

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صید بر تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ خود تم نے بحالت احرام شکار نہ کیا ہو یا تمہارے ایماء سے یا تمہارے مقصد سے شکار نہ کیا گیا ہو۔

عامر بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفانؓ کو جب وہ عرج میں تھے اور محرم تھے اور سرما کا زمانہ تھا دیکھا کہ آپ نے اپنا چہرہ ارغوانی چادر سے چھپا لیا تھا۔ پھر شکار کا گوشت لایا گیا تو آپ نے اصحاب سے کہا کہ تم لوگ کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا کیونکہ شکار میری خاطر کیا گیا ہے اور تمہاری خاطر نہیں کیا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دریاء کا شکار اور دریاء کا کھانا:

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا صید البحر وہ ہے جس کو (سمندر سے) شکار کیا جائے اور طعام البحر وہ ہے جس کو سمندر خود باہر پھینک دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ طعام البحر وہ ہے جس کو پانی مردہ حالت میں کنارہ پر پھینک دیتا ہے۔ سعید بن جبیر سعید بن مسیبؒ، عکرمہ قتادہ نخعی اور مجاہد نے کہا صید البحر وہ ہے جو تازہ پکڑا گیا ہو اور طعام البحر وہ ہے جس کو نمک لگا دیا گیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اگر جانور کے قتل ہونے کی جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائے گا۔

مسئلہ: اشارہ و دلالت و اعانت شکار میں مثل شکار کرنے کے حرام ہے۔ (معارف القرآن مفتی صاحبؒ)

معارف و مسائل

مسئلہ: صید یعنی شکار، اُن جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، عادۃً انسانوں کے پاس نہ رہتے ہوں، پس جو خلقۃً اہلی ہوں جیسے بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ: البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہو گئے ہیں اور ان کو پکڑنا، قتل کرنا حلال ہے، جیسے دریائی جانور کا شکار، لقولہ تعالیٰ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ، اور بعضے خشکی کے جانور، جیسے کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا، اسی طرح جو درندہ خود حملہ کرے اس کا قتل بھی جائز ہے، حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ الصید میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ: جو حلال شکار غیر احرام اور غیر حرم میں کیا جائے اس کا کھانا محرم کو جائز ہے، جب یہ اس کے قتل وغیرہ میں معین یا مشیر یا بتلانے والا نہ ہو، حدیث میں ایسا ہی ارشاد ہے، اور آیت کے الفاظ لاتقتلوا میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہاں لاتقتلوا فرمایا ہے لاتاکلوا نہیں فرمایا۔

مسئلہ: شکار حرم کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزاء واجب ہے، اسی طرح خطاء و نسیان میں بھی واجب ہے۔ (اخرجہ الروح)

مسئلہ: جیسا پہلی بار میں جزا واجب ہے اسی طرح دوسری تیسری بار قتل کرنے میں بھی واجب ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا

اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو کہ گھر ہے بزرگی والا قیام کا باعث لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ

اور بزرگی والے مہینوں کو اور قربانی کو جو نیاز کعبہ کی ہو اور جنکے گلے میں پٹہ

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے:

کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اسطرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں خدا نے اس جگہ کو ''حرم امن'' بنایا۔ اس لئے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا۔ مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس ''وادیٔ غیر ذی زرع'' میں اتنی افراط سے سامان خورد نوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب حیثیات ''قیاماً للناس'' میں معتبر ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لئے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا، اور مصلح اعظم سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو ''قیاماً للناس'' کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت، اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک ''قیاماً للناس'' کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانۂ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے ''بیت اللہ شریف'' کہتے ہیں اٹھا لیا جائے گا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہی بنایا گیا تھا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ الخ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ فام حبشی (جسے ذوالسویقتین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ

کا ایک ایک پتھر اکھیڑ کر ڈال دے گا۔ جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو، اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب فیل کا قصہ تو ہر شخص نے سنا ہے۔ لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس ابلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرادینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دارالسلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لئے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرادینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے "جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ" میں ذوالسویقتین کی حدیث درج کر کے "قیاماً للناس" کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں (نبہ علیہ شیخنا المترجم قدس اللہ روحہ فی دروس البخاری) بہر حال آیت زیر بحث میں احکام "محرم" بیان فرمانے کے بعد کعبہ شریف کی عظمت و حرمت بیان کرنا مقصود ہے پھر "کعبہ" اور "احرام" کی مناسبت سے "شہر حرام" اور "ہدی" و "قلائد" کا بھی ذکر فرما دیا۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ کے ساتھ لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ الخ کو ملحق فرمایا تھا واللہ اعلم۔
(تفسیر عثمانی)

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ: اور اللہ نے کعبہ کو جو ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے۔

کعبہ کا معنی:

کعبہ مربع ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا جاتا ہے ہر مربع گھر کو عرب کعبہ کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا۔ کعبہ دوسرے مکانوں سے منفرد ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک اونچا ہونے کی وجہ سے کعبہ کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعبہ کا لغوی معنی ہے ابھرنا اور بلند ہونا پاؤں کے ٹخنے کو اسی لئے کعب کہا جاتا ہے جو لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہو اور اس کے پستان اٹھ آئے ہوں اس کے لئے عرب کہتے ہیں تکعبت البیت الحرام یعنی اللہ نے اس کو حرم بنایا اور اس کی حرمت کی عظمت ظاہر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اللہ نے کعبہ کو حرم بنا دیا تھا۔ قیاماً یعنی لوگوں کے دین اور دنیا کی درستگی کا ذریعہ دین کی درستی کا ذریعہ ہونا تو ظاہر ہے کہ اس کا حج کیا جاتا ہے اور دوسرے شعائر کی ادائیگی اس کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور دنیوی درستی کا ذریعہ ہونا اس لئے ہے کہ حرم کے اندر لوٹ کھسوٹ قتل و غارت کی ممانعت کر دی گئی ہے اور یہاں پہنچ کر لوگوں کا مال، جان، محفوظ ہو جاتا ہے۔

حرمت والے مہینے:

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ: "اور حرمت والے مہینوں" کو اللہ نے لوگوں کے دین دنیا کی درستی کا ذریعہ بنایا۔ الشھر سے مراد ہے جنس شہر (یعنی واحد مراد نہیں ہے) حرمت والے چار ماہ ہیں رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم۔ اللہ نے ان چاروں مہینوں کو لوگوں کے لئے پرامن رہنے کے مہینے بنا دیا اور ان مہینوں میں (عرب) لڑنے مرنے کٹنے لٹنے سے محفوظ رہتے تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

نظام عالم اور بیت اللہ میں ربط:

بیت اللہ اس پورے عالم کا عمود ہے جب تک اس کا استقبال اور حج ہوتا رہے گا دنیا قائم رہے گی، اور اگر کسی وقت بیت اللہ کا یہ احترام ختم ہوا تو دنیا بھی ختم کر دی جائے گی، رہا یہ معاملہ کہ نظام عالم اور بیت اللہ میں جوڑ اور ربط کیا ہے؟ سو اس کی حقیقت معلوم ہونا ضروری نہیں، جس طرح مقناطیس اور لوہے اور کہربا اور تنکے کے ربط باہمی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، مگر وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو مشاہدہ میں آتی ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، بیت اللہ اور نظام عالم کے باہمی ربط کی حقیقت کا ادراک بھی انسان کے قبضہ میں نہیں، وہ خالق کائنات کے بتلانے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، بیت اللہ کا پورے عالم کی بقاء کے لئے سبب ہونا تو ایک معنوی چیز ہے، ظاہری نظریں اس کو نہیں پا سکتیں، لیکن عرب اور اہل مکہ کے لئے اس کا موجب امن و سلامتی ہونا طویل تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
ڈال کر لیجاویں کعبہ کو یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو
وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾
کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے

یعنی کعبہ وغیرہ کے قیاماً للناس بنانے میں جن مصالح دینی و دنیوی کی رعایت فرمائی اور بظاہر بالکل خلاف قیاس جو عظیم الشان پیشین گوئی کی گئی وہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز حق تعالیٰ کے غیر

محدود علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ وَ اَنَّ
جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے اور بیشک
اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۸﴾
اللہ بخشنے والا مہربان ہے

یعنی جو احکام حالت احرام یا احترام کعبہ وغیرہ کے متعلق دیئے گئے اگر ان کی عمداً خلاف ورزی کرو گے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ اور بھول چوک سے کچھ تقصیر ہو جائے پھر کفارہ وغیرہ سے اس کی تلافی کر لو تو بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رغبت و خوف دونوں ضروری ہیں:

ابوالشیخ نے بروایت حسن بیان کیا کہ وفات کے قریب حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ اللہ نے نرمی کی آیت سختی کی آیت کے ساتھ اور سختی کی آیت نرمی کی آیت کے ساتھ ذکر فرمائی تا کہ مومن کے دل میں رغبت بھی پیدا ہو اور خوف بھی۔ اللہ سے تمناء باطل نہ کرنے لگے اور خود اپنے کو تباہی میں نہ ڈالے۔ (تفسیر مظہری)

مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ
رسول کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر میں
مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾
کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے ہو

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض پورا کر دیا:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا قانون اور پیام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی اب ظاہر و باطن میں جیسا عمل کرو گے وہ سب خدا کے سامنے ہے۔ حساب و جزا کے وقت ذرہ ذرہ تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَسۡتَوِى الۡخَبِيۡثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَكَ
تو کہہ دے کہ برابر نہیں ناپاک اور پاک اگرچہ تجھ کو بھلی لگے
كَثۡرَةُ الۡخَبِيۡثِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ
ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے

لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾
عقلمندو تا کہ تمہاری نجات ہو

ربط مضامین:

اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ اس مضمون کی تکمیل کے بعد خمر وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا۔ یعنی جس طرح خمر میتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کی شکار کو سمجھو۔

پاک اور ناپاک برابر نہیں:

محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب وحلال ہو وہ بہت سی خبیث وحرام چیز سے بہتر ہے عقلمند کو چاہئے کہ ہمیشہ طیب وحلال کو اختیار کرے گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنے گورنروں کو جواب:

تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کیا ہے کہ زمانہ تابعین کے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب سابق امراء کے زمانہ کے عائد کئے ہوئے ناجائز ٹیکس بند کئے، اور جن لوگوں سے ناجائز طور پر اموال لئے گئے وہ واپس کئے اور سرکاری بیت المال خالی ہو گیا۔ اور آمدنی بہت محدود ہو گئی، تو ایک صوبہ کے گورنر نے ان کی خدمت میں خط لکھا کہ بیت المال کی آمدنی بہت گھٹ گئی ہے، فکر ہے کہ حکومت کے کاروبار کس طرح چلیں گے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب میں یہی آیت تحریر فرما دی، لَّا يَسۡتَوِى الۡخَبِيۡثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَكَ كَثۡرَةُ الۡخَبِيۡثِ، اور لکھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے ظلم وجور کے ذریعہ جتنا خزانہ بھرا تھا تم اس کے بالمقابل عدل وانصاف قائم کر کے اپنے خزانہ کو کم کر لو اور کوئی پرواہ نہ کرو ہماری حکومت کے کام اسی کم مقدار سے پورے ہوں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حلال کے چھوارے کی خیرات:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چھوارے کا ایک ٹکڑا (پاک کمائی کا) خیرات کیا اور اللہ پاک (مال) کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا چلا جاتا

ہے جیسے تم لوگ اپنے بکری کے بچہ (پر ہاتھ پھیر کر اس) کو بڑھاتے ہو، یہاں تک کہ وہ چھوارے کا ٹکڑا پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ۔ اور مخلص نیکوکار (خواہ تھوڑے ہوں) زمین بھر بدکاروں سے اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔

ایک نیک آدمی کی اہمیت:

حضرت سہل بن سعدؓ راوی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت ایک آدمی اور بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس (گذرنے والے) آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اس شخص نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص شریف لوگوں میں سے ہے اس قابل ہے کہ اگر کہیں اپنے نکاح کا پیام بھیجے تو اس کا پیام قبول کر لیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلام سن کر خاموش رہے اتنے میں ایک اور آدمی ادھر سے گذرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ صحابیؓ نے عرض کیا حضور! یہ تو ایک غریب مسلمان ہے بس اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کی درخواست بھیجے تو قبول نہ کی جائے اور سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی نہ جائے اور اگر کچھ کہے تو اس کی بات سنی نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس جیسے زمین بھر لوگوں سے بہتر ہے۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ
اے ایمان والو مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جاویں
اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا
تو تم کو بُری لگیں اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ
حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ
قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی

ربطِ مضامین:

پچھلے دو رکوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا۔ یعنی جو طیبات خدا نے حلال کی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث وحرام ہیں خواہ دائمی طور پر یا خاص احوال واوقات میں ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرما دی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔

شارع علیہ السلام کا بیان بھی رحمت اور خاموشی بھی رحمت ہے:

جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت وسہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت وعدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل وترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث وسوال کا دروازہ کھولا جائے گا۔ بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نباہ نہ سکیں۔ سنۃ اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ شقوق و احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم ملے گا اس کے اٹھانے کے لئے وہ بہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ جو بندہ کے ضعف وافتقار کے مناسب نہیں۔ مستحق بنا دیتا ہے کہ ادھر سے حکم میں کچھ سختی ہو اور جتنا یہ اپنے کو قابل ظاہر کرتا ہے اسی کے موافق امتحان بھی سخت ہو چنانچہ بنی اسرائیل کے ''ذبح بقرہ'' والے قصہ میں ایسا ہی ہوا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے، جس چیز میں میں تم کو ''آزاد'' چھوڑوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو ایک حدیث میں فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔ بہرحال یہ آیت احکام شرعیہ کے باب میں اس طرح کے دور از کار اور بے ضرورت سوالات کا دروازہ بند کرتی ہے۔ باقی بعض احادیث میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئی واقعات کے متعلق لغو سوال کرتے تھے ان کو روکا گیا'' وہ ہماری تقریر کے مخالف نہیں۔ ہم ''لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ'' میں ''اشیاء'' کو عام رکھتے ہیں جو واقعات واحکام دونوں کو شامل ہے اور ''تَسُؤْكُمْ'' میں بھی جو برا لگنے کے معنی پر ہے تعمیم رکھی جائے۔ حاصل یہ ہوگا کہ نہ احکام کے باب میں فضول سوالات کیا کرو اور نہ واقعات کے سلسلہ میں کیونکہ ممکن ہے جو جواب آئے وہ

تم کو ناگوار ہو مثلاً کوئی سخت حکم آیا یا کوئی قید بڑھ گئی۔ یا ایسے واقعہ کا اظہار ہوا جس سے تمہاری فضیحت ہو، یا بیہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی، یہ سب احتمالات تَسُؤْكُمْ کے تحت میں داخل ہیں۔ باقی ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے رفع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ان آیات کا شانِ نزول مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابسؓ نے سوال کیا کہ کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سوال کا جواب نہ دیا، تو مکرر سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی سکوت فرمایا، انہوں نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا، تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں اُن کو اسی طرح رہنے دو، ان میں کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرتِ سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں، کہ جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نہیں کی تھیں سوال کر کر کے ان کو فرض کرالیا اور پھر اس کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو گئے، تمہارا وظیفہ یہ ہونا چاہئے کہ جس کام کا میں حکم دوں اس کو مقدور بھر پورا کرو اور جس چیز سے منع کردوں اس کو چھوڑ دو (مراد یہ ہے کہ جن چیزوں سے سکوت کیا جائے ان کے متعلق کھود کرید نہ کرو)۔

دو آدمیوں کے باہمی جھگڑے کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

تفسیر درمنثور میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے یہ سوال کیا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی سخت جھگڑا ہے، ایک دوسرے کو مشرک کہتے ہیں، تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہیں کہہ دوں گا کہ جاؤ ان لوگوں سے قتال کرو، ہرگز نہیں، جاؤ اُن کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، قبول کریں تو بہتر اور نہ کریں تو ان کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ، پھر یہی آیت آپ نے جواب کی شہادت میں تلاوت فرمائی۔

گناہوں کی روک تھام کے بارہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک خطبہ

آیت کے ظاہری الفاظ سے سرسری نظر میں جو شبہ ہو سکتا تھا اس کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں، خوب سمجھ لو کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور (مقدور بھر) اس کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان دوسرے لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لے۔

یہ روایت ترمذی، ابن ماجہ میں موجود ہے اور ابوداؤد کے الفاظ میں اس طرح ہے کہ جو لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کو ظلم سے (اپنی قدرت کے موافق) نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں پکڑ لیں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

ابوبکرؓ صدیق نے کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثنا کی، پھر کہا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو لیکن اس کے مفہوم پر اس کو نہیں رہنے دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر کوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھر اسے غیرت نہ آئے اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب کہ خدا دونوں کو عذاب میں گھسیٹ لے۔ اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔ جھوٹ انسان کو ایمان سے ہٹا دیتا ہے۔ (ابن کثیر)

تَسُؤْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حج کا وجوب (جو عمر بھر میں ایک بار تھا اور دوسرے احکام کا وجوب جن کی ادائیگی عمر بھر میں ایک دفعہ کافی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعم فرمانے اور تمہارے سوال کی وجہ سے احکام کے بوضاحت بیان کے بعد منسوخ ہو جاتا گویا امر مطلق منسوخ ہو جاتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مذکور اور آیت مندرجہ امر مطلق کی ناسخ ہو جاتی آیت مذکورہ کو امر مطلق کا بیان نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اگر اس کو بیان کہا جائے گا تو ظاہر ہے کہ قبل از سوال بیان نہ ہوگا بلکہ سوال کے بعد ہوگا حالانکہ بیان کی ضرورت سوال سے پہلے بھی تھی اور وقتِ ضرورت سے بیان کا تاُخر جائز نہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ط
اللہ نے ان سے درگذر کی ہے

یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگذر کی، یعنی جب خدا نے ان کے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارہ میں آزاد ہے خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا، چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یا یہ کہ ان فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگذر کی آئندہ احتیاط رکھو۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ
اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے ایسی باتیں پوچھ چکی ہے ایک
قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾
جماعت تم سے پہلے پھر ہوگئے ان باتوں سے منکر

پچھلی قوموں کی ہلاکت کا ایک سبب:

حدیث صحیح میں ہے کہ پہلی قومیں کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثعلبہ ابن حاطب الانصاریؓ نے کہا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ خدا مجھے بہت سا مال عطا فرمائے۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرو وہ اس کثیر سے اچھا ہے جس کا شکر ادا نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو غضبناک تھے چہرہ سرخ تھا، منبر پر بیٹھ گئے، ایک آدمی اٹھ کر پوچھنے لگا کہ میرا متوفی باپ کہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ عمرؓ کھڑے ہوگئے کہنے لگے بس کافی ہے ہمارے لئے خدا ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں، قرآن ہمارا امام ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عہدِ جاہلیت اور عہد شرک سے بہت قریب ہیں، خدا تعالیٰ ہی واقف ہے کہ ہمارے آباء واجداد کون تھے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور یہ آیت اتری کہ ایسے سوالات نہ کرو کہ بات ظاہر ہوجائے تو تمہیں رنج پہنچے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال (حج فرض ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے صحابہؓ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال، فرمایا۔ نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) واجب ہو جاتا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اندیشہ نہ ہوا کہ (شاید) میں ہاں کہہ دوں اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج واجب ہو جاتا اور ہر سال واجب ہو جاتا تو پھر تم سے اس کی ادائیگی ہو نہ سکتی اگر میں تم کو چھوڑے رکھوں تو تم بھی مجھے (بغیر سوال کئے) چھوڑے رکھوں تم سے پہلے کے لوگ زیادہ پوچھ پاچھ اور انبیاء سے زیادہ سوال کرنے سے ہی برباد ہوئے اگر میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جہاں تک ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب کسی بات کی ممانعت کردوں تو اس سے باز رہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا
نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ
وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۗ وَاَكْثَرُهُمْ لَا
اللہ پر بہتان اور اُن میں اکثروں کو
يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾
عقل نہیں

بحیرہ، سائبہ وصیلہ اور حام:

بحیرہ، صائبہ، وصیلہ، حامی یہ سب زمانہ جاہلیت کے رسوم وشعائر سے متعلق ہیں مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت اختلاف کیا ہے، ممکن ہے ان میں سے ہر ایک لفظ کا اطلاق مختلف صورتوں پر ہوتا ہو، ہم صرف سعید بن المسیب کی تفسیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں۔ "بحیرہ" جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ "سائبہ" جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈھ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "وصیلہ" جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا سے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ "حامی" نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ تے تھے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں، جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اس کی حلت وحرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا، گویا اپنے لئے منصب تشریع تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کرلیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بے کار

سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء واہواء سے حلال و حرام تجویز کر لیے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کا دودھ بتوں کے لئے محفوظ مانا جاتا تھا کوئی اس کو دوہتا نہ تھا۔ اور سائبہ وہ سانڈھنی ہوتی تھی جو دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی تھی، کوئی اس پر سوار نہ ہوتا تھا۔ اور وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے پہلے بیاہت میں نر اور دوسرے گابھ میں مادہ پیدا ہوتی تھی اگر مادہ کے بعد تیسری مرتبہ میں بھی مادہ بچہ پیدا ہوتا تو بتوں کے نام پر اس کو آزاد چھوڑ دیتے تھے اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ حام وہ اونٹ ہوتا تھا جو محدود معین عدد میں جب جفتی کر چکتا اور اس کی نسل سے مقررہ عدد میں بچے پیدا ہو چکتے تو اس کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے پھر اس پر کسی قسم کا بوجھ نہیں لادا جاتا تھا اس کو حام کہتے تھے۔

جانوروں کے کان کاٹنے کی ممانعت:

مالک بن فضلہؓ کہتے ہیں کہ میں پرانے بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال ہے؟ میں نے کہا اونٹ، بکرے اور گھوڑوں کے منڈلے (یعنی بڑی تعداد میں ہیں) ہیں لونڈی غلام بھی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت دی ہے تو تجھ پر دولت کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں۔ اور کیا تمہارے اونٹوں کے بچے سالم کانوں والے پیدا ہوتے ہیں، تو میں نے کہا ہاں، لیکن کیا اونٹ کے بچے سالم کانوں کے بغیر بھی پیدا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان بعض بچوں کے استرے سے تم کان کاٹ دیا کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اب یہ بحیرہ ہو گیا اب یہ ہم پر حرام ہے تو میں نے کہا ہم ایسا بھی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہ کرنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے سب حلال ہے کوئی حرام نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو اونٹنی پانچ مرتبہ بیاہ چکتی تھی اس کا کان چیر کر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا نہ اس پر بوجھ لادا جاتا تھا نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ اس کا اون کاٹا جاتا تھا، نہ کسی پانی اور چراگاہ سے اس کو روکا جاتا تھا۔ اگر پانچویں گیابھ میں نر بچہ پیدا ہوتا تھا تو بچہ ذبح کر کے مرد عورتیں سب مل کر کھا سکتے اور اگر بچہ مادہ ہوتا تو اس کا بھی کان چیر دیتے تھے ایسی سانڈھنی کو بحیرہ کہا جاتا تھا۔

ابو عبیدہ نے کہا منت پر چھوڑے ہوئے سانڈھ اونٹ کو سائبہ کہا جاتا تھا اگر کسی بیمار کی صحت یا مسافر کی واپسی کے لئے منت مانی جاتی تھی تو مراد پوری ہونے پر اونٹ کو سانڈھ بنا کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور کسی چراگاہ یا چشمہ سے اس کو نہیں روکا جاتا تھا۔ نہ اس پر کوئی سوار ہوتا تھا گویا بحیرہ کی طرح اس کو بھی سانڈھ بنا دیا جاتا تھا۔ سائبہ نر بھی ہوتا اور مادہ بھی۔ (تفسیر مظہری)

بری رسم جاری کرنے کا عذاب:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ عمرو بن عامر خزاعی دوزخ کے اندر اپنی انتڑیاں گھسیٹے پھر رہا تھا اسی نے سب سے پہلے سائبہ بنانے کی رسم قائم کی۔

بغوی نے محمد بن اسحاق کی روایت سے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعی سے فرمایا اکثم میں نے دیکھا کہ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف اپنی انتڑیاں دوزخ کے اندر کھینچے پھر رہا ہے میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی کسی کا اتنا ہم شکل ہو جتنا تو عمرو سے اور عمرو تجھ سے مشابہ تھا۔ عمرو بن لحی نے ہی سب سے پہلے دین اسماعیلی کو بگاڑا۔ استھان قائم کئے بحیرہ اور سائبہ بنانے کی رسم ایجاد کی۔ وصیلہ کو وصیلہ اور حامی کو حامی بنانے کی بنیاد ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو بھی اذیت ہو رہی تھی اکثم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس کا ہم شکل ہونے سے مجھے کچھ ضرر پہنچے گا۔ فرمایا نہیں۔ تو یقیناً مومن ہے اور وہ کافر تھا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

اور جب کہا جاتا ہے اُن کو آؤ اس کی طرف جو کہ اللہ نے نازل کیا

الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ

اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا

اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر انکے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں

يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾

اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کرینگے

ایک جاہلانہ طریقہ:

جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہ ہی ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادا

سے ہوتا آیا ہے اس کا خلاف کیسے کریں۔ ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم ان ہی کی راہ چلو گے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے" یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ
اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو
مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ
کوئی گمراہ ہوا جبکہ تم ہوئے راہ پر

مسلمانوں کو تسلی اور کافروں کو تنبیہ:

یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ اور آبا و اجداد کی اندھی تقلید سے باوجود اس قدر نصیحت و فہمائش کے باز نہیں آتے تو تم زیادہ اس غم میں مت پڑو۔ کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ سیدھی راہ یہ ہی ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔ پھر بھی اگر لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس آیت سے سمجھ لینا کہ جب ایک شخص اپنا نماز روزہ ٹھیک کر لے تو "امر بالمعروف" چھوڑ دینے سے اسے کوئی مضرت نہیں ہوتی، سخت غلطی ہے لفظ "اہتداء" امر بالمعروف وغیرہ تمام وظائف ہدایت کو شامل ہے۔ اس آیت میں گو روئے سخن بظاہر مسلمانوں کی طرف ہے۔ لیکن ان کفار کو بھی متنبہ کرنا ہے جو باپ دادا کی کورانہ تقلید پر اڑے ہوئے تھے، یعنی اگر تمہارے باپ دادا راہ حق سے بھٹک گئے تو ان کی تقلید میں اپنے کو جان بوجھ کر کیوں ہلاک کرتے ہو، انہیں چھوڑ کر تم اپنی عاقبت کی فکر کرو اور نفع و نقصان کو سمجھو۔ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد ان کے خلاف راہ حق پر چلنے لگے تو آباؤ اجداد کی یہ مخالفت اولاد کو قطعاً مضر نہیں۔ یہ خیالات محض جہالت کے ہیں کہ کسی حال بھی آدمی باپ دادا کے طریقہ سے قدم باہر رکھے، گا تو ناک کٹ جائے گی، عقلمند کو چاہئے کہ انجام کا خیال کرے۔ سب اگلے پچھلے جب خدا کے سامنے اکٹھے پیش ہوں گے تب ہر ایک کو اپنا عمل اور انجام نظر آ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق ہدایات:

ابن مسعودؓ سے کسی نے اسی آیت کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ آج تو خیر تمہاری بات مان بھی لی جاتی ہے، لیکن قریب تو ایسا زمانہ آنے ہی والا ہے کہ تم خیر خواہی کی بات کہو گے اور وہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا بُرا سلوک کرنے لگیں گے، اُس وقت چپ چاپ دیکھے جاؤ اور کچھ نہ بولو۔

ابن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا تیز مزاج اور تیز زبان اور کہنے لگا یا ابا عبد الرحمٰن چھ آدمی ہیں سب کے سب قرآن کے جید عالم ہیں، کوئی خیر کے سوا شریر النفس نہیں، لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتا ہے۔ تو ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر شرارتِ نفس اور کیا ہو گی کہ ایک دوسرے کو مشرک کہے، تو اس آدمی نے کہا، میں تم سے نہیں پوچھ رہا ہوں میں تو شیخ سے یعنی ابن عمرؓ سے پوچھ رہا ہوں۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایسے لوگوں کو کیا سمجھیں؟ تو ابن عمرؓ نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ جاؤ انہیں قتل کر دو۔ تم کو تو چاہئے کہ انہیں نصیحت کرو، اس بدگوئی سے روکو، اگر وہ نہ مانیں تو تم پر کچھ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

احمد اور طبرانی نے حضرت ابو عامرؓ اشعری کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تشریح دریافت کی (کہ من ضل سے کون لوگ مراد ہیں) فرمایا کافر جو گمراہ ہیں تم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے جب کہ تم راہ راست پر ہو گے۔

روایت میں آیا ہے کہ لوگ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے باز داشت کریں ورنہ شریر لوگوں کو اللہ تم پر مسلط کر دے گا پھر وہ تم کو بدترین عذاب کی تکلیفیں دیں گے اس وقت تم میں سے نیک لوگ بھی اگر تمہارے لئے دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہ ہو گی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو جب تک تمہاری بات مانی جائے اگر تمہاری بات لوٹا دی جائے تو پھر (تنہا) اپنی (اصلاح کی) فکر کرو۔ (تفسیر مظہری)

آیت کی تفسیر حضرت سعید کی زبانی:

تفسیر بحر محیط میں حضرت سعید ابن جبیرؒ سے آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ تم اپنے واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو جن میں جہاد اور امر بالمعروف بھی داخل ہے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں تو تم پر کوئی نقصان نہیں، قرآن کریم کے الفاظ اذا اهتدیتم میں غور کریں، تو یہ تفسیر خود واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم راہ پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے مضر نہیں، اور ظاہر ہے کہ جو شخص امر بالمعروف کے فریضہ کو ترک کر دے وہ راہ پر نہیں چل رہا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

آیت کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوثعلبہ خشنی کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابوثعلبہؓ نے کہا خدا کی قسم میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ امر و نہی ترک کر کے بیٹھ رہو) بلکہ مطلب یہ ہے کہ بھلائی پر چلو اور برائی سے باہم روکتے رہو اور خود بھی باز رہو لیکن جب دیکھو کہ لوگ ہوا و ہوس کے بندے ہو گئے ہیں خواہشات کے پیچھے پڑے ہیں۔ دنیا کو (دین پر) ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص خود رائے ہو گیا ہے اپنے خیال میں مست ہے اور تم کو بھی کچھ کرنا ہی ہو (کچھ کرنے پر تم مجبور ہو) تو ایسے وقت میں صرف اپنے نفس (کی اصلاح) کی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو۔ یہ امر یقینی ہے کہ تمہارے آگے کچھ مصائب کا زمانہ آئے گا۔ ان شدائد میں صبر رکھنا اتنا مشکل ہوگا جیسے انگاروں کو مٹھی میں دبانا اس وقت نیک عمل کرنے کا ثواب ان پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا جنہوں نے اسی جیسی نیکی کی ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس شخص کا اجر ان میں سے ہی پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا فرمایا تمہارے پچاس آدمیوں کے برابر۔ (تفسیر مظہری)

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے تم سب کو پھر وہ جتلا دیگا تم کو
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾
جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی جو گمراہ رہا اور جس نے راہ پائی سب کے نیک و بد اعمال اور ان کے نتائج سامنے کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ
اے ایمان والو گواہ درمیان تمہارے جبکہ پہنچے کسی کو
أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ
تم میں موت وصیت کے وقت دو شخص معتبر
ذَوَا عَدْلٍ
ہونے چاہئیں

وصیت کے احکام:

یعنی بہتر یہ ہے۔ باقی اگر دو نہ ہوں یا معتبر نہ ہوں تب بھی "وصی" بنا سکتا ہے اور گواہ سے مراد یہاں وصی ہے۔ اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: (۱) میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے والا کیلئے کہہ جاوے وہ وصی ہے، اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

مسئلہ: (۲) وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ: (۳) نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو وہ مدعی اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ: (۴) اول مدعی سے گواہ لئے جاتے ہیں، اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کر دے، مقدمہ وہ پاتا ہے، اور اگر پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ وہ پاتا ہے، البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پالیتا ہے۔

مسئلہ: (۵) قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے حاکم کی رائے پر ہے، لازم نہیں، اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتا اور دوسری آیات و روایت سے اطلاق ثابت ہے۔

مسئلہ: (۶) اگر مدعا علیہ کسی اپنے فعل کے متعلق قسم کھاوے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ: (۷) اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہوں تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (بیان القرآن، معارف القرآن مفتی اعظم)

مِنْكُمْ
تم میں سے

یعنی مسلمانوں میں سے۔ (تفسیر عثمانی)

أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ
یا دو شاہد اور ہوں تمہارے سوا

یعنی غیر مسلم۔ (تفسیر عثمانی)

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ
اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم کو

مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ

مصیبت موت کی تو کھڑا کرو اُن دونوں کو بعد

الصَّلٰوةِ

نماز کے

یعنی نماز عصر کے بعد کہ وہ وقت اجتماع اور قبول کا ہے شاید ڈر کر جھوٹی قسم نہ کھائیں۔ یا کسی نماز کے بعد یا وصی جس مذہب کے ہوں ان کی نماز کے بعد۔ (تفسیر عثمانی)

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ

وہ دونوں قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں کہ ہم نہیں لیتے

بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ

قسم کے بدلے مال اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت بھی ہو اور ہم نہیں

اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم بیشک گنہگار ہیں

وصیت کا بہترین طریقہ:

یعنی جب خدا کے پاس سب کو جانا ہے تو جانے سے پہلے سب کام ٹھیک کرلو۔ اسی میں سے ایک اہم کام ضروری امور کی وصیت اور اس کے متعلقات ہیں۔ ان آیات میں وصیت کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے۔ یعنی مسلمان اگر مرتے وقت کسی کو اپنا مال وغیرہ حوالہ کرے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کرے۔ مسلمان اگر نہ ملیں جیسے سفر وغیرہ میں اتفاق ہو جاتا ہے، تو دو کافروں کو وصی بنائے۔ پھر اگر وارثوں کو شبہ پڑ جائے کہ ان شخصوں نے کچھ مال چھپالیا اور وارث دعویٰ کر دیں اور دعوے کے ساتھ شاہد موجود نہ ہوں تو وہ دونوں شخص قسم کھائیں کہ ہم نے نہیں چھپایا اور ہم کسی طمع یا قرابت کی وجہ سے جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کہیں تو گنہگار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شہادت کا مطلب:

شہادت سے مراد ہے حق کو ظاہر کرنا اور سچ سچ کہنا، خواہ اپنی ذات کے خلاف پڑے۔ انا اذا یعنی اگر ہم حق پوشی کریں گے تو اس حالت میں ہم پکے گناہگار رہوں گے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق بات دبا گئے تو دو گواہ اور

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

کھڑے ہوں ان کی جگہ

ایک ہو تب بھی مضائقہ نہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

ان میں سے کہ جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

کے پھر قسم کھاویں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

سے اور ہم نے زیادتی نہیں کی نہیں تو ہم بے شک ظالم ہیں

یعنی اگر قرائن و آثار سے اوصیاء کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ بذریعہ شہادت شرعی اپنی سچائی ثابت نہ کرسکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو اوصیاء کے دعوے کی واقعیت کا کوئی علم نہیں اور یہ کہ ان کی گواہی اوصیاء کی گواہی سے زیادہ حق بالقبول ہے۔

شانِ نزول:

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص ''بدیل'' نامی جو مسلمان تھا دو شخص ''تمیم وعدی'' کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لاکر وارثوں کے حوالہ کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش ونگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے، تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت

کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ کوئی چیز اس کی چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ وہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے۔ اس لیے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرجعہ کیا اب پہلی صورت کے برعکس اوراوصیا خریداری کے مدعی اور وارث منکر تھے۔ شہادت موجود نہ ہونے کیوجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا: پھر اگر اطلاع ملے کہ وصی گناہ کے مستوجب ہوئے ہیں یعنی انہوں نے اپنی خیانت کی وجہ سے ایسا فعل کیا ہے جو موجب گناہ ہے مطلب یہ کہ الزام خیانت کو اپنے اوپر سے دفع کرنے کے لئے انہوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہوں یا خریدنے کا دعویٰ کیا ہو یا ایسی ہی کوئی اور حرکت کی ہو۔ عثر کا اصل معنی ہے کسی چیز پر گر پڑنا۔ یہاں مراد ہے اطلاع ملنا۔

فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا تو دونوں وصیوں کے مقام پر (قسم کھانے کے لئے) دو آدمی دوسرے کھڑے ہوں۔

وارثوں میں سے دو (مدعی) شخصوں کو شاہد اس لئے قرار دیا کہ انہوں نے اپنے حق کا دعویٰ کیا ہے اور شریعت نے بھی ان کے حق کو تسلیم کیا ہے اور وہ دونوں سابق شاہدوں (وصیوں) کے گناہ کو ظاہر کر رہے ہیں تو گویا وصیوں کے گناہ کی شہادت دے رہے ہیں۔ میت کے اقربا میں دو گواہوں کی شرط صرف اس وجہ سے لگائی گئی کہ مذکورۂ بالا واقعہ میں ایسا ہی تھا ورنہ اگر میت کا وارث ایک ہوگا تو اسی سے قسم لی جائے گی یا اگر دو سے زائد وارث ہونگے تو سب سے قسم لی جائے گی (گویا دو ہونے کی شرط اس وقت ضروری ہے جب وارث صرف دو ہوں ورنہ ضروری نہیں۔ ایک بھی قسم کھانے والا ہو سکتا ہے اور دو سے زائد بھی) کیونکہ وصی میت سے خریدنے یا کسی اور طرح سے نزاعی چیز کے مالک ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور وارث ان کے دعوے کا انکار کرتے ہیں (اور وصیوں کے پاس گواہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا مدعی علیہ پر قسم عائد ہوگی)

مسئلہ: کسی معاملہ میں مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت قابل قبول نہیں۔ یہ مسئلہ مسلمہ ہے لیکن اکثر اہل تفسیر یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب ابراہیم کلبی سعید بن جبیر مجاہد اور عبیدہ نے آیت کی تفسیر میں منکم سے مراد مسلمانوں میں سے اور من غیر کم سے مراد کافروں میں سے ہونے کی صراحت کی ہے (اس تفسیر پر لازم آتا ہے کہ مسلمان پر کافر کی شہادت قابل قبول ہو) لہٰذا نخعی اور علماء کی ایک جماعت نے تو اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ابتدائی دور میں یہ حکم تھا مسلمان پر کافر کی شہادت مان لینے کا جواز تھا لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اب مسلمان پر کافر کی شہادت نا قابل سماعت ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت محکم ہے اگر مسلمان نہ ملیں تو کافروں کو شاہد بنانا درست ہے۔ قاضی شریح نے کہا سفر کی حالت میں اگر وصیت پر گواہ بنانے کے لئے مسلمان نہ ملیں تو کافروں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے مگر یہ حکم صرف وصیت کا گواہ بنانے کا ہے وصیت کے علاوہ اور کسی مسئلہ کا گواہ کافروں کو نہیں بنایا جا سکتا۔

شعبی نے بیان کیا کہ دقوقا میں ایک مسلمان کا وقت وفات آ پہنچا اور اس نے کچھ وصیت کرنی چاہی مگر کوئی مسلمان گواہ نہیں ملا آخر اس نے اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو وصیت کا گواہ بنا دیا، اور دونوں شخص اس کا متروکہ سامان لے کر کوفہ میں پہنچے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں حاضر ہو کر سامان پیش کر دیا اور وصیت کی اطلاع دیدی۔ اشعری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایسا واقعہ کوئی اور پیش نہیں آیا۔ پھر آپ نے دونوں سے قسم لی اور ان کی شہادت کے مطابق حکم نافذ کر دیا۔

میں کہتا ہوں اگر آیت کو محکم مانا جائے تو اگر کسی وجہ سے غیر مسلم گواہوں کے بیان میں کوئی جھوٹ محسوس ہو تو وارثوں سے قسم لی جائے (کہ یہ غیر مسلم گواہ غلط کہتے ہیں) (تفسیر مظہری)

ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِٱلشَّهَـٰدَةِ عَلَىٰ
اس میں امید ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر
وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا۟ أَن تُرَدَّ أَيْمَـٰنٌۢ بَعْدَ
اور ڈریں کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری ان کی
أَيْمَـٰنِهِمْ
قسم کے بعد

یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم

کھائیں یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں۔ جانیں کہ آخر ہماری قسم الٹی پڑے گی۔ (کذافی فتح القرآن)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سُن رکھو اور اللہ نہیں چلاتا
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ
سیدھی راہ پر نافرمانوں کو

خدا کی نافرمانی کرنے والا انجام کار رسوا اور ذلیل ہی ہوتا ہے حقیقی کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ
جس دن اللہ جمع کریگا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا

محشر میں پیمبروں سے سوال:

یہ سوال محشر میں امتوں کے روبرو پیغمبروں سے کیا جائے گا کہ دنیا میں جب تم ان کے پاس پیغام حق لے کر گئے تو انہوں نے کیا جواب دیا اور کہاں تک دعوت الٰہی کی اجابت کی؟ گذشتہ رکوع میں بتلایا تھا کہ خدا کے یہاں جانے سے پہلے بذریعہ وصیت وغیرہ یہاں کا انتظام ٹھیک کرلو۔ اب متنبہ فرماتے ہیں کہ وہاں کی جوابدہی کے لئے تیار رہو۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ چیزوں کا سوال:

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزول قد ماء ابن ادم یوم القیامة حتی یسئل عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه واین انفقه وما ذا عمل بما علم.

''یعنی کسی آدمی کے قدم محشر میں اس وقت تک آگے نہ سرک سکیں گے جب تک اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لے لیا جائے، ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کے طویل وکثیر لیل ونہار کس کام میں خرچ کئے، دوسرے یہ کہ خصوصیت سے جوانی کا زمانہ جو قوت عمل کا زمانہ تھا، اس کو کن کاموں میں خرچ کیا، تیسری یہ کہ ساری عمر میں جو مال اس کو حاصل ہوا وہ کہاں اور کن حلال یا حرام طریقوں سے کمایا، چوتھے یہ کہ مال کو کن جائز یا ناجائز کاموں میں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ اپنے علم پر کیا عمل کیا؟''

امتحان کا پرچہ: خلاصہ یہ کہ اس آیت میں قیامت کے ہولناک منظر کی ایک جھلک سامنے کردی گئی ہے، کہ موقف حساب میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ ومقبول رسول کھڑے ہیں، اور لرزرہے ہیں تو دوسروں کا کیا حال ہوگا، اس لئے اس روز کی فکر آج سے چاہئے، اور فرصت عمر کو اس حساب کی تیاری کے لئے غنیمت سمجھنا چاہئے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) حوض پر میرے پاس کچھ لوگ آرہے ہوں گے کہ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن ان کو میرے پاس پہنچنے سے پرے ہی روک لیا جائے گا میں کہوں گا یہ تو میرے پیارے صحابی ہیں یہ تو میرے پیارے ساتھی ہیں جواب ملے گا تم کو علم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی باتیں دین میں نکال رکھی تھیں۔ (رواہ البخاری وغیرہ تفسیر مظہری)

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ
وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں

سوال کا جواب:

محشر کے ہولناک دن میں جب خدائے قہار کی شان جلالی کا انتہائی ظہور ہوگا، اکابر واعاظم کے بھی ہوش بجانہ رہیں گے، اولوالعزم انبیاء کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا۔ اس وقت انتہائی خوف وخشیت سے حق تعالیٰ کے سوال کا جواب ''لا علم لنا'' (ہمیں کچھ خبر نہیں) کے سوا نہ دے سکیں گے پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف ورحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کریں گے۔ حسن و مجاہد وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کے نزدیک ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا تیرے علم کامل ومحیط کے سامنے ہمارا علم کچھ بھی نہیں۔ گویا یہ الفاظ ''تادب مع اللہ'' کے طور پر کہے۔ ابن جریج کے نزدیک **لا علم لنا** سے یہ مراد ہے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کچھ کیا۔ ہم صرف انہی افعال واحوال پر مطلع ہوسکتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔ بواطن وسرائر کا علم علام الغیوب ہی کو ہے۔ آئندہ رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی جو جواب نقل فرمایا ہے ''وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا الخ'' اس آخری معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب حوض پر بعض لوگوں کی نسبت حضور فرمائیں گے ھٰؤلاء اصحابی تو جواب ملے گا **لا تدری ما احدثوا بعدک** یعنی آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پیچھے انہوں نے کیا حرکات کیں۔ (تفسیر عثمانی)

☆ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا: پیغمبر عرض کریں گے ہم کو اس کا کچھ علم نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ، حسن، مجاہد اور سدی نے کہا قیامت کی ہولناکیاں اور لرزہ انگیزیاں دلوں کو ان کی جگہ سے ہلا دیں گی اور پیغمبر گھبرا جائیں گے۔ گھبراہٹ میں کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور عرض کریں گے ہم کو کچھ علم نہیں پھر جب ہوش وحواس کچھ ٹھکانے آئیں گے تو اپنی اپنی امتوں کے متعلق شہادتیں دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ
تو ہی ہے چھپی باتوں کو جاننے والا جب کہے گا اللہ

غالباً یہ پورا رکوع آنے والے رکوع کی تمہید ہے۔ احسانات یاد دلا کر وہ سوال ہوگا جو آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَ
اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر میرا احسان جو ہوا ہے تجھ
عَلَىٰ وَالِدَتِكَ
پر اور تیری ماں پر

حضرت عیسیٰؑ سے خطاب:

اول تو اولاد پر احسان کرنا من وجہ ماں پر احسان ہے۔ دوسرے ظالم لوگ جو تہمت مریم صدیقہ پر لگاتے تھے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی براءت ونزاہت کے لئے برہان مبین بنا دیا اور تولد مسیح سے پہلے اور بعد عجیب وغریب نشانات حضرت مریم کو دکھلائے جو ان کی تقویت وتسکین کا باعث ہوئے۔ یہ احسانات بلا واسطہ ان پر تھے۔ (تفسیر عثمانی)

إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ
جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے تو کلام کرتا تھا لوگوں سے
فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ
گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب
وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ
اور تہ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب
تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي
تو بناتا تھا گارے سے جانور کی صورت میرے حکم سے

فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ
پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے اور اچھا کرتا تھا
الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ
مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا
الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ
مردوں کو میرے حکم سے

حضرت عیسیٰؑ کے امتیازات:

گود میں جو کلام کیا اس کا ذکر سورۂ مریم میں آئیگا "إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ" تعجب ہے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے تکلم فی المہد کا کچھ ذکر نہیں کیا البتہ یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں یہود کے سامنے انہوں نے ایسی حکیمانہ دلائل و براہین بیان فرمائیں کہ تمام علماء عاجز ومبہوت رہ گئے اور سامعین عش عش کرنے لگے۔

روح القدس اس سے تعلق اور اثرات:

یوں تو "روح القدس" سے حسب مراتب سب انبیاء علیہم السلام بلکہ بعض مومنین کی بھی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کا وجود ہی "نفخہ جبریلیہ" سے ہوا، کوئی خاص قسم کی فطری مناسبت اور تائید حاصل ہے جسے تفضیل انبیاء کے صدد میں بیان فرمایا گیا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

(بقرہ، رکوع ۳۳) "روح القدس" کی مثال "عالم ارواح" میں ایسی سمجھو جیسے عالم مادیات میں قوت کہربائیہ (بجلی) کا خزانہ، جس وقت اس خزانہ کا مدیر معین اصول کے موافق کرنٹ چھوڑتا اور جن اشیاء میں بجلی کا اثر پہنچاتا ہے، ان کا کنکشن درست کر دیتا ہے تو فوراً خاموش اور ساکن مشینیں بڑے زور سے گھومنے لگتی ہیں۔ اگر کسی مریض پر بجلی کا عمل کیا گیا تو مشلول اعضاء اور بے حس ہو جانے والے اعصاب میں بجلی کے پہنچنے سے حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے بیمار کے حلقوم میں جس کی زبان بالکل بند ہوگئی ہو قوت کہربائیہ کے پہنچانے سے قوت گویائی واپس کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض غالی ڈاکٹروں نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ ہر قسم کی بیماری کا علاج قوت کہربائیہ سے کیا جا سکتا ہے (دائرۃ المعارف فرید وجدی) جب اس

معمولی مادی کہربائیہ کا حال یہ ہے تو اندازہ کرلو کہ ''عالم ارواح'' کی کہربائیہ میں جس کا خزانہ روح القدس ہے کیا کچھ طاقت ہوگی، حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعلق روح القدس سے کسی ایسی خاص نوعیت اور اصول کے ماتحت رکھا ہے جس کا اثر کھلے ہوئے غلبہ روحیت، تجرد اور مخصوص آثار حیات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کا ''روح اللہ'' سے ملقب ہونا، بچپن، جوانی اور کہولت میں یکساں کلام کرنا، خدا کے حکم سے افاضۂ حیات کے قابل کالبد خاکی تیار کرلینا، اس میں باذن اللہ روح حیات پھونکنا مایوس العلاج مریضوں کی حیات کو باذن اللہ بدون توسط اسباب عادیہ کے کارآمد اور بے عیب بنا دینا، حتیٰ کہ مردہ لاشہ میں باذن اللہ دوبارہ روح حیات کو واپس لے آنا، بنی اسرائیل کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر آپ کا آسمان پر اٹھالیا جانا، اور آپ کی حیات طیبہ پر اس قدر طول عمر کا کوئی اثر نہ ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آثار اسی تعلق خصوصی سے پیدا ہوئے ہیں جو رب العزت نے کسی مخصوص نوعیت واصول سے آپ کے اور روح القدس کے مابین قائم فرمایا ہے ہر پیغمبر کے ساتھ کچھ امتیازی معاملات خدا تعالیٰ کے ہوتے ہیں، ان کے علل واسرار کا احاطہ اسی علام الغیوب کو ہے ان ہی امتیازات کو علماء کی اصطلاح میں ''فضائل جزئیہ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ایسی چیزوں سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ الوہیت ثابت ہو وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ میں خلق کا لفظ محض صوری اور حسی لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ خالق حقیقی ''احسن الخالقین'' کے سوا کوئی نہیں۔ اسی لئے 'باذنی' کا بار بار اعادہ کیا گیا اور ''آل عمران'' میں حضرت مسیح کی زبان سے باذن اللہ کی تکرار کرائی گئی۔ بہر حال جو خوارق ان آیات میں اور ان سے پہلے ''آل عمران'' میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہوئے ہیں ان کا انکار یا تحریف صرف اسی ملحد کا کام ہوسکتا ہے جو ''آیات اللہ'' کو اپنی عقل شخصی کے تابع کرنا چاہے۔ باقی جو لوگ قانون قدرت کا نام لے کر ''معجزات وخوارق'' کا انکار کرنا چاہتے ہیں، ان کا جواب ہم نے ایک مستقل مضمون میں دیا ہے اس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عیسیٰ علیہ السلام جب یہ چاہتے کہ کوئی مردہ زندہ ہوجائے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور خدا سے دعا مانگتے اس کے بعد وہ مردہ زندہ ہوجاتا اس حالت کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ مردہ دراصل حق تعالیٰ کی قدرت اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء کی برکت سے زندہ ہوا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مرزا قادیانی کے ہفوات:

مرزا غلام احمد قادیانی نے سرسید علی گڑھی کی تقلید میں ان معجزات کا انکار کیا اور اس پر اضافہ یہ کیا کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور عیسائیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننا ہے پس مرزائے قادیان۔ خدا تعالیٰ کی ان آیات کا منکر ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کیے ہیں۔

مرزائے قادیان اُن کو شرک کی تعلیم قرار دیتا ہے قادیان کے اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ معجزات سے کسی کی خدائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ معجزات نبوت ورسالت کی دلیل ہوتے ہیں ان سے نبوت ورسالت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں حضرت مسیح کے معجزات کے ذکر کرنے سے یہود کا رد مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ کی نبوت ورسالت کے منکر تھے۔ مرزائے قادیان کہتا ہے کہ وہ احیاء موتی نہ تھا بلکہ قریب الموت مردہ کو مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے حرکت دیدیتے تھے۔

مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے اذناب یہ کہتے ہیں کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی مگر وہ اس سولی سے مرے نہیں بلکہ بے ہوش ہوئے اس لئے یہود نے ان کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کردیا مگر چونکہ وہ مرے نہ تھے اور صرف بے ہوش ہوگئے تھے اس لئے قبر سے زندہ نکل آئے اور چھپ کر ملک شام سے کشمیر پہنچ گئے اور وہاں جا کر اپنے زخموں کا علاج کرایا اور اچھے ہوگئے اور زندگی پوری کر کے اپنی موت سے مرے اور کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خان یار میں دفن ہوئے۔ یہ سب ہذیان ہے اور یہود سے بڑھ کر حضرت مسیح پر بہتان ہے کیونکہ یہود جو قتل اور صلیب کے مدعی ہیں اس کا ظاہر کچھ نہ کچھ منشا تو بیان کرتے ہیں اور مسیلمۂ قادیان کے پاس تو سوائے جھوٹ اور بہتان کے کوئی دلیل نہیں۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ
اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
انکے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾
اور کچھ نہیں یہ تو جادو ہے صریح

یہودیوں کی غلط فہمی اور ناکامی:

معجزات اور فوق العادت تصرفات کو جادو کہنے لگے اور انجام کار حضرت مسیح کے قتل کے درپے ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اس طرح یہود کو ان کے ناپاک

مقصد میں کامیاب ہونے سے روک دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ

اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ

وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى

ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی

ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

مریم کے بیٹے تیرا رب کرسکتا ہے

''کرسکتا ہے'' اس لئے کہا کہ آپ کی رعایت اور دعا سے ہمارے لئے بطور ''خرق عادت'' نہ معلوم ایسا کرے یا نہ کرے۔

اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

کہ اتارے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے

یعنی آسمان کی طرف سے بے محنت روزی پہنچ جایا کرے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خوان جنت ہی کا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

طاقت رکھنے کا مطلب:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا حواری اللہ (کے مرتبہ) سے خوب واقف تھے یستطیع ربک ان تدعوہ (کیا آپ کا رب طاقت رکھتا ہے کہ آپ اس سے دعا کردیں اور وہ دعا پوری کرسکے) کہنے سے بہت بعید تھے۔ رواہ ابن ابی شیبہ وابوالشیخ وغیرہما۔ (حضرت عائشہؓ کی قرأت میں تستطیع ربک آیا ہے یستطیع ربک نہیں آیا یعنی استطاعت کا مخاطب حضرت عیسیٰؑ ہیں استطاعت کا فاعل اللہ نہیں ہے اس لئے آپ نے اس قرأت کی تغلیط کی جس میں یستطیع آیا ہے اور استطاعت کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے) بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ استطاعت سے مراد ہے حکمت وارادہ کا تقاضا ہوسکنا۔ قدرت رکھنے کا مفہوم مراد نہیں ہے اللہ کی قدرت میں تو حواریوں کو شک نہیں تھا، مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی حکمت وارادہ بھی ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے) جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کیا آپ میرے ساتھ اٹھ کر بازار کو جاسکتے ہیں (اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ آپ میں اٹھ کر جانے کی طاقت بھی ہے یا نہیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اٹھ کر چلنے کو مناسب سمجھتے ہیں یا نہیں) (مظہری)

قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

ایماندار ہونے کا تقاضا:

یعنی ایماندار بندہ کو لائق نہیں کہ ایسی غیر معمولی فرمائشیں کرکے خدا کو آزمائے خواہ اس کی طرف سے کتنی ہی مہربانی کا اظہار ہو، روزی ان ہی ذرائع سے طلب کرنا چاہئے جو قدرت نے اس کی تحصیل کے لئے مقرر فرمادیئے ہیں۔ بندہ جب خدا سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرے اور اسی پر ایمان واعتماد رکھے تو حق تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کو رزق پہنچائے گا جہاں سے وہم گمان بھی نہ ہوگا۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ الخ (طلاق، رکوع ۱ تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ

بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور مطمئن ہو

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ

جاویں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے

عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

ہم سے سچ کہا اور رہیں ہم اس پر گواہ

یہودیوں کے مطالبوں کی وضاحت:

یعنی آزمانے کو نہیں مانگتے، بلکہ برکت کی امید پر مانگتے ہیں کہ غیب سے بے محنت روزی ملتی رہے تاکہ اطمینان قلب اور دلجمعی سے عبادت میں لگے رہیں۔ اور آپ نے جو غیبی خبریں نعمائے جنت وغیرہ کے متعلق دی ہیں، ایک چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر ان کا بھی یقین کامل ہوجائے۔ اور ایک عینی شاہد کے طور پر ہم اس کی گواہی دیں جس سے یہ معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے وعدہ فرمایا تھا کہ تم خدا کے لئے تیس دن کے روزے رکھ کر جو کچھ طلب کروگے وہ دیا جائے گا حواریین نے روزے رکھ لئے اور مائدہ طلب کیا۔ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا
کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا
خوان بھرا ہوا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور
لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا
پچھلوں کے واسطے

آسمان سے خوان اترنے کا دن:

یعنی وہ دن جس میں مائدہ آسمانی نازل ہو، ہمارے اگلے پچھلے لوگوں کے حق میں عید ہو جائے کہ ہمیشہ ہماری قوم اس دن کو بطور یادگار تہوار منایا کرے۔ اس تقریر کے موافق تکون لنا عیداً کا اطلاق ایسا ہوا جیسا کہ آیۃ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے متعلق بخاری میں یہود کا یہ مقولہ نقل کیا ہے انکم تقرؤن اٰیۃ لونزلت فینا لاتخذ ناھاعیداً جس طرح آیۃ کو عید بنانے کا مطلب اس کے یوم نزول کو عید بنانا ہے (کما ہو مصرح فی الروایات الاخر) اسی پر مائدہ کے عید ہونے کو بھی قیاس کر لو کہتے ہیں کہ وہ خوان اترا اتوار کو جو نصاریٰ کے یہاں ہفتہ کی عید ہے جیسے مسلمانوں کے یہاں جمعہ۔ (تفسیر عثمانی)

دستر خوان کے کھانے:

ترمذی کی حدیث میں عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا، اس میں روٹی اور گوشت تھا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی بعض نے) خیانت کی، اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھا، پس بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے۔ (نعوذ باللہ من غضب اللہ)

اور اس حدیث میں ان کی یہ غرض بھی مذکور ہے، البتہ آگے کے لئے رکھ لینا ممنوع تھا۔ (بیان القرآن) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

مائدہ بروزن فاعلہ مادیمید سے اسم فاعل کا صیغہ ہے مید دینا اور کھانا کھلانا گویا خوان بھی کھانا دینے والا ہوتا ہے اس لئے اس کو مائدہ کہا جاتا ہے۔ مجازاً کھانا جو خوان پر ہوتا ہے اس کو بھی مائدہ کہہ لیا جاتا ہے۔ جیسے بہنے کی نسبت نہر کی طرف مجازاً کی جاتی ہے۔ (مظہری)

تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا: جو ہمارے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے۔

لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا: یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے۔ سدی نے کہا یعنی ہمارے زمانہ والوں کے لئے اور آئندہ لوگوں کے لئے خوشی کا دن ہو جائے ہم اس کو تہوار کا دن بنالیں جو خوشی غم کے بعد لوٹے اس کو سرور کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں آدمی رنج سے خوشی کی طرف لوٹتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ وہ اتوار کا دن تھا اسی لئے عیسائیوں نے اتوار کا دن تہوار کا دن مقرر کر رکھا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا عید کا معنی ہے عائدہ یعنی اللہ کی طرف سے حجت اور برہان۔

لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا: لنا سے بدل ہے اول سے مراد ہیں اہل زمانہ اور آخرنا سے مراد ہیں مستقبل میں آنے والے لوگ جو مذہب عیسوی پر ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا سے یہ مراد ہے کہ) اس میں سے جس طرح پہلے لوگ کھائیں اسی طرح آخری لوگ بھی کھائیں (یعنی خوان بابرکت ہو جو سب کے لئے کافی ہو اور اول سے آخر تک سب لوگ اس میں سے کھائیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَ اٰيَةً مِّنْكَ
اور نشانی ہو تیری طرف سے

یعنی تیری قدرت کی اور میری نبوت و صداقت کی نشانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
اور روزی دے ہمکو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا

یعنی بدون تعب وکسب کے روزی عطا فرمائے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے اور کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ
کہا اللہ نے میں بیشک اتاروں گا وہ خوان تم پر پھر جو کوئی تم میں
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗ اَحَدًا
ناشکری کریگا اس کے بعد تو میں اس کو وہ عذاب دونگا جو کسی کو نہ
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
دوں گا جہان میں

نرالی نعمت کا غیر معمولی شکریہ:

جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی تو اس کی شکر گذاری کی تاکید بھی معمول سے بہت بڑھ کر ہونی چاہئے۔ اور ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔ موضح القرآن میں ہے "بعضے کہتے ہیں وہ خوان اترا

چالیس روز تک پھر بعضوں نے ناشکری کی۔ یعنی حکم ہوا تھا کہ فقیر اور مریض کھاویں۔ مخلوط اور چنگے بھی کھانے لگے۔ پھر قریب اسی آدمی کے سور اور بندر ہو گئے۔ یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا۔ پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ نہیں اترا۔ یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے، نہ مانگا لیکن پیغمبر کی دعاء عبث نہیں اور اس کلام میں نقل کرنا بے حکمت نہیں۔ شاید اس دعاء کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی امت میں آسودگی مال ہمیشہ رہی اور جو کوئی ان میں ناشکری کرے یعنی دل کے اطمینان سے عبادت میں نہ لگے بلکہ گناہ میں خرچ کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا ''خرق عادت'' کی راہ سے نہ چاہے کہ پھر اس کی شکر گذاری بہت مشکل ہے۔ اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔ (تفسیر عثمانی)

مائدہ کا قصہ:

یہاں مائدہ کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے اسی لئے اس سورہ کا نام سورۂ مائدہ رکھا گیا۔ اس میں بھی اللہ پاک نے اپنے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ پر احسان کا اظہار فرمایا ہے۔ یعنی نزولِ مائدہ کی دُعا قبول کی گئی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کا ایک زبردست معجزہ اور حجت قاطعہ ہے۔

حواریوں نے کہا کہ ہم غذاء کے محتاج ہو گئے ہیں ہمیں کھانے کے لئے چاہئے اور جب ہم آسمان سے اترتا ہوا مائدہ دیکھیں گے تو ہم کو پورا اطمینان ہو جائے گا اور تم پر ایمان بڑھ جائے گا اور تمہارے رسول ہونے کا کامل یقین ہو جائے گا اور ہم خود اس کے گواہ بن جائیں گے کہ یہ اللہ طرف کی ایک نشانی ہے اور عیسیٰ کی نبوت اور سچائی کی دلیلِ واضح ہے۔ تو حضرت عیسیٰ نے دُعا مانگی کہ ''اے رب! آسمان سے ہم پر ایک مائدہ اُتار!

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ کیا تم تیس دن تک کے روزے رکھو گے، پھر خدائے تعالیٰ سے نزول مائدہ کا سوال کرو گے تا کہ وہ تمہاری درخواست قبول کرے۔ کیونکہ اجر اسی کو ملتا ہے جس نے خود بھی عمل کیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، تیس دن روزے رکھے اور پھر کہا کہ اے خیر کی تعلیم دینے والے عیسیٰ! تم نے کہا تھا کہ عمل کرنے والوں کو اس کا اجر ضرور ملتا ہے تم نے ہمیں تیس دن روزے رکھنے کے لئے کہا اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ تیس دن ہم کسی کی نوکری کرتے ہیں تو وہ ہم کو روزی یا تنخواہ دیتا ہے تو اب کیا تمہارا خدا ہم پر مائدہ اُتارے گا؟

شدید عذاب والے:

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے کہ قیامت کے روز شدید ترین عذاب جن پر ہوگا وہ یہ تین ہیں: منافق لوگ، مائدہ اُترنے کے بعد بھی جنہوں نے کفر کیا، اور فرعون کی امت۔

سات روٹیاں سات مچھلیاں:

اسحٰق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ لوگوں نے کھایا اور کل کے لئے بھی اٹھا رکھا۔ چنانچہ مائدہ کا آنا بند ہو گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کی دُعاء:

اور جب عیسیٰ نے دیکھا کہ خدا سے دُعا کئے بغیر چارہ نہیں تو اپنا جبہ اتار دیا اور کالے بالوں کا کرتا اور جُبہ پہن لیا کمبل اوڑھ لی، وضو اور غسل کر کے صومعہ گئے۔ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو گئے۔ اپنے قدم جوڑ لئے ٹخنہ سے ٹخنہ ملا لیا۔ انگلیاں سیدھی رکھ لیں۔ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لیا، سر جھکا لیا اور نظریں نیچی کر لیں۔ رُخساروں پر سے آنسو بہتے ہوئے ڈاڑھی پر سے ہوتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ رہے تھے۔ اب ایک سُرخ خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اُترنا شروع ہوا۔ لوگ اُسے اوپر سے گرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ خدا سے دعا مانگ ہی رہے تھے کہ خوان ان کے حواریوں کے سامنے آ کر ٹک گیا اور اس میں ایسی خوشبو پھوٹ پڑی کہ کبھی ایسی خوشبو سونگھنے میں نہ آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ اور اُن کے حواریین سجدۂ شکر میں گر پڑے۔

ہم میں سے جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ مطمئن ہے اور امتحانِ خداوندی میں سب سے زیادہ نڈر ہے وہ رومال ہٹائے تا کہ ہم خدا کے رزق کو دیکھیں اور اس کا نام لے کر کھانے لگیں۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ سے بڑھ کر اس کا حقدار کون ہے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ اٹھے تازہ وضو کیا، مسجد آئے نماز پڑھی، کچھ دیر تک روتے رہے اور خدا سے دعا کی کہ مائدے کو کھولنے کی اجازت دے اور اس میں قوم کے لئے برکت و رزق عطا فرما۔ اب خوان کے پاس جا کر رومال ہٹا دیا۔ دیکھا کہ اس میں ایک بڑی تلی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی ہے جس کے پوست پر نہ فلوس ہیں اور نہ گوشت میں کوئی کانٹا ہے۔ روغن اس میں سے بہہ رہا ہے اس میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں سوائے مولی کے اس کے سر کی طرف سرکہ ہے اور دُم کی طرف نمک ہے۔ سبزیوں کے اطراف پانچ روٹیاں ہیں جن میں سے

ایک پر روغن زیتون ہے اور دوسری کھجوریں ہیں اور پانچ انار ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ ورحمت پسند فرمائی:

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنادو تو ہم تم پر ایمان لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایمان لاؤ گے؟ کہا ہاں۔ اتنے میں جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تم چاہو تو صبح تک کوہِ صفا سونا ہو جائے لیکن اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائیں گے تو بدترین عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم یہ چاہو کہ میں ان کی توبہ قبول کرلوں اور ان پر رحمت کروں تو ویسا سہی۔ آپ نے فرمایا اے پروردگار تیری توبہ اور رحمت چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

حضرت عیسیٰؑ کی ناگواری:

ابن ابی حاتم نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابوالشیخ نے العظمۃ میں اور ابوبکر شافعی نے الغیلانیات میں حضرت سلمان فارسی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے نزولِ مائدہ کی درخواست کی تو آپ کو سخت ناگوار ہوا اور آپ نے فرمایا اللہ نے زمین میں جو کچھ عطا فرمادیا ہے اسی پر قناعت کرو۔ مائدہ کی درخواست نہ کرو کیونکہ مائدہ اگر نازل ہو گیا تو اللہ کی طرف سے وہ ایک نشان ہوگا اور ثمود نے جب اپنے پیغمبر سے نشانی طلب کی تھی تو وہ تباہ ہوگئی اور اسی نشانی سے ان کی جانچ کی گئی (جس کی وجہ سے ان پر عذاب آگیا)

خوان اترنے کی کیفیت:

جب حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی تو ایک سرخ رنگ کا خوان لوگوں کی نظروں کے سامنے اوپر سے اترنے لگا ابر کا ایک ٹکڑا خوان سے اوپر تھا اور ایک نیچے۔ خوان آکر لوگوں کے سامنے گر پڑا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عیسیٰؑ رونے لگے اور عرض کیا یا اللہ مجھے شکرگزاروں میں سے کردے اور اس کو رحمت بنادے عذاب نہ بنانا۔ یہودی بھی ایسی چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کی نظیر انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی اور خوان میں سے نکلتی ہوئی ایسی خوشبو محسوس کر رہے تھے جس کی مثل کبھی کوئی خوشبو نہیں پائی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تم میں سے جو سب سے زیادہ نیک اعمال ہو وہ کھڑا ہو اور بسم اللہ کہہ کے اس کا سرپوش کھولے حواریوں کے سردار شمعون صفار نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ہی اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کھڑے ہوئے اور وضو کر کے ایک لمبی نماز پڑھی اور خوب روئے پھر بسم اللہ کہہ کر سرپوش ہٹایا اور فرمایا بسم اللہ خیر الرازقین۔ خوان میں ایک بریاں مچھلی تھی جس پر کوئی سنا تھا نہ کانٹا۔ مچھلی سے روغن بہہ رہا تھا، اس کے سر کی طرف نمک رکھا تھا اور دم کے پاس سرکہ، اور چاروں طرف رنگارنگ کی ترکاریاں رکھی تھیں۔ لیکن گندنا نہ تھا پانچ روٹیاں بھی تھیں ایک پر زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر گوشت کے ٹکڑے رکھے تھے۔ شمعون نے عرض کیا یا روح اللہ! کیا یہ دنیوی کھانا ہے یا اخروی فرمایا تمہارے سامنے جو کھانا ہے وہ نہ دنیوی کھانے کی نوع کا ہے نہ آخرت کے کھانے کی قسم کا (بلکہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو تیار کیا ہے) تم نے مانگا تھا اب اس کو کھاؤ، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور اپنے فضل سے تم کو مزید عطا فرمائے گا حواریوں نے عرض کیا یا روح اللہ آپ ہی سب سے پہلے کھانا شروع کیجئے۔ فرمایا میں اس کو کھانے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جس نے اس کی درخواست کی تھی وہی کھائے یہ سن کر حواریوں کو کھانے سے ڈر لگا (اس لئے کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالا) حضرت عیسیٰؑ نے کھانے کے لئے فاقہ زدہ فقیروں بیماروں کوڑھ اور برص والوں اور لنگڑے لولے اپاہجوں کو بلوایا اور فرمایا اللہ کا بھیجا ہوا رزق کھاؤ یہ تمہارے لئے مبارک ہے اور دوسروں کے لئے مصیبت۔ چنانچہ سب نے کھایا ایک ہزار تین سو نادار بیمار اپاہج اور دکھی مردوں اور عورتوں نے شکم سیر ہو کر کھایا لیکن مچھلی اترنے کے وقت جیسی تھی ویسی ہی رہی اس کے بعد خوان اٹھ گیا اور لوگوں کی نظروں کے سامنے اوپر چڑھتا چلا گیا آخر نگاہ سے غائب ہو گیا جس بیمار اور اپاہج نے اس میں سے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور جس فقیر نے کھایا غنی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر نہ کھانے والوں کو پشیمانی ہوئی خوان اترنے کا یہ سلسلہ چالیس روز تک چاشت کے وقت قائم رہا مالدار نادار بڑے چھوٹے مرد عورت سب ہی خوان کے نزول کے وقت جمع ہو جاتے تو خوان سب کی نظروں کے سامنے رکھا ہوتا اور لوگ کھاتے جب سب کھا کر لوٹ جاتے تو خوان سب کی نظروں کے سامنے اٹھ جاتا اور چڑھتا جاتا آخر نظروں سے چھپ جاتا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ) ثمود کی اونٹنی کی طرح خوان بھی ایک دن بیچ آتا، ایک دن ناغہ ایک دن آمد، پھر اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میں اپنا خوان اور رزق صرف فقراء کے لئے مقرر کرتا ہوں مالداروں کے لئے اس میں کچھ نہیں ہے یہ حکم مالداروں کو بہت کھلا کہ خود بھی شک میں پڑ گئے اور دوسروں کے دلوں میں بھی شک پیدا کرنے لگے اور کہنے لگے دیکھو تو کیا یہ خوان واقعی آسمان سے اترتا ہے (اگر ایسا ہے تو اس میں ناداروں اور مالداروں کی تفریق کیوں ہے) اللہ نے عیسیٰؑ کے

پاس وحی بھیجی اور فرمایا میں نے شرط لگا دی تھی کہ خوان نازل ہونے کے بعد جو کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی کو نہ دوں گا (اب انہوں نے کفر کیا ہے اسلئے عذاب کے مستحق ہوگئے)

کفر کرنے والوں پر عذاب:

حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا حق ہے) اور اگر معاف کر دے تو یقیناً بلا شبہ تو ہی غالب اور دانا ہے (مغفرت کر سکتا ہے اور مغفرت کی مصلحت سے بھی واقف ہے) الغرض ان میں سے ۳۳۳ آدمیوں کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ رات کو بیویوں کے ساتھ (بھلے چنگے) سوئے اور صبح کو سوروں کی شکل میں اٹھے اور راستوں اور کوڑا گھروں میں مارے مارے پھرنے اور کوڑے کے اندر گندگی کھانے لگے لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو گھبرا کر حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روئے۔ سوروں نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا تو آپ کے گرداگرد گھومنے اور رونے لگے حضرت عیسیٰؑ ان کے نام لے کر پکارتے تھے اور دوسروں سے اشارہ کرتے اور روتے تھے بات نہیں کر سکتے تھے اس حالت میں تین روز زندہ رہے پھر سب مر گئے۔

خوان کے ساتھ شرط:

بغوی نے لکھا ہے کہ خلاص بن عمرو نے حضرت عمار ابن یاسر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوان اترا تو اس میں گوشت اور روٹی تھی اور بنی اسرائیل سے کہہ دیا گیا تھا کہ یہ مائدہ تمہارے لئے قائم رہے گا۔ جب تک تم اس میں خیانت نہ کرو گے اور چھپا کر نہ رکھو گے لیکن وہ دن بھی نہیں گذرا کہ انہوں نے خیانت کی اور (کچھ جنس) چھپا کر رکھ لی۔ آخر بندروں اور سوروں جیسی شکل ان کی کر دی گئی۔

خوان سے پہلے روزے:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا تمیں روزے رکھو پھر جو کچھ چاہو اللہ سے مانگو وہ تم کو عنایت فرمائے گا۔ حسب الحکم لوگوں نے روزے رکھے اور روزوں سے فراغت کے بعد عرض کیا اگر ہم کسی کا کام کرتے ہیں اور کام پورا کر دیتے ہیں تو وہ ہم کو کھانا دیتا ہے (اب اللہ کے لئے ہم نے روزے رکھے ہیں اور اللہ سے کھانا مانگتے ہیں) چنانچہ انہوں نے خوان اترنے کی درخواست کی، (دعاء قبول ہوئی) ملائکہ ایک خوان اٹھائے ہوئے آئے خوان پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں لوگوں کے سامنے لا کر اس کو رکھ دیا۔ اوّل سے آخر تک سب لوگوں نے اس کو کھایا (اور جس طرح کھانا شروع کرنے کے وقت تھا ویسا ہی آخر آدمی کے کھانے کے بعد رہا)

نزولِ مائدہ کے بارے میں علماء کا اختلاف رائے:

قتادہ کا قول ہے کہ جہاں کہیں بنی اسرائیل ہوتے تھے خوان وہیں صبح شام من وسلویٰ کی طرح اترتا تھا، نزول مائدہ کے متعلق اکثر علماء کے یہ مختلف اقوال تھے جو ذکر کر دیئے گئے، مجاہد اور حسن نزول مائدہ کی نفی کے قائل تھے ان کا خیال تھا کہ جب ان کو تنبیہ کی گئی کہ نزول مائدہ کے بعد اگر کفر کرو گے تو سنگین ترین عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے تو بنی اسرائیل کو اندیشہ ہو گیا کہ کہیں کوئی کفر کرنے لگے (اور عذاب سب پر پڑے) اس لئے انہوں نے معافی طلب کی اور عرض کیا ہم مائدہ کے طلب گار نہیں۔ واپسی درخواست کے بعد مائدہ نازل نہیں ہوا۔ رہ گیا لفظ انی منزلها (جو نازل ہونے پر دلالت کر رہا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تنبیہ کے بعد بھی اگر تم نزول مائدہ کے طلب گار ہو گے تو اللہ ضرور نازل فرما دے گا۔ صحیح قول وہی ہے جو اکثر علماء کا مختار ہے کہ مائدہ نازل ہوا کیونکہ اللہ نے پہلے سے خبر دیدی تھی کہ میں ضرور نازل کروں گا اور اللہ کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ پھر نزول مائدہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال بکثرت آئے ہیں جن کو (معنوی طور پر) متواتر کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ
اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو
لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کہ ٹھہرالو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے

قیامت میں حضرت عیسیٰؑ سے الوہیت کے بارے میں سوال:

پچھلا رکوع حقیقت میں اس رکوع کی تمہید تھی۔ پچھلے رکوع کی ابتداء میں يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ الخ فرما کر آگاہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمام مرسلین سے ان کی امتوں کے مواجہ میں علی رؤس الاشہاد سوال و جواب ہونگے پھر ان میں سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو کروڑوں آدمیوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے کہ ان سے بالخصوص اس عقیدۂ باطلہ کی نسبت دریافت کیا جائے گا لیکن اول وہ عظیم الشان احسانات اور ممتاز انعامات یاد دلائیں گے جو ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ پر فائض

ہوئے۔ بعدہٗ ارشاد ہوگا، ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ (کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود مانو) حضرت مسیح علیہ السلام اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور وہ عرض کریں گے جو آگے آتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہوگا ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ "ہذا" کا اشارہ اسی یوم کی طرف ہے جو یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ میں مذکور تھا۔ بہر حال یہ سب واقعہ روز قیامت کا ہے جسے متیقن الوقوع ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث میں بصیغہ ماضی (قال) تعبیر فرمایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ: کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو۔ مریم کی جگہ امی کا لفظ اس امر پر سرزنش کر رہا ہے کہ تو پیدا شدہ ہے اور مریم تیری والدہ ہے پھر الوہیت کے دعوے کا کیا جواز ہوسکتا ہے الٰہ کو تو توالد اور تماثل سے پاک ہونا چاہئے۔

ترکیب نحوی:

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ: اللہ کے علاوہ یہ الٰھین کی صفت ہے یعنی اللہ کے علاوہ دو معبود یا اتخذوا کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

نکتہ: لفظ دون مغایرت پر دلالت کرتا ہے اس لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دوسروں کی عبادت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا عبادت نہ کرنے کی طرح ہے جو شخص اللہ کی عبادت کے ساتھ عیسیٰؑ اور مریم کی بھی عبادت کرتا ہے وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ دون کا معنی کم بھی ہو سکتا ہے یعنی مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ مگر اللہ کی معبودیت سے کم درجہ کا۔ اس مطلب کی وجہ یہ ہے کہ عیسائی عیسیٰؑ اور مریمؑ کو مستقل معبود تو جانتے نہیں ہیں بلکہ ان کی پرستش کو عبادت الٰہی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

اس سوال پر حضرت عیسیٰؑ کی حالت:

ابوروق نے کہا عیسیٰؑ یہ کلام سن کر لرز جائیں گے ان کا جوڑ جوڑ کانپ جائے گا اور ہر بُن مُو سے خون پھوٹ نکلے گا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ

کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق

لِیْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ

نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو

مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ

میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب:

یعنی میں ایسی گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ الوہیت وغیرہ میں کسی کو اس کا شریک کیا جائے۔ اور جس کو آپ پیغمبری کا منصب جلیل عطا فرمائیں۔ اس کی یہ شان نہیں کہ کوئی ناحق بات منہ سے نکالے۔ پس آپ کی سبوحیت اور میری عصمت دونوں کا اقتضاء یہ ہے کہ میں ایسی ناپاک بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔ اور سب دلائل کو چھوڑ کر آخری بات یہ ہے کہ آپ کے "علم محیط" سے کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی۔ اگر فی الواقع میں ایسا کہتا تو آپ کے علم میں ضرور موجود ہوتا۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میں نے خفیہ یا علانیہ کوئی ایسا حرف منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ میرے دل میں اس طرح کے گندے خیال کا خطور بھی نہیں ہوا۔ آپ سے میرے یا کسی کے دل کے چھپے ہوئے ہوا جس وخواطر بھی پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ پر خصوصی مہربانی:

حذیفہ بنؓ الیمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن دیر سے تشریف لائے اور پھر سجدے میں گر پڑے اور اتنی دیر کی کہ گویا روح ہی پرواز ہوگئی ہو۔ پھر آپ نے جب سر اٹھایا تو فرمایا کہ میرے رب نے امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو میں نے کہا اے رب! یہ تو تیرے ہی بندے اور تیری مخلوق ہیں دوسری بار پوچھا۔ پھر بھی میں نے یہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد میں امت کے بارے میں تم کو رسوا نہ کروں گا۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ: عرض کریں گے تو پاک ہے یعنی میں تیری پاکی کا اعتراف کرتا ہوں ہر طرح کے شرک سے یا میں تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں کہ تو حقیقت واقعہ جاننے کے لئے سوال اور جواب کا ضرورت مند ہو (حقیقت سے تو خود ہی واقف ہے تجھے مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں)

مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ: میرے لئے سزاوار نہ تھا کہ جس چیز کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا وہ بات کہتا۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ: اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھے اس کا علم ضرور ہوتا یعنی مجھے عذر پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھے علم ہوتا اور تو واقف ہے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ: جو میرے نفس میں ہے اس کو تو

جانتا ہے اور جو تیری ذات میں ہے اس کو میں نہیں جانتا یعنی میرے دل میں جو مخفی خیالات ہیں ان سے تو واقف ہے اور تیری پوشیدہ معلومات سے میں ناواقف ہوں۔ فی نفسک میں نفس سے ذات مراد ہے پہلے لفظ نفس کی مناسبت کی وجہ سے دوسری جگہ بھی لفظ نفس ہی استعمال کیا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا
میں نے کچھ نہیں کہا ان کو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو
اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ
اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا

میں نے توحید کی دعوت دی:

میں نے آپ کے حکم سے سر مو تجاوز نہیں کیا۔ اپنی الوہیت کی تعلیم تو کیسے دے سکتا تھا اس کے بالمقابل میں نے ان کو صرف تیری بندگی کی طرف بلایا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ میرا اور تمہارا سب کا رب (پروردگار) وہ ہی ایک خدا ہے جو تنہا عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ آج بھی بائبل میں صریح نصوص اس مضمون کی بکثرت موجود ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا
اور میں ان سے خبردار تھا جب تک
تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ
ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا
وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾
ان کی اور تو ہر چیز سے خبردار ہے

میں نے ان کی نگرانی کی:

نہ صرف یہ کہ میں نے مخلوق کو تیری توحید اور عبودیت کی طرف دعوت دی، بلکہ جب تک ان کے اندر قیام پذیر رہا، برابر ان کے احوال کی نگرانی اور خبر گیری کرتا رہا کہ کوئی غلط عقیدہ یا بے موقع خیال قائم نہ کر لیں البتہ ان میں قیام کرنے کی جو مدت آپ کے علم میں مقدر تھی، جب وہ پوری کر کے آپ نے مجھ کو ان میں سے اٹھا لیا (کما یظهر من مادة التوفی و مقابلة مادمت فیھم) تو پھر صرف آپ ہی ان کے احوال کے نگراں اور خبردار ہو سکتے تھے، میں اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

ترجمہ کی لطافت:

(تنبیہ) حضرت مسیح علیہ السلام کی موت "یا رفع الی السماء" وغیرہ کی بحث "آل عمران" میں زیر فائدہ "إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ" ملاحظہ کیجئے مترجم محقق قدس سرہ نے یہاں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کا ترجمہ "تو نے مجھ کو اٹھا لیا" سے کیا یہ باعتبار محاورات "موت" اور "رفع الی السماء" دونوں پر صادق آ سکتا ہے۔ گویا متنبہ کر دیا کہ نہ لفظ "توفی" کے لئے موت لازم ہے اور نہ خاص توفی بصورت موت کو مضمون زیر بحث میں کسی قسم کا مدخل ہے۔

ایک حدیث اور اس کی تشریح:

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کی نسبت میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح بندہ صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی "توفی" بھی بہمہ وجوہ یکساں اور ہمرنگ ہونی چاہئے، عربیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے مشرکین مکہ ایک درخت (ذات انماط) پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے بھی "ذات انماط" مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا "ھذا کما قال يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ" (یہ تو ایسا ہوا جیسے موسیٰ کی قوم نے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود تجویز کر دو جیسا ان بت پرستوں کا ہے) کیا کوئی مسلمان اس تشبیہ کو سن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ صحابہؓ نے معاذ اللہ بت پرستی کی درخواست کی تھی؟ اس طرح کی تشبیہات سے نصوص محکمہ اور اجماع امت کے مخالف عقائد پر تمسک کرنا صرف اسی جماعت کا حصہ ہو سکتا ہے جن کی نسبت یہ ارشاد ہوا

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ
فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ (تفسیر عثمانی)

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ
اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو
تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾
ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا

آپ قادر، غالب اور حکیم ہیں:

یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بے جا سختی نہیں کر سکتے اس لئے اگر

ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی از راہ عجز و سفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ عزیز (زبردست اور غالب) ہیں اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پاسکیں۔ اور چونکہ "حکیم" (حکمت والے) ہیں۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہرحال جو فیصلہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہوسکتی، اسی لئے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کردیا تو جوان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ انکو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے۔

امت محمدیہ کیلئے بشارت:

ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ قربان رات آپ نے نماز کے اندر قیام کی حالت میں قرآن کی ایک آیت (بار بار) اتنی پڑھی کہ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم اس پر غصہ کرتے فرمایا میں نے اپنی امت کے لئے دعا کی تھی۔ راوی نے پوچھا پھر کیا جواب ملا فرمایا مجھے ایسا جواب ملا کہ اگر اس کی اطلاع لوگوں کو ہو جائے تو بہت لوگ نماز چھوڑ دیں۔ راوی نے عرض کیا میں اس کی بشارت لوگوں کو نہ دیدوں فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ پیام آپ لوگوں کو بھیج دیں گے تو وہ عبادت کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دے کر راوی کو واپس بلا لیا اور یہ آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تلاوت فرمائی اسی کو (نماز میں بار بار) تلاوت فرمارہے تھے مسلم اور نسائی نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن کثیرؒ نے بروایت ابوذرؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے، اور وہ آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ہے، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہی آیت پڑھتے رہے، رکوع بھی اسی سے اور سجدے اسی سے کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، تو فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنے واسطے شفاعت کی درخواست کی تو مجھے عطا فرمائی، اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ملنے والی ہے، ایسے شخص کے واسطے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اللھم امتی یعنی میرے پاک پروردگار میری امت کی طرف نظر رحمت فرما، اور آپ رونے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ جبرئیل امین رونے کی وجہ دریافت فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو اپنے مذکورہ قول سے آگاہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ ہم عنقریب تیری امت کے بارے میں تم کو رضامند کردیں گے، اور تم کو ناخوش نہ کریں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ
فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کے ان کا سچ

جو لوگ اعتقاداً اور قولاً و عملاً سچے رہے ہیں (جیسے مسیح علیہ السلام) ان کی سچائی کا پھل آج ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

سچا آدمی:

حدیث میں علانیہ اور تنہائی میں اچھی طرح نماز پڑھنے والے کو سچا بندہ کہا گیا ہے، ارشاد ہے: "ان العبد اذا صلی فی العلانیة فاحسن وصلی فی السر فاحسن قال اللہ تعالی هذا عبدی حقا" (مشکوۃ) "یعنی جو آدمی علانیہ اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور وہ تنہائی میں بھی اسی طرح ادا کرتا ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرا سچ مچ بندہ ہے۔"

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ: یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنت ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بڑی نعمت یہ ہے کہ میں تم سے راضی ہوا اب کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ان کے لئے ہیں باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
کرینگے انہی میں ہمیشہ اللہ راضی ہوا ان سے

وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی کامیابی

رضاء الٰہی:

بڑی کامیابی حق تعالیٰ کی رضاء ہے اور جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضائے الٰہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز رب کریم جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا مانگو میں دینے پر آمادہ ہوں۔ لوگ اس کی رضا مندی مانگیں گے تو فرمائے گا کہ میری رضا مندی ہی نے تمہیں میرے گھر اتارا ہے۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ لوگ پھر اس کی رضا مندی مانگیں گے۔ فرمائے گا، گواہ رہو کہ سبحانہٗ تعالیٰ تم سے راضی ہے: ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یہ بڑی زبردست کامیابی ہے لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ: عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہئے۔ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ: کیونکہ محبت دونوں جانب سے ہوگی۔ صوفیہ نے یہی تشریح کی ہے لیکن عام اہل تفسیر نے توضیح مطلب اس طرح کی ہے کہ اللہ ان کی مخلصانہ کوشش کو پسند فرمائے گا یہ اللہ کی رضا مندی ہوگی اور اللہ کی طرف سے عطا کئے ہوئے کامل ثواب سے اہل جنت خوش ہونگے یہ ان کی رضا مندی ہوگی یعنی ایک طرف سے سعی مشکور ہوگی اور دوسری طرف سے جزاء موفور۔ (مظہری)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ
اللہ ہی کیلئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ
وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾
ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

یعنی ہر وفادار اور مجرم کے ساتھ وہ ہی معاملہ ہوگا جو ایک شہنشاہ مطلق کی عظمت وجلال کے مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ مائدہ الحمدللہ ختم ہوئی

سورۂ انعام

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ دین کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کو اچھا رزق ملے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اونٹنی دب گئی:

سورۂ انعام مکہ میں ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہوگئی۔ اس کو ستر ہزار فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے۔ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے اور سورۂ انعام اتر رہی تھی۔ میں ناقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باگ تھامے ہوئے تھی۔ وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسی دب گئی تھی کہ گویا اُس کی ہڈیاں ہی ٹوٹ جائیں گی۔ ملائکہ زمین وآسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ سورۂ انعام اترنے کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے افق تک گھیرے ہوئے تھے۔ فرشتوں کی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی گونج سے زمین وآسمان میں ہنگامہ تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ پوری سورۂ انعام ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی ہے اور ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح وتحمید کی گونج کے ساتھ اتری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین
وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾
رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں

خدا کے متعلق کافر قوموں کے تصورات:

مجوس دنیا کیلئے دو خالق مانتے ہیں ''یزدان'' جو خالق خیر ہے اور

''اہرمن'' جو خالق شر ہے۔ اور دونوں کو نور وظلمت سے ملقب کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود ادعائے توحید ''مادہ'' اور ''روح'' کو خدا کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں اور خدا کو اپنی صفت تکوین وتخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔ عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن وتناسب قائم رکھنے کے لئے آخر تین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسر بلکہ اس سے برتر ہوسکتا ہے۔ عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت واستعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کے برابر نہ بٹھایا ہو، حالانکہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد وثناء کی بلاشرکت غیرے مستحق ہے جس نے آسمان وزمین یعنی کل علویات و سفلیات کو پیدا کیا اور رات، دن، اندھیرا، اجالا، علم وجہل، ہدایت و ضلالت، موت وحیات، غرض متقابل کیفیات اور متضاد احوال ظاہر فرمائے اُسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہوسکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی، نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آسکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا مرتبہ دے دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ انعام کی ایک خصوصیت:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۃ انعام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ پوری سورت بجز چند آیات کے بیک وقت مکہ میں اس طرح نازل ہوئی ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آئے تھے۔ ائمہ تفسیر میں سے مجاہدؒ، کلبیؒ، قتادہؒ وغیرہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔

یہ سورۃ توحید کے تمام اصول وقواعد پر مشتمل ہے:

ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا کہ یہ سورت توحید کے تمام اصول وقواعد پر مشتمل ہے اس سورۃ کو کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کیا گیا، جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور مراد اس خبر سے لوگوں کو حمد کی تعلیم دینا ہے، اور تعلیم کے اس طرز خاص میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی کی حمد وتعریف کا محتاج نہیں، کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنے ذات کمال کے اعتبار سے خود بخود محمود ہے،

نور تعبیر ہے صحیح راہ اور صراط مستقیم سے اور وہ ایک ہی ہے، اور ظلمت تعبیر ہے غلط راستہ کی، اور وہ ہزاروں ہیں۔ (مظہری وبحر محیط) معارف القرآن جلد سوم

آسمان وزمین کی تخلیق خدا کی حمد کی دلیل ہے:

اللہ کے وصف خالقیت کا ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے محمود ہونے کے لئے کسی مزید استدلال کی ضرورت نہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق خود ثبوت حمد کے لئے کافی ہے، مخلوقات میں سے آسمان و زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ اس لئے کیا کہ تمام مخلوقات میں سب سے بڑے یہی نظر آرہے ہیں انہی کے اندر لوگوں کے لئے ہزاروں درس عبرت ہیں اور انہی سے بظاہر لوگوں کے مفاد وابستہ ہیں پھر شب وروز کا حدوث وزوال ہر شخص دیکھ رہا ہے (اور کسی چیز کا حدوث بغیر محدث کے نہیں ہوسکتا) اسی لئے بعض نادان آسمانوں کو قدیم بالزمان کہتے ہیں۔

نکتہ: سمٰوٰت کا ذکر بصیغہ جمع اور ارض بصیغہ مفرد ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ ہے کہ آسمانوں کی ماہیتیں اور اشکال باہم مختلف ہیں اور زمین (باوجودیکہ اس کے طبقات متعدد ہیں) پھر بھی ایک ہی ماہیت اور ایک ہی شکل رکھتی ہے۔

تورات کی پہلی اور آخرت آیت:

کعب احبار کا قول ہے کہ توریت کی سب سے پہلی یہی آیت ہے اور سب سے آخری آیت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا الخ ہے۔

آغاز واختتام دونوں حمد سے:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آغاز تخلیق کا ذکر بھی حمد سے کیا اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور انسانوں کے خاتمہ کا ذکر بھی حمد کے ساتھ کیا اور فرمایا:

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اندھیرے اور نور کا مطلب:

حسن بصری کے نزدیک ظلمات سے مراد کفر اور نور سے مراد ایمان ہے اس قول پر ظلمات کو بصیغہ جمع اور نور کو بصیغہ مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ کفر کے طریقے بکثرت ہیں اور ایمان کا صرف ایک راستہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ

کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر کے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا ان راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان موجود ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ

تلاوت فرمائی۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

ظلمت کا وجود چونکہ نور سے پہلے ہوتا ہے (عدم وجود سے مقدم ہے) اس لئے ظلمات کا ذکر نور سے پہلے کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا ایک حصہ ڈالا پس جس پر نور کا کوئی حصہ پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم کے مطابق (لکھ کر) قلم خشک ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی۔ تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی
وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا ایک
اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ
وقت اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم
تَمْتَرُوْنَ ۝
شک کرتے ہو

تخلیق انسان کا بیان:

اوپر "عالم کبیر" کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں "عالم صغیر" (انسان) کی خلقت کو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو شروع میں بے جان مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کر کے کس طرح حیات اور کمالات انسانی فائض کئے اور آج بھی مٹی سے غذائیں نکلتی ہیں، غذاؤں سے نطفہ اور نطفہ سے انسان بنتے رہتے ہیں۔ غرض اس طرح تم کو عدم سے وجود میں لائے پھر ہر شخص کی موت کو ایک وقت مقرر کر دیا جب کہ آدمی دوبارہ اسی مٹی میں جا ملتا ہے جس سے پیدا کیا گیا تھا اسی پر قیاس کر سکتے ہو۔ کہ عالم کبیر کی فنا کا بھی ایک وقت مقرر ہے جسے "قیامت کبریٰ" کہتے ہیں۔ قیامت صغریٰ یعنی شخصی موتیں چونکہ ہمیں پیش آتی رہتی ہیں ان کا علم بھی لوگوں کو ہوتا رہتا ہے لیکن قیامت کبریٰ کی ٹھیک مدت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

تعجب ہے کہ عالم صغیر یعنی انسانوں میں زندگی اور فنا کا سلسلہ دیکھتے ہوئے بھی عالم کبیر کی فنا میں کوئی آدمی تردد کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آدم علیہ السلام کا خمیر:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک خاص مقدار سے پیدا فرمایا جس میں پوری زمین کے اجزاء شامل کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم، رنگ و روپ اور اخلاق و عادات میں مختلف ہیں کوئی کالا کوئی گورا، کوئی سرخ، کوئی سخت کوئی نرم، کوئی پاکیزہ خصلت، کوئی خبیث الطبع ہوتا ہے۔ (مظہری بروایت ابن عدی بسند حسن)

سدی نے کہا کہ اللہ نے جبرئیلؑ کو زمین پر کچھ مٹی لانے کے لئے بھیجا۔ زمین نے جبرئیل سے کہا میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اس بات سے کہ تو میرا کچھ حصہ کم کر دے (یعنی میرے بدن کا کچھ حصہ مجھ سے جدا کر دے) جبرئیلؑ نے یہ سن کر کچھ نہیں لیا اور لوٹ کر عرض کیا اے مالک زمین نے مجھ سے تیری پناہ مانگی تھی اس لئے میں خالی لوٹ آیا۔ پھر اللہ نے میکائیل کو بھیجا زمین نے ان سے بھی اللہ کی پناہ مانگی، میکائیل بھی لوٹ گئے، آخر اللہ نے ملک الموت کو بھیجا، زمین نے ان سے بھی اللہ کی پناہ مانگی، ملک الموت نے کہا میں اللہ کی نافرمانی کرنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، غرض ملک الموت نے کل روئے زمین سے مٹی تھوڑی تھوڑی لی۔ سرخ سیاہ سفید ہر طرح کی مٹی مخلوط کی۔ اسی وجہ سے آدمیوں کے رنگ جدا جدا ہوئے پھر اس مٹی کو میٹھے نمکین اور تلخ پانی سے گوندھا اسی وجہ سے انسانوں کے اخلاق مختلف ہو گئے پھر اللہ نے فرمایا جبرئیل اور میکائیل نے زمین پر رحم کیا۔ تو نے ایسا نہیں کیا لہٰذا جو مخلوق میں اس مٹی سے بناؤں گا اس کی روحیں تیرے ہی ہاتھ میں دوں گا۔ (تفسیر مظہری اردو جلد۴)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے آدم کی تخلیق خاک سے اس طرح کی کہ خاک کا گارا بنایا پھر (کچھ مدت) اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ گارا سڑ کر لیس دار کیچڑ بن گیا پھر اس کا پتلا بنایا اور پتلے کی صورت بنائی پھر اتنی مدت اسے چھوڑے رکھا کہ وہ ٹھیکرے کی طرح خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ (کذا قال البغوی)

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے تمام زمین سے ایک مٹھی (مٹی) لیکر آدم کی تخلیق کی اسی لئے زمین کے مطابق آدمی سرخ سفید سیاہ اور مخلوط رنگ کے اور نرم خو۔ درشت مزاج، بدخصائل اور پاکیزہ اخلاق والے ہو گئے۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

جنت کے پانی سے گوندھا:

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے آدم کو جابیہ کی مٹی سے بنایا اور جنت کے پانی سے اس کو گوندھا (معلوم نہیں جابیہ سے کیا مراد ہے ممکن ہے نشیبی گڑھے مراد ہوں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے اور دلدل بن جاتی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دلدل اور سڑی ہوئی لیس دار مٹی جنت کے پانی سے گوندھ کر آدم کا پتلا بنایا۔) (رواہ الحکیم وابن عدی بسند حسن)

ایک وقت مقرر کرنے کا مطلب:

ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلاً پھر ایک وقت معین کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جسمانی ساخت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو فرشتہ اس کی میعاد زندگی لکھتا ہے لفظ ثم اور جملہ فعلیہ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بصورت نطفہ جمع رکھا جاتا ہے پھر اتنی ہی مدت پھٹکی کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بوٹی کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ اس کے پاس چار باتوں کا حکم دے کر فرشتہ کو بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) عمل میعاد زندگی رزق اور بد بخت نیک بخت ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنت والوں کے سے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف آدھے گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ کتاب کا لکھا آگے آتا ہے اور وہ دوزخیوں جیسا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے سے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ (اللہ کی) تحریر سامنے آتی ہے اور وہ جنت والوں جیسے عمل کرتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔ (متفق علیہ)

ہر شخص کی دو میعادیں ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر شخص کی دو اجلیں ہیں۔ ایک پیدائش سے موت تک۔ دوسری موت سے حشر تک۔ اگر آدمی نیک پرہیزگار اور کنبہ پرور ہوتا ہے تو برزخی اجل کا کچھ حصہ لے کر میعاد عمر میں بڑھا دیا جاتا ہے اور اگر بدکار رشتہ کو منقطع کرنے والا ہوتا ہے تو مدتِ زندگی کا کچھ حصہ لے کر اجل برزخی میں بڑھا دیا جاتا ہے۔

چھ لعنتی شخص:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخص ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے اور ہر مستجاب الدعوات پیغمبر نے لعنت کی ہے (۱) اللہ کی کتاب میں (لفظی یا معنوی) زیادتی کرنے والا (۲) تقدیر خداوندی کی تکذیب کرنے والا (۳) زبردستی تسلط جمانیوالا تاکہ جس کو اللہ نے ذلیل قرار دیا ہے اس کو عزت دار بنائے اور جس کو اللہ نے عزت دار بنایا ہے اس کی ذلت کرے (۴) اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنے والا۔ (۵) اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام بنانے والا (۶) اور میرے طریقہ کو ترک کرنے والا۔ (رواہ البیہقی فی المدخل ورزین فی کتابہ)

رافضی، معتزلہ، خارجی مرجئہ اور ظالم بادشاہ اور بدعتی:

میں کہتا ہوں اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والے رافضی ہیں جو قرآن کے تیس پاروں میں دس پاروں کی زیادتی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کے دس پارے ساقط کر دیئے تھے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے قتل کو حلال سمجھنے والے خارجی ہیں اور تقدیر خداوندی کی تکذیب کرنے والے معتزلہ ہیں انہی کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنے والا فرقہ مرجئہ ہے جو انسان کو محض مجبور قرار دیتا ہے اور زبردستی تسلط جمانیوالے ظالم بادشاہ ہیں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کرنے والے تمام بدعتی اور فاسق ہیں۔ (مظہری)

وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ
اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں

یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں میں تنہا وہ ہی معبود، مالک، بادشاہ، متصرف اور مدبر ہے اور یہ نام مبارک اللہ بھی صرف اسی کی ذات متعالی الصفات کے لئے مخصوص رہا ہے۔ پھر اوروں کیلئے استحقاق معبودیت کہاں سے آیا۔ (تفسیر عثمانی)

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝
جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

غیر اللہ کی عبادت اور مدد کس لئے:

جب تمام زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے اور وہ بلا واسطہ ہر کھلی چھپی چیز اور انسان کے ظاہر و باطن اور چھوٹے بڑے عمل پر مطلع ہے تو عابد

کو اپنی عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مشرکین جو مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى کہا کرتے تھے۔ یہ ان کا اور ان کے ہمنواؤں کا جواب ہوا۔ اور پہلے وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ سے جو قیامت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہاں سلسلہ مجازات پر متنبہ فرما دیا کہ زمین و آسمان میں حکومت ہماری ہے اور تمہارے سب کھلے چھپے نیک و بد اعمال بھی ہمارے علم میں موجود ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یونہی مہمل چھوڑ دیئے جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کا وجود:

بیضاوی نے یہ تاویل کی ہے کہ اللہ کو آسمان و زمین کا چونکہ کامل علم ہے اس لئے مجازاً کہا جاسکتا ہے کہ اللہ ان میں موجود ہے۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ: وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر احوال کو جانتا ہے۔ یعنی جو باتیں تم دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہو ان کو بھی جانتا ہے اور جو ظاہر کرتے ہو ان سے بھی واقف ہے۔ یہ دوسری خبر ہے یا پہلی ہی خبر ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سے متعلق ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے معلومات واقع ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا
اور نہیں آتی انکے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں
كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾
سے مگر کرتے ہیں اس سے تغافل

''آیات'' میں احتمال ہے کہ تکوینی آیات مراد ہوں یا تنزیلی۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ
سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب ان تک پہنچا سو اب آئی
يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾
جاتی ہے انکے آگے حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے

حقیقت سامنے آنی والی ہے:

حق سے مراد غالباً قرآن کریم ہے جو نشانہائے قدرت سے تغافل برتنے والوں کی بدانجامی اور دنیوی و اخروی سزا کو بیان کرتا ہے اسے سن کر منکرین تکذیب و استہزاء کرتے تھے انہیں جتلا دیا کہ جس بات پر تم ہنستے اور آوازیں کستے ہو وہ حقیقت ثابتہ بن کر عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی۔ آگے ان اقوام کا حوالہ دیا ہے جو آیات اللہ کی تکذیب و استہزاء اور بد اعمالیوں کی بدولت ہلاک کی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ
کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں
مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا
وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا
اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگا تار برستا ہوا اور بنا دیں ہم
الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ
نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے
بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا
انکو ان کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد
اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾
اور امتوں کو

عاد و ثمود ہلاک ہوگئے تم کیا چیز ہو؟

یعنی عاد و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور ساز و سامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا جب انہوں نے بغاوت و تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے، تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا پھر ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

''قرن'' کا معنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر القرون قرنی یعنی تمام جماعتوں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے ہم عصر ہیں۔ یا قرن کے معنی ہیں زمانہ کا ایک حصہ چالیس سال کا یا دس سال کا یا بیس سال کا یا تیس یا پچاس

یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو بیس برس کا یہ مختلف اقوال آئے ہیں۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ قرن صدی کو کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن بشر مازنی سے فرمایا تھا تم ایک قرن جیو گے چنانچہ ان کی عمر سو برس ہوئی۔ ذکرہ البغوی نہایہ الجوزی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تو ایک قرن جیتا رہے چنانچہ اس کی عمر ایک سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

تاریخ عالم عبرت کی کتاب ہے:

بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے، جس کو اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں وعظوں سے زیادہ مؤثر وعظ ہے، ایک حکیم کا یہ جملہ بہت ہی پسندیدہ ہے کہ دنیا ایک بہترین کتاب ہے اور زمانہ بہترین معلم۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بہت بڑا عنصر قصص اور تاریخ ہے، لیکن عام طور پر غفلت شعار انسان نے دنیا کی تاریخ کو بھی ایک تفریحی مشغلہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں دی، بلکہ اس وعظ و حکمت کی بہترین کتاب کو بھی اپنی غفلت و معصیت کا ایک ذریعہ بنالیا۔

قدرتِ الٰہی کے کرشمے:

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۔ یعنی اللہ جل شانہٗ کی قدرت کاملہ کا صرف یہی تصرف نہیں تھا کہ بڑی بڑی جاہ وجلال اور حکومت وسلطنت کی مالک اور ڈیل ڈول وقوت وطاقت والی قوموں کو چشم زدن میں ہلاک و برباد کردیا، بلکہ ان کو ہلاک کرتے ہی اُن کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے ایسی طرح بسادیا کہ دیکھنے والوں کو یہ بھی محسوس نہ ہوسکا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی؟
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

ایک مرتبہ میدانِ عرفات میں جہاں تقریباً دس لاکھ انسانوں کا مجمع تھا اس طرف نظر گئی کہ آج سے تقریباً ستر، اسی سال پہلے اس سارے مجمع میں سے کسی انسان کا وجود نہ تھا اور اس جگہ پر تقریباً اتنے ہی انسان دوسرے موجود تھے جن کا آج نام ونشان نہیں ہے، اس طرح انسانوں کے ہر اجتماع اور لوگوں کے ہر جھرمٹ کو جب اس کے ماضی و مستقبل کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ایک بہت ہی مؤثر واعظ نظر آتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (تفسیر معارف القرآن جلد سوم)

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
پھر چھولیویں وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے البتہ کہیں گے کافر
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾
یہ نہیں ہے مگر صریح جادو

مشرکوں کا مطالبہ اور اس کا جواب:

بعض مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ آسمان سے ایسی لکھی لکھائی کتاب لے آئیں اور اس کے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو ہمارے سامنے ہو کر گواہی دیں کہ بیشک یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے تو ہم ایمان لے آئیں گے اس کا جواب دیا کہ جو لوگ بحالت موجودہ قرآن کو جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر بتلاتے ہیں اگر واقعی ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی آسمان سے اتار دیں جسے یہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کرلیں کہ کوئی تخیل یا نظر بندی نہیں ہے۔ تب بھی یہ ہی کہیں گے کہ یہی تو صریح جادو ہے۔ جس بدبخت کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی اس کا شبہ کبھی نہیں مٹتا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک معاندانہ مطالبہ پیش کیا اور کہا کہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت تک ایمان نہیں لاسکتا جب تک کہ میں یہ واقعہ نہ دیکھ لوں کہ آپ آسمان میں چڑھ جائیں، اور وہاں سے ہمارے سامنے ایک ایسی کتاب لے کر آئیں، جس میں میرا نام لے کر یہ ہو کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کروں، اور یہ سب کہہ کر یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ کر بھی دکھائیں میں تو جب بھی مسلمان ہوتا نظر نہیں آتا۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی اعظم)

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
اور کہتے ہیں کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ

یعنی جو ہمارے روبرو ہو کر ان کے صدق کی گواہی دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

سوال کرنے والوں کی بے وقوفی:

سوال کرنے والے عجیب بیوقوف ہیں کہ فرشتوں کے نازل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ فرشتوں کے نازل ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتہ اپنی اصلی ہیئت و صورت میں سامنے آجائے تو اس کی ہیبت کو تو کوئی انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہول کھا کر فوراً مرجانے کا خطرہ ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ بشکل انسانی آئے جیسے جبریل امین نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی بھی آئے ہیں، تو اس صورت میں اس سوال کرنیوالے کو جو اعتراض آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے وہی اس فرشتہ پر بھی ہوگا۔ کہ یہ اس کو ایک انسان ہی سمجھے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا
اور اگر ہم اتاریں فرشتہ تو طے ہو جاوے قصہ پھر ان کو مہلت بھی
يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾
نہ ملے

ان کا مطالبہ تو ہلاکت کو دعوت دیتا ہے:

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔ دوسرے اگر ان لوگوں کو ایسی عظیم الشان خارق عادت فرمائش پوری کردی جائے اور اس پر بھی نہ مانے جیسا کہ ان کے معاندانہ احوال و اطوار سے ظاہر ہے تو سنۃ اللہ کے موافق پھر قطعاً مہلت نہ دی جائے گی اور ایسا عذاب آئے گا جو فرمائش کرنے والوں کو بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ اس لحاظ سے اس طرح کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا
اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور
عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾
انکو اسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں

فرشتہ انسانی شکل میں آئے تو ان کو فائدہ نہ ہوگا:

چونکہ فرشتہ کو اصلی صورت میں بھیجنے کی نفی تو پہلی آیت میں ہو چکی اب دوسرے احتمال کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا جائے، کیونکہ اسی صورت میں مجانست صوری کی بناء پر لوگ اس کے نمونہ اور تعلیم سے منتفع ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس تقدیر پر منکرین کے شبہات کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ جو شکوک و شبہات رسول کے بشر ہونے پر کرتے تھے وہ ملک کے بصورت بشر آنے پر بھی بدستور کرتے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا: تو ہم اس کو مرد بناتے یعنی مرد کی شکل میں بھیجتے۔ جیسے حضرت جبرئیلؑ حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے۔

فرشتوں کو اصل شکل میں انبیاء دیکھ سکتے ہیں:

بات یہ ہے کہ فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا عام بشری قوت سے باہر ہے البتہ بعض مخصوص انبیاء نے قوت قدسیہ کا حامل ہونے کی وجہ سے ملائکہ کو اصلی صورت میں بھی دیکھا تھا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پیغمبر خالق و مخلوق کے درمیان ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس میں طرفین سے مناسبت ہوتی ہے خالق کے ساتھ ارتباط رکھنے کی وجہ سے وہ ان تمام فیوض کو قبول کرتا ہے جو عالم بالا سے جاری ہوتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے وہ باری تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ فیوض سے مخلوق کو سرفراز کرتا ہے اگر طرفین کے ساتھ مناسبت نہ ہو تو فیضان روحانی کو حاصل کرنا اور مخلوق کو اس سے بہرہ اندوز کرنا ممکن نہیں انبیاء ہوں یا ملائکہ دونوں کا باطنی لگاؤ خالق سے ہوتا ہے۔

نبوت اور ملکیت کو ایک آئینہ کہا جا سکتا ہے جسکا رخ پورے مقابلہ کے ساتھ نہیں بلکہ کچھ ترچھے طور پر آفتاب الوہیت کی طرف ہوتا ہے اور بغیر کسی وساطت کے آفتاب الوہیت کی کوئی شعاع جلالی یا جمالی اس آئینہ پر پڑتی ہے مبداء تعین ہونیکا یہی معنی ہے۔ پھر آئینہ کا رخ چونکہ ترچھا ہوتا ہے اس لئے آئینہ نبوت و رسالت پر پڑنے والی کوئی شعاع پلٹ کر اس جگہ چمکنے لگتی ہے جہاں براہ راست وہ شعاع کسی آڑ میں ہونے کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ
اور بلا شبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا
بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾
ان سے ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کی جاتی ہے کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں انبیائے سابقین کو بھی ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ پھر جو ان کے مکذبین اور دشمنوں کا حشر ہوا سب کے سامنے ہے۔ ان کو بھی خدا

اسی طرح سزا دے سکتا ہے جو اگلے مجرموں کو دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا کہ یہ استہزاء و تمسخر اور ایذا رسانی کا معاملہ جو آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہی ہے کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی سب رسولوں کو ایسے دلدوز اور ہمت شکن واقعات سے سابقہ پڑا ہے، مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری، اور انجام یہ ہوا کہ استہزاء و تمسخر کرنے والی قوم کو اس عذاب نے آ پکڑا جس کا تمسخر کیا کرتے تھے۔ (معارف القرآن جلد سوم)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ
تو کہہ دے کہ سیر کرو ملک میں پھر دیکھو
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾
کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا

جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا وہ برباد ہوئے:

یعنی ملک کی سیر و سیاحت اور تباہ شدہ اقوام کے آثار کا ملاحظہ کرنے کے بعد اگر نظر عبرت سے واقعات ماضیہ کو دیکھو گے تو انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کا جو انجام دنیا میں ہوا وہ صاف نظر آ جائے گا اسی سے قیاس کر لو کہ جب تکذیب کرنے والوں کا یہ حشر ہوا تو استہزاء کرنے والوں کا کیا حشر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُل لِّلَّهِ ۚ
پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا
كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
ہے اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کر دیگا
إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا
قیامت کے دن تک کہ اسمیں کچھ شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے
أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾
اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے

اللہ کی رحمت ہے ورنہ نقد سزا مل سکتی ہے:

جب تمام آسمان و زمین میں اسی خدا کی حکومت ہے جیسا کہ مشرکین کو بھی اقرار تھا تو مکذبین و مستہزئین کو فوری سزا سے کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ یہ صرف اس کی رحمت عامہ ہے کہ جرائم کو دیکھ کر فوراً سزا جاری نہیں کرتا اور قیامت کے دن بھی جو بلا شبہ آنے والا ہے محض ان ہی بدبختوں کو بے ایمانی کی سزا دے گا جو باختیار خود جان بوجھ کر اپنے کو نقصان و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: اس نے اپنے اوپر رحمت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ یعنی اس نے رحمت کرنے کا ذمہ لے رکھا اور محکم ترین وعدہ کر لیا ہے جس کی خلاف ورزی ناممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ایک تحریر لکھ کر اپنے پاس عرش کے اوپر رکھ چھوڑی جس میں لکھا ہے یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی۔ رواہ البغوی من حدیث ابی ہریرہؓ۔

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے نیچے اتار کر جن و بشر اور چوپایوں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اسی کی وجہ سے وہ باہم محبت و رحمت کرتے ہیں وحشی جانور اسی کے سبب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے لئے رکھ چھوڑی ہیں جن سے قیامت کے دن اپنے بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

عجیب نکتہ: میں کہتا ہوں غالباً سو کی تعیین عددی نہیں بلکہ بطور تمثیل اظہار کثرت مراد ہے کیونکہ بندوں کے پاس جو کچھ ہے (رحمت ہو یا کچھ اور سب) فنا ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ لازوال ہے ممکنات کی تمام صفات محدود ہیں اور اللہ کی صفات لامتناہی۔ رحمت کا جو حصہ اللہ نے اتارا اور بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے وہ اللہ کی رحمت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے۔

اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ مہربان ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی حاضر کئے گئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے جب قیدیوں میں ایک بچہ پر اس کی نظر پڑی تو دوڑ کر عورت نے بچہ کو پکڑ کر سینہ سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں پھینک سکتی ہے۔ ہم نے عرض کیا نہیں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ فرمایا جس قدر یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

دنیوی اور اخروی رحمت کا ظہور:

اللہ کی دنیوی رحمت دنیوی نعمتوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے (جیسے جسمانی صحت وحسن، مال و دولت کی کثرت اولاد کی فراوانی عیش و راحت، حکومت وعزت، اس میں مسلم وکافر سب شریک ہیں) اور رحمت اخروی سے نعمت آخرت وابستہ ہے جیسے پیغمبروں کی بعثت آسمانی کتابوں کا نزول (باطنی وظاہری انفسی وآفاقی) دلائل توحید کا قیام اور موت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی جس کے نتیجہ میں جنت اور اللہ کا دیدار حاصل ہوگا۔ یہ سب آخرت سے تعلق رکھنے والی رحمت ہے (جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے اور یہی اصل مقصود ہے احادیث مندرجہ بالا اسی پر دلالت کر رہی ہیں اور آئندہ آیت بھی یہی بتا رہی ہے۔

کافروں کی محرومی کا سبب:

حضرت ابوامامہؓ کی روایت کردہ حدیث بھی اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کی رحمت عام ہے۔ اور کافروں کی محرومی کا سبب ان کا خسران ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ سے ایسا بھاگے جیسے وحشی اونٹ اپنے گھر والوں سے بھاگتا ہے۔ (رواہ الطبرانی والحاکم بسند صحیح تفسیر مظہری)

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ
ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا تو کہہ دے کیا اور کسی کو بناؤں اپنا

وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا

اللہ تعالیٰ کی حکومت ہر جگہ اور ہر وقت ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مکان کی تعمیم تھی وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ میں زمانہ کے اعتبار سے تعمیم ہے یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے۔ ہر وہ چیز جو رات میں یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور کتنے معلوم ونامعلوم دشمنوں سے مامون ومحفوظ رہتی ہے۔ یہ اسی کی رحمت کاملہ کے آثار میں سے ہے قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (انبیاء) وہ ہی ہے جو دن کے شور وغل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں ہر ایک کی پکار سنتا اور سب کی حوائج وضروریات کو بخوبی جانتا ہے پھر تم ہی بتاؤ کہ ایسے پروردگار کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب کرنا کہاں تک موزوں ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

یا لفظ سکن سکون سے ماخوذ ہے مراد یہ ہے کہ اللہ ہی کا ہے جو دن رات کے چکر میں ساکن رہتا ہے یا حرکت کرتا ہے۔ متحرک کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ متحرک کی ضد یعنی ساکن کا ذکر کر دیا (ایک ضد کے ذکر پر اکتفا کر لیا جاتا ہے مگر مراد دونوں ہوتے ہیں) جیسے سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ یعنی کرتے جو تم کو گرمی سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ
اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا

اللہ تعالیٰ ہی کھلاتے پلاتے ہیں:

کھلانا اشارہ ہے سامان بقاء کی طرف یعنی ایجاد وابقاء دونوں میں اسی کے سب محتاج ہیں اس کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی ہماری احتیاج نہیں پھر اس سے علیحدہ ہو کر کسی کو مددگار بنانا انتہائی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اہل قبا کے ایک انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ ہم سب بھی گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ خدا کا شکر جو کھلاتا ہے اور خود کچھ نہیں کھاتا، ہم پر احسان فرماتا ہے، ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، ہمارے برہنہ جسم پر لباس پہنایا، ہم خدا کو نہیں چھوڑ سکتے، کفران نعمت نہیں کر سکتے نہ اس سے بے نیاز بن سکتے ہیں، اُس نے گمراہی سے بچایا۔ دل کے اندھے پن سے دور رکھا، ساری مخلوقات پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ
کہہ دے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور حکم دوسروں کو ہے:

ایسے پروردگار کے احکام کے سامنے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں ضروری ہے کہ سب بندے بلاشرکت غیرے گردن ڈال دیں اور سب سے پہلے اس اکمل ترین بندہ کو انتہائی انقیاد وتسلیم کا حکم ہے جو تمام دنیا کے لئے نمونہ طاعت وعبودیت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ
اور تو ہرگز نہ ہو شرک والا تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی

اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے

یہ آپ پر رکھ کر اوروں کو سنایا گیا ہے یعنی بفرض محال اگر خدا کے معصوم و برگزیدہ ترین بندے سے بھی کسی طرح کا عصیان سرزد ہو تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہوتا ہے پھر کسی دوسرے کو کب لائق ہے کہ باوجود شرک و کفر اور تکذیب انبیاء وغیرہ ہزاروں طرح کے جرائم میں مبتلا ہونے کے عذاب الٰہی سے بےفکر اور مامون ہو کر بیٹھ رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ

جس پر سے ٹل گیا وہ عذاب اس دن تو اس پر رحم کر دیا اللہ نے

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝

اور یہی ہے بڑی کامیابی

عذاب سے بچ جانا بڑی بات ہے:

جنت اور رضائے الٰہی کے اعلیٰ مدارج کا حاصل کرنا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اگر آدمی سے قیامت کے دن کا عذاب ٹل جائے تو یہ ہی بہت بڑی کامیابی سمجھو۔ کما قال عمر رضی اللہ عنہ کفافا لالی ولا علی۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب دور ہونے کے لئے جنت میں داخل ہونا لازم ہے (درمیان میں کوئی اور درجہ نہیں کہ عذاب بھی دور کر دیا جائے اور پھر جنت میں بھی داخلہ نہ ہو) اس سے معتزلہ کے قول کی غلطی ظاہر ہو رہی ہے جو عذاب اور جنت کے درمیان تیسرے درجہ کے قائل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ

اور اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں

اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى

سوا اسکے اور اگر تجھ کو پہنچاوے بھلائی تو وہ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

قادر ہے اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر اور

عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا

تکلیف و راحت اللہ ہی دیتا ہے:

دنیا یا آخرت میں جو تکلیف یا راحت خدا کسی کو پہنچانا چاہے نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ و اقتدار کے نیچے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ وہ ہی پوری طرح خبردار ہے کہ کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مناسب کس قسم کی کاروائی قرین حکمت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح احادیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں اکثر یہ کہا کرتے تھے:

اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد

"یعنی اے اللہ! جو آپ نے دیا اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو آپ نے روک دیا اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش والے کی کوشش آپ کے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں:

امام بغویؒ نے اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے، اور مجھے اپنے پیچھے ردیف بنا لیا، کچھ دور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے لڑکے! میں نے عرض کیا حاضر ہوں، کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کو یاد رکھو! اللہ تم کو یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تم کو پہچانے گا، جب تم کو سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے قلم تقدیر اس کو لکھ چکا ہے، اگر ساری مخلوقات مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچا دیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں نہیں رکھا تو وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے، اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچاویں جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو ہرگز اس پر قدرت نہ پائیں گے، اگر تم کر سکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کر لو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیونکہ اپنی خلاف طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے، اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ (یہ حدیث ترمذی اور مسند احمد میں بھی بسند صحیح مذکور ہے۔)

براہ راست مخلوق سے حاجتیں مانگنا قرآنی حکم کے خلاف ہے

آج ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے جو مصیبت کے وقت بجائے خدا تعالیٰ کے پکارنے کے اور اس سے دعاء مانگنے کے مختلف ناموں کی دہائی دیتے اور انہی سے مدد مانگتے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف دھیان تک نہیں ہوتا، انبیاء و اولیاء کے توسل سے دعاء مانگنا دوسری بات ہے وہ جائز ہے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اس کے شواہد موجود ہیں، لیکن براہ راست کسی مخلوق کو حاجت روائی کے لئے پکارنا، اس سے اپنی حاجتیں مانگنا، اس قرآنی حکم کے خلاف کھلی بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ
تو پوچھ سب سے بڑا گواہ کون ہے کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے اور
بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ
تمہارے درمیان

اللہ سب سے بڑا گواہ ہے:

جب یہ فرمایا کہ خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک، تمام بندوں پر غالب و قاہر اور رتی رتی سے خبردار ہے تو اس کی شہادت سے زبردست اور بے لوث شہادت کس کی ہو سکتی ہے پس میں بھی اپنے تمہارے درمیان اسی کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ کیونکہ میں نے دعویٰ رسالت کر کے جو کچھ اس کے پیغامات تم کو پہنچائے اور جو کچھ تم نے اس کے جواب میں میرے ساتھ اور خود پیغام ربانی کے ساتھ برتاؤ کیا وہ سب اس کی آنکھ کے سامنے ہے۔ وہ خود اپنے علم محیط کے موافق میرا اور تمہارا فیصلہ کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اہل مکہ کے وفد کا مطالبہ:

مفسرین نے نقل کیا ہے، کہ ایک مرتبہ اہل مکہ کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ آپ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیونکہ ہمیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہو، حالانکہ ہم نے یہود سے نصاریٰ سے اس کی تحقیق میں پوری کوشش کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً (تفسیر معارف القرآن مفتی اعظم)

اللہ کی شہادت معجزات ہیں:

میری رسالت کا شاہد اللہ ہے اور جس چیز کا گواہ اللہ ہو اس سے بڑھ کر مشہود کون ہو سکتا ہے۔ پس میری رسالت سب سے بڑھ کر مشہود ہے تفسیر پر کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی شہادت وہ معجزات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ نے عطا فرمائے۔ اور چونکہ تمام معجزات سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اس لئے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ
اور اترا ہے مجھ پر یہ قرآن تا کہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس
بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور
اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
بھی ہیں تو کہہ دے میں تو گواہی نہ دوں گا کہہ دے وہی ہے معبود ایک
وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۞
اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے

یعنی اگر سمجھو تو میرے صدق پر خدا کی یقینی اور کھلی ہوئی شہادت یہ قرآن موجود ہے جو اپنے کلام الٰہی ہونے پر خود ہی اپنی دلیل ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کام:

میرا کام یہ ہے کہ تم کو اور ہر اس شخص کو جسے یہ کلام پہنچے خدائی پیغام سے خبردار کر دوں جس میں توحید و معاد وغیرہ تمام اصول دین کی ہدایت کی گئی ہے کیا اس قدر اتمام حجت ہو چکنے اور ایسا قطعی اور صریح پیغام توحید سننے کے بعد بھی تم یہی کہتے رہو گے کہ خدا کے سوا اور بھی معبود ہیں۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا حرف زبان پر نہیں لا سکتا بلکہ صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ لائق عبادت صرف وہ ہی خدا ہے۔ باقی جو کچھ تم شرک کرتے ہو میں اس سے قطعاً بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہوں (تنبیہ) "ومن بلغ" نے بتلا دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام جن و انس اور مشرق و مغرب کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس تک میرا قرآن پہنچا گویا میں نے خود اسے تبلیغ کر دی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

کی آیتیں دوسروں تک پہنچاؤ جس کو کتاب اللہ کی کوئی آیت پہنچ گئی تو خدا کا اس کو حکم پہنچ گیا۔ ربیع بن انسؒ نے کہا ہے کہ تابع رسول پر لازم ہے اس طرح اسلام کی دعوت دے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور اس طرح ڈرائے جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا جہنم میں جانا ہے

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری جانب سے (لوگوں تک) پہنچا دو خواہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل کے (بیان کردہ اقوال) بیان کر دیا کرو اس میں کوئی (تم پر تنگی) نہیں (بشرطیکہ احادیث کے خلاف نہ ہوں) اور جس نے قصداً مجھ پر دروغ بندی کی اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہئے۔ (متفق علیہ)

جو یہودی مسلمان ہوئے ان کی روایتوں کی حیثیت:

اس حدیث میں بنی اسرائیل سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو سچے دل سے مسلمان ہو گئے تھے ورنہ جھوٹے کافروں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری جانب سے کوئی حدیث یہ جانتے ہوئے بیان کی کہ وہ جھوٹ ہے (میرا کلام نہیں ہے) تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم)

حدیث یاد کرنے اور پڑھانے کی فضیلت:

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس بندے کو سرسبز کرے جو میری بات سن کر یاد رکھے اور سمجھے اور پھر (دوسروں تک) پہنچا دے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی سمجھ کی بات ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو پہنچانے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ تین باتوں میں مسلمان کا دل کھوٹ (یا بخل) نہیں کرتا۔ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا، مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور اہل اسلام کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا کوئی شبہ نہیں کہ ان کی دعوت پیچھے والوں کو محیط ہوگی۔ رواہ الشافعی والبیہقی فی المدخل۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کی ہے مگر ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں تین باتوں کا ذکر نہیں ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے جس کو قرآن پہنچ گیا۔ اس نے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن لیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اسکو جیسے پہچانتے ہیں
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اپنے بیٹوں کو جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾
وہی ایمان نہیں لاتے

اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں مگر حاسد ہیں

یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے، وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی جن کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو، اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں وہی "نبی آخر الزماں" ہوں جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے چلے آئے ہیں۔ ان کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کی شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید، حب جاہ و مال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بہ ایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت زیدؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا

حضرت زید بن سعنہ جو اہل کتاب میں سے ہیں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات وانجیل کے بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا، صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو پہلے تصدیق نہیں ہو سکی تھی، امتحان کے بعد تصدیق ہوئی، وہ یہ کہ آپ کا حلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ پر غالب ہوگا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی پوری طرح آپ میں پائی اس وقت مسلمان ہو گئے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر یا جھٹلا دے
اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾
اسکی آیتوں کو بلاشک بھلائی نصیب نہیں ہوتی ظالموں کو

سب سے بڑا ظالم:

یعنی نبی نہ ہو اور خدا پر افتراء کر کے دعوئ نبوت کر بیٹھے یا سچے نبی سے جس کی صداقت کے دلائل واضحہ موجود ہوں خدائی پیام سن کر تکذیب پر کمربستہ ہو جائے۔ ان دونوں سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ ظالم کو انجام کار کامیابی اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ پس اگر فرض کرو معاذ اللہ میں مفتری ہوں تو ہرگز کامیاب نہ ہونگا۔ اور تم مکذب ہو جیسا کہ دلائل سے ظاہر ہے تو تمہاری خیریت نہیں۔ لہٰذا حالات میں غور کر کے انجام سوچ کر عاقبت کی فکر کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور بعض مفسرین نے ''افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ'' سے مشرکین کا شرک مراد لیا جیسا کہ آگے ''وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ'' میں اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو
اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾
جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم کو دعویٰ تھا

جھوٹے معبود نفع نہیں دے سکتے:

یعنی جن کی نسبت تم کو دعویٰ تھا کہ وہ خدائی کے حصہ دار شدائد میں تمہارے شفیع و مددگار ہیں، آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت کہاں چلے گئے کہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

میدانِ قیامت کی دہشت:

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو میدان حشر میں ایسی طرح جمع کر دیں گے جیسے تیروں کو ترکش میں جمع کر دیا جاتا ہے، اور پچاس ہزار سال اسی طرح رہو گے ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت کے روز ایک ہزار سال سب اندھیری میں رہیں گے، آپس میں بات چیت بھی نہ کر سکیں گے (یہ روایت حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے ذکر کی ہے۔

اس سب سے بڑی امتحان گاہ میں اول تو ایک عرصہ دراز ایسا گذرے گا کہ امتحان شروع ہی نہ ہوگا، یہاں تک کہ یہ لوگ تمنا کرنے لگیں گے کہ کسی طرح امتحان اور حساب جلد ہو جائے، انجام کچھ بھی ہو، یہ تردد اور تذبذب کی تکلیف تو جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

گویا یوں فرمایا کہ جس روز ہم سب کو جمع کریں گے اس روز سب پر ایسی دہشت طاری ہو جائے گی کہ نا قابل بیان ہے الفاظ کی حدود میں نہیں آسکتی سورج قریب آجائے گا، پسینہ کی لگام لگ جائے گی۔ یعنی منہ تک لوگ پسینہ میں غرق ہونگے پسینہ بہہ کر ستر ہاتھ زمین میں گھس جائے گا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم کو اللہ پچاس ہزار برس تک جمع کر رکھے گا جیسے تیردان کے اندر تیر اکٹھے کئے جاتے ہیں (اس مدت میں) تمہاری طرف نظر بھی نہیں کرے گا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت کے دن تاریکی میں ہزار برس تک تم کو روک رکھا جائے گا کہ بات بھی نہ کر سکو گے۔ رواہ البیہقی عن ابن عمرؓ۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ
پھر نہ رہے گا ان کے پاس کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی
رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾
جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے

آخر کار انکار ہی کرنا پڑے گا:

یعنی بجز انکار واقعات کے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی۔ باطل معبودین کی جس عقیدت و محبت میں مفتون ہو رہے تھے، اس کی حقیقت صرف اتنی رہ جائے گی کہ ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

خفیہ پولیس کی گواہی

محشر میں جب یہ قسمیں کھا کر اپنے کفر سے انکاری ہو جائیں گے تو اس وقت قادر مطلق ان کے مونہوں پر مہر سکوت لگا دیں گے، اور ان کے اعضاء و جوارح، ہاتھ پاؤں کو حکم دیں گے کہ تم شہادت دو کہ یہ لوگ کیا کیا کرتے تھے، اس وقت ثابت ہوگا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں آنکھ، کان یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی خفیہ پولیس تھی، وہ تمام اعمال و افعال کو ایک ایک کر کے سامنے رکھ دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہی بتلایا کہ پہلے پہلے تو خوب جھوٹ

بولیں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے، لیکن جب خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت کوئی غلط بات کہنے کی جرأت نہ رہے گی۔

ان دونوں آیتوں میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ جل شانہ نے مشرکین کو حشر کے ہولناک میدان میں جو یہ اختیار دیا کہ وہ آزادانہ جو چاہیں کہہ سکیں، یہاں تک کہ جھوٹی قسم کھا کر انہوں نے شرک سے انکار کر دیا۔

جھوٹ بولنے کی بُری عادت:

اس میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی عادت ایسی خبیث عادت ہے جو چھوٹتی نہیں، یہاں تک کہ یہ لوگ جو دنیا میں مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھا لیا کرتے تھے یہاں بھی باز نہ آئے اور پوری خلق خدا کے سامنے ان کی رسوائی ہوئی، اسی لئے قرآن وحدیث میں جھوٹ بولنے پر شدید وعید اور مذمت فرمائی گئی ہے، قرآن میں جا بجا کاذب پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فجور کا ساتھی ہے، اور جھوٹ اور فجور دونوں جہنم میں جائیں گے۔ (ابن حبان فی صحیحہ)

دوزخ میں لے جانے والا عمل:

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ عمل کیا ہے، جس سے آدمی دوزخ میں جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عمل جھوٹ ہے (مسند احمد)

جھوٹ بولنے والوں کو عذاب:

شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی دونوں باچھیں چیر دی جاتی ہیں، وہ پھر درست ہو جاتی ہیں، پھر چیر دی جاتی ہیں، اسی طرح یہ عمل اس کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ (معارف القرآن)

کافروں کا حیلہ اور ناکامی:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت کے دن جب کفار دیکھیں گے کہ اللہ مسلمانوں کے گناہ تو معاف فرما رہا ہے اور شرک کو معاف نہیں فرماتا تو وہ مشرک ہونے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے واللہ ہم مشرک نہیں تھے اس وقت اللہ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی شہادت دیں گے ایسی حالت میں ان کو تمنا ہوگی کاش ہم زمین کا پیوند ہو جاتے خاک کے ساتھ خاک بن جاتے اس وقت وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔

ایک لطیف معنیٰ:

زجاج نے کہا یہ لفظ اس جگہ ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے بعض محبّ محبوب پر شیفتہ فریفتہ ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس شیفتگی اور عشق میں ان پر مصائب آتے ہیں تو وہ محبوب سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان سے کہا جاتا ہے تمہارا عشق بس یہ ہوا (کہ دکھ پڑا تو عشق کو بھول گئے) قیامت کے دن بتوں کی محبت سے بھی کافر اسی طرح بیزار ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں بتوں کی محبت ہی کیا اسلاف کی تقلید سے بھی اظہار نفرت کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ
دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝
باتیں جو بنایا کرتے تھے

یعنی اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایت بیچارگی اور درماندگی کا اظہار ہوگا۔ کاش مشرکین اس رسوا کن انجام کو دنیا ہی میں سمجھ لیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان جھوٹ نہیں بولتا:

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی پورا مؤمن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک جھوٹ کو بالکل نہ چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ مزاح ومذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے۔ نیز بیہقی وغیرہ میں بسند صحیح وارد ہے کہ مسلمان کی طبیعت میں اور بُری خصلتیں تو ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتا، اور ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹ انسان کے رزق کو گھٹا دیتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
اور بعضے ان میں کان لگائے رہتے ہیں تیری طرف اور ہم نے ان کے
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ
دلوں پر ڈال رکھے ہیں پردے تاکہ اسکو نہ سمجھیں اور رکھ دیا ان کے
وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ
کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیاں تو بھی ایمان نہ لاویں ان پر

اعتراض وعیب جوئی ہدایت سے محرومی کا سبب ہے

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض وعیب جوئی قرآن کریم اور حضور کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے۔ ہدایت سے متمتع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ نصیحت و ہدایت سے ممتد اعراض اور کانشنس کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل وقویٰ انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے، حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کر دیئے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا آنکھیں نظر عبرت سے ایسی خالی ہوگئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع ومسرور بھی ہیں بلکہ فخر کے لہجہ میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ سورۂ حٰم سجدہ میں ہے

"فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے متمتع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان) اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل وعلا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لئے آیت حاضرہ "إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً" میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مشرک سرداروں کا قرآن پر تبصرہ:

کلبی نے بیان کیا ایک بار ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور حارث بن عامر جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سننے لگے۔ ساتھیوں نے نضر سے کہا ابوقتیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہہ رہا ہے۔ نضر نے کہا مجھے تو معلوم نہیں کیا کہہ رہا ہے۔ زبان ہلا رہا ہے اور پرانے لوگوں کی کچھ داستانیں اسی طرح کہہ رہا ہے جس طرح گذشتہ اقوام کے قصے میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ نضر اقوام پارینہ کے قصے اور افسانے بہت زیادہ بیان کیا کرتا تھا۔ ابوسفیان بولا میرے خیال میں تو بعض باتیں سچ کہتا ہے ابوجہل بولا ہرگز نہیں، تم ایسا اقرار نہ کرو بعض روایات میں آیا ہے کہ ابوجہل نے کہا اس سے تو ہمارے لئے موت آسان ہے اس لئے اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس تجھ سے جھگڑنے کو تو کہتے ہیں

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

وہ کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ

اور یہ لوگ روکتے ہیں اس سے اور بھاگتے ہیں اس سے

يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے

یہ سردار بے سمجھی اور بے انصافی کے مریض ہیں:

یعنی ان میں نہ فہم رہا ہے نہ انصاف۔ ایمان لانا اور ہدایت ربانی سے متمتع ہونا تو کجا، ان کی غرض تو حضور کی خدمت میں آنے سے صرف مجادلہ (جھگڑنا) اور پھبتیاں اڑانا ہے۔ چنانچہ قرآنی حقائق وبیانات کو معاذ اللہ اساطیر الاولین کہتے ہیں۔ پھر اس تکذیب اور جدل وتمسخر پر اکتفا نہیں کوشش یہ ہے کہ دوسروں کی طرف بھی اپنی بیماری کا تعدیہ کریں۔ چنانچہ لوگوں کو حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر دوسرے قبول حق سے نفور وبیزار ہو جائیں مگر ان تمام ناپاک کوششوں سے نہ بحمد اللہ دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو غالب ہو کر رہے گا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کہ ان کی عصمت ورفعت کا تکفل حق تعالیٰ فرما چکا ہے۔ ہاں یہ احمق خود اپنے لئے ہلاکت ابدی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے بھی نہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قریشیوں کا حضرت ابوطالب سے مطالبہ:

بغوی نے لکھا ہے مشرکوں کے کچھ لوگ ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور درخواست کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیجئے اور اس کے عوض ہمارے کسی حسین ترین جوان کو لے لیجئے۔ ابوطالبؓ نے جواب دیا تم نے یہ انصاف کی بات نہیں کہی میں تو اپنا بچہ تم کو دیدوں کہ تم اس کو قتل کر دو اور تمہارے بچہ کی میں پرورش کروں۔

ابوطالب کو اسلام کی دعوت:

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالبؓ کو

اسلام کی دعوت دی ابوطالبؓ نے کہا اگر قریش کے عار دلانے کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں (مسلمان ہوکر) تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ پھر بھی جب تک زندہ ہوں دشمنوں کو تمہاری طرف سے دفع کرتا رہوں گا۔

ابوطالب کے اشعار:

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے سلسلے میں یہ شعر کہے۔

ترجمہ: ''میرے قبر میں دفن ہونے تک یہ لوگ اپنے جتھوں کے ساتھ بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ علی الاعلان اپنا کام کریں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوسکتی اور اپنے کام سے آپ خوش اور خنک چشم رہیں آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ سچے اور امین ہیں اور ایسا دین پیش کررہے ہیں جو سب لوگوں کے مذاہب سے اچھا ہے مگر مجھے ملامت کا اندیشہ ہے اگر لوگوں کے ملامت کرنے اور عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے علی الاعلان بسہولت قبول کرنے والا پاتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا
اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کئے جاویں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے
نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ
اے کاش ہم پھر بھیج دیئے جاویں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾
جاویں ہم ایمان والوں میں

دوزخ دیکھتے ہی کافروں کی فوفاں ختم ہوجائیگی:

یعنی آیات اللہ کی تکذیب واستہزاء وغیرہ ساری فوں فاں اس وقت تک ہے جب تک خدائی سزا کا ہولناک وہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے گی تو ساری شیخی کرکری ہوجائے گی۔ اور بہزار تمنا یہ درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ آئندہ کبھی اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے ایماندار بن کررہیں۔ الآن قد ندمت وما ینفع الندم۔'' (تفسیر عثمانی)

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ
کوئی نہیں بلکہ ظاہر ہوگیا جو چھپاتے تھے پہلے

ان کا اپنا کفر عذاب بن کر آیا:

یعنی اب بھی دنیا میں واپس جانے کی تمنا عزم صحیح اور ایمانی رغبت و شوق سے نہیں جب مجازاۃ ومکافات عمل کا وہ منظر سامنے آگیا جسے باوجود وضوح ادلہ انکار کے پردہ میں چھپایا کرتے تھے، عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھ لیا، تمام اعمال شنیعہ کا جو چھپ چھپ کر کئے جاتے تھے راز فاش ہوگیا، ابھی ابھی جو واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہہ چکے تھے اس جھوٹ کی بھی قلعی کھل گئی، غرضیکہ بدی کے جو اثرات مخفی اور غیر مرئی طور پر اندر ہی اندر ان نالائقوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے وہ دردناک عذاب کی صورت میں متمثل ہوکر سامنے آگئے، تو محض جان بچانے کے لئے دوبارہ دنیا میں واپس کئے جانے کی تمنا کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ
اور اگر پھر بھیجے جاویں تو پھر بھی وہی کام کریں جس سے منع کئے گئے تھے
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾
اور وہ بیشک جھوٹے ہیں

یہ دوبارہ دنیا میں جاکر بھی کفر ہی کریں گے:

یعنی اب بھی جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں واپس ہوکر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیات اللہ کی تکذیب نہ کریں گے یہ اشقیاء اگر دنیا میں واپس کردیئے جائیں تو بدی اور شرارت کی جو قوتیں ان میں رکھی ہیں پھر انہی کو کام میں لائیں گے اور جس مصیبت سے گھبرا کر واپس جانے کی تمنا کررہے ہیں اسے خواب وخیال کی طرح فراموش کردینگے جیسا کہ بسا اوقات دنیوی مصائب ومہالک میں پھنس کر آدمی انابت وتوبہ اختیار کرلیتا ہے پھر جہاں چند روز گذرے کچھ بھی یاد نہیں رکھتا کہ اس وقت کیا عہد وپیمان کئے تھے۔ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو دوزخ میں بھیجنے کے تین عذر:

طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کافروں کو دوزخ میں بھیجنے کے تین عذر قیامت کے دن اللہ آدم کے سامنے بیان فرمائے گا۔ ارشاد فرمائے گا۔ آدم، میں کافروں کو رحمت سے دور کرچکا ہوں اور اس کا وعدہ کرچکا ہوں اور جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے سے مجھے نفرت ہے

اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج تیری تمام اولاد پر میں رحمت کر دیتا کسی کو دوزخ میں نہ بھیجتا مگر میری یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ اگر میرے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی اور میری نافرمانی کی گئی تو جہنم کو جنات اور انسانوں سے سب سے بھر دوں گا۔ اے آدم میں میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کروں گا نہ کسی کو عذاب دونگا سوائے ان لوگوں کے جن کے متعلق مجھے اپنے علم سے معلوم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا گیا تب بھی یہ اسی شر کی طرف رجوع کرینگے جو ان کے اندر ہے شر سے نہیں لوٹیں گے اے آدم میں آپ اپنے اور تیری اولاد کے درمیان تجھے ہی فیصلہ کن (پنچ) بناتا ہوں اعمال کی وزن کشی کے وقت میزان کے پاس جا کر تو خود کھڑا ہو جا جس کا خیر کا پلڑا شر کے پلڑے سے ذرہ برابر بھی جھکتا ہوا ہو اس کے لئے جنت ہے (میں نے یہ باتیں تجھے اس لئے کہی ہیں) تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں صرف ظالم کو دوزخ میں داخل کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
اور کہتے ہیں ہمارے لئے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر
بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾
نہیں زندہ ہونا

یعنی خوب مزے اڑا لو۔ دنیوی عیش کو خواہ مخواہ فکر آخرت سے منغص مت کرو۔ یہی حال آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ
اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جاوینگے اپنے رب کے سامنے
هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا
فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے اپنے رب کی فرمائے گا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾
تو چکھو عذاب بدلے میں اپنے کفر کے

یعنی جب حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور بعث بعد الموت وغیرہ کے اقرار سے چارہ نہ رہے گا تب کہا جائے گا کہ انکار حقیقت اور ''کفر بالمعاد'' کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا
تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا یہاں تک کہ
جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي
جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی
مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ
ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر
عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾
خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھاویں گے

سب سے بڑی بدبختی:

انسان کی بڑی شقاوت اور بدبختی یہ ہے کہ ''لقاء اللہ'' سے انکار کرے اور زندگی کے اس بلند ترین مقصد کو جھوٹ سمجھے۔ یہاں تک کہ جب موت یا قیامت سر پر آ کھڑی ہو تب بے فائدہ کف افسوس ملتا رہ جائے کہ ہائے میں نے اپنی دنیوی زندگی میں یا یوم قیامت کے لئے تیاری کرنے میں کیسی ناقابل تلافی کوتاہی کی اس وقت اس افسوس و حسرت سے کچھ نہ ہوگا۔ جرموں اور شرارتوں کے بار گراں کو جس سے اس کی پشت خمیدہ ہوگی، یہ ناوقت کا تاسف وتحسر ذرا بھی ہلکا نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قبر میں برے عمل بری شکل میں آئیں گے:

روایت ہے کہ جب کوئی گناہ گار قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک نہایت بدشکل صورت سامنے آتی ہے۔ کالا رنگ، بدبودار، میلے کپڑے، اس کے ساتھ قبر میں سکونت پذیر ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا ہی برا ہے تیرا چہرہ تو وہ کہے گا کہ تیرے اعمال قبیحہ کا میں عکس ہوں، ایسے ہی تھے تیرے اعمال اور ایسے ہی بدبودار تھے تیرے، تمام کام۔ وہ کہے گا تو ہے کون؟ تو کہے گا میں تیرا عمل ہوں۔ پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ قبر میں رہے گا۔ قیامت میں وہ اس سے کہے گا کہ لذات وشہوات کی شکل میں تجھ کو میں دنیا میں اٹھائے ہوئے تھا، آج کے روز تو مجھے اٹھائے گا۔ چنانچہ اس کے اعمال کا مجسمہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

معتزلہ کی محرومی:

معتزلہ بھی چونکہ اللہ کے دیدار اور مغفرت وشفاعت کے منکر ہیں اس لئے

ان کو دیدار و مغفرت اور شفاعت سے محرومی ہوگی اس لئے وہ بھی نامراد رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے (حدیث قدسی ہے) میرے متعلق میرا بندہ جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی کے گمان کے پاس (یعنی اس کے مطابق) ہونگا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابراہیم صائغ رحمہ اللہ کا شوق:

طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ واثلہ کی روایت سے ابراہیم صائغ کا قول نقل کیا ہے ابراہیم نے کہا دیدار الٰہی کے عوض اگر مجھے آدھی جنت مل جائے تو مجھے پسند نہیں پھر ابراہیم نے آیات ذیل تلاوت کیں

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ

پھر فرمایا (ہذا سے اشارہ دیدار کی طرف ہے) یہ ای بالرویۃ۔

بُروں کے بُرے عمل اور نیکوں کے نیک عمل ان پر سوار ہونگے

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اور (قبروں سے نکلتے وقت) وہ اپنی بداعمالی کے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہونگے۔ ابن ابی حاتم نے عمرہ بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ مومن جب قبر سے برآمد ہوگا تو اس کا نیک عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں مومن کہے گا نہیں بس اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری صورت حسین اور تیری خوشبو پاکیزہ بنائی ہے نیک عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں آپ کا نیک عمل ہوں۔ میں مدت دراز تک دنیا میں تیرے اوپر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہوجا پھر (راوی نے) یہ آیت تلاوت کی يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا اور کافر کا عمل مکروہ ترین شکل اور بدترین بو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دے گا نہیں مگر اتنی بات جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بہت مکروہ اور تیری بو بہت گندی بنائی ہے عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہونگا پھر (راوی نے) یہ آیت تلاوت کی وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔

مال غنیمت میں چوری کا مال قیامت کے دن گردن پر ہوگا:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں چوری کرنے کو بڑا جرم بتایا پھر (مویشی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو ڈرانے کے لئے) فرمایا خوب سن لو میں ایسی حالت میں (تم کو) نہ پاؤں کہ تم میں سے بعض لوگ بلبلاتے اونٹ کو اپنی گردن پر اٹھائے میرے سامنے آئیں اور کہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہائی ہے اور میں جواب دوں آج اللہ کے سامنے میرا کچھ قابو نہیں میں تجھے (دنیا میں) پیام پہنچا چکا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنہناتے گھوڑے اور ممنناتی بکری اور سونے چاندی کے گردن پر سوار ہونے کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ متفق علیہ۔ ابویعلی اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث عمرؓ بن خطاب کی روایت سے نقل کی ہے۔

ضرورت سے زائد مکان:

طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس نے اپنی ضرورت سے زائد کوئی مکان بنایا (یعنی جائیداد بنائی) قیامت کے دن اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس مکان کو اپنے کندھے پر اٹھائے۔

کسی کی زمین غصب کرنا:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے جس نے بالشت بھر زمین بغیر حق کے لی قیامت کے دن اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔ اس مبحث کی احادیث طبرانی نے حضرت حکم بن حارث اور حضرت انسؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہیں اور طبرانی نیز امام احمد نے حضرت یعلیٰ بن مرہ اور حضرت ابو مالکؓ اشعری کی روایت سے اس باب کی احادیث نقل کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَلَلدَّارُ
اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾
گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے کیا تم نہیں سمجھتے

کافروں کے غلط خیال کی تردید:

کفار تو یہ کہتے تھے کہ دنیوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فانی اور مکدر زندگانی حیات اخروی کے مقابلہ میں محض ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ یہاں کی زندگی کے صرف ان ہی لمحات کو زندگی کہا جاسکتا ہے جو آخرت کی درستی میں خرچ کئے جائیں۔ بقیہ تمام اوقات جو آخرت کی فکر و تیاری سے خالی ہوں ایک عاقبت اندیش کے نزدیک لہو ولعب سے زائد وقعت نہیں رکھتے۔ پرہیزگار اور سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ ان کا اصلی گھر آخرت کا گھر اور ان کی حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بزرگوں کے حالات میں ہے کہ وفات کے قریب مولانا جامیؒ کا یہ شعران کی زبان پر تھا ۔

با دو روزِ زندگی جامی نشد سیر غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمرِ جاودانی داشتیم

وہ لمحات مذموم ہیں جو یادِ الٰہی کے بغیر گذریں:

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مذکورہ آیات میں سے آخری آیت میں اور متعدد آیات قرآنیہ میں جو حیات دنیا کو لہو ولعب فرمایا ہے، یا احادیث کثیرہ میں دنیا کی جو مذمت آئی ہے اس سے مراد حیات دنیا کے وہ لمحات وساعات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر سے غفلت میں گزریں، ورنہ جو وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت وذکر میں گذرتا ہے اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت ودولت نہیں۔

دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے
جو تیری یاد میں گذر جائے

ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے:

الدنیا ملعون و ملعون مافیها الا ذکر الله او عالم اومتعلم

''یعنی دنیا بھی ملعون ہے، اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے، مگر اللہ کی یاد اور عالم یا طالب علم۔''

اگر غور سے دیکھا جائے تو عالم اور طالب علم بھی ذکر اللہ ہی میں داخل ہو جاتے ہیں، کیونکہ علم سے وہی علم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب بنے، تو ایسے علم کا سیکھنا اور سکھانا دونوں ہی ذکر اللہ میں داخل ہیں، بلکہ امام جزریؒ کی تصریح کے مطابق دنیا کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت یعنی احکام شریعت کے مطابقت میں کیا جائے وہ سب ذکر اللہ ہی میں داخل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے سب ضروری کام، کسب معاش کے تمام جائز طریقے اور دوسری ضروریات جو حدودِ شریعت سے باہر نہ ہوں وہ سب ذکر اللہ میں داخل ہیں، اہل وعیال، اقرباء واحباب، پڑوسی اور مہمان وغیرہ کے حقوق کی ادائیگی کو احادیث صحیحہ میں صدقہ وعبادت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اس دنیا میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور ذکر اللہ کے سوا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، استاذ محترم حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے۔

بگذر از یاد گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست
در زمین و آسماں جز ذکر حق آباد نیست

اب ہر انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل وہوش دیا ہے خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ زندگی کے ان محدود لمحات وساعات کو کس کام میں خرچ کرنا چاہئے بلاشبہ عقل کا تقاضا یہی ہوگا کہ ان قیمتی اوقات کو زیادہ سے زیادہ اس کام میں خرچ کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا، حاصل ہو، باقی کام جو انسان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں ان کو بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جائے۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَرَضِیَ بِالْکَفَافِ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ

''یعنی عقلمند ہوشیار وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ اور بقدر کفایت معاش پر راضی ہو جائے اور ما بعد الموت کے لئے سارا عمل وقف کر دے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

موت ہر انسان کی قیامت ہے:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ساعت کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے (کہ ساعت موعودہ یا قیامت کب ہوگی) آپ ان کی جماعت کے سب سے کم عمر شخص کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے اگر یہ زندہ رہا تو اس کا بڑھاپا آنے سے پہلے تم پر تمہاری قیامت آپہنچے گی۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ

ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا

يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ

انکار کرتے ہیں اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول

قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا

تجھ سے پہلے پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر یہاں تک کہ

حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ

پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کی باتیں

اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور تجھ کو پہنچ چکے ہیں کچھ حالات رسولوں کے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کے دشمنوں کو دھمکی:

خلائق کے حال پر شفقت و ہمدردی سارے جہان سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی گئی تھی۔ آپ ان بدبختوں کی تکذیب و اعراض، مستقبل کی تباہی اور مشرکانہ و ملحدانہ کلمات سے سخت رنج اور صدمہ محسوس فرماتے تھے۔ ان آیات میں آپ کو تسلی اور ان اشقیاء کو دھمکی دی گئی ہے کہ آپ ان کے اعراض و تکذیب سے اس قدر دلگیر اور بے چین نہ ہوں، یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں فی الحقیقت آپ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو پہلے سے بالاتفاق صادق و امین سمجھتے تھے، بلکہ خدا کی آیات و نشانات کا جو پیغمبر علیہ السلام کی تصدیق و تبلیغ کے لئے بھیجی گئی ہیں، جان بوجھ کر از راہ ظلم و عناد انکار کر رہے ہیں تو آپ بھی ان ظالموں کا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مطمئن ہو جایئے۔ وہ خود ان کے ظلم اور آپ کے صبر کا پھل دینے والا ہے۔ انبیائے سابقین کے ساتھ بھی جن کے کچھ حالات آپ کو سنائے جا چکے ہیں ان کی قوموں نے تکذیب و ایذا رسائی کا برتاؤ کیا، جس پر خدا کے معصوم پیغمبر نہایت اولوالعزمی سے صبر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ حسب وعدہ خدا کی مدد پہنچی اور بڑے زبردست متکبرین کے مقابلہ میں ان کو مظفر و منصور کیا گیا۔ آپ سے جو نصر و ظفر کے وعدے کئے گئے ہیں ایک ایک کر کے پورے ہوں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر خدا کا وعدہ نہیں ٹل سکتا کس کی طاقت ہے جو خدا کی باتوں کو بدل ڈالے یعنی جو اس نے کہا ہے اسے واقع نہ ہونے دے۔ مکذبین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی جنگ حقیقۃً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں بلکہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جس نے ان کو اپنا سفیر اعظم اور معتمد بنا کر کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان خدائی نشانات کی تکذیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا دل سے اعتراف تھا

تفسیر مظہری میں بروایت سدی یہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کے دو سردار اخنس بن شریق اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی، تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم (عرب میں ابوجہل ابوالحکم کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام میں اس کے کفر و عناد کے سبب ابوجہل کا لقب دیا گیا) یہ تنہائی کا موقع ہے میرے اور تمہارے کلام کو کوئی تیسرا نہیں سن رہا ہے، مجھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اپنا خیال صحیح صحیح بتاؤ کہ ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔

ابوجہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں، انہوں نے عمر بھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بات یہ ہے کہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو قصی میں ساری خوبیاں اور کمالات جمع ہو جائیں باقی قریش خالی رہ جائیں اس کو ہم کیسے برداشت کریں؟ جھنڈا بنی قصی کے ہاتھ میں ہے حرم میں حجاج کو پانی پلانے کی اہم خدمت ان کے ہاتھ میں ہے، بیت اللہ کی دربانی اور اس کی کنجی ان کے ہاتھ میں ہے، اب اگر نبوت بھی ہم انہی کے اندر تسلیم کر لیں تو باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

انجام کار غلبہ و فتح آپ کی ہوگی:

قوم کی تکذیب اور ان سے اذیت بلیغ پہنچنے کے بعد وعدہ کیا گیا کہ عاقبت تمہاری ہے چنانچہ دنیا میں بھی ان کے لئے خدا کی طرف سے نصرت آ گئی، جیسے کہ آخرت کی نصرت حاصل ہو ہی چکی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ کی بات نہیں بدلتی اور نصرت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک دوسری روایت ناجیہ ابن کعب سے منقول ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمیں آپؐ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں، اور نہ ہم آپ کی تکذیب کرتے ہیں، ہاں ہم اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جس کو آپؐ لائے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

جانوروں کو بھی انصاف ملے گا:

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز تمام جانور، بہائم اور پرندے بھی دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا انصاف اس حد تک ہے کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بے سینگ جانور کو دنیا میں مارا تھا تو آج اس کا انتقام اس سے لیا جائے گا۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ
اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر
اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ
تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ زمین میں
أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ
یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لا دے ان کے پاس ایک معجزہ اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ
اللہ چاہتا تو جمع کر دیتا سب کو سیدھی راہ پر سو تو مت ہو
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾
نادانوں میں

کافروں کا ایک مطالبہ اور اس کا جواب:

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا نشان رہنا چاہیے جسے ہر کوئی دیکھ کر یقین کرنے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا کی ہدایت پر حریص تھے شاید آپ کے دل نے چاہا ہوگا کہ ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تربیت فرمائی کہ تکوینیات میں مشیت الٰہی کے تابع رہو۔ تکوینی مصالح اس کو مقتضی نہیں کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے ورنہ خدا تو اس پر بھی قادر تھا کہ بدون توسط پیغمبروں اور نشانوں کے شروع ہی سے سب کو سیدھی راہ پر جمع کر دیتا۔ جب خدا کی حکمت ایسے مجبور کن معجزات اور فرمائشی نشانات دکھلانے کو مقتضی نہیں تو مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ زمین یا آسمان میں سے سرنگ یا سیڑھی لگا کر ایسا فرمائشی اور مجبور کن معجزہ نکال کر دکھلا دے۔ خدا کے قوانین حکمت وتدبیر کے خلاف کسی چیز کے وقوع کی امید رکھنا نادانوں کا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى
مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرے گا
يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾
اللہ پھر اسکی طرف لائے جاوینگے

یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانے گیں جن کے دل کے کان بہرے ہو گئے وہ سنتے ہی نہیں، پھر مانیں کس طرح؟ ہاں یہ کافر جو قلبی وروحانی حیثیت سے مردوں کی طرح ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے اور ان چیزوں کو مانیں گے جن کا انکار کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے

کافروں نے کہا ہماری منہ مانگی نشانی کیوں نہ اُتری:

یعنی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری جن کی وہ فرمائش کرتے تھے کمافی قولہ تعالیٰ:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

(بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

ورنہ ویسے تو آپ پر بے شمار علمی وعملی معجزات ونشانات بارش کی طرح اترتے رہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ
کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اس بات پر کہ اتارے نشانی
لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾
لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے

اللہ تعالیٰ عاجز نہیں مگر اس کا ایک قانون ہے:

یعنی خدا فرمائشی معجزات دکھلانے سے عاجز نہیں۔ لیکن جن قوانین حکمت ورحمت پر نظام تکوین کی بنیاد ہے تم میں کے اکثر ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں ان قوانین کا اقتضاء یہی ہے کہ تمام فرمائشی معجزات نہ دکھلائے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ
اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے
بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِى
اپنے دو بازوؤں سے مگر ہر ایک امت ہے تمہاری طرح ہم نے نہیں
الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
چھوڑی لکھنے میں کوئی چیز پھر سب اپنے رب کے سامنے جمع ہونگے

فرمائشی نشانات نہ دکھانے کی بعض حکمتیں:

ان آیات میں بعض حکمتوں پر متنبہ کیا گیا ہے جو فرمائشی نشانات نہ دکھلائے جانے میں مرعی ہیں۔ یعنی تمام حیوانات خواہ زمین پر رینگتے ہوں یا ہوا میں اڑتے ہوں، وہ بھی انسانوں کی طرح ایک امت ہیں۔ ان میں سے ہر نوع کو حق تعالیٰ نے ایک خاص وضع اور فطرت پر پیدا کیا جو ان کے معین خواص و افعال کے دائرہ میں کام کرتی ہے کوئی جانور اپنے افعال و حرکات کے محدود حلقہ سے جو قدرت نے باعتبار اس کی فطرت و استعداد کے مشخص کر دیئے ہیں، ایک قدم باہر نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی حیوان نے اپنی نوع کے محدود دائرہ عمل میں کسی طرح کی ترقی نہیں کی۔ اسی طرح ہر چیز کی استعداد و فطرت کو خیال کر لیجئے حق تعالیٰ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں تمام انواع و اجناس کی تدبیر و تربیت کے اصول و فروع منضبط ہیں۔ کوئی چیز نہ اس زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد اس مکمل انضباط و انتظام سے باہر جا سکتی ہے انسان جنس حیوان میں "بااختیار اور ترقی کن" حیوان ہے۔ اسی کسب و اختیار اور ترقی کن عقل و تمیز کی موجودگی نے اس کے "نظام تکوینی اور قانون حیات" کو دوسرے تمام حیوانات سے ایسا اعلیٰ اور ممتاز بنا دیا ہے کہ اب اسے حیوان کہتے بھی شرم آتی ہے۔ وہ برخلاف باقی حیوانات کے دیکھنے سننے اور پوچھنے سے نئی نئی معلومات حاصل کرتا اور قوۃ فکریہ سے ان کو ترتیب دیکر "حیات جدید" کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ وہ نیک و بد میں تمیز کرنے، نافع و ضار کے پہچاننے، آغاز و انجام سمجھنے پر قادر، اور کسی عمل کے کرنے یا چھوڑنے میں فی الجملہ آزاد ہے اسی لئے اس کو خدا کی جانب سے ایسے نشانات دکھلائے جاتے ہیں جن میں غور و فکر کرنے کا موقع مل سکے اور فکر و کسب کی فطری آزادی کو سلب کرنے والے نہ ہوں۔ اور اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے قوائے عقلیہ سے ٹھیک طور پر ان میں غور کرے تو اسے حق و باطل اور نیک و بد کی تمیز کرنے میں کچھ دقت نہ ہو۔ پس ایسے فرمائشی نشانات و معجزات کی درخواست کرنا جو بہمہ وجوہ ایمان لانے پر مجبور کر دیں، انسان کی فطری آزادی اور اس کے نظام ترکیبی کو تباہ کرنے، بلکہ انسان کو عام حیوانات کی صف میں اتارنے کا مرادف ہے۔ اور اگر فرمائشی نشان بہمہ وجوہ مجبور کن نہ ہوں تو انکا دکھلانا بے کار ہے کیونکہ ان میں بھی وہی غیر ناشی عن دلیل شکوک و شبہات پیدا کر لئے جائیں گے جو ہزاروں غیر فرمائشی نشانات میں کئے جا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلے ٹڈی دل ہلاک ہوں گے:

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہیں آیا۔ آپؓ نے دریافت کی تو کچھ معلوم نہ ہوا۔ آپؓ کو چونکہ تعلق خاطر تھا اس لئے عراق اور شام وغیرہ کی طرف لوگوں کو بھیج کر دریافت کرایا کہ آیا وہاں کوئی ٹڈی دل آیا۔ تو یمن کی طرف سے آدمی نے چند ٹڈیاں نکال کر سامنے ڈال دیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر تین بار اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ رسول اللہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں جس میں سے چھ سو سمندری ہیں اور چار سو خشکی کی ہیں۔ سب سے پہلے اللہ اس ٹڈی والی مخلوق کو ہلاک کریگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب کے حقوق دلوائے جائیں گے:

ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق اٹھائی جائے گی چوپائے کیڑے مکوڑے اور پرندے سب ہی کا حشر ہوگا اور اللہ کا انصاف اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اللہ سینگوں والی سے منڈی کا بدلہ دلوائے گا پھر فرمائے گا خاک ہو جاؤ (ادائے حقوق کے بعد سب جاندار خاک ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا کاش میں بھی خاک ہو جاتا (کہ دوامی عذاب سے نجات ہو جاتی) بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل حقوق کو ان کے حقوق دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ سینگوں والی بکری سے منڈی بکری کا بدلہ دلوایا جائیگا طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا دو بکریوں کا ہوگا۔ ایک سینگوں والی ہوگی، دوسری منڈی۔ اسی طرح ایک حدیث حضرت ابوذرؓ کی روایت سے احمد اور بزار اور طبرانی نے بھی نقل کی ہے۔ اور حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی ایسی حدیث بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی
اور جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں
الظُّلُمٰتِ
اندھیروں میں

نہ سنتے ہیں نہ پوچھتے ہیں ہدایت کیسے ملے:

نہ کہنے والے کی سنتے ہیں نہ خود دوسرے سے پوچھتے ہیں اور نہ

اندھیرے میں کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جب سب قوی اپنی بے اعتدالیوں سے بے کار کر لئے تو حق کی تصدیق وقبول کا کیا ذریعہ ہو؟

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ

جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے

گمراہ کرنا اسی کو چاہتا ہے جو خود ذرائع ہدایت کو اپنے اوپر مسدود کر لیتے ہیں۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (اعراف۔ رکوع ۲۲) (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ

اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر تو کہہ

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ

دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر

السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

قیامت کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ

سچے ہو بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کیلئے اسکو

مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

پکارتے ہو اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے

سچ بتاؤ! مصیبت کے وقت کون کام آتا ہے:

جب اندھے بہرے گونگے ہو کر آیات اللہ کو جھٹلایا اور گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتلاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو اور سب شرکاء کو بھول جاتے ہو فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ جس پر اگر خدا چاہتا ہے تو اس مصیبت کو دور بھی کر دیتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ نزول عذاب یا ہول قیامت سے بچانے والا بجز خدا کے اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کس قدر حماقت اور اندھاپن ہے کہ اس خدا کی عظمت وجلال کو فراموش کر کے اس کی نازل کی ہوئی آیات کی تکذیب اور فرمائشی آیات کا مطالبہ کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ

اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں پر تجھ سے پہلے پھر ان کو پکڑا ہم نے

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ

سختی میں اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑاویں پھر کیوں نہ گڑگڑائے

اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

جب آیا ان پر عذاب ہمارا لیکن سخت ہو گئے دل ان کے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ

پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو انکو کی گئی تھی کھول دیئے ہم نے ان

كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

جو انکو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے انکو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید

عذاب آنے کی ترتیب:

گزشتہ آیت میں عذاب آنے کا احتمال بیان ہوا تھا۔ اب واقعات کا حوالہ دیتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اس طرح کے عذاب آ چکے ہیں۔ نیز متنبہ فرما دیا کہ جب مجرم کو ابتداءً ہلکی تنبیہ کی جائے تو اس کو معاً خدا کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ سخت دلی اور اغوائے شیطانی سے اسے ہلکا نہ سمجھے۔ موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے، اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلا وا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے۔ جب نعمتوں کی شکر گزاری اور انعام واحسان سے متاثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں غرق ہوا تو دفعتہً بے خبر پکڑا گیا۔ یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے۔ یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح، قوم ثمود اور قوم لوط پر عذاب:

نوح علیہ السلام کی پوری قوم کو پانی کے ایسے طوفان عام نے گھیر لیا جس

سے پہاڑوں کی چوٹیاں بھی محفوظ نہ رہ سکیں، قوم عاد پر ہوا کا شدید طوفان آٹھ دن تک مسلسل رہا جس سے ان کا کوئی فرد باقی نہ بچا، قوم ثمود کو ایک خوفناک آواز کے ذریعہ تباہ کر دیا گیا، قوم لوط علیہ السلام کی پوری بستی کو الٹ دیا گیا جو آج تک اردن کے علاقہ میں ایک عجیب قسم کے پانی کی صورت میں موجود ہے، جس میں کوئی جانور مینڈک مچھلی وغیرہ زندہ نہیں رہ سکتی، اسی لئے اس کو بحر میت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، اور بحر لوط کے نام سے بھی۔

دنیا کی راحت وتکلیف سزا و جزاء کے نمونے ہیں:

الغرض دنیا کی راحت وکلفت درحقیقت سزاء و جزاء نہیں، بلکہ سزاء و جزاء کے نمونے ہیں اور یہ پوری دنیا آخرت کا شوروم ہے جس میں تاجر اپنے مال کے نمونے دکھانے کے لئے دکان کے سامنے لگاتا ہے، کہ ان کو دیکھ کر خریدار کو رغبت پیدا ہو، معلوم ہوا کہ دنیا کا رنج وراحت درحقیقت سزاء و جزاء نہیں بلکہ خالق سے کٹی ہوئی مخلوق کا رشتہ پھر اپنے خالق سے جوڑنے کی ایک تدبیر ہے۔

خلق را با تو چنیں بدخو کنند تا ترا ناچار روآں سو کنند

(معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی بندہ گناہوں پر جما ہوا ہو اور دنیا میں ہر دل پسند چیز اس کو ملتی رہے تو (سمجھ لو) کہ یہ محض ڈھیل ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ (تفسیر مظہری)

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پالنے
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾
والا ہے سارے جہان کا

ظالموں کی ہلاکت بھی اللہ کی رحمت ہے:

ظالموں کا استیصال بھی اس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعۂ عالم کیلئے رحمتِ عظیم ہے اسی لئے یہاں حمد و شکر کا اظہار فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اور اللہ ہی کے لئے ہر ستائش ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ ظالموں کو ہلاک کرنا بھی قابل حمد وستائش فعل ہے مؤمنوں کو ظالموں کے شر سے نجات ملتی ہے غلط افکار اور فاسد اعمال سے زمین پاک ہوتی ہے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ نزول عذاب کا موجب ہوتے ہیں پس ظالموں کی تباہی سے اہل زمین کو عمومی تباہی سے محفوظ ہو جاتے ہیں اس جگہ وصف ربوبیت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ ظالموں کو تباہ کر دینا ہمہ گیر ربوبیت کا تقاضا ہے (متعدی بیمار کی ہلاکت تعدیہ مرض کی بندش وبیخ کنی کا سبب ہوتی ہے) اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کرے اور اللہ اس کو ہلاک کر دے تو ایسے شخص کی ہلاکت پر اللہ کی حمد کرنی واجب ہے۔ (تفسیر مظہری)

ارشاد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتا ہے تو اس کو پاک دامنی اور میانہ روی بخشتا ہے اور جس قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتا ہے تو اسے کشائش عطا فرماتا ہے اور باب خیانت اس پر کھول دیتا ہے اور جب وہ مغرور ہو جاتے ہیں تو ناگہاں اسے پکڑ لیتا ہے۔ اب وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ
تو کہہ دیکھو تو اگر چھین لے اللہ تمہارے کان
وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ
اور آنکھیں اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر

کہ نہ تم سن سکو نہ دیکھ سکو نہ دل سے سمجھ سکو۔ (تفسیر عثمانی)

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ
تو کون ایسا رب ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لا دیوے

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "یعنی توبہ میں دیر نہ کرے۔ جو کان اور آنکھ اور دل اس وقت ہے شاید پھر نہ ملے اور اس لئے توبہ واستغفار کی توفیق نہ ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ
دیکھ ہم کیونکر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں پھر بھی
يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ
وہ کنارہ کرتے ہیں تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر
عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً
عذاب اللہ کا اچانک

''اچانک'' یعنی وہ عذاب جس کی کچھ علامات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ والہذا ''جهرة'' سے مراد وہ عذاب ہوگا جس کے آنے سے قبل علامات ظاہر ہونے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۷﴾

یا ظاہر ہو کر تو کون ہلاک ہو گا ظالم لوگوں کے سوا

یعنی توبہ میں دیر نہ کرنی چاہئے شاید اس دیر میں عذاب پہنچ جائے جس کا خمیازہ صرف ظالموں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر پہلے ہی ظلم و عدوان سے توبہ کر چکا ہوگا تو اس عذاب سے بچ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ

اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی

وَمُنۡذِرِيۡنَ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ

اور ڈر سنانے کو پھر جو کوئی ایمان لایا اور سنور گیا تو نہ ڈر ہے

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں اور جنہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

ہماری آیتوں کو ان کو پہنچے گا عذاب اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

پیغمبر علیہ السلام کا مقصد تمہاری فرمائشیں پوری کرنا نہیں ہے:

یعنی تم جو عذاب الٰہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر بیہودہ فرمائشیں اور دور از کار سوالات کر کے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو دق کرنے اور ان کی تصدیق کے لئے خود ساختہ معیار تراشتے ہو، خوب سمجھ لو کہ پیغمبر دنیا میں اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ تمہاری ایسی واہی تباہی فرمائشیں پوری کرتے رہا کریں۔ ان کی بعثت کی غرض صرف ''تبشیر و انذار'' اور ''تبلیغ و ارشاد'' ہے وہ خدا کی طرف سے اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ فرمانبرداروں کو بشارات سنائیں اور نافرمانوں کو ان کے انجام بد پر متنبہ کر دیں آگے ہر شخص کی کمائی اس کے ساتھ ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر یقین کیا اور اعتقاداً و عملاً اپنی حالت درست کر لی، حقیقی امن اور چین اس کو نصیب ہوا۔ اور جس نے خدا کی آیات کو جھٹلا کر ہدایت الٰہی سے روگردانی کی وہ نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے سخت تباہی اور عذاب عظیم کے نیچے آ گیا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ۚ

اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں

منصب رسالت کی حقیقت:

اس آیت میں منصب رسالت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو، اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو، وہ فوراً بتلا دیا کرے یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لوازم و خواص بشریہ سے اپنی برأت و نزاہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا از راہ تعنت و عناد اس قسم کا سوال کرنا کہ ''قیامت کب آئے گی'' یا کہنا کہ ''یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جاتے ہیں'' اور ان ہی امور کو معیار تصدیق و تکذیب ٹھہرانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم الغیب فقط اللہ تعالیٰ ہے:

تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علم محیط صرف حق تعالیٰ شانہ کی مخصوص صفت ہے، جس طرح اس کے خالق و رازق، قادر مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا، اسی طرح ان کے علم محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو غیب کی لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سرور کائنات سید الرسل امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے بارہ میں بڑا جامع جملہ یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کمالات علمی میں بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعد تمام فرشتوں اور انبیاء و رسل سے آپ کا علم بڑھا ہوا ہے، مگر خدا تعالیٰ کے برابر نہیں، برابری کا دعویٰ کرنا عیسائیت کے غلو کا راستہ ہے۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى

میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے تو کہہ دے

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾
کب برابر ہوسکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا سو کیا تم غور نہیں کرتے

علم وعمل دونوں میں پیغمبر کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے:

یعنی اگر چہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی وعملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اعمیٰ وبصیر (اندھے اور سوانکھے) کا تفاوت سمجھنا چاہئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الٰہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کے لئے کھلی رہتی ہیں، جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوت عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول وفعل اور ہر ایک حرکت وسکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع ومنقاد ہوتے ہیں۔ وحی سماوی اور احکام الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کرسکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق واعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور وفکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کے مطالبوں کا جواب:

بغوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ مشرکوں نے جب (اندھا دھند) معجزات کی طلب کی تو ان آیات کا نزول ہوا مطلب یہ ہے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اللہ کے خزانے میرے قبضہ میں ہیں یہاں تک کہ میں کوہِ صفا کو سونے کا بنادوں اور جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تم کو دے دوں نہ میں غیب دانی کا مدعی ہوں کہ گزشتہ آئندہ باتیں بغیر اللہ کی وحی کے تم کو بتادوں نہ خود فرشتہ ہونے کا میرا دعویٰ ہے کہ مجھے کھانے پینے اور نکاح کرنے کی ضرورت نہ ہو میں تو بس اسی پر چلتا ہوں جو وحی سے میرے پاس آجاتا ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا
اور خبردار کردے اس قرآن سے ان لوگوں کو جن کو ڈر ہے اسکا کہ
اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ
وہ جمع ہونگے اپنے رب کے سامنے اس طرح پر کہ اللہ کے سوا نہ
وَّلَا شَفِيْعٌ
کوئی ان کا حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا

جو خوف رکھتے ہیں ان کو ڈرایئے:

یعنی جو لوگ فرمائشی معجزات دکھلائے جانے پر ایمان رکھنے کے بجائے ازراہ تعنت وعناد آیات اللہ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، ان سے قطع نظر کیجئے۔ کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع نہیں۔ اب وحی الٰہی (قرآن) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کا مزید اہتمام فرمایئے جن کے دلوں میں محشر کا خوف اور عاقبت کی فکر ہے۔ کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہوسکتی ہے کہ نصیحت سے متاثر اور ہدایت قرآنی سے منتفع ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ شفاعت:

اس آیت میں بظاہر شفاعت کی نفی ہے لیکن دوسری آیات میں باذنِ خداوندی شفاعت ہونے کا ثبوت موجود ہے (اسی طرح مؤمنوں کے لئے مؤمنوں کا حامی ہونا بھی مذکور ہے) اس لئے مثبتینِ شفاعت (یعنی اہل سنت) کی طرف سے کہا جائے گا کہ اللہ کے اذن کے بعد شفاعت ہونا بھی حقیقت میں اللہ ہی کی حمایت ہے (اور آیت میں نفی ولایت وشفاعت سے بلا اذنِ الٰہی ولایت وشفاعت کی نفی مراد ہے) پس اولیاء کی طرف سے ولایت وشفاعت جو اذنِ خداوندی کے بعد ہوگی اس کی نفی آیت میں نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾
تاکہ وہ بچتے رہیں

یعنی یہ سن کر گناہ سے بچتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ
اور شام چاہتے ہیں اسی کی رضا

یعنی رات دن اس کی عبادت میں حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف
مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق:

اورانسان وحیوان میں یہی امتیازی فرق ہے کہ حیوانات کو اگلی زندگی کا کوئی فکر نہیں، بخلاف انسان کے کہ اس کی سب سے بڑی فکر اہل، عقل و ہوش کے نزدیک دوسری زندگی کی درستی ہے، اسی عقیدہ ونظریہ پر شرافت ورذالت اور عزت و ذلت کا معیار ظاہر ہے کہ زیادہ کھانا پینا یا زیادہ مال ودولت جمع کر لینا نہیں ہوگا، بلکہ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہوں گے، جن پر آخرت کی عزت کا مدار ہے۔

انبیاء کے ابتدائی متبعین غریب عوام ہوتے ہیں:

جب ہرقل شاہ روم کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ دعوت اسلام کے لئے پہنچا اور اس نے آپ کی حقانیت وصدق کی تحقیق کرنا چاہی تو واقف کار لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو سوالات کئے ہیں ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ان کے اکثر متبعین غریب عوام ہیں یا قوم کے بڑے لوگ؟ جب اس کو بتلا دیا گیا کہ غریب لوگ ہیں تو اس نے کہا ہم اتباع الرسل یعنی رسولوں کے ابتدائی متبعین یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی صاحب)

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا
تجھ پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے
مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ
حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو دور کرنے لگے
فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
پس ہو جاویگا تو بے انصافوں میں

انہیں غریبوں کی دلداری مقدم ہے:

یعنی جب ان کا ظاہر حال یہ بتلا رہا ہے کہ شب وروز خدا کی عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہتے ہیں تو اسی کے مناسب ان سے معاملہ کیجئے۔ ان کا باطنی حال کیا ہے یا آخری انجام کیا ہوگا اس کی تفتیش ومحاسبہ پر معاملات موقوف نہیں ہو سکتے۔ یہ حساب نہ آپ کا ان کے ذمہ ہے نہ ان کا آپ کے۔ لہٰذا اگر بالفرض آپ دولتمندوں کی ہدایت کی طمع میں ان غریب مخلصین کو اپنے پاس سے ہٹانے لگیں تو یہ بات بے انصافی کی ہوگی۔" موضح القرآن" میں ہے" کافروں میں بعض سرداروں نے حضرت سے کہا کہ تمہاری بات سننے کو ہمارا دل چاہتا ہے لیکن تمہارے پاس بیٹھتے ہیں رذیل لوگ۔ ہم ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر یہ آیت اتری، یعنی خدا کے طالب اگرچہ غریب ہیں، ان ہی کی خاطر مقدم ہے" (تفسیر عثمانی)

مقصد یہ ہے کہ اپنی مجلس سے نکالنا اور ہم نشینی ترک کرنا کسی وقت جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے اگر ہم نشینی سے دونوں میں سے کسی کا ضرر ہو۔ ہاں اگر آپس میں کسی کا نقصان نہ ہوتا ہو تو مجالست ترک کرنا واجب نہیں اور ان لوگوں کی ہم نشینی سے تو نہ آپ کا کوئی ضرر ہے نہ ان کا بلکہ دونوں کا فائدہ ہے آپ کی صحبت میں بیٹھ کر یہ نیکیاں کرینگے اور امت کی نیکیوں کا ثواب پیغمبر کو بھی ملنا یقینی ہے اور ان کو اپنی صحبت میں بٹھا کر آپ راہ راست بتاتے اور ہدایت کرتے رہیں گے اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ
اوراسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے تا کہ کہیں
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ
کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں کیا نہیں ہے
بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو

یعنی دولت مندوں کو غریبوں سے آزمایا ہے کہ ان کو ذلیل دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کیا لائق ہیں اللہ کے فضل کے۔ اور اللہ ان کے دل دیکھتا ہے کہ اللہ کا حق مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا
اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ
فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ
دے تو سلام ہے تم پر لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر
الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢ ا بِجَهَالَةٍ
رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے
ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ
پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جاوے تو بات یہ ہے کہ
رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ
وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں

سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۞

آیتوں کو اور تا کہ کھل جاوے طریقہ گنہگاروں کا

مؤمنوں کیلئے خوشخبری:

پہلے فرمایا تھا کہ پیغمبر تبشیر وانذار کے لئے آتے ہیں، چنانچہ اس رکوع کے شروع میں وانذر بہ الذین یخافون الخ، سے شان انذار کا استعمال تھا۔ اب مومنین کے حق میں شان تبشیر کا اظہار ہے یعنی مومنین کو کامل سلامتی اور رحمت ومغفرت کی بشارت سنا دیجئے تا کہ ان غریبوں کا دل بڑھے اور دولت مند متکبرین کے طعن وتشنیع اور تحقیر آمیز برتاؤ سے شکستہ خاطر نہ رہیں۔ اسی لئے ہم احکام وآیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں نیز اس لئے کہ مؤمنین کے مقابلہ میں مجرمین کا طریقہ بھی واضح ہو جائے۔ (تنبیہ) یہ جو فرمایا کہ "جو کوئی کرے تم میں سے بُرائی ناواقفیت سے" اس سے شاید یہ غرض ہو کہ مومن جو برائی یا معصیت کرتا ہے خواہ نادانستہ ہو یا جان بوجھ کر، وہ فی الحقیقت اس برائی اور گناہ کے انجام بد سے ایک حد تک ناواقف اور بیخبر ہی ہو کر کرتا ہے اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس اقدام کی جرأت کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی رحمت غالب ہے:

صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد میں بروایت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ فرمایا، تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا کہ ان رحمتي غلبت غضبي "یعنی میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔

"اور حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے تورات میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور ان کی ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا، تو صفتِ رحمت کے سو حصے کر کے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوقات کو تقسیم کر دیا، اور آدمی اور جانور اور دوسری مخلوقات میں جہاں بھی کوئی اثر رحمت کا پایا جاتا ہے وہ اسی حصۂ تقسیم شدہ کا اثر ہے ماں باپ اور اولاد میں، بھائی بہنوں میں، شوہر بیوی میں، عام رشتہ داروں میں، پڑوسیوں اور دوسرے دوستوں میں جو باہمی ہمدردی اور محبت ورحمت کے تعلقات مشاہدہ کئے جاتے ہیں، وہ سب اسی ایک حصۂ رحمت کے نتائج ہیں، باقی ننانوے حصے رحمت کے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے رکھے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی بیشمار نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کرنے سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، خواہ غفلت وجہل کی وجہ سے سرزد ہوا ہو، یا جان بوجھ کر شرارت نفس اور اتباع ہوی کی وجہ سے۔

رحمت ومغفرت کیلئے دو شرطیں:

اس جگہ یہ بات خاص طور پر قابل نظر ہے کہ اس آیت میں گناہگاروں سے مغفرت اور رحمت کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے وہ دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہے، ایک توبہ، دوسرے اصلاح عمل، توبہ کے معنی ہیں گناہ پر ندامت کے، حدیث میں ارشاد ہے: "انما التوبہ الندم، یعنی توبہ نام ہے ندامت کا"

دوسرے آئندہ کے لئے اصلاح عمل، اس اصلاح عمل میں یہ بھی داخل ہے کہ آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا عزم اور پورا اہتمام کرلے، اور یہ بھی شامل ہے کہ سابقہ گناہ سے جو حقوق کسی کے ضائع ہوئے ہیں تا حد اختیار ان کو ادا کرے، خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، حقوق اللہ کی مثال نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ فرائض میں کوتاہی کرنا ہے، اور حقوق العباد کی مثال کسی کے مال پر ناجائز قبضہ وتصرف کرنا، کسی کی آبرو پر حملہ کرنا، کسی کو گالی گلوچ کے ذریعہ یا کسی دوسری صورت سے ایذا پہنچانا ہے۔

اسی طرح حقوق العباد میں اگر کسی کا مال ناجائز طور پر لیا ہے تو اس کو واپس کرے، اس سے معاف کرائے اور کسی کو ہاتھ یا زبان سے ایذاء پہنچائی ہے تو اس سے معاف کرائے، اور اگر اس سے معاف کرانا اختیار میں نہ ہو، مثلاً وہ مر جائے یا ایسی جگہ چلا جائے جس کا اس کو پتہ معلوم نہیں، تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرتے رہنے کا التزام کرے، اس سے امید ہے کہ صاحب حق راضی ہو جائے گا، اور یہ شخص سبکدوش ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ کے آزاد کئے ہوئے بندے:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنی تقدیر قائم کی تو عرش پر جو اس کی کتاب لوح محفوظ ہے اس میں تحریر فرما دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی، چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مخلوق کے بارے میں نفاذ حکم سے اللہ تعالیٰ فارغ ہوگا تو تحت عرش سے کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہوگا کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔ پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے کچھ خیر کے کام نہ کئے ہوں گے اور ان کی آنکھوں کے درمیان ماتھے پر لکھا ہوگا عتقاء اللہ یعنی یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔

بندوں پر اللہ کا حق:

معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا

حق ہے؟ حق یہ ہے کہ وہ اُسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ پھر پوچھا کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ پھر کہا یہ ہے کہ خدا انہیں معاف کردے اور مبتلائے عذاب نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

مشرک سرداروں کے مطالبات اور جواب:

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ اور حضرت خباب بن الارتؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول ہمارے سلسلہ میں ہوا اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصن فزاری اور بعض دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب (مسلمانوں) میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلال، صہیب، عمار، خباب اور کچھ اور کمزور مسلمان بیٹھے ہوئے تھے آنے والوں نے ان بیچاروں (غریبوں) کو دیکھ کر تحقیر کی نظر سے دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صدر مقام پر تشریف فرما ہوں اور ان لوگوں کو اور ان کے لباس کی بدبو کو اپنے پاس سے ہٹادیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ سے کچھ حاصل کریں گے ان غریب مسلمانوں کے اونی چوغے تھے جن سے پسینہ کی وجہ سے بدبو پھیل رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اہل ایمان کو اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ کہنے لگے اچھا تو ہمارے لئے الگ جگہ مقرر کردیجئے کہ (آنے والے) عرب ہماری بڑائی کو پہچان لیں کیونکہ آپ کے پاس عربوں کے وفد آتے رہتے ہیں ہمیں ان کے سامنے ان غلاموں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے ہم جب آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھوادیا کریں اور جب ہم فارغ ہوکر چلے جائیں تو آپ کو اختیار ہے آپ پھر ان کو اپنے پاس بٹھالیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (یہ ہوسکتا ہے) کہنے لگے اس کی ایک تحریر لکھ دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ طلب فرمایا اور حضرت علیؓ کو بلوایا۔ راوی کا بیان ہے ہم ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے ہی تھے (اور تحریر لکھنے نہ پائے تھے) کہ جبرئیل آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ .... بِالشّٰكِرِيْنَ تک لے کر نازل ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دست مبارک سے کاغذ پھینک دیا اور ہم کو طلب فرمایا ہم خدمت میں پہنچے تو آپ پڑھ رہے تھے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ چنانچہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برابر بیٹھتے رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھنے کا ارادہ کرتے تو خود اٹھ جاتے اور ہم کو بیٹھا چھوڑ جاتے اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ اس کے بعد بڑے بڑے سرداروں کے آنے پر بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بیٹھے رہتے اور ہم اتنے قریب بیٹھتے کہ ہمارے زانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو سے چھونے لگتے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کا وقت آجاتا تو ہم خود اٹھ جاتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھا چھوڑ دیتے آخر آپ بھی اٹھ جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ مرنے سے پہلے اس نے مجھے حکم دیدیا کہ میں اپنی امت کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا رہوں۔ تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا جینا ہے۔

کلبی نے کہا اقرع اور عیینہ وغیرہ نے عرض کیا تھا۔ آپ ایک دن ہمارے لئے اور ایک دن ان کے لئے مقرر فرمادیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا نہیں کرسکتا کہنے لگے اچھا تو مجلس ایک ہی رکھئے مگر ہماری طرف کو منہ اور ان کی طرف کو پشت رکھئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قرأت قرآن کی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا میں مہاجروں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا برہنگی کی وجہ سے بعض لوگ بعض کی آڑ پکڑے ہوئے تھے اور ایک قاری پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آکر کھڑے ہوگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا دیکھ کر قاری چپ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور فرمایا تم کیا کررہے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاری قرآن مجید پڑھ رہا تھا ہم اللہ کا کلام سن رہے تھے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں بعض لوگ ایسے بنادیئے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو جمائے رکھنے کا حکم دیا اس کے بعد اظہار مساوات کے لئے آپ ہمارے وسط میں بیٹھ گئے پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو لوگوں نے گرداگرد حلقہ بنالیا اور سب کے چہرے سامنے آگئے (کوئی آڑ میں نہیں رہا) میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ حضورؐ نے کسی کو نہیں پہچانا۔ ارشاد فرمایا اے نادار مہاجروں کے گروہ! قیامت کے دن تم کو نور کامل حاصل ہونے کی بشارت ہو مالداروں سے آدھے دن پیشتر غریب لوگ جنت میں جائیں گے اور اس آدھے دن کی مقدار پانسو برس ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
تو کہہ دے مجھ کو روکا گیا ہے اس سے کہ بندگی کروں ان کی جن کو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ
تم پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک

ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

اب تو میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں

پیغمبر کبھی باطل کی پیروی نہیں کر سکتا:

گزشتہ آیت میں وہ چیزیں بیان ہوئیں جو مومنین سے کہنے کے لائق ہیں۔ اس رکوع میں ان امور کا تذکرہ ہے جو مجرمین اور مکذبین کے حق میں قابل خطاب ہیں۔ یعنی آپ فرما دیجئے کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل، میرا نور شہود اور وحی الٰہی جو مجھ پر اترتی ہے، یہ سب مجھ کو اس سے روکتے ہیں کہ میں توحید کامل کے جادہ سے ذرا بھی قدم ہٹاؤں۔ خواہ تم کتنے ہی حیلے اور تدبیریں کرو، میں کبھی تمہاری خوشی اور خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔ بفرض محال اگر پیغمبر کسی معاملہ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر عوام کی خواہشات کا اتباع کرنے لگیں تو خدا نے جنہیں ہادی بنا کر بھیجا تھا معاذ اللہ وہ ہی خود بہک گئے، پھر ہدایت کا بیج دنیا میں کہاں رہ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ

تو کہہ دے کہ مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اس کو جھٹلایا

یعنی میرے پاس خدا کی صاف وصریح شہادت اور واضح دلائل پہنچ چکیں، جن کے قبول سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اس کو جھٹلاتے ہو تو اس کا انجام سوچ لو۔ (تفسیر عثمانی)

مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ

میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو

یعنی عذاب الٰہی ۔ چنانچہ کفار کہتے تھے، اللّٰهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو آپ آسمان سے ہم پر پتھروں کی بارش کر دیجئے یا ہم پر اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے) (تفسیر عثمانی)

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ

حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ

خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿۵۷﴾ قُل لَّوْ أَنَّ عِندِي

کرنیوالا ہے تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کر

مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ

رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا درمیان میرے اور درمیان تمہارے

مجرموں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق فرماتا ہے:

یعنی جس پر چاہے جب چاہے اور جس قسم کا چاہے عذاب بھیجے یا نہ بھیجے ویسے ہی توبہ کی توفیق مرحمت فرما دے یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کسی کا حکم اور زور اس کے سوا نہیں چلتا۔ وہ دلائل و براہین کے ساتھ حق کو بیان کر دیتا ہے۔ پھر جو نہ مانیں ان کے متعلق بہترین فیصلہ کرنے والا بھی وہ ہی ہے۔ اگر ان کا فیصلہ کرنا یا سزا دینا میرے قبضۂ اختیار میں ہوتا۔ اور یہ نزول عذاب میں جلدی چاہنے والے مجھ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تو اب تک کبھی کا جھگڑا ختم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو خدا ہی کے علم محیط، حلم عظیم، حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا پرتو ہے کہ بے شمار مصالح وحکم کی رعایت کرتے ہوئے باوجود پوری طرح جاننے اور قدرت رکھنے کے ظالموں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔ آئندہ آیات میں اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ تاخیر عذاب جہل یا عجز کی بنا پر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سخت دن:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ یارسول اللہ! کیا یوم احد سے بھی کوئی شدید دن آپؐ پر گزرا تو آپؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ! تمہاری اس قوم سے سخت ترین تکلیف جو مجھے پہنچی وہ یوم عقبہ میں پہنچی جب کہ میں نے ابن عبد یالیل پر اپنے کو پیش کیا تو میری دعوت اس نے منظور نہیں کی۔ میں نہایت غمگین ہو کر چل کھڑا ہوا۔ مقام قرن ثعالب میں آ کر میرے حواس ٹھیک ہوئے اور میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر چھایا ہوا ہے اس میں جبرئیل دکھائی دے رہے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ یا محمدؐ! تمہاری قوم نے جو تم سے کہا، اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ ملک الجبال اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم جو چاہو اس کو حکم دو۔ ملک الجبال نے بھی آواز دی اور سلام عرض کیا اور کہا کہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف اسی لئے بھیجا ہے کہ اگر تم حکم دو یہ دونوں پہاڑ تمہاری قوم پر گرا دوں۔ تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا انہیں کافروں کی نسل سے ایسے لوگ بھی پیدا کر دے جو مؤمن نکلیں اور کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ

غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اسکے سوا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل

وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا

اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اسکو اور نہیں

حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا

گرتا کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ

يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

کوئی سوکھی چیز مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے

سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے:

یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ اور لوح محفوظ میں جو چیز ہوگی وہ علم الٰہی میں پہلے ہوگی۔ اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک وتر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہوسکتی۔ بناء علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت ومحل کا پورا پورا علم اسی کو ہے۔

غیب کے خزانے اور غیب کی کنجیاں:

(تنبیہ) " مفاتیح " کو جن علماء نے مفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے " مفاتیح الغیب " کا ترجمہ " غیب کے خزانوں " سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ " مفاتیح الغیب " کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی " غیب کی کنجیاں " مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس وعقل وغیرہ آلات ادارک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات و واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو " مفاتیح غیب " کہنا چاہئے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے:

تمام دنیا کے مذاہب میں اسلام کا طغرائے امتیاز اور اس کا سب سے اعظم عقیدۂ توحید ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک اور اکیلا جاننے کا نام توحید نہیں، بلکہ اس کو تمام صفات کمال میں یکتا و بے مثل ماننے اور اس کے سوا کسی مخلوق کو ان صفات کمال میں اس کا سہیم وشریک نہ سمجھنے کو توحید کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال: حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، مشیت، خلق، رزق وغیرہ وہ ان سب صفات میں ایسا کامل ہے کہ اس کے سوا کوئی مخلوق کسی صفت میں اس کے برابر نہیں ہوسکتی، پھر ان صفات میں بھی دو صفتیں سب سے زیادہ ممتاز ہیں؛ ایک علم، دوسرے قدرت، اس کا علم بھی تمام موجود وغیر موجود، ظاہر اور مخفی، بڑے اور چھوٹے ہر ذرہ ذرہ پر حاوی اور محیط ہے، اور اس کی قدرت بھی ان سب پر پوری پوری محیط ہے، مذکورہ دو آیتوں میں انہی دو صفتوں کا بیان ہے، اور یہ دو صفتیں ایسی ہیں کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں پر مکمل یقین اور اس کے استحضار کی کیفیت پیدا کر لے تو اس سے کوئی جرم وگناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، ظاہر ہے کہ اگر انسان کو اپنے ہر قول وعمل اور نشست وبرخاست میں ہر قدم پر یہ مستحضر رہے کہ ایک علیم وخبیر قادر مطلق مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے، اور میرے ظاہر و باطن اور دل کے اردہ اور خیال تک سے واقف ہے تو یہ استحضار کبھی اس کا قدم اس قادر مطلق کی نافرمانی کی طرف نہ اٹھنے دے گا، اس لئے یہ دونوں آیتیں انسان کو انسان کامل بنانے اور اس کے اعمال و اخلاق کو درست کرنے اور درست رکھنے میں نسخۂ اکسیر ہیں۔

نجومیوں کی پیشین گوئیوں کی حقیقت:

علم نجوم، جفر، رمل، یا ہتھیلی کی لکیروں وغیرہ سے جو آئندہ واقعات کا علم حاصل کیا جاتا ہے، یا کشف والہام کے ذریعہ کسی شخص کو واقعاتِ آئندہ کا علم ہو جاتا ہے، یا مون سون کا رخ اور اس کی قوتِ رفتار کو دیکھ کر موسمیات کے ماہرین ہونے والے باد وباراں کے متعلق پیشین گوئیاں کرتے ہیں، اور ان میں بہت سی باتیں صحیح بھی ہو جاتی ہیں، یہ سب چیزیں عوام کی نظر میں علم غیب ہوتی ہیں، اس لئے آیتِ مذکورہ پر شبہات ہونے لگتے ہیں کہ قرآن حکیم نے تو علم غیب کو ذاتِ حق جل شانہ کی خصوصیت بتلایا ہے، اور مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

جواب واضح ہے کہ کشف والہام یا وحی کے ذریعہ اگر اللہ تعالیٰ نے

اپنے کسی بندہ کو کسی آئندہ واقعہ کی اطلاع دے دی تو قرآنی اصطلاح میں وہ علمِ غیب نہ رہا، اسی طرح اسباب وآلات کے ذریعہ جو علم حاصل کیا جاسکے وہ بھی اصطلاحِ قرآنی کے لحاظ سے علم غیب نہیں، جیسے محکمۂ موسمیات کو یا کسی ڈاکٹر کو ایسی خبریں دینے کا موقع جب ہی ہاتھ آیا جب ان واقعات کا مادہ پیدا ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہاں جب ایکسرے کے آلات ایجاد ہوئے تو بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شائد اس کے ذریعے حمل کا نر یا مادہ ہونا معلوم ہو جاتا ہے مگر تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ایکسرے کے آلات بھی یہ متعین نہیں کر سکتے کہ حمل میں لڑکا ہے یا لڑکی۔

اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دیدیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا، اس کو قرآن میں غیب کی بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

غیب کے خزانے اور چابیاں کیا ہیں:

ابن عباسؓ نے کہا کہ اللہ نے دوات کو پیدا کیا اور الواح پیدا کئے اور دنیا میں تمام ہونے والے امور درج کئے کہ کیسی مخلوق پیدا ہوگی، رزق اس کو حلال ملے گا یا حرام، عمل اس کا نیک ہوگا یا بد۔ عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ تیسری زمین سے نیچے اور چوتھی کے اوپر جنوں نے تمہارے لئے ظاہر ہونا چاہا لیکن ان کا نور اور روشنی کسی زاویہ سے بھی تمہیں دکھائی نہ دے سکی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خواتیم ہیں کہ ہر خاتم پر ایک فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک فرشتہ کو بھیج کر کہتا ہے کہ جو خاتم تیرے حوالے ہے اس کی حفاظت کر۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغویؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر کے اندر کیا ہے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر کے اندر کیا ہے، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، اور سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب بپا ہوگی۔ امام احمدؒ اور بخاریؒ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے حضرت جبرئیل کے سوال کے سلسلہ میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی قیامت (پانچ غیبی امور میں سے ہے) اس کے بعد حضورؐ نے تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الخ میں کہتا ہوں کہ خزائنِ غیب انہی پانچ چیزوں میں محدود نہیں ہیں بلکہ جو چیز اب تک موجود نہیں ہوئی یا موجود ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا اظہار کسی پر نہیں کیا وہ خزائن غیب میں داخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ

اور وہی ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں

یعنی شب میں سوتے وقت ظاہری احساس وشعور باقی نہیں رہتا اور آدمی اپنے گردوپیش بلکہ اپنے جسم کے احوال تک سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ گویا اس وقت یہ قوتیں اس سے لے لی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ

اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں

یعنی دن میں جو کچھ چلنا پھرنا، نقل وحرکت اور کسب واکتساب واقع ہوتا ہے وہ سب کامل تفصیل کے ساتھ خدا کے علم میں موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ

پھر تم کو اٹھا دیتا ہے اس میں تاکہ پورا ہو وہ وعدہ جو مقرر ہو چکا ہے

یعنی اگر وہ چاہتا تو تم سوتے کے سوتے رہ جاتے لیکن موت کا وعدہ پورا ہونے تک ہر نیند کے بعد تم کو بیدار کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے پھر خبر دیگا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

تم کو اسکی جو کچھ تم کرتے ہو

زندگی اور موت کا چھوٹا سا نمونہ:

دن میں کاروبار کر کے رات کو سونا، پھر سو کر اٹھنا یہ روزمرہ کا سلسلہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے دنیا کی زندگی پھر موت پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کا۔ اسی لئے نیند اور بیداری کے تذکرہ کے ساتھ "مسئلہ معاد" پر متنبہ کر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے

حَفَظَةً ۭ

تم پر نگہبان

یعنی وہ فرشتے جو تمہاری اور تمہارے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں
رُسُلُنَا
اسکو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے

یعنی جو فرشتے روح قبض کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتے اور ان کا نظام:

حتی کہ ارسال حفظہ کی غرض ظاہر کی گئی ہے یا غلبہ کا نتیجہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسلنا سے مراد ہیں ملک الموت کے مددگار فرشتے۔ ابوالشیخ نے نخعی کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ سیوطی نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو فرشتے انسان کے قریب رہتے ہیں وہی اس کی اجل کو بھی لکھتے ہیں اور جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ ہی روح کو لیکر ملک الموت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ (گویا اعمالنامے لکھنے والے ملک الموت کے ماتحت ہوتے ہیں) گویا ملک الموت اس تحصیلدار کی طرح ہے کہ اس کے ماتحت زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ابن حبان اور ابوالشیخ کا بیان ہے کہ ربیع بن انسؒ سے دریافت کیا گیا کیا ملک الموت تنہا تمام روحوں کو قبض کرتا ہے ربیع نے کہا روحوں کا ذمہ دار تو تنہا ملک الموت ہے مگر اس کے مددگار اور کارندے ہیں اور سب کا سردار ملک الموت ہے اور فرشتہ موت کا ایک قدم مشرق سے مغرب تک کا ہوتا ہے۔ دریافت کیا گیا مومنوں کی روحیں کہاں رہتی ہیں ربیع نے جواب دیا سدرۃ المنتھی کے پاس۔

یہ بھی قرطبی کا بیان ہے حدیث میں آیا ہے کہ مرنے والے پر چار فرشتے اترتے ہیں ایک دائیں پاؤں سے دوسرا بائیں پاؤں سے تیسرا دائیں ہاتھ سے اور چوتھا بائیں ہاتھ سے جان کھینچتا ہے۔ (ذکرہ ابو حامد)

روح رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے پاس:

کلبی کا بیان ہے کہ ملک الموت روح کو قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے جویبر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت کا تسلط زمین کی تمام چیزوں پر اسی طرح ہے جس طرح اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز پر ہے تمام جانوں کو وہ خود ہی قبض کرتا ہے مگر اس کے ساتھ رحمت اور عذاب کے فرشتے ہوتے ہیں پاک روح کو قبض کرنے کے بعد رحمت کے فرشتوں کو دیدیتا ہے اور ناپاک روح کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ابن المثنی حمصی کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

مؤمن کی موت:

حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ حدیث سے ہے جس کو احمد ابو داؤد و حاکم ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ نے صحیح اسنادوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن بندہ کا تعلق جب دنیا سے منقطع ہونے لگتا ہے اور آخرت سامنے سے آ رہی ہوتی ہے تو سورج جیسے گورے چہروں والے ملائکہ اس کے پاس اتر کر آتے ہیں جنت کا کفن اور خوشبوان کے ساتھ ہوتی ہے آ کر درازی نگاہ کے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آ کر مرنے والے کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف نکل کر چل، روح فوراً اس طرح بہتی نکل آتی ہے جس طرح مشک کے اندر سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے موت کا فرشتہ اس کو لے کر فوراً (مندرجہ بالا) ملائکہ کے سپرد کر دیتا ہے پل بھر بھی اپنے ہاتھ میں نہیں روکتا ملائکہ اسی (بہشتی) کفن اور خوشبو میں روح کو لپیٹ دیتے ہیں الحدیث۔ اسی حدیث میں کافر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیاہ رو ملائکہ ٹاٹ لئے درازی نظر کے فاصلہ پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور روح قبض کر کے فوراً (عذاب کے سیاہ رو) فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے پل بھر بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا۔

ملک الموت مشرق ومغرب میں روحیں کیسے قبض کرتا ہے:

ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ملک الموت تو ایک ہے اور مشرق مغرب اور ان دونوں کے درمیان دو لشکر لڑتے ہیں گرتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں (ایک وقت میں ملک الموت کہاں کہاں جاتا اور کس کس کی جان قبض کرتا ہے) فرمایا ملک الموت کے لئے دنیا اس طرح گھیر دی گئی ہے جس طرح ایک طشت تمہارے سامنے ہوتا ہے دنیا کی کوئی چیز ملک الموت سے چھوٹ نہیں سکتی۔ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے اشعث بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے جس کا نام

عزرائیل ہے اور جس کی دو آنکھیں آگے چہرہ میں اور دو آنکھیں پیچھے گدی میں ہیں دریافت کیا کہ جب ایک شخص مشرق میں دوسرا مغرب میں ہو اور وباء کسی زمین پر پھیلی ہوئی ہو (یا) دو لشکر باہم لڑیں تو آپ کیا کرتے ہیں عزرائیل نے کہا میں روحوں کو باذن اللہ پکارتا ہوں اور تمام روحیں میری اس چٹکی میں آجاتی ہیں۔ اشعث بن اسلم نے کہا ملک الموت کے سامنے زمین ہموار شکل میں طشت کی طرح رکھ دی گئی ہے جس جگہ سے چاہتے ہیں وہ روح کو پکڑ لیتے ہیں۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے سوال کے جواب میں ملک الموت نے کہا کہ اللہ نے دنیا کو میرا تابع بنا دیا ہے جس طرح تمہارے سامنے طشت رکھا ہو اور تم اس میں سے جس کنارہ سے چاہو (پھل یا کھانا وغیرہ) لے سکتے ہو اسی طرح دنیا میرے لئے ہے۔

ابوالشیخ اور ابونعیم نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے اور الزہد میں بھی مجاہد کا یہ بیان آیا ہے کہ ملک الموت کے لئے زمین ایک طشت کی طرح کر دی گئی ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے روح کو لے لیتا ہے اللہ نے اس کے کچھ مددگار بنا دیئے ہیں جو روحوں کو قبض کرتے ہیں پھر ان سے ملک الموت وہ روحیں لے لیتا ہے۔

مسئلہ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح محسوسات میں سورج کا تعلق (ایک وقت میں) ہر چیز سے برابر ہے اسی طرح ملک الموت کے لئے تمام زمین اور اطراف زمین ہے۔ (ایک ہی وقت اس کا تعلق ہر گوشۂ زمین سے ہے ایک کام میں مشغولیت اس کو (اسی وقت میں) دوسرے کام میں مشغول ہونے سے نہیں روکتی (اگر ایک وقت میں مشرق کے کسی گوشہ میں وہ کسی روح کو قبض کرنے میں مشغول ہو تو اسی وقت اسی آن مغرب جنوب، شمال، اور ہر حصہ زمین میں دوسری روحوں کو قبض کر لیتا ہے (اللہ نے بعض اولیاء کو بھی یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ ایک آن میں وہ مختلف مقامات میں اپنے اختیار کردہ اجسام میں نمودار ہو سکتے ہیں)۔ اللہ نے ملک الموت کے کچھ مددگار بھی بنا دیئے ہیں جو ملک الموت کے اعضاء کی طرح ہیں اور روحیں قبض کرتے ہیں۔ ہر مرنے والے کے پاس خواہ مؤمن ہو یا کافر فرشتوں کی ایک جماعت جنت یا دوزخ کا کفن لئے آتی ہے اور اس کی روح کو ملک الموت سے لے کر آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ پس اس آیت میں رُسُل سے مراد یا ملک الموت کے مددگار ہیں یا وہ ملائکہ مراد ہیں جو ملک الموت سے روحیں لے کر آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رسل اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر مراد تنہا ملک الموت ہے۔

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾
اور وہ کوتاہی نہیں کرتے

فرشتے کوتاہی نہیں کرتے:

یعنی جس وقت اور جس طرح جان نکالنے کا حکم ہوتا ہے اس میں وہ کسی طرح کی رعایت یا کوتاہی نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

ادائیگی فرض میں کوتاہی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سستی اور تاخیر نہیں کرتے ملائکہ میں بغیر اذن الٰہی کے روحوں کو قبض کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

اے ملک الموت! میرے صحابی سے نرمی کرنا:

طبرانی اور ابن مندہ اور ابونعیم نے حضرت حارث بن خزرج کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ملک الموت کو ایک انصاری کے سر کے قریب دیکھا اور فرمایا اے ملک الموت میرے صحابی سے نرمی کرنا یہ مؤمن ہے ملک الموت نے جواب دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل کو خوش اور آنکھوں کو ٹھنڈی رکھئے اور سمجھ لیجئے کہ میں ہر مومن سے نرمی کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جان لینا چاہئے کہ میں جب کسی آدمی کی روح قبض کرتا ہوں اور اس کے گھر والوں میں سے کوئی چیختا چلاتا ہے تو میں میت کی روح لئے اس کے گھر میں کھڑا ہو کر کہتا ہوں اے چیخنے والے خدا کی قسم ہم نے اس پر ظلم نہیں کیا اور نہ اس کی اجل سے پہلے اس کو مارا، نہ اس کی قضا طلب کرنے میں عجلت کی اس کو قبض کرنے میں ہماری کوئی خطا نہیں (یہ اللہ کا کیا ہوا ہے اب اگر تم اللہ کے کئے ہوئے کام پر رضا مند رہو گے تو اجر پاؤ گے ناراض ہو گے تو گناہگار ہو گے اور گناہ کا بار اٹھاؤ گے ہم تو تمہارے پاس لوٹ لوٹ کے بار بار آتے ہی رہیں گے تم کو خوف اور احتیاط رکھنی چاہئے کوئی ڈیرے خیمہ میں رہنے والا ہو یا مستقل مکانوں کا باشندہ اہل شعر (بالوں والا) اہل مدر، (مٹی کے ڈھیلوں والا) اول سے مراد خانہ بدوش بدوی جو کہیں جو کہیں مستقل طور پر نہیں رہتے اور دوسرے سے مراد وہ لوگ ہیں بستی نگری میں مکان بنا کر رہتے ہیں۔ عرب میں خیمے ڈیرے اونی بنائے جاتے تھے اس لئے اہل شعر سے مراد اہل خیام ہو گئے۔ نیک ہو یا بد میدانی علاقہ کا باشندہ ہو یا پہاڑ کا سب کو شب و روز میں تلاش میں رکھتا ہوں یہاں تک کہ وہ خود اپنے کو اتنا نہیں پہچانتے جتنا میں ان کے چھوٹے بڑے کو پہچانتا ہوں خدا کی قسم میں اگر ایک مچھر کی جان بھی خود قبض کرنا چاہوں تو بغیر اللہ کے اذن کے نہیں کر سکتا وہی جان کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ابن ابی الدنیا

اور ابوالشیخ نے بھی حسن کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

نمازیوں کے ساتھ ملک الموت کا حسن سلوک:

جعفر بن محمد نے فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملک الموت نماز کے اوقات پر (مسجدوں میں) لوگوں کی تلاش رکھتا ہے۔ پھر مرنے کے وقت آ کر دیکھتا ہے اگر مرنے والا پانچوں نمازوں کی پابندی رکھنے والوں میں سے ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے قریب آ کر شیطانوں کو بھگا دیتا ہے اور مرنے والے کو لا اله الا الله محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔

مومن کی روح:

ایک طویل حدیث میں جس کے راوی حضرت براء بن عازب ہیں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو یعنی مومن کی روح کو فرشتے اوپر چڑھا کر لے جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کی طرف سے گذرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ پاکیزہ روح کونسی ہے لے جانے والے اس کا دنیوی سب سے اچھا نام لے کر کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک اس کو لے کر پہنچتے ہیں اور (دروازہ) کھلوانا چاہتے ہیں تو کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور متصل آسمان تک پہنچا دیتے ہیں اسی طرح ساتویں آسمان تک اس کو پہنچا دیا جاتا ہے یہاں اللہ فرماتا ہے میرے بندہ کا اعمالنامہ علیین میں درج کرلو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو۔ الخ

کافر کی روح:

کافر کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ملائکہ) اس کو چڑھا کر لیجاتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ کی طرف سے اس کو لے کر گذرتے ہیں تو وہ دریافت کرتے ہیں یہ گندی روح کون ہے لے جانے والوں فرشتے اس کے دنیوی ناموں میں سے بدترین نام لے کر کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے یہاں تک کہ اس کو آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا لا تفتح لهم ابواب السماء الخ اللہ فرماتا ہے سب سے نچلی زمین کے اندر سجین میں اس کا اعمالنامہ درج کرلو نتیجہ میں اس کی روح کو دور پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ
پھر پہنچائے جاوینگے اللہ کی طرف جو مالک انکا ہے سچا سن رکھو
الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾
حکم اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

یعنی ایک لحظہ میں آدمی کی عمر بھر کی بھلائی برائی واضح کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
تو کہہ کون تم کو بچالاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے
وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ
اور دریا کے اندھیروں سے اس وقت میں کہ پکارتے ہو تم اسکو گڑگڑا کر
اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾
اور چپکے سے کہ اگر ہم کو بچالیوے اس بلا سے تو البتہ ہم ضرور احسان مانیں گے
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ
تو کہہ دے اللہ تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر سختی سے
ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾
پھر بھی تم شرک کرتے ہو

بداعمالی کے باوجود اللہ فریاد سنتا ہے:

یعنی حق تعالیٰ باوجود علم محیط اور قدرت کاملہ کے جس کا بیان اوپر ہوا، تمہاری بداعمالیوں اور شرارتوں کی سزا فوراً نہیں دیتا۔ بلکہ جب مصائب و شدائد کی اندھیریوں میں پھنس کر تم اس کو عاجزی سے پکارتے ہو اور پختہ وعدے کرتے ہو کہ اس مصیبت سے نکلنے کے بعد کبھی شرارت نہ کرینگے اور ہمیشہ احسان کو یاد رکھیں گے، تو بسا اوقات وہ تمہاری دستگیری کر کے ان مہالک اور ہر قسم کی سختیوں سے نجات دیدیتا ہے لیکن تم پھر بھی اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے آزاد ہوتے ہی بغاوت شروع کر دیتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

سب تکالیف گناہوں کا اثر ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ کسی انسان کو جو کسی لکڑی سے معمولی خراش

لگتی ہے، یا قدم کو کہیں لغزش ہو جاتی ہے یا کسی رگ میں خلش ہوتی ہے یہ سب کسی گناہ کا اثر ہوتا ہے، اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں وہ بہت ہیں۔" مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند ــــ بامن وتو مردہ، باحق زندہ اند

جب انسان اللہ کو چھوڑتا ہے تو مصیبتیں بڑھتی ہیں:

تجربہ شاہد ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر صرف مادی سامانوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو جوں جوں یہ سامان بڑھتے ہیں پریشانیاں اور مصائب اور بڑھتے ہیں۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

شخصی طور پر کسی دوا یا انجکشن کا کسی وقت مفید ثابت ہونا یا کسی مادی تدبیر کا کامیاب ہو جانا غفلت و معصیت کے ساتھ بھی ممکن ہے، لیکن جب مجموعی حیثیت سے پوری خلق خدا کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ سب چیزیں ناکام نظر آتی ہیں، موجودہ زمانہ میں انسان کو راحت پہنچانے اور اس کی ہر تکلیف کو دور کرنے کے لئے کیسے کیسے آلات اور سامان ایجاد کئے گئے ہیں اور کئے جارہے ہیں کہ اب سے پچاس سال پہلے کے انسان کو ان کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا امراض کے علاج کے لئے نئی نئی زوداثر دوائیں اور طرح طرح کے انجکشن اور بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر اور ان کے لئے جابجا شفاخانوں کی بہتات کون نہیں جانتا کہ اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے کا انسان ان سب سے محروم تھا، لیکن مجموعی حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان آلات و سامان سے محروم انسان اتنا بیمار اور کمزور نہ تھا، جتنا آج کا انسان بیماریوں کا شکار ہے۔

مؤمن کا کام:

مؤمن کا کام یہ ہے کہ اپنے تمام مصائب اور تکلیفوں کے دور کرنے کے لئے مادی سامان اور تدبیروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے ورنہ انجام وہی ہوگا جو روز مشاہدہ میں آرہا ہے، کہ ہر تدبیر مجموعی حیثیت سے الٹی پڑتی ہے، سیلابوں کو روکنے اور ان کے نقصانات سے بچنے کی ہزار تدبیریں کی جاتی ہیں مگر وہ آتے ہیں اور بار بار آتے ہیں، امراض کے علاج کی نئی نئی تدبیریں کی جاتی ہیں، مگر امراض روز بروز بڑھتے جاتے ہیں، اشیاء کی گرانی رفع کرنے کے لئے ہزاروں تدبیریں کی جاتی ہیں، اور وہ سطحی طور پر مؤثر بھی معلوم ہوتی ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے نتیجہ یہ ہے کہ گرانی روز بروز بڑھتی جاتی ہے، چوری، ڈکیتی، اغواء رشوت ستانی، چور بازاری کو روکنے کے لئے جتنی مادی تدبیریں آج ہر حکومت استعمال کر رہی ہے، مگر حساب لگائیے تو ہر روز ان جرائم میں اضافہ ہوتا نظر آتا ہے، کاش آج کا انسان صرف شخصی اور سطحی اور عارضی نفع نقصان کی سطح سے ذرا بلند ہو کر حالات کا جائزہ لے تو اس کو ثابت ہوگا کہ مجموعی حیثیت سے ہماری مادی تدبیریں سب ناکام ہیں بلکہ ہمارے مصائب میں اضافہ کر رہی ہیں، پھر اس قرآنی علاج پر نظر کرے کہ مصائب سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے، کہ خالق کائنات کی طرف رجوع کیا جائے، مادی تدبیروں کو بھی اسی کی عطا کی ہوئی نعمت کے طور پر استعمال کیا جائے، اس کے سوا سلامتی کی کوئی صورت نہیں۔ (معارف جلد سوم)

عاجزی اور خلوص سے دعاء کرو:

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: کہ تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعاء کرتے ہو۔

تضرع زاری کرنا اور خوب گڑگڑا کر مانگنا، تضرعا اور خفیۃ دونوں مصدر ہیں لیکن معنی اسم فاعل کے ہیں۔ چپکے چپکے دعا اور ذکر کرنا سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ کسی بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو (یعنی اللہ نہ بہرا ہے نہ غائب کہ اس کو زور سے پکارا جائے بلکہ ہر وقت حاضر ہے اور پست ترین آواز کو بھی سنتا ہے) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم عاجزی اور خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہو (یعنی چپکے چپکے دعا کرنے سے مراد ہے خلوص کے ساتھ دعا کرنا) کیونکہ چپکے چپکے دعا کرنے میں ریا کاری کا شائبہ نہیں ہوتا محض خلوص ٹپکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا
تو کہہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب

یعنی خدا کے امہال و درگذر کو دیکھ کر مامون اور بےفکر نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے، اسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم کا عذاب تم پر مسلط کردے۔ (تفسیر عثمانی)

اُوپر اور نیچے سے عذاب:

اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور بےرحم حکام مسلط ہو جاویں، اور نیچے کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ اپنے نوکر، غلام اور خدمت گار یا ماتحت ملازم بےوفا، غدار، کام چور، خائن جمع ہو جاویں،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات سے بھی حضرت عبداللہ

بن عباسؓ کی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، مشکوٰۃ شریف میں بحوالۂ شعب الایمان بیہقی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے **کما تکونون کذالک یومر علیکم** ، یعنی جیسے تمہارے اعمال بھلے یا بُرے ہوں گے ویسے ہی حکام اور امراء تم پر مسلط کئے جائیں گے، اگر تم نیک اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوگے تو تمہارے حکام و امراء بھی رحم دل، انصاف پسند ہوں گے، اور تم بدعمل ہوگے تو تم پر حکام بھی بے رحم اور ظالم مسلط کر دیئے جائیں گے، مشہور مقولہ **اعمالکم عما لکم** کا یہی مفہوم ہے۔

حدیثِ قدسی:

اور مشکوٰۃ میں بحوالہ حلیہ ابی نعیم روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں سب بادشاہوں کا مالک اور بادشاہ ہوں، سب بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں، جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں اور حکام کے قلوب میں ان کی شفقت و رحمت ڈال دیتا ہوں، اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکام کے دل اُن پر سخت کر دیتا ہوں، وہ ان کو ہر طرح کا بُرا عذاب چکھاتے ہیں، اس لئے تم حکام اور امراء کو بُرا کہنے میں اپنے اوقات ضائع نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اپنے عمل کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ، تاکہ تمہارے سب کاموں کو درست کر دے۔'' (معارف القرآن)

مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ
اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا
يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ
بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو
بَعْضٍ
لڑائی ایک کی

عذاب کی تین قسمیں:

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں (۱) جو اوپر سے آئے، جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا، یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گذشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آ جائیں تو اس کی نفی نہیں۔ ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئے۔ اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہوگا، اکثر ''عذاب الیم'' اور ''عذاب مھین'' اور ''عذاب شدید'' اور ''عذاب عظیم'' ان ہی باتوں کو فرمایا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔ (تفسیر عثمانی)

اچھا وزیر نعمت ہے برا وزیر عذاب ہے:

اسی طرح ابوداؤد، نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جب اللہ تعالیٰ کسی امیر اور حاکم کا بھلا چاہتے ہیں تو اس کو اچھا وزیر اور اچھا نائب دیدیتے ہیں کہ اگر امیر سے کچھ بھول ہو جائے تو وہ اس کو یاد دلا دے اور جب امیر صحیح کام کرے تو وہ اس کی مدد کرے، اور جب کسی حاکم و امیر کے لئے کوئی بُرائی مقدر ہوتی ہے تو بُرے آدمیوں کو اس کے وزراء اور ماتحت بنا دیا جاتا ہے۔ (الحدیث)

حُکام اور ملازمین کی تکالیف عذاب ہیں:

ان روایات اور آیت مذکورہ کی متذکرہ تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو جو تکالیف اور مصائب اپنے حکام کے ہاتھوں پہنچتے ہیں وہ اوپر سے آنے والا عذاب ہے، اور جو اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے ذریعہ پہنچتے ہیں وہ نیچے سے آنے والا عذاب ہے، یہ سب کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہوتے، بلکہ ایک قانونِ الٰہی کے تابع انسان کے اعمال کی سزا ہوتے ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ جب مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو میں اس کا اثر اپنے نوکر اور اپنی سواری کے گھوڑے اور بار برداری کے گدھے کے مزاج میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ یہ سب میری نافرمانی کرنے لگتے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

خلق را با تو چنیں بدخو کنند   تا ترانا چار رو آنسو کنند

فرقہ پرستی عذاب ہے:

عذاب کی ایک قسم یہ ہے کہ قوم مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جائے اسی لئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض

''یعنی تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو'' (اخرجہ ابن ابی حاتم عن زید بن اسلم) (تفسیر مظہری)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے، ہمارا گذر مسجد بنی معاویہ پر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی، ہم نے بھی دو رکعت ادا کی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء میں مشغول ہو گئے اور بہت دیر تک دعاء کرتے رہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ایک یہ کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ نے یہ دعاء قبول فرمائی، دوسرے یہ کہ میری امت کو قحط اور بھوک کے ذریعہ ہلاک نہ کیا جائے یہ بھی قبول فرمالی، تیسری دعاء یہ کہ میری امت آپس کے جنگ وجدل سے تباہ نہ ہو مجھے اس دعاء سے روک دیا گیا۔

(مظہری، بحوالہ بغوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں:

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خدائے عزوجل سے دعا کی تھی کہ میری امت کو چار چیزوں سے دور رکھ۔ چنانچہ دو باتوں سے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو محفوظ رکھا اور دو سے نہیں رکھا۔ میں نے دعا کی تھی کہ میری امت پر آسمان سے پتھراؤ نہ ہو اور اہل فرعون کی طرح وہ غرق ہو کر نہ مریں اور ان میں تفرقہ گیری نہ ہو اور یہ کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے پتھراؤ نہ ہونے اور غرق سے محفوظ رہنے کی دعائیں تو قبول کر لیں لیکن آپس میں فرقہ پسندی اور گروہ بندی اور جنگ وقتال باقی رہا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اُتری قُلْ هُوَ الْقَادِرُ الخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، وضو کیا، اور دعا مانگنے لگے کہ اے خدا! میری امت پر اوپر اور نیچے سے عذاب نازل نہ فرما اور ان میں گروہ بندی اور جنگ نہ ہو، تو جبرئیلؑ آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت کو آسمان سے عذاب نازل ہونے اور پاؤں تلے سے عذاب اُبلنے سے محفوظ کر دیا ہے۔

علماء کا اختلاف رائے رحمت ہے:

علامہ عبدالرؤف مناوی شارح جامع صغیر کی تحقیق کے مطابق فقہاء امت کے مختلف مسالک کا وہ درجہ ہوگا جو زمانہ سابق میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف شرائع کا تھا کہ مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اللہ ہی کے احکام تھے، اسی طرح مجتہدین اُمت کے مختلف مسلک اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سب کے سب احکام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کہلائیں گے۔

اس اجتہادی اختلاف کی مثال محسوسات میں ایسی ہے جیسے شہر کی بڑی سڑکوں کو چلنے والوں کی آسانی کے لئے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، ایک حصہ پر بسیں چلتی ہیں دوسرے پر دوسری گاڑیاں یا ٹرام، اسی طرح سائیکل سواروں اور پیادہ چلنے والوں کے لئے روڈ کا علیحدہ ایک حصہ ہوتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

اختلاف رائے جو اپنی حدود کے اندر ہو، یعنی قرآن وسنت کے قطعی اور اعتقادی مسائل اور قطعی احکام میں نہ ہو، صرف فروعی مسائل اجتہادیہ میں ہو، جن میں قرآن وسنت کی نصوص ساکت یا مبہم ہیں، اور وہ بھی جنگ وجدل اور لعن وطعن کی حد تک نہ پہنچے تو وہ بجائے مضر ہونے کے مفید اور ایک نعمت ورحمت ہے، جیسے کائنات عالم کی تمام چیزوں کی شکل وصورت، رنگ وبُو اور خاصیت ومنفعت میں اختلاف ہے، حیوانات میں لاکھوں مختلف قسمیں، بنی نوع انسان میں مزاجوں اور پیشوں، صنعتوں اور رہن سہن کے طریقوں میں اختلاف، یہ سب اس عالم کی رونق بڑھانے والے اور بیشمار منافع کے اسباب ہیں۔

بہت سے لوگ جو اس حقیقت سے واقف نہیں وہ مذاہب فقہاء اور علماء حق کے فتووں میں اختلاف کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اُن کو یہ کہتے سُنا جاتا ہے کہ علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں، حالانکہ بات بالکل صاف ہے، کہ جس طرح کسی بیمار کے معاملہ میں ڈاکٹروں اور طبیبوں کا اختلاف رائے ہوتا ہے تو ہر شخص یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان میں سے فنی اعتبار سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار کون ہے، بس اس کا علاج کرتے ہیں، دوسرے ڈاکٹروں کو بُرا نہیں کہتے، مقدمہ کے وکیلوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، تو جس وکیل کو زیادہ قابل اور تجربہ کار جانتے ہیں اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، دوسروں کی بدگوئی کرتے نہیں پھرتے، یہی اصول یہاں ہونا چاہئے، جب کسی مسئلہ میں علماء کے فتوے مختلف ہو جائیں تو مقدور بھر تحقیق کرنے کے بعد جس عالم کو علم اور تقویٰ میں دوسروں سے زیادہ اور افضل

سمجھیں اس کا اتباع کریں اور دوسرے علماء کو برا بھلا کہتے نہ پھریں۔

ہر مسلمان کی ذمہ داری:

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں نقل کیا ہے کہ ماہر مفتی کا انتخاب اور درصورت اختلاف ان میں سے اس شخص کے فتوے کو ترجیح دینا جو اس کے نزدیک علم اور تقویٰ میں سب سے زیادہ ہو، یہ کام ہر صاحب معاملہ مسلمان کے ذمہ خود لازم ہے، اس کا کام یہ تو نہیں کہ علماء کے فتووں میں کسی فتوے کو ترجیح دے، لیکن یہ اسی کا کام ہے کہ مفتیوں اور علماء میں سے جس کو اپنے نزدیک علم اور دیانت کے اعتبار سے زیادہ افضل جانتا ہے اس کے فتوے پر عمل کرے، مگر دوسرے علماء اور مفتیوں کو برا کہتا نہ پھرے، ایسا عمل کرنے کے بعد اللہ کے نزدیک وہ بالکل بری ہے، اگر حقیقۃً کوئی غلطی فتویٰ دینے والے سے ہو بھی گئی تو اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

نہ ہر اختلاف برا ہے نہ ہر اتفاق اچھا ہے:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نہ ہر اختلاف مطلقاً مذموم اور نہ ہر اتفاق مطلقاً محمود ومطلوب ہے اگر چور، ڈاکو، باغی ایک جماعت بنا کر باہم متفق ہو جائیں تو کون نہیں جانتا کہ ان کا یہ اتفاق مذموم اور قوم کے لئے مہلک ہے، اور اس کے خلاف جو سعی و عمل عوام یا پولیس وغیرہ کی طرف سے اس جماعت کی مخالفت میں ہوتا ہے وہ ہر عقلمند کی نظر میں اختلاف محمود ومفید ہے۔

معلوم ہوا کہ خرابی اختلاف رائے میں نہیں اور نہ کسی ایک رائے پر عمل کرنے میں ہے بلکہ ساری خرابیاں دوسروں کے متعلق بدگمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں جو علم و دیانت کی کمی اور اغراض واہواء کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے، اور جب کسی قوم یا جماعت میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو ان کے لئے یہ اختلاف رحمت بھی اختلاف عذاب کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کی پارٹیاں بن کر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل اور بعض اوقات قتل و قتال تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف لعن طعن اور دل آزار کلمات کو تو مذہب کی حمایت سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ مذہب کا اس غلو اور زیادتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ یہ وہی جدال ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے، صحیح احادیث میں اس کو قوموں کی گمراہی کا سبب قرار دیا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، معارف القرآن مفتی اعظم)

مسلمانوں کی باہمی جنگیں:

مراد یہ ہے کہ تم میں سے بعض بعض کو قتل کرنے لگیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ کا پہلا حصہ یعنی قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اعوذ بوجھک الکریم جب (اس سے آگے دوسرا حصہ اور یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ نازل ہوا تو آپ نے فرمایا یہ (پہلے عذاب سے) آسان اور سہل ہے۔ رواہ البخاری وغیرہ۔

فائدہ: آیت کے آخری حصہ کی تعبیر ہجرت سے ۳۵ سال کے بعد نظروں کے سامنے آگئی۔ جب جنگِ جمل وصفین میں مسلمان باہم کشت و خون میں مبتلا ہو گئے۔

عبداللہؓ بن عبدالرحمن انصاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد میں تین دعائیں کیں۔ اللہ نے دو دعائیں تو قبول فرمالیں اور ایک دعاء رد فرمادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعاء کی کہ میری امت پر کسی غیر دشمن کو مسلط نہ فرمایئے کہ وہ سب پر چیرہ دستی کرے اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ سب امت کو عمومی پیہم قحط سالیوں سے ہلاک نہ کرے اللہ نے یہ دعا بھی قبول فرمالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ امت کو باہم خانہ جنگی میں مبتلا نہ کرے اللہ نے یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔ (رواہ البخاری تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن تلوار سے مارنے لگو صحابہؓ نے عرض کیا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (کیا اس شہادت کے باوجود ہم ایسا کرسکتے ہیں) ایک شخص بولا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا یعنی ہم سب مسلمان ہیں پھر ایک دوسرے کی گردن ماریں ایسا نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر مظہری)

جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ بن عمرؓ مقام بنی معاویہ میں آئے جو انصار کا ایک گاؤں ہے اور کہا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تھی؟ میں نے کہا، ہاں۔ اور ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر پوچھا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن تین باتوں کی دعا کی تھی۔ میں نے کہا، ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ کوئی دشمن میری امت پر غالب نہ ہو اور قحط نہیں ہلاک نہ کرے۔ تو یہ دونوں باتیں منظور کر لی گئیں، اور یہ بھی دعا کی تھی کہ ان کی آپس میں جنگ نہ ہو تو یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ چنانچہ قیامت تک مسلمانوں کے آپس میں جنگیں

ہوتی رہیں گے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں درج نہیں ہے لیکن اس کی اسناد جید اور قوی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

دیکھ کس کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

وہ سمجھ جاویں

یعنی قرآن کو یا عذاب کے آنے کو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں، عذاب وغیرہ کچھ نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ

اور اس کو جھوٹ بتلایا تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے تو کہہ دے کہ

عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ

میں نہیں تم پر داروغہ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے قریب ہے کہ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

اسکو جان لوگے

پیغمبر کا کام متنبہ کرنا ہے:

یعنی میرا یہ منصب نہیں کہ تمہاری تکذیب پر خود عذاب نازل کر دوں یا اس کے وقت اور نوعیت وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں میرا کام صرف باخبر اور متنبہ کر دینا ہے۔ آگے ہر چیز کے وقوع کا علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہے۔ جب وقت آ جائے گا تم خود جان لو گے کہ میں جس چیز سے ڈراتا تھا وہ کہاں تک سچ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

تو ان سے کنارہ کر یہاں تک کہ مشغول ہو جاویں کسی

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ

بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ

نکتہ چین لوگوں سے بچو:

یعنی جو لوگ آیات اللہ پر طعن و استہزاء اور ناحق کی نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں تم ان سے خلط ملط نہ رکھو کہیں تم بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے "اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ" ایک مومن کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر کنارہ کرے اور کبھی بھول کر شریک ہو گیا تو یاد آنے کے بعد فوراً وہاں سے اٹھ جائے۔ اسی میں اپنی عاقبت کی درستی، دین کی سلامتی، اور طعن و استہزاء کرنے والوں کے لئے عملی نصیحت اور تنبیہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ

اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے

مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

کوئی چیز لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنی ہے تا کہ وہ ڈریں

پرہیزگار احتیاط رکھیں:

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر پرہیزگار لوگ جھگڑنے اور طعن کرنے والوں کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے تو طاعنین کے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی مواخذہ اور ضرر ان متقین پر عائد نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان کے ذمہ بقدر استطاعت اور حسب موقع نصیحت کرتے رہنا ہے۔ شاید وہ بدبخت نصیحت سن کر اپنے انجام سے ڈر جائیں، یا یہ مطلب ہے کہ پرہیزگار اور محتاط لوگوں کو اگر کسی واقعی معتدبہ دینی یا دنیوی ضرورت سے ایسی مجلس میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو ان کے حق میں طاعنین کے گناہ اور بازپرس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ہاں ان کے ذمہ بشرط قدرت نصیحت کر دینا ہے ممکن ہے کہ کسی وقت ان پر بھی نصیحت کا اثر پڑ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس امت کے قابل معافی کام:

حدیث میں وارد ہے کہ میری امت کے لئے قابل معافی قرار دیا گیا ہے خطا اور نسیان سے کوئی کام کرنا یا مجبور ہو کر کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا

اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا

یعنی اپنے اس دین کو جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ فرض تھا، اور وہ مذہب اسلام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ کی مجلس سے دُور رہو:

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا اصل منشاء گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں، مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتداء کی جاتی ہے ان کے لئے وہاں سے بہرحال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا شریعت اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں۔

گناہ کے سبب اچھے بُرے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے:

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اول گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور جیسے سفید کپڑے میں ایک سیاہ نقطہ ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے اس کو بھی گناہ سے دل میں ناگواری پیدا ہوتی ہے، لیکن جب ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور پچھلے گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو یکے بعد دیگرے سیاہ نقطے لگتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ دل کی نورانی لوح بالکل سیاہ ہو جاتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو بھلے بُرے کی تمیز نہیں رہتی، قرآن مجید میں اسی کو لفظ ران سے تعبیر فرمایا ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ یعنی ان کے دلوں میں ان کے اعمال بد کی وجہ سے زنگ لگ گیا کہ اب صلاحیت ہی مفقود ہو گئی۔"

بری صحبت سے بچوں کو بچاؤ:

اور جہاں تک غور کیا جائے انسان کو اس حالت پر پہنچانے والی چیز اکثر اس کا غلط ماحول اور بُری صحبت ہوتی ہے، نعوذ باللہ منہما، اسی لئے بچوں کے مربیوں کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے ماحول اور سوسائٹی سے بچانے میں پوری کوشش کریں۔ (معارف القرآن جلد سوم)

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور دھوکا دیا ان کو دنیا کی زندگی نے

دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر عاقبت کو بھلا بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ

اور نصیحت کر ان کو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جاوے کوئی اپنے کئے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

میں کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا

والا اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے

ان جھٹلانے والے مجرموں کو کوئی نہ چھڑا سکے گا:

یعنی ایسے لوگوں کو جو تکذیب و استہزاء کی کرتوت میں پکڑے گئے ہوں نہ کوئی حمایتی ملے گا جو مدد کر کے زبردستی عذاب الٰہی سے چھڑا لے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہو گا جو سعی و سفارش سے کام نکال دے اور نہ کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا اگر بالفرض ایک مجرم دنیا بھر کے معاوضے دے کر چھوٹنا چاہے تو نہ چھوٹ سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں ان کو پینا ہے گرم

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے

بری مجلس والوں کو نصیحت:

گذشتہ آیت میں خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم تھا جہاں آیات اللہ کے متعلق طعن و استہزاء اور ناحق کے جھگڑے کئے جا رہے ہوں اس آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست و صحبت ترک کر دینے کا ارشاد ہے مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ ان کو نصیحت کر دیا کرو۔ تاکہ وہ اپنے کئے کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ

تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور

لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا

نہ نقصان اور کیا پھر جاویں ہم الٹے پاؤں اسکے بعد کہ

اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ

اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلادیا ہو اسکو

حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

جنوں نے جنگل میں جب کہ وہ حیران ہے اس کے رفیق بلاتے ہیں

الْهُدَى ائْتِنَا

اس کو رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس

مسلمان کی شان:

یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ گمراہوں کو نصیحت کر کے سیدھی راہ پر لائے اور جو خدا سے بھاگ کر غیر اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھے ہوئے ہیں ان کو خدائے واحد کے سامنے سربسجود کرنے کی فکر کرے۔ اس سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سر جھکائے گا جس کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ یا اہل باطل کی صحبت میں رہ کر توحید وایمان کی صاف سڑک چھوڑ دے گا اور شرک کی بھول بھلیاں کی طرف الٹے پاؤں پھرے گا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو تو اس کی مثال اس مسافر کی ہوگی جو اپنے راہ جاننے والے رفقاء کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ناگاہ غول بیابانی (خبیث جنات) نے اسے بہکا کر راستہ سے الگ کردیا۔ وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء از راہ خیر خواہی اُسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آ ؤ راستہ اس طرف ہے مگر وہ حیران ومخبوط الحواس ہو کر نہ کچھ سمجھتا ہے نہ ادھر آتا ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ مسافر آخرت کے لئے سیدھی راہ اسلام وتوحید کی ہے اور جن کی رفاقت و معیت میں یہ سفر طے ہوتا ہے وہ پیغمبر اور اس کے متبعین ہیں۔ جب یہ بدبخت شیاطین ومضلین کے پنجہ میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے اس کے ہادی اور رفقاء از راہ ہمدردی جادۂ حق کی طرف بلا رہے ہیں مگر یہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے تو اے گروہ اشرار کیا تمہاری یہ غرض ہے کہ ہم ایسی ایسی مثال بنا لیں۔ یہ آیت ان مشرکین کے جواب میں اتری ہے جنہوں نے مسلمانوں سے ترک اسلام کی درخواست کی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ

تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے

یہ امید مت رکھو کہ اسے چھوڑ کر ہم شیطان کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا

اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو

الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہوگے

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ

ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا

یعنی حشر ہو جا۔ (تفسیر عثمانی)

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ۭ

تو وہ ہو جائیگا اسی کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جائیگا صور

یعنی اس روز ظاہری اور مجازی طور بھی خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ رہے گی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (تفسیر عثمانی)

صور والا فرشتہ حکم کے انتظار میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک جب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو صور کو پیدا کیا اور اسرافیل کو دیا جس کو وہ اپنے منہ میں لگائے ہوئے ہیں، آنکھیں عرش کی طرف لگی ہیں منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ تو ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صور کیا ہے؟ ارشاد فرمایا وہ قرنا۔ پوچھا وہ کیسا ہے کہا بہت بڑا، خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا اس کا عرض اتنا ہے جتنی آسمانوں اور زمین کی پہنائی۔ اس میں تین وقت پھونکا جائے گا۔ پہلی پھونک گھبراہٹ اور پریشانی پیدا کرنے والی پھونک ہوگی اور دوسری سب کو بیہوش کر دینے والی اور تیسری پھر خدا کے سامنے آ کھڑے ہونے کی۔ اللہ پاک پہلی پھونک کا حکم دے گا اس سے ساری دنیا جہان کے لوگ گھبرا اٹھیں گے مگر جس کو خدا مستقیم رکھے۔ جب تک دوسرا حکم نہ ہوگا صور پھونکا جاتا رہے گا رکے گا نہیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح وہی ہے جس پر حدیثِ نبی سے روشنی پڑتی ہے۔ یعنی حضرتؐ نے فرمایا کہ اسرافیل صور کو منہ لگائے ہوئے ہیں، سر جھکائے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم صادر ہوتا ہے۔ ایک اعرابی نے بھی حضرتؐ سے پوچھا تھا کہ صور کیا چیز ہے تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ قرن جس میں پھونک کر بجاتے ہیں۔

مختلف مقدموں کے فیصلے:

سب سے پہلے قتل وخون کے مقدمات پیش ہونگے۔ اب ہر وہ مقتول آئے گا جس کو خدا کی راہ میں قتل کرنے والے نے قتل کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قاتل کو حکم دے گا، وہ مقتول کا سر اٹھائے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ اے خدا! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا (حالانکہ وہ خود جانتا ہے) کہ کیوں قتل کیا تھا؟ وہ غازی کہے گا اے خدا! تیری عزت اور تیرے نام کی خاطر۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو سچ کہتا ہے، اور اس کا چہرہ نور شمس کی طرح چمکنے لگے گا۔ ملائکہ اس کو جنت کی طرف لے کر چلے جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مقتول بھی اپنی آنتیں سر پر لئے آئیں گے۔ اللہ ان کے قاتلوں سے بھی پوچھے گا کہ کیوں قتل کیا تھا، ان کو کہنا پڑے گا کہ اپنی شہرت ونام کی خاطر۔ تو فرمائے گا، ہلاک ہوجائے تو۔ غرض ہر مقتول کا مقدمہ پیش ہوگا اور انصاف ہوگا، اور ہر ظلم کا بدلہ ظالم سے لیا جائے گا۔ اور جس ظالم کو خدا چاہے عذاب دے گا اور جس پر چاہے وہ اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ پھر ساری مخلوق کا انصاف ہوگا کہ کوئی مظلوم ایسا نہ بچے گا کہ ظالم سے بدلہ نہ دلایا گیا ہو۔ حتیٰ کہ جو دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے اور کہتا ہے کہ خالص ہے اس کو بھی سزا دی جائے گی، اور خریدنے والے کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اس سے بھی جب فراغت ہوجائے گی تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا اور ساری مخلوق سنے گی کہ ہر گروہ کو چاہئے کہ اپنے اپنے خداؤں کی طرف ہوجاؤ اور اپنے معبودوں کا دامن پکڑ لو۔ اب کوئی بت پرست ایسا نہ ہوگا جس کے بت اس کے سامنے ذلیل پڑے ہوئے نہ ہوں۔

حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑیں گے:

اس روز لرزا دینے والا صور پھونکا جائے گا، اور اس کے بعد پھر دوسری بار پھونکا جائے گا۔ اس روز سب کے سب بے انتہا خوف زدہ ہوں گے، لوگ گر پڑیں گے، مائیں دودھ پینے والے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے، لڑکوں پر خوف کے مارے بڑھاپا طاری ہو جائے گا۔ شیاطین جان بچانے کے خیال سے زمین کے کناروں تک بھاگ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں مار مار کر واپس لائیں گے۔ ایک دوسرے کو پکارتا رہے گا لیکن کوئی کسی کو پناہ نہ دے سکے گا سوا خدا کے۔ لوگ ایسی گھبراہٹ کے عالم میں ہونگے کہ زمین ہر طرف کے گوشے سے پھٹنے لگے گی۔ ایسا امر عظیم ظاہر ہوگا کہ کبھی نہ دیکھا گیا اور ایسا کرب وہول لاحق ہوگا کہ اللہ ہی جانتا ہے پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اس کے پرزے اڑ رہے ہوں گے۔ ستارے ٹوٹ رہے ہوں گے، سورج اور چاند سیاہ پڑ جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن مُردوں کو اس کی خبر نہ ہوگی۔

شہداء گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے:

ابوہریرہؓ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ جب فرمائے گا:

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

تو اللہ تعالیٰ کس کو مستثنیٰ فرمائے گا، تو آپؐ نے فرمایا وہ شہداء ہیں۔ فزع اور گھبراہٹ تو زندوں کو ہوا کرتی ہے اور وہ زندہ تو ہیں لیکن خدا کے پاس ہیں خدا انہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ نے اس دن کے فزع سے انہیں محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ تو اللہ کا عذاب ہے اور عذاب تو اشرار خلق پر اترتا ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ الخ والی آیت میں پیش فرمایا ہے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہوجائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائیگا۔ جب تک خدا چاہے وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ طویل عرصہ تک یہ کیفیت رہے گی۔ پھر اللہ پاک بیہوشی لانے والے صور کا حکم اسرافیل کو دیگا۔ اس لئے سب اہل سمٰوات والارض بیہوش ہوجائیں گے لیکن جس کو خدا چاہے وہ ہوش میں رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

حضرتؐ فرماتے ہیں کہ پھر میرے پاس آئیں گے میں جاؤں گا اور سجدے میں فحص پر گر پڑوں گا۔ ابوہریرہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فحص کیا چیز ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا عرش کے سامنے کا حصہ۔ اب اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجے گا، وہ میرا بازو پکڑ کر اٹھائے گا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا، یارب! تو نے مجھ سے شفاعت کا حق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ حق مجھے عطا فرما اور لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا تم شفاعت کرسکتے ہو اور میں انسانوں کے درمیان اپنے فیصلے نافذ کردوں گا۔

عرشِ خداوندی کا ظہور:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں واپس آکر لوگوں کے

ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ ہم سب لوگ کھڑے ہی ہوں گے کہ آسمان سے ایک زور کی آواز ہوگی کہ ہم گھبرا اٹھیں گے۔ زمینی جن وانس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ وہ زمین سے قریب تر آ جائیں گے، زمین ان کے نور سے چمک اٹھے گی، وہ صف بندی کر لیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے کیا خدائے پاک تمہارے اندر ہے۔ وہ کہیں گے نہیں، وہ آنے ہی والا ہے۔ فرشتے آسمان سے دوبارہ اس تعداد میں اتریں گے کہ اترے ہوئے فرشتوں سے دگنی تعداد میں اور جن وانس سے بھی دگنی تعداد میں زمین اُن کے نور سے چمک اٹھے گی۔ وہ قرینے سے کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم پوچھیں گے کیا خدائے پاک تمہارے اندر ہے؟ وہ کہیں گے نہیں، وہ آنے ہی والا ہے۔ پھر تیسری دفعہ اُس سے بھی دُگنی تعداد میں نزول ملائکہ ہوگا۔ اب خدائے جبار عزوجل ابر کے چتر لگائے آٹھ فرشتوں سے اپنا تخت اٹھوائے تشریف فرما ہوگا۔ حالانکہ اس وقت تو اس کا تخت چار فرشتے اٹھائے رہتے ہیں۔ ان کے قدم آخری نیچے والی زمین کی تہہ میں ہیں زمین وآسمان ان کے نصف حصہ جسم کے مقابلہ میں ہے۔ ان کے کندھوں پر عرش خداوندی ہے، ان کی زبانوں پر تسبیح وتحمید رہے گی۔ (ابن کثیر)

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٧٣﴾
جاننے والا چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا

جو خدا یہ صفات رکھتا ہے جن کا ذکر ان دو تین آیات میں ہوا، وہ ہی اس لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں، اس کے سامنے انتہائی عبودیت اختیار کریں اور ہر آن اس سے ڈرتے رہیں۔ اسی کا ہم کو حکم ہوا ہے جس سے ہم کسی حال منہ نہیں موڑ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ
اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ:

گذشتہ آیات میں جو توحید کا اثبات، شرک کی نفی اور مسلمانوں کے ارتداد سے مایوس کیا گیا تھا۔ یہاں موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے اسی کی تاکید مقصود ہے اور ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی سمجھانا ہے کہ مکذبین ومعاندین کو کس طرح نصیحت وفہمائش کی جائے۔ کس طرح ان سے علیحدگی اور بیزاری کا اظہار ہونا چاہئے اور کس طرح ایک مؤمن قانت کو خدا پر اور صرف اکیلے خدا پر بھروسہ رکھنا، اسی سے ڈرنا اور اسی کا تابع فرمان ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

لِأَبِيهِ اٰزَرَ
اپنے باپ آزر کو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد:

علمائے انساب نے حضرت ابراہیم کے باپ کا نام ''تارخ'' لکھا ہے۔ ممکن ہے ''تارخ'' نام اور ''آزر'' لقب ہو۔ ابن کثیر نے مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ''آزر'' بت کا نام تھا، شاید اس بت کی خدمت میں زیادہ رہنے سے خود ان کا لقب آزر پڑ گیا ہو۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ إِنِّي أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ
تو کیا مانتا ہے بتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم
فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾
صریح گمراہ ہیں

والد کو نصیحت:

اس سے زیادہ صریح وصاف گمراہی کیا ہوگی کہ اکرم المخلوقات ''انسان'' اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو خدائی کا درجہ دے کر ان کے سامنے سربسجود ہو جائے اور ان ہی سے مرادیں مانگنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ
اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں
وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾
اور زمین کے اور تاکہ اس کو یقین آ جاوے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عجائبات کائنات پر مطلع کر دیا گیا:

یعنی جس طرح بت پرستی کی شناعت وقبح ہم نے ابراہیم پر ظاہر کر کے اس کی قوم کو قائل کیا اسی طرح علویات وسفلیات کے نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام ترکیبی کی گہرائیوں پر بھی اس کو مطلع کر دیا تا کہ اسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے وجود وواحدانیت وغیرہ پر اور تمام مخلوقات سماوی وارضی کے مکوما نہ عجز وبیچارگی پر استدلال، اور اپنی قوم کے عقیدہ کواکب پرستی وہیاکل سازی کو علیٰ وجہ البصیرت رد کر سکے اور خود بھی حق الیقین کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو۔

بلاشبہ عالم کا یہ اکمل واحکم اور بہترین نظم ونسق ہی ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر بالبداہت اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا، اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب وسلیقہ سے جوڑنے والا، اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا، بڑا زبردست حکیم وقدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ واقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کام یونہی بخت واتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے نہیں ہو سکتا۔

نیوٹن کا اقرار:

یورپ کا مشہور ومعروف حکیم نیوٹن کہتا ہے کہ کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوت جاذبہ کے فعل کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کوئی خدائی ہاتھ ہو۔ جو باوجود قوت جاذبہ کی عام کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے کوئی سبب طبیعی نہیں جس سے ہم ان منظم ومحفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم وعلیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی کمیات سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اسی نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم وتزاحم نہ ہو اور عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔ ہر چھوٹا بڑا سیارہ نہایت مضبوط نظام کے ماتحت معین وقت پر طلوع وغروب ہوتا ہے جب کوئی سیارہ غروب ہو کر دنیا کو اپنے اس فیض وتاثیر سے محروم کر دے جو طلوع کے وقت حاصل تھا تو نہ اس ستارہ کی اور نہ کسی مخلوق کی قدرت میں ہے کہ ایک منٹ کے لئے اسے واپس لے آئے یا غروب سے روک دے۔

اللہ تعالیٰ کی شان:

یہ رب العالمین ہی کی شان ہے کہ کسی وقت بھی کسی قسم کے افاضہ سے عاجز نہیں

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین، رکوع ۳)

یہ علویات کا حال ہے تو سفلیات کا اسی سے اندازہ کر لو۔ یہ ہی تکوینی عجائب اور ملکوت السموات والارض ہیں جن کے دیکھنے سے ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر ''لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ'' اور اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ الخ بے ساختہ جاری ہو گیا جو اگلی آیات میں مذکور ہے (کما تدل علیہ الفاء فی قولہ تعالیٰ فلما جن الخ) (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا
پھر جب اندھیرا کر لیا اس پر رات نے دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب
رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶
میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانیوالوں کو

ستاروں کی مجبوری کا اعلان:

کہ انہیں اپنا رب بنالوں۔ کیا ایک مجبور قیدی اور بیگاری کو شہنشاہی کے تخت پر بٹھانا کوئی پسند کر سکتا ہے۔ باقی ابراہیم علیہ السلام کا هٰذَا رَبِّيْ کہنا یا تو استفہام انکاری کے لہجہ میں ہے یعنی کیا یہ ہے رب میرا؟ اور یا بطریق تہکم وتبکیت ہے۔ یعنی یہ ہے رب میرا تمہارے عقیدہ اور گمان کے موافق جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا اس کے سوا مفسرین کے اور اقوال بھی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم ایک غار میں پیدا ہوئے:

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ ابراہیمؑ نے اس وقت کہا تھا جب کہ وہ پہلی دفعہ اس غار سے باہر نکلے، جس میں کہ اُن کی ماں نے انہیں جنا تھا، کیونکہ نمرود بن کنعان کے خوف سے ولادت کے وقت وہ غار میں گھس گئی تھیں۔ نمرود سے منجمین نے کہا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے کہ جس کے ہاتھوں تمہارا ملک برباد ہوگا۔ تو اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس سال جتنے لڑکے پیدا ہوں، سب قتل کر دیے جائیں۔ امِ ابراہیم جب حاملہ ہوئیں اور وقت وضع حمل قریب آیا تو وہ شہر کے باہر ایک غار میں چلی گئیں اور لڑکے کو وہیں چھوڑ کر چلی آئیں۔ اس سلسلے میں وہ بہت سی خارق عادت چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی بنیاد پر مفسرین سلف وخلف

نے بھی ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا : جب اسی پر رات (کی تاریکی) چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا یعنی زہرہ یا مشتری۔

حضرت ابراہیم نے "ھذا ربی" کیوں کہا:

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ : تو کہا یہ میرا رب ہے۔ کافر بتوں اور ستاروں کی پوجا اور تعظیم کرتے تھے اور عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام کام انہی کے ہاتھ میں ہیں حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ اس گمراہی پر ان کو متنبہ کریں اور دلیل و برہان کے ساتھ راہ حق دکھائیں اس لئے هٰذَا رَبِّيْ فرمایا یعنی تمہارے خیال میں یہ میرا رب ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابراہیمؑ اس وقت بچہ تھے مکلّف نہ ہوئے تھے۔

نمرود بن کنعان بادشاہ کے نظام کی ناکامی:

نمرود بن کنعان (عراق کا بادشاہ تھا) اسی نے سب سے پہلے اپنے لئے تاج بنوایا اور لوگوں کو اپنی پوجا کرنے کا حکم دیا اس کے دربار میں کچھ جوگی اور نجومی بھی تھے ان جوگیوں اور نجومیوں نے ایک بار نمرود سے کہا اس سال آپ کے ملک میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس ملک کے رہنے والوں کا مذہب تبدیل کر دے گا اور آپ کی جان اور حکومت اس کے ہاتھوں سے تباہ ہو جائے گی۔ یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ سابق انبیاء کی کتابوں میں انہوں نے ایسا لکھا پایا تھا۔ سدی کا بیان ہے کہ نمرود نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک ستارہ ایسا طلوع ہوا جس کی روشنی کے سامنے چاند سورج کی روشنی جاتی رہی۔ نمرود اس خواب سے گھبرا گیا جادوگروں اور جوگیوں کو طلب کر کے اس کی تعبیر پوچھی۔ تعبیر دینے والوں نے کہا اس سال آپ کی طرف ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی ہلاکت اور آپ کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ نمرود نے یہ سن کر حکم دے دیا کہ اس سال اس کے ملک میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور آئندہ مرد عورتوں سے الگ رہیں اور ہر دس آدمیوں پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ ایام ماہواری کے زمانہ میں مردوں کو عورتوں سے اختلاط کی اجازت تھی کیونکہ حیض کی حالت میں وہ لوگ قربت صنفی نہیں کرتے تھے اور جب عورتیں پاک ہو جاتیں تو مرد عورت کا اختلاط ممنوع ہو جاتا۔ ایک روز آزر جو اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کو پاکی کی حالت میں پایا تو قربت کر بیٹھا اور حضرت ابراہیمؑ کا حمل قرار پا گیا۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ نمرود نے ہر حاملہ عورت کے پاس ایک نگران مقرر کر رکھا تھا جو عورت کو اپنے پاس روکے رہتا تھا۔ البتہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ چونکہ کم سن تھی اور ان کے پیٹ کے اندر حمل کی علامت نمایاں نہ تھی اس لئے ان پر کوئی نگران مسلط نہ تھا۔ سدی نے ذکر کیا ہے کہ موعود بچہ کی پیدائش کے ڈر سے نمرود تمام مردوں کو لشکر گاہ میں لے کر چلا گیا تھا اور اس طرح مردوں کو عورتوں سے الگ کر دیا تھا کچھ مدت تک اسی حالت پر رہا پھر شہر میں آنے کی اس کو کوئی ضرورت پڑی اور سوائے آزر کے اس کو کوئی اور شخص نظر نہ آیا جس کو شہر میں (اپنی جگہ) بھیجنے پر اس کو اطمینان ہوتا مجبوراً آدمی بھیج کر آزر کو بلوایا آزر آ گیا تو نمرود نے اس سے کہا میرا ایک کام ہے اور میں وہ کام تیرے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ مجھے تیرے اوپر اعتماد ہے اس لئے اس کام کے لئے تجھے بھیج رہا ہوں مگر تجھے قسم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی کے پاس نہ جانا آزر نے کہا مجھے بیوی کے پاس جانے سے اپنا مذہب زیادہ پیارا ہے نمرود نے کام بتا کر آزر کو روانہ کر دیا آزر نے شہر میں جا کر کام سر انجام دیا پھر دل میں کہا اگر میں گھر جا کر گھر والوں کو دیکھتا چلوں تو کیا حرج ہے یہ سوچ کر گھر پہنچا اور ابراہیمؑ کی ماں کو دیکھ کر اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا اور قربت کر بیٹھا نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئی اور ابراہیمؑ کا حمل قرار پا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سرنگ میں رہے:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جب حضرت ابراہیمؑ کی ماں حاملہ ہو گئی تو کاہنوں نے نمرود سے کہا جس لڑکے کی ہم نے آپ کو اطلاع دی تھی اس کی ماں آج رات حاملہ ہو گئی۔ نمرود نے فوراً لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا جب ابراہیمؑ کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا اور ماں کو دردِ زہ ہونے لگا تو وہ بھاگ کر بستی سے باہر نکل گئی کہ کہیں اس کو اطلاع ہو گئی تو بچہ کو قتل کر دیا جائے گا اور جنگل میں پہنچ کر حلفاء گھاس میں اس کے بچہ پیدا ہوا اس نے آ کر اپنے شوہر کو اطلاع دی کہ میرے بچہ پیدا ہو گیا ہے اور فلاں جگہ موجود ہے باپ نے وہاں جا کر بچہ کو لے کر ایک سرنگ کھود کر اس کے اندر بچہ کو چھپا دیا اور درندوں کے خوف سے سرنگ کا دروازہ پتھر سے بند کر کے چلا آیا ماں وہاں آتی جاتی اور دودھ پلاتی رہی۔

انگلیوں سے دودھ اور شہد کے چشمے:

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کو جب دردِ زہ ہوا تو وہ رات کو نکل کر قریب کے ایک غار میں چلی گئی غار کے اندر ابراہیمؑ پیدا ہوئے نوزائیدہ بچہ کا جو کام ہوتا ہے ماں وہ سب کام ٹھیک کر کے غار کا دروازہ بند کر کے گھر کو لوٹ آئی پھر دیکھ بھال کرتی رہی جب وہاں جاتی تو ابراہیمؑ کو زندہ انگوٹھا چوستے پاتی۔ ابوروق کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت

ابراہیمؑ کی ماں نے کہا آج میں اس کی انگلیاں دیکھوں گی چنانچہ انگلیاں دیکھیں تو آپ ایک انگلی سے پانی دوسری انگلی سے شہد تیسری سے دودھ چوتھی سے چھوارہ اور پانچویں سے گھی چوس رہے تھے۔

غار سے باہر آکر کائنات پر غور کرنا:

محمد بن اسحٰق کا بیان ہے آزر نے ابراہیمؑ کی ماں سے پوچھا حمل کا کیا ہوا ماں نے کہا لڑکا پیدا ہوا تھا مر گیا آزر کو یقین آگیا اور خاموش ہو رہا۔ ابراہیمؑ کے لئے ایک دن ایک ماہ کی طرح اور ایک مہینہ سال کی طرح (نمو کے اعتبار سے) ہوتا تھا غار کے اندر آپ صرف پندرہ مہینے رہے آخر ایک روز ماں سے کہاں مجھے یہاں سے باہر نکال لو ماں عشاء کے وقت آپ کو باہر لائی آپ نے کائنات سماوی وارضی کو دیکھا اور غور کیا اور فرمایا جس نے مجھے پیدا کیا اور کھلایا پلایا وہی میرا پروردگار ہے اس کے سوا میرا کوئی اور معبود نہیں پھر آسمان پر غور سے دیکھا تو ایک ستارہ نظر آیا بولے یہ میرا رب ہے اس کے بعد اس کے پیچھے نظر لگائے دیکھتے رہے آخر وہ غائب ہو گیا آپ نے کہا غائب ہونے والوں کو میں نہیں چاہتا پھر چاند کو دمکتا دیکھ کر بولے یہ میرا رب ہے اس کے پیچھے بھی نگاہ لگائے رکھی آخر وہ بھی ڈوب گیا پھر سورج نکلا اور مندرجہ بالا صورت ہوئی پھر اپنے باپ آزر کے پاس لوٹ کر آئے تو رخ درست ہو چکا تھا رب کو پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے مذہب سے بیزار ہو گئے تھے مگر قوم پر یہ بات ظاہر نہیں کی اور باپ سے آکر کہا میں آپ کا بیٹا ہوں ماں نے بھی بتا دیا کہ واقع یہ تمہارا بیٹا ہے اور میں نے یہ یہ کام کیا تھا آزر اس سے بہت ہی خوش ہوا ایک روایت میں آیا ہے سرنگ کے اندر آپ دس سال رہے دوسری روایت میں سات سال اور تیسری میں سترہ سال رہنے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مسئلہ:

میں کہتا ہوں کہ اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حضرت ابراہیمؑ کے ماں باپ کا کافر ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر بتایا گیا ہے اور آزر کے کافر ہونے کی صراحت قرآن مجید اور حدیث مبارک میں آچکی ہے لیکن اس قصہ میں لفظ آزر کا آنا بعض روایانِ قصہ کا وہم ہے (اصل بیان صرف ابراہیمؑ کے باپ کا ذکر ہے آزر کا نہیں) بلکہ اصل قصہ بعض راویوں نے اس طرح بیان کیا کہ جب سرنگ کے اندر حضرت ابراہیمؑ جوان ہو گئے تو انہوں نے اپنی ماں سے پوچھا میرا پروردگار کون ہے ماں نے کہا میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تیرا پالنے والا کون ہے ماں نے کہا تیرا باپ، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میرے باپ کا پالنے والا کون ہے ماں نے کہا نمرود۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا نمرود کا رب کون ہے ماں نے کہا خاموش ہو جا۔ حضرت ابراہیم خاموش ہو گئے ماں نے واپس جا کر اپنے شوہر سے کہا دیکھو تو جس لڑکے کے متعلق ہم سے کہا جاتا تھا کہ وہ (اس) ملک والوں کے مذہب کو بگاڑ دے گا وہ آپ ہی کا بیٹا ہے پھر ابراہیم علیہ السلام کا قول اس نے نقل کیا باپ فوراً ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا آپ نے اس سے بھی پوچھا باپ مجھے پالنے والا کون ہے۔ باپ نے کہا تیری ماں۔ حضرت نے فرمایا میری ماں کو پالنے والا کون ہے باپ نے کہا میں۔ آپ نے پوچھا آپ کو پالنے والا کون ہے باپ نے کہا نمرود، ابراہیمؑ نے کہا نمرود کا رب کون ہے، باپ نے ایک طمانچہ مارا اور کہا چپ۔ پھر جب رات چھا گئی تو حضرت ابراہیم نے سرنگ کے دروازہ کے پاس آکر پتھر کی جھری سے باہر دیکھا تو ایک ستارہ نظر آیا۔ آپ نے کہا یہ میرا رب ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین سے کہا مجھے یہاں سے باہر نکالو والدین نے سرنگ سے باہر نکالا اور غروب آفتاب کے بعد ساتھ لے چلے۔ حضرت ابراہیم نے کچھ اونٹ گھوڑے اور بکریاں دیکھیں اور باپ سے پوچھا یہ کیا ہے باپ نے کہا اونٹ، گھوڑے اور بکریاں ہیں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ان کو پالنے اور پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہوگا۔ پھر (آسمان کی طرف) نظر کی تو مشتری یا زہرہ دکھائی دیا مہینہ کی آخری رات تھی چاند کا طلوع آخر رات میں ہونے والا تھا چاند سے پہلے آپ نے ستارہ دیکھا تھا آیت فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا میں اسی کا بیان ہے یہ بیان حضرت ابراہیمؑ کے والدین کے کافر ہونے پر ضرور دلالت کر رہا ہے مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کفر کی حالت ہی میں ان کی موت ہوئی۔ پھر بیان مختلف مضطرب ضعیف بھی ہے اور صحیح سند سے ثابت نہیں اس کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد مومن تھے پاک لوگوں کی پشت سے پاک عورتوں کے رحم کی طرف اور پاک عورتوں کے رحم سے پاک مردوں کی پشت کی طرف آپ کا انتقال ہوتا رہا (یہاں تک کہ پاک ماں باپ کے بطن و صلب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے) آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کو اسی معنی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور چچا کو باپ کہنا عمومی محاورہ ہے خصوصاً اس صورت میں جب چچا نے پرورش کی ہو اور یہ ممکن ہے کہ تارخ (حضرت

ابراہیمؑ کا باپ) ابراہیمؑ کو ماں کے پیٹ یا شیر خوارگی کی حالت میں چھوڑ کر مر گیا ہو اور چچا آزر نے آپ کی پرورش کی ہو۔ واللہ اعلم

فانی قابل عبادت نہیں ہے:

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۔ پھر جب ستارہ چھپ گیا تو ابراہیمؑ نے کہا میں غائب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا یعنی جس کے احوال میں تغیر ہوتا رہے اس کی پوجا کرنے کو پسند نہیں کرتا کیونکہ تغیر احوال حادث ہونے کی نشانی ہے جو قدیم ہو اس کے احوال حادث نہیں ہو سکتے اور حادث قابل عبادت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ
پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب
قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو رب میرا تو بیشک
الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾
میں رہوں گا گمراہ لوگوں میں

چاند چونکہ بہت حسین اور چمکدار سیارہ ہے۔ اگر خدا دستگیری نہ فرمائے تو بیشک انسان اسی کی چمک دمک پر مفتون ہو کر رہ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ
پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب سے
اَكْبَرُ
بڑا ہے

یعنی نظام فلکی میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فیض رساں سیارہ ہے۔ شاید عالم مادی کی کوئی چیز اس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض تاثر سے مستغنی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا
پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے
تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾
جن کو تم شریک کرتے ہو

ستارے، چاند، سورج سب خدا کے مزدور ہیں:

یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ : پھر جب وہ ڈوب گیا تو ابراہیمؑ نے کہا اے میری قوم والو تم جن چیزوں کو (معبود برحق کا عبادت میں) شریک بناتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔ ستارے اور چاند سورج اجرام علوی ہیں بڑے بڑے ہیں روشن ہیں مگر الوہیت کے قابل نہیں۔ محل حوادث ہیں خود حادث ہیں ان کے احوال حادث ہیں پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں اور ایسی ذات کے ضرورت مند ہیں جس نے ان کو یہ مخصوص احوال عطا فرمائے ہیں ان کے مقابلہ میں بت اور دوسرے سفلی اجسام بہت حقیر ہیں۔ اور نا قابل عبادت ہیں حضرت ابراہیمؑ نے اسی لئے اجرام علویہ کے حالات کو دیکھ کر تمام علوی اور سفلی اجرام کی الوہیت سے بیزاری کا اظہار کر دیا جب علوی اجرام قابل الوہیت نہیں تو سفلی اجسام کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے استدلال کیا پھر قوم کو خطاب کر کے غیر اللہ کی الوہیت سے بیزاری کا اظہار کیا اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو مسئلہ توحید کی تحقیق پہلے ہو چکی تھی۔ یہ کلام بول کر فقط مشرکوں کو لاجواب بنانا مقصود تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾
اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا

بس میں نے خدا کا دروازہ پکڑ لیا:

یعنی ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف خالق جل وعلیٰ کا دروازہ پکڑ لیا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب علویات و سفلیات ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مولود فطرت پر خلق ہوتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے یعنی خدا ہی کا ہو کر رہنے والا۔ اور

فرمایا اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر کہ انسان کی پیدائش ہوئی اور جو چیز جیسی پیدا کردی گئی اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

باطل معبودوں سے اظہار برأت کرنے کے بعد آئندہ کلام میں آپ نے قوم کو الہ حق کی ہستی کی طرف رہنمائی کی جس کے وجود پر تمام ممکنات دلالت کررہے ہیں چنانچہ فرمایا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

"میں نے سب کو چھوڑ کر اپنا منہ اس کی طرف موڑتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور میں اس کے ساتھ کسی اور کو ساجھی قرار دینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یعنی آسمان اور اس کی ساری کائنات اور زمین اور اس کی تمام موجودات اپنے وجود میں ایسی واجب الوجود ہستی کی محتاج ہیں جو ان کو عدم سے وجود میں لانیوالی ہے میں نے اسی کی طرف اپنا رخ پھیر لیا اور تمام مذاہب کو چھوڑ کر اسی کی اطاعت اختیار کرلی۔ (تفسیر مظہری)

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ
اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ
وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ
کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا

یعنی جس کو خدا سمجھا چکا اور مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی علی وجہ البصیرت سیر کرا چکا کیا اس سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے جھگڑنے اور بیہودہ جدل و بحث کرنے سے بہک جائے گا۔ کبھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانا شروع کر دیا:

وحاجه قومه: اور ابراہیمؑ سے اس کی قوم نے حجت کرنی شروع کر دی۔ یعنی توحید اور نفی شرک کے مسئلہ میں جھگڑنے لگے جب استدلال صحیح کے مقابلہ سے عاجز اور لاجواب ہو گئے تو جھگڑے پر اتر آئے کہنے لگے ہمارے معبودوں سے ڈر، کہیں تجھے کسی دکھ میں مبتلا کردیں اور نمرود سے بھی ڈرتا رہ کہیں تجھے قتل کردے یا جلادے۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ: ابراہیمؑ نے کہا کیا (اللہ کی ہستی اور توحید پر قطعی استدلال کے بعد بھی خواہ مخواہ) تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت کردی یعنی باوجودیکہ میں کم عمر اور ان پڑھ ہوں مگر اس نے مجھے حق اور استدلال کا راستہ بتادیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ
اور میں ڈرتا نہیں ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اللہ کا مگر میرا
شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا
رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے احاطہ کرلیا ہے میرے رب کے علم نے
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾
سب چیزوں کا کیا تم نہیں سوچتے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب:

حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہتی تھی کہ جو تم ہمارے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔ ڈرتے رہو۔ کہیں اس کے وبال میں تم معاذ اللہ مجنون اور پاگل نہ بن جاؤ۔ یا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس کا جواب دیا کہ میں ان سے کیا ڈروں گا جن کے ہاتھ میں نفع ونقصان اور تکلیف وراحت کچھ بھی نہیں۔ ہاں میرا پروردگار مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس سے دنیا میں کون مستثنیٰ ہے وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس شخص کو کن حالات میں رکھنا مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ: اور جس چیز کو تم اس کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے نہیں ڈرتا۔ یعنی ممکنات میں سے کوئی ہو خواہ علویات میں سے ہو جیسے چاند سورج ستارے یا عنصریات میں سے (آگ پانی ہوا مٹی اور ان کے مرکبات) پھر ذی عقل عنصری مرکب ہو جیسے نمرود یا جماد ہو جیسے بت میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ یہ سب میری طرح عاجز ہیں بغیر اللہ کے خود نفع نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ بعض مجھ سے بھی زیادہ عاجز ہیں (جیسے جمادات نباتات) روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب سرنگ سے برآمد ہوئے اور مشرکوں کو ان سے کوئی امید نہ رہی اور آزر نے ان کو اپنا لیا تو خود مورتیاں بنا کر بیچنے کے لئے ابراہیمؑ کو دیں آپ مورتیاں لے کر بازار گئے اور آواز لگائی مجھ سے کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو ضرر رساں ہے فائدہ بخش بالکل نہیں نتیجہ میں کسی نے نہیں خریدا شام کو آپ سب مورتیاں واپس لے آئے اور نہر پر لے جا کر ایک مورتی کو پکڑ کر اس کا منہ پانی کی طرف جھکا کر کافروں کا مذاق اڑانے کے لئے کہنے لگے پانی پی۔ (تفسیر مظہری)

وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور میں کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے اس

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ

بات سے کہ شریک کرتے ہو اللہ کا ان کو جس کی نہیں اتاری اس

سُلْطٰنًا

نے تم پر کوئی دلیل

جھوٹے معبودوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے:

یعنی میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں حالانکہ نہ ان کے قبضہ میں نفع وضرر ہے اور نہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم ہے۔ جس سے اندیشہ ہو۔ ہاں تم خدا کے باغی اور مجرم بھی ہو اور خدا مالک نفع وضرر بھی ہے لہٰذا تم کو اپنے جرائم کی سزا سے ڈرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ

اب دونوں فرقوں میں کون مستحق ہے دلجمعی کا بولو اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دلجمعی اور وہی ہیں

مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

سیدھی راہ پر

ہدایت وہی ہے جس میں ذرہ بھر بھی شرک نہ ہو:

احادیث صحیحہ میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی جیسا کہ سورۂ لقمان میں ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ گویا ظلم کی تنوین تعظیم کے لئے ہوئی۔ تو حاصل مضمون یہ ہوگا کہ مامون و مہتدی صرف وہ ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یقین لائے اس طرح کہ اس میں شرک کی ملاوٹ بالکل نہ ہو، اگر خدا پر یقین رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے نہ اس کے ذریعہ سے امن وہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ وھو کما قال "وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ" (یوسف، رکوع ۱۲)

حضرت مترجمؒ کا کمال:

چونکہ ایمان وشرک کا جمع ہونا بظاہر مستبعد تھا اس لئے مترجم محقق قدس سرہ نے بغرض تسہیل وتفہیم ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا جو لغت عرب کے عین مطابق ہے کما قولہ تعالیٰ "وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا" اور اس نقصان سے مراد شرک ہی لیا جائے گا۔ جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی اور خود نظم کلام میں لفظ لبس اس کا قرینہ ہے اس کی مفصل تحقیق خود مترجم رحمہ اللہ مقدمہ میں فرما چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کامل ایمان والے کی شان:

جریر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور جب مدینہ سے باہر ہوئے تو ایک سوار ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سوار تمہیں سے ملنے کے لئے آرہا ہے۔ جب وہ ہم تک پہنچا تو ہمیں سلام کہا، حضرتؐ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا اپنے اہل وعیال اور اپنے قبیلہ والوں کے پاس سے۔ پھر آپؐ نے کہا کہاں جاؤ گے؟ کہا رسول اللہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہو، میں ہی اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے ایمان کی تعلیم دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہو کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں، اور نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج کرو۔ اس نے کہا مجھے ان سب باتوں کا اقرار ہے۔ پھر جب وہ روانہ ہو چکا تو اس کے اونٹ کا پاؤں ایک جنگلی چوہے کے ایک سوراخ میں پھنس گیا اور اونٹ گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوار بھی گر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا، گردن ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا مجھ پر اس کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ ساتھ ہی عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ پھر کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ تو مر چکا۔ آپؐ دوسری طرف پلٹ گئے۔ پھر فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس کی طرف سے رخ کیوں پلٹا۔ میں نے دو فرشتوں کو دیکھا تھا کہ جنت کے پھل اس کے منہ میں دے رہے ہیں جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھوکا مرا ہے۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو شامل نہیں کرتے۔ پھر فرمایا، اپنے بھائی کا انتظام کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کو غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو ملی اور جب قبر کی طرف لیجانے لگے تو حضرتؐ تشریف لائے پھر قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بغلی قبر بناؤ، کھلی نہ رکھو۔ ہماری قبریں بغلی ہوتی ہیں اور کھلی قبریں دوسروں کی، اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جو بہت ہی تھوڑا عمل کر کے اجر کثیر حاصل کر لیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہاں ظلم سے مراد شرک ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں پر بڑی شاق گزری۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون (باوجود مؤمن ہونے کے، اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا (پھر ہمارے محفوظ رہنے کی کیا شکل ہے) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ظلم (سے مراد) شرک ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا" یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔ (رواہ البخاری، مسلم)

محفوظ رہنے کا مستحق کون ہے:

حضرت ابراہیمؑ نے مشرکوں سے سوال کیا تھا کہ محفوظ رہنے کا مستحق کون ہے۔ مشرکوں کی طرف سے جب کوئی جواب نہیں ملا تو حضرت ابراہیمؑ نے خود فرمایا الذین امنوا الخ۔ اس صورت میں یہ ابراہیمؑ کا کلام ہوگا جو اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ یا یہ اللہ نے اپنی طرف سے فیصلہ فرمایا اور یہ براہ راست اللہ کا قول ہے۔

ایک عجیب شخص:

ابن ابی حاتم نے بکر بن سوادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ایک مسلمان کو مار ڈالا۔ پھر دوبارہ حملہ کر کے مسلمان کو قتل کر دیا پھر تیسری مرتبہ حملہ کر کے ایک اور مسلمان کو قتل کر دیا پھر (مسلمان ہونے کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور) عرض کیا اس حالت میں بھی مجھے اسلام سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ وہ شخص فوراً مسلمانوں میں شامل ہو گیا (یعنی مسلمان ہو گیا) پھر اپنے (گزشتہ) ساتھیوں پر حملہ کر کے ایک کو پھر دوسرے کو قتل کر دیا پھر تیسرے کو مارا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اسی شخص کے حق میں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ
اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابلہ
نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ
میں درجے بلند کرتے ہیں ہم جس کے چاہیں تیرا رب حکمت
عَلِیْمٌ ۝
والا ہے جاننے والا

یعنی ابراہیم علیہ السلام کو ایسی دلائل قاہرہ دے کر ان کی قوم پر غالب فرمانا اور دنیا و آخرت میں سربلند کرنا اسی علیم و حکیم کا کام ہو سکتا ہے جو ہر شخص کی استعداد و قابلیت کو جانتا ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کو اس کے مناسب موقع و مقام پر رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اندازِ تبلیغ

بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے بلکہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا کیونکہ سیاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اور اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوا کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہئے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَیْنَا
اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب سب کو ہم نے ہدایت دی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں نبوت عطاء کی گئی:

یعنی نہ صرف یہ کہ ہم نے ابراہیم کو ذاتی علم و فضل سے سرفراز کیا بلکہ بڑھاپے میں اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ یعقوب وہی اسرائیل ہیں جن کی طرف دنیا کی ایک عظیم الشان قوم بنی اسرائیل، منسوب ہے، جن میں سے ہزاروں نبی اٹھائے گئے بلکہ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے،۔ ابراہیم کے بعد حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان ہی کی نسل میں نبوت اور پیغمبری رکھ دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ
اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے

حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی تھے:

پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بعض فروع کا ذکر تھا اب بعض اصول کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے ہیں اور جس طرح ابراہیمؑ کے بعد نبوت و کتاب کا انحصار صرف ان کی ذریت میں کر دیا گیا تھا اسی طرح نوحؑ کے بعد نوع انسانی کا انحصار نوحؑ کی نسل میں ہو گیا۔ گویا طوفان کے

بعد وہ دنیا کیلئے آدم ثانی ہوئے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ۔ اور ابراہیم سے پہلے نوح کو ہدایت عنایت کی۔ حضرت نوح حضرت ابراہیم کے سلسلۂ اجداد میں تھے اس لئے حضرت نوح کے ہدایت یافتہ ہونے کو حضرت ابراہیم کے لئے نعمت قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ والد کا شرف اولاد کی طرف اور اولاد کا شرف والد کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سورۃ میں ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی کافر ہوا ہو آپ تو اللہ کے محبوب تھے، اور محبت کا تقاضا ہے کہ شرف کامل عطاء کیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ
اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب
وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ
اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو

انبیاء کی باہمی مناسبتیں:

ظاہری ملک وسلطنت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام میں داؤد و سلیمانؑ ہم رنگ ہیں اور مصائب وشدائد پر صبر کرنے کے لحاظ سے ایوبؑ و یوسفؑ میں خاص مشابہت ہے۔ باقی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے قریبی تعلقات کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت موسیٰ نے ہارونؑ کو بطور اپنے وزیر کے حق تعالیٰ سے طلب کیا تھا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ ''کو'' لا کر شاید اسی قسم کے لطائف پر متنبہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى
اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو اور زکریا اور یحییٰ
وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
اور عیسیٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا
اور اسمٰعیل اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝
سارے جہان والوں پر

یعنی اپنے اپنے زمانہ کے جہان والوں پر۔ (تفسیر عثمانی)

حسنین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد تھے:

حجاج نے یحییٰ بن یعمر سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ حسن اور حسین ذریتِ نبی میں سے ہیں حالانکہ وہ علی اور ابوطالب کی ذریت سے ہیں، اور پھر یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن سے ہے۔ میں نے قرآن کو اول سے آخر تک پڑھا کہیں اس کو نہ پایا۔ تو ابن یعمر نے کہا کہ کیا تم نے سورۃ انعام میں نہیں پڑھا کہ ومن ذرية داؤد وسليمان حتیٰ کہ وہ یحییٰ اور عیسیٰ تک پڑھتے چلے گئے۔ کہا کہ ہاں پڑھا ہے۔ کہا کہ عیسیٰ کو ذریتِ ابراہیم میں بتایا گیا ہے اور حالانکہ وہ باپ نہیں رکھتے تھے، صرف بیٹی کے تعلق سے ذریت میں قرار دیا گیا، تو پھر بیٹی کے تعلق سے حسن اور حسین ذریتِ نبی میں کیوں نہ ہوں۔ حجاج نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔

حضرت ادریس علیہ السلام:

ادریس نوحؑ کی نسل میں سے نہیں تھے بلکہ پدر نوحؑ کے دادا تھے۔ نوحؑ کے باپ لامک، لامک کے باپ متوشلخ کے باپ خنوخ اور خنوخ کے باپ حضرت ادریس تھے۔ اولادِ آدمؑ میں آپ سب سے پہلے نبی تھے اور آپ نے قلمی تحریر ایجاد کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو انکے باپ دادوں میں سے اور
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
انکی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور انکو ہم نے پسند کیا
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
اور سیدھی راہ چلایا یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہے
مِنْ عِبَادِهٖ ۭ
اپنے بندوں میں سے

صحیح راستہ کی پہچان:

یعنی خالص توحید اور معرفت واطاعت خداوندی کا راستہ ہی وہ ہے جس پر حق تعالیٰ اپنے فضل وتوفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے۔ پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کو تنبیہ:

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انعاماتِ الٰہیہ بیان فرما کر ایک طرف تو یہ قانونِ قدرت بتلا دیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اس سے بہتر چیزیں عطا فرما دیتے ہیں، دوسری طرف مشرکین مکہ کو یہ حالات سنا کر اس طرف ہدایت کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے تو دیکھو جن کو تم بھی سب بڑا مانتے ہو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا پورا خاندان وہ سب یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قابلِ عبادت صرف ایک ذات حق تعالیٰ ہے، اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا یا اس کی مخصوص صفات کا ساجھی بتلانا کفر و گمراہی ہے، تم لوگ خود اپنے مسلمات کی رو سے بھی ملزم ہو۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾

اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا

شرک تمام اعمال کو غارت کر دیتا ہے:

یہ ہم کو سنایا گیا کہ شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے اگر بفرضِ محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

یہی لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت

وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا

اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں مکہ والے تو ہم نے ان باتوں

بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

کیلئے مقرر کر دیئے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں

حق کسی خاص قوم کا محتاج نہیں ہے:

اگر مکہ کے کافر یا دوسرے منکرین ان باتوں (کتاب، شریعت اور نبوت) سے انکار کریں تو خدا کا دین ان پر موقوف نہیں۔ ہم نے دوسری قوم یعنی مہاجرین و انصار اور ان کے اتباع کو ان چیزوں کی تسلیم و قبول اور حفاظت و ترویج کے لئے مسلط فرما دیا ہے جو ہماری کسی بات سے بھی منہ موڑنے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر

انبیاء کا اصولی راستہ ایک ہی ہے:

تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے۔ ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیائے سابقین کے راستہ سے جدا نہیں۔ رہا فروع کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں (فائدہ) علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کلی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ هدٰهم سے مراد عقیدۂ توحید اور دین کے وہ اصول ہیں جو تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہیں فروعی مسائل مراد نہیں ہیں۔ فروعی مسائل میں تو انبیاء میں تفریق ہے اور هدٰهم میں ھدیٰ کی اضافت کل انبیاء کی طرف کی گئی ہے لہٰذا ایسا راستہ ہونا ضروری ہے جو سب کے درمیان مشترک ہو فروعی مسائل میں سب انبیاء کی پیروی ممکن نہیں (کیونکہ فروعی احکام میں انبیاء میں اختلاف ہے) اب یہ کہنا غلط ہے کہ اس آیت میں گزشتہ انبیاء کی شریعتوں پر چلنے کا حکم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیا گیا ہے اور آپ گزشتہ شرائع کے مکلف تھے۔

فروعی احکام:

میں کہتا ہوں تمام انبیاء امر خداوندی کے مکلف تھے اگر سابق فروعی مسائل کو اللہ کی طرف سے منسوخ نہیں کیا گیا تو ان فروعی احکام کی تعمیل بھی سب کے لئے ضروری تھی اور اگر متلو یا غیر متلو وحی کے ذریعہ سے گزشتہ احکام جزئیہ کو منسوخ کر کے جدید احکام نازل کر دئے گئے تو جدید احکام کی تعمیل لازم ہے۔ حاصل یہ کہ تمام انبیاء گزشتہ فروعی احکام کے بھی پابند تھے بشرطیکہ جدید شریعت میں ان کو منسوخ نہ کر دیا گیا ہو۔ پس گزشتہ شریعتوں کے فروعی احکام کی تعمیل بھی ہم پر واجب ہے اگر ہماری شریعت میں اللہ نے ان کو منسوخ نہ کر دیا گیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو محض نصیحت

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

ہے جہان کے لوگوں کو

پیغمبر کسی دنیاوی مفاد کا طالب نہیں ہوتا:

یعنی اگر تم نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا کیونکہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے۔ ہاں تم نصیحت سے انحراف کر کے خود اپنا نقصان کرو گے۔ سارے جہان میں سے ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔ جو انکار کرے گا اسے اپنی محرومی اور بدبختی کا ماتم کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ

اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو پورا پہچاننا جب کہنے لگے کہ نہیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ

اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز

جاہلوں کی تردید:

پچھلے رکوع میں منصب نبوت اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا نام بنام تذکرہ تھا اور یہ کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید و معرفت کی اسی صراط مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں جس پر انبیائے سابقین کو چلایا گیا تھا۔ پیغمبروں کا ہدایت خلق اللہ کے لئے بھیجنا حق تعالیٰ کی قدیم عادت رہی ہے۔ آیات حاضرہ میں ان جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بدفہمی، جہل و غباوت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی و مکالمۂ خاص سے مشرف فرمائے۔ گویا انزال کتب و ارسال رسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

سدی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فنحاص بن عازوراء کے حق میں ہوا اور فنحاص نے ہی یہ بات کہی تھی۔

کافروں نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں ہے:

ابن جریر نے بطریق ابوطلحہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ نے آپ پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ حضور والا نے فرمایا، ہاں! بولے خدا کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اتاری اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ یعنی اللہ نے بندوں پر جو نعمت و رحمت مبذول فرمائی ہے اس کو انہوں نے نہیں جانا اور اس لحاظ سے اللہ کو جیسا پہچاننا چاہئے ویسا نہیں پہچانا جب کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں فرمایا یعنی پیغمبروں کی بعثت کا انکار کر دیا حالانکہ نبوت اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ

پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لے کر

مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

آیا تھا روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے جس کو تم نے ورق ورق کر کے

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ

لوگوں کو دکھلایا اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا اور تم کو سکھلا دیں

مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ

جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے

یہود یو بتاؤ! توراۃ کس نے اُتاری؟

یعنی اگر واقعی خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری، "تورات مقدس" جیسی عظیم الشان کتاب جو احکام و مرضیات الٰہیہ پر بندوں کو مطلع کرتی اور رشد و ہدایت کی عجیب و غریب روشنی اپنے اندر رکھتی اور ان چیزوں کا علم تم کو عطا کرتی تھی جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا بلکہ کل بنی آدم بھی بدون اعلام الٰہی محض اپنی عقل و حواس سے دریافت نہیں کر سکتے تھے، وہ کہاں سے آگئی اور کس نے موسیٰ پر اتاری حالانکہ آج تم اُسے ورق ورق اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو اپنی خواہش کے موافق دکھلاتے اور ان کے بہت سے اخبار و احکام کو چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اس طرح اس کی اصلی روشنی تم نے باقی نہیں چھوڑی۔ تاہم جو حصہ آج باقی رہ گیا ہے وہ ہی پتہ دے رہا ہے کہ جس محل کے کھنڈرات یہ ہیں وہ اپنے زمانۂ عروج میں کیسا عظیم الشان ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا

(اے محمدؐ) آپ کہئے کہ جو کتاب (توریت) موسیٰ لائے تھے وہ کس نے اتاری تھی جو (سراسر) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے کہ ان میں سے بعض حصوں کو تو ظاہر کرتے ہو اور بہت حصے کو چھپائے رکھتے ہو نوراً الکتاب یا کتاب کی ضمیر بہ سے حال ہے۔ متفرق اوراق میں کرنے سے یہ مراد ہے کہ کاغذ کے مختلف ٹکڑوں پر لکھتے ہو اور ان کی جدا جدا کاپیاں بناتے ہو۔

یہودی توراۃ کے احکام کو چھپاتے تھے:

بعض حصوں کو ظاہر کرنے کا یہ معنی ہے کہ جس حصہ کو اور توریت کی جن باتوں کو ظاہر کرنا چاہتے ہو ظاہر کرتے ہو۔ زیادہ باتوں کے چھپانے کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور آیت رجم وغیرہ کو چھپاتے ہو حالانکہ یہ چیزیں توریت میں موجود ہیں اس فقرہ میں یہودیوں کو سرزنش کی گئی ہے کہ تم نے توریت کے معاملہ میں اپنی خواہشات کا اتباع کیا (اللہ کی کتاب کو اپنی نفسانی خواہشات کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی)

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۔ اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس آیت میں مخاطب یہود ہیں یعنی یہود یو تم کو توریت کے ذریعہ سے جو علم عطا کیا گیا تھا اس سے زیادہ علم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی تم کو دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾
تو کہہ دے کہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے انکو اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں

آپ نے فرض پورا کر دیا:

یعنی ایسا نور و ہدایت بجز خدا کے اور کس خزانہ سے آ سکتا ہے؟ اگر ایسی صاف اور بدیہی چیز کو بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ تبلیغ و تنبیہ کر کے سبکدوش ہو جائیے۔ اور ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات اور لہو ولعب میں مشغول رہیں جب وقت آئے گا خدا خود ان کو بتلا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ
اور یہ قرآن کتاب ہے جو کہ ہم نے اتاری برکت والی تصدیق کرنیوالی
بَیْنَ یَدَیْهِ
ان کی جو اس سے پہلی ہیں

خدا نے نہیں اُتارا تو قرآن کہاں سے آیا ہے؟

یعنی اگر خدا نے کوئی چیز نہیں اتاری تو یہ مبارک کتاب کہاں سے آئی جس کا نام قرآن ہے اور جو تمام پچھلی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اگر یہ آسمانی کتاب نہیں تو بتلاؤ کس کی تصنیف ہے۔ جس کا مثل لانے سے جن وانس قادر نہ ہوں کیا اسے ایک امی کی تصنیف کہہ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ
اور تا کہ تو ڈراوے مکہ والوں کو اور اسکے آس پاس والوں کو

مکہ تمام دنیا کا مرکز ہے:

"ام القری" یعنی بستیوں کی اصل اور جڑ کو کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور جغرافیائی حیثیت سے بھی قدیم دنیا کے وسط میں مرکز کی طرح واقع ہے اور جدید دنیا (امریکہ) اس کے نیچے ہے اور روایات حدیثیہ کے موافق پانی سے زمین بنائی گئی تو اول یہی جگہ کھلی تھی۔ ان وجوہ سے مکہ کو "ام القریٰ" فرمایا اور آس پاس سے مراد یا عرب ہے کیونکہ دنیا میں قرآن کے اول مخاطب وہ ہی تھے ان کے ذریعہ سے باقی دنیا کو خطاب ہوا اور یا سارا جہان مراد ہو جیسے فرمایا لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں
وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾
اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار

جسے آخرت کی زندگی پر یقین اور بعد الموت کا خیال ہوگا، اسی کو ہدایت اور طریق نجات کی تلاش ہوگی وہ ہی پیغام الٰہی کو قبول اور نماز وغیرہ عبادات کی حفاظت کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان
اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ
یا کہے مجھ پر وحی اتری اور اس پر وحی نہیں اتری کچھ بھی
وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ
اور جو کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اس کے جو اللہ نے اتارا

خدا پر بہتان باندھنا:

خدا پر بہتان باندھنے سے شاید یہ مراد ہے کہ خدا کی طرف ان باتوں کی نسبت کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں۔ مثلاً کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے یا بیوی بچے تجویز کرے یا یوں کہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ یعنی اس نے بندوں کی ہدایت کا کوئی سامان نہیں کیا۔ ایسا کہنے والا سخت ظالم ہے۔ اسی طرح جو شخص نبوت و پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ یا یہ ڈینگ مارے کہ خدا کے جیسا کلام تو میں لاسکتا ہوں جیسے بعض مشرکین کہتے تھے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ یہ سب باتیں انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری کی ہیں جس کی سزا کا تھوڑا سا حال آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کا نزول کس کے بارے میں ہوا:

میں کہتا ہوں اس سے مراد نضر بن حارث ہے جو سورۃ والنازعات غرقاً کے مقابلہ میں (بطور استہزاء) والطاحنات طحناً والعاجنات عجناً والخابزات خبزاً کہتا تھا (قسم ہے آٹا پیسنے اور گوندھنے اور روٹی پکانے والیوں کی)

بغوی نے لکھا ہے کہ بقول قتادہ اس آیت کا نزول مسیلمہ کذاب کے حق میں ہوا۔ یہ شخص کاہن تھا اور کاہنوں کی طرح کچھ مسجع فقرے بولتا تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں اس نے دو قاصد بھیجے تھے۔ حضورؐ نے قاصدوں سے دریافت کیا، کیا تم مسیلمہ کو نبی مانتے ہو۔ قاصدوں نے کہا جی ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا دستور نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑا دیتا۔

دو جھوٹے:

بغوی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا۔ سونے کی حالت میں مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور سونے کے دو کنگن میرے دونوں ہاتھوں میں ڈال دیئے گئے۔ مجھے اس سے بڑی ناگواری اور رنج ہوا تو مجھے وحی بھیجی گئی کہ ان دونوں پر پھونک مارو۔ میں نے پھونک ماری، کنگن فوراً غائب ہو گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دی کی دونوں کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں۔ ایک صنعا (یمن) والا دوسرا یمامہ والا۔ صنعا والے سے حضورؐ کی مراد اسود عنسی اور صاحب یمامہ سے مراد مسیلمہ کذاب تھا (ان دونوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) (تفسیر مظہری)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں

کافروں کی موت:

یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں

یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور مزید تشدید اور اظہار غیظ کے لئے کہتے جاتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں (جنہیں بہت دنوں سے بانواع حیل بچاتے پھرتے تھے) (تفسیر عثمانی)

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
آج تم کو بدلے میں ملے گا ذلت کا عذاب

یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی بھی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں
وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے

یعنی از راہ تکبر آیات اللہ کو جھٹلاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
اور البتہ تم ہمارے پاس آ گئے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی
مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ
بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے

آدمی سب کچھ یہیں چھوڑ جائے گا:

یعنی نہ سر پہ ٹوپی نہ پاؤں میں جوتی، تہی دست چلے آرہے ہو اور جس ساز و سامان پر فخر و ناز تھا اسے ہمراہ نہیں لائے کہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ تو نے کھایا اور فنا کر دیا، پہنا

اور پرانا کر دیا یا دوسروں کو دیا اور گویا باقی رکھ لیا، اس کے سوا تیری ساری دولت دوسروں کے لئے ہے۔ اللہ پاک ابن آدم سے پوچھے گا کہاں جمع کر رکھا ہے تو کہے گا اے رب جمع کیا اور بڑھا کر وہیں چھوڑ آیا۔ پھر فرمایا کہ اس دن کے لئے کیا آگے بھیجا۔ وہ کہے گا کہ کچھ نہیں بھیجا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا

اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور جاتے رہے جو دعوے کہ تم کیا کرتے تھے

آج وہ سفارشی کہاں گئے:

یعنی جن کو تم سمجھتے تھے کہ آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور مصیبت میں ساتھ ہونگے، وہ کہاں چلے گئے۔ آج ہم ان کو تمہاری سفارش اور حمایت پر نہیں دیکھتے۔ حمایت و نصرت کے وہ علاقے آج ٹوٹ گئے اور جو لمبے چوڑے دعوے تم کیا کرتے تھے سب رفو چکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۗ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی نکالتا ہے

الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

مردہ سے زندہ اور نکالنے والا ہے زندہ سے مردہ، یہ ہے اللہ

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو

خدا کو چھوڑ کر کہاں بھاگتے ہو:

یعنی زمین میں دبائے جانے کے بعد گٹھلی اور دانہ کو پھاڑ کر سبز پودہ اگانا یا جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالنا (مثلاً آدمی کو نطفہ سے نطفہ کو آدمی سے پیدا کرنا) اسی خدا کا کام ہے۔ پھر اسے چھوڑ کر تم کدھر بہکے جا رہے ہو؟ کیا اور کوئی ہستی تمہیں ایسی مل سکتی ہے جو ان کاموں کو انجام دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ

پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی کا

یعنی رات کی تاریکی میں سے جو پہلی پھٹ کر صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کا نکالنے والا بھی وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

اور اس نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند

حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

حساب کے لئے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے زور آور خبردار کا

رات دن اور چاند سورج کا جو حکیمانہ نظام اور ان کی رفتار کا جو حساب مقرر فرما دیا اس میں ذرا بھی تخلف یا کم و بیش نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی شب بیداری:

صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی بیوی ان کی کثرت شب بیداری کی شکایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے رات کو محل سکون بنایا لیکن صہیب رضی اللہ عنہ کے لئے نہیں۔ کیونکہ صہیب رضی اللہ عنہ کو جب جنت یاد آتی ہے تو اس کے شوق میں رات رات بھر نہیں سوتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اور جب دوزخ یاد آتی ہے تو ان کی نیند ہی اڑ جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا

اور اسی نے بنا دیئے تمہارے واسطے ستارے کہ ان کے وسیلہ سے

بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ

راستے معلوم کرو اندھیروں میں جنگل اور دریا کے

یعنی بلا واسطہ ان سے رستے معلوم کر دیا یا بواسطہ مثلاً قطب نما کے ذریعہ سے۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ

البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے پتے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور وہی

الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ایک شخص سے

یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ
پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ

ٹھہرنے اور سپرد ہونے کی جگہ:

مستقر ٹھہرنے کی جگہ جسے ٹھکانہ کہا۔ اور "مستودع" سپرد کئے جانے اور امانت رکھے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے آگے دونوں کے مصداق کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے موضح القرآن میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم کو پسند ہے۔ یعنی اول سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثر پیدا کرے پھر آ کر ٹھہرتا ہے دنیا میں۔ پھر سپرد ہوگا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا ٹھہرے گا جنت میں یا دوزخ میں" (تفسیر عثمانی)

ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر ہے اور مستودع سے مراد پشتِ پدر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد قرارگاہِ دنیا اور مستودع سے مراد آخرت بعداز موت۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ
البتہ ہم نے کھول کر سنا دیئے پتے اس قوم کو جو سوچتے ہیں اور اسی
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
اگنے والی ہر چیز

یعنی آسمان کی طرف سے بادل برسایا جو سبب ہے نباتات کے اگانے کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا
پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک
مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا
پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے
قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ
گچھے جھکے ہوئے

یعنی بسبب بوجھل ہونے کے نیچے کو جھکے ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور اور انگور کے باغ:

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قنوان دانیہ سے چھوٹے درخت کھجور جن کے خوشے زمین سے لگے ہوں مراد ہیں۔ اہل حجاز تو اسے "قنوان" کہتے ہیں لیکن بنوتمیم کے قبیلہ والے لقنیان (یا، کے ساتھ) کہتے ہیں۔ اور یہ "قنو" کی جمع ہے جیسے صنوان، صنو کی جمع ہے۔ پھر فرمایا کہ "انگور کے باغات" یعنی انگور کے باغات ہم زمین پر پیدا کرتے ہیں۔ خرما اور انگور کا ذکر فرمایا کیونکہ یہی دونوں اہل حجاز کے بہترین ثمر سمجھے جاتے ہیں، بلکہ ساری دنیا کے بہترین ثمر ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ
ملتے جلتے اور جدا جدا بھی

یعنی صورت شکل مقدار، رنگ، بو، اور مزہ کے اعتبار سے بعضے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، بعضے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ
دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اسکے پکنے کو

یعنی ابتداء جب پھل آتا ہے تو کچا، بدمزہ اور ناقابل انتفاع ہوتا ہے۔ پھر پکنے کے بعد کیسا لذیذ، خوشذائقہ اور کارآمد بن جاتا ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا کا بندوبست بھی کر دیا ہے:

اس رکوع میں حق تعالیٰ کے جن افعال وصفات اور مظاہر قدرت کا بیان ہوا، ان سے خدا کے وجود وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو وحی ونبوت کا مسئلہ بھی بڑی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ہماری دنیوی زندگی

اور مادی حوائج کے انتظام و انصرام کے لئے اس قدر اسباب ارضی و سماوی مہیا فرمائے ہیں، تو یہ کہنا کس قدر لغو اور غلط ہوگا کہ ہماری حیات اخروی اور روحانی ضروریات کے انجام پانے کا اس نے کوئی سامان نہیں کیا۔ یقیناً جس رب کریم نے ہماری جسمانی غذاؤں کے نشوونما کے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے۔ ہمارے روحانی تغذیہ کے لئے بھی اسی نے سحابہائے نبوت سے وحی و الہام کی بارش نازل فرمائی۔ جب وہ بر و بحر کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے ظاہری رہنمائی کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ باطنی رہنمائی کے لئے اس نے ایک ستارہ بھی آسمان روحانیت پر روشن نہ کیا ہو۔ رات کی تاریکی کے بعد اس نے صبح صادق کا اجالا کیا اور مخلوق کو موقع دیا کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار میں چاند اور سورج کی روشنی سے ایک معین حساب کے ماتحت منتفع و مستفید ہوتی رہے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کفر و شرک، ظلم و عدوان و فسق و فجور کی شب دیجور میں اس کی طرف سے کوئی چاند نہ چمکا، نہ صبح صادق کا نور پھیلا۔ نہ رات ختم ہو کر کوئی آفتاب طلوع ہوا؟ خدا کی ساری مخلوق ابد الآباد کے لئے جہل و ضلالت کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں پڑی چھوڑ دی گئی۔ کیا گیہوں کے دانہ اور کھجور کے گٹھلی کو پھاڑ کر خدائے کریم سرسبز درخت اگاتا ہے۔ پر انسان کے قلب میں معرفت ربانی کی استعداد کا جو بیج فطرۃً بکھیرا گیا تھا وہ یوں ہی بیکار ضائع کر دیا گیا کہ نہ ابھرا نہ پھلا نہ پکا نہ تیار ہوا۔ جب جسمانی حیثیت سے دنیا میں حی و میت کا سلسلہ قائم ہے خدا زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا رہتا ہے تو روحانی نظام میں خدا کی اس عادت کا کیوں انکار کیا جائے۔ بیشک روحانی طور پر بھی وہ بہت دفعہ ایک زندہ قوم سے مردہ اور مردہ قوم سے زندہ افراد پیدا کرتا ہے اور جس طرح اس نے ہماری دنیوی زندگی کے مستقر و مستودع کا حکیمانہ بندوبست کیا ہے حیات اخروی کے مستقر و مستودع کے سامان اس سے کہیں بڑھ کر مہیا فرمائے۔ فللہ الحمد والمنۃ و بہ الثقۃ والعصمۃ. یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم خدا تعالیٰ کو اس کے کاموں سے پہچانتے ہیں یعنی جو کام وہ اپنی قدرت کاملہ سے کرتا ہے کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ ویسا کام کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح اس کے کلام کو بھی ہم اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں کہ خدا کا کلام وہ ہی ہو سکتا ہے کہ اس جیسا کلام ساری مخلوق مل کر بھی نہ بنا سکے۔ پھر سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا ادعاء کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ گویا اس رکوع میں حق تعالیٰ کی صفات و افعال بیان کر کے ان تمام مسائل کی حقیقت پر متنبہ کر دیا گیا جن کی تغلیط گذشتہ رکوع میں بیان کی گئی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے انکو پیدا کیا ہے

لوگوں نے شیطان کو خدا بنا رکھا ہے نعوذ باللہ:

یا تو "جن" سے مراد یہاں "شیاطین" ہیں چونکہ کفر و شرک کا ارتکاب شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اس لئے اس کے اغواء و اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا اسی کی عبادت ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کا رد کرتے ہوئے فرمایا "يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ" دوسری جگہ ارشاد ہے "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ" ملائکہ قیامت میں فرمائیں گے "قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ" اور یا "جن" سے مراد قوم جن لی جائے جن کے بعض سرداروں سے اہل جاہلیت استعانت و تعوذ کیا کرتے تھے۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (جن، رکوع ۱) بہر حال وہ خود ہماری طرح خدا کی عاجز مخلوق ہے۔ پھر مخلوق ہو کر خالق کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور تراشتے ہیں اسکے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے

نصاریٰ حضرت مسیح کو، بعض یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور مشرکین ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

وہ پاک ہے اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

یعنی پاک ہے شرکت سے اور اس کی شان بہت بلند ہے ترکیب و تحلیل سے پھر باپ بیٹے کا تصور وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نئی طرح پر بنانے والا آسمان اور زمین کا

خدا کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں:

جس نے تنہا تمام آسمان و زمین بدون کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے۔ آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ

کیونکر ہو سکتا ہے اسکے بیٹا حالانکہ اسکے کوئی عورت نہیں

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی اور اولاد نہیں ہے:

تعجب ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقۃً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کسے تجویز کرو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دے کر تعلقات زناشوی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریم کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ان کی ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نفخۂ جبریلیہ سے بدون توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں، ابوت وبنوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب ومسببات ہوں یا خوارق عادات، سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح پیدا کرنا مصلحت وحکمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ

یہی اللہ تمہارا رب ہے نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے

كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ

والا ہر چیز کا سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر

شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾

چیز پر کارساز ہے

اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے:

اس کی عبادت اس لئے کرنی چاہئے کہ مذکورہ بالا صفات کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر استحقاق معبود بننے کا رکھتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمام مخلوق کی کارسازی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ

نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو

الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾

اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے

آنکھ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی:

حضرت شاہ صاحب نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے۔ ہاں وہ خود از راہ لطف وکرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرما دے گا۔ مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مراتب رؤیت ہوگی جیسا کہ نصوص کتاب وسنت سے ثابت ہے یا بعض روایات کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں رویت ہوئی علی اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں لہٰذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رؤیت ہی کا اعتقاد رکھا جائے گا۔ مفسرین سلف میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معنی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ آخرت میں بھی رؤیت ہوگی احاطہ نہ ہوگا۔ ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت ''لطیف'' کا تعلق ''لاتدرکہ'' سے اور ''خبیر'' کا ''وھو یدرک'' سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ اُن سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنت میں مل چکی ہیں اُن سے زائد اور کچھ چاہئے تو بتلاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں، یہ لوگ عرض کریں گے، یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم اور کیا چاہیں؟ اُس وقت حجاب درمیان سے اٹھا دیا جائے گا، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اور جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی، یہ حدیث مسلم میں حضرت صہیبؓ سے منقول ہے۔

پوری مخلوق اپنی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جہان کے سارے انسان اور جنات اور فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے، اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔ (مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم)

نگاہ کی طاقت

اور یہ خاص صفت حق جل وعلا شانہٗ کی ہی ہو سکی ہے ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی چھوٹی سے چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کُرے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا

احاطہ کرسکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے کرے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ اُن کُروں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں ان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حاسہ ہے، جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہوسکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و وہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے، اس کا علم اس حاسہ بصر سے کیسے حاصل ہو۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

آج تک اللہ کی ذات وصفات کا کوئی احاطہ نہیں کرسکا:

حق تعالیٰ کی ذات وصفات غیر محدود ہیں، اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا، اسی لئے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالق کائنات کا پتہ لگانے اور اس کی ذات وصفات کے ادراک کے لئے اپنی عمریں بحث و تحقیق میں صرف کیں، اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف و شہود کے راستہ میں سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پاسکتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

دور بینان بارگاہ الست   غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

خاص درجہ والے صبح شام زیارت کریں گے:

ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں بروایت ابن عمرؓ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے ان کو روزانہ صبح وشام حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب:

فرقہ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کا دیدار محال ہے اہل سنت قائل ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار نہیں ہوسکتا، جنت کے اندر مومنوں کو نصیب ہوگا۔

(۱) الابصار جمع کا صیغہ ہے اس لئے جنس بصر تو مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ مجموعہ افراد مراد ہوگا اب اگر الف لام کو عہدی قرار دیا جائے گا تو وہ ابصار مراد ہونگے جو دنیا میں موجود ہیں اور معنی یہ ہونگے کہ دنیا میں تمام بینائیاں اللہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ پس اس سے یہ کہاں نکلا کہ جنت میں مومنوں کی آنکھیں بھی نہ دیکھ سکیں گی اور اگر الف لام کو استغراقی کہا جائے تو آیت میں استغراق کی نفی کی گئی ہے۔ (یعنی سب آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں) نفی رویت کا استغراق نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی نہیں دیکھ سکتی یہاں تک کہ جنت میں کوئی مومن بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ تلاوت فرمائی پھر فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا موسیٰ مجھے جو زندہ دیکھے گا مر جائے گا جو خشک (پتھر وغیرہ) دیکھے گا لڑھک جائے گا اور جو تر (درخت وغیرہ) دیکھے گا پھٹ جائے گا اس کے اجزاء پراگندہ ہو جائیں گے۔ مجھے صرف جنت والے دیکھیں گے ان کی آنکھیں مردہ نہ ہونگی اور ان کے بدن بوسیدہ نہ ہونگے۔

(۲) آیت میں نفی ادراک کی صراحت ہے نفی رویت کا ذکر نہیں ادراک اور رویت میں فرق ہے رویت کا معنی ہے دیکھنا اور ادراک کا معنی ہے کسی چیز کی حقیقت پالینا اور اس کو ہر طرف سے گھیر لینا یا کامل طور پر کسی چیز تک پہنچ جانا (یعنی پورے طور پر اس چیز کو پالینا) رویت اور ادراک میں تلازم نہیں ہے دیکھو اللہ نے فرمایا فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ قَالَ كَلَّا جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا اب یقینا ہم تک یہ پہنچ جائیں گے (ہم پکڑے جائیں گے) موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں (یہ تم کو نہیں پاسکتے) اس آیت میں طرفین سے رویت ہونے کا ثبوت ہے مگر ادراک کی پرزور نفی ہے۔

(۳) اچھا رویت اور ادراک کو اگر ہم معنی تسلیم بھی کرلیا جائے تو آیت میں نفی رویت کی صراحت ہے کوئی آنکھ اس کو نہیں دیکھتی رویت محال ہونے کی صراحت نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ ہی نہیں سکتی۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ اور وہ تمام نگاہوں کو محیط ہے یعنی اس کا علم محیط ہے۔

لطیف وخبیر کا معنی:

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ اور وہی باریک ہے وہ باخبر ہے۔ لطیف کا معنی صاحب قاموس نے لکھا ہے اپنے بندوں سے بھلائی کرنے والا اپنی مہربانی سے مخلوق کو فائدہ پہنچانے والا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اپنے دوستوں پر مہربان۔ صاحب قاموس نے لطیف کا معنی پوشیدہ امور کا عالم بھی لکھا ہے صحاح میں ہے کبھی لطیف ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ادراک حس سے نہ ہوسکے (یعنی محسوس نہ ہو) صاحب صحاح کی توضیح کے موافق آیت میں لف ونشر مرتب ہوگا کلام اس طرح ہوگا اس کو نگاہیں نہیں

پاتیں کیونکہ وہ غیر محسوس ہے وہ نگاہوں کو پالیتا ہے کیونکہ باخبر ہے۔

باریک بین سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کے اندرونی حالات سے بخوبی واقف ہے کوئی شئ خواہ کیسی ہی دقیق کیوں نہ ہو وہ اس سے مخفی نہیں اس بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لطیف کا تعلق لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے ہے اور خبیر کا تعلق وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سے ہے بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ایسا سمجھو کہ جیسے روح ہے کہ نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اور روح نگاہوں کا اور تمام چیزوں کا ادراک کر سکتی ہے اسی وجہ سے افعال انسانی کو روح کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی اور شئ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی۔

کافروں کا شبہ اور جواب:

اس سے کافروں کے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ خدا ہم سے غائب کیوں ہے اور وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔ جواب اس طرح ہو گیا کہ وہ معبود برحق لطیف و خبیر ہے کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا جیسے روح کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسی طرح وہ لطیف و خبیر ہے نظر نہیں آتا اور اس عالم اجسام میں ہوا بھی ایک جسم لطیف ہے اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو علیم و قدیر اور لطیف و خبیر ہو اور یہ صفت سوائے اللہ کے کسی کے لئے ثابت نہیں پھر کیسے کوئی اس کا شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔

اس آیت یعنی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے معتزلہ اور خوارج اور شیعہ اور مرجیہ وغیرہ بدعتی فرقوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہشت میں حق تعالیٰ شانہ کا دیدار نہ ہوگا معتزلہ نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کا دیدار ناممکن ہے۔

دیدارِ الٰہی کے متعلق اہلسنت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اس بارہ میں یہ ہے کہ بہشت میں خدا تعالیٰ کا دیدار افضل ترین نعمت ہے اور اگر سچ پوچھا جائے تو اصل بہشت اُسکے دیدار کی لذت ہی کا نام ہے وہ بہشت ہی کیا ہوئی جس میں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب نہ ہو علاوہ ازیں جنت میں رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے جن کا انکار در پردہ شریعت کا انکار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کے معنی یہ ہیں کہ نگاہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتیں ہیں مگر اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ تمام ابصار کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

زجاج کی تفسیر:

زجاج امام نحو یہ کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اللہ کی کنہ اور حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا سو آنکھیں اس کو دیکھیں گی مگر احاطہ نہیں کر سکیں گے جس طرح دل اللہ کو جانتے اور پہنچانتے ہیں مگر محیط نہیں۔ اسی طرح آنکھیں اللہ کو دیکھ سکتی ہیں مگر احاطہ نہیں کر سکتیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں ادراک بمعنی احاطہ اور تحدید کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں۔ مطلق رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے آنکھیں شمس و قمر کو دیکھتی ہیں مگر اس کی حقیقت اور کنہ کا ادراک نہیں کرتیں تو اسی طرح خداوند قدوس کے دیدار پر انوار کو سمجھو کہ نگاہیں اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کو دیکھیں گی مگر اس کی کنہ اور حقیقت کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہونگی۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۱ ج ۲ و تفسیر قرطبی ص ۵۴ ج ۷ و تفسیر کبیر۔ (معارف کاندھلوی)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ

تمہارے پاس آ چکیں نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے پھر

اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَآ

جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

اور میں نہیں تم پر نگہبان

خدا کے نشانات واضح موجود ہیں:

یعنی اگرچہ خدا ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اس کے بصیرت افروز نشانات و دلائل ہمارے سامنے ہیں۔ جو آنکھ کھول کر دیکھے گا خدا کو پالے گا اور جو اندھا بن گیا اس نے اپنا نقصان کیا۔ میرے ذمہ یہ نہیں کہ کسی کو دیکھنے پر مجبور کر دوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

اور یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تا کہ وہ کہیں کہ تو نے

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کسی سے پڑھا ہے اور تا کہ واضح کر دیں ہم اسکو واسطے سمجھ والوں کے

آیات کو واضح کرنے کا مقصد:

یعنی اپنی آیتوں کو مختلف پہلوؤں اور عجیب و غریب انداز سے اس لئے سمجھاتے ہیں کہ آپ سب لوگوں کو پہنچادیں اور ان میں استعداد و احوال کے اختلاف سے دو فریق ہو جائیں۔ ضدی اور بدفہم تو یہ کہیں کہ ایسے علوم و معارف اور مؤثر مضامین ایک امی سے کیسے بن پڑتے ضرور مختلف اوقات میں کسی سے سیکھتے رہے ہونگے۔ پھر پڑھ پڑھا کر ہمارے سامنے پیش کر دیئے۔ لیکن سمجھ دار اور انصاف پسند لوگوں پر حق واضح ہو جائے گا اور شیطانی شکوک وشبہات زائل ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَآ اِلٰہَ
تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آوے تیرے رب کا کوئی معبود نہیں
اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۰۶﴾
سوا اس کے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے

آپ خدائے واحد پر بھروسہ کر کے اس کے حکم پر چلتے رہیں اور مشرکین کے جہل و عناد کی طرف خیال نہ فرمائیں کہ ایسے روشن دلائل و بیانات سننے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا ؕ
اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ شرک نہ کرتے

اللہ تعالیٰ زبردستی مؤمن نہیں بناتا:

یعنی حق تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ وہ ساری دنیا کو زبردستی مؤمن بنا دے۔ بیشک وہ چاہتا تو روئے زمین پر ایک مشرک کو باقی نہ چھوڑتا۔ لیکن شروع سے انسانی فطرت کا نظام ہی اس نے ایسا رکھا ہے کہ آدمی کوشش کرے تو یقیناً ہدایت قبول کر سکے۔ تاہم قبول کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو پہلے اس مسئلہ کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ
اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے
عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾
تو ان پر داروغہ

آپ کا فرض تبلیغ اور احکام الٰہی کا اتباع ہے۔ ان کے اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ آپ نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا
اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ
پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو بے ادبی سے بدوں سمجھے

تبلیغ ضروری ہے مگر خواہ مخواہ کافروں کو چڑاؤ نہیں:

یعنی تم تبلیغ و نصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے اب جو کفر و شرک یہ لوگ کریں اس کے خود ذمہ دار ہیں۔ تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ تم اپنی جانب سے بلاضرورت ان کے مزید کفر و تعنت کا سبب نہ بنو۔ مثلاً فرض کیجئے ان کے مذہب کی تردید یا بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں تم غصہ ہو کر ان کے معبودوں اور مقتداؤں کو سب و شتم کرنے لگو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جواب میں تمہارے معبود برحق اور محترم بزرگوں کی بے ادبی کرینگے۔ اور جہالت سے انہیں گالیاں دینگے۔ اس صورت میں اپنے واجب التعظیم معبود اور قابل احترام بزرگوں کی اہانت کا سبب تم بنے لہذا اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہئے۔ کسی مذہب کے اصول و فروع کی معقول طریقہ سے غلطیاں ظاہر کرنا یا اس کی کمزوری اور رکاکت پر تحقیقی و الزامی طریقوں سے متنبہ کرنا جداگانہ چیز ہے لیکن کسی قوم کے پیشواؤں اور معبودوں کی نسبت بغرض تحقیر و توہین دلخراش الفاظ نکالنا قرآن نے کسی وقت بھی جائز نہیں رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

بتوں کی ہجو سے ممانعت:

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا تو ہمارے معبودوں کی ہجو کرنے سے تم باز آجاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے رب کی ہجو کرینگے۔ اس پر اللہ نے مسلمانوں کو بتوں کی ہجو کرنے سے منع فرما دیا۔

بوقت وفات ابی طالب کے پاس وفد:

سدی کا بیان ہے کہ جب ابوطالب کے انتقال کا وقت آپہنچا تو قریش نے کہا چلو اس شخص سے چل کر کہیں کہ اپنے بھتیجے کو ہم سے روک دے

کیونکہ ہم کو شرم آتی ہے کہ اس شخص کے مرنے کے بعد جب اس کے بھتیجے کو قتل کر دیں تو لوگ کہنے لگیں کہ چچا اس کی حفاظت کرتا تھا، چچا مر گیا تو لوگوں نے اس کو مار ڈالا۔ چنانچہ ابوسفیان، ابوجہل نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن عاص اور اسود بن ابو البختری جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا ابوطالب آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو اور ہمارے معبودوں کو دکھ دے رکھا ہے اگر آپ پسند کریں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر اس حرکت سے روک دیجئے۔ وہ ہمارے معبودوں کا ذکر نہ کرے، ہم اس کو اور اس کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا تیری قوم والے چاہتے ہیں کہ تو ہم سے اور ہمارے معبودوں سے کچھ تعرض نہ کر۔ ہم تجھے اور تیرے معبود کو کچھ نہ کہیں گے اور بات بھی یہ انصاف کی کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا (بھتیجے) تو یہ بات مان لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں تو کیا تم بھی میری ایک بات مان لو گے جس کو مان لینے کے بعد تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے زیرِ حکم آجائیں گے۔ ابوجہل نے کہا تیرے باپ کی قسم ایک بات نہیں ایسی ایسی دس باتیں ہم مان لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ۔ قریش نے انکار کر دیا اور چلے گئے۔ ابوطالب نے کہا بھتیجے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہو (کہ یہ مان لیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا میں کوئی اور بات کہنے والا نہیں خواہ یہ لوگ سورج کو لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں۔ قریش نے کہا ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجاؤ ورنہ ہم تم کو اور جو تم کو حکم دیتا ہے اس کو دشنام دینگے۔ اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ یعنی بتوں کی برائیوں کو ذکر نہ کرو۔

بتوں کو دشنام دینے کا نتیجہ اللہ کو دشنام دینا ہے۔ اس آیت سے بات نکلتی ہے کہ جو طاعت معصیت غالبہ تک پہنچانے والی ہو اس کو ترک کرنا واجب ہے کیونکہ شر تک پہنچانے والی چیز بھی شر ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں انکے اعمال کو پھر ان سب کو

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتلا دیگا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے

ہر قوم اپنے طریقہ پر خوش ہے:

یعنی دنیا چونکہ دارالامتحان ہے اس کا نظام ہم نے ایسا رکھا ہے اور ایسے اسباب جمع کر دیئے ہیں کہ یہاں ہر قوم اپنے اعمال اور طور وطریق پر نازاں رہتی ہے۔ انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف سچائی کے قبول اور پسند کرنے پر مجبور ہو غلطی کی طرف جانے کی گنجائش ہی نہ رکھے۔ ہاں خدا کے یہاں جا کر جب تمام حقائق سامنے ہونگے، پتہ چل جائے گا جو کام دنیا میں کرتے تھے وہ کیسے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر آوے ان کے

جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ

پاس کوئی نشانی تو ضرور اس پر ایمان لاوینگے

یعنی بعض فرمائشی نشانیاں مثلاً کوہ صفا خالص سونے کا بن جائے۔ (تفسیر عثمانی)

صفا پہاڑ سونے کا بن جائے:

قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں نے ہمیں بتلایا ہے کہ موسیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تھا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے اور عیسیٰ مردے کو زندہ کرتے تھے اور ثمود کو بھی ناقہ کا معجزہ ملا تھا۔ اگر تم بھی کوئی ایسا ہی معجزہ پیش کرو تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ حضرتؐ نے فرمایا تم کو کیا معجزہ چاہئے؟ کہا کہ اس صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونے کی بنا دو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا تم توحید کی تصدیق کرو گے؟ کافروں نے کہا، ہاں ہم سب تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ اٹھے اور خدا سے دعا مانگنے لگے۔ جبرئیلؑ آئے اور کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا بن جائے گا لیکن اگر اس پر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے تو فوری ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہو تو یہ لوگ یونہی بلا عذاب چھوڑ دیئے جائیں تاکہ بعد کو ان میں سے کوئی ایمان بھی لے آئیں اور توبہ کر لیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ

تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم کو اے مسلمانو کیا خبر ہے کہ

اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جب وہ نشانیاں آویں گی تو یہ لوگ ایمان لے ہی آوینگے

بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اچھا ہوا اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کردی جائے۔ اس پر فرمادیا کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ سرکش ضدی لوگ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر سنۃ اللہ کے موافق اس کے مستحق ہونگے کہ فوراً تباہ کردیئے جائیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا

اور ہم الٹ دینگے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان

لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ

نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ان کو ان کی سرکشی میں بہکتے ہوئے

ضدی ہمیشہ گمراہ رہتا ہے:

یعنی جب کفر وسرکشی میں تمادی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دینگے۔ پھر حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔ موضح القرآن میں ہے کہ "اللہ جن کو ہدایت دیتا ہے اول ہی حق سن کر انصاف سے قبول کرتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانیاں بھی دیکھے تو کچھ حیلہ بنالے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ

اور اگر ہم اتاریں اُن پر فرشتے اور باتیں کریں اُن سے مردے

الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

اور زندہ کردیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے تو بھی یہ لوگ

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ

ہرگز ایمان لانیوالے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اُن میں اکثر جاہل ہیں

یہ ضدی بڑے سے بڑے معجزات دیکھ کر بھی نہ مانیں گے

یعنی اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرض کیجئے آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام امتیں جو گزر چکی ہیں دوبارہ زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑی کی جائیں تب بھی سوء استعداد اور تعنت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ حق کو ماننے والے نہیں۔ بیشک اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے۔ جس کو ان میں کے اکثر لوگ اپنے جہل کی وجہ سے نہیں سمجھتے۔ اس کی تشریح پچھلے فوائد میں گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

اور اسی طرح کردیا ہم نے

یعنی پیدا کردیا ہم نے۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

ہر نبی کے لئے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں

غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

فریب دینے کیلئے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ

حق و باطل کی جنگ ہمیشہ سے چلی آتی ہے:

چونکہ خدا کی حکمت بالغہ تکویناً اسی کو مقتضی ہے کہ نظام عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر وشر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست و نابود نہ ہو۔ اس لئے نیکی بدی اور ہدایت وضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ جس طرح آج یہ مشرکین ومعاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے اور بانواع حیل لوگوں کو جادۂ حق سے ڈگمگانا چاہتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں کہ پیغمبروں کو ان کے پاک مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب

نہ ہونے دیں۔ اسی غرض فاسد کے لئے شیاطین الجن اور شیاطین الانس باہم تعاون کرتے، اور ایک دوسرے کو فریب دہی اور ملمع سازی کی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیق عالم میں حق تعالیٰ نے مرعی رکھی ہے۔ اس لئے آپ اعداء اللہ کی فتنہ پردازی اور مغویانہ فریب دہی سے زیادہ فکر و غم میں نہ پڑیں ان سے اور ان کے کذب و افتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان: شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بد ذات اور پاجی ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اور آیت میں شیاطین سے سرکشان جن وانس مراد ہیں۔ مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ شیطان انس شیطان جن سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جب میں اعوذ باللہ پڑھتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو شیطان جن تو میرے پاس سے بھاگ جاتا ہے مگر شیطان انس میرے پاس سے نہیں ٹلتا اور زخرف القول سے ملمع سازی کی باتیں مراد ہیں جو بظاہر آراستہ ہوں اور باطنی طور پر دھوکہ اور فریب ہوں۔ (معارف القرآن، کاندھلوی)

حضرت جابرؓ کے بیان سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ہم کو کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا پھر ممانعت فرما دی اور فرمایا کالے بجھنگ کتے کو جو دو نقطوں والا ہو قتل کر دیا کرو۔ وہ بلاشبہ شیطان ہوتا ہے۔ رواہ مسلم

انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں:

علماء نے لکھا ہے کہ جب مؤمن کو اغواء کرنے سے شیطان عاجز ہو جاتا ہے تو پھر کسی شیطان آدمی یعنی سرکش انسان کے پاس جا کر مؤمن کو بہکانے پر اکساتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا شیاطین جن وانس کے شر سے تو نے اللہ کی پناہ مانگی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں وہ شیاطین جن سے زیادہ شریر ہوتے ہیں۔

شیطان جن اور انسان کی کارروائی:

مالک بن دینار کا قول ہے کہ شیاطین انس شیاطین جن سے زیادہ سخت ہوتے ہیں جب میں اللہ کی پناہ لے لیتا ہوں تو شیاطین جن تو میرے پاس سے چلے جاتے ہیں اور شیاطین انس آ کر مجھے علی الاعلان گناہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ عکرمہ ضحاک سدی اور کلبی کے نزدیک شیاطین سے مراد وہ شیاطین ہیں جو آدمیوں کو بہکانے کیلئے ان کے ساتھ رہتے ہیں اور شیاطین الجن وہ ہیں جو جنات کے ساتھ رہتے ہیں۔ انسان شیطان نہیں ہوتا۔ ابلیس نے اپنی (جناتی) فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے ایک حصہ کو جنات (کو بہکانے) کے لئے اور دوسرے حصہ کو آدمیوں (کو اغواء کرنے) کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دوستوں کے دشمن ہیں۔ ہر فریق ہر وقت دوسرے فریق سے ملتا رہتا ہے۔ شیاطین انس شیاطین جن سے کہتے ہیں ہم نے اپنی آسامی کو اس طرح بہکایا تم بھی اپنی آسامی کو اسی طرح گمراہ کرو۔ شیاطین جن بھی شیاطین انس سے یہی کہتے ہیں۔ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ کا مطلب یہی ہے۔ اول الذکر تفسیر سیاق آیات کے موافق اور قابل ترجیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا
اور اس لئے کہ مائل ہوں ان ملمع کی باتوں کی طرف ان لوگوں
يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا
کے دل جن کو یقین آخرت کا اور وہ اس کو پسند بھی کر لیں اور کئے
مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۳﴾
جاویں جو کچھ بُرے کام کر رہے ہیں

شیطانوں کی فریب کاریاں:

یعنی شیاطین ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں اس لئے سکھلاتے ہیں کہ انہیں سن کر جو لوگ دنیا کی زندگی میں غرق ہیں اور دوسری زندگی کا یقین نہیں رکھتے۔ ان ابلہ فریب باتوں کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کو دل سے پسند کرنے لگیں۔ اور پھر کبھی برے کاموں اور کفر وفسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ
سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اُسی نے اتاری
إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ
تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے
الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ
کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ

طرف سے ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنیوالوں میں سے اور تیرے

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ

رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں

لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾

اُس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

سچا مؤمن شیطان کا آلۂ کار نہیں ہوسکتا:

یعنی ''شیاطین الانس والجن'' کی تلبیس وتلمیع پر بدعقیدہ اور جاہل ہی کان دھر سکتے ہیں۔ ایک پیغمبر یا اس کے متبعین جو ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں خدائے واحد ہی کو اپنا منصف اور حکم مان چکے ہیں کیا ان سے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف کان لگائیں۔ یا معاذ اللہ غیر اللہ کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں، حالانکہ ان کے پاس خدا کی طرف سے ایسی معجز اور کامل کتاب آ چکی جس میں تمام اصولی چیزوں کی ضروری توضیح وتفصیل موجود ہے جس کی نسبت علمائے اہل کتاب بھی کتب سابقہ کی بشارات کی بناء پر خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آسمانی کتاب ہے۔ جس کی تمام خبریں سچی اور تمام احکام معتدل اور منصفانہ ہیں جن میں کسی کی طاقت نہیں کہ تبدیل وتحریف کر سکے۔ ایسی کتاب اور محفوظ ومکمل قانون کی موجودگی میں کیسے کوئی مسلمان وساوس واوہام یا محض عقلی قیاسات اور مغویانہ مغالطات کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ہم نے اپنا حکم اور جس کی کتاب مبین کو دستور العمل تسلیم کیا ہے وہ ہماری ہر بات سننے والا اور ہر قسم کے مواقع واحوال اور ان کے مناسب احکام ونتائج کی موزونیت کو پوری طرح جاننے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ

اور اگر تو کہنا مانیگا اکثر اُن لوگوں کا جو دنیا میں ہیں

يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ

تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں

إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾

اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں

سمجھدار لوگ ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں:

مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں۔ اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اگر تم اس اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے۔ یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اٹکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) اسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہو اسے حلال سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے، اس کا مطلب اگلی آیتوں میں ''فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ'' سے دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب ''موضح القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ ''یہ کئی آیتیں اس پر اتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی ملمع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال وحرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہو سو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سو مردار'' تغییر یسیر۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ

تیرا رب خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

خوب جاننے والا ہے انکو جو اسکی راہ پر ہیں سو تم کھاؤ اس جانور میں

اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾

سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے

تمام اسلامی قوانین کا ماننا ضروری ہے:

جب دلائل صحیحہ کی بنا پر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور کلی طور پر اس کے احکام پر ایمان لا چکے تو اب فروع وجزئیات کی صحت کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ اگر ہر اصل و فرع اور کلی وجزئی کا قبول کرنا ہمارے عقلی قیاسات پر موقوف ہو تو وحی اور

نبوت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ

اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اُس جانور میں سے کہ جس پر نام لیا

عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اُس نے تم پر حرام کیا

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ

ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اُسکے کھانے پر

یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل کی جا چکی ان میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ پھر اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو

حلال وحرام کی حکمت:

مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کو بالواسطہ یا بلا واسطہ خدا ہی پیدا کرتا اور خدا ہی مارتا ہے۔ پھر جس طرح اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بعض کا کھانا ہم کو مرغوب اور مفید ہے جیسے سیب انگور وغیرہ اور بعض چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا مضر سمجھتے ہیں جیسے ناپاک گندی چیزیں اور سنکھیا وغیرہ اسی طرح اس کی ماری ہوئی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن سے فطرت سلیمہ نفرت کرے یا ان کا کھانا ہماری بدنی یا روحانی صحت کے لئے خدا کے نزدیک مضر ہو۔ مثلاً وہ حیوان دموی جو اپنی طبعی موت سے مرے اور اس کا خون وغیرہ گوشت میں جذب ہو کر رہ جائے۔ دوسرے وہ حلال وطیب جانور جو باقاعدہ خدا کے نام پر ذبح ہو یہ بھی خدا ہی کا مارا ہوا ہے۔ جس پر مسلمان کی چھری کے توسط سے اس نے موت طاری کی۔ مگر عمل ذبح اور خدا کے نام کی برکت سے اس کا گوشت پاک وصاف ہو گیا۔ پس جو شخص دونوں قسموں کو ایک کرنا چاہے وہ معتدی (حد سے بڑھنے والا) ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ

يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا

گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پاوینگے

يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اپنے کئے کی

یعنی کافروں کے بہکانے پر نہ ظاہر میں عمل کرو نہ دل میں شبہ رکھو۔ کذا فی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ

اور اُس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا

یعنی نہ حقیقۃً نہ حکماً۔ حنفیہ متروک التسمیہ نسیاناً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ

اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں

اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ

اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر

اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

تم نے اُن کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے

شرعی حکم چھوڑ کر خواہشات کی پیروی بھی شرک ہے

یعنی شرک فقط یہ ہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے۔ بلکہ شرک کے حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی تحلیل وتحریم میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء واہواء کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار ورہبان ہی پر تحلیل وتحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُسکو

نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

دی روشنی کہ لئے پھرتا ہے اُس کو لوگوں میں برابر ہوسکتا ہے اسکے کہ جس کا

فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

حال یہ ہے کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی

زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں اُن کے کام

اہل حق کو کافر نہیں بہکا سکتے:

پہلے فرمایا کہ شیاطین اپنے رفقاء کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جھگڑا کریں یعنی بحث و جدل، تلبیس و تلمیع اور وسوسہ اندازی کر کے اُن کو طریق حق سے ہٹا دیں۔ لیکن ان کو یہ ہوس خام اپنے دلوں سے نکال دینا چاہئے۔ وہ گروہ یا وہ شخص جو جہل و ضلال کی موت سے مرچکا تھا۔ پھر اُس کو حق تعالیٰ نے ایمان و عرفان کی روح سے زندہ کیا اور قرآن کی روشنی عطا فرمائی جسے لے کر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف راہ راست پر چل رہا ہے کیا اس کا حال اغواء شیطانی کے قبول کرنے میں ان اولیاء الشیطان جیسا ہوسکتا ہے جو جہالت وضلالت کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ اسی ظلمت کو نور اور برائی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہونے کی وجہ

اس تمثیل میں مومن کو زندہ اور کافر کو مردہ بتلایا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ انسان اور حیوانات اور نباتات وغیرہ میں اگرچہ حیات اور زندگی کی قسمیں اور شکلیں مختلف ہیں لیکن اتنی بات سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کرسکتا کہ ان میں سے ہر ایک کی زندگی کسی خاص مقصد کے لئے ہے، اور قدرت نے اس میں اس مقصد کو حاصل کرنے کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھی ہے، ارشاد قرآنی اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی میں اسی کا بیان ہے کہ اللہ جل شانہ نے کائنات عالم کی ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کو جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا تھا اس کو پہنچنے کی اس کو پوری ہدایات دیدیں، جن کے ماتحت ہر مخلوق اپنے اپنے وظیفہ زندگی اور اپنی اپنی ڈیوٹی کا حق ادا کررہی ہے، اس عالم میں زمین، پانی اور ہوا اور آگ، اسی طرح آسمانی مخلوقات اور چاند سورج اور کل ستارے اپنی اپنی ڈیوٹی پوری طرح پہچان کر اپنے فرائض ادا کررہے ہیں۔ اور یہی ادائے فرائض ان میں سے ہر چیز کی زندگی کا ثبوت ہے، اور جس وقت جس حال میں ان میں سے کوئی چیز اپنی ڈیوٹی ادا کرنا چھوڑ دے تو وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے، پانی اگر اپنا کام پیاس بجھانا اور میل کچیل دور کرنا وغیرہ چھوڑ دے تو وہ پانی نہیں کہلائے گا آگ جلنا اور جلانا چھوڑ دے تو وہ آگ نہیں رہے گی، درخت اور گھاس اگنا اور بڑھنا پھر پھل پھول لانا چھوڑ دے، تو وہ درخت اور نبات نہیں رہے گی، کیونکہ اس نے اپنے مقصد زندگی کو چھوڑ دیا، تو وہ ایک بے جان مردہ کی طرح ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ انسان کا مقصد زندگی پورے عالم کی ابتداء و انتہاء کو سامنے رکھ کر سب کے نتائج اور عواقب پر نظر ڈالنا اور یہ متعین کرنا کہ مجموعی اعتبار سے کیا چیز نافع اور مفید ہے، اور کونسی چیز مضر اور تکلیف دہ ہے، پھر اس بصیرت کے ساتھ خود اپنے لئے بھی مفید چیزوں کو حاصل کرنا اور مضر چیزوں سے بچنا اور دوسروں کو بھی ان مفید چیزوں کی طرف دعوت دینا اور بری چیزوں سے بچانے کا اہتمام کرنا ہے، تاکہ دائمی راحت و سکون اور اطمینان کی زندگی حاصل ہوسکے۔ اور جب انسان کا مقصد زندگی اور کمال انسانی کا یہ معیاری فائدہ خود حاصل کرنا اور دوسروں کو پہنچانا ہے، تو اب قرآن کی یہ تمثیل حقیقت بن کر سامنے آجاتی ہے کہ زندہ صرف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اور عالم کی ابتداء و انتہاء اور اس میں مجموعی اعتبار سے نفع ونقصان کو وحی الٰہی کی روشنی میں پہچانے، کیونکہ نری عقل انسانی نے نہ کبھی اس میدان کو سر کیا نہ کرسکتی ہے، بڑے بڑے عقلاء وحکماء وفیلسوفان عالم نے انجام کار اس کا اقرار کیا ہے، مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے

زیر کان مو شگافان دہی گردہ ہر خرطوم خط الہی

(معارف مفتی اعظم)

یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی

ابو الشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ ابن جریر نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل مراد ہیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر (اونٹ کا) اوجھ ڈالدیا تھا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹ رہے تھے کہ ابوجہل کی اس حرکت کی اطلاع آپ کو ملی۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت کمان تھی۔ یہ قصہ حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے آپ غصہ میں بھرے

ہوئے کمان لے کر ابوجہل کے پاس پہنچے ابوجہل عاجزی کے ساتھ کہنے لگا ، ابویعلی دیکھئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پیش کر رہے ہیں یہ تو ہماری عقلوں کو بے وقوف بناتے ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے اور ہمارے اسلاف کی مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا تم سے زیادہ احمق کون ہوگا، اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور پیغام رساں ہیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا
اور اسی طرح کیے ہیں ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے
لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۗ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ
سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلے کرتے ہیں
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
سو اپنی ہی جان پر اور نہیں سوچتے

کافر ہمیشہ حیلے نکالتے رہے:

یعنی کچھ آج رؤسائے مکہ ہی نہیں، ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے رہے ہیں تاکہ عوام الناس پیغمبروں کے مطیع نہ ہو جائیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا ہے لیکن ان کے یہ حیلے اور داؤ پیچ بحمد اللہ پکے ایمانداروں پر نہیں چلتے۔ حیلہ کرنے والے اپنی عاقبت خراب کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جس کا احساس انہیں اس وقت نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

غداروں کے جھنڈے:

صحیحین میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہر باغی اور غدار کے لئے قیامت میں ایک جھنڈا ہوگا اور یہ اس کی سرین سے لگا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں غدار ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ غدر چونکہ خفی ہوتا ہے لوگ اس سے آگاہ نہیں ہو پاتے اس لئے قیامت کے روز وہ ایک علم اور جھنڈا بن جائے گا جو غدار کی غداری کا اعلان کرتا رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
اور جب آتی ہے اُن کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے

حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ
جب تک کہ نہ دیا جاوے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ
اللہ کے رسولوں کو اللہ خوب جانتا ہے اُس موقع کو کہ جہاں بھیجے
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ
اپنے پیغام عنقریب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے
اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
ہاں اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے

کافروں کے حیلہ کی مثال:

ان کی مکاری اور متکبرانہ حیلہ جوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق کا جب کوئی نشان دیکھتے تو کہتے کہ ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں جانتے۔ ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں اور پیغمبروں کی طرح ہم کو بھی خدا کا پیغام سنائیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آ جائیں۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (فرقان رکوع ۳) خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا، یا ریاضت یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے۔ اور نہ ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ ہاں ایسے گستاخ، متکبر حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا منتخب ہونا:

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے برتر پایا تو آپ کو اپنے لئے چن لیا اور اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا پھر آپ کے بعد اور لوگوں کے دلوں پر نظر کی تو آپ کے صحابہؓ کے دلوں کو دوسروں کے دلوں سے بہتر پایا تو ان کو اپنے پیغمبر کے وزیر (مددگار) بنا دیا جو اللہ کے دین

کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ پس جس بات کو مومن اچھا جانتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس بات کو مومن برا جانتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ (تفسیر مظہری)

تاریخ انسانیت کا اچھا دور:

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ بنی آدم کے اچھے قرن یکے بعد دیگرے آتے رہے حتیٰ کہ وہ اچھا قرن بھی آ گیا جس میں میں ہوں۔ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرتؐ منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپؐ نے کہا کہ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوقات پیدا کی اور مجھ کو اپنی مخلوقات میں سب سے بہتر پیدا کیا اور لوگوں کو دو فریق میں تقسیم کیا اور مجھ کو اچھے فرقہ میں سے قرار دیا۔ اور جب اس نے قبائل پیدا کئے تو سب سے اچھے قبیلہ میں سے مجھے قرار دیا۔ اللہ نے خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے گھرانے میں پیدا کیا۔ میں از روئے خاندان تم میں سب سے اچھا ہوں۔ نیز از روئے ذات تم میں سب سے اچھا ہوں۔ سچ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نیز حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ! دنیا بھر میں مشرق و مغرب سب میں نے چھان ڈالے لیکن محمدؐ سے بڑھ کر میں نے کسی کو افضل نہیں پایا اور سارے مشرق و مغرب ڈھونڈھ ڈالے تو کوئی خاندان بن ہاشم کے خاندان سے زیادہ فضیلت رکھنے والا نہ ملا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے سب کے دلوں پر نظر ڈالی تو اصحابؓ کے قلوب کو سب کے دلوں سے اچھا پایا۔ چنانچہ انہیں کو نبی کے وزراء اور مددگار بنایا جو نبی کے ساتھ دین کے لئے قتال کرتے ہیں۔ پس مسلمان جس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے پاس سے اچھا ہوتا ہے اور جس کو مسلمان برا سمجھتے ہیں وہ اللہ کے پاس بھی برا ہوتا ہے۔ سلمانؓ نے روایت کیا ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے سلمانؓ! مجھ سے بغض نہ رکھنا اور ناراض نہ رہنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپؐ سے کیسے بغض رکھوں گا، آپ ہی کے ذریعہ تو اللہ نے ہماری ہدایت فرمائی ہے۔ تو فرمایا تم قوم عرب سے بغض رکھو گے تو گویا مجھ سے بغض رکھو گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو

لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ

واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ

ہے اسکے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر

یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا، اس لئے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دانا مومن:

ابو جعفرؒ سے مروی ہے کہ حضرتؐ سے پوچھا گیا کہ کونسا مومن زیرک و دانا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جو اکثر موت کو یاد کرتا رہے اور جو سب سے زیادہ موت کے بعد کے لئے اپنے کو تیار کرتا رہے۔

کافروں اور منافقوں کی تنگدلی:

قولہ تعالیٰ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے دل کو بہت تنگ کر دیتا ہے۔

یعنی وہ گمراہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا دل ہدایت کے لئے ذرا بھی کشادہ نہیں، اس میں ایمان راہ نہیں پاتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک بدوی سے پوچھا کہ حرجۃ کیا چیز ہے؟ تو کہا وہ ایک درخت ہے درختوں ہی کے درمیان ہوتا ہے نہ کوئی چرواہا اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی جانور اور نہ کوئی اور شئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ منافقین کا قلب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ امر خیر کی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر اسلام کو تنگ کر دیتا ہے کیونکہ اسلام تو ایک وسیع چیز ہے اور کافر کا دل تنگ ہوتا ہے، کیسے سما سکے گی۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ یعنی دین قبول کر لینے کے بعد تمہارے دل میں کوئی تنگی نہیں رہ سکتی اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ لیکن منافق کا دل شک میں مبتلا رہتا ہے اور لا الہ الا اللہ کا اقرار اپنی تنگ دلی کے سبب وہ کر ہی نہیں سکتا۔ ایمان لانا اس پر اس قدر دشوار ہے جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا دشوار ہے کہ جس طرح ابن آدم آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اسی طرح توحید کا عقیدہ اس کے دل میں گھس نہیں سکتا۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جس کے دل کو اللہ نے تنگ بنایا ہو وہ کس طرح اسلام لا سکتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو قلب کافر سے متعلق کہی گئی ہے کہ ایمان کا اس کے دل پر چڑھنا اس قدر مشکل ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھے اور چونکہ آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں، اسی طرح

اس کافر کا ایمان لانا ممکن نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے دل کو تنگ کر دیا، اسی طرح شیاطین کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر دیتا ہے جو خدا کی راہ سے اس کو بھٹکاتے رہتے ہیں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رجس کے معنی شیطان اور ہر وہ چیز جس میں کوئی خیر نہ ہو اور عذاب کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے سینہ کو ایسا کر دیتا ہے کہ اس کے اندر ایمان داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ حق کو قبول کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے وہ حق کو ناممکن سمجھنے لگتا ہے۔ خیر کے داخل ہونے کا اس میں کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا (کلبی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کا ذکر سن کر اس میں انقباض ہو جاتا ہے اور بتوں کی پوجا کا تذکرہ سن لیتا ہے تو کھل جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شرح صدر اور اس کی پہچان:

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر یعنی سینہ اسلام کے لئے کھول دینے کی تفسیر دریافت کی، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ایک روشنی ڈال دیتے ہیں، جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے (حق بات کو آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے اور خلاف حق سے نفرت اور وحشت ہونے لگتی ہے) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے وہ شخص پہچانا جائے جس کو شرح صدر ہو گیا ہے؟ فرمایا ہاں! علامت یہ ہے کہ اس شخص کی ساری رغبت آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتی ہے، دنیا کی بے جا خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبراتا ہے، اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے لگتا ہے۔ پھر فرمایا، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھنا چاہتے ہیں اس کا دل تنگ اور سخت تنگ کر دیتے ہیں، اس کو حق بات کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے جیسے کسی انسان کا آسمان میں چڑھنا۔

امام تفسیر کلبی نے فرمایا کہ اس کا دل تنگ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں حق اور بھلائی کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا'' یہ مضمون حضرت فاروق اعظمؓ سے بھی منقول ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے اور جب کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو ان میں دل لگتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا
اور یہ ہے راستہ تیرے رب کا سیدھا ہم نے واضح کر دیا
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾
نشانیوں کو غور کرنے والوں کے واسطے

قیامت میں دل کی تنگی سامنے آئے گی:

جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے ان پر اسی طرح عذاب اور تباہی ڈالی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ اس کا سینہ اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس میں حق کے گھسنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔ پھر یہی ضیق صدر عذاب ہے جو قیامت میں بشکل محسوس سامنے آ جائے گا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے رجس کا ترجمہ جو عذاب سے کیا ہے اس کے موافق یہ تقریر ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے ''رجس'' کے معانی عذاب کے لئے ہیں مگر ابن عباس نے یہاں مراد شیطان لیا ہے۔ شاید اس لئے کہ ''رجس'' ناپاک کو کہتے ہیں اور شیطان سے بڑھ کر کون ناپاک ہوگا۔ بہر حال اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خدا تعالیٰ ایمان سے گھبرانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان پر بے ایمانیوں کی وجہ سے شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے کہ کبھی رجوع الی الحق کی توفیق نہیں ہوتی۔

ربط مضامین:

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں اور اب فرمایا کہ ہم نہ دینگے ایمان تو کیونکر لاوینگے۔ بیچ میں مردہ حلال کرنے کے حیلے نقل کئے۔ اب اس بات کا جواب فرمایا جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے کچھ حیلہ بنالے، وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور حکم برداری پر، وہ نشان ہدایت ہے۔ ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی۔'' باقی اللہ تعالیٰ کی طرف ارادۂ ہدایت واضلال کی نسبت کرنا اس سے متعلق متعدد مواضع میں ہم کلام کر چکے ہیں اور آئندہ بھی حسب موقع لکھا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ طویل الذیل اور معرکۃ الآراء ہے اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر

فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔ (تفسیر عثمانی)

جیسے کہ حضرت علیؓ نے قرآن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ صراط مستقیم ہے، حبل اللہ المتین ہے، ذکر حکیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ
انہی کیلئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ اُن کا مددگار
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
ہے بسبب اُن کے اعمال کے

یعنی جو اسلام و فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر چلے گا وہ ہی سلامتی کے گھر پہنچے گا اور خدا اس کا ولی و مددگار ہوگا۔ یہ حال تو ان کا ہوا جن کا ولی خدا ہے یعنی اولیاء الرحمن آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
اور جس دن جمع کریگا اُن سب کو فرمائیگا اے جماعت جنات کی تم
قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ
نے بہت کچھ تابع کر لئے اپنے آدمیوں میں سے

یعنی اے شیاطین الجن تم نے بہت سے بدبخت انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اپنی راہ پر لگا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
اور کہیں گے اُن کے دوستدار آدمیوں میں سے اے رب
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا
ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے
الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ
اُس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا

غیر اللہ کی پوجا اصل میں شیطانوں کی پوجا ہے:

دنیا میں جو انسان بت وغیرہ پوجتے ہیں وہ فی الحقیقت خبیث جن (شیاطین) کی پوجا ہے۔ اس خیال پر کہ وہ ہمارے کام نکالیں گے ان کی نیازیں چڑھاتے ہیں۔ اور ویسے بہت سے اہل جاہلیت تشویش و اضطراب کے وقت جنوں سے استعانت کرتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ جن میں اشارہ کیا گیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جب آخرت میں وہ شیاطین الجن اور انسان برابر پکڑے جائیں گے اور حقائق کا انکشاف ہوگا تب مشرک لوگ یوں عذر کرینگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے پوجا نہیں کی لیکن آپس میں وقتی کارروائی کر لی تھی اور موت کا وعدہ آنے سے پہلے پہلے دنیوی کاروبار میں ہم ایک دوسرے سے کام نکالنے کی کچھ ترکیب کر لیا کرتے تھے اُن کی عبادت مقصود نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا
فرمادیگا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو گے اُسی میں مگر جب
مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ
چاہے اللہ

یہ جو فرمایا مگر جب چاہے اللہ اس واسطے کہ دوزخ کا عذاب دائم ہے تو اُسی کے چاہنے سے ہے وہ جب چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے لیکن ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جا چکی وہ اب ٹل نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے:

شیخ عبید تقی الدین سبکیؒ اپنے رسالہ۔ الاعتبار ببقاء الجنة والنار میں ان تمام آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان آیات میں تاویل ایسی ہی ناممکن اور محال ہے جیسے بعث جسمانی کی آیتوں میں تاویل ناممکن اور محال ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی ان آیات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح کافروں کے دائمی اور ابدی عذاب کے بارہ میں احادیث بھی بے شمار آئی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار نار میں پہنچ جائیں گے تو موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ اے اہل جنت اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اور کبھی بھی موت نہیں اور اے اہل نار اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اس کے بعد موت نہیں۔ یہ سن کر تو اہل جنت خوش ہو جائیں گے اور کافر ناامید اور غمگین ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ تمام اہل کبائر جہنم سے نکل جائیں گے اور صرف وہ لوگ جن کو قرآن نے روکا ہے یعنی کافر جہنم میں باقی رہ جائیں

گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

حافظ عسقلانی۔ فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱۱ میں کافروں کے دائمی عذاب کی حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ کافروں کے خلود فی النار کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور کفار دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو موت آئے گی اور نہ نفع اور راحت کی کوئی زندگی ہوگی جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۔

دوزخ کبھی فنا نہ ہوگی:

بعد ازاں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ زعم کیا کہ کافر دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور دوزخ بالکل خالی رہ جائے گی یا یہ گمان کیا کہ دوزخ ہی سرے سے زائل اور فنا ہو جائے گی تو ایسے قائل نے اُس دین اور شریعت سے خروج اور انحراف کیا کہ جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے۔ اور اس زاعم اور قائل نے اُس چیز سے بھی خروج کیا کہ جس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام قرطبی کا کلام ختم ہوا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾
البتہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے

یعنی مجرموں کے جرائم سے پوری طرح خبردار اور حکمت بالغہ سے ہر جرم کی برمحل اور مناسب سزا دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا
اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دینگے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾
اُن کے اعمال کے سبب

شیطان اور ظالم ایک دوسرے کے قریب ہیں:

جیسے تم نے شیاطین الجن اور ان کے اولیاء الانس کا حال سنا۔ اسی طرح تمام ظالموں اور گنہگاروں کو ان کے ظلم اور سیہ کاریوں کے تناسب سے دوزخ میں ہم ایک دوسرے کے قریب کر دیں گے۔ اور جو جس درجہ کا ظالم و گنہگار ہوگا اُس کو اسی کے طبقہ عصاۃ میں ملا دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

ظالم اور عادل حکمران:

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو نیک لوگوں کو ان کے امور کا حاکم بنا دیتا ہے اور اگر کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو بدوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے اس قول کی روشنی میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں اور ظالم کے ذریعہ سے ظالم کی گرفت کرتے ہیں جیسے (بعض روایات میں) آیا ہے جو ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ اس پر ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔ کلبی کی اس تشریح کی تائید حضرت علیؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جو حاکم نے صعصعہ بن صوحان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب ابن ملجم کی ضرب سے حضرت علیؓ کی شہادت کا وقت آیا اور لوگوں نے درخواست کی امیر المومنین کسی کو اپنی جگہ ہم پر خلیفہ بنا دیجئے تو آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اندر خیر دیکھے گا تو تمہارا حاکم نیکوں کو کر دے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ نے ہمارے اندر خیر دیکھی تھی تو ابوبکرؓ کو حاکم بنا دیا تھا روایت میں آیا ہے کہ ظالم زمین پر اللہ کا قہر ہے ظالم کے ذریعہ سے اللہ لوگوں کو سزا دیتا ہے پھر اس ظالم کو سزا دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ
پاس رسول تمہی میں کے کہ سُناتے تھے تم کو میرے حکم
وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ
اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے

حجت پوری ہو چکی ہے:

اوپر جن وانس کی شرارت اور سزا کا بیان تھا اور "اولیاء الجن" کی زبانی فی الجملہ معذرت بھی نقل کی گئی تھی، اب بتلایا جاتا ہے کہ ان کا کوئی عذر معقول اور قابل سماعت نہیں، دنیا میں خدا کی حجت تمام ہو چکی تھی جس کا خود انہیں بھی اقرار کرنا پڑے گا۔

ایک وہم کا ازالہ:

یہ خطاب یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ کا قیامت کے دن ہوگا اور مخاطب جن وانس کا یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے، ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں سے آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر رُسُلٌ مِّنْكُمْ (رسول تم ہی میں کے) کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی اتیان رسل متحقق ہو جائے جس کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے اے عرب وعجم کے باشندو! اور پورب پچھم کے رہنے والو کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا" اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب میں پیدا کئے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہئیں، اسی طرح پورب کے علیحدہ اور پچھم کے علیحدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، تب یہ عبارت صحیح ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں سمجھ لیجئے کہ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَأْتِكُمْ الخ کا مدلول صرف اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعہ میں سے پیغمبر بھیجے گئے۔ باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ آئے یا ہر ایک پیغمبر کل افراد جن و انس کی طرف مبعوث ہوا۔ یہ آیت اس کے بیان سے ساکت ہے۔ دوسری نصوص سے جمہور علماء نے یہ ہی قرار دیا ہے کہ نہ ہر ایک پیغمبر کی بعثت عام ہے اور نہ کسی جن کو اللہ نے مستقل رسول بنا کر بھیجا۔ اکثر معاشی ومعادی معاملات میں ان کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے تابع بنا کر رکھا ہے جیسا کہ سورۂ جن کی آیات اور نصوص حدیثیہ وغیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کوئی ضابطہ نہیں کہ مخلوق کی ہر نوع کے لئے اُسی نوع کا کوئی شخص رسول ہوا کرے باقی انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے سے جو قرآن کے متعدد مواضع میں انکار کیا گیا ہے، اُس کا اصلی منشاء یہ ہے کہ عام انسان بہیئۃ الاصلیہ اُس کی رؤیت کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف وہیبت کی وجہ سے مستفید نہیں ہوسکتے اور بصورت انسان آئیں تو بے ضرورت التباس رہتا ہے۔ اسی پر قیاس کرلو کہ اگر قوم جن میں منصب نبوت کی اہلیت ہوتی تو وہ بھی انسانوں کے لئے مبعوث نہیں کئے جاسکتے تھے کیونکہ وہاں بھی یہ ہی اشکال تھا۔ ہاں رسول انسی کا جن کی طرف مبعوث ہونا اس لئے مشکل نہیں کہ جنوں کے حق میں انسان کی رؤیت نہ تو نا قابل تحمل ہے اور نہ انسان کا صوری خوف ورعب استفادہ سے مانع ہوسکتا ہے۔ ادھر پیغمبر کو حق تعالیٰ وہ قوت قلبی عطا فرما دیتا ہے کہ اس پر جن جیسی ہیبت ناک مخلوق کا کوئی رعب نہیں پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

کیا جنات میں سے بھی پیغمبر آئے ہیں؟

یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ کیا جنات بھی پیغمبر ہوئے یا نہیں۔ ضحاک سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا ضرور ہوئے تھے دیکھو اللہ نے فرمایا یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یعنی انسانوں میں سے (انسان) اور جنات میں سے (جن) پیغمبر بنا کر کیا نہیں بھیجے گئے۔ کلبی کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن وانس سب کی طرف پیغمبر بھیجے جاتے تھے یعنی مختلف پیغمبر مختلف اقوام واطراف کے لئے تمام جن وانس کی طرف تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا آپ سے پہلے کسی پیغمبر کی بعثت نہ تمام انسانوں کے لئے ہوئی نہ تمام جنات کے لئے مجاہد نے کہا انسانوں میں تو پیغمبر ہوئے اور جنات میں صرف ڈرانے والے اللہ نے فرمایا وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۔ ڈرانے والوں سے مراد ہیں پیغمبروں کے قاصد کچھ جنات پیغمبروں کا کلام سن کر اپنی قوم والوں کو جا کر سناتے تھے یہ پیغمبروں کے قاصد ہوتے تھے جنات پیغمبر نہیں ہوئے۔ اس قول پر منکم کا خطاب صرف انسانوں کو ہوگا جیسے آیت يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ میں ھما تثنیہ کی ضمیر ہے مگر مراد واحد ہے یعنی نمکین سمندر سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ دوسری آیت میں وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ اس میں ھن ضمیر جمع ہے اور مراد ایک آسمان ہے کیونکہ چاند ایک ہی آسمان میں ہے۔

میں کہتا ہوں آیت سے یہ بات یقیناً معلوم ہو رہی ہے کہ جن ہوں یا انسان ہر فریق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ پیغمبر صرف انسان کو بنایا گیا یا جنات میں سے بھی بعض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کی قوم کی ہدایت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں دیکھو اللہ نے فرمایا ہے لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا یعنی اگر زمین پر فرشتوں کی بستی ہوتی تو آسمان سے ان کے لئے فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا۔ اس آیت کے مفہوم کا تقاضا ہے کہ جنات کی ہدایت کے لئے جنات کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا کیونکہ مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان کامل مناسبت اور ربط طبعی ہونا چاہئے (اور یہ صرف اتحاد نوعی کی صورت میں ہوسکتا ہے) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جنات اہل فہم وعقل ہیں آدم سے پہلے ان کی تخلیق ہوئی تھی اور ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی یہ اوامر و نواہی کے مکلف تھے۔ اسی لئے فرمایا ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اب اگر ان میں سے کسی کو پیغمبر نہ بنایا گیا ہوتا تو ان کو عذاب بھی نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے جنات میں سے کچھ افراد اپنی قوم کے لئے پیغمبر تھے۔ (تفسیر مظہری)

ائمہ تفسیر میں سے کلبیؒ اور مجاہدؒ وغیرہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کے رسول جنات ہی کی قوم سے ہوتے تھے، اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ زمین پر انسانوں سے ہزاروں سال پہلے جنات آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں، تو از روئے عقل وشرع ضروری ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے رسول وپیغمبر ہوں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنی وید کی تاریخ ہزار ہا سال پہلے کی بتلاتے ہیں اور اپنے مقتداء و بزرگ جن کو وہ اوتار کہتے ہیں اسی زمانہ کے لوگ بتاتے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ وہ یہی جنات کے رسول وپیغمبر ہوں اور انہی کی لائی ہوئی ہدایات کسی کتاب کی صورت میں جمع کی گئی ہوں، ہندوؤں کے اوتاروں کی جو تصویریں اور مورتیاں مندروں میں رکھی جاتی ہیں وہ بھی اسی انداز کی ہیں، کہ کسی کے کئی چہرے ہیں، کسی کے بہت سے ہاتھ پاؤں ہیں، کسی کے ہاتھی کی طرح سونڈ ہے، جو عام انسانی شکلوں سے بہت مختلف ہیں، اور جنات کا ایسی شکلوں میں متشکل ہونا کچھ مستبعد نہیں، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اوتار جنات کی قوم میں آئے ہوئے رسول یا ان کے نائب ہوں اور ان کی کتاب بھی ان کی ہدایات کا مجموعہ ہو، پھر رفتہ رفتہ جیسے دوسری کتابوں میں تحریف ہوگئی، اس میں بھی تحریف کر کے شرک وبت پرستی داخل کردی گئی۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

قَالُوا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ
کہیں گے کہ ہم نے اقرار کرلیا اپنے گناہ کا اور اُن کو دھوکا دیا دنیا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
کی زندگی نے

یعنی دنیا کی لذات وشہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنادیا۔ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَهِدُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوا
اور قائل ہو گئے اپنے اُوپر اس بات کے کہ

كٰفِرِينَ (۱۳۰)
وہ کافر تھے

اس سورت میں اوپر مذکور ہوا کہ اول کافر اپنے کفر کا انکار کریں گے پھر حق تعالیٰ تدبیر سے ان کو قائل کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى
یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنیوالا نہیں بستیوں کو اُن کے
بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (۱۳۱) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ
ظلم پر اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لئے درجے
مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۱۳۲)
ہیں اُنکے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کے کام سے

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتے:

یعنی خدا کی یہ عادت نہیں کہ بدون آگاہ اور خبردار کئے کسی کو ان کے ظلم وعصیان پر دنیا یا آخرت میں پکڑ کر ہلاک کردے۔ اسی لئے رسول اور نذیر بھیجے کہ وہ خوب کھول کر تمام جن وانس کو انکے بھلے برے اور آغاز وانجام سے خبردار کردیں۔ پھر جس درجہ کا کسی کا عمل ہوگا حق تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بدعملی کی سزا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کا بھلا چاہتے ہیں تو ان پر بہترین حکام وامراء کا تسلط فرماتے ہیں، اور جب کسی قوم کا برا چاہتے ہیں تو ان پر بدترین حکام وسلاطین کو مسلط کردیتے ہیں۔ (تفسیر بحر محیط)

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فقہاء نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جب رعیت اور عوام اللہ تعالیٰ سے منحرف ہوکر ظلم وجور میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ظالم حکام مسلط کرکے ان کے ہاتھوں ان کو سزا دلواتے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم

تھی فقط غفلت ہی غفلت، عیش کا دن کچھ نہ تھا
ہم اسے سب کچھ سمجھتے تھے وہ لیکن کچھ نہ تھا

(معارف القرآن، مفتی اعظم)

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحمت والا اگر چاہے تو تم کو لے جاوے

وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُم مَّا يَشَآءُ كَمَآ

اور تمہارے پیچھے قائم کر دے جس کو چاہے جیسا تم کو پیدا کیا

أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ ءَاخَرِينَ ﴿١٣٣﴾ إِنَّ مَا

اوروں کی اولاد سے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

تُوعَدُونَ لَءَاتٍ ۖ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾

وہ ضرور آنیوالا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے

خدا تمہارا محتاج نہیں ہے:

خدا نے رسول بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب اگر تم نہ مانو اور سیدھے راستہ پر نہ چلو، تو وہ غنی ہے اسے تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ وہ چاہے تو تم کو ایک دم میں لے جائے اور اپنی رحمت سے دوسری قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے جو خدا کی مطیع و وفادار ہو اور تم کو لے جا کر دوسری قوم کا لے آنا خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔ آج تم اپنے جن آباء و اجداد کے جانشین بنے بیٹھے ہو، آخر ان کو اٹھا کر تم کو دنیا میں اسی خدا نے جگہ دی ہے۔ بہر حال خدا کا کام رک نہیں سکتا۔ تم نہ کرو گے دوسرے کھڑے کئے جائیں گے۔ ہاں یہ سوچ رکھو کہ یہی بغاوت و شرارت رہی تو خدا کا عذاب اٹل ہے تم اگر سمجھو کہ بھاگ کر یا کسی کی پناہ لے کر سزا سے بچ جاؤ گے تو محض حماقت ہے۔ خدا کو ساری مخلوق مل کر بھی اس کی مشیت کے نفاذ سے عاجز نہیں کر سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يَٰقَوْمِ ٱعْمَلُوا۟ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّى

تو کہہ دے اے لوگو تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی

عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُۥ

کام کرتا ہوں سو عنقریب جان لو گے تم کہ کس کو ملتا ہے

عَٰقِبَةُ ٱلدَّارِ ۗ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١٣٥﴾

عاقبت کا گھر بالیقین بھلا نہ ہو گا ظالموں کا

پیغمبر نے کام پورا کر دیا اپنی سزا تم خود بھگتو گے:

یعنی ہم سب نیک و بد اور نفع و ضرر سے آگاہ کر چکے۔ اس پر بھی اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آئے تو تم جانو۔ تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ اس دنیا کا آخری انجام کس کے ہاتھ رہتا ہے۔ بلاشبہ ظالموں کا انجام بھلا نہیں ہو سکتا۔ آگے ان کے چند اعتقادی اور عملی ظلم بیان کئے جاتے ہیں جو ان میں رائج تھے اور سب سے بڑا ظلم وہ ہی ہے جسے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (عثمانی)

وَجَعَلُوا۟ لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ ٱلْحَرْثِ وَٱلْأَنْعَٰمِ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں

نَصِيبًا فَقَالُوا۟ هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں اور

هَٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ

یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہے

فَلَا يَصِلُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ

وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے

يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾

اُنکے شریکوں کی طرف کیا ہی بُرا انصاف کرتے ہیں

کافروں کے بُرے فیصلے:

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ" کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، ان سے زیادہ ڈرتے"۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پرواہ ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں۔ تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہر حال ان آیات میں سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ سے مشرکوں کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ قَتْلَ

اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں اُن کی

أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا

اولاد کے قتل کو اُن کے شریکوں نے تا کہ اُن کو ہلاک کریں اور رلا ملا

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ

دیں اُن پر انکے دین کو

اولاد کو قتل کرنا: یہاں ''شرکاء'' کی تفسیر مجاہد نے ''شیاطین'' سے کی ہے۔ مشرکین کی انتہائی جہالت اور سنگدلی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بعض اپنی بیٹیوں کو سسر بننے کے خوف سے اور بعض اس اندیشہ پر کہ کہاں سے کھلائینگے حقیقی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات منت مانتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے ہو جائینگے یا فلاں مراد پوری ہوگی تو ایک بیٹا فلاں بت کے نام پر ذبح کرینگے۔ پھر اس ظلم و بے رحمی کو بڑی عبادت اور قربت سمجھتے تھے شاید یہ رسم شیطان نے سنت خلیل اللہ کے جواب میں سجھائی ہوگی۔ یہود میں بھی مدت تک قتل اولاد کی رسم بطور ایک عبادت وقربت کے جاری رہی ہے جس کا انبیائے بنی اسرائیل نے بڑی شدومد سے رد کیا۔ بہر حال اس آیت میں قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کی شناعت بیان فرمائی ہے جو جاہلیت میں رائج تھیں۔ یعنی شیاطین قتل اولاد کی تلقین و تزئین اس لئے کرتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ تباہ و برباد کر کے چھوڑیں اور ان کے دین میں گڑبڑی ڈالدیں کہ جو کام ملت ابراہیمی و اسماعیلی کے بالکل مضاد و منافی ہے، اسے ایک دینی کام اور قربت وعبادت باور کرائیں۔ والعیاذ باللہ، کجا سنتِ ابراہیمی اور کجا یہ حماقت و جہالت؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

اور اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور اُن کا جھوٹ

اسی طرح کی آیت ''ولو اننا'' کے شروع میں گزر چکی۔ وہاں جو کچھ ہم نے لکھا ہے نیز اسی مضمون کی دوسری آیات کے تحت میں لکھا گیا۔ اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا

اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اُس کو کوئی نہ

يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ

کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں اُن کے خیال کے موافق

حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ

نام نہیں لیتے اللہ کا اس پر بہتان باندھ کر عنقریب

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

وہ سزا دیگا ان کو اس جھوٹ کی

مشرکوں کی خرافات:

مثلاً مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف مہنت کھا سکیں جو بت خانوں کے مجاور تھے یہ قیود اپنے خیال میں بعض مواشی اور کھیتوں کے متعلق عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کئے جاتے تھے۔ اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں کی نسبت یہ قرار دیا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری لینے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے کہیں بتوں کی چیز میں خدا کی شرکت نہ ہو جائے۔ پھر غضب یہ تھا کہ ان خرافات اور جہالتوں کو خدا کی طرف نسبت کرتے تھے گویا اس نے معاذ اللہ یہ احکام دیئے ہیں اور ان ہی طریقوں سے اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ایسی بد عنوانیوں کے ساتھ یہ افتراء و بہتان عنقریب ان گستاخیوں کی سزا سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ

اور کہتے ہیں جو بچہ ان مواشی کے پیٹ میں ہے اس کو

خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ

تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ

اور جو بچہ مُردہ ہو تو اُس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دیگا

سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

اُن کو ان تقریروں کی وہ حکمت والا جاننے والا ہے

ایک اور گھڑا ہوا مسئلہ:

ایک مسئلہ یہ بنا رکھا تھا کہ بحیرہ اور سائبہ کو اگر ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلا تو اسے مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں اور مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں۔ اس طرح کے بے سند مسئلے گھڑنے والوں کے جرائم سے خدا بے خبر نہیں۔ ہاں وہ اپنی حکمت کے موافق مناسب وقت میں ان کو مناسب سزا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا

بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً

نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرا لیا اس رزق کو جو اللہ نے انکو دیا

عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی راہ پر

سب سے بڑی گمراہی ونقصان:

اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان وخسران کیا ہوگا کہ بیٹھے بٹھائے بلا وجہ دنیا میں اپنی اولاد واموال سے محروم اور سنگدلی بداخلاقی و جہل میں مشہور ہوئے اور آخرت کا دردناک عذاب سر پر رکھا، نہ عقل سے کام لیا نہ شرع کو پہچانا، پھر سیدھی راہ پر آتے تو کیسے آتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ

اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو

مَعْرُوشَاتٍ

ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے

جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً انگور وغیرہ اور جو ایسے نہیں مثلاً کھجور، آم وغیرہ تنہ دار درخت یا خربوزہ تربوز وغیرہ جن کی بیل بدون کسی سہارے کے زمین پر پھیلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ

اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں اُنکے پھل اور پیدا کئے زیتون کو

وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

اور انار کو ایک دوسرے سے مشابہ اور جدا جدا بھی

یعنی صورت شکل میں ملتے جلتے، مزہ میں جدا جدا۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ

کھاؤ اُن کے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو

يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

اُن کا حق جس دن اُن کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں

الْمُسْرِفِينَ

آتے بیجا خرچ کرنیوالے

اللہ کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو:

یعنی جو غلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کے کھانے سے بدون سند کے مت رکو ہاں دو باتوں کا خیال رکھو، ایک یہ کہ کاٹنے اور اتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اس میں ہے وہ ادا کردو۔ دوسرے فضول اور بے موقع خرچ مت کرو۔ اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، ابن کثیر کی رائے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین وفقراء پر صرف کیا جائے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ھ میں اس کی مقدار وغیرہ کی تعیین و تفصیل کردی گئی۔ یعنی بارانی زمین کی پیداوار میں (بشرطیکہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ثابت بن قیس کا خرچ کرنا:

ثابت ابن قیس نے اپنے درخت خرما کے پھل اتارے اور کہہ دیا کہ آج جو بھی میرے پاس لینے آئے گا اس کو دوں گا، حتیٰ کہ اتنے لوگ آکر لے گئے کہ ایک بھی پھل ان کے لئے باقی نہ رہا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیحین میں حضرت طلحہ بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک آدمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازوں کا ماہ رمضان کے روزوں کا اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی کچھ (لازم) ہوگا۔ فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تو اپنی خوشی سے (کچھ اور کار خیر اور نفل عبادت وغیرہ) کرے تو خیر۔ (تفسیر مظہری)

پھلوں اور کھیتوں کا عشر:

حضرت معاذ بن جبل اور ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے تمام کتب حدیث میں منقول ہے ما سقت السماء ففيه العشر وما سقى بالسانية فنصف العشر یعنی بارانی زمینوں میں جہاں آبپاشی کا کوئی سامان نہیں صرف بارش پر پیداوار کا مدار ہے، ان زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور جو زمینیں کنوؤں سے سیراب کی جاتی ہیں ان کی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔

قانونِ زکوٰۃ:

قانونِ زکوٰۃ میں شریعت اسلام نے ہر قسم کی زکوٰۃ میں اس بات کو بنیادی اصول کے طور پر استعمال کیا ہے، کہ جس پیداوار میں محنت اور خرچ کم ہے اس میں زکوٰۃ کی مقدار زیادہ اور جتنی محنت اور خرچ کسی پیداوار پر بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر کسی کو کوئی قدیم خزانہ مل جائے، یا سونے چاندی وغیرہ کی کان نکل آئے تو اس کا پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ کے اس کے ذمہ لازم ہے، کیونکہ محنت اور خرچ کم اور پیداوار زیادہ ہے، اس کے بعد بارانی زمین کا نمبر ہے، جس میں محنت اور خرچ کم سے کم ہے۔ اس کی زکوٰۃ پانچویں حصہ سے آدھی یعنی دسواں حصہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ زمین ہے جو کو کنویں سے یا نہری پانی خرید کر اس سے سیراب کیا جاتا ہے، اس میں محنت اور خرچ بڑھ گیا تو زکوٰۃ اس سے بھی آدھی کر دی گئی، یعنی بیسواں حصہ، اس کے بعد عام نقد سونا یا چاندی اور مال تجارت ہے، جن کے حاصل کرنے اور بڑھانے پر خرچ بھی کافی ہوتا ہے اور محنت بھی زیادہ، اس لئے اس کی زکوٰۃ اس کی آدھی یعنی چالیسواں حصہ کر دیا گیا۔

تجارتی اموال اور مویشی کے لئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاب بیان فرما دیا، کہ ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چالیس بکریوں، پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں، لیکن پیداوار زمین کے متعلق جو بیان اوپر کی حدیث میں آیا ہے اس میں کوئی نصاب نہیں بتلایا گیا، اس لئے ہر قلیل و کثیر میں سے زمین کی زکوٰۃ یعنی دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آخر آیت میں فرمایا لَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ "یعنی حد سے زائد خرچ نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتے" یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اگر کوئی شخص اپنا سارا مال بلکہ جان بھی خرچ کر دے تو اس کو اسراف نہیں کہا جا سکتا، بلکہ حق کی ادائیگی کہنا بھی مشکل ہے، پھر اس جگہ اسراف سے منع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ کسی خاص شعبہ میں اسراف کا نتیجہ عادۃً دوسرے شعبوں میں قصور و کوتاہی ہوا کرتا ہے، جو شخص اپنی خواہشات میں بے دریغ حد سے زائد خرچ کرتا ہے وہ عموماً دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کیا کرتا ہے، یہاں اسی کوتاہی سے روکا گیا ہے، یعنی ایک طرف کوئی آدمی اپنا سارا مال اللہ کہ راہ میں لٹا کر خالی ہو بیٹھے تو اہل و اولاد اور رشتہ داروں بلکہ خود اپنے نفس کے حقوق کیسے ادا کرے گا، اس لئے ہدایت یہ کی گئی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی اعتدال سے کام لے تاکہ سب حقوق ادا ہو سکیں۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

میں کہتا ہوں سارا مال دینا اس وقت ممنوع اور اسراف قرار پائے گا جب اپنے متعلقین اور بال بچوں کی حق تلفی کی ہو اور حق داروں کے حقوق نہ دیئے ہوں۔ مستحقین کے حقوق ادا کرنے کے بعد اگر بقیہ سارا مال اللہ کی راہ میں دے دے تو یہ اسراف نہیں بلکہ افضل ہے کذا قال الزجاج۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میرے پاس (کوہ) احد کے برابر سونا ہو تو مجھے اس سے خوشی ہوگی کہ تین رات بھی اس میں سے میرے پاس سوائے اتنی مقدار کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لئے روک لوں اور کچھ بھی باقی نہ رہے۔ رواہ البخاری۔

پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا:

ایک بار حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے داخلہ کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوذرؓ لاٹھی ہاتھ میں لئے اندر پہنچ گئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا عبد الرحمن بن عوف نے اپنے بعد کچھ مال ترکہ میں چھوڑا ہے کعب بتاؤ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت کعبؓ نے کہا اگر اس میں اللہ کا حق پہنچتا ہے تو کوئی ہرج نہیں۔ یہ سنتے ہی ابوذرؓ نے لاٹھی اٹھا کر کعبؓ کے ماری اور بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے اگر میرے پاس

اس پہاڑ کے برابر سونا ہو اور میں اللہ کی راہ میں اس کو خرچ کر دوں اور اللہ قبول فرمالے تو مجھے پسند نہیں کہ اس میں سے چھ اوقیہ بھی اپنے بعد چھوڑ کر جاؤں۔ عثمانؓ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے یہ سوال تین بار کیا۔ حضرت عثمانؓ فرمایا ہاں۔ (رواہ احمد)

خرچ کرو اور اللہ سے کمی کا اندیشہ نہ کرو:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ بلالؓ کے پاس اس وقت چھواروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بلالؓ یہ کیا ہے۔ بلالؓ نے عرض کیا میں نے کل کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ فرمایا کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ اس (ذخیرہ) کی بھاپ (گھٹن) دوزخ کے اندر کل تم کو محسوس ہوگی۔ بلالؓ خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے کمی کرنے کا اندیشہ نہ کر۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

افضل صدقہ:

حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا صدقہ (خیرات) سب سے اعلیٰ ہے۔ فرمایا تنگدست کی محنت کی کمائی سے بقدر طاقت (خیرات کرنی افضل ہے) اور دینا شروع اپنے عیال سے کرو۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا
اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے

بوجھ اٹھانے والے جیسے اونٹ وغیرہ اور زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد وقامت کے جانور جیسے بھیڑ بکری۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے
الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾
قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح

اللہ کی نعمتوں سے نفع اٹھاؤ:

اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منتفع ہونا چاہئے۔ شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ اُن کو خواہی نخواہی بدون حجت شرعی کے حرام کر لیا جائے یا شرک وبت پرستی کا ذریعہ بنا لیا جائے شیطان کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دشمنی کیا ہوگی کہ اُن نعمتوں سے تم کو دنیا میں محروم رکھا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔ (تفسیر عثمانی)

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ
پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو

یعنی ایک نر ایک مادہ اس طرح ہر نوع میں دو دو زوج ہوئے اور مجموعہ آٹھ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ
اور بکری میں سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں
اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں
الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾
مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سند اگر تم سچے ہو

حلال وحرام کرنے کا اختیار فقط اللہ کو ہے:

یعنی کسی چیز کو حلال وحرام کہنا صرف اللہ کے حکم سے ہو سکتا ہے پھر ان میں سے نر کو یا مادہ کو یا بچہ کو جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سب آدمیوں کے یا بعض کے حق میں حرام کہتے ہو۔ جیسا کہ پچھلی آیات میں گذرا۔ اس کی سند تمہارے پاس کیا ہے۔ جب خدائی حکم ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے ہو تو محض آراء واہواء سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام کہنا اس کا مرادف ہے کہ خدائی کا منصب معاذ اللہ تم اپنے لئے تجویز کرتے ہو۔ یا خدا پر جان بوجھ کر افتراء کر رہے ہو۔ دونوں صورتیں تباہ کن اور مہلک ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ
اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو
قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا
پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ
اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ
اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے

كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا

کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے بلا تحقیق بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ظالم لوگوں کو

اشیاء کی تحلیل وتحریم محض خدا کے حکم سے ہوسکتی ہے، اور خدا کا حکم یا بواسطہ انبیاء پہنچے گا یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو مخاطب فرمائے تو اُسے معلوم ہو۔ یہاں دونوں صورتیں منفی ہیں۔ پہلی شق کے انتفاء پر اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ میں متنبہ فرمایا ہے۔ پھر مشرکین کے دعاوی میں افتراء واضلال کے سوا اور کیا چیز باقی رہ گئی۔ بلا شبہ اُس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہوسکتا جو خدا پر بہتان باندھے اور علم وتحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کر کے گمراہ کرتا پھرے۔ جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کر لی اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی اُس کے ہدایت پانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى

تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اُس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام

طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

کھانے والے پر جو اُس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مُردار ہو یا بہتا ہوا

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ

خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے

فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

کرے اور نہ زیادتی کرے تو تیرا رب بڑا معاف کرنیوالا ہے نہایت مہربان

حرام چیزیں:

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہی حرام ہے"۔ اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں حلال تھیں جن کو تم نے حرام بنالیا۔ اب وہ چیزیں بتلائی جاتی ہیں جو واقعی حرام ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ باقی مضمون آیت کی تفسیر وتوضیح "سورۂ مائدہ کے شروع میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ الخ کے نیچے گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ

اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا

ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ

ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا

الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے اُن کو سزا دی تھی

بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اُن کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں

بعض چیزیں جو عارضی طور پر حرام قرار دی گئیں:

یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں، البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی۔ جیسے گردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیم ونوح علیہما السلام کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام

چلی آتی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں۔ جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے جیسے پارہ "لن تنالوا" کے شروع میں قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ سے ان دعویٰ کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شراب، مردار اور خنزیر کی چربی:

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے میں نے خود سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اللہ نے شراب، مردار خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا مردار کی چربی کا کیا حکم ہے اس سے تو کشتیوں پر پالش اور چمڑے پر روغن کیا جاتا ہے اور اس کو چراغ میں جلایا جاتا ہے فرمایا نہیں۔ مردار کی چربی حرام ہے پھر فرمایا یہودیوں پر اللہ کی لعنت جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام کر دی تو انہوں نے چربی کو پکا کر اور ٹھیک بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔ رواہ البخاری وغیرہ، واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۴)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ
پھر اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی رحمت
وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ
میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلے گا اس کا عذاب گنہگار
الْمُجْرِمِيْنَ ۝
لوگوں سے

یعنی رحمت کی سمائی سے تم اب تک بچے ہو، نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا۔

(کذا فی موضح القرآن)

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ
اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے
اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ
ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى
اسی طرح جھٹلایا کئے ان سے اگلے یہاں تک کہ

ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
انہوں نے چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس
فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
کہ اس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو
وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ
اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو تو کہہ دے بس اللہ کا الزام پورا ہے
الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا

از خود چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر مشرکین کی دلیل:

گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال وطیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرالیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو، اس کی سند اور دلیل لاؤ۔ یہاں ان کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کو قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال واقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یوں ہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک ہماری یہ کارروائیاں پسندیدہ ہیں ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا۔

دلیل کا جواب:

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دیدیتی۔ وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے، کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے۔ کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد ثابت کی جا سکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی جرم و بغاوت نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کئے ہوئے قانون سے ظاہر ہے۔ دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور باضابطہ اثبات و اظہار جرم کے

بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا، تب برائی العین مشاہدہ ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم تھا۔ بہر حال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم وقدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاکباز نائبین کے ہر قسم کے قوانین واحکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ کونسی بات اس کے یہاں پسندیدہ اور کونسی ناپسند ہے۔ کبھی پے بہ پے اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان احکام و ہدایات کی یاد دہانی بھی ہوتی رہی۔ اس دوران خلاف ورزی کرنے والوں سے مسامحت کی حد تک مسامحت کی گئی۔ معمولی تنبیہات کی ضرورت ہوئی تو وقتاً فوقتاً انہیں بھی کام میں لایا گیا۔ اور جن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا انہیں ڈھیل دی گئی کہ وہ صاف اور علانیہ طور پر اپنے کو خدا کی انتہائی سزا کا مستحق ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچیں۔ چنانچہ بہت سی قومیں اپنے جرائم کی پاداش کا دنیا میں تھوڑا تھوڑا مزا چکھ چکی ہیں۔ پھر ان حالات کی موجودگی میں کسی قوم کے چند روز جرائم میں مبتلا رہنے اور فوراً نہ پکڑے جانے سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جرائم (معاذ اللہ) خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں ورنہ خدا انہیں ایک گھنٹہ کی بھی مہلت نہ دیتا۔

سوال: رہا یہ سوال کہ خدا نے انسان کی ساخت ہی ابتداء سے ایسی کیوں نہ بنادی کہ وہ برائی کی طرف قطعاً نہ جا سکتا اور اس طرح فطرۃً اسے مجبور کر دیا جاتا کہ نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی چیز اختیار نہ کر سکے۔

جواب: اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا کیوں نہ پیدا کر دیا گیا کہ وہ انسان ہی نہ رہتا۔ یا تو اینٹ پتھر بن جاتا جو ادراک وشعور اور کسب واختیار سے یکسر خالی ہو یا گدھے گھوڑے وغیرہ جانوروں کی طرح جزئی احساس وارادہ رکھنے والا حیوان ہوتا جو ازل سے ابد تک اپنے مخصوص ومتشابہ افعال واحوال کے محدود دائرہ میں چکر لگاتا رہے، اور یا بہت عزت دی جاتی تو فرشتوں کی صفوں میں بٹھلا دیا جاتا جو محض طاعت وعبادت کے اختیار کرنے پر مجبول مفطور ہیں۔ الحاصل یہ کلی ادراکات اور عظیم الشان کسبی تصرفات رکھنے والی ترقی کن نوع ہی صفحۂ ہستی پر نہ لائی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان اپنے شرف وکرامت کا بلند بانگ دعویٰ رکھتے ہوئے ایسی جرأت نہ کرے گا کہ سرے سے اپنی نوع کے وجود ہی کا مخالف ہو جائے۔ پھر اگر نوع انسانی کا مع اس کی عقلی وعملی قوتوں اور کسب واختیار کی موجودہ آزادی کے پیدا کرنا نظام عالم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا تو اس نظام تکوینی کے آثار ونتائج کا قبول کرنا بھی ضروری ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مادی اور معاشی زندگی کے شعبوں میں تو انسانوں کی عقلی وکسبی آزادی کی بدولت بیشمار انواع واقسام کے مختلف مظاہر سامنے آئیں لیکن مادی وروحانی میدانوں میں وہ ہی دل ودماغ اور کسب واختیار کی قوتیں رکھنے والے انسان سب کے سب ایک ہی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور کوئی ایک قدم ادھر ادھر ہٹانے کی قدرت نہ رکھے۔ پس اگر نوع انسان کا بحقیقۃ الموجودہ مجموعۂ عالم میں پایا جانا ضروری ہے تو نیک وبد کا اختلاف بھی لابدی ہوگا اور یہ ہی اختلاف کا وجود بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو وقوع میں آئے ضروری نہیں کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو ورنہ مختلف ومتضاد افعال کی موجودگی میں ماننا پڑے گا کہ مثلاً خوش اخلاقی بھی خدا کو پسند ہو اور بد اخلاقی بھی، ایمان لانا بھی پسند ہو اور نہ لانا بھی، جو صریحاً باطل ہے۔ بیشک خدا اگر چاہتا تو انسان کی ساخت ایسی بنا سکتا تھا کہ سب ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتے، لیکن جب ایسا واقع نہیں ہوا تو یہ ہی حجۃ بالغہ اور پورا الزام ان لوگوں پر ہے جو لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا کہہ کر مشیت ورضائے الٰہی میں تلازم ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس قدر شدید اختلافات کی موجودگی میں ان کے اصول کے موافق کہنا پڑے گا کہ مثلاً توحید خالص بھی اللہ کے نزدیک صحیح اور مرضی ہو اور اس کی نقیض شرک جلی بھی۔ وقس علی ہذا۔

خلاصۂ کلام:

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مشرکین کا یہ استدلال لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا الخ محض لغو اور پادر ہوا ہے، کوئی علمی اصول ان کے پاس نہیں جسے عقلمندوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ محض اٹکل کے تیر اور تخمینی باتیں ہیں جن کو خدا کی حجۃ بالغہ بکلی رد کرتی ہے، جس کی طرف فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ سب کے سب راہ ہدایت پر چل پڑیں۔ اس کو کسب واختیار کی وہ آزادی حق جل وعلا نے عطا فرمائی ہے جس کا عطا کیا جانا کسی مخلوق کے لئے ممکن تھا۔ اس لئے لازم ہے کہ اس آزادی کے استعمال کے وقت راہیں مختلف ہو جائیں کوئی نیکی کو اختیار کرلے کوئی بدی کو، کوئی حق تعالیٰ کی رضا ورحمت کا مظہر بن جائے کوئی غضب کا۔ اس طرح وہ آخری مقصد جو خالق کائنات نے آفرینش عالم سے ارادہ کیا ہے یعنی اپنی صفات جمال وجلال کا اظہار علی الوجہ الاتم پورا ہو۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ورنہ اگر تمام عالم ایک ہی حال پر فرض کر لیا جائے تو بعض صفات الٰہیہ کا ظہور

ممکن ہوگا اور دوسری بعض کے ظہور کیلئے کوئی محل نہ ملے گا۔

مشرکین کی معذرت:

یہاں تک جو کچھ ہم نے کہا وہ اس تقدیر پر تھا کہ مشرکین کے قول لو شاء اللہ ما اشرکنا سے یہ غرض ہو کہ وہ اپنے خرافات و کفریات کا استحسان ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر ہے اور اگر کلام مذکور سے ان کی غرض صرف معذرت ہو کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہم سے کراتا ہے، اچھا ہو یا برا، بہر حال اس کی مشیت سے ہے۔ پھر مشیتِ الٰہی کے مقابلہ میں انبیاء و رسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا ڈراوا کیوں سناتے ہیں۔

معذرت کا جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا کی مشیت سے تم ان افعال شنیعہ کا کسب کرتے ہو، اسی کی مشیت سے انبیاء و رسل تمہاری مزاحمت کرتے ہیں اور وہ ہی مشیت تمہارے کسب پر مناسب عذاب بھیجتی ہے۔ جس طرح قدرت نے سانپ کو پیدا کیا اور وہ ہی مارگزیدہ کے حق میں ہلاکت کا اثر مرتب کرتی ہے خواہ سانپ کے کاٹنے میں مارگزیدہ کے فعل و اختیار کو کچھ دخل ہو یا نہ ہو اسی طرح تمہارے شرک و کفر میں ہلاکت دائمی کی، اور ایمان و عمل صالح میں نجات ابدی کی تاثیرات رکھ دینا بھی اسی قدرت و مشیت ایزدی کا کام ہے۔ جس سے تمام سلسلۂ اسباب و مسببات کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس اگر تم اپنے مشرکانہ اطوار سے باز نہ آنے میں مشیت کے عموم سے احتجاج کر سکتے ہو تو ارسال رسل اور انزال عذاب وغیرہ امور کو بھی اسی مشیت کی کارفرمائی کا نتیجہ سمجھ کر خدا کی حجۃ بالغہ کو تمام سمجھو۔ بیشک خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا لیکن اس نے تمہاری سوء استعداد کی وجہ سے ایسا نہیں چاہا۔ آخر تمہارے سوء اختیار سے جو افعال صادر ہوئے ان کا طبعی اثر عذاب کی صورت میں مرتب ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

مشیت خداوندی:

اس کی مشیت اور حکمت کا منشا یہ ہے کہ اس کارخانہ عالم میں نور ہدایت بھی ہو اور کفر کی ظلمت بھی ہو پاخانہ اور پیشاب بھی ہو۔ عطر اور گلاب بھی ہو هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔

در کارخانہ عشق از کفر نا گزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بو لہب نباشد

جس کو وہ ہدایت اور توفیق دے وہ اس کا فضل اور احسان ہے اور جس کو چاہے وہ اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم رکھے ہدایت اور توفیق اسی کی ملک ہے اور اس کے خزانہ رحمت کی ایک نعمت ہے اس کو اپنے خزانہ کا اختیار ہے جس کو چاہے اس میں سے کچھ دے دے اور چاہے نہ دے اس مالک مطلق پر نہ کسی کا کوئی حق ہے اور نہ کوئی قرضہ ہے۔ واللہ یختص برحمته مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ جو دے دے وہ اس کا فضل ہے اور جو نہ دے وہ اس کا عدل ہے۔ غرض یہ کہ کفر اور شرک اور اسلام اور توحید بری اور اچھی ہر قسم کے چیزیں اسی کی مشیت سے ہوتی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس ملیک و مقتدر کی سلطنت میں کوئی چیز اور کوئی فعل بغیر اس کی مشیت کے ہو جائے۔

اچھی چیزیں اللہ کی پسندیدہ ہیں:

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کارخانہ عالم میں جو مختلف اور متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے اس میں جو اچھی چیزیں ہیں وہ اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور بری چیزیں اسے ناپسند ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس عالم میں مختلف اعمال اور مختلف افعال اور متضاد عقائد اور نظریات موجود ہیں کیا ان سب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے نزدیک خوش اخلاقی اور بداخلاقی اور نیکوکاری اور بدکاری اور امانت اور خیانت، نکاح اور زنا سب ہی پسندیدہ ہیں۔

مشیت جواز کی دلیل نہیں:

پس ہر کام کا اس کی مشیت سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ کام اس کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کو کسی فعل کے جواز اور استحسان کی دلیل بنانا قطعاً غلط ہے۔ حجت بالغہ بعثت رسل اور کتب منزلہ ہیں جس سے اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کا علم ہوتا ہے اور اگر کفر اور شرک کے مستحسن ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے تو پھر مسلمانوں سے کیوں مزاحمت کرتے ہو۔ مسلمان بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلام اور توحید خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتی تو ہم مسلمان اور موحد نہ ہوتے اور نہ ہم تم سے جہاد و قتال کرتے۔ بندہ کو چاہئے کہ اپنے افعال اور اعمال کے لئے خدا کی مشیت اور ارادہ کو بہانہ نہ بنائے بلکہ اس کے حکم اور قانون کا اتباع کرے۔ حکم اور چیز ہے اور مشیت خداوندی اور چیز ہے۔ خدا کی مشیت کا کسی کو علم نہیں۔ وہ سر مکتوم ہے۔ البتہ اللہ کا حکم پیغمبروں کے ذریعہ بندوں کو پہنچ چکا ہے بندوں پر اس کے حکم کا اتباع لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور احکام سے بندوں کو آگاہ کیا اور بندوں کو ان کے سمجھنے کے لئے عقل دی اور

ان کے کرنے کے لئے قدرت اور اختیار دے دیا۔ بے شک اگر خدا چاہتا تو سب راہ راست پر آ جاتے لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے راہ راست پر آئیں۔ اس طرح اللہ کی حجت بندوں پر پوری ہو گئی اور الزام قائم ہو گیا۔ اب تم ان لغو حیلوں اور بہانوں سے عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اپنے کفر اور شرک اور گمراہی کی تاویلوں کو چھوڑ دو اور اپنی گمراہی اور ڈھٹائی کو خدا تعالیٰ کی ناراضی کی علامت جانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور توفیق کا ارادہ نہیں فرمایا۔ وہ اگر تم سے راضی ہوتا تو تم کو ہدایت اور توفیق کی دولت سے سرفراز کرتا۔ (معارف القرآن، کاندھلوی)

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ
تم سب کو تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں
اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا
اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں
تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ
بھی تو تو نہ اعتبار کر اُن کا اور نہ چل اُن کی خوشی پر جنہوں نے
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ
وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو

مشرکین کے پاس نقلی دلیل بھی نہیں:

یعنی دلیل عقلی کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا۔ اب اگر اس من گھڑت تحریم پر کوئی نقلی دلیل رکھتے ہو تو وہ لاؤ کیا تمہارے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جو یہ بیان کریں کہ ہاں ان کے روبرو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے واقعی گواہ کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر دو چار گستاخ جھوٹے بے حیا یہ ہی گواہی دینے کو کھڑے ہو جائیں تو ایسوں کی بات پر تم کان نہ دھرو اور نہ ان کی خواہشات کی پروا کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کا بیان تھا جنہیں مشرکین نے محض اپنی رائے و ہوا سے حرام ٹھہرا رکھا تھا۔ پھر اس تحریم کے لئے حیلے اور باطل عذر پیش کرتے تھے۔ آگے وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں خدا نے حرام کیا اور ہمیشہ سے حرام رہی ہیں لیکن یہ مشرکین ان میں مبتلا ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
تو کہہ تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے
اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ
نیکی کرو اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ
تم کو اور اُن کو

غریبی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو:

عرب مفلسی کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق دینے والا تو خدا ہے تم کو بھی اور تمہاری اولاد کو بھی۔ دوسری جگہ بجائے "مِنْ اِمْلَاقٍ" "خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ" فرمایا ہے یعنی مفلسی کے ڈر سے قتل کر ڈالتے تھے۔ یہاں کا ذکر ہوگا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہو گئے تو کہاں سے کھلائیں گے۔ چونکہ پہلے طبقے کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا، شاید اسی لئے یہاں مِنْ اِمْلَاقٍ کے ساتھ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ اور اس آیت میں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ کیساتھ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ارشاد فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

شرک سے پرہیز ضروری ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ شرک جلی اور خفی دونوں سے انتہائی پرہیز کرنا چاہئے اور شرک میں جس طرح بتوں وغیرہ کی پوجا پاٹ داخل ہے، اسی طرح انبیاء و اولیاء کو علم و قدرت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا بھی شرک میں داخل ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی کا عقیدہ ہی ایسا ہو تو شرک جلی ہے، اور عقیدہ نہ ہو مگر عمل اس طرح کا ہے تو شرک خفی کہلائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ قرار دو، اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تمہیں سولی پر

چڑھادیا جائے، یا تمہیں زندہ جلا دیا جائے۔

والدین کی خدمت:

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا، رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ، یعنی ذلیل ہوگیا، ذلیل ہوگیا، ذلیل ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کون ذلیل ہوگیا؟ فرمایا وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کے زمانے میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کے زمانہ میں والدین کی خدمت سے جنت کا ملنا یقینی ہے۔ بڑا محروم و ذلیل ہے وہ شخص جس نے اتنی سستی جنت کو ہاتھ سے کھودیا، سستی اس لئے کہ والدین جو اولاد پر طبعی طور پر ہی مہربان ہوتے ہیں وہ ذرا سی خدمت سے بہت خوش ہو جاتے ہیں، ان کا خوش رکھنا کسی بڑے عمل کا محتاج نہیں، اور بڑھاپے کی قید اس لئے کہ جس وقت والدین تندرست اور قوی ہیں، اور اپنی ضروریات خود پوری کرتے ہیں بلکہ اولاد کی بھی مالی اور جانی امداد کر دیتے ہیں اس وقت تو نہ خدمت کے وہ محتاج ہیں نہ اس خدمت کا کوئی خاص وزن ہے، قابلِ قدر خدمت اس وقت ہی ہوسکتی ہے جبکہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے محتاج ہوں۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
اور پاس نہ جاؤ بےحیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو
وَمَا بَطَنَ
پوشیدہ ہو

ہر قسم کی بے حیائی سے دور رہو:

''پاس نہ جاؤ'' سے شاید یہ مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی و وسائل سے بھی بچنا چاہئے۔ مثلاً زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اس نے سارے ظاہر و باطن فواحش حرام کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیرتمند ہے:

سعد بن عبادہؓ نے کہا اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو تلوار سے اسے قتل ہی کر دوں۔ جب حضرتؐ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اسی لئے فواحش اس نے حرام کر دیئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

ظاہری اور باطنی فواحش:

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ظاہری فواحش سے وہ بے حیائی کے کام مراد ہیں جن کا برا ہونا عام طور پر مشہور و معلوم ہے اور سب جانتے ہیں، اور باطنی فواحش سے مراد وہ افعال ہیں جو اللہ کے نزدیک بے حیائی کے کام ہیں۔ اگرچہ عام طور پر ان کو لوگ برا نہیں جانتے یا عام لوگوں کو ان کا حرام ہونا معلوم نہیں، مثلاً بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد بیوی بنا کر رکھ چھوڑا یا کسی ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو شرعاً اس کے لئے حلال نہیں۔

آیت کا عموم:

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو اور مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل ہے، اور حکم اس میں یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ، پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو کہ ہم گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے، اور ایسے کاموں سے بھی بچو جن سے ان گناہوں کا راستہ نکلتا ہو، حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

من حام حول حمیً اوشک ان یقع فیہ.

''یعنی جو شخص کسی ممنوع جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے''۔

اس لئے احتیاط کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جس جگہ کا داخلہ ممنوع ہے اس جگہ کے ارد گرد بھی نہ پھرے۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے
إِلَّا بِالْحَقِّ
مگر حق پر

تین آدمی جو واجب القتل ہیں:

الا بالحق کا استثناء ضروری تھا جس میں قاتل عمد زانی محصن اور مرتد عن الاسلام کا قتل داخل ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہو

چکی اور ائمۂ مجتہدین اس پر اجماع کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عثمانؓ جس وقت باغیوں کے نرغہ میں محصور تھے، اور یہ لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اس وقت بھی حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو یہ حدیث سنا کر کہا کہ بحمد اللہ میں ان تینوں چیزوں سے بری ہوں، میں نے زمانۂ اسلام میں تو کیا زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی بدکاری نہیں کی، اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا، اور نہ میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ دوں، پھر تم مجھے کس بناء پر قتل کرتے ہو؟

مملکتِ اسلامیہ کے کافر شہری کو بھی قتل کرنا حرام ہے:

اور بے وجہ قتل کرنا جیسے مسلمان کا حرام ہے اسی طرح اس غیر مسلم کا قتل بھی ایسا ہی حرام ہے جو کسی اسلامی ملک کے قانون کا پابند ہو کر رہتا ہے، یا جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں بروایت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو کسی ذمی غیر مسلم کو قتل کر دے اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا، اور جو شخص اللہ کے عہد کو توڑ دے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ۔ اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم معاہد یعنی اگر کسی سے کوئی ایسا جرم ہو جائے جس کی وجہ سے اس کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی مسلمان مرتد ہو جائے یا کوئی عمداً قتل کر دے یا کوئی محصن زنا کر لے یا مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدہ کو کوئی حربی توڑ دے یا اسلامی حکومت کے خلاف کوئی باغی ہو جائے یا کوئی رہزنی کرے تو ان صورتوں میں مجرم کو قتل کرنا مباح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہادت دے رہا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون حلال نہیں مگر تین امور میں سے کسی ایک امر کی وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا جان کے بدلے جان یا اپنے دین کو چھوڑ دینے والا اور (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جانے والا ہو۔ (رواہ البغوی)

منیٰ میں جا کر قبائل کو دعوت دینا:

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی روایت ہے کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل عرب کے پاس جانے اور ان کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو آپ منیٰ کو تشریف لائے۔ میں اور حضرت ابوبکرؓ ہمراہ تھے حضرت ابوبکرؓ انساب عرب سے واقف تھے۔ حضور والا منیٰ میں قبائل کی فرودگاہوں اور ڈیروں پر جا کر ٹھہرے اور سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا ان لوگوں میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا مفروق تھا جو فصاحت اور لسانی میں سب پر غالب تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات کیا اور پوچھا قریشی بھائی آپ ہم کو کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور آپؐ کے سر پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے کپڑے سے سایہ کر لیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ تم اس امر کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور تم لوگ مجھے کوئی دکھ نہ دو نہ مارو بلکہ میری حفاظت کرو کہ میں اللہ کی طرف سے اس پیام کو پہنچا دوں جس کا حکم اس نے مجھے دیا ہے کیونکہ قریش نے اللہ کے امر کے خلاف اجتماع کر لیا ہے اور اس کے رسول کو جھوٹا قرار دیا ہے اور حق کے خلاف باطل کی مدد کی ہے۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ مفروق نے کہا ہمارے لئے تمہارا پیام دعوت اور کیا ہے۔ حضورؐ نے جواب میں آیت قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ سے تَتَّقُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ مفروق نے کہا قریشی بھائی اور کس چیز کی طرف ہم کو بلاتے ہو۔ خدا کی قسم یہ زمین والوں کا کلام نہیں ہے اگر اہل زمین کا کلام ہوتا تو ہم ضرور پہچان لیتے۔ اس پر حضورؐ نے تلاوت فرمایا إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الخ۔ مفروق نے کہا قریشی خدا کی قسم تم بزرگ اخلاق اور اچھے کاموں کی دعوت دے رہے ہو تمہاری قوم جھوٹی ہے جس نے تمہاری تکذیب کی اور تمہارے خلاف گٹھ جوڑ کیا۔ ہانی بن قبیصہ کہنے لگا قریشی بھائی میں نے تمہاری بات سنی اور تمہارے قول کو پسند کیا اور جو کچھ تم نے کہا میرے دل نے اس کو اچھا سمجھا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا تم لوگوں کو زیادہ مدت ٹھہرنا نہیں پڑے گا کہ اللہ تم کو ان کے ملک اور ان کی اولاد مرحمت فرما دے گا۔ یعنی سرزمین فارس اور کسریٰ کی نہریں عنایت کر دے گا اور ان کی لڑکیوں کو تمہاری بستری خادمائیں بنا دے گا اور تم اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرو گے۔ نعمان بن شریک نے کہا اللہ قریشی برادر تم کو یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ حضورؐ نے آیت إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا تلاوت فرما دی۔ پھر آپؐ حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

تم کو یہ حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو

حرام کام: اس آیت سے ان چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا۔
۱۔شرک باللہ۔ ۲۔والدین کے ساتھ بدسلوکی۔ ۳۔قتل اولاد۔
۴۔سب بے حیائی کے کام مثلاً زنا وغیرہ۔ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ

اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ

بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچ جاوے اپنی جوانی کو

یتیم کا مال: یتیم کے مال میں بیجا تصرف کرنا حرام ہے۔ ہاں بہتر و مشروع طریقہ سے احتیاط کے ساتھ اس میں ولی یتیم تصرف کر سکتا ہے۔ جب یتیم جوان ہو جائے اور اپنے فرائض کو سنبھال سکے تو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے (معنی کے لحاظ سے) اصل آیت اسی طرح ہے کہ یتیم کے مال کے پاس کبھی بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو مستحسن ہے یہاں تک کہ جب وہ قوت کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کو دے دو بشرطیکہ وہ سبک سر نہ ہو۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ حتی مستثنیٰ کی غایت ہو اور مطلب اس طرح ہو یتیم کے مال سے اچھا معاملہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال بلوغ کو پہنچ جائے (تو اچھے تصرف سے بھی دست کش ہو جاؤ) (تفسیر مظہری)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا

اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

چیز لازم کرتے جس کی اسکو طاقت ہو

یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجا آوری میں کوشش کرو اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

ملازموں کا مقررہ ڈیوٹی میں کوتاہی کرنا ناپ تول میں کمی کرنا ہے

یاد رہے کہ ناپ تول کی کمی جس کو قرآن میں تطفیف کہا گیا ہے صرف ڈنڈی مارنے اور کم ناپنے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ کسی کے ذمہ دوسرے کا جو حق ہے اس میں کمی کرنا بھی تطفیف میں داخل ہے جیسا کہ موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تو نے تطفیف کر دی یعنی جو حق واجب تھا وہ ادا نہیں کیا، اس کا نقل کر کے امام مالکؒ فرماتے ہیں لکل شیء وفاء و تطفیف، یعنی حق کا پورا دینا اور کمی کرنا ہر چیز میں ہوتا ہے، صرف ناپ تول میں ہی نہیں۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

حقدار کو حق سے زیادہ دینا چاہئے:

احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گھوڑے کی قیمت واجب تھی آپ نے اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں فرمایا وزن کر کے (قیمت دیدو اور جھکتی ہوئی دینا)۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قرض کا تقاضا کرنے آیا اور کلام میں کچھ درشتی کی بعض صحابیوں نے اس (کو مارنے) کا ارادہ کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہنے دو۔ حقدار کو کہنے کا حق ہے پھر فرمایا جس عمر کا اس کا (اونٹ) تھا اسی عمر کا اس کو دیدو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم عمر نہ ملے بلکہ اس سے بہتر ملے فرمایا وہی دیدو کیونکہ تم میں سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو۔ مسلم نے حضرت ابورافع کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا وسق (تقریباً تین من) قرض لیا تھا وہ تقاضا کرنے آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک وسق (تقریباً چھ من) دے دیا اور فرمایا آدھا وسق تیرا ہے اور آدھا وسق میری طرف سے ہے پھر ایک شخص ایک وسق کا تقاضا کرنے آیا۔ آپ نے اس کو دو وسق دیدیا اور فرمایا ایک وسق تیرا ہے اور ایک وسق میری طرف سے ہے۔ (رواہ الترمذی) اس حدیث کی سند میں کوئی سقم نہیں ہے۔

اسی لئے صاحب حق کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنے حق سے کم واپس لے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت ہو اس جوانمردی کرنے والے شخص پر جو بیچنے خریدنے اور (قرض کا) مطالبہ کرنے کے وقت جوانمردی کرتا ہے۔ (رواہ البخاری تفسیر مظہری)

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو

یعنی حق و انصاف کی بات کہنے میں کسی کی قرابت و محبت مانع نہ ہونی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹی گواہی:

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

''جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، تین مرتبہ فرمایا، اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ

''یعنی بت پرستی کے گندہ عقیدہ سے بچو اور جھوٹ بولنے سے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتے ہوئے۔''

حق کے خلاف فیصلہ کرنا:

اسی طرح حق کے خلاف فیصلہ کرنے کے بارے میں ابو داؤد نے بروایت حضرت بریدہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

''قاضی (یعنی مقدمات کا فیصلہ کرنے والے) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت میں جائے گا۔ اور دو جہنم میں، جس نے معاملہ کی تحقیق شریعت کے موافق کر کے حق کو پہچانا پھر حق کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس نے تحقیق کر کے حق بات کو جان تو لیا، مگر جان بوجھ کر فیصلہ اس کے خلاف کیا وہ دوزخی ہے اور اسی طرح وہ قاضی جس کو علم نہ ہو یا تحقیق اور غور و فکر میں کمی اور جہالت سے کوئی فیصلہ دیدیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا
اور اللہ کا عہد پورا کرو

ایک جامع حکم:

اس کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرو خدا کے لئے جو نذر مانو یا قسم کھاؤ بشرطیکہ غیر مشروع بات کی نہ ہو اسے پورا کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ نواں حکم شمار میں تو نواں حکم ہے، مگر حقیقت کے اعتبار سے تمام احکام شرعیہ واجبات اور ممنوعات سب پر حاوی ہے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ
تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے
هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
وہ تم کو جدا کر دیں گے اللہ کے راستہ سے

سیدھا راستہ:

یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً اور عملاً پورا کرنا یہ ہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے جس کی طلب تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستہ پر چلا وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ دین اسلام میرا سیدھا راستہ ہے۔ سو تم اس پر چلو مجھ تک پہنچ جاؤ گے لفظ ھٰذا کا اشارہ پورے دین اسلام کی طرف ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اجمالاً مفہوم ہو چکا ہے اس لئے کہ یہ احکام مذکورہ گو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں سارے اسلام کا خلاصہ ہیں کیونکہ ان میں عقائد اور معاملات اور معاشرات اور عبادات کی مہتم بالشان امور سب مذکور ہیں اور اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام کسی شریعت میں کبھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ چند احکام گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہیں ان عقائد اور اعمال کا ذکر بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اور مقصود وصراط اسلام کا اتباع ہے جو تمام اصول و فروع کو حاوی ہے۔

نکتہ: اس آیت وان ہٰذا صراطی۔ میں لفظ صراط کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف فرمایا اور حضور کو حکم ہوا کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ میرا راستہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ راستہ تو حقیقت میں اللہ کا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

مگر خدا تعالیٰ کے راستہ کے داعی اور ہادی حضور پُرنور ہی ہیں آپ ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے یہ راستہ طے ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں صراط کو حضور پرنور کی طرف مضاف کر دیا گیا جب کہ دوسری آیت میں دین اسلام کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ کہا گیا ہے کما قال تعالیٰ

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

اور اسلام کو حضور پرنور کا راستہ کہنا بطور دعوت اور ہدایت کے ہے آپ اس راستہ کے داعی اور ہادی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ صراط اللہ کا ہے۔

دوسرا فائدہ اس اضافت میں یہ ہے کہ سالکان راہ آخرت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ تم گھبرانا نہیں میں بھی اسی راستہ پر چل رہا ہوں اور اسی راستہ پر چل کر ہم سب خدا تعالیٰ تک پہنچیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم سب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میرے بغیر خدا کا راستہ قطع نہیں ہو سکتا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق
گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بر آ

(معارف القرآن کاندھلوی)

نجات فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس لکیر سے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے اور لوگوں کو اس راستہ کی طرف بلا رہا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک اس کا قلبی جھکاؤ اس (دین) کا تابع نہ بن جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ نووی نے اربعین میں لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ (مظہری)

سیدھے راستے کی مثال:

نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال پیش کی ہے۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کھلے دروازے لگے ہوئے ہیں دروازوں پر پردے چھوٹے ہیں اور سیدھے راستے کے دروازے پر ایک داعی الی اللہ بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! آؤ سیدھے راستے کے اندر داخل ہو جاؤ ادھر ادھر بھٹکو نہیں۔ اور ایک داعی دروازے کے اوپر بیٹھا بلا رہا ہے جب کوئی انسان ان دوسرے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولتا ہے تو کہتے ہیں تجھ پر افسوس اسے نہ کھول۔ اگر اسے کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا۔ اب یہ سیدھا راستہ تو اسلام کا ہے اور دیواریں حدود اللہ ہیں اور یہ کھلے دروازے اللہ کے محارم ہیں اور یہ راستے کے سرے پر بیٹھنے والی چیز کتاب اللہ ہے اور دروازے کے اوپر بیٹھا ہوا شخص انسان کا اپنا ضمیر ہے جو بُرے کاموں سے اس کے دل میں خلش پیدا کرتا ہے گویا خدا کا واعظ ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ
یہ حکم کر دیا ہے تم کو تا کہ تم بچتے رہو
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ
پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے

اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى
نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت
وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
رحمت کے تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں

مذکورہ احکام کا تاریخی پس منظر:

معلوم ہوتا ہے کہ جو احکام اوپر قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ سے پڑھ کر سنائے گئے، یہ ہمیشہ سے جاری تھے۔ تمام انبیاء اور شرائع کا ان پر اتفاق رہا کیا۔ بعدہٗ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتاری جس میں احکام شرع کی مزید تفصیل درج تھی۔ توراۃ عطا فرما کر اس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر خدا نے اپنی نعمت پوری کر دی۔ ہر ضروری چیز کو شرح وبسط سے بیان فرما دیا اور ہدایت ورحمت کے ابواب مفتوح کر دیئے تا کہ اسے سمجھ کر لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا کامل یقین حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ خطاب کا رخ تمام انسانوں کی طرف ہو حضرت آدم کے وقت سے اب تک کے تمام انسان مخاطب ہوں لیکن حاضرین کو غائبین پر تغلیب دے کر صیغہ خطاب کا استعمال کیا گیا۔ اس وقت ثم تراخی حکم کے لئے ہوگا مطلب اس طرح ہوگا اے انسانو! میں نے آغاز آفرینش سے تم کو شرائع پر کاربند رہنے کا تاکیدی حکم دے دیا تھا ہر زمانہ میں شریعتیں آتی رہیں اور ہر شریعت میں یہ نصائح واحکام بھی موجود رہے پھر آخر میں ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کتاب میں کچھ مزید احکام بھی بیان کئے۔ (تفسیر مظہری)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا
اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت والی سو اس پر چلو اور ڈرتے
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
رہو تا کہ تم پر رحمت ہو

قرآن کریم: یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر وباہر حسن وجمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے اسکی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری وباطنی برکات اور صوری ومعنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ (تفسیر عثانی)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اور یا (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے بڑی خیر و برکت والی سو اس پر چلو اور (گناہوں سے) بچو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ یعنی موسیٰ کے بعد اللہ نے قرآن نازل کیا جو خیر و برکت میں توریت سے بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ اس کے الفاظ مختصر ہیں اور مختصر عبارت میں علوم کا کثیر ذخیرہ موجود ہے گویا یہ محیط دائرہ کا مرکز ہے۔ پس توریت کی جگہ اس کے احکام کا اتباع کرو۔ اور مخالفت کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ (تفسیر مظہری)

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ
اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو ان ہی دو
مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ
فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی
لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾
خبر ہی نہ تھی

اب سب کے عذر ختم کر دیئے گئے:

یعنی اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کے نزول کے بعد عرب کے امیین کے لئے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں چھوڑا گیا کہ پیشتر جو آسمانی کتابیں شرائع الٰہیہ کو لے کر اتریں وہ تو ہمارے علم کے موافق انہی دو فرقوں یہود و نصاریٰ پر اتریں بیشک وہ لوگ آپس میں اسے پڑھتے پڑھاتے تھے۔ بعضے اس کا ترجمہ بھی عربی میں کرتے تھے مثلاً ورقہ بن نوفل وغیرہ اور بہت سے مدت تک اس دھن میں لگے رہے کہ عرب کو یہودی یا نصرانی بنالیں۔ لیکن ہمیں ان کی تعلیم و تدریس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ پڑھتے پڑھاتے تھے، وہ چیز کہاں تک اپنی اصلی سماوی صورت میں محفوظ تھی۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان شرائع و کتب کی اصلی مخاطب فقط قوم بنی اسرائیل تھی۔ خواہ اس تعلیم کے بعض اجزاء مثلاً توحید اور اصول دینیہ کی دعوت کو وسعت دے کر بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کے حق میں بھی عام کر دیا گیا ہو تاہم جو شریعت اور کتاب سماوی بحیثیت مجموعی کسی خاص قوم پر اسی کے مخصوص فائدہ کے لئے اتری ہو اس کے درس و تدریس سے اگر دوسری اقوام خصوصاً عرب جیسی غیور و خوددار قوم کو دلچسپی اور لگاؤ نہ ہو تو کچھ مستبعد نہیں، بنا بریں وہ کہہ سکتے تھے کہ کوئی آسمانی کتاب و شریعت ہماری طرف نہیں آئی۔ اور جو کسی مخصوص قوم کے لئے آئی اس سے ہم نے چنداں واسطہ نہیں رکھا پھر ہم ترک شرائع پر کیوں ماخوذ ہونگے۔ مگر آج ان کے لئے اس طرح کے حیلے حوالوں کا موقع نہیں رہا۔ خدا کی حجت اس کی روشن کتاب اور ہدایت و رحمت عامہ کی بارش خاص ان کے گھر میں اتار دی گئی۔ تا کہ وہ اولاً اس سے مستفید ہوں، پھر اس امانت الٰہیہ کو تمام احمر و اسود اور مشرق و مغرب کے باشندوں تک حفاظت و احتیاط کے ساتھ پہنچادیں۔ کیونکہ یہ کتاب کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں اتاری گئی۔ اس کا مخاطب تو سارا جہان ہے۔ چنانچہ خدا کے فضل و توفیق سے عرب کے ذریعہ سے خدا کا یہ عام اور آخری پیغام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ (تفسیر عثانی)

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ
یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم تو راہ پر چلتے ان سے
اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ
بہتر سو آ چکی تمہارے پاس حجت تمہارے
رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ
رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت

کتاب موجود ہے عمل کر کے دکھاؤ:

یعنی پہلی امتوں کا حال سن کر شاید تم کو ہوس ہوتی اور دل میں ولولہ اٹھتا کہ ہمارے پاس خدا کی کتاب آتی تو ہم دوسروں سے بڑھ کر عمل کر کے دکھلاتے۔ سو تم کو ان سے بہتر کتاب دیدی گئی۔ اب دیکھیں کون کیا کام کر کے دکھلاتا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ
اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے اللہ کی آیتوں کو

عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ

اور اُن سے کترا وے ہم سزا دینگے اُن کو جو ہماری آیتوں سے

اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

کتراتے ہیں بُرا عذاب بدلے میں اس کترانے کے

بڑا ظالم: اب ایسی بے مثال روشن کتاب آنے کے بعد اگر اس کی آیتوں کو کوئی جھٹلائے اور اس کے احکام قبول کرنے سے کترائے یا دوسروں کو روکے، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔

تنبیہ: صدف عنہا کے دونوں معنی سلف سے منقول ہیں "روکنا" اور "اعراض کرنا"۔ مترجم علام نے دوسرے معنی لے کر "کترائے" ترجمہ کیا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ اُن پر آئیں فرشتے

اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ

یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن

يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئیگا کسی کے

اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

اُس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا

اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ

یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں

ہدایت کا سامان مکمل ہو چکا ہے قیامت آئے گی:

یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی۔ انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آ چکی تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت ظاہر ہو) کہ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔ صحیح احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے۔ یعنی جب اللہ کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوامیس طبعیہ دنیا کے موجودہ نظم ونسق میں کارفرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کے نزع اور جانکنی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جانکنی کے وقت کا ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان وتوبہ معتبر نہ ہو بعض روایات میں طلوع الشمس من مغربہا کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طلوع شمس من المغرب بھی متحقق ہو تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض ملحدین جو ہر غیر معمولی واقعہ کو استعارہ کا رنگ دینے کے خوگر ہیں وہ طلوع الشمس من المغرب کو بھی استعارہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک قیامت کا آنا بھی ایک طرح کا استعارہ ہی ہوگا۔

تنبیہ: یہ جو کہا کہ "آئیں فرشتے یا تیرا رب" اس کی تفسیر "سیقول" کے نصف پر آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کے تحت میں گذر چکی وہاں دیکھ لیا جائے اور جملہ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا کا عطف اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ پر ہے۔ اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہوگا اور جس نے پہلے سے کسب خیر نہ کیا اُس کا کسب خیر نافع نہ ہوگا۔ (یعنی یعنی توبہ قبول نہ ہوگی) (تفسیر عثمانی)

قیامت کی علامت ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ پہلی علامت کے ظاہر ہوتے ہی کراما

کاتبین کا عمل ختم ہو جائے گا اور اجساد کے اعمال پر گواہی دینے کا وقت آجائے گا اور اس سے پہلے ہی جو صاحب ایمان تھا اور نیک عمل بھی کرتا تھا تو وہ بڑے فائدہ میں رہے گا اور اگر نیک نہ ہو اور توبہ کرنے لگے تو اب توبہ سے کیا حاصل۔ اور ''کَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِهَا خَیْرًا'' کا یہی مطلب ہے یعنی اب عمل صالح قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ اس سے پہلے عمل صالح نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو اس دن کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ یہ کافروں کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اپنے ایمان اور توبہ سے غافل رہے حتیٰ کہ وقت آپہنچا۔ جیسا کہ فرمایا یہ بے سمجھ دقت قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناگہاں وارد ہو جائے، اور جب ایسا ہو جائے گا تو پھر موقع کہاں باقی رہے گا، ارشاد ہوتا ہے کہ جب وہ ہمارا عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور شرکاء سے منکر ہو گئے۔ لیکن عذاب دیکھ چکنے کے بعد ایمان کی ساری باتیں بے کار ہیں۔

علامات قیامت کی احادیث:

حدیث: تین مسلمان مدینہ میں مروان کے پاس تھے اور وہ آیات قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ خروج دجال قیامت کی نشانی ہے۔ اب یہ لوگ عبداللہ عمرؓ کے پاس آئے اور مروان سے جو سنا تھا بیان کیا۔ انہوں نے کہا مروان نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھا ہے تم کو سناتا ہوں۔ پہلی نشانی یہ کہ سورج مغرب سے نکلے۔ پھر دابۃ الارض کا خروج یا کوئی ایک پہلے اور پھر دوسری نشانی اس کے بعد ظاہر ہوگی۔

حدیث: صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض ستر برس کی مسافت ہے۔ یہ توبہ کا دروازہ ہے۔ سورج کے رخ بدل کر نکلنے سے پہلے بند نہ ہوگا۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو لکھا ہے۔

معاویہؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت دو قسم کی ہے۔ ایک تو برائیوں سے ہجرت کر کے نیکیوں کی طرف آنا اور دوسری اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف کرنا اور یہ باقی رہے گی جب تک کہ دروازۂ توبہ بند نہیں ہوگا اور شمس جب مغرب سے نکلے گا تو ہر شخص کے دل پر مہر لگ جائے گی جو کچھ اس کے اندر ہے سو بس وہی ہے اور جو عمل ہو چکا سو بس ہو چکا۔ یہ حدیث اچھے اسناد والی ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آیاتِ قیامت میں سے سب گذر گئے، چار نشانیاں آنا باقی ہیں۔ طلوع شمس مغرب سے، دجال، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج اور وہ نشانی جو اعمال پر مہر لگا دے گی وہ طلوع شمس ہے۔

حدیث: کمرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل ... ہم قیامت سے متعلق باتیں کر رہے بیٹھے تھے۔ حضرتؐ فرمانے لگے کہ اس ... نشانیاں جب تک ظاہر نہ ہو جائیں گی قیامت نہ ہوگی۔ سورج کا مغرب سے طلوع کرنا، ایک زبردست دھواں اٹھنا، دابۃ الارض کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا نکل آنا، عیسیٰ ابن مریم کا نزول، دجال کا نکلنا، تین زلزلے اور زمین کا دھنس جانا۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، ایک جزیرۂ عرب میں۔ قعر عدن سے ایک آگ کا نمودار ہونا، کہ جس کی وجہ سے لوگ بھاگے دوڑے پھر رہے ہوں وہ رات کو کہیں سونا چاہتے ہیں تو وہاں بھی موجود اور دن کو کہیں لیٹنا چاہتے ہیں تو وہاں حاضر۔

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مغرب کی طرف سے طلوع شمس کی کیا نشانی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس دن رات اتنی طویل ہو جائے گی کہ دو راتوں کے برابر۔ راتوں کو نماز پڑھنے والے جاگ اٹھیں گے اور جس طرح نماز تہجد پڑھتے تھے پڑھیں گے۔ ستارے اپنی جگہ قائم دکھائی دیں گے، ڈوبیں گے نہیں۔ یہ لوگ سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے، پھر نماز پڑھیں گے، پھر سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے، لیٹے لیٹے ان کے پہلو سن ہو جائیں گے۔ رات بہت لمبی ہو جائے گی، لوگ گھبرا جائیں گے اور صبح ہوگی نہیں۔ اس انتظار میں ہوں گے کہ سورج مشرق سے ہی طلوع کرے گا کہ یکایک وہ مغرب سے نکلتا دکھائی دے گا۔ اب ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیح بخاری میں اسی آیت کی تفسیر میں بروایت ابو ہریرہؓ یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک یہ واقعہ پیش نہ آجائے کہ آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع ہو، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، یہی وہ وقت ہوگا جس کے لئے قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ اس وقت کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہیں دے گا''۔

اس کی تفصیل صحیح مسلم میں بروایت حذیفہ ابن اسیدؓ اس طرح نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام علاماتِ قیامت کا تذکرہ آپس میں کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اسوقت آپؐ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا، اور ایک خاص قسم کا دھواں، اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا نکلنا، عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا، دجال کا نکلنا اور تین جگہوں پر زمین کا دھنس جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں،

ایک جزیرۃ العرب میں، اور ایک آگ جو عدن کے قعر سے نکلے گی اور لوگوں کو آگے آگے ہنکا کرلے چلے گی۔

اسی آیت کی تفسیر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس وقت قیامت کی آخری نشانیوں میں یہ نشانی ظاہر ہوگی کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا، اور اس کو دیکھتے ہی سارے جہان کے کافر ایمان کا کلمہ پڑھنے لگیں گے اور سارے نافرمان فرمان بردار بن جائیں گے، لیکن اس وقت کا ایمان اور توبہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔ (بغوی بسندہ عن ابی ہریرۃؓ)

اور علامہ بلقینیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ ایمان اور توبہ قبول نہ ہونے کا یہ حکم جو آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے وقت ہوگا، آخر زمانہ تک باقی نہ رہے، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم بدل جائے اور ایمان وتوبہ قبول ہونے لگے (روح المعانی) واللہ اعلم

نزع کے وقت بھی توبہ قبول نہیں ہے:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان توبة العبد تقبل ما لم یغرغر ''یعنی بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک اس کی روح حلق میں آکر غرغرۂ موت کی صورت پیدا نہ ہوجائے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزعِ روح کے وقت جب سانس آخری ہو اس وقت بھی چونکہ فرشتے موت کے سامنے آجاتے ہیں اس وقت بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن، مفتی صاحب)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا لوگو! اس امت میں عن قریب کچھ ایسے لوگ ہونگے جو حکمِ رجم کا انکار کریں گے۔ خروج دجال کی تکذیب کرینگے، پچھم کی طرف سے آفتاب کے طلوع (کی اطلاع) کو جھوٹا قرار دینگے۔ عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے۔ وقوع شفاعت کے بھی قائل نہ ہونگے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ دوزخ سے کچھ لوگوں کو جھلسنے کے بعد نکالا جائے گا۔

دس نشانیاں: حضرت حذیفہؓ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ ہم قیامت کے متعلق باہم گفتگو میں مشغول تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا جب تک قیامت سے پہلے تم دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے قیامت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے (مندرجہ ذیل امور کا) ذکر فرمایا دھواں، دجال۔ دابۃ الارض۔ مغرب سے سورج کا طلوع، عیسیٰ بن مریم کا اترنا، یاجوج ماجوج کا خروج۔ تین مرتبہ زمین کا دھنسنا، ایک بار مشرق میں ایک بار مغرب میں، ایک بار جزیرۂ عرب میں۔ آخر میں یمن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف کھدیڑ کر لیجائیگی ایک دوسری روایت میں ہے کہ قعرِ عدن سے ایک آگ برآمد ہوگی جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہنکا کر لیجائیگی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ دسویں چیز ایک ہوائی طوفان ہوگا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دیگا۔ رواہ مسلم

سب سے پہلی نشانی:

حضرت عبداللہ بنؓ عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے سب سے پہلی نشانی مغرب سے طلوع آفتاب اور دن چڑھتے دابۃ الارض کا خروج ہوگا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہوجائیگی فوراً اس کے پیچھے دوسری علامت بھی آجائیگی۔ رواہ مسلم۔

دجال: حضرت نواسؓ بن سمعان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا اگر میری موجودگی میں وہ برآمد ہوگیا تو میں تمہاری طرف سے اس سے نمٹ لونگا اور اگر میں نہ ہوا اور وہ نکلا تو اس وقت ہر شخص اپنا دفاع کرے ہر مسلمان کا میری بجائے (براہ راست) اللہ نگہبان ہے۔ دجال جوان ژولیدہ مو ہوگا جس کی ایک آنکھ باہر کو ابھری ہوئی یعنی پھولے والی ہوگی گویا عبدالعزی بن قطن سے میں اس کو تشبیہ دے سکتا ہوں اگر تم میں سے کوئی اس کو پالے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات اس پر پڑھے وہ آیات دجال کے فتنہ سے پڑھنے والے کے لئے بچاؤ ہوجائیں گی۔ دجال شام وعراق کے درمیان خلہ میں برآمد ہوگا۔ دائیں بائیں تباہی مچائیگا۔ اللہ کے بندو تم (ایمان پر) جمے رہنا! ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا قیام زمین پر کتنی مدت ہوگا۔ فرمایا چالیس روز اس میں ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن ایک ماہ کے برابر ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی دن تمہارے انہی دنوں کی طرح ہونگے۔ ہم نے عرض کیا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نمازیں ہونگی۔ فرمایا نہیں اس کا اندازہ کرلینا۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ زمین میں کتنی تیز رفتار سے چلے گا۔ فرمایا جیسے ہوا اپنے پیچھے بارش لاتی ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے جب اس کا گزر ہوگا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اس پر آسمان اس کے حکم سے ان پر مینہ برسائے گا اور زمین سبزہ پیدا کردے گی ان کے مویشی شام کو جنگل سے واپس آئیں گے تو ان کے تھن (دودھ سے)

خوب بھرپور اور کوکیں پھولی ہونگی (یعنی موٹے ہو جائیں گے) پھر کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے گا اور ان کو دعوت دے گا مگر وہ دجال کی دعوت کو رد کردینگے جب دجال ان کے پاس سے واپس ہوگا تو وہ سب کال میں مبتلا ہو چکے ہونگے مال بالکل ختم ہو چکا ہوگا ان کے پاس کچھ نہ ہوگا دجال ویرانے کی طرف سے گزرے گا وہ اپنے دفینے باہر نکال دے گا فوراً سارے خزانے اس کے پیچھے ہولیں گے جیسے شہد کی مکھیاں یعسوب کے پیچھے ہوتی ہیں۔ پھر دجال ایک شخص کو بلائے گا جو جوانی سے بھرپور ہوگا تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے (الگ الگ) بقدر نشانہ تیر پھینک دے گا پھر اس کو بلائے گا تو وہ شگفتہ رو ہنستا ہوا سامنے سے آجائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور یاجوج ماجوج:

دجال اپنی اسی حالت میں ہوگا کہ اللہ مسیح بن مریم کو بھیجدے گا۔ مسیح دمشق کے شرقی جانب سفید منارہ کے پاس دو فرشتوں کے بازوؤں پر دونوں ہاتھوں کا سہارا دیئے اترینگے سر جھکائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح (پسینہ کے) قطرے ٹپکیں گے اور سر اٹھائیں گے تب بھی موتیوں کی طرح (چہرہ سے) قطرے بہیں گے۔ جس کافر کو ان کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ مرجائے گا اور ان کے سانس کی رسائی وہاں تک ہوگی جہاں تک نظر کی پہنچ ہوگی۔ مسیح دجال کو ڈھونڈھیں گے اور باب لد کے پاس اس کو پاکر قتل کردیں گے۔ پھر عیسیٰ کے پاس کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا۔ عیسیٰ ان کے چہروں سے غبار صاف کرینگے اور جنت میں (ملنے والے) ان کے مراتب بیان کرینگے۔

اس کے بعد اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجے گا کہ اب میں نے اپنے بندے ایسے پیدا کردیئے ہیں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تم میرے ان بندوں کو سمیٹ کر طور کی طرف لے جاؤ۔ اس کے بعد اللہ یاجوج ماجوج کو بھیج دے گا جو ہر ٹیلہ کے پیچھے سے پھیلتے جائینگے (ان کی تعداد اتنی ہوگی کہ) ان کا اگلا گروہ جب بحیرۂ طبریہ پر گزرے گا تو سب پانی پی جائے گا اور آخری لوگ جب وہاں سے گزریں گے تو کہیں گے یہاں کبھی پانی تھا۔ یاجوج ماجوج چلتے پھرتے جب کوہ خمر یعنی کوہ بیت المقدس تک آئیں گے تو کہیں گے ہم نے زمین کے باشندوں کو تو قتل کر دیا اب ہم آسمان والوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے چھوٹے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور اللہ ان کے تیروں کو خون سے رنگین کر کے واپس کردے گا (تو بہت خوش ہونگے) اللہ کا نبی اور اس کے ساتھی (اس پوری مدت میں کوہ طور پر) محصور رہیں گے یہاں تک کہ ایک بیل کی سری ان کے لئے اس سے زیادہ بہتر ہوگی جتنے آج کل سو دینار تمہارے لیے۔

یاجوج ماجوج کی موت:

اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی دعاء کرینگے تو اللہ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں گلٹیاں پیدا کردے گا جن کی وجہ سے سب کے سب ایک آدمی کی طرح صبح کو مرجائیں گے۔ پھر عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے ساتھی نیچے اتر کر آئینگے لیکن زمین پر بالشت بھر جگہ ان کو ایسی نہیں ملے گی جو سڑاند اور تعفن سے بھری نہ ہو۔ عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے ساتھی اللہ سے دعاء کرینگے تو اللہ کچھ پرندوں کو بھیج دے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح (لمبے لمبے) ہونگے۔ یہ پرندے ان کو اٹھا کر لے جائیں گے اور جہاں اللہ کی مرضی ہوگی پھینک دیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ ان کو نہبل میں پھینک دے گا اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں تیروں اور تیر دانوں کو سات برس تک ایندھن کے طور پر استعمال کرینگے۔ پھر اللہ بارش کردے گا جو ساری زمین کو دھوکر باغ کی طرح کردے گا۔ کسی کچے مکان یا ڈیرے کی چھت محفوظ نہیں رہے گی۔

بے مثال خوشحالی:

اس کے بعد زمین کو حکم ہوگا اپنی سبزی اگا اور پیداوار کو لوٹا کردے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ایک انار ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا اور انار کے چھلکے سے لوگ سائبان بنائیں گے۔ دودھ میں برکت ہوجائے گی دودھ دینے والی ایک اونٹنی ایک بڑے گروہ کے لئے دودھ دینے والی ایک گائے ایک قبیلہ کے لئے اور دودھ دینے والی ایک بکری قبیلہ کے ایک خاندان کے لئے کافی ہوگی۔

مؤمنوں کا اٹھ جانا:

اسی حالت میں اللہ ایک خوشگوار ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور ہر مؤمن ومسلم کی روح قبض ہوجائے گی صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو فتنے فساد اور گڑبڑ کرینگے جیسے گدھے آپس میں کرتے ہیں۔ انہی پر قیامت بپا ہوگی۔

دجال کے فتنے:

حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال خروج کرے گا اس کے ساتھ پانی بھی ہوگا اور آگ بھی۔ لوگ جس کو پانی

خیال کرینگے وہ آتش سوزاں ہوگی اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا۔ تم لوگوں میں جو شخص اس کو پائے تو جس کو آگ سمجھتا ہو اسی میں پڑ جائے۔ وہ حقیقت میں شیریں پاکیزہ پانی ہوگا۔ متفق علیہ۔ مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ دجال کی ایک آنکھ پٹ ہوگی ایک موٹا ناخونہ اس پر چڑھا ہوگا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوگا جس کو ہر مؤمن پڑھ لے گا لکھنے والا ہو یا لکھنے والا نہ ہو۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ دجال کے ساتھ جنت ودوزخ کی شبیہ (یعنی راحت ودکھ کی چیزیں) ہونگی جس کو وہ جنت کہے گا وہ دوزخ ہوگی۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت سے مسلم نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ مسلم نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اس کو یعنی دجال کو جب مؤمن دیکھے گا تو کہے گا لوگو! یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا دجال کے حکم سے اس کو سر کی مانگ سے نیچے تک آرے سے چیر کر دونوں ٹانگیں الگ الگ کر دی جائیں گی پھر دجال دونوں ٹکڑوں کے درمیان جا کر کہے گا اٹھ جا۔ مؤمن زندہ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ دجال اس سے کہے گا کیا (اب) تجھے میرا یقین ہوا۔ مؤمن کہے گا تیرے اس فعل سے تو میری بصیرت اور بڑھ گئی (یقیناً تو دجال ہے) الحدیث

امام احمدؒ نے حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ دجال کے شدید ترین فتنوں میں سے ایک واقعہ یہ ہوگا کہ دجال ایک اعرابی سے جا کر کہے گا اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا تو جب بھی مجھے اپنا رب نہ مانے گا۔ اعرابی کہے گا ضرور مانوں گا۔ فوراً شیطان اس کے اونٹوں کے بھیس میں اسکے سامنے آجائے گا ان کے لمبے لمبے خوبصورت تھن اور اونچے اونچے کوہان ہونگے۔ ایک شخص کا بھائی اور باپ مر چکا ہوگا، دجال اس سے کہے گا اگر میں تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا تو مجھے اپنا رب نہیں مانے گا۔ وہ شخص کہے گا بے شک مان لونگا فوراً شیطان اسکے باپ اور بھائی کی شکل میں نمودار ہو جائیگا۔ الحدیث

امام مہدی کا ظہور:

(امام) مہدی کا ظہور مذکورۂ بالا نشانیوں سے پہلے ہوگا حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا کی عمر کا صرف ایک دن رہ جائے گا تب بھی اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دیگا کہ ایک شخص کو مبعوث فرمادے جو مجھ سے ہوگا۔ یا فرمایا وہ میرے اہل بیت میں سے ہوگا اسکا نام میرے نام کے اور اسکے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا (یعنی وہ بھی محمد بن عبداللہ ہوگا) جس طرح (اس زمانہ میں) زمین ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوگی وہ اتنا ہی زمین کو انصاف اور عدل سے بھر دیگا۔ ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں دنیا ختم نہیں ہوگی جب تک عرب کا مالک ایک ایسا شخص نہ ہو جائے گا جو میرے اہل بیت سے ہوگا اور اس کا نام میرا نام ہوگا۔

حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک خلیفہ کے مرنے پر لوگوں میں اختلاف ہو جائیگا تو اہل مدینہ میں سے ایک شخص بھاگ کر مکہ کو چلا جائے گا وہاں مکہ والے اس کو (گھر کے اندر سے) نکال کر باہر لائینگے۔ وہ پسند نہ کرے گا مگر اس کی ناگواری کے باوجود رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی بیعت کرینگے۔ اس کے پاس ایک وفد شام سے بھیجا جائے گا مگر مکہ اور مدینہ کے درمیان بیداء میں اللہ اس کو زمین کے اندر دھنسا دے گا۔ لوگ جب یہ حالت دیکھیں گے تو پھر اس کے پاس شام کے ابدال اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور اس کی بیعت کریں گے۔ یہ شخص نبی کی سنت پر عمل کرے گا اور اسلام اپنا سینہ زمین پر ٹکا دے گا (یعنی ساری زمین پر اسلام بپا ہو جائے گا۔) سات برس تک یہ شخص رہے گا پھر اس کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ (رواہ ابوداود)

ابوداود کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحب زادے (امام) حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید (کے لفظ) کے ساتھ اس کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو تمہارے نبی کا ہم نام ہوگا اور خوخصلت میں تمہارے نبیؐ کے مشابہ ہوگا اگرچہ جسمانی بناوٹ میں آپؐ کے مشابہ نہ ہوگا۔ وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان مہدی کے قصہ کے سلسلہ میں آیا ہے پھر ایک شخص آ کر مہدی سے کہے گا، مہدی! مجھے کچھ دیجئے مجھے کچھ عنایت کیجئے۔ مہدی لپوں سے بھر کر (دونوں ہاتھوں سے بھر کر) اس کے کپڑے میں اتنا ڈال دینگے جتنا وہ اٹھا سکتا ہوگا۔ رواہ الترمذی۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے آسمان کے رہنے والے اور زمین کے رہنے والے اس سے راضی ہونگے آسمان سے خوب موسلا دھار بارشیں ہونگی اور زمین اپنے اندر کی ہر سبزی برآمد کر دے گی یہاں تک کہ زندے مردوں کی تمنا کرینگے (کاش وہ بھی زندہ ہوتے اور یہ ارزانی وفراوانی دیکھتے) مہدی اس حالت میں سات یا آٹھ یا نو سال رہیں گے (پھر آپ کی وفات ہو جائے گی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے مغرب میں توبہ کا

دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کے راستہ کے برابر ہے جب تک سورج کا طلوع اس طرف سے نہ ہوگا وہ دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔ یہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان کی يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (یعنی آیت میں بعض آیات سے مغرب سے آفتاب کا طلوع مراد ہے) رواہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث صفوان بن عسال۔ مسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ (قبول توبہ کے لئے) رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ دن کا گناہگار (رات کو) توبہ کرلے۔ اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ رات کا گناہگار (دن کو) توبہ کرلے یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب آفتاب پچھم کی طرف سے نکلے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مسلم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مغرب کی طرف سے سورج نکلنے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ احمد داری اور ابوداؤد نے حضرت معاویہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ بند نہ ہوجائے اور توبہ بند نہ ہوگی جب تک سورج مغرب کی طرف سے برآمد نہ ہوجائے۔

آیت میں ایمان سے مراد کیا ہے:

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا میں ایمان سے مراد توبہ ہے لیکن کچھ احادیث میں ایمان سے توبہ کے علاوہ دوسرا معنی بھی مراد لیا گیا ہے۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی جب تک سورج مغرب کی طرف سے برآمد نہ ہوجائے۔ جب سورج (مغرب سے) نکل آئے گا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے لیکن جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی اس وقت اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین امور ہیں جب وہ ظاہر ہوجائیں گے تو جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی اس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہوگا۔ دجال، دابۃ الارض اور آفتاب کا مغرب سے طلوع۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا میں ایمان سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اس وقت سے پہلے مؤمن نہ ہو گیا ہو اس وقت اس کا ایمان لانا معتبر نہ ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح، اولاد اور تدفین

ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریمؑ زمین پر اتریں گے نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور ۴۵ برس (زندہ) رہیں گے پھر مر جائیں گے اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کئے جائیں گے اور عیسیٰؑ بن مریم ایک قبر سے ابوبکرؓ و عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

بعض آیات:

یعنی علامات قیامت میں سے ایک بڑی شرط آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے۔ آیت مذکورہ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ میں بعض آیات سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا مراد ہے اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم اور ثابت ہے۔ آیات سماوی میں پہلی آیت مغرب سے آفتاب کا نکلنا ہے یعنی پہلی آیت (نشانی) جو اختلال نظام افلاک و سیارگان سے مشاہدہ ہوگی وہ یہ آیت (نشانی) ہے کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا قیامت کی آسمانی علامتوں میں سے پہلی علامت مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے اور یہ علامت خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوگی اور اس کے بعد دابۃ الارض کا زمین سے پیدا ہونا یہ زمینی علامتوں میں سے پہلی علامت ہوگی اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا اور آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔

تنبیہ: آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا عقلاً محال نہیں جو خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے وہ اس کو مغرب سے بھی نکالنے پر قادر ہے جس طرح آفتاب کا نفس وجود اس کے ارادہ سے ہے اسی طرح اس کی حرکت بھی اسی کے ارادہ سے ہے۔ (معارف القرآن، کاندھلوی)

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا

جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے

شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا

بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا

أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا

کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی جتلائے گا

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۝
اُن کو جو کچھ وہ کرتے تھے

تمام انبیاء متحد تھے:

پچھلے رکوع میں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ سے بہت سے احکام بیان فرما کر ارشاد ہوا تھا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی صراط مستقیم (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے۔ اس سے ہٹ کر گمراہی کے راستے بہت ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین اصولی حیثیت سے اُسی ایک راہ پر چلے اور لوگوں کو بلاتے رہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ۔ رکوع۲)

اصول دین میں اُن کے باہم کوئی تفریق نہیں۔ زمان و مکان اور خارجی احوال کے اختلاف سے فروع شرعیہ میں جو تفاوت ہوا، وہ تفرق نہیں۔ بلکہ ہر وقت کے مناسب رنگ میں ایک ہی مشترک مقصد کے ذرائع حصول کا تنوع ہے جو دین انبیاء سابقین لے کر آئے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بھی اس کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل و تفصیل کی غرض سے اتاری گئی۔ سب کے آخر میں قرآن آیا جو تمام کتب سابقہ کی تتمیم و تصدیق اور ان کے علوم و معارف کی حفاظت کرنے والا ہے۔ درمیان میں ان کتب و شرائع سے اعراض کرنے والوں کا حال بیان کر کے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ سے پھر اصل مطلب کی طرف عود کیا گیا۔ یعنی دین الٰہی کا راستہ (صراط مستقیم ایک ہے)۔

فرقہ بندی کرنے والوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واسطہ نہیں ہے

جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر جُدا جُدا راہیں نکالتے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے، ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سرور کار نہیں۔ یہ سب فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ میں داخل ہیں۔ آپ ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک راستہ (صراط مستقیم پر جمے رہیئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دے گا جو کچھ دین میں گڑ بڑی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو باتیں یقین لانے کی ہیں (اصول دین) ان میں فرق نہ چاہئے اور جو کرنے کی ہیں (فروع دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو بُرا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اہل بدعت: حکیم ترمذی اور ابن جریر اور طبرانی وغیرہم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان الذین فرقوا دینھم الخ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل شبہات اور اہل ضلالت مراد ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۶ ج ۲ و روح المعانی ص ۶۰ ج ۸ و تفسیر قرطبی ص ۱۴۹ ج ۷۔

غرض یہ کہ اس آیت کے عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے علاوہ مدعیان اسلام میں کے اہل بدعت جیسے خوارج اور روافض اور قدریہ اور مرجئہ وغیرہ بھی داخل ہیں جو ما انا علیہ واصحابی کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

ائمہ مجتہدین:

اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف اس میں داخل نہیں اُن کا اختلاف اختلاف رحمت تھا جس طرح تمام صحابہؓ اصول دین میں متفق تھے اور فروع میں مختلف تھے اسی طرح ائمہ مجتہدین اصول دین میں متفق ہیں اور فروع میں مختلف ہیں۔

غیر مقلدین:

البتہ غیر مقلدین کا گروہ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا کا مصداق ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہر غیر مقلد ایک مستقل مجتہد بنا ہوا ہے اور ہر مسئلہ میں جدا مذہب رکھتا ہے ائمہ اربعہ کا اختلاف تو چار تک محدود تھا اور ان مدعیان عمل بالحدیث کے اختلاف اور افتراق کی کوئی حد ہی نہیں ہر غیر مقلد اپنی جگہ ایک مستقل امام اور مجتہد ہے اور دوسرے کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے اور اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی کو توحید سمجھتا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

بنی اسرائیل اور امت محمدیہ کے فرقے:

ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی و حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے اور عیسائیوں کے بہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے۔ اور میری امت پھٹ کر تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک کے سوا سب گڑھے (دوزخ) میں جائیں گے۔ بغوی نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے

فرمایا جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا اور گروہ گروہ بن گئے وہ اس امت میں بدعتی ہوا پرست ہیں (یعنی اس امت میں جو بدعتی اور اصحاب الھوی ہیں وہ اس آیت کے ذیل میں آتے ہیں) اخرجہ الطبرانی وغیرہ بسند جید۔ طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی عمدہ سند کے ساتھ ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ احمد ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی نماز کے بعد ہماری طرف رخ کر کے ایسا بلیغ وعظ فرمایا جس کو سن کر دل ڈر گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ارشاد فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس بات کی کہ (امیر کی) اطاعت کرنا خواہ وہ حبشی غلام ہی ہو۔ میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ (مسلمانوں میں) بڑا اختلاف دیکھے گا مگر تم میرے طریقہ اور ان خلفاء راشدین کے طریقہ پر جو ہدایت کار اور ہدایت یافتہ ہوں گے جمے رہنا اور نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ (دین کے اندر پیدا کی ہوئی) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں نماز پڑھانے کا ذکر نہیں ہے باقی حدیث موجود ہے۔ صاحب مصابیح نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عظمت والے گروہ کی پیروی کرو جو (اس سے) بچھڑا بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انس کی روایت سے لکھی ہے۔

جماعت کے ساتھ رہو:

ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی جمہور پر اللہ کا ہاتھ ہے جو (جمہور سے بچھڑا) وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پگڈنڈیوں سے (یا مختلف گھاٹیوں سے) پرہیز رکھو اور جماعت وجمہور کو اختیار کرو۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بالشت بھر جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی۔ رواہ احمد وابوداؤد۔ جماعت سے مراد ہے صحابہؓ اور صحابہؓ کے پیچھے چلنے والوں کی جماعت۔

امت محمدیہ یہودیوں کے قدم بہ قدم:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی قدم بقدم وہی واقعات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہے تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا جو یہ فعل کرے گا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے پھٹ کر تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے سوائے ایک کے سب دوزخی ہونگے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا فرقہ ہوگا فرمایا (وہ فرقہ وہ ہوگا جو) اسی طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔ رواہ الترمذی۔

اس امت کے مجوسی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قدریہ (یعنی معتزلہ جو بندہ کو اپنے تمام افعال کا قادر مطلق جانتے ہیں) اس امت کے مجوسی ہیں اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو مر جائیں تو جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ رواہ احمد وابوداؤد من حدیث ابن عمرؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے دو قسم کے لوگوں (یعنی دو فرقوں) کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجئہ اور قدریہ (مرجئہ فرقہ قائل ہے کہ صرف ایمان ہر قسم کے عذاب سے بچانے کے لئے کافی ہے عمل کی کوئی ضرورت نہیں، ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ ضرر رساں نہیں) رواہ الترمذی

لعنت کئے گئے لوگ:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ (طرح کے لوگ) ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ نے بھی اور ہر مقبول الدعاء نبی نے بھی۔ اللہ کی کتاب میں بیشی کرنے والا۔ تقدیر خداوندی کا انکار کرنے والا۔ زبردستی لوگوں پر تسلط جمانے والا تاکہ جن لوگوں کو اللہ نے عزت دی ہے۔ ان کو ذلیل کر دے اور جن کو اللہ نے ذلت دی ہے ان کو معزز بنا دے۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دینے والا میری عترت (اولاد نسل) کے ساتھ اس عمل کو حلال سمجھنے والا جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور میرے طریقے کو چھوڑنے والا۔ یہ حدیث رزین نے اپنی کتاب میں اور بیہقی نے المدخل میں ذکر کی ہے۔

میں کہتا ہوں اللہ کی کتاب میں بیشی کرنے والے رافضی ہیں جن کا عقیدہ پورا قرآن اس موجودہ مصحف سے زائد تھا کچھ حصہ صحابہؓ نے اس میں سے نکال دیا ہے۔ آیت اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پر رافضیوں کا ایمان نہیں ہے۔ اور تقدیر خداوندی کے منکر قدریہ فرقہ والے ہیں (جو انسان کو اپنے افعال کا قادر مطلق جانتے ہیں اور اللہ کو افعال عباد کا خالق نہیں مانتے) اور عترت رسول سے (ممنوعہ) سلوک کو حلال سمجھنے والے خارجی ہیں اور طریقہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے والے تمام بدعتی ہیں جو اپنی رائے پر چلتے ہیں اور قرآن کی آیات متشابہات کی خود ساختہ تاویلیں کرتے ہیں اور سلف صالحین نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے اس کو نہیں مانتے۔ یہ مشبہ اور مجسمہ (اللہ کے اندر مخلوق کی ایسی صفات ماننے والے اور اللہ کا جسم قرار دینے والے) فرقے ہیں اور انہی کی طرح جو دوسرے گروہ ہیں ان کا شمار بھی طریقہ رسول کے ترک کرنے والوں میں ہے۔ رافضیوں نے تو دین کو ہی چھوڑ دیا کیونکہ دین کا حصول قرآن وحدیث اور اجماع سے ہی ہوتا ہے اور انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا بلکہ اس پر اعتماد کرنے سے ہی منکر ہو گئے ان کا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اصل قرآن کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ حذف کر دیا اور جو کچھ بڑھانا چاہا بڑھا دیا انہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ترک کر دیا یہ سب صحابہؓ کو کافر اور مرتد کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آنے والوں کو حدیث کا علم صرف انہی لوگوں کے ذریعے ہو سکتا ہے جنہوں نے خود سن کر نقل کیا ہو اور نقل کرنے والے صحابیؓ ہی ہو سکتے ہیں اس لئے حدیث کا علم بغیر صحابہؓ کے ممکن نہیں اور جب صحابہؓ کو کافر مرتد قرار دیدیا تو حدیث کا انکار ہو گیا۔ انہوں نے اجماع صحابہؓ کا بھی انکار کر دیا اور خود ساختہ احادیث و اقوال کی نسبت حضرت امام جعفرؒ صادق اور حضرت امام محمدؒ باقر اور ان کے اسلاف کرام کی طرف کر دی اور چونکہ تواتر سے ثابت ہو گیا کہ ان سچے اماموں کے اقوال آثار صحابہؓ کے مطابق ہیں (اور اس مطابقت کی کوئی تاویل بن نہ پڑی) تو تقیہ کی فرضیت کا قول گھڑ لیا (اور کہہ دیا کہ ان سچے اماموں نے تقیہ کر لیا تھا) ان کا ظاہری کلام صحابہؓ کی روایات کے مطابق ہے اور حقیقت میں انہوں نے تقیہ کیا تھا ہمارے اسلاف کو اماموں نے پوشیدہ طور پر اصل حقیقت سے واقف کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ ان اسرار کو ظاہر نہ کرنا دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں احتیاط رکھنا۔ اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ جو بات اخفاء اور اسرار کے طور پر کہی جائے اس کی روایت شہرت و تواتر کی حد تک نہیں ہو سکتی۔ اخبار احاد خواہ ان کے راوی کتنے ہی قابل بھروسہ اور ثقہ ہوں پھر بھی ظن کی حد سے آگے نہیں بڑھتیں اور یقین عطا نہیں کرتیں اور یہاں تو راویوں کے ثقہ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں مشہور دروغ گو شیطان ان اقوال کے راوی ہیں جن کی نسبت ائمہ کرام کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے عبداللہ بن سبا منافق یہودی، ہشام بن سالم، ہشام بن حکم، یزید بن جہم الہلالی، شیطان الطاق اور دیک الجن شاعر وغیرہ ہم نے ان کی اور دوسرے رافضی راویوں کے احوال السیف المسلول میں لکھ دیئے ہیں۔ شاید قرآن کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ اس نے رافضیوں کی طرف جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں آیت ذیل میں اشارہ کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دو گروہ

وَكَانُوْا شِيَعًا: اور ہو گئے وہ گروہ گروہ، ہر گروہ اپنے خود ساختہ لیڈر کا شیعہ (پیرو تبع) بن گیا، حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے اندر عیسیٰؑ کی حالت کی مشابہت ہے عیسیٰؑ سے یہودیوں نے اتنا بغض کیا کہ ان کی ماں پر بھی تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے اتنی محبت کی کہ ان کا اتنا (اونچا) مرتبہ قرار دیا جو ان کے لئے جائز نہ تھا (یعنی خدا کا بیٹا بنا دیا) حضرت علیؓ نے فرمایا میرے سلسلہ میں دو (قسم کے) آدمی تباہ ہو گئے ایک تو حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا جو میرے اندر ایسے (اعلیٰ) اوصاف مانتا ہے جو میرے اندر نہیں ہیں دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جس کو میری دشمنی اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ مجھ پر تہمت تراشی کرتا ہے۔ رواہ احمد

حضرت حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جن کو رافضی کہا جائے گا وہ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔ (رواہ البیہقی)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد کچھ لوگ ہونگے جن کو رافضی کہا جائے گا اگر تم ان کو پاؤ تو قتل کر دینا وہ یقیناً مشرک ہونگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شناخت کیا ہے فرمایا وہ حد سے بڑھ کر تمہارے ایسے اوصاف قرار دیں گے جو تمہارے اندر نہیں ہیں اور سلف پر نکتہ چینی کریں گے رواہ الدار قطنی۔ دار قطنی نے دوسرے طریق روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے، وہ ہماری یعنی ہمارے اہل بیت کی محبت کے مدعی ہوں گے مگر واقع میں وہ ایسے نہیں ہوں گے ان کی شناخت یہ ہوگی کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اور طبرانی نے بسند معتبر حضرت فاروق اعظمؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس آیت میں جن فرقوں کا ذکر ہے وہ اہل بدعت اور اپنی خواہشات و خیالات کے تابع نئے طریقے ایجاد کرنے والے ہیں۔ یہی مضمون ابو ہریرہؓ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے، اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں نئے نئے طریقے اپنی طرف سے ایجاد کرنے کو بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

دین میں بدعت ایجاد کرنے پر وعید شدید:

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس میں پچھلی امتوں کے لوگ بھی داخل ہیں،

جنہوں نے اپنے اصول دین کو ترک کر کے اپنی طرف سے کچھ چیزیں ملا دی تھیں، اور اس امت کے اہل بدعت بھی جو دین میں اپنی طرف سے بے بنیاد چیزوں کو شامل کرتے رہتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ:۔

''میری امت کو بھی وہی حالات پیش آویں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے جس طرح کی بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہوئے میری امت کے لوگ بھی مبتلا ہوں گے، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت کے تہتر فرقے ہو جاویں گے جن میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے۔

نجات والے لوگ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے، فرمایا ما انا علیہ واصحابی یعنی وہ جماعت جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گی وہ نجات پائے گی، اس روایت کو ترمذی، ابو داؤد نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مشکلات اور مبہمات کی تفسیر اور اپنی سنت کی تفصیلات ... اپنے بلا واسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ سکھلائیں، اس لئے جمہور صحابہ کا عمل پوری شریعت الٰہیہ کا بیان وتفسیر ہے۔

چھ قسم کے لوگ:

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ آدمیوں پر میں لعنت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرے۔ ایک وہ شخص جس نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا (یعنی خواہ کچھ الفاظ بڑھا دیئے یا معنی میں ایسی زیادتی کر دی جو تفسیر صحابہ کے خلاف ہے) دوسرے وہ شخص جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا، تیسرے وہ شخص جو امت پر زبردستی مسلط ہو جائے تاکہ عزت دیدے اس شخص کو جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہے اور ذلت دیدے اس شخص کو جس کو اللہ نے عزت دی ہے، چوتھے وہ شخص جس نے اللہ کے حرام کو حلال سمجھا، یعنی حرم مکہ میں قتل وقتال کیا۔ یا شکار کھیلا، پانچویں وہ شخص جس نے میری عترت واولاد کی بے حرمتی کی، چھٹے وہ شخص جس نے میری سنت کو چھوڑ دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ
جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا
اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پاویگا
مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا

مجازات کا عام قانون:

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ میں ان کے افعال شنیعہ کی مجازات پر متنبہ کیا گیا تھا، ساتھ ہی ہر نیک وبد کی مجازات کا عام قانون بتلا دیا کہ بھلائی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے اور برائی کا زائد از زائد اس کی برابر یعنی جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم ویسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا زائد کی حد نہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اور جو ایک بدی کا مرتکب ہوا تو ویسی ایک بدی کی جس قدر سزا مقرر ہے اس سے آگے نہ بڑھیں گے تخفیف کر دیں یا بالکل معاف فرما دیں، یہ اختیار ہے۔ پھر جہاں وفور رحمت کی یہ کیفیت ہو وہاں ظلم کا کیا امکان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں) تمہارا رب عزوجل بڑا رحیم وکریم ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی نیک کام کا ارادہ کیا لیکن عمل میں نہ لا سکا تو بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور اگر عمل کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہ اضافہ حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے سات سو گنا تک بھی جا پہنچتا ہے۔ اور اگر کسی نے ایک گناہ کا ارادہ کیا لیکن اس کو عمل میں نہ لایا تو اس کے لئے بھی ایک نیکی درج ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو گناہ دس نہیں بلکہ ایک لکھا جائے گا اور اگر چاہے تو اس کو بھی مٹا دیتا ہے۔ ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک عمل نیک کیا، اس کو دس حصے زیادہ ثواب ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اگر ایک بدی کی تو اُس کی سزا ایک حصہ ہی ہے۔ بلکہ شاید وہ بھی معاف ہو جائے۔ جو مجھ سے ملے اور دنیا بھر کی خطائیں بھی لائے لیکن شرک نہ لائے تو بھی میں اس پر اتنی ہی مغفرت نازل کروں گا۔ جو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں، اور جو میری طرف چلتا آتا ہے میں اس کے پاس دوڑتا آتا ہوں۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اگر دو مسلمان دو تلواریں لے کر آپس میں لڑنے لگیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قاتل تو ظاہر ہے کہ دوزخی ہوگا لیکن بیچارہ مقتول کیوں دوزخی ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کے درپے تھا۔ اگر مقتول کا داؤ چل جاتا تو وہی قاتل بن جاتا۔ اب اگر وہ قاتل نہیں بنا ہے تو یہ ایک مجبوری کی بنا پر تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اسلام کا حُسن:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی اپنے اسلام کو خوب ٹھیک کرلے تو پھر اگر ایک نیکی کرے گا تو اس کے لئے اس جیسی نیکیاں دس گنے سے لیکر سات سو گنا تک لکھی جائیں گی اور اگر کوئی بدی کرے گا تو اتنی ہی بدی لکھی جائے گی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ متفق علیہ۔ اس فرمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند گنا کرنے کو حسن اسلام سے وابستہ کیا اور حسن اسلام صرف دل کی صفائی اور نفس کے تزکیہ سے حاصل ہوتا ہے اور ان دونوں کا تعلق اخلاص عمل سے ہے تزکیہ قلب ونفس کے بعد ہی عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

اس امت کی دوسری امتوں سے نسبت:

گذشتہ امتوں کے لئے ایک نیکی کا جتنا ثواب مقرر کیا گیا تھا اس سے دس گنا ثواب اس نیکی کا امت محمدیہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی میعاد گذشتہ امتوں کی میعاد کی نسبت سے ایسی ہے جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت اور یہود و نصاریٰ کی حالت کے مقابلہ میں تم لوگوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کام کرنے کے لئے کچھ مزدور رکھے اور کہہ دیا کہ جو شخص دوپہر تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قیراط ملے گا۔ یہودیوں نے اس قول کے مطابق ایک ایک قیراط مزدوری پر آدھے دن کام کیا پھر اس شخص نے کہا اب جو شخص دوپہر سے عصر کی نماز تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قیراط ملے گا اس قول کے مطابق نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس شخص نے کہا اب جو شخص عصر کی نماز سے سورج غروب ہونے تک کام کرے گا اس کو دو دو قیراط ملیں گے۔ سنو۔ تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے مغرب تک کام کرو گے۔ اور دوہرا اجر پاؤ گے یہ فیصلہ سن کر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے اور بولے کام تو ہمارا زیادہ اور اجرت سب سے کم۔ اللہ نے فرمایا میں نے تمہارا کچھ حق تلفی کرلی انہوں نے جواب دیا یہ بات تو نہیں ہوئی اس پر اللہ نے فرمایا کہ یہ میری مہربانی ہے جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ رواہ البخاری

میں کہتا ہوں اس امت کے ادنیٰ نیکوکار کو گذشتہ امتوں کے نیکوکاروں کے مقابلہ میں کم سے کم دوہرا ثواب دیا جائے گا پھر عمل میں جتنا خلوص بڑھتا جائے اور اللہ کی مہربانی میں جس قدر اضافہ ہوتا ہی مرتبہ میں ترقی ہوتی جائے۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ: اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ (ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)

اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت:

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور میں اس پر زیادتی کرتا ہوں (کہ اللہ نے وحی غیر متلو میں یہ بھی فرمایا ہے) کہ جو شخص بدی لے کر آئے گا اس کی بدی کی سزا بقدر بدی ہوگی اور میں معاف بھی کردوں گا (جس کو چاہوں گا) جو بالشت بھر میرے قریب آئے گا میں ایک ہاتھ اس کے قریب آجاؤں گا اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آئے گا میں ایک گز اس سے قریب ہو جاؤں گا جو میرے پاس معمولی چال سے آئے گا میں اس کے پاس لپک کر آؤں گا اور جو مجھ سے زمین بھر گناہوں کے ساتھ ملے گا۔ بشرطیکہ مشرک نہ ہو۔ میں اس سے اتنی ہی مغفرت کے ساتھ ملوں گا۔ رواہ البغوی

اس آخری جملہ کا معنی یہ ہے کہ اگر میں چاہوں گا تو اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملوں گا (یعنی گناہوں کو بخشنا لازم نہیں بلکہ میری مشیت پر موقوف ہے میں چاہوں گا تو سارے گناہ معاف کردوں گا اور مغفرت کرنی نہ چاہوں گا تو گناہوں کی سزا دوں گا) کیونکہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا بھی اللہ کا قول ہے (کہ گناہ کے بقدر گناہ کی سزا ہوگی)

صدقات کا ثواب:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آیت میں صدقات کے علاوہ دوسری نیکیاں مراد ہیں۔ کیونکہ صدقات کا ثواب تو سات سو گنا تک چند در چند ہوتا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس تشریح کی علت یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ

وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اور حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک یہ حکم صرف صدقات کے ساتھ مخصوص ہے (یعنی اس آیت میں جو سات سو گنا ثواب ملنے کی صراحت فرمائی ہے وہ صرف مالی خیرات سے تعلق رکھتی ہے) حالانکہ مالی صدقات کے ساتھ اس حکم کی خصوصیت نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر تسبیح (ایک بار سبحان اللہ پڑھنا) صدقہ ہے ہر تحمید (ایک بار الحمد للہ کہنا) صدقہ ہے ہر تہلیل (ایک بار لا الہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تکبیر (ایک بار اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے۔ رواہ مسلم وابوداؤد وابن ماجۃ من حدیث ابی ذرؓ بلکہ اللہ کے ذکر کا ثواب صدقات سے زائد ہے۔

بہتر اور پاکیزہ تر عمل:

حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک پاکیزہ تر اور تمہارے درجات کو سب اعمال سے زیادہ اونچا کرنے والی ہے اور سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی اعلیٰ ہے اور دشمن کا مقابلہ کر کے ان کی گردنیں کاٹنے اور اپنے گلے کٹوانے سے بھی افضل ہے صحابہؓ نے عرض کیا ضرور فرمائیے۔ ارشاد فرمایا اللہ کی یاد۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم والترمذی واحمد۔

افضل صدقہ:

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ذکر سے افضل کوئی صدقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری اردو جلد چہارم)

صرف ارادے پر ایک نیکی ہے:

صحیح بخاری اور مسلم، نسائی اور مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب عزوجل رحیم ہے، جو شخص کسی نیک کام کا صرف ارادہ کرے اس کے لئے ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے، خواہ عمل کرنے کی نوبت بھی نہ آئے، پھر جب وہ اس نیک کام کو کر لے، تو دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو شخص کسی گناہ کا ارادہ کرے، مگر پھر بھی اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے بھی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اور گناہ کا عمل بھی کرے تو ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے، یا اس کو بھی مٹا دیا جاتا ہے، اس عفو و کرم کے ہوتے ہوئے اللہ کے دربار میں وہی شخص ہلاک ہو سکتا ہے جس نے ہلاک ہونے ہی کی ٹھان رکھی ہے۔ (ابن کثیر)

عمل باطل کرنے والی چیز:

صدقہ کا عمل صالح احسان جتانے یا ایذاء پہنچانے سے باطل اور ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جو اعمال صالحہ نوافل اور تسبیح وغیرہ کے کئے ہیں۔ وہ دنیا کی باتیں کرنے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد سوم)

قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ
تو کہہ دے مجھ کو سجھائی میرے رب نے راہ
مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ
سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی
حَنِیۡفًا ۚ
طرف کا تھا

یعنی ایک خدا ہی کا ہو رہا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾
اور نہ تھا شرک والوں میں

سب انبیاء موحد تھے:

یعنی تم دین میں جتنی چاہو راہیں نکالو اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرالو۔ مجھ کو تو میرا پروردگار صراط مستقیم بتلا چکا اور وہ ہی خالص توحید اور کامل تفویض وتوکل کا راستہ ہے۔ جس پر موحد اعظم ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ بڑے زور شور سے چلے جن کا نام آج بھی تمام عرب اور کل ادیان سماویہ غایت عظمت واحترام سے لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم معاشر انبیا، علاتی اولاد ہیں یعنی جیسے علاتی اولاد کا باپ ایک ہوتا ہے ہم سب کا دین بھی ایک ہے۔ سب وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ شریعتیں بدلی ہوئی ہوں۔ یہ شریعتیں بمنزلہ ماؤں کے ہیں جیسا کہ اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں کہ ماں ایک ہی ہوتی ہے اور باپ الگ الگ ہوتے ہیں اور حقیقی بھائی ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ تو گویا امت کے مثال باہم سگے بھائیوں کی طرح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا

وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا

اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا

شَرِيكَ لَهُ

ہے کوئی نہیں اسکا شریک

توحید کا اُونچا مقام:

اس آیت میں توحید وتفویض کے سب سے اونچے مقام کا پتہ دیا گیا ہے جس پر ہمارے سید وآقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ نماز اور قربانی کا خصوصیت سے ذکر کرنے میں مشرکین پر جو بدنی عبادت اور قربانی غیر اللہ کے لئے کرتے تھے۔ تصریحاً رد ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کو وظیفہ بنالو:

تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے تحت میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفہ زندگی بنالے۔

اس آیت میں نماز اور تمام عبادات کا اللہ کے لئے ہونا تو ظاہر ہے کہ ان میں شرک یا ریا یا کسی دنیوی مفاد کا دخل نہ ہونا مراد ہے، اور زندگی اور موت کا اللہ کے لئے ہونا، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری موت و حیات ہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر زندگی کے اعمال وعبادات بھی اسی کے لئے ہونا لازم ہے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنے اعمال زندگی سے وابستہ ہیں وہ بھی صرف اللہ کے لئے ہیں جیسے نماز روزہ اور لوگوں کے ساتھ معاملات کے حقوق وفرائض اور جو اعمال موت سے متعلق ہیں، یعنی وصیت اور اپنے بعد کے لئے جو ہر انسان کوئی نظام چاہتا اور سوچتا ہے، وہ سب اللہ رب العالمین کے لئے اور اسی کے احکام کے تابع ہے۔ (معارف القرآن مفتی صاحب)

نماز کے وقت دُعاء:

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی تکبیر کہنے لگتے تو یہ کہہ کر شروع کرتے: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي (الی آخرہ) پھر نماز سے پہلے یا بعد یہ دعا مانگتے: اللهم انت الملک لا اله الا انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعاً لا یغفر الذنوب الا انت واهدنی لاحسن الاخلاق لا یهدی لا حسنها الا انت واصرف عنی سیئها لا یصرف عنی سیئها الا انت تبارکت وتعالیت استغفرک واتوب الیک۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾

اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں

پہلے فرمانبردار:

عموماً مفسرین "وانا اول المسلمین" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو۔ بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق قدس سرہٗ نے ترجمہ میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں" کی جگہ "سب سے پہلے فرمانبردار ہوں" رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مراد یہ ہے کہ اس امت میں سب سے پہلا مسلمان میں ہوں، کیونکہ ہر امت کا پہلا مسلمان خود وہ نبی یا رسول ہوتا ہے جس پر وحی شریعت نازل کی جاتی ہے۔

اور پہلا مسلمان ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک پیدا کیا گیا ہے، اس کے بعد تمام آسمان وزمین اور مخلوقات وجود میں آئے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اول ماخلق اللہ تعالیٰ نوری۔ (روح المعانی، معارف القرآن مفتی صاحب)

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ

تو کہہ کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب

كُلِّ شَيْءٍ

ہر چیز کا

پہلے توحید فی الالوہیۃ کا ذکر تھا اب توحید فی الربوبیت کی تصریح فرمائی یعنی جس طرح معبود اس کے سوا کوئی نہیں، مستعان بھی کوئی نہیں ہوسکتا، کیونکہ استعانت ربوبیت عامہ پر متفرع ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اُس کے ذمہ پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ

اور بوجھ نہ اٹھائیگا ایک شخص دوسرے کا پھر

اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائیگا

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (۱۶۴)

جس بات میں تم جھگڑتے تھے

کوئی دوسرے کا گناہ نہیں اُٹھا سکتا:

کفار مسلمانوں سے توحید وغیرہ میں جھگڑتے اور کہتے تھے کہ تم توحید کی راہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر آجاؤ۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہمارے سر۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ (العنکبوت رکوع ۲) یہاں اس کا جواب دے دیا کہ ہر ایک کا گناہ اسی کے سر ہے، کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ باقی تمہارے جھگڑے اور اختلافات خدا کے یہاں جا کر سب طے ہوجائیں گے۔ یہ دنیا فیصلہ کی جگہ نہیں، امتحان و آزمائش کا گھر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آگاہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب اور رحمت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن یہ جان لے کہ خدا کا عذاب کتنا سخت ہوتا ہے تو کوئی جنت کی طمع تک نہ کرے گا کہے گا کہ دوزخ سے چھٹکارا پاؤں تو بس ہے اور اگر کافر یہ معلوم کرلے کہ خدا کی رحمت کیسی زبردست ہے تو وہ بھی جنت سے مایوس نہ ہو حالانکہ اس کو جنت کا استحقاق ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے رکھے ہیں اس میں سے ایک حصہ اپنی ساری مخلوقات کے درمیان تقسیم کردیا ہے کہ اسی کے حصہ رسدی کے سبب دنیا میں لوگ اور جانور ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ہمدردی کرتے ہیں۔ اور باقی ننانوے حصے رحم کے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھ لئے ہیں، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی رحمت کیسی زبردست ہوگی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے جو اس کے پاس فوق العرش ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ اسی ایک حصہ کی یہ برکت ہے کہ جانور گائے۔ اونٹنی وغیرہ بھی بچے کو کچل دینے سے بچتی ہے اور بچہ پاؤں کے نیچے آرہا ہو تو بچتی اور احتیاط کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ولد الزنا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولد الزنا پر والدین کے جرم کا کوئی اثر نہیں ہوگا، یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔

میت پر رونا: اور ایک میت کے جنازہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ زندوں کے رونے سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول حضرت عائشہؓ کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کا یہ قول نقل کر رہے ہو جو نہ کبھی جھوٹ بولتا ہے اور نہ اُن کی ثقاہت میں کوئی شبہ کیا جاسکتا ہے مگر کبھی سننے میں بھی غلطی ہوجاتی ہے، اس معاملہ میں تو قرآن کا ناطق فیصلہ تمہارے لئے کافی ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى "یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں پڑسکتا، تو کسی زندہ آدمی کے رونے سے مردہ بے قصور کس طرح عذاب میں ہوسکتا ہے۔ (درمنثور) (معارف القرآن مفتی صاحب)

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

اور اُسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں

خدا کے نائب: یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے، تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوجاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

اور بلند کر دیئے تم میں درجے ایک کے ایک پر

یعنی تمہارے آپس میں بے حد فرق مدارج رکھا۔ چنانچہ شکل وصورت رنگت، لہجہ، اخلاق و ملکات، محاسن ومساوی، رزق، دولت، عزت و جاہ وغیرہ میں افراد انسانی کے بیشمار درجات ہیں۔

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ

تا کہ آزمائے تم کو اپنے دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد

الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۵﴾
عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

کون کتنا فرمانبردار ہے:

یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے۔ ابن کثیر نے فیما اتاکم سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے ہیں جن میں حسب استعداد و لیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمائش کا حاصل یہ ہوگا کہ مثلاً غنی حالت غنا میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے وقس علی ہذا۔ بہر حال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور اور جو پورا اترا اس کے لئے رحیم ہے۔ (تمت سورۃ الانعام بعون اللہ الملک العلام) (تفسیر عثمانی)

افضل واعلیٰ سورۃ:

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ سورۃ انعام قرآن کریم کی افضل و اعلیٰ سورتوں میں سے ہے۔

شفاء:

بعض روایات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ یہ سورۃ جس مریض پر پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیتے ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ:

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر سورۃ انعام پوری ایک ہی مرتبہ میں اتری اس کے مشایعت میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ جن کی تسبیح و تحمید کا ایک غلغلہ تھا۔ رواه الطبرانی فی المعجم الصغیر و ابو نعیم فی الحلیه و ابن مردویه فی التفسیر۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سورۃ الانعام نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ پڑھا، پھر فرمایا اس سورت کے پیچھے اتنے فرشتے تھے کہ آسمان کے کنارے انہوں نے بند کر دیئے تھے یعنی پورے آسمان پر کناروں تک چھا گئے تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔ یہ حدیث بھی دلالت کر رہی ہے۔ کہ سورت انعام یک دم پوری اتری تھی۔ (تفسیر مظہری)

سورہ اعراف

(سورہ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی دوسو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں)

جو شخص خواب میں اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا ہر علم سے فائدہ اٹھائے گا اور بہت ممکن ہے کہ غربت میں مرے۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا
سورۃ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی دوسو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ
یہ کتاب اتری ہے تجھ پر سو چاہئے کہ تیرا جی
فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ
تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے سے

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھلے دل سے حق بیان فرمایئے

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''حرج'' کی تفسیر شک سے کی ہے گویا فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ فلا تكونن من الممترين کے ہم معنی ہوگا۔ یعنی پیغمبر جس پر خدا نے اپنی کتاب نازل فرمائی اس کی شان یہ نہیں کہ ذرا سا بھی کھٹکا یا شک وشبہ کتاب کے احکام واخبار کے متعلق اس کے دل میں راہ پائے۔ دوسرے مفسرین نے الفاظ کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ جیسا کہ مترجم محقق نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی تمام خلائق میں سے چن کر جس پر خدا نے اپنی کتاب اتاری اسے لائق نہیں کہ احمقوں اور معاندین کے طعن وتشنیع یا بیہودہ سوالات سے متاثر ہو کر اس کتاب کے کسی حصہ کی تبلیغ سے منقبض اور تنگ دل ہو۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ (رکوع ۲)

اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب اور اس کے مستقبل کی طرف سے نہایت کامل وثوق وانشراح حاصل نہ ہو، تو وہ اپنے فرض اندارو

وتذکیر کو کس طرح قوت وجرأت کے ساتھ ادا کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
تاکہ تو ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو ایمان والوں کو

کتاب اتارنے کی غرض:

یعنی کتاب اتارنے سے غرض یہ ہے کہ تم ساری دنیا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کردو اور بدی کے انجام سے ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کے حق میں خاص طور پر یہ ایک مؤثر پیغام نصیحت ثابت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا
چلو اُسی پر جو اُترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ
تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے تم بہت کم
تَذَكَّرُوْنَ ۝
دھیان کرتے ہو

غور اور دھیان رکھو:

آدمی اگر حق تعالیٰ کی تربیت عظیم، اپنے آغاز وانجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح دھیان کرے تو اس کو کبھی جرأت نہ ہو کہ اپنے رب کریم کی اتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کی رفاقت میں انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے۔ گزشتہ اقوام میں سے جنہوں نے خدا کی کتابوں اور پیغمبروں کے مقابلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا، ان کو جو دنیوی سزا ملی، وہ آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا
اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچا اُن پر ہمارا عذاب راتوں
بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ
رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے پھر یہی تھی اُن کی پکار
اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا
جس وقت کہ پہنچا اُن پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک

ظٰلِمِيْنَ ۝
ہمیں تھے گنہگار

گذشتہ قوموں پر عذاب کا منظر:

یعنی جب ان کے ظلم وعدوان اور کفر وعصیان کی حد ہو چکی، تو دنیا کی لذات وشہوات میں منہمک اور عذاب الٰہی سے بالکل بے فکر ہو خواب استراحت کے مزے لینے لگے کہ یکا یک ... عذاب نے آدبوچا۔ پھر ہلاکت آفرینیوں کے اس دہشتناک منظر اور ہنگامہ دار وگیر میں ساری طمطراق بھول گئے چاروں طرف سے اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ کی چیخ پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ گویا اس وقت انہیں واضح ہوا اور اقرار کرنا پڑا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (تنبیہ) فَجَآءَهَا بَاْسُنَا کی ''فاء'' میں مفسرین کے کئی قول ہیں، غالباً مترجم محقق قدس سرہ نے اس کو اهلكنها کی تفسیر وتفصیل قرار دیا ہے جیسے کہا جائے "توضأ فغسل وجهه و ذراعيه (فلاں شخص نے وضو کیا تو دھویا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ) اس مثال میں منہ ہاتھ دھونا وضو کرنے ہی کی تفصیل وتفسیر ہے۔ اسی طرح یہاں ہلاک کرنے کی تفسیر وتفصیل کیفیت عذاب کے بیان سے ہوگئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ
سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور
لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے

امتوں سے سوال ہوگا:

جن امتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے، ان سے سوال ہوگا مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟) اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے ماذا اجبتم (تم کو امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا) (تفسیر عثمانی)

مسلمؒ نے حضرت نے جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع کے خطبہ میں فرمایا تم سے میرے متعلق دریافت کیا جائے گا تم کیا کہو گے۔ حاضرین نے عرض کیا ہم شہادت دینگے کہ آپ نے (اللہ کا پیام پہنچا دیا ادا کر دیا اور نصیحت کر دی)۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا۔ امام احمد نے حضرت معاویہؓ بن جیدہ کی

روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میرا رب مجھے بلائے گا اور پوچھے گا کہ تو نے میرے بندوں کو (میرا پیام) پہنچا دیا۔ میں جواب دوں گا۔ بیشک میں نے ان کو پہنچا دیا۔ لہٰذا جو موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک یہ پیام پہنچا دیں۔ پھر (قیامت کے دن) تم کو طلب کیا جائے گا اس وقت تمہارے منہ بند ہونگے (کچھ بول نہ سکو گے) سب سے پہلے تمہاری ران اور ہتھیلی (بولے گی اور) اظہار حال کرے گی۔

حساب فہمی کے وقت لوح کا حال:

ابوالشیخ نے العظمۃ میں ابوسنان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے سب سے پہلے لوح کو طلب کیا جائے گا لوح لرزاں ترساں حاضر ہوگی دریافت کی اجائیگا کیا تو نے (میرے احکام) پہنچا دیئے لوح عرض کریگی جی ہاں! اللہ فرمائے گا تیرا گواہ کون ہے لوح عرض کریگی اسرافیل۔ اسرافیل کو طلب کیا جائیگا وہ لرزتے کپکپاتے حاضر ہونگے اللہ فرمائیگا کیا لوح نے تجھے پہنچا دیا اسرافیل عرض کرینگے جی ہاں اس پر لوح کہے گی اللہ کا شکر ہے کہ اسنے مجھے محاسبہ کے برے نتیجے سے محفوظ رکھا۔

ابن مبارک نے الزہد میں ابوحیلہ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اسرافیل کو طلب کیا جائیگا اور اللہ فرمائیگا کیا تو نے میرا حکم پہنچا دیا اسرافیل عرض کرینگے جی ہاں! میں نے جبرائیل کو پہنچا دیا۔ جبرائیل کی طلبی ہوگی اور ان سے اللہ پوچھے گا کیا اسرافیل نے تجھے میرا حکم پہنچا دیا۔ جبرئیلؑ عرض کرینگے جی ہاں اس پر اسرافیل کی چھوٹ ہوجائیگی پھر جبرائیل سے اللہ فرمائیگا تو نے میرے حکم کے متعلق کیا کیا جبرائیل عرض کرینگے پروردگار میں پیغمبروں کو پہنچا دیا۔ اس پر پیغمبر بلائے جائیں اور ان سے دریافت ہوگا کہ کیا میرا حکم جبرائیل نے تم کو پہنچا دیا پیغمبر عرض کرینگے جی ہاں! اور دریافت کیا جائیگا پھر تم نے کیا کیا پیغمبر عرض کرینگے ہم نے امتوں کو پہنچا دیا۔ امتوں سے دیافت کیا جائیگا کیا پیغمبروں نے تم کو پہنچا دیا تھا اسپر کچھ لوگ پیغمبروں کے قول کی تکذیب کرینگے اور کچھ تصدیق پیغمبر عرض کریں گے ہمارے پاس اپنے قول کے گواہ ہیں جو ان (تکذیب کرنے والوں) کے خلاف شہادت دے سکتے ہیں اللہ فرمائے گا وہ کون ہیں پیغمبر عرض کرینگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس پر امت محمدیہ کی طلبی ہوگی اور اس سے دریافت کیا جائیگا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ پیغمبروں نے اپنی امتوں کو میرا حکم پہنچا دیا تھا۔ امت محمدیہ جواب دیگی جی ہاں! انبیاء کی امتیں کہیں گی جو لوگ ہمارے زمانہ میں نہیں ہوئے وہ ہمارے خلاف کیسے شہادت دیتے ہیں اللہ امت محمدیہ سے فرمائیگا تم ان پر کس طرح شہادت دیتے ہو تم تو ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے وہ عرض کرینگے اے

ہمارے رب تو نے ہمارے پاس پیغمبر بھیجا تھا اور (اس پر) کتاب بھی اتاری تھی جس میں تو نے بیان فرما دیا تھا کہ پیغمبروں نے اپنی امتوں کو تیرا پیام پہنچا دیا آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الخ کا یہی مطلب ہے۔

جبریلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی:

حدیث جبریلؑ میں حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے کہا محمدؐ ایمان (سے مراد) کیا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں کو مانو) اور جنت و دوزخ اور میزان پر یقین رکھو اور مرنے کے بعد حشر جسمانی کو تسلیم کرو اور اس بات پر ایمان رکھو کہ ہر اچھی بری چیز قدر (الٰہی) کے اندر ہے (یعنی اللہ کی تقدیر سابق سے کوئی چیز خارج نہیں) اگر تم نے ایسا کرلیا تو بس قطعی مؤمن ہو۔ حضرت جبرئیل نے کہا جی ہاں آپؐ نے سچ فرمایا۔ رواہ البیہقی فی البعث عن ابن عمران مبارک نے الزہد میں۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال:

اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت فرماویں گے کہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں کو پہنچا دیا، اور میں جواب میں عرض کروں گا کہ میں نے پہنچا دیا ہے، اس لئے اب تم سب اس کا اہتمام کرو کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غائبین تک میرا پیغام پہنچا دیں۔ (مظہری)

غائبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھے مگر اس مجلس میں حاضر نہ تھے، اور وہ نسلیں بھی جو بعد میں پیدا ہونگی، ان تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ آنے والی نسل کو اس پیغام کے پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھیں، تا کہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام بنی آدم کو یہ پیغام پہنچ جائے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم اُن کو احوال سنائیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے

کوئی عمل اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے:

یعنی تمہارا کوئی جلیل و حقیر اور قلیل و کثیر عمل یا ظاہری و باطنی حال ہمارے علم سے غائب نہیں۔ ہم بلاتوسط غیرے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں، اپنے اس علم ازلی محیط کے موافق سب اگلے پچھلے احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دینگے۔ ملائکۃ اللہ کے لکھے ہوئے اعمالنامے بھی علم الٰہی کے

سر مو خلاف نہیں ہو سکتے۔ ان کے ذریعہ سے اطلاع دینا محض ضابطہ کی مراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے، ورنہ خدا اپنے علم میں ان ذرائع کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ
اور تول اُس دن ٹھیک ہو گی پھر جس کی تولیں
مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ
بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے
اَنْفُسَهُمْ
اپنا نقصان کیا

اعمال کا وزن ہوگا:

قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن دیکھا جائیگا۔ جن کے اعمال قلبیہ و اعمال جوارح وزنی ہونگے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے، اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا۔ اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے کو یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔ آخرت میں وہ کاغذ ملیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگزر ہو اور ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟

بعض علماء کا خیال ہے کہ اعمال جو اس وقت اعراض ہیں، وہاں اعیان کی صورت میں مجسد کر دیئے جائیں گے اور خود ان ہی اعمال کو تولا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قار الذات اعراض ہیں جن کا ہر جزء وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے۔ پھر ان کا جمع ہونا اور تلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ گراموفون میں آج کل لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں، کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں؟ جن کا ایک حرف ہماری زبان سے اس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس سے پہلا حرف نکل کر فنا ہو جائے۔ پھر یہ تقریر کا سارا مجموعہ گراموفون میں کس طرح جمع ہو گیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا گراموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ رکھے جس میں کسی ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا ان کا وزن کیا جانا تو نصوص سے ہم کو اس قدر معلوم ہو چکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعہ سے ہوگا جس میں کفتین اور لسان وغیرہ موجود ہیں لیکن وہ میزان اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت و کیفیت کے ہونگے اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقول و افہام کی رسائی سے باہر ہے۔ اسی لئے ان کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک میزان کیا اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں بجز اس کے کہ ان کے نام ہم سن لیں اور ان کا کچھ اجمالی سا مفہوم جو قرآن و سنت نے بیان کر دیا ہو عقیدہ میں رکھیں، اس سے زائد پر مطلع ہونا ہماری حد پرواز سے خارج ہے۔ کیونکہ جن نوامیس و قوانین کے ماتحت اس عالم کا وجود اور نظم و نسق ہوگا، ان پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پا سکتے۔ اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں۔ ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی تلتے ہیں۔ ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے۔ ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہوا" یا "مقیاس الحرارت" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت کو جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔ جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن سے اعیان و اعراض کے اوزان و درجات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ایسی حسی میزان قائم کر دے جس سے ہمارے اعمال کے اوزان و درجات کا تفاوت صورۃً و حساً ظاہر ہوتا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک نیکی ننانوے اعمالناموں پر بھاری:

ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے نامۂ اعمال لائے جاویں گے، اور ان میں سے ہر نامۂ اعمال اتنا طویل ہوگا کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے، اور یہ سب نامۂ اعمال برائیوں اور گناہوں سے لبریز ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان نامہ ہائے اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے یا نامۂ اعمال

لکھنے والے فرشتوں نے تم پر کچھ ظلم کیا ہے اور خلاف واقعہ کوئی بات لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا اے میرے پروردگار جو کچھ لکھا ہے سب صحیح ہے۔ اور دل میں گھبرائے گا کہ اب میری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گناہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی ہمارے پاس موجود ہے، جس میں تمہارا کلمہ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! اتنے بڑے سیاہ نامۂ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا وزن رکھے گا، اس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا، اور ایک پلہ میں وہ سب گناہوں سے بھرے ہوئے نامہ ہائے اعمال رکھے جائیں گے، دوسرے میں یہ کلمۂ ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور سارے گناہوں کا پلہ ہلکا ہو جائے گا، اس واقعہ کو بیان کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔ (مظہری)

اعمال کی شکلیں:

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی روایات اس پر شاہد بھی ہیں کہ برزخ اور محشر میں انسانی اعمال خاص خاص شکلوں اور صورتوں میں آئیں گے۔ قبر میں انسان کے اعمال صالحہ میں ایک حسین صورت میں اس کے مونس بنیں گے، اور برے اعمال سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے، حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی وہ مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں اس کی قبر میں پہنچ کر اس کو ڈسے گا، اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔

اسی طرح معتبر احادیث میں ہے کہ میدان حشر میں انسان کے اعمال صالحہ اسکی سواری بن جائینگے، اور برے اعمال بوجھ بن کر اسکے سر پر لادے جائیں گے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میدان حشر میں دو گھرے بادلوں کی شکل میں آ کر ان لوگوں پر سایہ کریں گی جو ان سورتوں کے پڑھنے والے تھے۔

کلمہ طیبہ کا وزن: اور مسند، بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلہ ہی بھاری رہے گا۔

وزن کے بعد جنت یا جہنم:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ جس مؤمن کا پلہ حسنات کا بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جنت میں اور جس کا پلہ گناہوں کا بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مظہری)

نوافل کمی پوری کریں گی:

اور ابوداؤد میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل موجود ہیں تو فرضوں کی کمی کو نفلوں سے پورا کر دیا جائے گا۔ (مظہری)

بعض علماء تفسیر نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا، اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا، جس کے ذریعہ مؤمن، کافر کا امتیاز کیا جائیگا۔ اس وزن میں جس کے نامۂ اعمال میں صرف کلمۂ ایمان بھی ہے۔ اس کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اور وہ کافروں کے گروہ سے الگ کر دیا جائے گا، پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں کسی کی برائیاں بھاری ہونگی، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزا ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے۔ (بیان القرآن)

وزنِ اعمال کس طرح ہوگا:

بخاری و مسلم میں بروایت ابوہریرہؓ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض موٹے فربہ آدمی آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا، اور اس کی شہادت میں آپؐ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا یعنی قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قرار نہ دیں گے۔ (مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وزن:

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مناقب میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں ظاہر میں کتنی پتلی ہیں لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کی میزان عدل میں ان کا وزن احد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔

دو کلمے: اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں مگر میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب

ہیں، اور وہ کلمے یہ ہیں: سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ سبحان اللہ کہنے سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے، اور الحمد للہ سے باقی آدھا پورا ہو جاتا ہے۔

حُسنِ خلق کا وزن:

اور ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو الدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزانِ عمل میں حسنِ خلق کے برابر کوئی عمل وزنی نہیں ہوگا۔

اور حضرت ابوذر غفاریؓ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ایسے دو کام بتاتا ہوں جن پر عمل کرنا انسان کے لئے کچھ بھاری نہیں، اور میزانِ عمل میں وہ سب سے زیادہ بھاری ہونگے، ایک حسنِ خلق، دوسرے زیادہ خاموش رہنا، یعنی بلا ضرورت کلام نہ کرنا۔

خوف خدا کا ایک آنسو:

اور امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں بروایت حضرت حازمؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبرئیل امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا تعالیٰ سے رو رہا تھا، تو جبرئیل امین نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہوگا مگر خدا و آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا، بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے۔ (مظہری)

دین کی تعلیم:

ایک حدیث میں ہے کہ میدان حشر میں ایک شخص حاضر ہوگا، جب اس کا نامۂ اعمال سامنے آئے گا تو وہ اپنے نیک اعمال کو بہت کم پا کر گھبرائے گا کہ اچانک ایک چیز بادل کی طرح اٹھ کر آئے گی۔ اور اس کے نیک اعمال کے پلے میں گر جائے گی، اور اس کو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرے اس عمل کا ثمرہ ہے جو تو دنیا میں لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتلاتا اور سکھاتا تھا، اور یہ تیری تعلیم کا سلسلہ آگے چلا تو جس جس شخص نے اس پر عمل کیا ان سب کے عمل میں تیرا حصہ بھی لگایا گیا۔ (مظہری عن ابن المبارک)

جنازہ کے ساتھ جانا:

طبرانی نے بروایت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جائے اس کی میزانِ عمل میں دو قیراط رکھ دی جائیں گی، اور دوسری روایات میں ہے کہ اس قیراط کا وزن احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔

اہل وعیال پر خرچ کرنا:

طبرانی نے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی میزان عمل میں سب سے پہلے جو عمل رکھا جائے گا وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے اور انکی ضروریات پورا کرنے کا نیک عمل ہے۔

علماء کی روشنائی اور شہداء کا خون:

اور امام ذہبیؒ نے حضرت عمران بن حصینؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی جس سے انھوں نے علم دین اور احکام دین لکھے ہیں اور شہیدوں کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون کے وزن سے بڑھ جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

نیکی اور بدی کی شکل:

بیہقی نے شعب الایمان میں (بطریق سدی صغیر کلبی از ابو صالح) حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہونگے نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسین ترین شکل میں لاکر میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور بدیوں کے پلڑے سے اس کا وزن زیادہ نکلے گا تو اس خوبصورت شکل کو لے کر جنت کے اندر اس کے مقام پر رکھ دیا جائے گا۔ پھر مؤمن سے کہا جائے گا اپنے عمل سے جا کر مل جا۔ مؤمن جنت کی طرف چلا جائے گا اور وہاں اپنا مقام اپنے عمل کی وجہ سے پہچان لے گا (کیونکہ اس کا عمل حسین ترین شکل میں وہاں پہلے سے موجود ہوگا) اور بدیوں کو مکروہ ترین شکل میں لاکر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ یہ پلڑا ہلکا نکلے گا اور باطل کا وزن ہلکا ہوتا ہے پھر اس کو جہنم میں اس کے مقام پر پھینک دیا جائے گا اور اس (گناہگار بدکار) سے کہا جائے گا، جا دوزخ میں اپنے عمل سے جا کر مل جا۔ وہ دوزخ میں چلا جائے گا اور اپنے عمل کو دیکھ کر ہی اپنا مقام اور طرح طرح کے ان عذابوں کو پہچان جائے گا جو اللہ نے اس کے لئے فراہم کر رکھے ہونگے۔

قربانی کا وزن:

اصفہانی نے حسن سند سے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا اٹھو اور اپنی قربانی (ذبح) ہونے کے وقت اس کے پاس خود موجود رہو جو قطرہ اس کے خون کا

ٹپکے گا وہ تمہارے لئے ہر گناہ کی مغفرت کا سبب ہوگا۔ خوب سن لو اس کا خون اور گوشت لا کر ستر گنا کر کے تمہاری میزان میں (قیامت کے دن وزن کے وقت) رکھ دیا جائے گا۔ یہ سن کر ابو سعیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حکم آلِ محمدؐ کے لئے مخصوص ہے۔ فرمایا آلِ محمدؐ کے لئے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی۔

وضو کا پانی: ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا ہے کہ سعید بن مسیب نے وضوء کے بعد رومال کو پسند نہیں کیا اور فرمایا اس کا بھی (نیکیوں کے ساتھ) وزن کیا جائے گا۔

اونٹنی اور اس کا بچہ: طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا میں نے ایک اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی۔ پھر اس کا بچہ خرید لینے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا فرمایا رہنے دو، قیامت کے دن یہ اور اس کی اولاد سب تمہاری میزان میں آئے گی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصیحت:

حضرت ابو بکرؓ صدیق نے وفات کے وقت حضرت عمر فاروقؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا قیامت کے دن جس کی میزان بھاری ہوگی وہ صرف اس وجہ سے بھاری ہوگی کہ دنیا میں وہ حق کا اتباع کرتا تھا جس میزان میں کل حق کو رکھا جائے گا اس کو بھاری ہونا ہی چاہئے اور جس کی میزان قیامت کے دن ہلکی ہوگی اس کے ہلکے ہونے کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں باطل کا اتباع کرتا تھا اور جس کی میزان میں باطل کو رکھا جائے گا اس کو ہلکا ہونا ہی چاہئے۔

میں کہتا ہوں اس میں میزان سے مراد ہے نیکیوں کا پلڑا اور باطل سے مراد ہیں وہ باطل عقائد و اعمال جن کو اہل باطل نیکیاں سمجھتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک وہ سراسر کفریات اور بدعات ہیں اللہ کے نزدیک ان کا کوئی وزن نہیں جیسے لق و دق بیابان میں سراب جس کو دور سے دیکھنے والا پیاسا پانی سمجھتا ہے اور قریب جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اسی طرح کافر اور مبتدع کو اللہ کے پاس جا کر کچھ نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوری پوری حساب فہمی کرے گا۔

ایک شخص کا رونا:

امام احمدؒ نے الزہد میں حازم نامی ایک شخص کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص (رو رہا تھا) اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اُترے اور پوچھا یہ کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا فلاں شخص ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا اولادِ آدمؑ کے تمام اعمال کا وزن ہوسکتا ہے صرف رونے کا وزن نہیں ہوسکتا۔ اللہ ایک آنسو سے آگ کے سمندر بجھا دے گا۔

ایک آنسو:

بیہقی نے حضرت معقل بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آنکھ آنسو بہاتی ہے تو اللہ تمام جسم پر (اس کی وجہ سے) دوزخ حرام کر دیتا ہے اور جب قطرہ رخسار پر بہتا ہے تو اس چہرہ پر بدرونقی اور ذلت نہیں چھائے گی ہر چیز (یعنی عمل) کا ایک اندازہ اور وزن ہے مگر کسی قوم میں سے اگر کوئی شخص (اللہ کے سامنے اس کے خوف سے) روتا ہے تو اس کا ایک آنسو آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں مذکورۂ بالا احادیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نفس اعمال کا وزن کیا جائے گا لیکن ان ہی احادیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اعمالناموں کا اور اعمال کرنے والوں کا وزن کیا جائے گا۔ اعمال کو مجسم بنا کر تولنے کا ثبوت مندرجۂ ذیل روایات سے ملتا ہے۔

ایمان اور الحمدللہ:

مسلم نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طہارت نصف ایمان ہے اور الحمدللہ ترازو کو پر کردے گا۔

درود شریف کا وزن:

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے حضرت آدمؑ کے ٹھہرنے کا ایک خاص مقام ہوگا۔ دو سبز کپڑے پہنے وہ ایسے معلوم ہونگے جیسے کوئی کھجور کا لمبا درخت اپنی جگہ کھڑے دوزخ کی طرف جانے والوں کو دیکھتے ہونگے اسی اثناء میں امت محمدیؐ کے ایک شخص کو دوزخ کی طرف لے جاتا دیکھ کر پکاریں گے۔ احمدؐ۔ میں جواب دونگا ابوالبشرؑ میں یہ ہوں۔ حضرت آدمؑ کہیں گے تمہاری امت کے اس آدمی کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہے، میں یہ سنتے ہی فوراً جلد جلد تیاری کر کے فرشتوں کے پیچھے جاؤں گا اور کہوں گا اے اللہ کے قاصدو ٹھہر جاؤ۔ فرشتے کہیں گے ہم سخت خو اور طاقتور ہیں اللہ جو حکم دیتا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتے جیسا حکم ملتا ہے ویسا ہی کرتے ہیں (راوی نے کہا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناامید ہو جائیں گے تو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں ریش مبارک پکڑ کر عرش کی طرف رخ کر کے عرض کریں گے میرے مالک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے میری امت میں رسوا نہ کرے گا۔ فوراً عرش سے ندا آئے گی محمدؐ کا کہنا مانو اور مقام (میزان) کی طرف اس بندہ کو واپس لے آؤ۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا) پھر میں پورے برابر ایک سفید پرچہ اپنی گود سے نکال کر بسم اللہ کہہ کے ترازو کے دائیں پلڑے میں ڈالونگا جس سے نیکیوں کا پلڑہ جھک جائے گا۔ فوراً ندا ہوگی کامیاب ہوگیا۔ اس کی کوشش کامیاب ہوگئی (اس کی نیکیوں کا وزن) بھاری نکلا اس کو جنت کو لے جاؤ۔ وہ شخص (فرشتوں سے) کہے گا اے میرے رب کے کارندو ذرا ٹھہر جاؤ میں اس معزز بندہ سے کچھ دریافت کرلوں جس کی بارگاہ الٰہی میں اتنی عزت ہے۔ پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کرکے) کہے گا آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، آپ کون ہیں، آپ کا چہرہ کتنا حسین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کتنے اعلیٰ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوٹا دیا اور میری آبرو پر رحم فرمایا۔ میں جواب دونگا میں تیرا نبی محمدؐ ہوں اور یہ تیری وہ درودیں تھیں جو تو مجھ پر پڑھتا تھا آڑے وقت میں یہ تیرے کام آئیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ (اعمال) کو نہیں) اشخاص کو تولا جائے گا۔

کلمہ طیبہ: امام احمد نے حسن سند سے لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ترازوئیں قائم کی جائیں گی پھر ایک آدمی کو لاکر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور اس چیز کو بھی اس پلڑے میں رکھ دیا جائے گا جس میں اس کے اعمال کا گنتی کے ساتھ اندراج کیا گیا تھا۔ ترازو اس کو لے کر جھک جائیگی۔ نتیجہ میں اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا جونہی اس کی پشت پھرائی جائے گی، رحمٰن کی طرف سے ایک منادی بلند آواز سے پکارے گا جلدی نہ کرو ابھی اس کا کچھ رہ گیا ہے۔ چنانچہ ایک چھوٹا پرچہ لایا جائیگا جس میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ وہ پرچہ (دوسرے پلڑے میں) اس آدمی کے ساتھ رکھ دیا جائے گا فوراً ترازو ادھر کو جھک جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

ابویعلی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے (حضرت موسیٰؑ سے) فرمایا موسیٰ اگر تمام آسمان اور میرے علاوہ ان کی ساری موجودات اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ ہو تو یہ ان (آسمان وزمین) کو لے جھکے گا (یعنی ان کا پلڑا اونچا ہو جائے گا)

میزان پر ایمان ضروری ہے:

احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لاکر رکھی جائے گی جس میں کفتین (دو پلے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اسکو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلوں کی نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی۔ اور ان سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہمارے حیطۂ عقل اور دائرہ ادراک سے باہر ہیں۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے

اور آیات کا انکار کرنا ہی ان کی حق تلفی ہے جسے یظلمون سے ادا فرمایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا

اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کردیں

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اس میں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو

انفسی اور آفاقی نشانیاں:

یہاں سے بعض آیات افاقیہ وانفسیہ کا بیان شروع جس سے ایک طرف حق تعالیٰ کے وجود پر کارخانہ عالم کے حکیمانہ نظم ونسق سے استدلال اور احسانات و انعامات الٰہیہ کا تذکرہ فرما کر ان کی شکر گزاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف نبوۃ کی ضرورت، انبیاء علیہم السلام کی آمد، ان کی سیرۃ، ان کے متبعین ومخالفین کا انجام جو اس سورۃ کا اصلی موضوع معلوم ہوتا ہے اس کے بیان کے لئے یہ آیت بطور توطئہ تمہید کے مقدم کی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر

قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا

حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ

سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں کہا تجھ کو

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا

کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں اس

خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اُس کو بنایا

مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

مٹی سے کہا تو اُتر یہاں سے

انسانیت کی پیدائش اور منصب:

یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کیا۔ پھر تمہارا مادہ پیدا فرمایا۔ پھر اس کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین وجمیل صورت عطا کی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی پھر اس تصویر خاکی کو وہ روح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت تمہارے باپ آدم علیہ السلام جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا۔ ''خلیفۃ اللہ'' و''مسجود ملائکہ'' بنے پھر جس نے اس وقت سجود تعظیمی سے سرتابی کی وہ مردود ازلی ٹھہرا، کیونکہ وہ سجود خلافت الٰہیہ کے نشان کے طور پر تھا۔ ''ملائکۃ اللہ'' جو بحث وتمحیص اور صریح امتحان کے بعد آدم کی علمی فضیلت اور روحانی کمالات پر مطلع ہو چکے تھے۔ حکم الٰہی سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور اس طرح خلیفۃ اللہ کے روبرو اپنے پروردگار حقیقی کی کامل وفاشعاری اور اطاعت پذیری کا ثبوت دیا۔

شیطان لعین: اور ابلیس لعین جو ناری الاصل جن مگر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے زمرہ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا، آخر کار اپنی اصل کی طرف لوٹا۔ اس کی نظر آدم کی مادی ساخت سے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی راز تک تجاوز نہ کر سکی۔ اسی لئے صریح حکم الٰہی کے مقابلہ پر اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخر اسی اباء واستکبار اور نص صریح قاطع کو محض رائے وہویٰ سے رد کر دینے اور خدا سے بحث ومناظرہ ٹھان لینے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے مرتبہ قرب سے نیچے گرا دیا اور رحمت الٰہیہ سے بہت دور پھینک دیا گیا۔ فی الحقیقت جس چیز پر اُسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے، وہ ہی اُس کی ہلاکت ابدی کا سبب ہوئی۔ آگ کا خاصہ خفت وحدت، سرعت وطیش اور علو وافساد ہے بخلاف مٹی کے کہ اُس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم وتثبت پایا جاتا ہے۔ ابلیس جو ناری الاصل تھا سجدہ کا حکم سن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھلائی۔ آخر تکبر کی راہ سے آتش حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا۔

حضرت آدم علیہ السلام: برخلاف اس کے آدم علیہ السلام سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی۔ خاکساری اور انقیاد و استکانت کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ اُن کی استقامت و انابت نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى کا نتیجہ پیدا کیا۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی وعنصری لحاظ سے بھی اپنی افضلیت کے دعوے میں ٹھوکر کھائی۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کے خمیر:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلہ سے اور آدم مٹی سے اور حوریں زعفران سے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

مجاہدؒ نے کہا ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو بنایا۔ پھر آدمؑ کی پشت میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ آدم چونکہ ابوالبشر تھے اس لئے ان کی تخلیق کو تمام نسل کی تخلیق قرار دیا بعض نے صورنکم کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ روز میثاق میں تمہاری صورتیں پیدا کیں جبکہ چیونٹیوں کی طرح تم کو برآمد کیا۔

عکرمہ نے کہا ہم نے باپوں کی پشت میں تم کو پیدا کیا پھر ماؤں کے پیٹوں کے اندر تمہاری شکلیں پیدا کیں یمان نے کہا رحم کے اندر انسان کو بنایا پھر اس کی صورتگری کی۔ کان، آنکھیں اور انگلیاں چیریں۔

اللہ نے اپنی مشیت سے آدم کو تمام مخلوق پر بزرگی عطا فرمائی اپنے دست قدرت سے خصوصی طور پر ان کو بنایا اپنی روح کا ایک جلوہ ان کے اندر پھونک دیا اور ان کو تمام اسماء کو سیکھنے کے قابل بنایا اپنی تجلیات کی پرتو اندازی کی منزل ان کو کر دیا تکمیل احکام اور اجتناب از ممنوعات کے ساتھ فرائض ونوافل کی ادائیگی کے ذریعہ سے ان کو اپنا قرب۔ عطا فرما دیا وہ امانت جس کو برداشت کرنے سے آسمان زمین اور پہاڑ بھی خوف زدہ ہو گئے تھے اس کا حامل ان کو بنا دیا۔

مٹی کی آگ پر فضیلت:

اہل دانش کا قول ہے کہ مٹی کی سرشت میں وزن وقار برداشت اور صبر داخل ہے یوں تو آدم کے لئے پہلے سے ہی ازلی سعادت مقدر تھی مگر مٹی کی سرشت ہی ان کو توبہ عجز اور زاری کی طرف لے گئی اور اس فطرت کی وجہ سے ان کو توبہ ہدایت اور برگزیدگی نصیب ہوئی۔ اور آگ کی فطرت میں ہلکا پن، اضطراب تیزی اور بلند طلبی داخل ہے ابلیس کے لئے یوں تو پہلے سے بدبختی مقدر ہو چکی تھی مگر اس کی آتشیں فطرت نے ہی اس کو تکبر

اور ضد پر آمادہ کیا اور لعنت اور شقاوت کا مستحق بنایا۔ اس سے آگ پر مٹی کی برتری ثابت ہوتی ہے آگ پر مٹی کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ مٹی اشیاء کو سمیٹتی اور جمع کرتی ہے اور آگ منتشر اور پراگندہ کرتی ہے مٹی نباتات کی زندگی کا سبب ہے اور آگ نباتات کو تباہ کر دیتی ہے۔

انسان کی مکمل ساخت مٹی کی اور شیطان کی پوری بناوٹ آگ کی اگرچہ نہیں ہے لیکن انسان کی ساخت میں بیشتر حصہ مٹی کا اور شیطان کی ساخت میں بیشتر حصہ آگ کا ہے اور دونوں کا غالب عنصر مٹی اور آگ ہی ہے اس لئے اول الذکر کو مٹی کا ساختہ اور موخر الذکر کو آگ کا ساختہ قرار دیا۔ من طین کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کا امتیازی نشان عالم خلق (یعنی مادی عنصر) ہے عالم امر (یعنی روح اور اس کی غیر مادی طاقتیں) عالم خلق کا تابع ہے اس کو خیر وشر سے متصف عالم خلق کی نیکی و بدی کی وجہ سے بالتبع کر لیا جاتا ہے اور عالم خلق کے رنگ ہی سے عالم امر رنگ جاتا ہے جیسے سورج کا عکس اگر آئینہ پر پڑتا ہے تو آئینہ کی جیسی شکل ہوتی ہے سورج کی روشنی کی بھی وہی شکل ہو جاتی ہے (پس روح سورج کی شعاعوں کی طرح ہے اور جسم آئینہ کی طرح) حضرت مجددؒ نے فرمایا عالم امر کی وجہ سے نفس کی انتہائی ترقی صفات کے پرتو تک ہوتی ہے (صفات تک پہنچ نہیں ہوتی) ہاں مرتبہ انتہیٰ کی ترقی بعض صفات تک ہو جاتی ہے اور لطائف عالم خلق سے جو کمال نفس کو ملتا ہے اس کی ترقی ظاہر صفات تک ہو جاتی ہے اور ہوا پانی آگ ان تینوں عناصر کی ترقی کا منتہا باطن صفات جیسے آفتاب کی شعاعیں لطیف ترین چیز میں نمایاں نہیں ہوتیں اندر گھس کر پار نکل جاتی ہیں اور کثیف جسم پر پڑتی ہیں تو نمایاں ہوتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ
تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس
إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِينَ ۝
باہر نکل تو ذلیل ہے

جنت فرمانبرداروں کی جگہ ہے:

یعنی جنت میں یا آسمانوں پر خدا کی وہ مخلوق رہ سکتی ہے، جو خدا کی پوری مطیع وفرماں بردار ہو، نافرمان متکبروں کے لئے وہاں گنجائش نہیں، بہر حال ابلیس لعین عزت کے اس مقام سے جس پر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے اب تک فائز تھا۔ بڑا بول بولنے کی بدولت نیچے دھکیل دیا گیا۔

تنبیہ: ابلیس کو مدت دراز تک زمرہ ملائکہ میں شامل رکھنے سے متنبہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مکلفین میں کسی کی فطرت حتیٰ کہ شیطان کی بھی ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف بدی کی طرف جانے کے لئے مجبور ومضطر ہو بلکہ خبیث سے خبیث ہستی بھی اصل فطرت کے اعتبار سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے کسب و اختیار سے نیکی اور پرہیزگاری میں انتہائی ترقی کر کے زمرہ ملائکہ میں جا ملے۔ (تفسیر عثمانی)

عاجزی کی فضیلت:

قاموس اور دوسری لغت کی کتابوں میں ہے کہ صاغر وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے ذلیل مقام پر خوش ہو اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ غرور کرنے اور بڑائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے لئے ذلت وحقارت لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کے لئے فروتنی کرتا ہے اللہ اس کو اونچا کرتا ہے وہ خود اپنے کو تو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہوتا ہے مگر لوگوں کی آنکھوں میں کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان از عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا برا ہے وہ بندہ جو غرور کرتا ہے اور اتراتا ہے اور اللہ بزرگ و برتر کو بھول جاتا ہے۔ ترمذی نے حضرت اسماءؓ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن صراحت کر دی ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

تکبر ہلاکت ہے:

اہل جنت کے لئے تکبر زیبا نہیں۔ کبریائی تو اللہ ہی کے لئے ہے ابلیس تکبر کی وجہ سے ہی راندہ درگاہ ہوا اور آسمان سے نکالا گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بڑائی ہوگی جنت میں نہیں جائے گا۔ رواہ مسلم۔ مسلم کی دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگ (اپنے لئے) اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پسند کرتے ہیں کیا یہ بھی غرور کی علامت ہے فرمایا اللہ (خود) جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے غرور تو حق کے مقابلہ میں اکڑنا ہے اور لوگوں کی تحقیر کرتا ہے۔

حضرت حارثہؓ بن وہب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ وہ کمزور آدمی جس کو لوگ کمزور سمجھتے ہیں (یعنی ذلیل سمجھتے ہیں) لیکن اگر وہ اللہ کے اعتماد پر قسم کھا لیتا ہے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے (جنتی ہے) اور ہر بد خلق،

درشت خو تندمزاج مغرور دوزخی ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) بزرگی میری چادر اور بڑائی میری لنگی ہے جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی مجھ سے کشاکشی کرے گا میں اس کو دوزخ میں داخل کردوں گا۔ دوسری روایت میں ہے میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ

بولا کہ مجھے مہلت دے اُس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی

امتحان کیلئے آزادی ضروری ہے:

یعنی جب تو نے یہ درخواست کی تو سمجھ لے کہ یہ پہلے سے علم الٰہی میں طے شدہ ہے کہ تجھ کو مہلت دی جائے۔ جب حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ و شہنشاہانہ عظمت و جبروت کا مظاہرہ کرے تو اس نے عالم کو پیدا فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

(الطلاق رکوع ۲) یعنی زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے کل نظم و نسق سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔ اسی معرفت الٰہیہ کو آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے تخلیق عالم سے یہ غرض بہ وجہ اتم جب ہی پوری ہوسکتی ہے کہ مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات و کمالات کا اظہار ہو، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ عالم میں مطیع و وفادار اور باغی و مجرم ہر قسم کی مخلوق موجود ہو۔ نیز اعداء اللہ کو پوری زور آزمائی اور ان کے پیدائشی اختیار و قوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری حد تک مہلت و آزادی دی جائے پھر انجام کار حکومت الٰہیہ کا لشکر غالب ہو، دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ پس خیر و شر اور منبع خیر و شر کا پیدا کرنا، اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی صفات کمالیہ کا مظاہرہ اور بغیر اس کے پوری نہ ہوسکتی تھی وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود رکوع ۱۰) اسی لئے ضروری ہوا کہ عدو ابلیس لعین کو جو منبع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تا قیام قیامت اپنے قوی و وسائل کو جی کھول کر استعمال کر لے۔ لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور قادر مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت و خلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (بنی اسرائیل رکوع ۷)

اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہی، خاص شاہی فوج ملائکہ سے اس کو کمک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف وقلت کے اپنے فضل و رحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور کیا جائے پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدم کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اسی وقت ہوسکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوں اس لئے تکوینا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزیں ہو جائے۔ ابلیس آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر نیچے گرایا گیا اور آدم علیہ السلام کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ والحرب سجال وانما العبرة للخواتیم۔ (تفسیر عثمانی)

دعاء کب تک قبول ہوئی:

شیطان نے تو اپنی دعاء میں اس وقت تک کی مہلت مانگی تھی۔ جبکہ دوسرا صور پھونکنے تک تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا، اسی کا نام یوم البعث ہے، اگر یہ دعاء بعینہ قبول ہوتی تو جس وقت ایک ذات حی وقیوم کے سوا کوئی زندہ نہ رہیگا، اور كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ کا ظہور ہوگا، اس دعاء کی بناء پر ابلیس اس وقت بھی زندہ رہتا، اسلئے اسکی ایک دعاء کو یوم بعث تک کی مہلت کے بجائے يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ تک کی مہلت سے تبدیل کر کے قبول کیا گیا، جس کا اثر یہ ہوگا کہ جس

وقت سارے عالم پر موت طاری ہوگی، اس وقت ابلیس کو بھی موت آئے گی، پھر جب سب دوبارہ زندہ ہوں گے تو وہ بھی زندہ ہو جائے گا۔

کافر کی بھی دعاء قبول ہوسکتی ہے:

دنیا میں کافر کی دعا بھی قبول ہوسکتی ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس جیسے اکفر کی دعاء بھی قبول ہوگئی، مگر آخرت میں کافر کی دعا قبول نہ ہوگی۔ (معارف مفتی اعظم)

دعاء کی قبولیت صرف فرماں بردار اور اطاعت گزاروں کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے نہ یہ ضروری ہے کہ دعاء کرنے والا مقبول بندہ ہو بلکہ کبھی کافر کی دعاء ڈھیل دینے کے لئے بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ اس میں بندوں کا امتحان ہوتا ہے اور درپردہ اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بہتری اس کی دعاء کے خلاف کرنے میں ہی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
بولا تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا اُن کی تاک
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾
میں تیری سیدھی راہ پر

یعنی رہزنوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ماروں گا جن کے سبب مجھے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ
پھر اُن پر آؤنگا اُن کے آگے سے
خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ
اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے

شیطان پوری کوشش کرتا ہے:

یعنی ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ جہات اربعہ کا ذکر تعمیم جہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بغوی نے علیؓ بن طلحہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے من قبل الاخرۃ یعنی آخرت کے معاملہ میں ان کو شک میں ڈال دوں گا اور من خلفهم سے مراد ہے من دنیا هم یعنی دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور عن ایمانهم سے مراد ہے امر دین یعنی امر دین کو مشتبہ بنا دوں گا اور عن شمائلهم سے مراد ہیں گناہ یعنی گناہوں کی طرف راغب کر دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾
اور نہ پائیگا تو اکثروں کو ان میں شکر گذار

یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو صحیح نکلا۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سبا رکوع ۲)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ
کہا نکل یہاں سے برے حال سے مردود ہو کر
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ
جو کوئی اُن میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور بھر دونگا
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
دوزخ کو تم سب سے

تھوڑے شکر گزار ہی غالب ہوں گے:

یعنی اکثر آدمی ناشکرے ہوں گے تو ہمارا کیا بگاڑیں گے۔ انجام کار ان ہی تھوڑے وفاداروں کے لئے کامیابی اور فلاح ہوگی اور ناشکروں کی کثرت دوزخ کی نذر ہو جائے گی۔ گویا اس طرح واضح کر دیا جائے گا کہ جنود الشیطان کی اس قدر کثرت بھی "خلیفۃ اللہ" کے قلیل التعداد لشکر کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکی۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا
اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر
مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾
درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار

درخت سے ممانعت:

آدم وحوا کو اجازت تھی کہ بلا روک ٹوک جو چاہیں کھائیں پئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا۔ اُسے فرما دیا کہ اس کے پاس نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ میرے نزدیک

یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔ پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانیوالوں میں سے۔ ظلم کے معنی نقصان اور کمی وکوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا (کہف) میں۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا
پھر بہکایا اُن کو شیطان نے تاکہ کھولدے اُن پر وہ چیز کہ
مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا
اُن کی نظر سے پوشیدہ تھی اُن کی شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو
نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ
نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر
تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
اسی لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے
وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾
اور اُن کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں پھر مائل کر لیا
فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ
اُن کو فریب سے

حضرت آدمؑ نے پھل کیسے کھالیا؟

آدم وحواء شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے، شاید وہ سمجھے کہ واقعی اس کے کھانے سے ہم فرشتے بن جائیں گے، یا پھر کبھی فنا نہ ہونگے۔ اور حق تعالیٰ نے جو نہی فرمائی تھی اس کی تعلیل یا تاویل کر لی ہوگی۔ لیکن غالباً فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى وغیرہ سے نسیان ہوا، اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب وہ مسجود ملائکہ بنائے جا چکے، پھر ملک بننے کی کیا ضرورت رہی۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ رکوع ۶) واضح ہو کہ امر ونہی کبھی تو تشریعاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً۔ اس کو یوں سمجھو کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے، یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے جس کا اثر کمپنی کے حقوق پر پڑتا ہے اور ایک جو گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ مت تھوکو کہ اس سے بیماری پھیلتی ہے۔ یہ نہی شفقۃً ہے جیسا کہ بیماری پھیلنے کی تعلیل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر ونواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے اور جن کا ارتکاب کرنا اُن حقوق کے منافی ہے جن کی حفاظت کرنا تشریع کا منشاء تھا، دوسرے وہ اوامر ونواہی ہیں جن کا منشاء تشریع نہیں محض شفقت ہے، جیسا کہ طب نبوی وغیرہ کی بہت سی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ شاید آدم علیہ السلام نے اکل شجرہ کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا، اسی لئے شیطان کی وسوسہ اندازی کے بعد اُس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم وثقیل بن جاتی ہے اس لئے اپنی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ واستغفار میں مشغول گریہ وبکا رہے۔ آخر کار ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى کے نتیجہ پر پہنچ گئے۔

بود آدم دیدۂ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

(تفسیر عثمانی)

نسیان ہوا اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب میں مسجود ملائکہ بن چکا ہوں تو اب ملک (فرشتہ) بننے کی کیا ضرورت رہی، کما قال تعالیٰ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا مگر اس کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر گزرے اور ظاہر ہے کہ اگر بھول کر کوئی کام خلاف حکم سرزد ہو جائے تو اس کو لغزش اور خطاء اجتہادی کہتے ہیں یہ اگر معصیت ہے تو محض صورۃً معصیت ہے اور حقیقۃً معصیت وہ ہے جو دیدہ ودانستہ ہو۔ (کاندھلوی)

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا
پھر جب چکھا اُن دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں اُن پر شرمگاہیں اُنکی

جنتی لباس اترنا:

یعنی عدول حکمی کرا کر لباس بہشتی ان پر سے اتروا دیا۔ کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی محسوس صورت ہوتی ہے کسی ممنوع کے ارتکاب سے جس قدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہوگی۔ غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کرا کر آدم کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا خلعت فاخرہ اتروا دے۔ یہ میرا خیال ہے۔

معصومیت کے حجاب کا اترنا:

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے نزع لباس کو اکل شجرہ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی ان کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اترتے نہ تھے کیونکہ حاجت

اتارنے کی نہ ہوتی تھی آدم وحوا اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے۔ گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر پڑا تھا وہ اٹھ گیا، سواۃ کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے قابیل ہابیل کے قصہ میں سورۃ اخیہ فرمایا اور حدیث میں ہے احدی سوء تک یا مقداد، اب تک آدم کی نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت تھی اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں لیکن اکل شجرہ کے بعد آدم کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہوگئیں اور جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ وانابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو انکے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت وشرافت کا مشاہدہ ہوگیا اس نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن تیمیہ صاحب معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو ''شجرۃ علم الخیر والشر'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ پورے طور پر کھانے بھی نہ پائے تھے فقط مزہ ہی چکھا تھا کہ نافرمانی کی نحوست سے دوچار ہوگئے سزا میں پکڑے گئے اور بدن سے (جنت کا) لباس اتر گیا۔ عبد بن حمید نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں کا لباس نور کا تھا۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمؑ دراز قامت ایسے تھے جیسے کھجور کا پرانا لمبا درخت آپ کے سر کے بال بڑے بڑے تھے جب گناہ میں پڑ گئے اور پوشیدہ اعضاء ظاہر ہوگئے اور پہلے کوئی ان اعضاء کو نہیں دیکھتا تھا تو بھاگ کر آپ ایک باغ میں پہنچے باغ کے ایک درخت نے ان کے بالوں کو الجھا لیا آدم نے کہا مجھے چھوڑ دے درخت نے جواب دیا میں تم کو چھوڑنے والا نہیں اس پر اللہ کی آواز آئی آدم کیا مجھ سے بھاگ رہا ہے آدم نے کہا نہیں میرے رب۔ بلکہ مجھے تجھ سے شرم آرہی ہے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ
اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے

فطری حیاء: یعنی برہنہ ہوکر شرمائے اور پتوں سے بدن ڈھانپنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آدمی پیدائش کے وقت ننگا ہوتا ہے مگر فطری حیامانع ہے کہ ننگا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدم جنت میں انجیر کے پتے لباس کی شکل میں جوڑ کر باندھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
اور پکارا اُن کو اُن کے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم
الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا
کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ
تمہارا کھلا دشمن ہے بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ فرمایا تم اُترو تم
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ
ایک دوسرے کے دشمن ہو گے

زمین پر اُترنے کا حکم:

مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدمؑ وحوّا اور ابلیس لعین سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدمؑ کو سپرد ہوئی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

نافرمانی کا بدلہ:

محمد بن قیس نے کہا اللہ نے ندا دی آدم تو نے کیوں کھایا میں نے تو تجھے منع کر دیا تھا آدم نے عرض کیا مجھے حوا نے کھلا دیا۔ اللہ نے حواؑ سے فرمایا تو نے کیوں کھلایا حوا نے عرض کیا مجھے سانپ نے مشورہ دیا تھا۔ سانپ سے سوال ہوا تو نے کیوں مشورہ دیا سانپ نے عرض کیا مجھے ابلیس نے مشورہ دیا تھا۔ اللہ نے فرمایا حوا تو نے درخت کو خون آلود کیا تو بھی ہر ماہ خون آلود رہے گی اور اے سانپ تیرے پاؤں میں کاٹے دیتا ہوں تو منہ کے بل چلے گا اور تجھے جو بھی پائے گا تیرا سر پھاڑ دے گا اور اے ابلیس تو ملعون ومردود ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت آدم علیہ السلام کا عمل:

جیسا کہ کہا گیا ہے ''حسنات الابرار سیات المقربین'' یعنی نیکوں کی

نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں

این خطا از صد صواب اولیٰ تراست — خون شہیداں راز آب اولیٰ تراست

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود — لیک آن مو در دو دیدہ رستہ بود

اگرچہ وہ گناہ جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ بال کے برابر تھا۔لیکن وہ بال آنکھوں میں ظاہر ہوا انسان کے جسم پر کم وبیش بال ہوتے ہیں مگر ان سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھوں کے اندر اگر کوئی بال آجائے تو وہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

بود آدم دیدہ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

اسی طرح سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات نور قدیم کے آنکھ کی طرح تھی اور آنکھ جیسی نازک چیز میں ایک بال بھی بمنزلہ ایک بھاری پہاڑ کے موجب ثقل ہوتا ہے۔

گر دراں حالت بکردے مشورت — در پشیمانی نہ گفتے معذرت

ہاں اگر اس حالت میں جب کہ شیطان ان کو اپنی تقدیر سراپا تزویر سے دھوکہ دے رہا تھا حق جل شانہ سے مشورہ کر لیتے کہ اے پروردگار اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو آدم علیہ السلام کو ندامت اور پشیمانی سے معذرت یعنی توبہ اور استغفار کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ حضرت آدم رسول متکلم تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ان کو وحی ہوتی تھی وہ اس بارہ میں بھی بلا واسطہ حق تعالیٰ سے دریافت کر سکتے تھے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام نے وہ چیز ترک کی جو ان کی شان کے لئے اولیٰ اور انسب تھی کہ خدا تعالیٰ سے دریافت کرتے لیکن بھول گئے اور خدا تعالیٰ سے دریافت نہ کیا۔پس اس ترک اولیٰ کی وجہ سے عتاب آیا اور یہ ترک اولیٰ نبی ان کی شان کے لحاظ سے ہے ورنہ ہمارے لحاظ سے ترک اولیٰ بھی نہیں کیونکہ اللہ کے نام کی قسم سے حجت پوری ہوجاتی ہے تو حضرت آدم کے ظلم کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار ہم نے شیطان کے دھوکہ میں آکر اپنا نقصان کیا کہ آپ کے حکم کی متابعت سے اور شیطان کی مخالفت سے ہم کو جو درجات اور مراتب حاصل ہوئے ان میں کمی آگئی اور سردست جنت کا لباس ہمارے بدن سے اتر گیا اور تیرے مقام قرب اور مقام اختصاص سے ہم کو دور جانا پڑ رہا ہے اور نعمائے جنت سے محروم ہو رہے ہیں۔ہم پر رحم فرما۔

عارف رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مثنوی میں بزبان ہدہد ایک قصہ بیان کیا جس میں یہ بتلایا۔

چوں قضا آید شود دانش بخواب — مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے اور اس کا ادراک بھی سو جاتا ہے اور قضاء الٰہی سے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقل جو آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے قضاء الٰہی سے وہ بے نور اور تاریک ہوجاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم:

ابو البشر کو علم الاسماء بگ است — صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

یعنی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام جو ابو البشر ہیں اور مرتبہ **علم آدم الاسماء** کے تاجدار ہیں اور لاکھوں علم ان کی رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔آگے **علم الاسماء** کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست — تا بپایاں جانِ او را داد دست

تمام چیزوں کے نام اور جس حالت پر وہ واقع ہیں سب کا نام ونشان ان کی آخری حالت تک ان کی روح کو عطا کر دیا گیا۔خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا کہ **علم آدم الاسماء** سے صرف اشیاء کے نام بتا دینا مراد نہیں بلکہ اسماء عام ہے جو حقائق اور اوصاف اور خواص اور آثار سب کو شامل ہے پس تعلیم اسماء کا مطلب یہ ہوا کہ تمام اشیاء کے نام اور ان کی ماہیتیں اور صفتیں اور خاصیتیں سب آدم کو بتلا دیں کیونکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دنیا میں پیش آنے والے امور مثلاً کھانا اور پینا بھوک اور پیاس اور سرور اور حزن اور شہوت اور غضب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام امور کے ماہیتوں امور خاصیتوں سے واقف ہو۔اس لئے یہ تمام امور حضرت آدم کو بتلا دیئے گئے تاکہ زمین میں منصب خلافت کو انجام دے سکیں اور فرشتوں میں اللہ نے کس حکمت سے یہ استعداد نہیں رکھی کہ وہ ان اور حسیہ اور جسمانیہ کا کماحقہ ادراک کر سکیں ملائکہ اس قسم کے امور سے منزہ ہیں اس لئے منصب خلافت بجائے ملائکہ کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔

چشم آدم چوں بنور پاک دید — جان و سر نامہا گشتن پدید

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ نے جو نور خداوندی سے منور تھی نظر اٹھائی اور خداداد نور سے اشیاء کا مشاہدہ کیا تو ان پر تمام تمام اسماء کے حقائق اور اسرار منکشف ہوگئے پس اصل فضیلت حضرت آدم کی یہ تھی کہ وہ نور الٰہی اور علم خداوندی کے مظہر اور آئینہ تھے۔

ملک انوار حق بروئے بتافت — در سجود افتاد و در خدمت شتافت

اور جب فرشتوں نے ان میں انوار حق تجلیات ربانی کو درخشاں دیکھا

تو سب سجدہ میں گر گئے اور خدمت کے لئے دوڑے۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو — جملہ افتادند در سجدہ برو

شیطان کا تکبر:

جب ملائکہ نے حضرت آدم میں نور حق کا جلوہ گر دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے بخلاف ابلیس کے کہ اس کی نظر صرف مادہ طین تک محدود رہی اور نور حق سے نابینا بن گیا اس لئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خداوند ذوالجلال سے بحث شروع کی خلقتني من نار و خلقته من طين.

حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت:

این چنیں آدم کہ نامش می برم — گر ستایم تا قیامت قاصرم

ہدہد جس کی زبان پر یہ قصہ بیان کیا جا رہا ہے وہ ہدہد یہ کہتا ہے کہ ایسے آدم جن کا نام میں لے رہا ہوں اگر قیامت تک بھی ان کی تعریف و توصیف کروں تو تب بھی قاصر رہوں۔

تقدیر کا غلبہ:

این ہمہ دانست و چوں آمد قضا — دانش یک نہی شد بروے غطا

باوجودیکہ حضرت آدم کو یہ سارا علم حاصل تھا اور تمام چیزوں کے خواص اور آثار سے واقف تھے لیکن جب قضا نمودار ہوئی تو ایک نہی لاتقربا هذه الشجرة کا علم ان پر پوشیدہ ہو گیا اور غیبی طور پر اس پر ایک پردہ پڑ گیا جس سے وہ دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے جن کا اگلے شعر میں بیان ہے

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود — یا بتاویلے بدو توہیم بود

حضرت آدم حیران تھے اور تعجب اور تردد میں تھے کہ خدا جانے یہ نہی تحریم مطلق کے لئے کہ ذاتی طور پر اس درخت کے قریب جانا مطلقاً حرام ہے یا یہ نہی متلبس بتاویل ہے

در دلش تاویل چوں ترجیح یافت — طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

حضرت آدم اسی حیرت اور تردد میں تھے کہ دل نے تاویل کو ترجیح دی اور طبیعت حیرت میں آ کر گندم کی طرف مائل ہو گئی تو بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور ہبوط کا حکم آیا اس لئے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کو کھائے گا وہ دنیا کی طرف ضرور اترے گا۔ کھانے کے بعد حضرت آدم کو اپنی خطا کا احساس ہوا تو توبہ اور استغفار شروع کی اب آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

اس قصہ کی مثال:

باغباں را خار چوں در پائے رفت
دزد فرصت یافت کالا برد تفت

اس قصہ کی ایسی مثال ہو گئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے میں لگا اور چور کو فرصت مل گئی چرانے کا موقع مل گیا کہ جلدی سے سارا مال لے کر چلتا بنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام باغبان علم و معرفت تھے ان کے پائے قلب میں وسوسہ کا ایک کانٹا چبھا، اور اس کے نکالنے میں مشغول ہوئے دزد لعین (ابلیس) موقع پا کر ان کی متاع راحت و سکینت کو چرا کر لے بھاگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ:

چوں ز حیرت رست باز آمد براہ — دید بردہ دزد رخت از کارگاہ

جب حضرت آدم اس حیرت سے نکلے اور راہ حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو دیکھا کہ چور کارخانہ سے مال و متاع چرا کر لے گیا۔ حضرت آدم سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا تا کہ مجھ کو جنت سے محروم کرا دے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و آہ — یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بصد آہ و درد ربنا ظلمنا کہہ کر بارگاہ خداوندی میں معذرت کرنے لگے روتے جاتے تھے اور آہیں بھرتے جاتے تھے یعنی اے خدا ہماری عقل پر ظلمت اور تاریکی چھا گئی اور ہم سے راستہ گم ہو گیا اس دوسرے مصرعہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت آدم کی اس دعا ربنا ظلمنا انفسنا میں۔ ظلمنا۔ ظلم سے مشتق نہیں بلکہ ظلمت سے مشتق ہے۔

قضاء کی مثال:

این قضا ابرے بود خورشید پوش — شیر و اژدھا بود زو ہمچو موش

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ اس قضا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادل ہو وہ آفتاب کو چھپا لے قضاء ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے سامنے شیر اور اژدھا چوہے کے مانند عاجز اور لاچار ہیں۔ (دیکھو مثنوی مولانا روم ص ۱۰۳ دفتر اول و ص ۱۰۴ دفتر اول) (معارف القرآن کاندھلوی)

شیطان کا فریب:

گفت شیطاں کہ بما اغویتنی — کرد فعل خود نہان و بودنی

شیطان نے بما اغویتنی کہا اور اس کمینہ نے اپنے کسب اور ارتکاب غوایت کو چھپا کر اغوا کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ خود بری الذمہ بن جائے۔

توبہ کی قبولیت:

بعد توبہ گفتش اے آدم نہ من — آفریدم در تو ایں جرم و محن

توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا اے آدم کیا یہ تقصیر یعنی (اکل شجرہ) خود میں نے تیرے اندر پیدا نہیں کی یعنی میں ہی تو

اس تقسیم کا خالق ہوں اور یہ سب کچھ میری ہی قضاء وقدر سے واقع ہوا ہے پھر تم نے معذرت کے وقت اس فعل کو میری طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا۔ (معارف القرآن)

نے کہ تقدیر و قضاء من بد اں   چوں بوقت عذر کردی آن نہان

کیا یہ سب کچھ میری ہی قضاء وقدر سے نہ تھا جو تو نے عذر کے وقت اس کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہیں کہا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہٰذا میں بے قصور ہوں

گفت ترسیدم ادب نگذ اشتم   گفت من ہم پاس آنت داشتم

حضرت آدم نے عرض کیا کہ میں سوء ادب سے ڈر گیا اور دامن ادب ہاتھ سے نہ چھوڑا تو فرمایا کہ پھر میں نے ہی تیرے ادب کا لحاظ کیا اور تجھے اپنے عفو وکرم سے نوازا

گناہ اگرچہ اختیار ما حافظ   تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد   ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری بارگاہ میں ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کے صلہ میں حرمت اور کرامت لے جاتا ہے یعنی ہمارا مقبول اور مقرب بن جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ اور لوزینہ (یعنی حلوہ بادام کھاؤ) (مثنوی مولانا روم۔ دفتر اول ص ۱۴۳ و کلید مثنوی دفتر اول حصہ اول ص ۳۶۵)

اہل بدر کیلئے معافی کا پروانہ:

اہل بدر کے متعلق جو ارشاد آیا ہے (اعملوا ما شئتم فقد غفرت) اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل بدر سے دیدۂ دانستہ اللہ کی معصیت ظہور میں نہیں آئے گی البتہ بمقتضائے بشریت۔ بطریق سہو ونسیان ان سے لغزشیں ہونگی یعنی ان سے کبھی ایسے افعال سرزد ہونگے جو ان کی شان اور مرتبہ کے مناسب نہ ہونگے اس قسم کے جو امور ان سے صدور اور ظہور میں آئیں گے۔ وہ اللہ کے یہاں سب معاف ہیں۔

ہر دمش صد نامہ صد پیک از خدا   یا رب زد شصت لبیک از خدا

اور اس حالت میں اس انسان کامل کو صدہا نام وپیام خدا کی طرف سے پہنچتے ہیں اور اس کے ایک مرتبہ یا رب کہنے سے ساٹھ مرتبہ (یعنی بکثرت) خدا کی طرف سے لبیک کا جواب آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو بندہ ایک نیکی لے کر آتا ہے تو اس کو کم از کم دس گنا اجر ملتا ہے اور جو شخص خدا سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو خدا اس سے ایک گز قریب ہو جاتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف چل کر آتا ہے خدا اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ (رواہ مسلم)

ہر دمے او را یکے معراج خاص   بر سر تاجش نہد صد تاج خاص

زلت خاصان و سہو و غفلتے   بہتر از صد سالہ ایمان حامیح

جیسا کہ صدیق اکبرؓ سے منقول ہے یا لیتنی کنت سہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاش میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا سہو ونسیان ہوتا۔ آپ کے حضور پرنور کا سہو ونسیان ہماری طاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

قیاس حُجت ہے:

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اور تابعین کا مذہب یہی ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور عقلاً اور شرعاً اس کا اتباع ضروری ہے صرف چند اہل ظاہر قیاس کے منکر ہیں مگر وہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی ہے کہ جو صحابہ وتابعین کا مسلک ہے۔ اور اسی کو امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور کتاب الاعتصام میں حجیت قیاس کیلئے متعدد ابواب اور تراجم منعقد فرمائے۔ اور اگر مسئلہ کا حکم کتاب اور سنت اور اجماع امت سے معلوم نہ ہو سکے تو قیاس واجب ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین سے یہی ثابت ہے کہ جب ان کو کسی امر میں اشتباہ پیش آتا اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو امثال اور اشباہ پر اس کو قیاس کرتے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی)

شیطان کا غلط قیاس:

اول آنکس کیں قیاسہا نمود   پیش انوار خدا ابلیس بود

سب سے پہلا شخص جس نے انوار الٰہیہ (یعنی احکام منصوصہ) کے مقابلہ میں اپنے بیہودہ قیاسات چلانے شروع کئے وہ ابلیس تھا۔

گفت نار از خاک بیشک بہتر است   من ز نار و او ز خاک اکدر است

کہنے لگا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ خاک تاریک سے پیدا ہوا ہے۔

پس قیاس فرع بر اصلش کنیم   او ز ظلمت ما ز نور روشنیم

پس مناسب ہے کہ ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں سو ان کی اصل مادۃ ظلماتی ہے اور میری اصل مادۃ نورانی اور درخشانی ہے یعنی آگ سے ابلیس نے یہ قیاس کیا اور غلط کیا۔ اول تو اس پر کیا دلیل ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے دونوں ہی عنصر اللہ کی مخلوق ہیں عنصریت میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے اس لئے کہ مٹی میں

متانت اور وقار ہے اور حلم اور حیاء اور صبر کا مادہ ہے اسی وجہ سے حضرت آدم تواضع اور تضرع کی طرف مائل ہوئے اور عفو اور مغفرت اور اجتباء سے سرفراز ہوئے۔

زادۂ خاکی منور شد چو ماہ — زادہ آتش توئی اے روسیاہ

اسی طرح سمجھ لو کہ ایک خاک زادہ یعنی آدم علیہ السلام چاند کی طرح انوار الٰہی سے منور اور روشن ہو گیا اور اے شیطان تو آتش زادہ ہے اے روسیاہ تو تاریک رہا مادہ ناری کی ظلمت اور دخان نے تجھ کو تاریکی میں ڈال دیا۔

ایں قیاسات و تحری روز ابر — یا بشب مرد قبلہ را کردست جبر

اس قسم کے قیاسات اور انکل کی باتیں اس وقت چلتی ہیں کہ جب ابر چھایا ہوا ہو یا رات کا وقت ہو کہ قبلہ نظر نہ آتا ہو اس وقت اس قسم کے قیاسات اور تخمینے قبلہ کا جبر اشتباہ اور بدل بن سکتے ہیں۔

لیک با خورشید و کعبہ پیش رو — ایں قیاس و ایں تحری را مجو

لیکن ایسی حالت میں کہ جب آفتاب طلوع کئے ہوئے ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت تحری اور قیاس سے نماز ہرگز جائز نہیں۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

کعبہ نادیدہ مکن زور و متاب — از قیاس اللہ اعلم بالصواب

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ

اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے

حِينٍ ۝ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ

ایک وقت تک فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے

زمین پر رہائش:

یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اس سے اوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چندروز یا چند گھنٹے کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مرجائے وہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں ان کو فیہا نعیدکم الخ میں بھی داخل کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔

وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ يَا بَنِي

اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے اے اولاد

آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ

آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں

وَرِيشًا ۖ

اور اتارے آرائش کے کپڑے

لباس اور اس کے اسباب:

اتارنے سے مراد اس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اسکے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق و تحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کئے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لباس پر شکر کرنا:

حضرت علیؓ نے ایک لڑکے کے پاس سے تین درہم میں ایک قمیص خریدی اور پونچے سے ٹخنے تک پہن لی تو کہنے لگے خدا کا شکر جس نے ریش سے مجھے تجمل بخشا اور اس سے میں اپنی عورات کو چھپاتا ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ آپ اپنے طور پر کہہ رہے ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر؟ تو علیؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہہ رہا ہوں۔ اور ارشاد خداوندی کہ تقویٰ کا لباس یہ سب سے بہتر لباس ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ

اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے

معنوی لباس: یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن ہلکا تستر یا تزین ہوتا ہے ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی تھی پردۂ خفا میں رہتی ہیں، منصہ ظہور و فعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس التقویٰ فرمایا، باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتی ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لیے شرعاً مطلوب ہوا ہے حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس کی سکھادی اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو، یعنی مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔ (تفسیر عثمانی)

عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے روز متقیوں کو پہنایا جائے گا۔

تقویٰ کا لباس: ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ایمان۔ عروہ "لباس التقویٰ" کے معنے خدا کا خوف بتاتے ہیں۔ یہ سب معنی متقارب ہیں اور اس حدیث کی تائید میں ہیں کہ عثمان بن عفان منبر رسول پر آئے، آپ ایک قمیض پہنے ہوئے تھے جس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے رہے تھے اور کبوتر بازی سے روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! چھپ چھپ کر کام کرنے سے بچو کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم کوئی چوری کا کام کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس چوری چھپے کے کام کو ظاہر کردے وہ کام اچھا ہوگا تو نیک نامی اور برا ہوگا تو بدنامی ہوگی۔ پھر یہی متذکرہ بالا آیت پڑھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

زمانہ جاہلیت کا رواج:

بغوی نے لکھا ہے جاہلیت کے زمانہ میں لوگ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے مرد دن میں اور عورتیں رات میں۔ ان کا قول تھا کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کو پہنے ہوئے ہم طواف نہیں کرینگے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی قتادہ نے کہا عورت دوران طواف میں اپنی شرمگاہ پر ہاتھ رکھے ہوئے کہتی تھی آج اس کا کچھ حصہ کھلا ہوا یا سب برہنہ ہو میں اس کو کسی کے لئے حلال نہیں کرونگی اس پر اللہ نے کپڑے پہننے کا حکم دیا اور فرمایا ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عثمانؓ بن عفان کا قول آیا ہے کہ خوبصورت نقشہ مراد ہے کلبی نے پاکدامنی کو یعنی صاحب تقویٰ کے لئے پاکدامنی سب سے خوبصورت لباس ہے بعض نے کہا لباس تقویٰ بالوں کے کھردرے موٹے موٹے کپڑے ہیں جو زاہد لوگ پہنتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

نیا لباس پہننے کے آداب:

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نیا لباس پہنے تو اس کو چاہئے کہ لباس پہننے کے وقت یہ دعاء پڑھے: الحمد لله الذي كساني "یعنی شکر اس اللہ کا جس نے مجھے لباس دیا" ما اواري به عورتي واتجمل به في حياتي "جس کے ذریعہ میں اپنے ستر کا پردہ کروں اور زینت حاصل کروں"

نیا لباس بنانے کے وقت پرانے لباس کو صدقہ کردینے کا ثواب عظیم

اور فرمایا کہ جو شخص نیا لباس پہننے کے بعد پرانے لباس کو غرباء و مساکین پر صدقہ کردے تو وہ اپنی موت و حیات کے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور پناہ میں آگیا۔ (ابن کثیر عن مسند احمد)

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ
یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ لوگ غور کریں

یعنی ان نشانات میں غور کر کے حق تعالیٰ کے قادرانہ انعام و اکرام کے معترف اور شکر گذار رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اے اولاد آدم کی نہ بہکائے تم کو شیطان جیسا کہ اس نے نکال دیا
اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے ان سے انکے کپڑے

شیطان سے ہوشیار رہو:

اخراج ونزاع کی اضافت انکے سبب کی طرف کی گئی۔ یعنی آدم و حوا کو جنت سے علیحدہ کرنے اور کپڑے اتارے جانے کا سبب وہ ہوا۔ اب تم اسکے فریب میں مت آؤ اور اس کی مکاریوں سے ہشیار رہو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض حضرات سلف نے فرمایا کہ یہ دشمن جو ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اس کا علاج ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں، جو ان شیطانوں کو اور ان کی ہر نقل و حرکت کو دیکھتا ہے شیطان اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

یعنی تم دھوکہ نہ کھاؤ اور شیطان کے پیچھے چل کر راستہ سے نہ بھٹکو۔ شیطان چونکہ آدم و حواء کے بدن سے جنت کا لباس اتروانے کا سبب تھا اس لئے ینزع کی نسبت اس کی طرف کردی گئی۔ (تفسیر مظہری)

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۗ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ
تاکہ دکھلائے ان کو شرمگاہیں ان کی وہ دیکھتا ہے تم کو اور اسکی قوم

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھتے

شیطان سے بچنے کی تدبیر: یعنی جو دشمن ہم کو اس طرح دیکھ رہا ہو کہ ہماری نظر اس پر نہ پڑے اس کا حملہ سخت خطرناک اور مدافعت سخت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو بہت مستعد و بیدار رہنا چاہئے۔ ایسے دشمن کا علاج یہی ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی پناہ میں آجائیں جو اسے دیکھتی ہے پروہ اسے نہیں دیکھتا لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

تنبیہ: إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں ان کو نہ دیکھ سکے۔ پس آیت سے رویت جن کی بالکلیہ نفی پر استدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالنون نے فرمایا اگر شیطان تم کو دیکھتا ہے تم کو نظر نہیں آتا تو تم اس ذات سے مدد کی درخواست کرو جو شیطان کو دیکھ رہی ہے اور شیطان اس کو نہیں دیکھ سکتا۔

إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا

ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق اُن لوگوں کا جو

يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾

ایمان نہیں لاتے

جو شیطان کا دوست بنتا ہے تو بنے:

یعنی جب انہوں نے اپنی بے ایمانی سے خود شیاطین کی رفاقت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ جیسا کہ چند آیات کے بعد آرہا ہے۔ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ تو ہم نے بھی اس انتخاب میں مزاحمت نہیں کی۔ جس کو انہوں نے اپنا رفیق بنانا چاہا اسی کو رفیق بنا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا

اور جب کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اسی

آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا

طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا

تو کہہ دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا برے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے

تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾

ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں

شیطان بے حیائی کی تعلیم دیتا ہے:

یعنی برے اور بے حیائی کے کام مثلاً مرد و عورت کا برہنہ طواف کرنا، جو ان آیات کی شان نزول ہے، جن سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نفرت کرتی ہے۔ خدائے قدوس کی شان نہیں کہ ان کی تعلیم دے۔ وہ تو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے۔ گندے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔ اصل میں بے حیائی اور برائی کی تعلیم دینے والے وہ شیاطین ہیں جن کو انہوں نے اپنا رفیق بنا رکھا ہے۔ دیکھو تمہارے سب سے پہلے ماں باپ کو شیطان نے فریب دیکر برہنہ کرایا۔ مگر وہ شرم و حیاء کے مارے درختوں کے پتے بدن پر لپیٹنے لگے معلوم ہوا کہ برہنگی شیطان کی جانب سے اور تستر کی کوشش تمہارے باپ کی طرف سے ہوئی۔ پھر برہنہ طواف کرنے پر باپ دادوں کی سند لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز بقول حضرت شاہ صاحبؒ سن چکے کہ پہلے باپ نے شیطان کا فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہے اسے کہا جائے کہ ہم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عورتیں برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرتی تھیں اور دورانِ طواف میں ایک ہاتھ شرمگاہ پر رکھتی تھیں اور کہتی تھیں آج یہ سب کھل جائے یا کچھ حصہ کھل جائے میں اس کو کسی کے تصرف میں نہیں دے سکتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ

تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا

اعتدال اختیار کرو: روح المعانی میں ہے "القسط علی ما قال غیر واحد العدل و هو الوسط من کل شیء المتجافی عن طرفی الا فراط و التفریط" آیت کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے پھر بھلا فواحش کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ

اُس کو خالص اُس کے فرمانبردار ہو کر

عبادت صحیح طریقہ سے کرو:

مترجم محقق نے ''مسجد'' کو غالباً مصدر میمی بمعنی سجود لے کر تجوزاً نماز کا ترجمہ کیا ہے اور ''وجوہ'' کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے۔ یعنی نماز ادا کرنے کے وقت اپنا منہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو۔ مگر دوسرے بعض مفسرین اقیموا وجوھکم سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ ابن کثیر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادات میں سیدھے رہو۔ جو راستہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اس سے ٹیڑھے ترچھے نہ چلو۔ عبادت کی مقبولیت دو ہی چیزوں پر موقوف تھی۔ خالص خدا کے لئے ہو۔ جس کو آگے فرمادیا وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور اس مشروع طریق کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ و السلام نے تجویز فرمایا ہے اس کو وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ میں ادا کیا گیا۔ بہرحال اس آیت میں اوامر شرعیہ کی تمام انواع کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں وہ سب ''قسط'' میں آگئے اور جن کا تعلق خدا سے ہے اگر قالبی ہیں تو وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ میں اور قلبی ہیں تو وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ میں مندرج ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۭ﴿۲۹﴾

جیسا تم کو پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی پیدا ہو گے

آخرت کی فکر کرو:

یعنی انسان کو اعتدال، استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہئے۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو سعید خدریؓ نے انتقال کے قریب نئے کپڑے طلب کئے اور پہن کر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میت کو انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کو پہنے ہوئے انتقال ہوا ہوگا۔

حضرت جابرؓ نے آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ جن اعمال پر لوگ مریں گے انہی پر ان کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ مسلم (تفسیر مظہری)

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ

ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی گمراہی

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ

انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں

گمراہی کے شیدائی:

یعنی جن پر گمراہی مقرر ہو چکی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست اور رفیق ٹھہرا لیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس صریح گمراہی کے باوجود سمجھتے یہ ہیں کہ ہم خوب ٹھیک چل رہے ہیں اور مذہبی حیثیت سے جو روش اور طرز عمل ہم نے اختیار کر لیا ہے وہی درست ہے جیسا کہ دوسری جگہ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف رکوع ۱۲)

تنبیہ: آیت کے عموم سے ظاہر ہوا کہ کافر معاند کی طرح کافر مخطی بھی جو واقعی اپنی غلط فہمی سے باطل کو حق سمجھ رہا ہو فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ میں داخل ہے، خواہ یہ غلط فہمی پوری طرح غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس لئے کہ گو اس نے بظاہر پوری قوت غور و فکر میں صرف کر دی، لیکن ایسے صریح اور واضح حقائق تک نہ پہنچنا خود بتلاتا ہے کہ فی الحقیقت اس سے قوۃ فکر و استدلال کے استعمال میں کوتاہی ہوئی ہے۔ گویا جن چیزوں پر ایمان لانا مدار نجات ہے وہ اس قدر روشن اور واضح ہیں کہ ان کے انکار کی بجز عناد یا قصور فکر و تامل کے اور کوئی صورت نہیں۔ بہرحال کفر شرعی ایک ایسا سنکھیا (زہر) ہے جو جان بوجھ کر یا غلط فہمی سے کسی طرح بھی کھایا جائے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ ''اہلسنت و الجماعت'' کا مذہب یہی ہے اور ''روح المعانی'' میں جو بعض کا اختلاف اس مسئلہ میں نقل کیا ہے، اس بعض سے مراد جاحظ وعنبری ہیں جو اہل السنت والجماعت میں داخل نہیں بلکہ باوجود ''معتزلی'' کہلائے جانے کے خود معتزلہ کو بھی ان کے اسلام میں کلام ہے۔ اسی لئے صاحب روح المعانی

نے ان کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھ دیا" ولله تعالى الحجة البالغة و التزام ان كل كافر معاند بعد البعثة و ظهور امر الحق كفار على علم' (تفسیر عثمانی)

نوشتۂ تقدیر:

حدیث ابن مسعودؓ جو صحیح بخاری میں ہے کہ خدا کی قسم کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ نوشتۂ تقدیر اس پر غالب آتا ہے اور وہ اہل نار کے عمل کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرجاتا ہے اور داخلِ نار ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص عمر بھر اہلِ نار کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ سے ایک گز کی دوری رہ جاتی ہے کہ کتاب الٰہی اس پر غالب آجاتی ہے پھر وہ جنتیوں کے سے عمل کرکے مرتا ہے اور جنتی بنتا ہے۔ اور حضرتؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں جنتیوں کے سے عمل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور وہ در حقیقت ہوتا ہے اہلِ دوزخ۔ اور ایک دوسرا شخص ہوتا ہے کہ دوزخیوں کے سے اعمال کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ دراصل ہوتا ہے جنتی۔ سند تو ان اعمال کی ہے جو خاتمہ کے وقت سرزد ہوتے ہوں اور کلمۂ شہادت پر دم نکلتا ہو۔

صحیحین میں ہے کہ جو اہلِ سعادت ہیں ان کو اہلِ سعادت کے سے عمل کرنے میں دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ اور جو اہل شقاوت سے ہیں ان پر شقی لوگوں کے سے عمل آسان ہوجاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حق کا سچا طالب:

البتہ جو شخص طلب حق میں اپنی پوری کوشش خرچ کرچکا، اور پھر بھی اس کی نظر صحیح راستہ اور حق بات کی طرف نہ پہنچی وہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور ہو، جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ میں فرمایا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ

اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش ہر نماز

مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو اُس کو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنیوالے

من گھڑت نیکیوں کی تردید:

یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے اور بعض اہل جاہلیت ایامِ حج میں سدرمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے۔ بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلادیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابلِ استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔

اسراف کا معنی: "اسراف" کے معنی ہیں" حد سے تجاوز کرنا" جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کرلے، یا حلال سے گزر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے یا اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے، یا بدون اشتہاء کے کھانے لگے، یا ناوقت کھائے یا اس قدر کم کھائے جو صحت جسمانی اور قوت عمل کے باقی رکھنے کے لئے کافی نہ ہو، یا مضر صحت چیزیں استعمال کرے وغیرہ ذٰلک۔ لفظ" اسراف" ان سب امور کو شامل ہوسکتا ہے۔ بیجا خرچ کرنا بھی اس کی ایک فرد ہے۔ اسی تعمیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ " جمع الله الطب كله فى نصف آية" (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کردی)۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسنؓ کی عادت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

معلوم ہوا کہ اس آیت سے جیسا کہ نماز میں ستر پوشی کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح بقدر استطاعت صاف ستھرا اچھا لباس اختیار کرنے کی فضیلت اور استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

کھانے میں فضول خرچی:

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے اس کو ضرور ہی پورا کرلے۔ ان من الاسرف ان تاكل كل ما اشتهيت (ابن ماجہ عن انس)

اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دن میں دو مرتبہ کھانا تناول فرمایا، تو ارشاد فرمایا اے عائشہؓ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارا شغل صرف کھانا ہی رہ جائے۔

اسلام نے جالینوس کیلئے کوئی کام نہیں چھوڑا:

تفسیر روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ امیر المؤمنین ہارون الرشید کے پاس ایک نصرانی طبیب علاج کے لئے رہتا تھا، اس نے علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب یعنی قرآن میں علم طب کا کوئی حصہ نہیں، حالانکہ دنیا میں دو ہی علم ہیں، ایک علم ادیان دوسرا علم ابدان جس کا نام طب ہے۔ علی بن حسین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے فن طب وحکمت کو آدھی آیت قرآن میں جمع کر دیا ہے، وہ یہ کہ ارشاد فرمایا **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا** (اور تفسیر ابن کثیر میں یہ قول بعض سلف کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے) پھر اس نے کہا کہ اچھا تمہارے رسولؐ کے کلام میں بھی طب کے متعلق کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات میں سارے فن طب کو جمع کر دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور مضر چیزوں سے پرہیز ہر دواء کی اصل ہے، اور ہر بدن کو وہ چیز جس کا وہ عادی ہے (کشاف، روح) نصرانی طبیب نے یہ سن کر کہا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے رسولؐ نے جالینوس کے لئے کوئی طب نہ چھوڑی۔

کم کھانا:

بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت ابی ہریرہؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کی حوض ہے، سارے بدن کی رگیں اسی حوض سے سیراب ہوتی ہیں، اگر معدہ درست ہے تو ساری رگیں یہاں سے صحت مند غذا لے کر لوٹیں گی، اور وہ خراب ہے تو ساری رگیں بیماری لے کر بدن میں پھیلیں گی۔

محدثین نے ان روایات حدیث کے الفاظ میں کچھ کلام کیا ہے۔ لیکن کم کھانے اور محتاط رہنے کہ تاکیدات جو بے شمار احادیث میں موجود ہیں ان پر سب کا اتفاق ہے۔ (روح) (معارف مفتی اعظمؒ)

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کھاؤ اور پیو اور خیرات کرو اور پہنو بغیر اسراف اور اترانے کے۔ رواہ احمد بسند صحیح وابن ماجۃ والحاکم۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا پیٹ بھر کر کھانے پینے سے پرہیز رکھو۔ یہ جسم کا بگاڑ ہے، بیماری پیدا کرتا ہے نماز میں سستی کا ذریعہ ہے۔ کھانے پینے میں کمی کا التزام کرو یہ جسمانی تندرستی کا ذریعہ ہے اور اسراف سے بہت دور رکھنے والا ہے۔ اللہ موٹے جسم کو پسند نہیں کرتا۔ آدمی جب تک اپنے دین پر خواہش کو ترجیح نہیں دے گا تباہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب بیت اللہ کا عریاں طواف کرتے وقت سیٹیاں اور تالی بجاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لباس تو اللہ تعالیٰ کی زینت ہے" اس کو پہنے ہوئے طواف کیا کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ
تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ
کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ
ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں
الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
قیامت کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں ان
يَّعْلَمُوْنَ ۝
کے لئے جو سمجھتے ہیں

تمام چیزیں مومنوں کیلئے ہیں:

عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق جل وعلیٰ کی عبادت، وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔ اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین و مطیعین ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال وتدابیر سے دنیوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان وتقویٰ میں کمزور ہوں، تو یہ غاصبین اپنی عملی تگ ودو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں، جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہئے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ وتوبیخ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ڮ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ہود رکوع ۲)

رہی آخرت کی نعماء وہ خالص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے خالصۃ یوم القیامۃ کے معنی یہ لئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں خالص نہیں کیونکہ ان کے ساتھ بہت سے غم وفکر اور کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آخرت کی نعمتیں ہر قسم کی کدورات سے خالی ہونگی۔ اور ابن عباسؓ سے "در منثور" میں آیت کے معنی یہ نقل کئے ہیں کہ دنیوی نعمتیں اس شان سے کہ آخرت میں وبال نہ بنیں صرف مؤمنین کے لئے ہیں کفار کے حق میں یہاں کا تنعم ان کے کفر وحق ناشناسی کی وجہ سے عذاب ووبال بن جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی نعمتوں سے نفع اٹھاؤ:

وہ لوگ قابل عتاب وعذاب ہیں جو اللہ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک یا پاکیزہ اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھیں، وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حالوں گندہ پراگندہ رہنا نہ کوئی اسلام کی تعلیم ہے، نہ کوئی اسلام میں پسندیدہ چیز ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں۔

سلف صالحین اور ائمۂ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطاء فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے، خواجۂ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وسعت ہوئی عمدہ سے عمدہ لباس زیب تن فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ کے بدن مبارک پر ایسی چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ چار سوگنی کی قیمت کی چادر استعمال فرمائی۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے، ان کے لئے تو کسی صاحب نے سال بھر کے لئے تین سو ساٹھ جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لیا ہوا تھا، اور جو جوڑا امامؒ کے بدن پر ایک مرتبہ پہنچتا تھا دوبارہ استعمال نہ ہوتا تھا، کیونکہ صرف ایک روز استعمال کر کے کسی غریب طالب علم کو دیدیتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

تو کہہ دے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بےحیائی کی باتوں کو جو ان

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ

میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو

بے حیائی حرام ہے:

"اثم" سے عام گناہ مراد ہیں اور بعض مخصوص گناہوں کو مناسبت مقام یا اہمیت کی وجہ سے بیان فرمادیا اور بعض کے نزدیک "اثم" وہ گناہ ہے جس کا تعلق گناہ کرنیوالے کے سوا دوسرے لوگوں سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بے حیائی کی باتیں اللہ نے حرام کر دی ہیں۔ کشف عورت بھی بے حیائی ہے اللہ نے اس کو بھی حرام کر دیا لیکن باوجود کشف عورت کی حرمت اور ستر عورت۔ فرض نماز کی ادائیگی بھی برہنہ بدن نماز پڑھنے سے ہو جائے گی کیونکہ نماز کی حالت میں ستر عورت ہونا واجب ہے مگر شرط نہیں ہے ہاں گناہ گار ضرور ہوگا۔ البتہ اجماع علماء ہے کہ نماز میں ستر عورت ہونا فرض ہے (بغیر ستر عورت کے نماز نہیں ہوتی)

اوڑھنی کے بغیر نماز:

حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت بھی ہے کہ اللہ بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں فرماتا۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و الحاکم و ابن خزیمۃ۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا۔

برہنہ طواف کرنا:

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی برہنہ طواف کرے گا تو گناہگار ضرور ہوگا مگر فرض طواف ادا ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حج وداع سے ایک سال پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تو آپ نے مجھے ایک جماعت کے ساتھ مقرر فرما کر حکم دیا کہ قربانی کے دن سب لوگوں میں اعلان کر دو اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاء داری:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر دونوں رانیں یا دونوں پنڈلیاں کھولے لیٹے ہوئے تھے اتنے میں حضرت ابو بکرؓ نے داخلہ کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسی حالت پر (لیٹے لیٹے) اجازت دیدی۔ پھر عمرؓ داخل ہونے کے خواستگار ہوئے آپ نے اسی حالت میں ان کو بھی اجازت دے دی۔ کچھ دیر کے بعد عثمانؓ طالب اجازت ہوئے تو آپؐ کپڑوں کو ٹھیک کر کے بیٹھ گئے۔ رواہ مسلم۔

ران کو ڈھانپنا ضروری ہے:

حضرت محمد بن جحشؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معمرؓ کی طرف سے گزرے معمرؓ حبوہ بنائے بیٹھے تھے ران کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معمر اپنی ران ڈھانک لو۔ ران بھی پوشیدنی عضو ہے۔ رواہ احمد و البخاری فی التاریخ و الحاکم فی المستدرک، حافظ نے کہا اس حدیث کے تمام راوی سوائے ابو کثیر کے صحیح

کے راوی ہیں۔ ابوکثیر کی روایت ایک جماعت نے لی ہے اور اس کے متعلق میں نے کسی کی طرف سے جرح اور تعدیل نہیں پائی۔

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک زانو بھی پوشیدنی اعضاء میں داخل ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے زانو پوشیدنی اعضاء میں سے ہے۔ اس حدیث کی روایت میں عقبہ بن علقمہ راوی ہے جس کو ابوحاتم رازی اور نصر بن منصور نے ضعیف کہا ہے۔

عورت کا لباس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کی جاتی۔ یہ بھی فرمایا عورت (سراسر) پوشیدنی ہے۔ رواہ الترمذی من حدیث ابن مسعودؓ۔ ابوداؤد نے مرسلاً بیان کیا ہے کہ لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے چہرے اور پہنچوں سے دونوں ہاتھوں کے علاوہ دیکھا جانا درست نہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا عورت صرف کرتہ اور اوڑھنی پہن کر بغیر تہبند پہنے نماز پڑھ سکتی ہے۔ فرمایا (پڑھ سکتی ہے) اگر کرتہ اتنا لمبا ہو کہ قدموں کی پشت کو ڈھانک رہا ہو۔ رواہ الدارقطنی

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک باندی کے پردہ کے اعضاء مرد کے پردہ کے اعضاء کی طرح ہیں لیکن پیٹ اور پشت بھی پوشیدنی اعضاء میں داخل ہیں۔

باندی اور آزاد عورت کا فرق:

بیہقی نے بروایت نافع لکھا ہے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے بیان کیا کہ ایک عورت اوڑھنی پہنے چادر ڈالے نکلی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کون ہے۔ جواب دیا گیا آپ ہی کی اولاد میں سے فلاں شخص کی باندی ہے۔ آپ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیام بھیجا اور فرمایا کیا وجہ کہ تم نے اوڑھنی اور چادر پہنا کر باندی کو بیاہتا آزاد عورتوں جیسا بنا دیا یہاں تک کہ میں اس کو آزاد شوہر والی عورتوں میں سے سمجھنے لگا اور آزاد شوہر والی خیال کر کے قریب تھا کہ میں اس کی گرفت کرتا باندیوں کو آزاد شوہر والی عورتوں جیسا نہ بنایا کرو۔ بیہقی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ کے اس کے متعلق اقوال صحیح (الروایۃ) ہیں۔

نماز میں لباس ضروری ہے:

طحاوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو دو کپڑے پہن لیا کرے کیونکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے آنے کے وقت زینت کی جائے (یعنی پورا لباس پہنا جائے) الخ۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں (یعنی ہر شخص کو تو دو کپڑے اور پورا جوڑا پہننے کی توفیق نہیں۔ پھر ایک کپڑا ہی پہن کر نماز پڑھے گا) پھر مدت کے بعد ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے کشائش عطا فرما دی ہے تو لوگوں نے بھی کشائش سے کام لیا لوگوں نے پورے کپڑے پہن کر نماز پڑھی، کسی نے تہبند اور چادر پہن کر کسی نے تہبند اور قمیص پہن کر کسی نے تہبند اور قبا پہن کر کسی نے پائجامہ اور چادر پہن کر کسی نے پائجامہ اور قمیص پہن کر کسی نے پائجامہ اور چوغہ پہن کر کسی نے تبان اور قبا، تبان اور قمیص پہن کر، اور شاید یہ بھی فرمایا کسی نے تبان اور چادر پہن کر۔ (تفسیر مظہری)

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ
اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو
يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى
کہ جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ
ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں

جیسا کہ فحشاء کے متعلق کہتے تھے واللہ امرنا بھا (تفسیر عثمانی)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا
اور ہر فرقے کے واسطے ایک وعدہ ہے پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ
يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ
پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے

شبہ اور اس کا جواب:

بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب وعدہ کا وقت آ پہنچا تو تاخیر کا امکان متحقق تھا اس لئے اس کی نفی ضروری ہوئی مگر تقدیم تو ممکن ہی نہیں۔ اس کی نفی سے کیا فائدہ؟ اسی شبہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے لا یستقدمون کا عطف شرطیہ اذا جاء اجلھم الخ پر مانا ہے اور بعض نے جاء اجلھم سے قرب و دنو مراد لیا ہے۔ میرے نزدیک ان تکلفات کی حاجت نہیں۔

محاورات میں کسی ایسی چیز کو جس کے مقابل دو طرفین ہوں زور اور تاکید سے ثابت کرنے کے لئے بسا اوقات ایک طرف کی جو محتمل الثبوت ہو نفی مقصود اً کی جاتی ہے اور دوسری طرف کی جو پہلے سے غیر محتمل ہے نفی کو محض مبالغۃ تاکیداً اور تحسین کلام کے طور پر استطرادًا ذکر کر دیتے ہیں۔ ایک خریدار دوکاندار سے کسی چیز کی قیمت معلوم کر کے کہتا ہے کہ کچھ "کم وبیش" دوکاندار بھی کہہ دیتا ہے کہ "کم وبیش نہیں ہو سکتا"۔ دونوں جگہ "کم" کا ذکر مقصود ہے۔ اور "بیش" کا لفظ محض تعیین قیمت کی تاکید و مبالغہ کے لئے استطرادًا ذکر کیا گیا ہے۔

جھوٹ باندھنے والے بے فکر نہ ہوں:

یہاں بھی غرض اصلی کلام سے یہ ہے کہ خدا کا وعدہ جب آپہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم جو پہلے سے ظاہر الانتفاء تھی اس کی نفی کرنا محض وعدہ کے اٹل ہونے پر زور ڈالنے کا ایک پیرایہ ہے۔ یعنی خدا پر افترا کرنے والے اور اس کی طرف نسبت کر کے حرام کو حلال بنانے والے خدا کی ڈھیل پر مغرور و بے فکر نہ ہوں۔ ہر امت اور ہر فرد کی خدا کے یہاں ایک معین مدت ہے جب سزا کی گھڑی آجائے گی پھر ٹل نہ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کاش حضرت عمرؓ دعاء کرتے؟

ابو ملیکہ کی روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نیزہ سے زخمی ہو گئے تو کعب آ کر رونے لگے اور بولے کاش امیر المومنین اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے قسم کھا لیتے کہ اللہ ان کا آیا ہوا وقت ٹال دے گا تو اللہ ضرور ایسا کر دیتا (آپ کی قسم کو اللہ جھوٹا نہ ہونے دیتا) ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہہ دیا کہ کعبؓ نے ایسی بات کہی ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا اس صورت میں تو بخدا میں اللہ سے (تاخیر اجل کی) دعا نہیں کرونگا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا اُن سے وہی ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

دوزخ میں رہنے والے وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

زمینی زندگی کے لئے ہدایات:

ابن جریر نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ الخ۔ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا، یہ اس کی حکایت ہے میرے نزدیک دو رکوع پہلے سے جو مضمون چلا آ رہا ہے اس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم و حوا اپنے اصلی مسکن (جنت) سے جہاں ان کو آزادی و فراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیئے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ و انابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس حرمان کی تلافی اور تمام اولاد آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لئے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوطِ آدم کا قصہ ختم کرنے کے بعد معاً يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا الخ سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں کل اولاد آدم کو گویا بیک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس و طعام کی جگہ تمہارے لئے زمینی لباس و طعام کی تدبیر فرما دی گو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت و آسائش کے سامان سے متمتع ہونے کا تم کو موقع دیا تا کہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہئے کہ شیطان لعین کے مکر و فریب سے ہوشیار رہو، کہیں ہمیشہ کے لئے تم کو اس میراث سے محروم نہ کر دے۔ بے حیائی اور اثم و عدوان سے بچو۔ اخلاص و عبودیت کا راستہ اختیار کرو۔ خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود و قیود مالک حقیقی نے عائد کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی اپنی مدت موعودہ پوری کر کے کس طرح اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتی ہے اس اثناء میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

اے اولاد آدم کی اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں کے کہ سنائیں

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا

تم کو آیتیں میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

خوف ہوگا اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے

باپ کی اصلی میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب وتذکیر ہو اور مالک حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں، ان کی پیروی اور مدد کرو۔ خدا سے ڈر کر برے کاموں کو چھوڑ و اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔ تو پھر تمہارا مستقبل بالکل بے خوف وخطر ہے۔ تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سکھ اور امن و اطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں، ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکن اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب وہلاکت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بہر حال جو لوگ اس آیت سے ختم نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لئے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب برآری کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
پھر اُس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا
كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ
جھٹلائے اُسکے حکموں کو

یعنی ان سچے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ضروری ہے جو واقعی خدا کی آیات سناتے ہیں، باقی جو شخص پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور جھوٹی آیات بنا کر خدا پر افترا کرے یا کسی سچے پیغمبر کو اس کی لائی ہوئی آیات کو جھٹلائے ان دونوں سے زیادہ کوئی ظالم نہیں۔

اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ
وہ لوگ ہیں کہ ملے گا اُن کو جو اُن کا حصہ لکھا ہوا ہے کتاب میں

ظالموں کو عذاب ہوگا:

یعنی دنیا میں عمر ورزق وغیرہ جتنا مقدر ہے یا یہاں کی ذلت ورسوائی جو ان کے لئے لکھی ہے وہ پہنچے گی۔ پھر مرتے وقت اور مرنے کے بعد جو گت بنے گی اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور اگر نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ سے دنیا کا نہیں عذاب اخروی کا حصہ مراد لیا جائے تو حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ الخ سے اس پر تنبیہ ہوگئی کہ اس عذاب کے مبادی کا سلسلہ اسی دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں شروع ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ
یہاں تک کہ جب پہنچیں اُنکے پاس ہمارے بھیجے ہوئے انکی جان لینے

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کو تو کہیں کیا ہوئے وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کے
قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
بولیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے اور اقرار کرلیں گے اپنے اُوپر کہ
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
بیشک وہ کافر تھے

مرتے وقت فرشتے شرمسار کریں گے:

یعنی جب فرشتے نہایت سختی سے ان کی روح قبض کر کے برے حال سے لے جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارا کرتے تھے وہ کہاں گئے جو اب تمہارے کام نہیں آتے، انہیں بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے تمہیں چھڑائیں۔ اس وقت کفار کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سخت غلطی میں پڑے تھے کہ ایسی چیزوں کو معبود ومستعان بنایا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ آج ہماری اس مصیبت میں ان کا کہیں پتہ نہیں۔ لیکن یہ ناوقت کا اقرار وندامت کیا نفع دے سکتا ہے۔ حکم ہوگا ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ الخ باقی بعض مواضع میں جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر وشرک سے انکار کریں گے، اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ قیامت میں مواقف اور احوال مختلف ہوں گے اور جماعتیں بھی بے شمار ہوں گی کہیں ایک موقف یا ایک جماعت کا ذکر ہے کہیں دوسری کا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ
فرمائیگا داخل ہو جاؤ ہمراہ اور اُمتوں کے جو تم سے پہلے
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ
ہو چکی ہیں جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر

یعنی آگے پیچھے سب کفار کو دوزخ ہی میں داخل ہونا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا
جب داخل ہوگی ایک اُمت تو لعنت کریگی دوسری اُمت کو

دوزخیوں کی ایک دوسرے پر لعنت:

یعنی اس مصیبت میں باہم ہمدردی تو کیا ہوتی، دوزخی ایک دوسرے پر

لعن طعن کریں گے۔ شاید اتباع اپنے سرداروں سے کہیں کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے اور سردار اتباع سے کہیں کہ ملعونو! ہم گڑھے میں گر پڑے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے۔ وغیرہ ذلک۔

حَتّٰىٓ اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ

یہاں تک کہ جب گر چکیں گے اُس میں سارے تو کہیں گے اُن کے

لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا

پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا

ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ

سو تو اُن کو دے دونا عذاب آگ کا فرمائیگا کہ دونوں کو دوگنا ہے

وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

لیکن تم نہیں جانتے

ان کو دگنا عذاب ہوگا:

یعنی ایک حساب سے پہلوں کا گناہ دگنا کہ خود گمراہ ہوئے اور دوسرے آنے والوں کیلئے راہ ڈالی۔ اور ایک طرح پچھلوں کا دگنا کہ خود بہکے اور پہلوں کا حال دیکھ سن کر عبرت حاصل نہ کی۔ یا چونکہ ہر دوزخی کا عذاب اپنے اپنے درجہ کے موافق وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے گا۔ اس لئے فرمایا کہ ہر ایک کا عذاب دگنا ہوتا چلا جائے گا۔ ابھی آغاز تعذیب میں تمہیں انجام کی خبر نہیں یعنی پہلوں کا عذاب دگنا کر دینے سے تم پچھلوں کو کوئی شفاء اور راحت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ لکل ضعف سے دونوں فریق مراد لئے جائیں۔ لیکن ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بے شک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے درجہ کے موافق دگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (نحل۔ رکوع ۱۲) وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (عنکبوت رکوع ۱) وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (نحل۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا

اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو پس کچھ نہ ہوئی تم کو

مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

ہم پر بڑائی اب چکھو عذاب بسبب

تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

اپنی کمائی کے

بڑوں کی شکایت: یعنی ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کر کے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگئی؟ نہیں، تم کو بھی اپنے کرتوت کا مزہ چکھنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا

بیشک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُن کے مقابلہ میں تکبر کیا

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

نہ کھولے جائیں گے اُن کے لئے دروازے آسمان کے

کافر کے اعمال اور روح دونوں مردود:

یعنی نہ زندگی میں اُن کے اعمال کے لئے آسمانی قبول و رفعت حاصل ہے۔ نہ موت کے بعد ان کی ارواح کو آسمان پر چڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ "بعد موت کافر کی روح کو آسمان کی جانب سے سجین کی طرف دھکے دیئے جاتے ہیں اور مومن کی روح ساتویں آسمان تک صعود کرتی ہے"۔ مفصل احوال کتب احادیث میں ملاحظہ کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اور ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ منکرین و کفار کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، یہ روحیں نیچے پھینک دی جائیں گی۔

مومن اور کافر کی موت کا حال:

اور اس مضمون کی تائید حضرت براء بن عازبؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمدؒ نے مفصل نقل کیا ہے، جس کا اختصار یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی انصاری صحابی کے جنازہ میں تشریف لے گئے، ابھی قبر کی تیاری میں کچھ دیر تھی تو ایک جگہ بیٹھ گئے، اور صحابہ کرام آپ کے گرد خاموش بیٹھ گئے، آپ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ مومن بندہ کے لئے جب موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سفید چمکتے ہوئے چہروں والے فرشتے آتے ہیں، جن کے ساتھ جنت کا کفن اور خوشبو ہوتی

ہے، اور وہ مرنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، پھر فرشتہ موت عزرائیل آتے ہیں، اور اس کی روح کو خطاب کرتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ رب کی مغفرت اور خوشنودی کے لئے نکلو، اس وقت اس کی روح اس طرح بدن سے بآسانی نکل جاتی ہے جیسے کسی مشکیزہ کا دہانہ کھول دیا جائے تو اس کا پانی نکل جاتا ہے اس کی روح کو فرشتہ موت اپنے ہاتھ میں لے کر ان فرشتوں کے حوالہ کر دیتا ہے، یہ فرشتے اس کو لیکر چلتے ہیں جہاں ان کو کوئی فرشتوں کا گروہ ملتا ہے وہ پوچھتے ہیں یہ پاک روح کس کی ہے، یہ حضرات اس کا وہ نام ولقب لیتے ہیں، جو عزت واحترام کے لئے اس کے واسطے دنیا میں استعمال کیا جاتا تھا، اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے، یہاں تک کہ یہ فرشتے روح کو لے کر پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں، دروازہ کھولا جاتا ہے، یہاں سے اور فرشتے بھی ان کیساتھ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں، اس وقت حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کا اعمال نامہ میں لکھو، اور اس کو واپس کر دو، یہ روح پھر لوٹ کر قبر میں آتی ہے، اور قبر میں حساب لینے والے فرشتے آکر اس کو بٹھاتے اور سوال کرتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور دین اسلام ہے، پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ بزرگ جو تمہارے لئے بھیجے گئے ہیں کون ہیں؟ وہ کہتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں، اس وقت ایک آسمانی ندا آتی ہے کہ میرا بندہ سچا ہے، اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو اور جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کی طرف اس کا دروازہ کھول دو، اس دروازہ سے اس کو جنت کی خوشبوئیں اور ہوائیں آنے لگتی ہیں، اور اس کا نیک عمل ایک حسین صورت میں اس کے پاس اس کو مانوس کرنے کے لئے آجاتا ہے۔

اس کے بالمقابل کافر ومنکر کا جب وقتِ موت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ رنگ مہیب صورت فرشتے خراب قسم کا ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور بالمقابل بیٹھ جاتے ہیں، پھر فرشتۂ موت اس کی روح اس طرح نکالتا ہے جیسے کوئی خاردار شاخ گیلی اون میں لپٹی ہوئی ہو اس میں سے کھینچی جائے یہ روح نکلتی ہے تو اس کی بدبو مردار جانور کی بدبو سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے، فرشتے اس کو لے کر چلتے ہیں، راہ میں جو دوسرے فرشتے ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ کس کی خبیث روح ہے، یہ حضرات اس وقت اس کا وہ برے سے برا نام ولقب ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ سب سے پہلے آسمان پر پہنچ کر دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں۔ تو اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا، بلکہ حکم یہ ہوتا ہے کہ اس بندہ کا اعمال نامہ سجین میں رکھو، جہاں نافرمان بندوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں، اور اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے، وہ بدن میں دوبارہ آتی ہے فرشتے اس کو بٹھا کر اس سے بھی وہی سوالات کرتے ہیں جو مومن بندہ سے کئے گئے تھے۔ یہ سب کا جواب یہ دیتا ہے ھاہ ھاہ لا ادری یعنی میں کچھ نہیں جانتا، اس کے لئے...... جہنم کا فرش، جہنم کا لباس دیدیا جاتا ہے، اور جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے اس کو جہنم کی آنچ اور گرمی پہنچتی رہتی ہے، اور اس کی قبر اس پر تنگ کردی جاتی ہے، نعوذ باللہ منہ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ
اور نہ داخل ہونگے جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ
فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ
سوئی کے ناکے میں

کافروں کا جنت میں جانا محال ہے:

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا۔ ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اپنی اسی کلانی اور جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو۔ اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان مکذبین ومتکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ جہنم میں ان کے "خلود" کی خبر دے چکا ہے اور علم الٰہی میں یہی سزا ان کے لئے ٹھہر چکی ہے۔ پھر خدا کے علم اور اخبار کے خلاف کیسے وقوع میں آسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ
اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو ان کے واسطے
جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ
دوزخ کا بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا

یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی، کسی کروٹ چین نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اور جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کی

اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ

طاقت کے موافق وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اسی میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ہمیشہ رہیں گے

ذمہ داری اتنی جتنی طاقت ہے:

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ جملہ معترضہ ہے جس سے درمیان میں متنبہ فرما دیا کہ ایمان وعمل صالح جس پر اتنا عظیم الشان صلہ مرحمت ہوتا ہے کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر آدمی سے عمل صالح اسی قدر مطلوب ہے جتنا اس کی مقدرت اور طاقت میں ہو، اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

اور نکالیں گے ہم جو کچھ اُن کے دلوں میں خفگی تھی

جنت میں حسد نہ ہوگا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا رشک وحسد نہ ہوگا، ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہوگا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدر ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ہم اور عثمان اور طلحہ اور زبیر انہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کے سینے دخول جنت سے پہلے کدورتوں سے صاف کر دیئے جائیں گے (ابن کثیر) یہ وہ حضرات ہیں جن کے آپس میں دنیا میں اختلافات پیش آئے اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی تھی۔

شراب طہور پینے کا اثر:

سدی نے اس آیت کی تشریح میں بیان کیا کہ اہل جنت جب جنت کی طرف بڑھیں گے تو جنت کے دروازہ کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کی جڑ میں دو چشمے ہوں گے۔ وہ جب ایک چشمہ کا پانی پئیں گے تو دلوں کے اندر جو باہم خلش ہوگی وہ نکل جائے گی یہی شراب طہور ہوگی اور دوسرے چشمہ سے غسل کریں گے تو ان پر نَضْرَةَ النَّعِيْمِ (رونق عیش) آ جائے گی اس کے بعد کبھی نہ وہ خشک رو پراگندہ مو ہوں گے نہ کبھی چہرہ کا رنگ بگڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ

بہتی ہوں گی اُن کے نیچے نہریں اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا

لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم نہ تھے راہ پانے والے

لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بیشک لائے تھے رسول

رَبِّنَا بِالْحَقِّ

ہمارے رب کے سچی بات

یعنی خدا کی توفیق و دستگیری اور رسولوں کی سچی رہنمائی سے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنا نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مرتبہ کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

بدلے میں اپنے اعمال کے

جنت کا حقیقی سبب اللہ کی رحمت ہے:

یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا۔ یعنی آج ساری عملی

جدو جہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدم کی میراث ہمیشہ کے لئے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ "کسی شخص کا عمل ہرگز اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا" اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں۔ فقط ظاہری سبب ہے۔ دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اسی حدیث میں الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں بندہ پر رحمت الٰہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے جس قدر عمل کی روح اس میں موجود ہو۔ مترجم رحمہ اللہ زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمت الٰہیہ کے زور سے چلتی ہے۔ عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پر چلاتے اور روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جنت اللہ کی رحمت سے ملے گی:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا ہر جنتی کو دوزخ کا ٹھکانہ بتا دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری ہدایت نہ فرماتا تو میرا یہی ٹھکانہ ہوتا۔ خدا کا شکر ہے۔ اور ہر دوزخی کو جنت کا ٹھکانہ بتایا جائے گا وہ کہے گا کاش خدا مجھے بھی ہدایت فرماتا تو یہ ٹھکانہ میرا ہوتا۔ اس طرح اس پر حسرت چھائی رہے گی۔ اور جب ان مومنین کو جنت کی بشارت مل جائے گی تو کہا جائے گا کہ یہ جنت اعمال صالحہ کے نتیجے کے طور پر تمہارا انعام ہے تم پر خدا کی رحمت ہے تم جنت میں داخل کئے گئے۔ اپنے حسب اعمال اپنا ٹھکانہ بنا لو اور یہ سب رحمت خداوندی کا سبب ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہر ایک تم میں سے جان لے کہ کسی کے عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچاتے ہیں، تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بھی نہیں جب تک کہ خدا تعالیٰ کی رحمت میرے بھی شامل حال نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی:

مسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک منادی پکارے گا آئندہ تمہارے لئے تندرست رہنا ہے کبھی بیمار نہ ہو گے تمہیں زندہ رہنا ہے کبھی نہیں مرو گے تمہارے لئے جوان رہنا ہے کبھی بوڑھے نہ ہو گے تمہارے لئے سکھ میں رہنا ہے کبھی دکھ نہیں پاؤ گے۔ یہی مطلب ہے اللہ کے فرمان کا وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

ہر ایک کے دو گھر ہیں:

ابن ماجہ اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک جنت میں ایک گھر دوزخ میں اگر مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے (جنتی) گھر کے وارث ہو جاتے ہیں یہی معنی ہے آیت "اولئک ھم الوارثون" کا۔ (تفسیر مظہری)

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ

اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ

پایا جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے سچا

وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ

سو تم نے بھی پایا اپنے رب کے وعدہ کو سچا وہ کہیں گے کہ ہاں

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ

پھر پکارے گا ایک پکارنے والا انکے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ

اُن ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

اور ڈھونڈتے تھے اُس میں کجی اور وہ آخرت

كٰفِرُوْنَ ۝۴۵

سے منکر تھے

جنتیوں اور دوزخیوں کی گفتگو:

ان آیات میں ان مخاطبات ومکالمات کا ذکر ہے جو جنتیوں اور دوزخیوں یا ان دونوں اور اصحاب اعراف میں ہوں گے۔ پہلی اور آخری گفتگو جو "اصحاب الجنۃ" اور "اصحاب النار" میں ادھر سے یا ادھر سے ہوگی۔ صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ مخاطبات جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کے ہیں۔ اس لئے انتظام کلام کا مقتضی یہ ہے کہ اصحاب اعراف کی درمیانی گفتگو کو بھی اس کے بعد ہی مانا جائے۔ بہر حال جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے حال پر اظہار مسرت اور دوزخیوں کی تفریع وتکایت کے لئے کہیں گے

کہ جو کچھ وعدے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے فرمائے تھے کہ ایمان لانے والوں کو نعیم دائم ملے گی، ہم تو انہیں سچا پا رہے ہیں اے اہل جہنم! تم بولو کہ تمہارے کفر و عصیان پر جو دھمکیاں دی گئی تھیں تم نے بھی ان کو سچا پایا؟ ظاہر ہے جواب میں بجز "نعم" کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ (یوں تو گنہگار بہت سے ہیں مگر) خدا کی بڑی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے اور اپنی کج بحثیوں سے رات دن اسی فکر میں تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولین بدر سے خطاب:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے کفار سے یوں خطاب فرمایا تھا کہ اے ابوجہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ اور دیگر مقتول سرداران قریش کے نام لے لے کر فرمایا کہ کیوں! رب تم سے جو وعدہ کیا تھا پورا فرمالیا کہ نہیں، مجھ سے خدا نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ تو پورا ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مردوں کو مخاطب فرمارہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ تم سے کم نہیں سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ
اور دونوں کے بیچ میں ہوگی ایک دیوار

جنت اور جہنم کے درمیان دیوار:

حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے۔ جس کی تصریح سورۂ حدید میں دی گئی ہے فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ یہ دیوار جنت کی لذتوں کی دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک دوسرے کو دیکھنے کا اثر:

جنت و دوزخ کے درمیان ایک دوسرے کو دیکھنے اور باتیں کرنے کے راستے بھی درحقیقت اہل جہنم کے لئے ایک اور طرح کا عذاب ہوگا کہ چار طرف سے ان پر ملامت ہوتی ہوگی (اور وہ اہل جنت کی نعمتوں اور راحتوں کو دیکھ کر جہنم کی آگ کے ساتھ حسرت کی آگ میں بھی جلیں گے، اور اہل جنت کے لئے نعمت و راحت میں ایک نئی طرح کا اضافہ ہوگا کہ دوسرے فریق کی مصیبت دیکھ کر اپنی راحت و نعمت کی قدر زیادہ ہوگی، اور جو لوگ دنیا میں دین داروں پر ہنسا کرتے تھے اور ان کا استہزاء کیا کرتے تھے، اور یہ کوئی انتقام نہ لیتے تھے، آج ان لوگوں کو ذلت و خواری کے ساتھ عذاب میں مبتلا دیکھیں گے تو یہ ہنسیں گے کہ ان کے عمل کی ان کو سزا مل گئی۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا
اور اعراف کے اوپر مرد ہونگے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو
بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ
اس کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ
کہ سلامتی ہے تم پر وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ
يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾
امیدوار ہیں

جنت اور جہنم کی درمیانی دیوار پر رہنے والے:

اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا ان کو "اعراف" کہتے ہیں۔ اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہ ہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف وخلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سیئات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سیئات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے اور یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ جب عصاۃ مومنین جن کے سیئات غالب تھے، جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہوں گے، تو اصحاب اعراف جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں گویا اصحاب اعراف کو اصحاب یمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے۔ جس طرح "سابقین مقربین" فی الحقیقت اصحاب یمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام "اصحاب یمین" سے کچھ آگے نکل گئے ہیں، اس کے بالمقابل "اصحاب اعراف" گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب یمین سے کچھ پیچھے رہ گئے

ہیں یہ لوگ "اہل جہنم" اور "اہل جنت" کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی اور بدرونقی سے۔ بہرحال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارک باد ہوگا اور چونکہ خود ابھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے ان کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کردی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

کہتے ہیں کہ اعراف اس لیے نام رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اپنے لوگوں کو پہچان لیں گے۔ مفسرین کی تعبیریں اصحاب اعراف کے بارے میں مختلف ہیں۔ تقریباً سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں وہ کہاں رہیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا یہی لوگ صاحب اعراف ہیں یہ جنت میں تو داخل نہیں کیے جائیں گے لیکن انھیں جنت کی توقع ضرور ہوگی۔ پھر اسی قسم کے ایک سوال پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اصحاب اعراف وہ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے اور پھر قتل ہوگئے دخول جنت سے تو اسلئے انھیں روک دیا گیا کہ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کیا تھا اور دوزخ سے اس لیے بچ گئے کہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ

اور جب پھرے گی اُن کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف تو

قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾

کہیں گے اے رب ہمارے مت کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ

جنت و دوزخ کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت خوف ورجاء کے بیچ میں ہوگی ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں کے زمرہ میں شامل نہ کیجئے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ

اور پکاریں گے اعراف والے اُن لوگوں کو کہ اُنکو پہچانتے ہیں اُن

بِسِيمَاهُمْ

کی نشانی سے

دوزخیوں پر علامت ہوگی:

یعنی علاوہ دوزخ میں معذب ہونے کے ان کے چہروں سے دوزخی ہونے کی علامات ہویدا ہوں گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اصحاب اعراف نے دنیا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے وہاں صورت دیکھ کر پہچان لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اعراف والوں کی معافی:

ہناد ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیروں میں عبداللہ بن حارث کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اعراف جنت و دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہوگی اور اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے کہ جن کو اللہ وہاں روک دے گا پھر جب اللہ ان کو معاف کرنا چاہے گا تو سب سے پہلے ان کو ایک نہر کی طرف لے جائے گا جس کا نام نہر حیات ہوگا جس کے دونوں کنارے سونے کے موتیوں سے جڑے ہوں گے اور اس کی مٹی مشک کی ہوگی اس نہر میں اصحاب اعراف کو ڈالا جائے گا (نہاتے ہی) ان کے رنگ درست ہوجائیں گے اور سینے پر ایک سفید چمک دار تل نموودار ہوجائے گا تو اللہ ان کو طلب فرما کر دریافت فرمائے گا کہ اب تمہاری کیا تمنا ہے جو چاہو مانگو۔ وہ لوگ اپنی تمنا ظاہر کریں گے جب ان کی ساری تمنائیں ختم ہوجائیں گی (اور کوئی تمنا باقی نہ رہے گی) تو اللہ فرمائے گا تم کو وہ چیزیں دی گئیں جن کی تم نے تمنا کی اور اتنی ہی اور بھی اور ستر ہزار گنا مزید۔ چنانچہ وہ جنت میں داخل کردیے جائیں گے مگر ان کے سینوں پر ایک سفید تل چمکتا ہوگا اسی سے ان کی پہچان ہوگی، یہ لوگ مساکین اہل جنت (جنتیوں میں مسکین) کہلائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ

کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو تم تکبر کیا

تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾

کرتے تھے

یعنی اس مصیبت کے وقت تمہاری وہ جماعتیں اور جتھے کہاں گئے اور دنیا میں جو بڑھ بڑھ کر شیخیاں مارتے تھے، وہ اب کیا ہوئیں۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ

اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ پہنچے گی اُن کو اللہ کی

بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ

رحمت چلے جاؤ جنت میں نہ ڈر ہے تم پر اور نہ

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

تم غمگین ہوگے

غریب لوگ جنت میں:

یہ "اہل جنت" کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے مساکین اور ضعیف الحال جن کو تم حقیر سمجھ کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی مہربانی سب کو چھوڑ کر ان جیسوں پر ہو سکتی ہے۔ اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا انکو تو آج کہہ دیا گیا کہ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ الخ (چلے جاؤ جنت میں بے خوف و خطر) حالانکہ تم اس عذاب میں مبتلا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاۗءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

کہ بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی تمکو دی

اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝

اللہ نے کہیں گے کہ اللہ نے ان دونوں کو روک دیا ہے کافروں سے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ

جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

ان کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم ان کو بھلا دینگے جیسا انہوں نے

لِقَاۗءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے

بہترین صدقہ:

ابوموسیٰ صفار نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ پانی ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اہل نار اہل جنت سے پانی اور طعام مانگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

پانی کیلئے دوزخیوں کی فریاد:

دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں، تھوڑا سا پانی ہم پر بہا دو یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ ان سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ۔ جواب ملے گا کہ کافروں کے لئے ان چیزوں کی بندش ہے) یہ کافر وہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشا بناتے تھے اور دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تو نے مجھے بھلایا میں تجھے بھلاتا ہوں:

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے اور کیا تجھ پر انعام و اکرام نہیں کیا تھا اور کیا اونٹ گھوڑے اور فیل و حشم نہیں دیئے تھے اور کیا تو سرداری اور افسری نہیں کرتا تھا۔ بندہ کہے گا ہاں اے خدا تو نے سب کچھ دیا تھا۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تجھے یقین تھا کہ میرا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ کہے گا اے خدا مجھے یقین نہیں تھا۔ خدا فرمائے گا جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا آج میں بھی تجھے بھلا دیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دوزخیوں کے آنسو اور پیاس:

ابن ابی الدنیا اور ضیاء نے زید بن رفیع کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہو کر مدت تک آنسوؤں سے روئیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے بدبختو تم دنیا میں نہیں روئے آج تم کس سے فریاد کر رہے ہو وہ چیخ کر پکاریں گے اے جنت والو اے گروہ پدراں و مادراں! اے اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے تھے، میدان حشر میں بھی پوری مدت پیاسے رہے اور آج بھی پیاسے ہیں، اللہ نے پانی اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے ہماری طرف بھی اس میں سے کچھ بہا دو۔ چالیس (دن یا مہینے یا سال) تک مانگتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں دیگا آخر ان کو جواب ملے گا تم کو (یونہی یہاں ہمیشہ) رہنا ہے یہ سن کر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ آدمی

اپنے بھائی کو پکارے گا اور کہے گا بھائی میری فریاد رسی کر میں جل گیا وہ جواب دے گا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس پہنچادی ہے کتاب جس کو مفصل بیان کیا ہے

عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہم نے خبرداری سے راہ دکھانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے

بے وقت پچھتاوے کا فائدہ نہیں:

قرآن جیسی کتاب کی موجودگی میں جس میں تمام ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے اور ہر بات کو پوری آگاہی سے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ایمان والے اس سے خوب منتفع ہو رہے ہیں، غضب ہے کہ ان متکبر معاندوں نے کچھ بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا۔ پھر اب پچھتانے سے کیا حاصل۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ

کیا اب اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے جس دن ظاہر ہو جائیگا

تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ

اس کا مضمون کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے

قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا

بیشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات سو اب کوئی ہماری

مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ

سفارش والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیئے جائیں تو ہم

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

عمل کریں خلاف اُسکے جو ہم کر رہے تھے بیشک تباہ کیا انہوں نے

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اپنے آپ کو اور گم ہو جائیگا اُن سے جو وہ افترا کیا کرتے تھے

کافروں کی تدبیر کام نہ آئے گی:

کتاب اللہ میں جو دھمکیاں عذاب کی دی گئی ہیں کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ جب ان دھمکیوں کا مضمون (مصداق) سامنے آ جائے تب حق کو قبول کریں۔ حالانکہ وہ مضمون جب سامنے آ جائے گا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت کا قبول کرنا کچھ کام نہ دیگا۔ اس وقت تو سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا سفارش کر کے معاف کرا دیں چونکہ ایسا سفارشی کافروں کو کوئی نہ ملے گا تو یہ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان کر لیا جائے کہ اس مرتبہ اپنے جرائم کے خلاف ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کے کام کرتے ہیں۔ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل؟ جب کہ پہلے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کر چکے اور جو جھوٹے خیالات پکار رکھے تھے وہ سب رفو چکر ہو گئے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان

وَالْاَرْضَ

اور زمین

مضامین کا ربط:

گزشتہ آیت میں معاد کا ذکر تھا، اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ وہاں قد جاءت رسل ربنا بالحق وہاں سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء و رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا۔ گویا یہ رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

چھ دن میں

آسمان وزمین کی پیدائش کے چھ دن:

یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا پیدا کیا۔ کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع وغروب سے وابستہ ہیں، جب اس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد

ہیں جیسے کسی عارف نے فرمایا ہے۔

غیب رااَبرے وآبے دیگراست — آسمان وآفتابے دیگراست

پہلی صورت میں پھر علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے۔ یا ہزار برس کا ایک ایک دن جسے فرمایا ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ میرے نزدیک آخری قول راجح ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہوا کہ آسمان وزمین دفعۃً بنا کر نہیں کھڑے کئے گئے۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو پھر اس کی استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال وصورتیں منتقل کرتے رہے ہوں۔ حتیٰ کہ چھ دن (چھ ہزار سال) میں وہ بجمیع متعلقاتہا موجودہ مرتب شکل میں موجود ہوئے جیسا کہ آج بھی انسان اور کل حیوانات ونباتات وغیرہ کی تولید وتخلیق کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے اور یہ اس کی شان "کن فیکون" کے منافی نہیں۔ کیونکہ "کن فیکون" کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گذارنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو بدون توسط اسباب وعلل کے دفعۃً موجود کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فلک اعظم کی حرکت:

ابوعبداللہ رازیؒ نے فرمایا کہ فلک اعظم کی حرکت اس دنیا کی حرکات کے مقابلہ میں اتنی تیز ہے کہ ایک دوڑنے والا انسان ایک قدم اٹھا کر زمین پر رکھنے نہیں پاتا کہ فلک اعظم تین ہزار میل کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ (بحر محیط) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۟
پھر قرار پکڑا عرش پر

صفات الٰہی کے متعلق ضروری وضاحت:

خدا تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو "حی" "سمیع" "بصیر" "متکلم" کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ رہے۔ کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی "آنکھ" اور سننے والے "کان" موجود ہیں اب اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں، اور جو دیکھنے کا مبداء اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت "دیکھنا" یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبداء اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہو سکتیں۔ جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار دیکھنے کا مبداء اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدا کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ نہ صرف سمع وبصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبداء وغایت ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کی ماوراء عقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔ اس کا کچھ خلاصہ ہم سورۂ مائدہ میں زیر فائدہ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ بیان کر چکے ہیں۔

عرش پر قرار پکڑنا:

"استواء علی العرش" کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھ لو۔ عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ "استوا" کا ترجمہ اکثر محققین نے "استقرار وتمکن" سے کیا ہے (جیسے مترجم رحمہ اللہ نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ تخت حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطۂ نفوذ واقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ وتسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑ پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبداء اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار اور نفوذ وتصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے "استواء علی العرش" میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے۔ یعنی آسمان وزمین (کل علویات وسفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ وشہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے بعد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ وغیرہ الفاظ اور یہاں یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ الخ سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا استواء علی العرش کا مبداء اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہ ہی

عقیدہ رکھنا چاہئے جو ہم ''سمع و بصر'' صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ما ہمچناں در اول یصف تو ماندہ ایم

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

بے بہود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے اور نہ اس کے لئے کوئی مکان اور سمت اور جہت ہے اس کی ہستی۔ سمت اور جہت اور مکان اور زمان کے قیود اور حدود سے پاک اور منزہ ہے اس کی ہستی کسی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہیں بلکہ مکان اور زمان کی ہستی اس کی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے کیونکہ جب مکان و زمان موجود نہ تھے اور وہ اس وقت بھی تھا اور اب جبکہ زمان اور مکان موجود ہیں تب بھی موجود ہے وہ خداوند ذوالجلال زمین اور آسمان اور عرش اور کرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا اب بھی اسی صفت اور شان پر ہے۔ معاذ اللہ عرش عظیم خداوند کریم کا حامل نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہو یا تھامے ہوئے ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔ وہ ذرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ استواء علی العرش سے عرش پر بیٹھنا اور متمکن اور مستقر ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کے تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی استواء علی العرش) قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے ایک تو یہ جگہ کہ آپ کے سامنے ہے دوم سورۂ یونس میں سوم سورۂ رعد میں چہارم سورۂ طٰہٰ میں پنجم سورۂ فرقان میں ششم سورۂ سجدہ میں ہفتم سورۂ حدید میں اور سب جگہ اس کی شان شہنشاہی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصد ہے کہ وہی سارے عالم کا خالق ہے اور وہی تمام کائنات کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے۔ جس کا حکم آسمانوں اور زمینوں میں جاری ہوتا ہے۔

فرقہ مجسمہ اور مشبہہ اور کرامیہ:

اس قسم کی آیات اور احادیث کو ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ استواء علی العرش کے معنی تخت پر بیٹھنے کے ہیں اور جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اس گروہ کے نزدیک استواء کے معنی تمکن اور استقرار (متمکن) کے ہیں ظاہر پرست اس قسم کے الفاظ کو ظاہری اور عربی معنی میں لے کر خدا تعالیٰ کے لئے عرش (تخت) پر بیٹھنا ثابت کرتے ہیں۔

ینزل اللّٰہ کل لیلة الی سماء الدنیا۔ خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نقل و حرکت سے پاک منزہ ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نمازی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے کیا کوئی موحد اس بات کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرے۔

حضرت امام مالکؒ کا جواب:

جیسا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ ان سے کسی شخص نے استواء علی العرش کے معنی پوچھے اور سوال کیا کہ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے اور اس کا استواء کیسا ہے تو امام مالک نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بناء پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے پھر سر اٹھایا اور فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور غیر معقول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے اور ایسے مسائل تو بلاشبہ ایک بُرا آدمی اور بدعتی شخص ہے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس کو یہاں سے نکال دو اس پر آپ کے اصحاب نے اس کو نکال دیا۔

امام ابوالحسنؒ کا قول:

امام ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ بعد ازاں عرش میں کوئی فعل اور تصرف رمایا جس کا نام استواء رکھا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے بعد ثم استوی علی العرش کو بصیغۂ ماضی اور بلفظ ثم ذکر فرمایا ہے جو کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ پس استواء کو فعل ماضی یعنی بلفظ استویٰ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق السموات والارض کی طرح یہ کوئی فعل خداوندی تھا اور لفظ ثم کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تراخی افعال ہی میں ہوتی ہے صفات خداوندی میں تراخی ممکن نہیں حق تعالیٰ کا ایک فعل دوسرے فعل سے متراخی اور مؤخر ہو سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک صفت دوسری صفت سے متراخی اور مؤخر ہو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں۔

غرض یہ کہ استواء علی العرش سے حق جل شانہ کا کوئی فعل اور

تصرف مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا اور اس کا نام استواء رکھا جیسے اللہ تعالیٰ ہر شب میں آسمان دنیا میں کوئی فعل اور تصرف فرماتے ہیں جس کا اللہ نے نزول نام رکھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ سماء الدنیا ہر رات میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں۔ سو یہ نزول جس کا حدیث میں ذکر ہے معاذ اللہ یہ نزول جسمانی اور حسی نہیں کہ جس طرح ایک جسم بلندی سے پستی کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عرش سے آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ حرکت اور انتقال سے پاک اور منزہ ہے بلکہ نزول سے حق تعالیٰ کا کوئی فعل مراد ہے جس کا ظہور اور صدور بوقت شب ہوتا ہے مثلاً نزول رحمت مراد ہے یا نزول ملائکہ وغیرہ مراد ہے۔ روح المعانی صفحہ ۱۱۸ ج ۸

صوفیاء کرام کا ارشاد:

اور حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ استواء علی العرش سے اللہ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ
اُڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اُسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے

رات اور دن کا نظام:

یعنی رات کے اندھیرے کو دن کے اجالے سے یا دن کے اجالے کو رات کے اندھیرے سے ڈھانپتا ہے۔ اس طرح کہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے چلا آتا ہے۔ ادھر رات ختم ہوئی ادھر دن آموجود ہوا، یا دن تمام ہوا تو فوراً رات آگئی۔ درمیان میں ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ شاید اس پر بھی تنبیہ فرما دی کہ اسی طرح کفر وضلالت اور ظلم وعدوان کی شب دیجور جب عالم پر محیط ہو جاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ ایمان وعرفان کے آفتاب سے ہر چہار طرف روشنی پھیلا دیتا ہے اور جب تک آفتاب عالمتاب کی روشنی نمودار نہ ہو تو نبوت کے چاند تارے رات کی تاریکی میں اجالا اور رہنمائی کرتے ہیں۔

مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ
تابعدار اپنے حکم کے

کوئی سیارہ اس کے حکم کے بدون حرکت نہیں کر سکتا۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
سُن لو اُسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾
جو رب ہے سارے جہان کا

پیدا کرنا اور حکم دینا:

پیدا کرنا ''خلق'' ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ ''امر'' ہے اور دونوں اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ اس طرح وہ ہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عمل کر کے شکر ادا کرو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عمل صالح کر کے خدا کا شکر ادا نہ کرے بلکہ اپنی تعریف کرے اس نے کفر کیا اور اس کا عمل سلب کر لیا جائے گا اور جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے بندے کو اپنی کوئی حکومت یا قدرت منتقل کر دی ہے تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ فرمایا

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

مسنون دُعاء:

دعائے ماثورہ میں ہے کہ یوں دعا مانگا کرے اللھم لک الملک کله ولک الحمد کله والیک یرجع الامر کله اسئلک من الخیر کله واعوذبک من الشر کله۔

صوفیائے کرام کی تفسیر:

صوفیہ کا قول ہے کہ الخلق سے مراد وہی عالم خلق یعنی عالم جسمانی، عرش تمام آسمان اور زمینیں اور آسمان وزمین کی تمام مادی کائنات اور سارے عناصر اور عناصر سے بنائی ہوئی نباتی معدنی اور حیوانی مخلوق کے نفوس یعنی وہ لطیف اجسام جو کثیف اجسام میں جاری ساری ہیں۔ اور الامر سے مراد ہے عالم امر یعنی مجروات قلب، روح، سر خفی، اخفی یہ تمام مجردات عرش سے بالاتر ہیں مگر انسانی اور ملکی اور شیطانی نفوس میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جیسے آئینہ کے اندر سورج۔ چونکہ اللہ نے ان کو بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے پیدا کیا ہے اس لئے ان کو عالم امر کہا جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان بن عیینہ نے فرمایا خلق اور امر میں

فرق ہے جس نے دونوں کو ایک کہا وہ کافر ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے باطن میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے برتر ہوتی ہے (یعنی ملائکہ کی جماعت) متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً
پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے

دُعاء میں اصل اخفاء ہے:

جب "عالم خلق وامر" کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہ ہی ذات ہے تو اپنی دینوی واخروی حوائج میں اسی کو پکارنا چاہئے۔ الحاح واخلاص اور خشوع کے ساتھ بدون ریاکاری کے آہستہ آہستہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفاء ہے اور یہی سلف کا معمول تھا بعض مواضع میں جہر واعلان کسی عارض کی وجہ سے ہوگا جس کی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خود اللہ جل شانہٗ نے ایک مرد صالح کی دعاء کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا ہے اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا یعنی "جب انھوں نے رب کو پکارا آہستہ آواز سے" اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دعاء کی یہ کیفیت پسند ہے کہ پست اور آہستہ آواز سے دعاء مانگی جائے۔

پست آواز سے دُعاء کی فضیلت:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علانیہ اور جہراً دعاء کرنے میں اور آہستہ پست آواز سے کرنے میں ستر درجہ فضیلت کا فرق ہے، سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ ذکر ودعاء میں بڑا مجاہدہ کرتے اور اکثر اوقات مشغول رہتے تھے مگر کوئی ان کی آواز نہ سنتا تھا، بلکہ ان کی دعائیں صرف ان کے اور ان کے رب کے درمیان رہتی تھیں، ان میں بہت سے حضرات پورا قرآن حفظ کرتے اور تلاوت کرتے رہتے تھے، مگر کسی دوسرے کو خبر نہ ہوتی تھی، اور بہت سے حضرات بڑا علم دین حاصل کرتے، مگر لوگوں پر جتلاتے نہ پھرتے تھے، بہت سے حضرات راتوں کو اپنے گھروں میں طویل طویل نمازیں ادا کرتے مگر آنے والوں کو کچھ خبر نہ ہوتی تھی، اور فرمایا کہ ہم نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ تمام عبادات جن کو وہ پوشیدہ کر کے ادا کر سکتے تھے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اس کو ظاہر کر کے ادا کرتے ہوں، ان کی آوازیں دعاؤں میں نہایت پست ہوتی تھیں۔ (ابن کثیر، مظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ دعاء کے دو آداب اس آیت میں پہلی آیت میں بتلائے گئے، ایک عاجزی اور تضرع کے ساتھ ہونا، دوسرے خفیہ و آہستہ ہونا، یہ دونوں صفتیں انسان کے ظاہر جسد سے متعلق ہیں، کیونکہ تضرع سے مراد یہ ہے کہ اپنی ہیئت بوقت دعاء عاجزانہ، فقیرانہ بنالے متکبرانہ یا بے نیازانہ نہ ہو، اور خفیہ ہونے کا تعلق بھی منہ اور زبان سے ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

آہستہ ذکر کرنے کی فضیلت:

سری ذکر افضل ہے صحابہؓ اور تابعین کا اسی پر اتفاق رہا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر جہاد کیا تو راستہ میں مسلمان ایک وادی سے گذرے اور انہوں نے چلا کر تکبیریں کہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اپنے لئے سکون اختیار کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے۔ رواہ البغوی۔

میں کہتا ہوں پڑھ کر اس حدیث سے اگرچہ ذکر خفی کی افضلیت ثابت ہوتی ہے مگر اپنے لئے سکون اختیار کرو کا لفظ بتا رہا ہے کہ ذکر خفی کا حکم اور ذکر جہری کی ممانعت صرف تقاضائے شفقت کے زیر اثر تھی یہ وجہ نہ تھی کہ ذکر جہری جائز ہی نہ ہو۔

ذکر کی تین اقسام:

ذکر کی تین اقسام ہیں (۱) بلند آواز سے چیخ کر۔ یہ عام صورتوں میں باجماع علماء مکروہ ہے ہاں خاص صورتوں میں اگر مصلحت و دانش کا تقاضا ہو تو درست (بلکہ ضروری) ہے اور اخفاء سے افضل ہے جیسے اذان کہنی اور حج میں لبیک پڑھنی، شاید چشتی صوفیہ نے مبتدی کو جہری ذکر کی تلقین مصلحت ہی کے تحت کی ہے شیطان کو بھگانا، غفلت دور کرنا، نسیان کو زائل کرنا، دل میں گرمی پیدا کرنا، آتش محبت کو ریاضت کے ذریعہ سے تیز کرنا اور دوسرے فوائد اس سے وابستہ ہیں لیکن ریاکاری اور شہرت طلبی سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) زبان سے چپکے چپکے ذکر کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تیری زبان تر و تازہ رہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ اس حدیث میں یہی ذکر مراد ہے۔ امام احمدؒ اور ترمذی کی روایت ہے کہ عرض کیا گیا سب سے بڑھیا عمل کونسا ہے فرمایا (سب سے افضل عمل)

یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑتے وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ ہو۔
حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں گھومتے اور اہل ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں اگر کچھ لوگوں کو ذکر خدا میں مشغول پاتے ہیں تو باہم ایکدوسرے کو پکارتا ہے ادھر آؤ مقصد مل گیا چنانچہ سب آکر اہل ذکر کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور دنیوی آسمان تک یونہی سلسلہ جوڑ لیتے ہیں ان کا رب ان سے پوچھتا ہے باوجودیکہ وہ خود ان سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ میرے بندے کیا کہہ رہے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تیری پاکی تیری بڑائی تیری حمد اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے (یعنی سبحان اللہ اللہ اکبر الحمد للہ اور المجد للہ کہہ رہے تھے) اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے تجھے نہیں دیکھا اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو اُن کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے اگر وہ تجھے دیکھ پاتے تو تیری عبادت اور قوت سے کرتے۔ تیری بزرگی بہت زیادہ بیان کرتے اور تیری پاکی کا اظہار اور کثرت سے کرتے۔ اللہ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت کے خواستگار تھے، اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں پروردگار انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت کو دیکھ پاتے تو ان کی جنت کی حرص رغبت اور طلب اور زیادہ ہو جاتی۔ اللہ فرماتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ سے۔ اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں پروردگار بخدا انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے پھر اگر وہ دیکھ پاتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر دیکھ پاتے تو دوزخ سے فرار وخوف ان کا اور زیادہ ہو جاتا۔ اللہ فرماتا ہے تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ جماعت ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اہل ذکر میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو ذکر میں شریک نہ تھا اپنے کسی کام سے آیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے وہ سب ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے والا بدنصیب نہیں ہوسکتا۔ رواہ البخاری۔ مسلم نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

(۳) بغیر زبان کے صرف قلبی روحی اور نفسی ذکر کرنا۔ یہی ذکر خفی ہے جس کو اعمالنامے لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن پاتے۔ ابو یعلی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ذکر خفی جس کو اعمالناموں کے لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن پاتے (ذکر جلی سے) ستر ہزار درجے فضیلت رکھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ حساب کے لئے سب لوگوں کو جمع کریگا اور فرشتے اعمالنامے اور تمسکات لے کر حاضر ہونگے تو اللہ ان سے فرمائے گا دیکھو (اس بندہ کی) کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ فرشتے عرض کرینگے ہم کو جو کچھ معلوم ہوا اور ہماری نگرانی میں جو کچھ ہوا ہم نے سب کا احاطہ کر لیا اور لکھ لیا کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اللہ فرماتا ہے اس کی ایک نیکی ایسی بھی ہے جس کا تم کو علم نہیں۔ میں تم کو بتاتا ہوں وہ نیکی ذکر خفی ہے۔

میں کہتا ہوں اس ذکر کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا نہ اس میں کوئی سستی آتی ہے (یعنی ذکر قلبی ہمہ اوقات جاری رہ سکتا ہے)

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾
اُس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے

یعنی دعا میں حد ادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادتاً یا شرعاً محال ہیں، وہ مانگنے لگے یا معاصی اور لغو چیزوں کی طلب کرے، یا ایسا سوال کرے جو اس کی شان وحیثیت کے مناسب نہیں یہ سب "اعتداء فی الدعاء" میں داخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دُعاء میں حد سے آگے نہ بڑھو:

بغوی نے اپنی سند سے ابوداؤد وبجستانی کے سلسلہ سے حسب روایت ابو نعامہ بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یوں دعاء مانگتے سنا۔ اے اللہ میں تجھ سے دعاء کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں جاؤں تو مجھے جنت کے دائیں جانب سفید محل عطا فرمانا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا بیٹے اللہ سے جنت کی دعا کر اور دوزخ سے اس کی پناہ طلب کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے اس امت میں آئندہ کچھ ایسے لوگ ہونگے جو طہارت اور دعاء میں حد (سنت) سے آگے بڑھ جائیں گے۔ کذا روی ابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ۔

ابو یعلی نے مسند میں حضرت سعدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب کچھ لوگ ایسے ہونگے جو دعاء میں حدود (سنت) سے تجاوز کرینگے۔ آدمی کے لئے اتنا کہنا کافی ہے اے اللہ میں تجھ سے جنت کا اور اس قول وعمل کا جو جنت سے قریب کردے خواستگار ہوں اور دوزخ سے اور دوزخ کے قریب لے جانے والے قول وعمل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابو یعلی نے کہا۔ آدمی کے لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ آخر کلام

تک۔ معلوم نہیں یہ حضرت سعد کا قول ہے یا فرمان نبوی کا حصہ ہے۔

حد سے بڑھنے والے:

عطیہ نے کہا المعتدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناجائز طور پر مسلمانوں کے لئے بددعائیں کرتے ہیں۔ (مثلاً) یوں کہتے ہیں اے اللہ ان پر لعنت بھیج۔ ایسی بددعائیں کرنے میں سب سے آگے رافضی ہیں جو صحابۂ کرامؓ اور بعض اہل بیت پر لعنت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں اعتداء سے مراد ہے حد شریعت سے تجاوز کرنا اس کے اندر تمام مذکورہ بالا صورتیں بھی آجاتی ہیں اور ایسی دعاء کرنا بھی اس میں شامل ہے جس میں کوئی گناہ یا قطع رحم ہو رہا ہو اور یہ الفاظ بھی اعتداء ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ میں نے دعاء کی مگر میری دعاء قبول نہ ہوئی۔ میں دعاء کر رہا ہوں اور میری دعاء ضرور قبول ہوگی۔ یا اللہ سے ایسے نام لے کر کرے جو شریعت (یعنی قرآن و حدیث) میں مذکور نہیں ہیں (مثلاً بھگوان، پرماتما، ایشور، وغیرہ)

حرام خور کی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کسی شخص کا (بطور تمثیل) ذکر فرمایا کہ طویل سفر کرتا ہے۔ پراگندہ مو، اور غبار آلود چہرہ والا ہے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا دعاء کرتا ہے اے میرے رب اے میرے رب۔ مگر اس کا کھانا حرام کا ہے اس کا پینا حرام کا ہے اس کا لباس حرام کا ہے اس کی پرورش ہی حرام سے ہے ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ رواہ مسلم والترمذی من حدیث ابی ہریرۃؓ۔

دُعاء قبول ہوتی رہتی:

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ گناہ کی اور قطع رحم کی دعا نہ کرے اور دعا میں جلد بازی سے بھی کام نہ لے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد بازی سے کیا مراد ہے فرمایا (مثلاً) کہنے لگے میرے خیال میں دعا قبول نہیں ہوگی یہ خیال کر کے تھک کر دعا کرنی چھوڑ دے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل ظروف ہیں بعض بعض سے زیادہ سمائی والے ہیں لوگو! اللہ سے دعا کرتے وقت یقین رکھا کرو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی اللہ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو بے توجہ دل سطحی طور پر کرتا ہے ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ قبول دعا کا یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ کریم ہے سخی ہے بخیل نہیں کر سکتا لیکن دعا کے قبول نہ ہونے کا سبب انسان کی معصیت اور خطا کاری ہے گویا اللہ کی رحمت عامہ پر نظر رکھتے ہوئے تو دعا قبول ہونے کا یقین رکھا جائے اور اپنے اعمال کی نحوست کو دیکھتے ہوئے دعا کے رد ہونے کا اندیشہ دل گیر رہے۔ (تفسیر مظہری)

حد سے بڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے:

اللہ تعالیٰ ایک برگزیدہ بندے کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ جب اپنے رب کو پکارتا تھا تو بہت ہی پست آواز میں پکارتا تھا۔ آواز کو بلند کرنا بہت ہی مکروہ ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کی تفسیر میں ابن عباسؓ فرماتے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دعا میں اپنی حد سے تجاوز کرنے کو خدا پسند نہیں کرتا۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ منازل انبیاء حاصل ہونے کی دعا نہ مانگا کرو۔ سعد نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ یوں دعا مانگ رہا ہے کہ اے خدا میں جنت اور جنت کی نعمتیں اور جنت کے ریشمیں کپڑے مانگتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور اس کی زنجیروں اور بیڑیوں سے۔ تو باپ نے کہا تم نے خیر مانگنے میں بھی انتہا کر دی۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
اور مت خرابی ڈالو زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد
وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ
اور پکارو اُس کو ڈر اور توقع سے

خالق و مخلوق کے حقوق کی رعایت:

پچھلی آیتوں میں ہر آیت میں ہر حاجت کے لئے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتایا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی۔ یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو، اور خوف و رجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس کے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔ میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہاں وَادْعُوْهُ الخ میں دعاء سے عبادت مراد لی جائے جیسا کہ صلوۃ تہجد کے بارہ میں فرمایا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (تفسیر عثمانی)

اصلاح کا سامان: اور اصلاح باطنی و روحانی کا مدار ذکر اللہ، تعلق مع اللہ اور اس کی اطاعت پر ہے، اس کے لئے اللہ نے اول تو ہر انسان کے قلب میں ایک مادہ اور جذبہ خدا کی اطاعت اور یاد کا رکھ دیا ہے

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اور انسان کے گرد پیش کے ہر ذرے ذرے میں اپنی قدرت کاملہ اور صنعت عجیبہ کے ایسے مظاہر رکھے کہ ان کو دیکھ کر معمولی فہم وادراک رکھنے والا بھی بول اٹھے کہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ اس کے علاوہ رسول بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، جن کے ذریعہ مخلوق کا رشتہ خالق کے ساتھ جوڑنے کا پورا انتظام فرمایا۔

اس طرح گویا زمین کی مکمل اصلاح ظاہری اور باطنی ہوگئی، اب حکم یہ ہے کہ ہم نے اس زمین کو درست کردیا ہے تم اس کو خراب نہ کرو۔

آج کا انسان:

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" آج کا انسان جس کو برق و بھاپ اور دوسری مادی رنگینیوں نے مسحور بنا رکھا ہے، ذرا ان چیزوں سے بلند ہو کر سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ ہماری ساری کوششیں اور ساری مصنوعات و ایجادات ہمارے اصل مقصد یعنی اطمینان و راحت کے حاصل کرنے میں فیل اور ناکام ہیں، اس کی وجہ بجز اس معنوی اور باطنی سبب کے نہیں ہے کہ ہم نے اپنے رب اور مالک کی نافرمانی اختیار کی تو اس کی مخلوقات نے معنوی طور پر ہم نے نافرمانی شروع کردی

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

کہ ہمارے لئے حقیقی آرام و راحت مہیا نہیں کرتی، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ

اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانیوالی

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا

مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ

بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف پھر ہم

الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ

اتارتے ہیں اس بادل سے پانی پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح

نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ

کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم غور کرو اور جو شہر پاکیزہ ہے

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ

اس کا سبزہ نکلتا ہے اسکے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے

خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ

اس میں نہیں نکلتا مگر ناقص یوں پھیر پھیر کر بتلاتے ہیں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو

رحمت الٰہی کے کرشمے:

پچھلی آیات میں "استواء علی العرش" کے ساتھ فلکیات (چاند، سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں، ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں۔ اب سفلیات اور "کائنات الجو" کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول پھل پیدا کرنا، ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ایک تو مردوں کا نکلنا قیامت میں ہے ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جو جہالت و ذلت کی موت سے مر چکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا۔ پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی۔ ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا۔" گویا اس پورے رکوع میں بتلادیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لئے اوپر سے بارش بھیجتا

ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل وظلم کی اندھیریوں سے نکالنے کے لئے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کی کھیتیوں کو سیراب کرنے کے لئے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الٰہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیا علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے منتفع ہونا بھی حسن استعداد پر موقوف ہے، جو لوگ ان سے انتفاع نہیں کرتے یا پورا انتفاع نہیں کرتے انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہئے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(تفسیر عثمانی)

خیر طلب کرو: حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ہوا اللہ کی بھیجی ہوئی راحت ہے یہ رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی (اس کو برا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کی طلب کرو اور اس کی خرابی سے اللہ کی پناہ کے خواستگار رہو۔ رواہ البخاری فی الادب۔

زندگی کی بارش:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب سب لوگ اول صور پھونکنے سے مرجائیں گے تو اللہ زیر عرش سے پانی برسائے گا جس کا نام آب حیات ہوگا۔ جیسے مردوں کی منی۔ اس بارش سے لوگ قبروں کے اندر کھیتی کی طرح اگیں گے جب اجسام کی تکمیل ہو جائے گی تو ان کے اندر روح پھونک دے گا پھر ان پر ایک نیند طاری کر دی جائے گی جس کی وجہ سے وہ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت سروں اور آنکھوں میں ان کو نیند کا اثر محسوس ہو رہا ہوگا اور کہیں گے ہائے افسوس ہم کو خواب گاہ سے (یا خواب سے) کس نے اٹھا دیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت چالیس ہوگی لوگوں نے پوچھا ابو ہریرہؓ کیا چالیس دن کی مدت ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا مجھے اس سے انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس مہینے کی فرمایا مجھے اس سے بھی انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا (یعنی رسول اللہؐ نے چالیس کا لفظ فرمایا دن مہینہ یا برس کی صراحت نہیں فرمائی) پھر اللہ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے انسان سبزی کی طرح اگیں گے انسان کی ہر چیز فنا ہو جاتی ہے صرف ایک ہڈی رہ جاتی ہے دم گزے کی ہڈی اسی سے قیامت کے دن تمام (اعضاء اور اجزاء) جوڑے جائیں گے۔ ابن ابی داؤد نے بھی البعث میں یہ حدیث نقل کی ہے انسؓ کی روایت میں اتنی صراحت ہے کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت چالیس سال کی ہوگی اسی چلہ میں اللہ بارش کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

بروایت حضرت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلے صور پر تمام عالم فنا ہو جائے گا کوئی چیز زندہ باقی نہ رہے گی، اور دوسرے صور پر پھر از سر نو نیا عالم پیدا ہوگا، اور سب مردے زندہ ہو جائیں گے، حدیث مذکور میں ہے کہ ان دونوں مرتبہ کے صور کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا، اور ان چالیس سال میں مسلسل بارش ہوتی رہے گی، اسی عرصہ میں ہر مردہ انسان اور جانور کے اجزاء بدن اس کے ساتھ جمع کر کے ہر ایک کا مکمل ڈھانچہ بن جائے گا، اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت ان لاشوں کے اندر روح آجائے گی، اور زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے، اس روایت کا اکثر حصہ بخاری و مسلم میں موجود ہے بعض اجزاء ابن ابی داؤد کی کتاب البعث سے لئے گئے ہیں۔

مؤمن اور کافر کی مثال:

شیخین نے صحیحین میں حضرت موسیٰ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جو ہدایت و علم عطا فرما کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین کے کسی اچھے ٹکڑے پر برستی ہے تو وہ خطہ اس کو قبول کر لیتا ہے جس سے سبزہ اور چارہ خوب پیدا ہوتا ہے اور کسی خشک بنجر خطے پر برستی ہے تو وہ بھی (اپنے احاطہ میں) پانی کو روک لیتا ہے (مگر پی نہیں سکتا اس لئے اس میں سبزہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ) آدمی اس کو پیتے جانوروں کو پلاتے اور کھیتوں کو سینچتے ہیں اور ایک تیسرے ٹکڑے پر برستی ہے جو چٹیل سخت ہموار میدان ہوتا ہے وہ نہ تو (اپنے احاطہ میں) پانی کو روکتا ہے (کہ دوسروں کو ہی فائدہ ہو) نہ خود پیتا ہے کہ سبزہ پیدا ہو جائے پس یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو دین کی سمجھ رکھتے ہیں۔ میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں خود سمجھتے ہیں دوسروں

کو سکھاتے ہیں اور ان لوگوں کی جو میرے پیام کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے اور خدا کی عطا کی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ
بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف پس اُس نے کہا اے میری قوم
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ
بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوا میں خوف کرتا ہوں
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾
تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ
بولے سردار اُس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح
مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾
بہکا ہوا

حضرت نوح علیہ السلام: آدم علیہ السلام کا قصہ ابتدائے سورت میں گذر چکا۔ ان کے بعد نوح علیہ السلام پہلے اولوالعزم اور مشہور رسول ہیں جو زمین والوں کی طرف مشرکین کے مقابلہ میں بھیجے گئے۔ گو باعتبار اپنی خاص شریعت کے ان کی بعثت خاص اپنی قوم کی طرف مانی جائے تاہم ان اساسی اصول کے اعتبار سے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک ہیں کہا جا سکتا ہے کہ تمام انسان ہر نبی کے مخاطب ہوتے ہیں مثلاً توحید اور اقرار معاد کی تعلیم پر سارے پیغمبر متفق اللسان ہیں تو ایسی چیزوں کی تکذیب کرنا فی الحقیقت تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ بہرحال نوح علیہ السلام نے توحید وغیرہ کی عام دعوت دی۔ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے بعد دس قرن ایسے گذرے کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم تھی۔

بت پرستی کی ابتداء: بت پرستی کی ابتداء ابن عباسؓ کے بیان کے موافق یوں ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہوگیا جن کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر تھے، جو سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کے احوال وعبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے تیار کر لئے حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی عبادت ہونے لگی۔ اور یہ بت انہی بزرگوں کے نام سے موسوم کیے گئے۔ جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو حق تعالیٰ نے حضرت نوح کو بھیجا۔ انہوں نے طوفان سے پہلے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بلایا۔ اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا مگر لوگوں نے ان کی تضلیل و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا اور جیسا کہ نوح نے دعاء کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا روئے زمین پر کوئی کافر عذاب الٰہی سے نہ بچا۔ بستانی نے دائرۃ المعارف میں یورپین محققین کے اقوال طوفان اور عموم طوفان کے متعلق نقل کئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدم اور حضرت نوح کی درمیانی مدت:

پہلی آیت میں ارشاد ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی آٹھویں پشت میں ہیں۔ مستدرک حاکم میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے ہیں۔ اور یہی مضمون طبرانی نے بروایت ابی ذرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قرن عام طور پر ایک سو سال کو کہا جاتا ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان اس روایت کے مطابق ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگیا۔ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے آٹھ سو چھبیس سال بعد ہوئی ہے اور بتصریح قرآن ان کی عمر نو سو پچاس سال ہوئی۔ اور آدم علیہ السلام کی عمر کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ چالیس کم ایک ہزار سال ہے اس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے نوح علیہ السلام کی وفات تک کل دو ہزار آٹھ سو چھپن سال ہو جاتے ہیں۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظمؒ)

حضرت نوح کا نسب نامہ:

حضرت نوحؑ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے۔ نوح بن لامک یا لمک بن متشولخ یا متوشلخ بن خنوخ یا اخنوخ۔ ماں کا نام عوفہ یا قینوس بنت براکیل بن قتشولخ تھا۔ اخنوخ کا اسلامی نام ہی حضرت ادریس تھا آپ ہی سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنے کی ایجاد کی۔ اخنوخ بن مہلیل یا مہلائیل تھے مہلیل کا باپ قینن یا قینان یا قائن، قائن کا باپ انوش یا مانیش تھا اور مانیش کے باپ حضرت شیث بن حضرت آدم (علیہ السلام) تھے۔

مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ نوحؑ سے آدم تک دس پشتیں تھیں۔ طبرانی نے حضرت ابوذر کی روایت سے مرفوعاً بھی یہی لکھا

ہے کہ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت ادریس حضرت نوح سے پہلے تھے اکثر صحابہؓ کا یہی مسلک ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت نوح کا نام سکن یا شاکر یا یشکر تھا۔ حضرت آدمؑ کے بعد آپ ہی کی ذات کی طرف لوگوں کا رجوع ہوا آپ سب کے ماوی اور مسکن تھے اس لئے سکن نام ہوگیا۔ سیوطی نے اتقان میں مستدرک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نوحؑ کا نام عبدالغفار تھا۔

آپ نے اپنی ہزار سالہ عمر میں سے ۴۰ برس حضرت داؤدؑ کو دیدیئے تھے نووی نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ تمام انبیاء سے آپکی عمر زیادہ ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
بولا اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں ولیکن میں بھیجا ہوا
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ
ہوں جہان کے پروردگار کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے
رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمکو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾
باتیں جو تم نہیں جانتے

قوم سے خطاب:

یعنی میں تو ذرا بھی نہیں بہکا، ہاں تم بہک رہے ہو کہ خدا کے پیغامبر کو نہیں پہچانتے جو نہایت فصاحت سے خدا پیغام تم کو پہنچا رہا ہے اور تمہاری بھلائی چاہتا ہے کہ تم کو عمدہ نصیحتیں کرتا ہے اور خدا کے پاس سے وہ علوم و ہدایت لے کر آیا ہے جن سے تم جاہل ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے یوم عرفہ میں فرمایا جہاں ہزاروں لوگ جمع تھے کہ اے لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا اور میرے ادائے فریضہ کی تم سے تصدیق طلب کی جائے گی تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم اس کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ و خیر خواہی ادا کر دیا اور رسالت کا فریضہ پورا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، پھر ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ''اے خدا! گواہ رہ، گواہ رہ کہ یہ میری تصدیق کر رہے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى
کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی
رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ
طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تا کہ وہ تم کو
تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾
ڈرائے اور تا کہ تم بچو اور تا کہ تم پر رحم ہو

نبی کا آنا قابل تعجب کیوں ہے؟

یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم ہی میں سے خدا کسی ایک فرد کو اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لے۔ آخر اس نے ساری مخلوق میں سے منصب خلافت کے لئے آدم علیہ السلام کو کسی مخصوص استعداد کی بنا پر چن لیا تو کیوں نہیں ہوسکتا کہ اولاد آدم میں سے بعض کامل الاستعداد لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے لئے انتخاب کر لیا جائے تا کہ وہ لوگ براہ راست خدا سے فیض پا کر دوسروں کو ان کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ اس پر آگاہ ہو کر بدی سے بچ جائیں اور اس طرح خدا کے رحم و کرم کے مورد بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

تقویٰ کے باوجود اللہ سے ڈرو:

تقویٰ موجب رحمت نہیں۔ رحمت تو اللہ کی ایک مہربانی ہے (جس کے حصول کا ذریعہ اللہ نے تقویٰ کو بنا دیا ہے ورنہ تقویٰ سے قطعی طور پر مستحق رحمت ہو جانا اور رحمت کا واجب ہو جانا ضروری نہیں) متقی کو اپنے تقویٰ پر کامل اعتماد کر کے بے غم نہ ہونا چاہئے بلکہ تقوے کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

ابونعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو طاعت گذار لوگ ہوں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرلیں۔ قیامت کے دن حساب کے وقت میں جس کو عذاب دینا چاہوں گا عذاب دوں گا اور تمہاری امت میں جو گناہ گار ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی ہلاکت کا یقین کر کے رحمت سے مایوس نہ ہو) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ بخشدوں گا اور مجھے پروانہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى

پھر انہوں نے اُسکو جھٹلایا پھر ہم نے بچالیا اُسکو اور اُنکو جو اُس کیساتھ

الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ

تھے کشتی میں اور غرق کر دیا اُنکو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

بیشک وہ لوگ تھے اندھے

کافروں کی ہلاکت:

یعنی حق و باطل اور نفع نقصان کچھ نہ سوجھا۔ اندھے ہو کر برابر سرکشی اور تکذیب و بغاوت پر قائم رہے اور بت پرستی وغیرہ حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم نے معدودے چند مومنین کو بچا کر جو نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوئے تھے، باقی سب مکذبین کا بیڑا غرق کر دیا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ ان ہی اہل سفینہ بلکہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

کشتی کے سوار:

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں ابن کثیرؒ نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اسی آدمی تھے جن میں ایک کا نام جرہم تھا یہ عربی زبان بولتا تھا۔ (ابن کثیر)

بعض روایت میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ اسی کے عدد میں چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ طوفان کے بعد یہ سب حضرات موصل میں جس جگہ مقیم ہوئے اس بستی کا نام ثمانون مشہور ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ

اور قوم عاد کی طرف بھیجا انکے بھائی ہود کو

حضرت ہود علیہ السلام:

''عاد'' حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں۔ یہ قوم اسی کی طرف منسوب ہے ان کی سکونت ''احقاف'' (یمن) میں تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم سے ہیں۔ اسی لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ہود کا باپ عبداللہ بن ریاح بن خلود بن عاد بن عوص تھا ابن اسحاق نے ہود کو شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے۔ شیخ ابو بکر نے شرح خلاصۃ السیر میں لکھا ہے کہ ہود کا نام عابَر یا عابِر یا عُبیر یا عُبیر تھا اور آپ شالخ بن قینان بن ارفخشذ بن ہشام بن نوح کے بیٹے تھے۔ تمام کتب الانساب میں اسی طرح آیا ہے۔

ابن کلبی نے ۴۶۴ برس کی عمر بتائی ہے اور ماں کا نام مرجانہ لکھا ہے آپ کی قبر حضرموت میں اور بعض کے نزدیک مکہ میں ہے۔ انتہی کلام الشیخ ابی بکر۔

حضرت ہودؑ کی قبر:

بغوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت سے لکھا ہے کہ ہود کی قبر حضرموت میں سرخ ٹیلے پر واقع ہے عبدالرحمٰن بن سابط کا بیان ہے کہ رکن اور مقام اور زمزم کے درمیان ننانوے پیغمبروں کی قبریں ہیں انہی میں ہود صالح اور شعیبؑ کی بھی قبریں ہیں یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب کسی پیغمبر کی امت (عذاب سے) تباہ ہو جاتی تو وہ پیغمبر مومنوں کی جماعت لے کر مکہ میں چلا آتا تھا اور اس جگہ مرتے دم تک سب لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور یہیں مر کر دفن ہو جاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اس لئے ہود علیہ السلام عاد کے نسبی بھائی ہیں اسی لیے اخاھم ھودا فرمایا گیا۔

قوم عاد کے تیرہ خاندان تھے۔ عمان سے لے کر حضرموت اور یمن تک انکی بستیاں تھیں۔ ان کی زمینیں بڑی سرسبز و شاداب تھیں۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہود علیہ السلام مکہ میں آ کر آباد ہو گئے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔ (کاندھلوی)

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اس کے سوا سو کیا تم ڈرتے نہیں

قوم عاد کی بت پرستی:

ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، مینہ برسانے تندرست کرنے اور مختلف مطالب و حاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے۔ جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے اس سے روکا اور اس جرم عظیم کی سزا سے ان کو ڈرایا۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا
بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں
لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹا
الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾
گمان کرتے ہیں

سرداروں کا جواب:

یعنی معاذ اللہ! تم بے عقل ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر ساری برادری سے الگ ہوتے ہو اور جھوٹے بھی ہو کہ اپنے اقوال کو خدا کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ عذاب کا ڈراوا دیتے ہو۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ
بولا اے میری قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن
رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ
میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام
رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾
اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اطمینان کے لائق

حضرت ہود کی تبلیغ:

یعنی میری کوئی بات بے عقلی کی نہیں، ہاں جو منصب رسالت مجھ کو خدا کی طرف تفویض ہوا ہے اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہاری بے عقلی ہے کہ اپنے حقیقی خیر خواہوں کو جن کی امانت و دیانت پہلے سے لائق اطمینان ہے بے عقل کہہ کر خود اپنا نقصان کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

☆ حضرات انبیاء واقف تھے کہ کافر انتہائی گمراہ اور احمق ہیں لیکن انہوں نے تہذیب اور حلم سے کام لے کر مقابلہ سے پہلو تہی کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی امتوں کے کتنے ہی خواہ کافروں پر کتنے مہربان قوت برداشت میں کتنے کامل اور حسن خطاب کے ذریعہ دلوں کو ہدایت کی طرف کس قدر کھینچنے والے تھے اس گفتگو کو نقل کر کے اللہ نے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ بے وقوفوں سے کس طرح خطاب کیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی
کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے
رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا
ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو
اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ
جبکہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے

قوم عاد پر انعامات الٰہیہ:

یعنی قوم نوح کے بعد دنیا میں تمہاری حکومتیں قائم کیں اور اس کی جگہ تم کو آباد کیا۔ شاید یہ احسان یاد دلا کر اس پر بھی متنبہ کرنا ہے کہ بت پرستی اور تکذیب رسول کی بدولت جو حشر ان کا ہوا وہ کہیں تمہارا نہ ہو۔

وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ
اور زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ

جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بصطۃً لمبائی اور قوت۔ کلبی اور سدی نے کہا قوم ثمود میں سب سے لمبا آدمی سو ہاتھ کا اور سب سے چھوٹا ستر ہاتھ کا ہوتا تھا ابو حمزہ یمنی نے صرف ستر ہاتھ کہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اسی (۸۰) ہاتھ مروی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾
سو یاد کرو اللہ کے احسان تاکہ تمہارا بھلا ہو

جو احسانات مذکور ہوئے وہ اور ان کے علاوہ خدا کے دوسرے بے شمار احسانات یاد کر کے اس کے شکر گذار اور فرمانبردار بنتا چاہئے نہ یہ کہ منعم حقیقی سے بغاوت کرنے لگو۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ
بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا کہ ہم بندگی کریں اللہ اکیلے کی
مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ
اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے پس تو لے آ

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

ہمارے پاس جس چیز سے تو ہمکو ڈراتا ہے اگر تو سچا ہے

یعنی جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو وہ لے آیئے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم ہود کے بتوں کے نام:

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ لوگ اصنام کی پرستش کرتے تھے۔ایک صنم کا نام تھا صدا اور دوسرے کا نام صمود، اور ایک کا نام تھا ہبا۔

قوم عاد کا وفد:

حارث البکری سے روایت ہے کہ علاء بن الحضرمی کی شکایت لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہا تھا اور قوم ربذہ پر سے گذر رہا تھا کہ بنی تمیم کی ایک بڑھیا جو اس قبیلہ سے چھوٹ گئی تھی اور اکیلی ہو گئی تھی کہنے لگی، اے خدا کے بندے مجھے رسول خدا کی طرف لے چل، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کام ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے آیا۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور ایک سیاہ علم بلند تھا۔ بلالؓ اپنی تلوار لٹکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا یہ لوگ کیسے جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں لشکر بھیجا جا رہا ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمرے میں داخل ہوئے، میں نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ مجھے اجازت دی۔ میں نے آکر سلام کیا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم میں اور بنی تمیم میں کوئی رنجش ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں مجھے ان سے شکایت ہے اور الزام انہیں پر ہے۔ اب میں آپ کے پاس آرہا تھا کہ راستہ میں ایک بڑھیا مل گئی قبیلہ بنی تمیم کی ہے جو ان سے چھوٹ گئی تھی۔ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کام ہے مجھے لے چلو۔ چنانچہ وہ بھی دروازے پر کھڑی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی بلا لیا۔ وہ آگئی میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں اور بنو تمیم میں آڑ کر دیجئے۔ یہ سن کر قبیلہ بنی تمیم کی اس بڑھیا کو حمیت پیدا ہوئی اور تیز ہو کر بولی کہ "یا رسول اللہ! پھر آپ کے پریشان حال کہاں پناہ لیں گے۔ میں کہنے لگا ارے میری مثال تو اس ضرب المثل کی سی ہو گئی کہ بکری اپنی موت کو آپ کھینچ لائی۔ میں اس بڑھیا کو سوار کر کے لے آیا مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری دشمن ثابت ہو گی۔ میں خدا کے پاس اور رسول کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ اس بات سے کہ وفد قوم عاد کی طرح بن جاؤں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وفد عاد کا کیا قصہ ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بہتر جانتے تھے لیکن مجھ سے سننے کے خواہشمند تھے۔ میں نے کہا کہ قوم عاد قحط میں مبتلا ہو گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد مکہ بھیجا وفد کے قائد کا نام قیل تھا۔ وہ مکہ آکر معاویہ بن بکر کے پاس ٹھیرے، ایک مہینہ قیام کیا شراب پیتے رہے۔ جرادتان نامی دو لونڈیوں کا گانا سنتے رہے۔ پھر سردار وفد قیل مہرہ کی پہاڑیوں کی طرف نکلا اور دعا کی کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کی دعائے صحت کے لئے نہیں آیا ہوں نہ کسی قیدی کے چھڑانے کے لئے فدیہ مانگتا ہوں، بلکہ اے خدا عاد کو پانی دے۔ چنانچہ بحکم خدا تین ابر نمایاں ہوئے۔ ندا آئی کہ ایک ابر کو اختیار کر لے۔ اس نے سیاہ ابر کا انتخاب کیا۔ ندا آئی کہ تجھ کو تو خاک ملے گی قوم عاد کا کوئی فرد باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جو خزانہ باد میں گویا اتنی ہی تھی جتنا کہ میری اس انگوٹھی کا دائرہ ہے جس سے یہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔ اب عرب کے لوگ جب کسی وفد کو بھیجتے ہیں تو بطور ضرب المثل کہتے ہیں کہ وفد عاد کی طرح نہ ہو جانا۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو بیان کیا ہے اور ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ

کہا تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب

وَّغَضَبٌ ؕ

اور غصہ

یعنی جب تمہاری سرکشی اور گستاخانہ بے حیائی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہی ہو چکا اس کے آنے میں اب کچھ دیر نہیں۔

أَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْ أَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ

کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے اُن ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے

وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند

فَانْتَظِرُوْٓا إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں

بُت تو فقط نام ہیں:

بتوں کو جو کہتے تھے کہ فلاں رزق دینے والا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطا کرنے والا وعلیٰ ہذا القیاس، یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں، خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آئیں۔ پھر ان نام کے معبودوں کے پیچھے جن کی معبودیت کی کوئی عقلی یا نقلی سند نہیں، بلکہ کل عقلی و نقلی دلائل جسے مردود ٹھہراتے ہیں، تم دعوے توحید میں مجھ سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہو۔ جب تمہارے جہل اور شقاوت وعناد کا پیمانہ اس قدر لبریز ہو چکا ہے تو انتظار کرو کہ خدا ہمارے تمہارے ان جھگڑوں کا فیصلہ کر دے۔ میں بھی اسی فیصلہ کا منتظر ہوں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
پھر ہم نے بچالیا اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے
وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا
اور جڑ کاٹی اُن کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو
كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾
اور نہیں مانتے تھے

قوم عاد کا انجام:

یعنی ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل آندھی کا طوفان آیا جس سے تمام کفار ٹکرا ٹکرا کر اور پٹک پٹک کر ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ تو ''عاد اولیٰ'' کا انجام ہوا۔ اور اسی قوم کی دوسری شاخ (ثمود) جسے ''عاد ثانیہ'' کہتے ہیں، اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قوم عاد پر جس وقت عذاب آیا تو ان کا ایک وفد مکہ معظمہ گیا ہوا تھا وہ عذاب سے محفوظ رہا اس کو عاد اخری کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ
اور ثمود کی طرف بھیجا اُن کے بھائی صالح کو بولا اے میری قوم
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ
بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا تم کو

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے

حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم:

یعنی جو دلیل تم مانگ رہے تھے وہ پہنچ گئی۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے عہد واقرار کیا تھا کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا نے حضرت صالح کی دعا سے ویسا ہی کر دیا۔ ان کو کہا جا رہا تھا کہ تمہارا فرمائشی معجزہ تو خدا نے دکھلا دیا۔ اب ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عاد و ثمود ایک ہی دادا کی اولاد میں دو شخصوں کا نام ہے ان کی اولاد بھی ان کے نام سے موسوم ہو کر دو قومیں بن گئیں ایک قوم عاد دوسری قوم ثمود کہلاتی ہے۔ عرب کے شمال مغرب میں بستے ہیں اور ان کے بڑے شہر کا نام حجر تھا جس کو اب عموماً مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ قوم عاد کی طرح قوم ثمود بھی دولتمند، قوی اور بہادر قوم اور سنگ تراشی اور فن تعمیر میں ماہر تھی کھلی زمین پر بڑے بڑے محلات بنانے کے علاوہ پہاڑوں کو کھود کر ان میں طرح طرح کی عمارتیں بناتے تھے۔ ارض القرآن میں مولانا سید سلیمان صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی تعمیری یادگاریں اب تک باقی ہیں ان پر ارمی اور ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ دنیا کی دولت وثروت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ خدا و آخرت سے غافل ہو کر غلط راستوں پر پڑ جاتے ہیں۔ قوم ثمود کا بھی یہی حال ہوا۔ (معارف مفتی صاحب)

ثمود کی بستیاں حجاز اور شام کے درمیان حجر میں وادیقرنی تک تھیں۔ حضرت صالح، عبید بن آسف بن ماسح یا رباح بن عبید بن حاذر بن ثمود کے بیٹے تھے۔

قوم ثمود کی بستی کا پانی نہ پیئو:

عبداللہ بن دینار کے چچا کے بیٹے کی روایت سے بخاری نے صحیح میں بیان کیا ہے کہ غزوہ تبوک میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں فروکش ہوئے تو حکم دیا لوگ یہاں کے کنویں کا پانی نہ پئیں، نہ جانوروں کو پلائیں لوگوں نے عرض کیا ہم نے تو اس پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے اور پانی بھی لے لیا ہے فرمایا گوندھے ہوئے آٹے کو پھینک دو اور پانی کو بہا دو۔

قوم ثمود کی ہلاکت:

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ حجر کے کنویں سے لیا ہوا پانی بہا دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور اس کنویں کا پانی لیں جس کا پانی اونٹنی پیتی تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ کا قول نقل کیا کہ جب غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حجر سے ہوا تو صحابہ کو حکم دیا تم میں سے کوئی اس (ویران) بستی میں نہ جائے نہ ان کا پانی پیو ان عذاب یافتہ لوگوں کی طرف سے گذرو تو روتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا تھا پھر فرمایا تم اپنے رسول سے معجزات نہ طلب کرو۔ یہ صالح کی قوم تھی جس نے اپنے رسول سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ نے ایک اونٹنی برآمد کر دی جو اس پہاڑی راستہ سے پانی پر جاتی اور (پانی پی کر) اس راستہ سے واپس آتی تھی اور اپنی باری کے دن ان کا (سارا) پانی پی جاتی تھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کو قتل کر دیا نتیجہ میں اللہ نے ان سب لوگوں کو ہلاک کر دیا جو اس سرزمین میں مشرق سے لے کر مغرب تک آسمان کے خیمہ کے نیچے رہتے تھے۔

ابورغال: صرف ایک آدمی بچا جس کو ابورغال کہا جاتا تھا یہ ہی قبیلۂ ثقیف کا مورث اعلیٰ تھا یہ اس وقت حرم کے اندر تھا اور حرم ہونے کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی عذاب آیا جو دوسروں پر آیا تھا اور وہیں دفن ہو گیا دفن ہونے کے وقت اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اسی کے ساتھ زمین میں دب گئی۔ حضورؐ نے صحابہ کو ابورغال کی قبر بھی دکھائی اور لوگوں نے تلواروں سے (کرید کر) زمین کھود کر سونے کی وہ ڈنڈی برآمد کر لی۔

قومِ ثمود کے مؤمن: قوم ثمود میں سے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لائے تھے انکی تعداد چار ہزار تھی۔ حضرت صالح ان لوگوں کو لے کر حضر موت چلے گئے۔ حضر موت میں پہنچ کر آپ کی وفات ہو گئی اسی لئے اس بستی کا نام حضر موت ہو گیا پھر ان لوگوں نے ایک بستی بسائی جس کا نام حاصورا ہوا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی وفات:

بعض علماء روایت کا قول ہے کہ حضرت صالح کی وفات مکہ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی آپ صرف بیس سال اپنی قوم میں رہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ
اور یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی سو اُس کو چھوڑ دو کہ کھائے

فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح پھر تم کو پکڑ یگا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾
عذاب دردناک

خدا کی نشانی کی قدر کرو:

یعنی یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے، جو میری دعاء پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی، اس کے حقوق کی رعایت کرو۔ مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں پانی پینے سے نہ روکو۔ غرض خدا کے اس نشان کے ساتھ جو تم نے خود مانگ کر حاصل کیا ہے، برائی سے پیش مت آؤ، ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اونٹنی کو قتل کرنے کا سبب:

امام ابوجعفرؒ اور دیگر علماء تفسیر نے سبب قتل یہ بتایا ہے کہ ایک عورت تھی عنیزہ نام، بڑھیا اور کافر تھی۔ صالحؑ سے اس کو دشمنی تھی۔ اس کی خوبصورت لڑکیاں تھیں، مال و دولت حاصل تھا۔ اس کا شوہر ذؤاب بن عمرو رؤساء ثمود میں سے تھا۔ اور ایک دوسری عورت صدقہ بنت محیا نامی جو حسب ونسب مال و جمال والی تھی یہ ایک مومن کی بیوی تھی اور شوہر کو چھوڑے ہوئے تھی۔ ناقہ کے قاتل سے ان دونوں نے وعدے کر رکھے تھے۔ صدقہ نے ایک آدمی حباب نامی کو ابھارا کہ اگر تو ناقہ کو مار ڈالے تو میں تیری ہو جاؤں گی۔ اس نے انکار کر دیا۔ پھر اپنے چچیرے بھائی مصدع ابن مہرج سے کہا تو اس نے قبول کر لیا۔ اور عنیز بنت غنم نے قدار کو بلایا۔ وہ نیلا پست قامت آدمی تھا۔ لوگ اس کو ولد الزنا سمجھتے تھے اور اس کو اس کے باپ سالف کا بیٹا نہیں سمجھتے تھے۔ اس آدمی کا نام ضیان تھا جس کا درحقیقت یہ لڑکا تھا حالانکہ اس کی ماں اس وقت سالف کی بیوی تھی۔ اس عورت نے ناقہ کے قاتل سے کہا تھا کہ میری جو لڑکی تو چاہے اس خدمت کے بدلے میں حاصل کر سکتا ہے کہ ناقہ کو قتل کر ڈالے۔ چنانچہ قدار بن سالف اور مصدع بن مہرج نے ثمود کے غنڈوں سے ساز باز کر لی اور سات آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس طرح یہ سب مل کر نو افراد ہوئے۔ چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ شہر میں نو افراد تھے جو بجائے اصلاح کرنے کے فساد پر کمر بستہ تھے اور یہ اپنی قوم کے سردھرے تھے۔ ان کافروں نے کافر قبیلہ کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ

سب کے سب چلے اور ناقہ کا انتظار کرنے لگے۔ جب یہ پانی پی کر واپس چلی تو قدار اس کی راہ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا رہا اور مصدع دوسری چٹان کے پیچھے تھا۔ ناقہ مصدع کے پاس سے گزری۔ اس نے ایک تیر مارا، وہ پنڈلی کو لگا۔ بنت غنم عنیزہ نکلی اور اپنی سب سے خوبصورت لڑکی کو لے آئی اور قدار اور اس کی جماعت کے سامنے اپنی لڑکی کے بے پناہ حسن کا مظاہرہ کیا۔ قدار اس پیش کش سے متاثر ہو کر تلوار لے کر اٹھا اور اس ناقہ کے کونچے کاٹ ڈالے اونٹنی زمین پر گر پڑی۔ اس نے اپنے بچے کو دیکھ ایک چیخ ماری گویا کہ اس کو آگاہ کر رہی ہے کہ بھاگ جا۔ پھر قاتل نے اس کے سینے پر نیزہ مارا پھر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کا بچہ ایک پہاڑ کی طرف بھاگ گیا اور چوٹی پر چڑھ کر ایک چیخ ماری، گویا کہ کہتا ہے کہ اے رب! میری ماں کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ تین دفعہ وہ چلایا پھر چٹان کے اندر گم ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے اس کا پیچھا کر کے اسے بھی مار ڈالا، واللہ اعلم۔ یہ خبر جب صالح علیہ السلام کو ملی تو وہ مقتل میں آئے۔ لوگوں کا مجمع تھا۔ ناقہ کو دیکھ کر رونے لگے۔ اور کہا (بقول تعالیٰ) کہ تم تین دن اور جی لو۔ ناقہ کا قتل بدھ کے روز ہوا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا پروگرام

جب رات ہوئی تو ان نو افراد نے قتل صالح کا بھی قصد کر لیا اور مشورہ کیا کہ اگر یہ سچا ہے اور تین دن بعد ہم ہلاک ہونے والے ہیں تو اپنے سے پہلے ہی اس کو کیوں نہ بھیج دیں۔ اور اگر جھوٹا ہے تو ہم ناقہ ہی کے پاس کیوں نہ بھیج دیں۔ قولہ تعالیٰ ان لوگوں نے قسموں سے اپنے عہد کو مؤکد کیا کہ صالح اور اس کی بیوی کو قتل کر دیں گے اور اس کے اولیاء سے کہہ دیں گے کہ ہمیں کیا خبر، ہم ان کے واقعۂ ہلاک کے وقت موجود تو تھے نہیں کہ قاتل کو جانتے، ہم تو سچی بات کہنے والے ہیں۔ انھوں نے چال بازی کرنا چاہی اور ہم جس چال بازی پر تھے اس کی انھیں خبر بھی نہ تھی۔ دیکھو مکاروں کا نتیجہ کیسا ہوتا ہے۔ جب ان لوگوں نے تہیہ کر لیا اور اتفاق کر کے رات کے وقت اللہ کے نبی کو قتل کرنے کے لیے آئے تو حکم خداوندی سے پتھر برسنے شروع ہو گئے۔

عذاب کی ابتداء اور ہلاکت:

جمعرات کا دن مہلت کا پہلا دن تھا۔ اس روز ان لوگوں کے چہرے قدرۃً زرد پڑ گئے جیسا کہ صالحؑ نے کہہ دیا تھا اور دوسرے دن جمعہ کو سرخ پڑ گئے اور تمتع دینوی کا تیسرا دن سنیچر تھا اس روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ اتوار کا دن تھا تو یہ لوگ خوشبو مل کر منتظر عذاب کر رہے تھے کہ نہ معلوم اب ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور عذاب کی کیا صورت ہوگی۔ سورج نکلا اور آسمان سے ایک چیخ بھی نکلی اور پاؤں کے نیچے ایک شدید زلزلہ پیدا ہوا روحیں نکلیں اور یک لخت سب مر گئے۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں لاشیں بن کر پڑ گئے۔ چھوٹا بڑا مرد عورت کوئی نہ بچا۔

ایک بڑی کافرہ عورت:

صرف ایک عورت بچ گئی کلبہ بنت السلق نام، یہ بڑی کافرہ اور سخت ترین دشمن تھی۔ اس نے عذاب کو دیکھا اس کے پاؤں کو تیز تر بھاگنے کی قوت مل گئی۔ ایک قبیلہ کے پاس پہنچی۔ جو کچھ دیکھا اس کی اطلاع دی اور ساری قوم جس ہلاکت سے دوچار ہوئی اس کا ذکر کیا، پھر پینے کے لیے پانی مانگا اور پانی پیتے ہی مر گئی۔ افراد قوم ثمود میں سے صالح علیہ السلام اور ان کے امتیوں کے سوا کوئی نہ بچ سکا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی گذرگاہ:

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حج کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی عفان سے گزرے تو فرمایا کہ اے ابوبکر! یہ کون سا مقام ہے؟ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ یہ وادی عفان ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ صالح اور ہود (علیہما السلام) ناقہ پر سوار کسی زمانے میں یہاں سے گزرے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی رسیوں کی تھیں، کمبلوں کے تہہ بند تھے پوستین کی چادریں تھیں۔ اور لبیک کہتے ہوئے بیت عتیق کے حج کے لیے جا رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ
اور یاد کرو جبکہ تم کو سردار کر دیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانا دیا
وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ
تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم زمین میں
سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا
محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کو گھر
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ
سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین

مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾
میں فساد

یعنی احسان فراموشی اور شرک و کفر کر کے زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

احکام ومسائل:

آیات مذکورہ سے چند اصولی اور فروعی مسائل معلوم ہوئے۔

اول یہ کہ اصول عقائد میں تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں اور ان کی شریعتیں متحد ہیں سب کی دعوت توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور اس کی خلاف ورزی پر عذاب دنیا وآخرت سے ڈرانا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام پچھلی امتوں میں ہوتا بھی رہا ہے کہ قوموں کے بڑے دولت مند آبرودار لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں دنیا میں بھی ہلاک وبرباد ہوئے اور آخرت میں بھی مستحق عذاب ہوئے۔

تیسرے تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیا میں کافروں پر بھی مبذول ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قوم عاد وثمود پر اللہ تعالیٰ نے دولت وقوت کے دروازے کھول دیئے تھے۔

چوتھے تفسیر قرطبی، ہی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے محلات اور عالی شان مکانات کی تعمیر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور ان کا بنانا جائز ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
کہنے لگے سردار جو متکبر تھے اُس کی قوم میں
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
غریب لوگوں کو کہ جو اُن میں ایمان لا چکے تھے
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اُس کے رب نے
قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ
بولے ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اُس پر یقین ہے کہنے لگے
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ
وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تم کو یقین ہے ہم

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾
اُس کو نہیں مانتے

قوم کے سرداروں کا کردار:

قوم میں جو بڑے بڑے متکبر اور معاندین تھے، وہ غریب اور کمزور مسلمانوں سے استہزاءً کہتے تھے کہ (کیا بڑے آدمی تو آج تک نہ سمجھے؟ مگر) تمہیں معلوم ہوگیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ (معلوم ہونا کیا معنی۔ معلوم تو تم کو بھی ہے) ہاں ہم دل سے قبول کر کے اس پر ایمان بھی لاچکے ہیں۔ متکبرین اس حکیمانہ جواب سے کھسیانے ہوکر بولے کہ جس چیز کو تم نے مان لیا ہے ہم ابھی تک اسے نہیں مانتے۔ پھر بھلا تمہارے جیسے چند خستہ حال آدمیوں کا ایمان لے آنا کونسی بڑی کامیابی ہے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
پھر انہوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے

صالح علیہ السلام کی اونٹنی:

کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مواشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی۔ گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی، لوازم وآثار حیات بھی غیر معمولی تھے۔ آخر لوگوں نے غیظ میں آکر اس کے قتل پر اتفاق کر لیا، اور بدبخت ''قدار'' نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہٗ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگے اور اس طرح خدا کے احکام کو جو ''صالح'' اور ''ناقہ'' کے متعلق تھے پس پشت ڈال دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قتل کرنے والا اگرچہ صرف قدار بن سالف تھا لیکن چونکہ سب کی رضامندی سے یہ فعل ہوا تھا اس لئے قتل کی نسبت سب کی طرف کر دی۔ قدار ایک ٹھگنا نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ کا آدمی تھا جیسے فرعون تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا گذشتہ لوگوں میں سب سے بڑا شقی صالح کی اونٹنی کو قتل کرنے والا تھا اور آنے والے لوگوں میں سب سے بڑا شقی تیرا قاتل ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾
اگر تو رسول ہے

قوم کی بدبختی:

ایسے کلمات انسان کی زبان سے اس وقت نکلتے ہیں جب خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جاتا ہے۔ ''عاد اولیٰ'' کی طرح ''ثمود'' بھی اس مرتبہ پر پہنچ کر عذاب الٰہی کے مورد بنے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
پس آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں
جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾
اوندھے پڑے

دوسری آیت میں ان کا ''صیحہ'' سے (چیخ) سے ہلاک ہونا بیان فرمایا ہے شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہوگی۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
پھر صالح الٹا پھرا اُن سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو
رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم کو
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾
محبت نہیں خیر خواہوں سے

ہلاکت کے بعد خطاب:

کہتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان کی لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا، یا تو اسی طرح جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا اور یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا۔ جیسے شعراء دیار و اطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات مرعی نہ ہوگی۔ بہرحال اس خطاب میں دوسروں کو سنانا تھا کہ اپنے معتبر خیر خواہوں کی بات ماننی چاہئے۔ جب کوئی شخص خیر خواہوں کی قدر نہیں کرتا تو ایسا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مردوں سے خطاب کا مقصد:

مردوں سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا تھا بدر کے مقتولین کو جب ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہؐ نے (نام لے لے کر) ان کو مخاطب بنایا۔ صحیحین میں حضرت ابوطلحہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ بدر سے تیسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کسوانے کا حکم دیا اونٹنی پر پالان باندھ دیا گیا پھر آپ صحابہؓ کو لیکر پیدل چل دیئے صحابہؓ کو خیال ہوا کہ کسی ضروری کام سے کہیں تشریف لئے جا رہے ہیں لیکن آپ جا کر اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے (جس کے اندر مقتولین کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں) اور پکارنے لگے اے ابوجہل بن ہشام اے امیہ بن خلف اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ کیا تمہارے لئے اس وقت یہ امر باعث مسرت ہوتا کہ کاش تم نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم مان لیا ہوتا اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کی تم کو وعید کی تھی کیا تم نے اس کو صحیح پالیا میں نے تو اس وعدہ کو حق پالیا جو اللہ نے مجھ سے کیا تھا تم اپنے نبی کے لئے بدترین قبیلہ ہو تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں نے مجھے سچا جانا تم مجھ سے لڑے اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ اے گروہ شر تم کو اللہ نے میری طرف سے سزا دے دی۔ میں امین تھا تم نے مجھے خائن قرار دیا میں سچا تھا تم نے مجھے جھوٹا کہا حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تین روز کے بعد آپ ان کو پکار رہے ہیں بے جان لاشوں سے آپ کس طرح کلام فرما رہے ہیں فرمایا تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں اس وقت وہ سن رہے ہیں لیکن لوٹا کر جواب نہیں دے سکتے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت صالح نے مردوں کو خطاب اس لئے کیا کہ آنے والے لوگوں کو عبرت ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ
اور بھیجا لوط کو جب کہا اُس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾
کہ تم سے پہلے نہیں کیا اُس کو کسی نے جہان میں

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم:

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جوان کے ساتھ

عراق سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور اس کے گردونواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان گندے خلاف فطرت اور بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں۔ جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے، نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے۔ ان سے پیشتر عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا۔ اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سمجھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس ملعون وشنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیا۔ اور گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرم ناک جسارت پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاک باز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (تفسیر عثمانی)

شہر سدوم:

سدوم ان شہروں کا دارالحکومت اور مرکز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت لوطؑ نے یہیں قیام فرمایا۔ زمین سرسبز و شاداب تھی ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ (یہ تاریخی تفصیلات بحر محیط، مظہری، ابن کثیر، المنار وغیرہ میں مذکور ہیں) (معارف مفتی اعظمؒ)

غیر فطری فعل کی سزا:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی بلند مقام پہاڑ یا منارہ وغیرہ سے گرایا جائے یا اسے سنگسار کیا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں تاکہ وہ مرجائے۔ جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اور بعض علماء کے نزدیک اس کی سزا مثل زناء کے ہے کہ اگر لوطی محصن ہے تو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا اور اگر محصن نہیں تو سو کوڑے لگائیں۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت:

لوط بن ہارس (یا ہاران) بن تارخ حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔
قوم لوط سے مراد سدوم والے ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے شام کی طرف جاتے ہوئے اردن میں اتر گئے اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر سدوم کو بھیجا تاکہ اہل سدوم کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیں اور ان کی ایجاد کردہ بے حیائی سے باز داشت کریں آپ نے تبلیغ کی مگر وہ باز نہ آئے آخر اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کی اور سب ہلاک ہو گئے۔ اسحٰق بن بشیر اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا یہی بیان نقل کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے وطن میں مقیم تھے ان کو تو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا یعنی زمین ان کو لے کر دھنس گئی اور جو کہیں سفر میں تھے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

بدفعلی کی ابتداء:

محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ اہل سدوم کے پھل دار باغات اور (سرسبز) بستیاں ایسی تھیں جو اس سرزمین میں کہیں نہیں تھیں لوگ ان کو آکر دکھ پہنچاتے (اور ان کے باغوں سے پھل لوٹتے اور چراتے تھے) آخر ابلیس آدمی کی شکل میں ان کے پاس آیا اور مشورہ دیا کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ تم ایسی حرکت کرو گے تو پھر تمہاری حفاظت ہو جائے گی۔ اہل سدوم نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب (چور ڈاکو) اپنی حرکتوں پر جمے رہے تو اہل سدوم نے بھی ان کے لڑکوں کو بالوں کو پکڑ کر ان کے ساتھ یہ حرکت کی اور اس طرح یہ خباثت ان میں جم گئی۔ حسن نے کہا وہ صرف عورت سے نکاح کرتے تھے کلبی کا قول ہے کہ سب سے پہلے قوم لوط کی حرکت ابلیس نے کی۔ بات یہ ہوئی کہ اہل سدوم کا ملک بڑا سرسبز تھا، دوسری بستیوں والے وہاں جانور چرانے (اور غلہ لینے) آجاتے تھے (سدوم والے ان سے تنگ تھے) ابلیس ایک نوجوان کی شکل میں ان کے سامنے آیا اور دبر کی طرف اشارہ کیا اس طرح لواطت ہونے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے حکم سے آسمان نے ان پر پتھر برسائے اور زمین نے انکو اپنے اندر دھنسا لیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے
النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۸۱)
عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گذر نیوالے

قوم لوط کا جرم:

یعنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہو رہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو مراد یہ ہے کہ عورتوں سے قربت میں تو حکمت ہے اولاد کی پیدائش اور نسل کا بقاء وغیرہ اور مردوں سے قربت میں کچھ فائدہ نہیں اس ٹکڑے میں قوم لوط کی انتہائی مذمت ہے کہ تم (انسانی فکر و دانش

سے بالکل خالی) محض (بے عقل) جانور ہو اس آیت سے بطور دلالت نص ثابت ہو رہا ہے کہ عورتوں سے لواطت بھی حرام ہے کیونکہ گندہ اور بے سود ہونا دونوں کا ایک ہی طرح ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا
اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا
أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ
کہ نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں
يَتَطَهَّرُونَ ۞ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ
كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۞
گئی وہاں کے رہنے والوں میں

قوم لوط کا آخری جواب:

یعنی آخری بات انہوں نے یہ کہی کہ جب ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک بننا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا نہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہئے کہ یہ روز کی رکاوٹ ختم ہو۔ خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے، ہاں حق تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو عزت و عافیت کے ساتھ صحیح وسالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان بستیوں پر عذاب مسلط کر دیا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لوط علیہ السلام کے متعلقین میں سے صرف ان کی بیوی آپ سے علیحدہ رہی اور معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی کیونکہ اس کا ساز باز ان معذبین سے تھا۔ لوط علیہ السلام کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے ان کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور ان کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی۔ یا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی "مساحقہ" کا رواج ہو گیا تھا، یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔ بہر حال عذاب ان سب پر آیا جو اس مہلک مرض میں مبتلا تھے، اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ نبی کا مقابلہ اور تکذیب کرتے تھے، یا جو کفر و فحش کے سسٹم میں ان کے معین و مددگار تھے۔ (تفسیر عثمانی)

چند ایمان والے:

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہل سے مراد عام ہے اپنے گھر والے اور دوسرے متعلقین جو مسلمان ہو چکے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ گنے چنے چند مسلمان تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے بچانے کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دے دیا کہ بیوی کے سوا دوسرے متعلقین کو لے کر آخر رات میں اس بستی سے نکل جائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں کیونکہ جس وقت آپ اس بستی سے نکل جائیں گے تو بستی والوں پر فوراً عذاب آ جائے گا۔ حضرت لوطؑ حکم خداوندی کی تعمیل کی اپنے اہل وعیال و متعلقین کو لے کر آخر شب میں سدوم سے نکل گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ط
اور برسایا ہم نے انکے اوپر مینہ یعنی پتھروں کا

پتھروں کی بارش:

دوسری جگہ مذکور ہے کہ بستیاں الٹ دیں گئیں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ بعض ائمہ کے نزدیک آج بھی لوطی کی سزا یہ ہے کہ کسی پہاڑ وغیرہ بلند مقام سے اسے گرایا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں، اور سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس سے معلوم ہوا کہ اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوئی اور نیچے سے زمین کے پورے طبقہ کو جبرئیل امین نے اٹھا کر اوندھا پلٹ دیا۔ اور جن پتھروں کی بارش برسی وہ تہ بر تہ تھے یعنی ایسی مسلسل بارش ہوئی کہ تہ بر تہ جمع ہو گئے اور یہ پتھر نشان کئے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کی ہلاکت کے لئے پھینکا گیا تھا۔ اور سورۂ حجر کی آیات میں اس عذاب سے پہلے یہ بھی مذکور ہے فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ یعنی آ پکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۞
پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا

عبرت حاصل کرو:

یعنی گناہ کرتے وقت اس کا بدانجام سامنے نہیں آتا۔ عاجل شہوت و لذت کے غلبہ میں وہ بات کر گذرتا ہے جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے لیکن عقلمند کو چاہئے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

عارف رومی فرماتے ہیں۔

جانہائے بستہ اندر آب و گل ۔۔۔ چون رہند از آب و گلہا شاد دل
در ہوائے مہر حق رقصان شوند ۔۔۔ ہمچو قرص بدر بے نقصان شوند
چون نقاب تن برفت از روئے روح ۔۔۔ از لقائے دوست دارد صد فتوح یابد

میزند جان در جہان انگون نعرۂ یالیت قومی یعلمون

(معارف القرآن کاندھلوی)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا
اور مدین کی طرف بھیجا اُن کے بھائی شعیب کو

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم:

قرآن میں دوسری جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا "اصحاب ایکہ" کی طرف مبعوث ہونا مذکور ہے اگر اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہے فبہا ونعمت۔ اور دو جدا گانہ قومیں ہیں تو دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ہوں گے اور دونوں میں کم تولنے ناپنے کا مرض مشترک ہوگا۔ بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام نے علاوہ توحید وغیرہ کی عام دعوت کے خاص معاشری معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی جیسا کہ آئندہ آیات میں مذکور ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو کمال فصاحت کی وجہ سے "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت شعیب علیہ السلام محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادہ مدین کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں۔ مدین حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں ان کی نسل و اولاد بھی مدین کے نام سے معروف ہوگئی اور جس بستی میں ان کا قیام تھا اس کو بھی مدین کہتے ہیں۔ گویا مدین ایک قوم کا بھی نام ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی شرق اردن کی بندرگاہ معان کے قریب موجود ہے۔ (معارف کاندھلوی)

عطاء کا قول ہے کہ حضرت شعیبؑ تو یہ بن حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے محمد ابن اسحاق نے کہا میکیل کے بیٹے تھے اور میکیل یشجر کے اور یشجر مدین کے اور مدین حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ میکیل حضرت لوطؑ کی بیٹی کا نام تھا۔ بعض کے نزدیک حضرت شعیبؑ یثرون بن نوس بن مدین کے بیٹے تھے۔ حضرت شعیبؑ نابینا (ہوگئے) تھے چونکہ اپنی قوم سے خطاب کرنے میں آپ کو کمال تھا اس لئے آپ کا لقب خطیب الانبیاء ہوا۔ آپ کی قوم کافر بھی تھی اور ناپ تول میں بھی کمی کرتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اُس کے
غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
سو تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے

قوم سے خطاب:

یعنی میری صداقت کی دلیل ظاہر ہو چکی۔ اب جو نصیحت کی بات تم سے کہوں اسے قبول کرو اور جن خطرناک عواقب پر متنبہ کروں، ان سے ہوشیار ہو جاؤ۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
سو پوری کرو ماپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ
اُن کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اُس کی
اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾
تم ایمان والے ہو

حقوق و معاملات کا خیال رکھو:

بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستی جس کی طرف ہمارے زمانے کے پرہیزگاروں کو بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے خدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اسے ایک جلیل القدر پیغمبر کا مخصوص وظیفہ قرار دیا گیا، جس کی مخالفت پر ایک قوم تباہ کی جا چکی ان آیات میں حضرت شعیبؑ کی زبانی آگاہ فرما دیا کہ لوگوں کو ادنیٰ ترین مالی نقصان پہنچانا اور ملک میں اصلاحی حالت قائم ہو چکنے کے بعد خرابی اور فساد پھیلانا اور خواہ کفر و شرک کر کے یا ناحق قتل و نہب وغیرہ سے۔ یہ کسی ایمان دار کا کام نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ
اور مت بیٹھو راستوں پر کہ ڈراؤ
وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ
اور روکو اللہ کے راستے سے اُس کو جو کہ ایمان لائے اُس پر
وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ
اور ڈھونڈو اُس میں عیب

راستوں پر بیٹھنا: راستوں پر بیٹھنا دو وجہ سے تھا۔ راہ گیروں کو ڈرا دھمکا کر ظلماً مال وصول کریں اور مومنین کو شعیب علیہ السلام کے پاس جانے اور خدا کا دین اختیار کرنے سے روکیں اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کی فکر میں رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء کے نزدیک صراط سے مراد ہے دین کا راستہ۔ دین کا راستہ اگرچہ ایک ہی ہے لیکن اس کی شاخیں متعدد ہیں عقائد و معارف کی شاخ احکام کی شاخ حدود و تعزیرات کی شاخ (گویا راہ دین کی ہر شاخ ایک راستہ ہے) قوم شعیب والے جب کسی کو دین کی کسی شاخ میں کوشش کرتے دیکھتے تو مار ڈالنے اور دکھ دینے کی دھمکی دیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا

اور یاد کرو جبکہ تھے تم بہت تھوڑے پھر تم کو بڑھا دیا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنیوالوں کا

خدا کے احسانات کا شکر کرو:

یعنی تعداد اور دولت دونوں میں کم تھے۔ خدا نے دونوں طرف تم کو بڑھایا، مردم شماری بھی بڑھ گئی اور دولت مند بھی ہو گئے۔ خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو۔ اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور ان نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خرابی اور فساد مچانے والوں کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے اسے پیش نظر رکھ کر خدائی گرفت سے ڈرتے رہو۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ

اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

اُس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ

جب تک اللہ فیصلہ کرے درمیان ہمارے اور وہ سب سے بہتر

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

فیصلہ کرنیوالا ہے

فیصلہ کا انتظار کرو: یعنی جو چیز میں لے کر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو تھوڑا صبر کرو۔ یہاں تک کہ آسمان ہی سے میرے تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

بولے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ

نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور ان کو جو کہ ایمان لائے تیرے

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ

ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں

قوم کے سرداروں کی دھمکی:

"عوذ" کے معنی کسی چیز سے نکل کر دوبارہ اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے۔ تھے۔ باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو ان کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہوگا۔ یعنی عام مومنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجح سمجھ کر حضرت شعیب کے لئے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کئے۔ اور یا یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیبؑ نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق ان کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہ ہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں۔ اور یا عود کو مجازاً بمعنی مطلق ضرورت کے لیا جائے۔ کما قاله بعض المفسرین.

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی

یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

بے شک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا اگر لوٹ آئیں

مِلَّتِكُمْ
تمہارے دین میں

اللہ پر جھوٹ باندھنا:

باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کے مخلص متبعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے تھے ان سب کا بھی جھوٹ افتراء ہونا تسلیم کریں۔

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
بعد اس کے کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اس سے

کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اس میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام۔ اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اس سے نکالا جیسے عامہ مومنین۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ
اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں اس میں مگر
يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ
یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں
عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ
کو اپنے علم میں اللہ ہی پر ہم نے بھروسا کیا اے ہمارے رب فیصلہ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ اور تو سب سے بہتر
الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾
فیصلہ کرنے والا ہے

حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب:

یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ واجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا کیونکہ اسی کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ بہر حال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکلیہ اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوگا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہوگا اسی لئے ہم اپنے اور تمہارے فیصلہ کے لئے بھی اسی سے دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے قادر اور علیم وحکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیب کے ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت وافتقار کے کس قدر عظیم وعمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں ان کا توکل واعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بعض عجیب لوگ:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ہاتھ بھر فاصلہ رہ جاتا ہے (آخر میں) کتاب کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔

سب کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں:

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اللہ ہی پر ہمارا اعتماد ہے کہ وہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے گا اور یقین میں زیادتی کی توفیق دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی چٹکی میں ہیں جس طرف کو چاہتا ہے موڑ دیتا ہے پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! اے دلوں کو موڑنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر موڑ دے۔ رواہ مسلم (تفسیر مظہریؒ)

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ
اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾
تم شعیب کی تو تم بے شک خراب ہو گئے

یعنی باپ دادا کا مذہب چھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

پھر آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں کے اندر

جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾

اوندھے پڑے

قوم پر عذاب: متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظلہ، صیحہ، رجفہ تین طرح کے عذاب آئے۔ یعنی اول بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا۔ (ابن کثیر، تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پر اول تو ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔ پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برسا۔ اور زلزلہ بھی آیا جس سے یہ سب لوگ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہو گئے (بحر محیط)

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام کے مختلف حصے ہو کر بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔ (معارف مفتی اعظم)

الرجفة کلبی نے کہا اس سے مراد ہے زلزلہ۔ فی دارهم یعنی اپنی بستی میں۔ جثمین مردہ مرے رہ گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا اور ایسی سخت گرمی میں مبتلا کر دیا کہ دم گھٹنے لگے نہ سایہ سے فائدہ ہوتا تھا نہ پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے تہ خانوں میں گھستے تھے اور وہاں اوپر سے زیادہ گرمی پا کر پھر باہر نکل آتے تھے اور بھاگ کر میدانوں میں چلے جاتے تھے ایک بار باہر میدان میں بھاگ کر پہنچے تو اللہ نے ایک بادل بھیج دیا جس کے اندر بڑی خوش گوار ہوا تھی ابر نے ان پر سایہ کر لیا الظلہ (جس کا ذکر دوسری آیت میں آیا ہے) یہی ابر تھا۔ ابر کے نیچے کچھ خنکی اور ہوا محسوس ہوئی تو ایک نے دوسرے کو پکار کر سب ابر کے نیچے جمع کر لیا جب سب عورتیں مرد بچے بڑے جمع ہو گئے تو (بادل کے اندر سے) اللہ تعالیٰ نے آگ کے شعلے پیدا کر دیئے۔ نیچے زمین تپ رہی تھی اور اوپر سے آگ تھی۔ سب بھنی ہوئی ٹڈی کی طرح جل بھن کر رہ گئے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب

دھمکی الٹی پڑ گئی: انہوں نے شعیب اور ان کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ سو وہ ہی نہ رہے نہ ان کی بستیاں رہیں، اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے، سو خود ہی خراب خائب و خاسر ہو کر رہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

پھر الٹا پھرا ان لوگوں سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى

تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری اب کیا

قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

افسوس کروں کافروں پر

یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل، جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ موثر نصیحتیں کی گئیں آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ مخلص خیر خواہوں سے دست و گریباں ہی رہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا ہو ہم نے

اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ

وہ گڑگڑائیں پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ

الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

بھلائی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور ان کو

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

خبر نہ تھی

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم

عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ

کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے اعمال کے بدلے

نصیحت وتنبیہ کا الٰہی نظام:

پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب ومقابلہ سے پیش آتے ہیں، تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں۔ تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہِ الٰہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فراخی اور عیش وخوش حالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی صرف متوجہ ہوں یا عیش وثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل بدمست بن جائیں۔ گویا جہاں صحت، اولاد اور دولت وحکومت بڑھتی جائے اسی کے ساتھ ان کی نخوت وغفلت میں بھی ترقی ہوتی کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کردیں کہ تکلیف وراحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر وتکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوش حالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد پر پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے۔ جس کی اپنے عیش وآرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا خوب لکھا ہے کہ بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بھلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو امید ہے اور پچ گیا تو کام آخر ہوا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مومن ومنافق:

حدیث میں ہے کہ مصیبتیں مومن کو گناہوں سے پاک کرتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال مثل گدھے کے ہے جو نہیں جانتا کہ اس پر کیا لدا ہے اور کس غرض سے اس سے کام لیا جارہا ہے اور کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا۔ (ابن کثیر)

تباہی بدعملی کا نتیجہ ہے:

یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر وتکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی وزمینی برکات سے مالا مال کردیتے۔

برکت کا معنی: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ برکت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی تو خیر باقی دوام کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان وتقویٰ اختیار کرنے پر ان آسمانی وزمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوش حالی نہیں، جو مکذبین کو چند روز کے لئے بطور امہال واستدراج حاصل ہوتی ہے اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برکت کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں، آسمان اور زمین کی برکتوں سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کی بھلائی ہر طرف سے ان کے لئے کھول دیتے، آسمان سے پانی ضرورت کے مطابق وقت پر برستا، زمین سے ہر چیز خواہش کے مطابق پیدا ہوتی۔

خوشحالی رحمت بھی ہے اور مہلت بھی:

تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، اور پھر اچانک ان کو عذاب میں پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کے دروازے کسی پر کھل جانا کوئی حقیقی انعام نہیں بلکہ وہ ایک طرح کا قہر الٰہی بھی ہوسکتا۔

جب مال، دولت اور عیش وآرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شکر وعبادت کی اور زیادہ توفیق ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ رحمت ہے اور اگر مال، دولت اور عزت

وراحت کیساتھ اللہ تعالیٰ سے اعراض اور گناہوں کی کثرت بڑھے تو یہ علامت اسکی ہے کہ یہ استدراج یعنی قہر الٰہی کی ایک صورت ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

عقلمند کا کام یہ ہے کہ دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل کرے اور جو کام دوسروں کے لئے ہلاکت و بربادی کا سبب بن چکے ہیں ان کے پاس جانے سے بچے۔ (معارف مفتی اعظم)

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا

اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آ پہنچے ان پر آفت ہماری

وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ

راتوں رات جب سوتے ہوں یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس بات

أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾

سے کہ آ پہنچے ان پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں

بدعملی کے باوجود عذاب سے کیوں غافل ہیں:

یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت خدا کا عذاب ان کو دفعۃً آگھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ کیوں نڈر اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بنا پر گزشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں۔ یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ

کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے

إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے

خدا کا داؤ: دنیوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اس کو ''مکر اللہ'' (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تنعم میں پڑ کر وہ ہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہو۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے۔

ظفر اس کو آدمی نہ جانئے گا — گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی — جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

(تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ

کیا نہیں ظاہر ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے

مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم

وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو

بِذُنُوبِهِمْ ۚ

پکڑ لیں ان کے گناہوں پر

جیسے پہلوں کو پکڑ لیا، تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

اور ہم نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ

یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے کچھ حالات

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا

اور بے شک ان کے پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر

كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ

ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے

يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر

دلوں پر مُہر لگنا:

یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے، ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہ ہی صورت دلوں پر مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرما دیا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے (تنبیہ) وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔

پس ہود علیہ السلام کی قوم کا یہ کہنا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ الخ محض تعنت و عناد کی راہ سے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

دلوں کو زنگ لگنا:

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک نقطہ سیاہی کا لگ جاتا ہے، دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا اور تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا نقطہ لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ برابر گناہوں میں بڑھتا گیا تو بہ نہ کی تو یہ سیاہی کے نقطے اس کے سارے قلب کو گھیر لیتے ہیں اور انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے جو فطری مادہ بھلے برے کی پہچان اور برائی سے بچنے کا رکھا ہے وہ فنا یا مغلوب ہو جاتا ہے، اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھا، مفید کو مضر اور مضر کو مفید خیال کرنے لگتا ہے، اسی حالت کو قرآن میں ران یعنی قلب کے زنگ سے تعبیر فرمایا ہے، اور اسی حالت کا آخری نتیجہ وہ ہے، جس کو طبع یعنی مہر لگانے سے اس آیت میں اور بہت سے دوسری آیات میں تعبیر کیا گیا ہے۔

مہر لگنے کا نتیجہ:

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ دل پر مہر لگ جانے کا نتیجہ تو عقل وفہم کا معدوم ہو جانا ہے، کانوں کی سماعت پر تو اس کا کوئی اثر عادۃً نہیں ہوا کرتا، تو اس آیت میں موقع اس کا تھا کہ اس جگہ **فهم لا يفقهون** فرمایا جاتا یعنی وہ سمجھتے نہیں، مگر قرآن کریم میں یہاں فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ آیا ہے یعنی وہ سنتے نہیں۔ سبب یہ ہے کہ سننے سے مراد اس جگہ ماننا اور اطاعت کرنا ہے جو نتیجہ ہوتا ہے سمجھنے کا، مطلب یہ ہے کہ دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب وہ کسی حق بات کو ماننے پر تیار نہیں ہوتے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کا قلب اس کے تمام اعضاء وجوارح کا مرکز ہے جب قلب کے افعال میں خلل آتا ہے تو سارے اعضاء کے افعال مختل ہو جاتے ہیں، جب دل میں کسی چیز کی بھلائی یا برائی سما جاتی ہے تو پھر ہر چیز میں اس کو آنکھوں سے بھی وہی نظر آتا ہے کانوں سے بھی وہی سنائی دیتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ
اور نہ پایا ان کے اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا نباہ
وَّجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
اور اکثر ان میں پائے نافرمان

اکثر لوگوں کی بدعہدی:

''عہد'' سے ممکن ہے عام عہود مراد ہوں یا خاص ''عہد الست'' کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اٹھالی جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ جیسے فرعونیوں نے کہا تھا

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلٰٓى أَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر لیا گیا تھا، جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم یعنی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، اس وقت تمام ارواح انسانی نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا بلیٰ یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں، دنیا میں آ کر اکثر لوگ اس عہد ازل کو بھول گئے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد نہ پایا، یعنی عہد کی پاسداری اور ایفاء نہ پایا۔ (کبیر)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد ایمان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اس میں عہد سے عہد ایمان وطاعت مراد ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے

مضامین کا ربط: یعنی جن انبیا کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسیٰ علیہ السلام ان سب کے بعد تشریف لائے۔ ان پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں ''سنۃ اللہ'' بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرما دیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلۂ بعثت رسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا
موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پس
بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾
کفر کیا انہوں نے ان کے مقابلہ میں سو دیکھ کیا انجام ہوا مفسدوں کا

قومِ فرعون کا ظلم: اس سے زیادہ مفسد کون ہوگا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے آیاتُ اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے، مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے۔ آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل کی گئی ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ
اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں پروردگار
الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى
عالم کا قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ
اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی
رَّبِّكُمْ
تمہارے رب کی

پیغمبر حق ہی کہتا ہے:

اکثر مفسرین نے حقیق، کے معنی جدیر (لائق) کے لئے ہیں۔ اسی لئے ''علیٰ'' کو بمعنی ''باء'' لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے ''حقیق'' کو بمعنی ''حریص'' لیا ہے۔ لیکن مترجم محقق رحمۃ اللہ نے ''حقیق'' کو ''قائم وثابت'' کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلاکم وکاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب وتخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور فرعون:

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ان کے بعد یعنی نوح اور ہود اور صالح اور لوط اور شعیب علیہم السلام کے یا ان کی قوموں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ آیات سے مراد تورات کی آیات بھی ہوسکتی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی۔ اور فرعون اس زمانہ میں ہر بادشاہ مصر کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ ں کے زمانہ کے فرعون کا نام قابوس بیان کیا جاتا ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

عادتِ الٰہی: خداوند ذوالجلال کی سنت یہ ہے کہ جب کسی برگزیدہ بندہ کو خلعت نبوت ورسالت سے سرفراز فرماتے ہیں تو اس کے ہاتھ پر ایسے خارق عادت افعال ظاہر فرماتے ہیں کہ قوت بشریہ کی حدود سے بالکل خارج ہوتے ہیں اور تمام افراد بشر اس کے مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں ایسے افعال کو معجزہ کہتے ہیں۔ جیسے آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد اور سلام ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیر دینے سے کوڑھی اور مادر زاد اندھے کا اچھا ہو جانا اور صالح علیہ السلام کی دعاء سے صخرہ میں سے ایک حاملہ اونٹنی کا برآمد ہو جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔

سحر اور معجزے میں فرق

سحر اور شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہوسکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم وتعلم سے حاصل ہوسکے حتیٰ کہ معجزے میں نبی کا اختیار ہی نہیں اور بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے اسی طرح معجزہ درحقیقت فعل اللہ کا ہے مگر اس کا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔

نقش باشد پیش نقاش وقلم عاجز وبستہ چو کودک در شکم

نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کردے برخلاف فنون سحریہ کے کہ وہ جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعے اسکے نتائج ظاہر کرسکتے ہیں مگر آج تک معجزے کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزے کی تعلیم کیلئے کوئی درس گاہ کھولی گئی دیکھئے! موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آگ لینے کے لئے گئے۔ یکایک پیغمبری ملی اور اس کی تصدیق کے لئے عصاء اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا اور جب ساحران فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے کما قال تعالیٰ فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لئے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرتا اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصاء نے ان کے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم رب موسیٰ وہارون پر ایمان لاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾

سو بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

بنی اسرائیل کی آزادی:

یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى مگر ایک بڑی مہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا تھا، مظالم و شدائد سے نجات دلائیں اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید و بیگار سے نجات دے تا کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہٗ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرْسِلْ مَعِیَ یعنی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے ارض مقدسہ کو چلے جانے کی ممانعت اٹھا لے وہ ان کے اسلاف کا اصلی وطن ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو گویا قیدی بنا رکھا تھا اینٹیں بنانے اٹھانے اور مٹی ڈھونے اور اسی طرح کے سخت محنت کرنے کے کام ان سے لیتا تھا (اور یہ سب خدمتیں جبریہ تھیں گویا سب کو غلام یا قیدی سمجھتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ

بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ

اس کو اگر تو سچا ہے تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا

فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تو اسی وقت ہو گیا اژدہا صریح

لاٹھی اژدھا بن گئی:

جس کے اژدہا ہونے میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہتے ہیں کہ وہ اژدھا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا آخر فرعون بدحواس ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے اس کے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگانا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ اور سدی کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اژدھا بن گئی یہ اژدھا زرد رنگ کا تھا اس کے اوپر بال تھے سر پر کلغی تھی اتنا منہ کھولے تھا کہ دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا ایک میل زمین سے اونچا تھا نچلا جبڑا قصر کی دیوار کے اوپر رکھے تھا اور اوپر کھڑا ہو کر فرعون کی طرف بڑھتا تھا روایت میں آیا ہے کہ اژدھے نے فرعون کا قبہ منہ میں بھر لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو

یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید چمکدار تھا۔ یہ روشنی چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا

بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا

لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

واقف جادوگر ہے

فرعون اور اس کے درباریوں کی رائے:

معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اس نے بذات خود (کما فی الشعراء) پھر اس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے ان کی حساب کے موافق جادو سے بہتر ان کی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

جادو اور معجزہ کا فرق:

فرماتے ہیں کہ اگر دیکھنے والے ذرا بھی غور کریں اور ہٹ دھرمی اختیار نہ کریں تو معجزہ اور سحر کا فرق خود بخود سمجھ لیں۔ سحر کرنے والے عموماً ناپاکی اور گندگی میں رہتے ہیں اور جتنی زیادہ گندگی اور ناپاکی میں ہوں اتنا ہی ان کا جادو زیادہ کامیاب ہوتا ہے، بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ طہارت ونظافت ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے، اور یہ بھی کھلا ہوا فرق من جانب اللہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ کسی کا جادو چلتا بھی نہیں۔

اور اہل بصیرت تو اصل حقیقت کو جانتے ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر کی جاتی ہیں وہ سب دائرہ اسباب طبعیہ کے اندر ہوتی ہیں، اس لئے وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی ظاہری سبب کے ہوگیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ براہ راست قدرت حق کا فعل ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَا

نکالنا چاہتا ہے تم کو تمہارے ملک سے اب تمہاری

ذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

کیا صلاح ہے

یعنی عجیب وغریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کرلے اور انجام کار ملک میں اثر واقتدار پیدا کرکے اور بنی اسرائیل کی حمایت وآزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں، ان کے ملک ووطن (مصر) سے بے دخل کردے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہئے۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ

بولے ڈھیل دے اس کو اور اسکے بھائی کو اور بھیج پرگنوں میں جمع

حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

کرنے والوں کو کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادوگر

فرعونیوں کا فیصلہ: مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰ وہارون) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور مؤثر جواب یوں ہوسکتا ہے کہ چپراسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جو ان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر (سحار) ہوں جمع کر لئے جائیں، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

☆ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ سدی اور ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فرعون نے موسیٰؑ کی لاٹھی میں اللہ کی قوت دیکھ لی تو کہنے لگا ہم موسیٰؑ کی قوم کے آدمیوں کے بغیر اس پر غالب نہیں آسکتے چنانچہ بنی اسرائیل کے کچھ لڑکوں کو غربا، نامی بستی میں جادو سیکھنے بھیج دیا جادوگروں نے ان کو خوب جادو سکھایا ادھر موسیٰؑ سے کچھ مدت ٹھیرے رہنے کا معاہدہ کرلیا جب وہ لوگ جادو سیکھ گئے تو ان کو استادوں نے طلب کیا اور پوچھا کہ تم نے کیا کیا انھوں نے جواب دیا ہم نے جو جادو سیکھا ہے روئے زمین کے سارے جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے ہاں اگر کوئی آسمان سے آئی ہوئی چیز ہو تو ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں اس کے بعد فرعون نے اپنی قلمرو کے تمام جادوگروں کو جمع کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا

اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے ہمارے لئے کچھ

اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے

جادوگروں کی پہلی بات:

ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا کہہ کر پہلے ہی قدم جتلا دیا کہ انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا لفظ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

بولا ہاں اور بے شک تم مقرب ہو جاؤ گے

یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ

بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال

نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور یا ہم ڈالتے ہیں

مقابلہ کی ابتداء:

یہ شاید اس بناء پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے روبرو عصا ڈال کر باذن اللہ اژدھا بنا چکے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض روایات میں ہے کہ اس موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کے سردار سے گفتگو فرمائی کہ اگر میں تم پر غالب آ گیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا کہ ہمارے پاس ایسے جادو ہیں کہ ان پر کوئی غالب آ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہمارے مغلوب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، اور اگر بالفرض تم غالب آ گئے تو ہم علی الاعلان فرعون کی نظروں کے سامنے تم پر ایمان لے آئیں گے۔ (مظہری و قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

قَالَ اَلْقُوْا ۚ
کہا ڈالو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم جادو دکھلاؤ:

یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہد ہوگا، وہ امید ہے کہ زیادہ مؤثر اور اوقع فی النفوس ہو تو فی الحقیقت یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ و وضوح کی مؤثر ترین صورت ہوسکتی تھی۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ
پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو
وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾
اور ان کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو

جادوگروں کا کارنامہ:

یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھا گئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا، اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا۔ بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبا لیں گے۔ اور پھر گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگروں کی صف بندی تھی۔ ہر ساحر کے ساتھ اس کی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ موسیٰؑ اپنے بھائی کو لے کر عصا ٹیکتے ہوئے نکلے۔ میدان میں آئے۔ فرعون اپنے تخت پر ارکان سلطنت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جادوگروں نے سب سے پہلے موسیٰؑ کی آنکھوں پر اپنے جادو سے بندش کر دی، پھر فرعون اور لوگوں کی آنکھوں پر۔ اب ہر جادوگر نے اپنی رسی اور لاٹھی ڈالی۔ وہ سب سانپ بن گئے، سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ ایک پر ایک رینگ رہے تھے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ جادوگر تھے۔ سب کے ساتھ لاٹھی اور عصا تھا۔ عوام کی بھی نظر بندی ہو گئی، تو یہ منظر دیکھ کر سب ڈر گئے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ان لوگوں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی اور تخییل تھی جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں حالانکہ وہ واقع میں اس طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں، سانپ نہیں بنے تھے۔ یہ ایک قسم کا مسمریزم تھا جس کا اثر انسانی خیال اور نظر کو مغلوب کر دیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر صرف اسی قسم میں منحصر ہے سحر کے ذریعہ انقلاب ماہیت نہیں ہوسکتا، کیونکہ کوئی شرعی یا عقلی دلیل اس کی نفی پر قائم نہیں ہے بلکہ سحر مختلف اقسام واقعات سے ثابت ہیں۔ کہیں تو صرف ہاتھ کی چالاکی ہوتی ہے جس کے ذریعہ دیکھنے والوں کو مغالطہ لگ جاتا ہے، کہیں صرف تخییل اور نظر بندی ہوتی ہے جیسے مسمریزم سے۔ اور اگر کہیں قلب ماہیت بھی ہو جاتا ہو کہ انسان کا پتھر بن جائے تو یہ بھی کسی شرعی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ
اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا
فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ
سو وہ جب ہی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا پس ظاہر ہو گیا حق

وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا

اور غلط ہوگیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا پس ہار گئے

هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلْقِيَ

اس جگہ اور لوٹ گئے ذلیل ہوکر اور گر پڑے

السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ﴿۱۲۰﴾

جادوگر سجدہ میں

جادوگروں کی شکست:

یعنی عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو متنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے، اور ساحرین خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و ہارون نے ظہور حق پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسی وقت ساحرین بھی سربسجود ہو گئے۔ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی ایسا قوی حال ان پر طاری ہوا جس کے بعد بجز خضوع و استسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔ رحمت الٰہیہ کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف کامل بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

یافکون، افک سے ماخوذ ہے افک کا معنی کسی چیز کو الٹ دینا موڑ دینا۔ روایت میں آیا ہے کہ اژدہا سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا پھر اہل اجتماع کی طرف اس نے رخ کیا لوگ سرپٹ گرتے پڑتے بھاگے کہ بہت سے لوگ مر گئے پھر موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ حسب سابق لاٹھی بن گیا جادوگروں نے کہا اگر موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصل حالت پر باقی رہتیں لاٹھیوں اور رسیوں کا معدوم ہونا بتا رہا ہے کہ موسیٰ کی لاٹھی اللہ کی طرف سے معجزہ ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوسٰى

بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر جو رب ہے موسیٰ

وَهٰرُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہارون کا

جادوگروں کا ایمان لانا:

چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى کہتا تھا، جاہلوں کے لئے رَبِّ الْعٰلَمِينَ کے ساتھ رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُونَ کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہوگیا کہ بے شک جہان کا پروردگار وہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہر دنیا کے متکبروں پر علی رؤس الاشہاد اس طرح غالب کر کے دکھلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قاسم بن ابی بزہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے اپنا سر سجدے سے اٹھانے سے پہلے ہی جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

چھ لاکھ آدمی مسلمان ہوئے:

تاریخی روایات میں ہے کہ جادوگروں کے سردار مسلمان ہو گئے تو ان کو دیکھ کر قوم فرعون کے چھ لاکھ آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اعلان کر دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ أَنْ

بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے اس پر میری

آذَنَ لَكُمْ ۚ إِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَكَرْتُمُوهُ فِي

اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے اس

الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ

شہر میں تاکہ نکال دو اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو سو اب تم

تَعْلَمُونَ ﴿۱۲۳﴾

کو معلوم ہو جائے گا

فرعون کی چالاکی:

یعنی یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہوگا۔ اس کو آگے بھیج دیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کر دیا۔ تاکہ عام لوگ متاثر ہو جائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کرلو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو الو بنانے کی غرض سے کی تھی فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَأَطَاعُوهُ مگر جس چیز سے فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیر الٰہی سے وہ پیش آئی وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُودَ

مِّنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ (القصص۔ رکوع۱) (تفسیر عثمانی)

اس چالاکی سے ایک طرف تو لوگوں کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ اور جادوگروں کی تسلیم کو ایک سازش قرار دے کر ان کو قدیم گمراہی میں مبتلا رکھنے کا انتظام کیا اور دوسری طرف سیاسی چالاکی یہ کی کہ موسیٰ علیہ السلام کا عمل اور جادوگروں کا اسلام جو خالص فرعون کی گمراہی کو کھولنے کے لئے تھا، قوم اور عوام سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اس کو ایک ملکی اور سیاسی مسئلہ بنانے کے لئے کہا، لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا یعنی تم لوگوں نے یہ سازش اس لئے کی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ملک مصر پر تم غالب آجاؤ اور اس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو، ان چالاکیوں کے بعد ان سب پر اپنی ہیبت اور حکومت کا رعب وخوف جمانے کے لئے جادوگروں کو دھمکیاں دینی شروع کیں، اول تو مبہم انداز میں کہا، فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ یعنی تم ابھی دیکھ لوگے کہ تمہاری اس سازش کا کیا انجام ہوتا ہے، اس کے بعد اس کو واضح کر کے بتلایا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ
میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے
خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٤﴾
پاؤں پھر سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو
قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿١٢٥﴾
وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے

فرعون کی بیکار دھمکی:

ساحرین توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہو چکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پروا کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جو کرنا ہو کر گزر پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے تیرے سر ہو کر سہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اس کی رحمت وخوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف ومصائب کا برداشت کر لینا بھی عاشقوں کے لئے سہل ہے۔

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم وللعاشق المسكين ما يتجرع. (تفسیر عثمانی)

مختلف جانبوں سے کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پیر جس سے دونوں جانبیں زخمی اور بدہیئت اور بیکار ہو جائیں۔

فرعون نے اس بدحالی پر قابو پانے اور اپنے درباریوں اور عوام کو قابو میں رکھنے کی کافی تدبیر کر لی تھی اور اس کی ظالمانہ سزائیں پہلے سے مشہور اور لوگوں کو لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی تعزیر سب سے پہلے فرعون ہی کی نکالی ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا
اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے اپنے
جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا
رب کی نشانیوں کو جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے
مُسْلِمِينَ ﴿١٢٦﴾
ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان

جادوگروں کا ایمان افروز جواب:

یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور سرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم ورضا کے خلاف کر گزریں۔ (تفسیر عثمانی)

ساحروں میں ایمانی انقلاب:

افسوس ہے کہ آج مسلمان اور مسلم حکومتیں اپنے آپ کو قوی بنانے کے لئے ساری ہی تدبیریں اختیار کر رہے ہیں مگر اس گر کو بھول بیٹھے ہیں جو قوت اور وحدت کی روح ہے۔ فرعونی جادوگروں نے بھی اول مرحلہ میں اس کو سمجھ لیا تھا، اور عمر بھر کے خدا ناشناس منکر کافروں کو دم بھر میں نہ فقط مسلمان بلکہ ایک عارف کامل اور مجاہد وغازی بنا دینے کا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا اور ید بیضاء سے کچھ کم نہ تھا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ
اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو
وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
اور اس کی قوم کو کہ دھوم مچائیں ملک میں

شکست کے بعد مشورہ:

جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرائے اور فرعون کو یہ کہ کر تشدد پر آمادہ کرنے لگے موسیٰ اور اس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ آزاد رہ کر ملک میں اودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اور آئندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرادیں۔

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ
اور موقوف کردے تجھ کو اور تیرے بتوں کو ☆

فرعون اپنے کو "رب اعلیٰ" بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی "اعلیٰ" کو نباہنے کے لئے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہوں گے۔ ان کو یہاں "آلھتک" کہا۔ بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں، بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے۔ بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویر کے مجسمے پرستش کے لئے تقسیم کر دیئے تھے۔ کچھ ہی بہر حال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا۔ اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
بولا اب ہم مار ڈالیں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے
نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
ان کی عورتوں کو اور ہم ان پر زور آور ہیں ☆

فرعون خونخواری پر اتر آیا:

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا کہ لڑکوں کو قتل کر دیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اس کی سلطنت کے زوال کی خبر منجمین نے دی تھی۔ اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لئے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت واعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لئے انہیں خوف زدہ اور عاجز کرنے کے لئے اپنے زور وقوت کے نشہ میں پھر اسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اس سفاکانہ تجویز کو سن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہوں گے۔ اس کا علاج موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ آیت میں بتلایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ موسیٰؑ کی پیدائش کے سال فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا اب فرعون نے پھر قتل اطفال کا حکم دے دیا تاکہ بنی اسرائیل کو معلوم ہو جائے کہ موسیٰؑ وہ ہستی نہیں جس کے متعلق نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں فرعون کی حکومت تباہ ہوگی اگر موسیٰؑ وہی شخص ہوتا تو اب جب کہ (موسیٰؑ موجود ہے) قبطی بنی اسرائیل پر کیوں غالب رہتے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ
موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور
اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ
صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کردے جس کو وہ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾
چاہے اپنے بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈرنے والوں کیلئے ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب:

یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہٰذا ظالم کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگو۔ اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو، صبر وتقویٰ کی راہ اختیار کرو، اور یقین رکھو، کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشکلات سے نجات کا نسخہ اکسیر:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو حکیمانہ نسخہ دشمن پر

غالب آنے کے لئے تلقین فرمایا تھا، غور کیا جائے تو یہی وہ نسخہ اکسیر جو کبھی خطا نہیں ہوتا، جس کے بعد کامیابی یقینی ہوتی ہے، اس نسخہ کا پہلا جز استعانت باللہ ہے، جو اصل روح اس نسخہ کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خالق کائنات جس کی مدد پر ہو تو ساری کائنات کا رخ اس کی مدد کی طرف پھر جاتا ہے، کیونکہ ساری کائنات اس کے تابع فرمان ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند   با من و تو مردہ با حق زندہ اند

حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے اسباب خود بخود مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے دشمن کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی قوت انسان کے لئے اتنی کارآمد نہیں ہوسکتی جتنی اللہ تعالیٰ سے امداد کی طلب بشرطیکہ طلب صادق ہو، محض زبان سے کچھ کلمات بولنا نہ ہو۔

یورپ کی پچھلی جنگ عظیم کے اسباب و نتائج پر غور کرنے والے کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ مسلمان جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی وہ قوم ہے جو میدان جنگ میں سب سے زیادہ بہادر اور مصیبت و مشقت پر صبر کرنے میں سب سے آگے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت جرمنی اقوام میں فنون حرب کے ماہرین اس کی تاکید کرتے تھے کہ فوج میں دینداری اور خوف آخرت پیدا کرنے کی سعی کی جائے کیونکہ اس سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر المنار) (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ

وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے سے پہلے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا

اور تیرے آنے کے بعد

قوم کی پریشانی: یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگار لی جاتی تھی۔ اور ہمارے لڑکے قتل کئے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جارہی ہیں اور قتل ابناء کے مشورے ہو رہے ہیں۔ دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کردے تمہارے دشمن کو

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ

اور خلیفہ کردے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

کام کرتے ہو

موسیٰ علیہ السلام کی تسلی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آ گئی ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا جائے گا تاکہ جس طرح آج سخت غلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اس وقت خوشحالی اور آزادی دیکر آزمایا جائے کہ کہاں تک اسکی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گذاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت مکی ہے، اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے رنگ میں یہ بشارت ان کو پہنچائی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ

اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور میووں کے نقصان میں تاکہ وہ نصیحت مانیں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ

پھر جب پہنچی انکو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى

اور اگر پہنچی برائی تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی

وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

اور اس کے ساتھ والوں کی سن لو ان کی شومی تو اللہ کے پاس ہے پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے

فرعون کو بھی سنبھلنے کے مواقع دیئے گئے تھے:

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا "قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" یہاں سے اسی اہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع

کی گئی ہے۔ یعنی اس سنۃ اللہ کے موافق جس کا بیان اسی پارہ کے شروع میں آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذۡنَآ اَھۡلَھَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ الخ کے تحت میں گزر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا۔ تا کہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے، انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروانہ کی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے چنانچہ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش طالعی اور اقبالمندی کے لائق تو یہ حالات ہیں پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بری حالت سے دوچار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ سب (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام اور اس کے رفقاء کی شومی تقدیر اور نحوست ہے حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُھُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ یعنی اپنی بدبختی اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے۔ اور وہ تمہارا ظلم وعدوان اور بغاوت و شرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو پہنچ رہا ہے۔ باقی تمہارے ظلم و کفر کی اصلی شومی و نحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن جبیر اور محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ فرعون کی بادشاہت چار سو برس رہی اور چھ سو چھبیس برس کی عمر میں اس کو کبھی کوئی دکھ نہیں ہوا اگر کسی دن اس کو بھوک یا بخار یا گھڑی بھر کے لئے بھی درد کی تکلیف پہنچ جاتی تو وہ رب ہونے کا دعویٰ نہ کر سکتا مگر اس کا یہ دعویٰ اور فرعون والوں کا مندرجہ آیت قول اس بات کی علامت تھی کہ وہ انتہائی حماقت میں مبتلا تھے اور ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے کہ پیہم مشاہدۂ آیات بھی ان پر کوئی اثر نہ ڈالتا تھا وہ نہ سمجھے کہ حالات کا فروغ اور خوش معاشی تو اللہ کی مہربانی اور امتحان ہے جب اللہ کی اس نعمت کا شکر انہوں نے ادا نہیں کیا اور اللہ کے رسول نے شکر و اطاعت کی ان کو دعوت دی اور معجزات بھی پیش کئے مگر انہوں نے اس دعوت کو بھی ٹھکرا دیا اور برابر عصیان کوشیوں میں غرق رہے تو اللہ نے بطور سزا ان کے اعمال کی نحوست کی وجہ سے ان پر قحط کو مسلط کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوۡا مَہۡمَا تَاۡتِنَا بِہٖ مِنۡ اٰیَۃٍ لِّتَسۡحَرَنَا
اور کہنے لگے جو کچھ تو لائے گا ہمارے پاس نشانی کہ ہم پر اس کی
بِہَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَکَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ (۱۳۲)
وجہ سے جادو کرے سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے

فرعونیوں کی پتھر دلی: یہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات و نشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق کتنے ہی نشان دکھلائیں۔ ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب دروازے اپنے اوپر بند کر لئے، تب خدا نے ان پر چند قسم کی عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں۔ جن کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الطُّوۡفَانَ
پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان

عذاب الٰہی: یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان علی اختلاف الاقوال۔

وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ
اور ٹڈی اور چچڑی

"قمل" سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا۔ یا جوئیں یا گیہوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا ہے یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ٹڈی کی طاقت: قاضی شریحؒ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا خدا اسے برباد کرے اس میں سات طاقتوروں کی شان ہے۔ اس کا سر تو سر ہے گھوڑے کا، گردن ہے بیل کی، سینہ ہے شیر کا، بازو ہیں گدھ کے، پاؤں ہیں اونٹ کے، دم ہے سانپ کی اور پیٹ کژدم کا پیٹ ہے۔

ٹڈی حلال ہے: امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ جراد کو بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ حلال ہے تو فرمایا کاش دو ایک لپیں دو ایک ٹڈیاں مل جاتیں تو ہم بڑے مزے سے کھاتے۔ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ

وسلم طباق بھر بھر کر جراد تحفہ کے طور پر بھیجا کرتی تھیں۔

ایسا گوشت جس میں ہڈی نہیں ہوتی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریم بنت عمران علیہما السلام نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جراد کھلائی۔ تو مریم نے کہا اے خدا! پرورش کے بغیر بھی اس کو زندگی دے اور بغیر آواز اور شور کے اس کو ایک دوسرے کے پیچھے رکھ۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم فرعون کی فریاد:

غلوں کا حال اس گھن نے ایسا کر دیا کہ دس سیر گیہوں پینے کے لئے نکالیں تو اس میں تین سیر آٹا بھی نہ نکلے، اور جوؤں نے ان کے بال اور پلکیں اور بھویں تک کھالیں۔

آخر پھر قوم، فرعون بلبلا اٹھی اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اب کی مرتبہ ہم ہرگز وعدہ سے نہ پھریں گے آپ دعا کر دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی ٹل گیا، مگر جن بدنصیبوں کو ہلاک ہی ہونا تھا وہ کہاں عہد کو پورا کرتے، پھر عافیت ملتے ہی سب کچھ بھول گئے اور منکر ہو گئے۔

پھر ایک ماہ کی مہلت ایسی آرام وراحت کے ساتھ ان کو دی گئی مگر اس مہلت سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو چوتھا عذاب مینڈکوں کا ان پر مسلط کر دیا گیا، اور اس کثرت سے مینڈک ان کے گھروں میں پیدا ہو گئے کہ جہاں بیٹھتے تو ان کے گلے تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا، سونے کے لئے لیٹتے تو سارا بدن ان سے دب جاتا کروٹ لینا ناممکن ہو جاتا، پکتی ہوئی ہنڈیا میں، رکھے ہوئے کھانے میں آٹے میں اور ہر چیز میں مینڈک بھر جاتے، اس عذاب سے عاجز آ کر سب رونے لگے اور پہلے سے پختہ وعدوں کے ساتھ معاہدہ کیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی رفع ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ قمل سے مراد غلہ کا گھن ہے اگر کوئی شخص دس قفیز گیہوں چکی کو لے جاتا تھا تو تین قفیز آٹا واپس نہ لاتا تھا۔ ایسی مصیبت قبطیوں پر کبھی نہیں آئی تھی بدن کے بال گر گئے پلکوں اور ابرو کے بال جھڑ گئے بدن کی کھال پر قمل چیچک کی طرح بھر گئی اور سونا آرام کرنا حرام کر دیا۔ قبطی چیخ پڑے اور فریاد لے کر موسیٰ کے پاس گئے اور درخواست کی ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دعا کر دیجئے کہ وہ یہ مصیبت دور کر دے۔ حضرت موسیٰ نے دعا کر دی اور اللہ نے ایک ہفتہ تک عذاب قمل میں مبتلا رکھنے کے بعد عذاب سے نجات دیدی۔ یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا۔ قبطیوں نے پھر بھی عہد شکنی کی اور بدترین اعمال میں منہمک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار

عذاب دعا سے ٹل گیا لیکن قوم نے پھر بدعہدی کی:

یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں مگر وہ کچھ ایسے متکبر، جرائم پیشہ اور پرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کر نہ دیا۔

سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا، جس سے کھیتیوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلائے طوفان دور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دینگے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے، تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتیوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آ گئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے فراموش کر دیئے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰؑ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و پیمان کئے۔ لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا۔ مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لئے منہ کھولتے مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ ادھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ ہی خدا کے حکم سے برتنوں میں یا منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔ اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

مینڈک کو نہ مارو:

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارا کرو، کیونکہ مینڈک کا عذاب جب قوم فرعون پر بھیجا گیا تھا تو ایک مینڈک آگ کے ایک تنور میں خدا کی خوشنودی کی خاطر گر پڑا تھا۔ چنانچہ مینڈکوں کا مسکن اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز بنائی یعنی پانی کا مقام اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ زید بن اسلم "دم" کے عذاب سے نکسیر پھوٹنے کا عذاب مراد لیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

مہلت سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا:

پھر ایک ماہ کی مہلت اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی مگر اس مہلت سے بھی کوئی کام نہ لیا تو پانچواں عذاب خون کا مسلط کر دیا گیا کہ ان کے ہر کھانے اور پینے کی چیز خون بن گئی، کنویں سے، حوض سے، جہاں کہیں سے پانی نکالیں خون بن جائے، کھانا پکانے کے لئے رکھیں خون بن جائے اور ان سب عذابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ مسلسل تھا کہ ہر عذاب سے اسرائیلی حضرات بالکل مامون و محفوظ تھے، خون کے عذاب کے وقت قوم فرعون کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے گھروں سے پانی مانگا جب وہ ان کے ہاتھ میں گیا تو خون ہو گیا، ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر قبطی اور اسرائیلی کھانا کھاتے تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا وہ اپنی حالت پر کھانا ہوتا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ قبطی کے منہ میں جاتا خون بن جاتا، یہ عذاب بھی بدستور سابق سات روز رہا۔ بالآخر پھر یہ بدکار بد عہد قوم چلا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور پہلے سے زیادہ موثق وعدے کئے، دعا کی گئی، عذاب ہٹ گیا مگر یہ لوگ اپنی اسی ہٹ دھرمی پر جمے رہے۔ اس طرح یہ پانچ عذاب مسلسل ان پر آتے رہے مگر یہ لوگ اپنی گمراہی پر قائم رہے اسی کو قرآن کریم نے فرمایا:

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ یعنی ان لوگوں نے تکبر سے کام لیا اور یہ لوگ بڑے عادی مجرم تھے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

قبطیوں نے مینڈکوں کے عذاب کا دکھڑا حضرت موسیٰؑ سے رویا اور کہنے لگے ہم اس مرتبہ (پکی) توبہ کرتے ہیں دوبارہ ایسی حرکتیں نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے پختہ عہد و پیمان لے کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی اور سات روز کے بعد اللہ نے اس عذاب کو بھی دور کر دیا۔ یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا۔ مصیبت دور ہونے کے بعد وہ لوگ ایک مہینہ تک ذہین سے رہے لیکن پھر عہد توڑ دیا اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔

خون اور پیاس کا عذاب:

ایک کنویں پر (ایک ساتھ) کھڑے ہو کر اسرائیلی او قبطی پانی کھینچتے تھے۔ اسرائیلی کا نکالا ہوا پانی پانی ہوتا تھا اور قبطی کا نکالا ہوا پانی خون۔ پیاس سے بیتاب ہو کر قبطی عورت اسرائیلی عورت کے پاس آتی تھی اور پینے کے لئے پانی مانگتی تھی۔ اسرائیلی عورت قبطی عورت کے برتن میں پانی انڈیل دیتی تھی مگر اس کے برتن میں پہنچ کر پانی خون ہو جاتا تھا۔ قبطی عورت اسرائیلی عورت سے کہتی تھی پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں کلی ڈال دے، اسرائیلی عورت ایسا کر دیتی تھی مگر قبطی عورت کے منہ میں پہنچ کر کلی کا پانی خون ہو جاتا تھا۔ فرعون بھی پیاس سے اتنا بے تاب ہوا کہ درختوں کی تر پتیاں چبانے لگا لیکن چباتے ہی پتیوں کا عرق بالکل نمکین ہو جاتا تھا خون پینے کی یہ کیفیت ان کی سات روز رہی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى
اور جب پڑتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ
دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعاء کی درخواست:

یعنی اس نے دعاء کا جو موثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعاء کر دیجئے۔ یا بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ کا مطلب یہ ہے کہ "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دعاء فرما دیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق نبوت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائے گا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔ اور ممکن ہے بما عهد عندك سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آجاؤ گے تو عذاب الٰہی اٹھا لیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طاعون کا عذاب:

اس کے بعد ایک چھٹے عذاب کا ذکر بعد کی آیت میں رجز کے نام سے آیا ہے، یہ لفظ اکثر طاعون کے لئے بولا جاتا ہے، چیچک وغیرہ وبائی امراض کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، تفسیری روایات میں ہے کہ ان لوگوں پر طاعون کی وباء مسلط کر دی گئی، جس میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس وقت پھر ان لوگوں نے فریاد کی اور پھر دعا کرنے پر عذاب ہٹا اور پھر بدستور ان لوگوں نے عہد شکنی کی، اتنی مسلسل آزمائشوں اور مہلتوں کے بعد جب ان میں کوئی احساس پیدا ہی نہ ہوا تو اب آخری عذاب آ گیا کہ

سب کے سب اپنے مکان زمینیں سامان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلے اور بالآخر دریائے قلزم کا لقمہ بن گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

اور اگر تو نے دور کر دیا ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئینگے تجھ پر

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٣٤﴾

اور جانے دینگے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰٓ

پھر جب ہم نے اٹھا لیا ان سے عذاب ایک

أَجَلٍ هُم بَٰلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

مدت تک کہ ان کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالتے ☆

اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے تک کی مدت مراد ہے، یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔ (تفسیر عثانی)

سرِ عام مقابلہ میں شکست کے بعد دوسری نشانیاں:

☆ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب جادوگر ایمان لائے، اور فرعون مغلوب اور ناکام واپس ہوا تو پھر بھی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا تو پے در پے اس پر نشانیوں کا ظہور ہوا۔ قحط سے سابقہ پڑا، بارش کا طوفان آیا، پھر جراد کا عذاب، پھر جوں اور کیڑوں کا، پھر مینڈک اور خون، یہ مسلسل نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ طوفان آیا ساری زمین دلدل ہوگئی نہ ہل چلا سکتے تھے نہ کچھ بو سکتے تھے۔ بھوک سے تڑپنے لگے۔ موسیٰ سے درخواست کی کہ عذاب کھل جائے لیکن ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کیا۔ پھر جراد کا عذاب آیا جو ساری کھیتی کھا گئے۔ دروازوں کی کیلیں چاٹ گئے جس کی وجہ سے ان کے گھر گر پڑے۔ پھر جوؤں کا عذاب آیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ پھر حضرت موسیٰ نے بحکم خدا ایک پتھر پر لکڑی ماری جس سے بے شمار چیچڑیاں نکل پڑیں، گھروں میں ہر جگہ پھیل گئیں، غذا کو چمٹنے لگیں نہ سو سکتے تھے نہ قرار لے سکتے تھے۔ پھر مینڈک کا عذاب آیا، کھانوں میں مینڈک برتنوں میں مینڈک، کپڑوں میں مینڈک۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ پانی کے ہر برتن میں پانی کے بجائے خون ہی خون۔ غرض مختلف عذابوں سے دوچار ہونا پڑا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ

پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے سو ڈبو دیا ہم نے ان کو دریا میں اسی وجہ سے

كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَٰفِلِينَ ﴿١٣٦﴾

کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے تغافل کرتے تھے ☆

آخر کار دریاء میں غرق ہو گئے:

"رجز" سے بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں ان پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسیٰ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا، وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، ان کی دعاء سے دفع ہوتی، پھر منکر ہو جاتے، آخر کو وباء پڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مردوں کے غم میں، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گزر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔ (تفسیر عثانی)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ

اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے ☆

یعنی بنی اسرائیل کو۔ (تفسیر عثانی)

مَشَٰرِقَ الْأَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَا الَّتِي بَٰرَكْنَا فِيهَا

اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے ☆

برکت والی سرزمین:

اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات ودیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہ ہے کہ نہایت سرسبز و شاداب، سیر حاصل خوش منظر اور زرخیز ملک ہے۔ اور باطنی اس لئے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے

رہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا، بعدہ حضرت یوشع کے ساتھ ہوکر "عمالقہ" سے جہاد کیا، اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنادیا کہ آزادی کیساتھ اس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (دخان رکوع ۱)

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص رکوع ۱)

اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں، باطنی اس حیثیت سے ہونگی کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدت اسی ملک میں گزاری۔ امام بغویؒ نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

☆ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ مصر کا دریائے نیل سید الانہار یعنی دریاؤں کا سردار ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ برکات کے دس حصوں میں سے نو مصر میں ہیں اور باقی ایک پوری زمین میں (بحر محیط) (تفسیر مظہری)

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ
اور پورا ہوگیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی
اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا
اسرائیل پر بسبب انکے صبر کرنے کے اور خراب کردیا ہم نے
كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا
جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور جو
كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾
اونچا کر کے چھایا تھا ☆

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے سے آزادی ملی:

یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونیوں کے سخت تباہ کن شدائد پر صبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبر خدا کا ساتھ دیا تو خدا نے جو نیک وعدہ ان سے کیا تھا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا الخ وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اس کی قوم نے اپنے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لئے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہوگیا۔ اور انکی اونچی اونچی عمارتیں تہ و بالا کردی گئیں۔ سچ ہے "اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً" (تفسیر عثمانی)

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

☆ جس طرح بنی اسرائیل نے وعدۂ خداوندی کا مشاہدہ کرلیا تھا، امتِ محمدیہؐ نے ان سے زیادہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا مشاہدہ کیا کہ پوری زمین پر ان کی حکومت و سلطنت عام ہوگئی (روح البیان)

(معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا
اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے
عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ
ایک قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے ☆

بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ لخم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ ان کے بت گائے کی شکل پر تھے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ
کہنے لگے اے موسیٰ بنادے ہماری عبادت کیلئے بھی ایک بت جیسے انکے
اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
بت ہیں کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو ☆

بُت پرستی کی عِلّت:

یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ اور تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک مصری بت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و

ہوا اور وہاں کے بت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔
حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا"۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبٰطِلٌ مَّا
یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾
غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں

یعنی ان کا بت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آئندہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ
کہا کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود حالانکہ
عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۴۰﴾
اس نے تم کو بڑائی دی تمام جہان پر

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہو سکتا:

یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گزاری اور حق شناسی کیا یہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہو جائے؟ کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ
اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں
سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ
سے کہ دیتے تھے تم کو برا عذاب کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو
نِسَآءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے

عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾
تمہارے رب کا بڑا

اس کی تفسیر پارہ الم کے ربع کے بعد ملاحظہ کی جائے یہ مضمون وہاں گزر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِينَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا
اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً
سے پس پوری ہو گئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں

تورات کا حصول:

جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے بہ پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی، دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہر نہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہوں گے ورنہ اکثر الاجلین چالیس روز پورے کرنے پڑیں گے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری و لازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری واستحبابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل وتتمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں جیسے شعیبؑ نے موسیٰؑ کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا۔ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ (القصص رکوع ۳) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصلی میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهٖۤ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تتمہ دس دن اور تھے۔ تا کہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعد) پورا کر کے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے

دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو چلہ پورا ہوا جیسا کہ اکثر سلف سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے کہ "حق تعالیٰ نے وعدہ دیا حضرت موسیٰ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو "تورات" دوں۔ اس مدت میں انہوں نے ایک دن مسواک کی۔ فرشتوں کو ان کے منہ کی بو سے خوشی تھی وہ جاتی رہی اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی"۔ (تفسیر عثمانی)

شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو بحالت روزہ مسواک کرنے کا معمول حدیث سے ثابت ہے، جس کو بیہقی نے بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خیر خصائل الصائم السواک یعنی روزہ دار کا بہترین عمل مسواک ہے۔ اس روایت کو جامع صغیر میں نقل کر کے حسن فرمایا ہے۔

چالیس دن کا نصاب:

معلوم ہوا کہ چالیس راتوں کو باطنی حالات کی اصلاح میں کوئی خاص دخل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں۔ (روح البیان از معارف مفتی اعظم)

وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ
اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری
قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ
قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ

حضرت ہارون علیہ السلام:

یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیئے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لئے بڑی تصریح و تاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا۔ مفسدہ پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔

بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی:

خدا کی مشیت کہ موسیٰ علیہ السلام یہ وصیت کر کے ادھر گئے، ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی مگر حضرت ہارون نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ کہہ کر ان کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا، اور وصیت موسوی کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی کام کا ذمہ دار ہو اگر کسی ضرورت سے کہیں جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کام کا انتظام کر کے جائے۔

نیز یہ ثابت ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار حضرات جب کہیں سفر کریں تو اپنا قائم مقام اور خلیفہ مقرر کر کے جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تھی کہ جب کبھی مدینہ سے باہر جانا ہوا تو کسی شخص کو خلیفہ بنا کر جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ بنایا، ایک مرتبہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اسی طرح مختلف اوقات میں مختلف صحابہؓ کو مدینہ میں خلیفہ بنا کر باہر تشریف لے گئے۔ (قرطبی)

قواعد نظم کی پابندی:

موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے وقت ان کو چند ہدایات دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو بدنظمی اور بے فکری ہی کو سب سے بڑی بزرگی سمجھتے ہیں۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ
اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب
قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ
نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دیدار کی درخواست:

چالیس دن کی میعاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے اور بے ساختہ درخواست کر دی۔ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے پروردگار میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور وجہ انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو آپ کی نظر ایسی تیز ہو گئی کہ دس کوس کی مسافت سے تاریک رات میں بھی کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی

کو دیکھ لیتے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر طرف سے کلام سن رہے تھے:

بیضاوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ ہر طرف سے کلام سن رہے تھے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی جہت سے نہیں سن رہے تھے (یعنی وہ کلام کسی جہت کا محتاج نہیں تھا تمام جہات واطراف کی قیود سے آزاد تھا) جس طرف رخ کرتے تھے وہی کلام بے جہت سنتے تھے۔ اس طرح موسیٰ پر کلام رب کا انکشاف ہو گیا۔ اور اس سے آگے دیدار کے مشاہدہ کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ ارنی یعنی مجھے اپنا دیدار دکھاؤ۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ
فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا

دنیا میں دیدار الٰہی ممتنع ہے:

یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قوی اس ذوالجلال والاکرام لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا ہے کہ دنیا میں کسی کو موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے۔ گو عقلاً ممکن ہو۔ کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، رہی رسول اللہ صلعم کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر انشاء اللہ سورۂ "نجم" میں آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لَنْ تَرٰىنِیْ (یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے) اس میں اشارہ ہے کہ رویت ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالت موجودہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اگر رویت ممکن ہی نہ ہوتی تو لن ترانی کے بجائے لن اُریٰ کہا جاتا کہ میری رویت نہیں ہو سکتی۔ (مظہری)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن تو ہے مگر اس آیت سے اس کا ممتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہی مذہب ہے جمہور اہل سنت کا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً ممتنع، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے لن یری احدٌ منکم ربہ حتی یموت) یعنی تم میں سے کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔

پہاڑ بھی جھلک برداشت نہیں کر سکتا:

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالت موجودہ مخاطب رویت الٰہی کو برداشت نہیں کر سکتا اس لئے پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلا دیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کر سکتا، انسان تو ضعیف الخلقت ہے وہ کیسے برداشت کرے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ: اللہ نے فرمایا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ پائے گا نہ کوئی انسان دنیا میں میری طرف نگاہ کر سکتا ہے جو شخص میری طرف دیکھے گا مر جائے گا۔ موسیٰ نے کہا الٰہی میں تیرا کلام سن کر تیرے دیدار کا مشتاق ہوا اگر میں تیری طرف دیکھ لوں اور مر جاؤں تو بغیر دیدار زندہ رہنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ لَنْ تَرٰىنِیْ (تو مجھے نہیں دیکھ پائے گا) فرمایا لا اُریٰ (میں نہیں دیکھا جا سکتا) نہیں فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا دیدار فی نفسہ محال نہیں ہے (اگرچہ اس عالم میں اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا)

اِلَى الْجَبَلِ مدین میں یہ سب سے بڑا پہاڑ تھا جس کو زبیر کہا جاتا تھا۔

تجلی پڑنے کا منظر:

وہب بن منبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ نے دیدار کا سوال کیا تو کہر اور تاریکی چار چار فرسخ تک پہاڑ پر چھا گئی، بجلیاں تڑپنے لگیں بادل گرجنے اور کڑکنے لگے اور اللہ نے آسمانوں کے فرشتوں کو حکم دیدیا کہ موسیٰ کے سامنے آ جائیں۔ حسب الحکم اس نچلے آسمان کے ملائکہ بیلوں کی شکل میں بادل کی طرح گرجدار آواز میں اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے سامنے سے گذرے پھر دوسرے آسمان کے ملائکہ بشکل شیر سامنے آئے ان کے منہ سے بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس کی چیخیں نکل رہی تھیں ضعیف بندہ (موسیٰ) بن عمران اس منظر کو دیکھ کر اور ان آوازوں کو سن کر خوف زدہ ہو گیا لرز گیا بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب مجھے اپنی درخواست پر پشیمانی ہے کاش کوئی چیز مجھے اس مقام سے الگ کر دیتی (کہ میں یہ منظر نہ دیکھتا) اس پر ملائکہ کے سرگروہ نے جو سب کا بزرگ تھا کہا موسیٰ ابھی اپنے سوال پر قائم رہو! ابھی تو بہت میں سے تھوڑا تم نے دیکھا ہے۔ پھر تیسرے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ کے سامنے آئے ان کی شکلیں بھی شیروں جیسی تھیں گرجیلی آوازوں سے متواتر تسبیح و تقدیس کا شور کر رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی لشکر کا مخلوط شور ہے۔ آگ کے شعلے کی طرح ان کا رنگ تھا موسیٰ خوف زدہ ہو گئے اور زندگی کی آس نہ رہی سرگروہ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ ٹھہرو تمہارے

سامنے تو ایسا منظر آئے گا کہ برداشت نہ کر سکو گے پھر چوتھے آسمان کے ملائکہ موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے آئے پچھلے ملائکہ کی شکلوں سے الگ ان کی صورتیں تھیں رنگ تو شعلہ کی طرح تھا اور جسم برف کی طرح سفید تھا ان کی تسبیح و تقدیس کی اونچی آوازیں ایسی تھیں کہ سابق فرشتوں کی آوازیں ان جیسی نہ تھیں حضرت موسیٰ کا جوڑ جوڑ چٹکنے اور دل دھڑکنے لگا اور شدت کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا سید الملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنے سوال پر ٹھیرو کم دیکھا ہے زیادہ دیکھنا ہے پھر پانچویں آسمان کے ملائکہ اتر کر موسیٰ کے سامنے آئے جن کے سات رنگ تھے موسیٰ کو دیکھتے رہنے کی تاب نہ رہی ایسی شکلیں تو انھوں نے پہلے نہیں دیکھی تھیں نہ ایسی آوازیں سنی تھیں۔ دل بھر آیا غم نے گھیر لیا اور خوب رونے لگے۔ سرگروہ ملائکہ نے کہا ابن عمران ابھی اپنی جگہ (یعنی اپنے سوال پر) صبر کیے رہو ایسی چیزیں سامنے آئیں گی کہ صبر نہ کر سکو گے۔ پھر حسب الحکم چھٹے آسمان کے فرشتے اتر کر موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے آئے ہر فرشتے کے ہاتھ میں سورج سے زیادہ روشن درخت کھجور کی طرح لمبا آگ کا ایک ڈنڈا تھا سب کا لباس آگ کے شعلوں کی طرح تھا ہر فرشتے کے ایک سر میں چار منہ تھے گذشتہ فرشتوں کی مجموعی آواز کی طرح اونچی آواز سے تسبیح و تقدیس کر رہے تھے انتہائی بلند آواز سے کہہ رہے تھے **سبوح قدوس رب الملئکہ والروح رب العزۃ ابدا لا یموت** موسیٰ ان کی تسبیح کی آواز سن کر خود بھی پڑھنے اور رونے لگے اور عرض کرنے لگے اے میرے رب مجھے یاد رکھنا اپنے بندہ کو نظر انداز نہ کرنا معلوم نہیں اس منظر سے میرا چھٹکارا ہو گا یا نہیں اگر میں (یہاں سے) نکلتا ہوں تو جل جاؤں گا اور رکتا ہوں تو مر جاؤں گا۔ (تفسیر مظہری)

فرشتوں کے سردار نے کہا اے ابن عمران تیرا خوف تو حد سے بڑھ گیا اور تیرا دل نکلا پڑتا ہے مگر جس چیز کا تو نے سوال کیا ہے اس کے لئے صبر کر اس کے بعد ساتویں آسمان کے ملائکہ کو عرش الٰہی اٹھانے کا حکم ہوا جونہی نور عرش نمودار ہوا پہاڑ کھل گیا اور تمام فرشتوں نے سبحان الملک القدوس رب العزۃ ابدا لا یموت کی آوازیں بلند کیں پہاڑ میں لرزہ آیا اور جو درخت بھی وہاں تھا پھٹ گیا اور بندۂ ضعیف موسیٰ منہ کے بل بے ہوش ہو کر گر پڑا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کے پاس روح کو بھیجا روح موسیٰ پر سایہ فگن ہو گیا اور چھا گیا اور جس پتھر پر موسیٰ کھڑے ہوئے تھے اسی پتھر کو موسیٰ پر الٹ کر قبہ کی طرح بنا دیا تا کہ موسیٰ جل نہ جائیں کچھ دیر کے بعد روح نے ان کو کھڑا کیا موسیٰ تسبیح پڑھتے اٹھ کھڑے ہوئے اور مناجات کرنے لگے میرے مالک میں تجھ پر ایمان لایا اور تصدیق کرتا ہوں کہ جو شخص بھی تجھے دیکھے گا زندہ نہ رہے گا جو شخص تیرے فرشتوں کو بھی دیکھے گا اس کا دل (خوف سے) باہر نکلنے لگے گا تیری عظمت بہت بڑی ہے تو سب کا رب اور معبود کل اور شاہنشاہ ہے تیرے مساوی اور مقابل کوئی شے نہیں اے میرے رب میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ حمد تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں تو بڑی بزرگی والا ہے تو بڑی عظمت رکھتا ہے تو رب العلمین ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا

فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ

تو تو مجھ کو دیکھ لے گا

یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذرا سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرا دیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے، کسی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لئے موسیٰ علیہ السلام جس وحی الٰہی کے حامل تھے، بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اس کے اٹھانے پر قادر نہیں۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب رکوع ۹) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر۔ رکوع ۳) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مادی قوت سے ہو، اس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (المومن رکوع ۶) وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء رکوع ۵) اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ

پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اس کو ڈھا کر برابر

مُوْسٰى صَعِقًا

اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہو کر

پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا:

حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اس نے معاً پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، ان پر اس قرب محل اور پہاڑ کے ہیبت ناک منظر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس پر گرتی ہے اسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں بسا اوقات انہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تجلی ظاہر ہوا نمودار ہوا یعنی اس کا کچھ نور چمکا۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ چھنگلی کے آدھے پور کے برابر نور خداوندی کا ظہور ہوا حاکم کی صحیح حدیث میں یہی آیا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا دوسرے درجہ پر ظہور (یعنی عکس اور پرتو کا ظہور) تجلی کہلاتا ہے جیسے آئینہ کے اندر کسی کی صورت کا ظہور حقیقت میں یہ جلوہ اندازی اور جلوہ بینی رویت ذات نہ تھی کیونکہ ظاہر ہے کہ موسیٰ کی استعداد و قوت پہاڑ سے بھی زائد تھی اور موسیٰ کو دیدار ذات سے تاکید کے ساتھ روک دیا گیا تو پہاڑ میں نور ذات کو برداشت کرنے کی صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے اللہ نے فرمایا

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور خداوندی پہاڑ پر نمودار ہوا تھا ضحاک کا قول ہے اللہ نے اپنے نور سے پردے ہٹا لئے تھے اور بیل کی ناک کے سوراخ برابر (نور کو) ظاہر کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار نے فرمایا عظمت خداوندی کی جلوہ پاشی صرف سوئی کے ناکہ کی برابر ہوئی تھی کہ پہاڑ شق ہو گیا۔ سدی نے کہا چھنگلی کے برابر تجلی ہوئی تھی اس کی تائید حضرت انسؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنگلی کے آخری جوڑ پر انگوٹھا رکھتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا بس اتنی تجلی ہوئی تھی کہ پہاڑ آہستہ آہستہ چلا (یعنی لرزا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے)

پہاڑ کے ٹکڑے

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیروں میں آیا ہے کہ عظمت نور کی وجہ سے وہ پہاڑ چھ پہاڑوں میں منقسم ہو گیا تین مدینہ میں آپڑے احد ورقان، رضوی اور تین مکہ میں ثور، ثبیر حراء۔ سعاف نے تخریج بیضاوی میں لکھا ہے

کہ ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو سنایا اور فرمایا إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ یہ واقعہ عرفہ کی شام کو ہوا وہ پہاڑ جس پر تجلی ہوئی موقف (حج) میں تھا تجلی پڑتے ہی اس کے سات ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا سامنے گر گیا یہ ٹکڑا تو وہی ہے جس کے قریب امام موقف میں کھڑا ہوتا ہے تین ٹکڑے مدینہ میں جا پڑے طیبہ احد، رضوی اور طور سینا شام میں چلے گئے اس کو طور کہنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ یہ اڑ کر شام میں جا پہنچا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں انتہائی غرابت ہے اللہ نے موسیٰ سے کلام تو طور سینا علاقہ شام میں کیا تھا وہیں توریت عطا فرمائی تھی مکہ میں نہ کلام کیا نہ کتاب عطا فرمائی۔

توراۃ میں امت محمدیہ کا ذکر:

بغوی نے حضرت کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے توریت کا مطالعہ کیا اور عرض کیا اے میرے رب میں (توریت میں) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو خیر الامم ہوگی اس کو لوگوں کی ہدایت کیلئے پیدا کیا گیا ہوگا۔ وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دے گی اور بری باتوں کی ممانعت کرے گی اس کا ایمان اللہ پر اور پہلی کتاب پر اور پچھلی کتاب پر ہوگا وہ گمراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے لڑے گی اے میرے رب اس کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا موسیٰ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا میرے رب مجھے (توریت میں) ایک امت کا تذکرہ ملتا ہے جو بکثرت حمد کرنے والے ہونگے اور سورج کی نگرانی رکھیں گے (یعنی اوقات صلوٰۃ کی تعیین سورج کے طلوع غروب سے کریں گے اور نمازوں کے منتظر رہیں گے) جب وہ کسی کام کا ارادہ کریں گے تو کہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم یہ کام کریں گے ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا میں (توریت میں) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو اپنے کفارات اور صدقات کو باہم کھائیں گے (یعنی آگ میں نہیں جلائیں گے) گذشتہ شریعتوں والے نذر اور صدقہ کی چیز آگ میں جلا دیتے تھے۔ وہ دعائیں کریں گے اور ان کی دعائیں قبول ہونگی وہ شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ اللہ نے فرمایا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔ موسیٰؑ نے عرض کیا مجھے ایسی امت کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ جب وہ لوگ کسی ٹیلہ پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے اور نشیب میں اتریں گے تو حمد کریں گے (یعنی حاجی ہوں گے) ساری مٹی ان کے لئے طہور (پاک اور پاک کن)

ہوگی ساری زمین ان کے لئے مسجد ہوگی جہاں ہونگے جنابت سے طہارت کریں گے مٹی سے بھی ان کی طہارت ایسی ہوگی جیسے پانی سے بشرطیکہ پانی دستیاب نہ ہو ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضوء کے اثر سے گورے ہونگے یعنی قیامت کے دن، اے رب ان کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا اے رب مجھے ایسے لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے کہ اگر وہ نیکی کا صرف ارادہ کریں گے عمل نہ کر پائیں گے تب بھی ان کی ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر نیکی کرلیں گے تو دس گنے سے سات سو گنے تک انکو ثواب ملے گا اور اگر گناہ کا صرف ارادہ کریں گے تو گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر گناہ کرلیں گے تو اتنا ہی لکھا جائے گا جتنا انہوں نے کیا ہوگا۔ ان کو میری امت بنا دے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی۔ موسیٰؑ نے عرض کیا میں ایک مرحوم امت کا تذکرہ پاتا ہوں جو کمزور ہوگی وہ ان لوگوں سے کتاب میراث میں پائیں گے جن کو (عطاء کتاب کا) تو نے امتیاز دیا ہوگا ان لوگوں میں سے کچھ تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہونگے (یعنی گناہ گار ہونگے) اور کچھ متوسط الحال ہونگے (ان کی نیکیاں بدیاں مخلوط ہونگی) اور کچھ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہونگے اور ان میں سے ہر ایک (گروہ) مرحوم ہوگا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا کہ مرحوم نہ ہو اے رب ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی۔ موسیٰؑ نے عرض کیا میں ایسے لوگ بھی (توریت میں) پاتا ہوں جن کے مصحف ان کے سینوں میں ہونگے (یعنی حافظ قرآن ہونگے) وہ اہل جنت کے لباس کے رنگ کے کپڑے پہنیں گے۔ نمازوں کے اندر ان کی صفیں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہونگی مسجدوں کے اندر ان کی (تلاوت وقرأت) کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی گونج کی طرح ہونگی ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں داخل ہوگا سوائے اس شخص کے جو نیکیوں سے اس طرح الگ ہو جائے جیسے پتھر درختوں کے پتوں سے الگ ہوجاتا ہے اے رب ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ نے فرمایا یہ احمد کی امت ہوگی موسیٰ کو جب اس بات پر تعجب ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو اللہ نے یہ بھلائیاں عطا فرمائی ہیں تو عرض کیا کاش میں محمد کے ساتھیوں میں سے ہوتا اس پر موسیٰؑ کو خوش کرنے کے لئے اللہ نے تین چیزوں کی وحی بھیجی اور فرمایا یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ سے سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ موسیٰ اس سے کامل طور پر خوش ہوگئے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ

پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور میں سب سے پہلے یقین لایا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معذرت:

یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اس کے دیدار کا تحمل کرسکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ فرط اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک نازیبا درخواست کر گذرا۔ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت وجلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی وعیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہوسکتی۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے

بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ

اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تجھ کو دیا اور شاکر رہ

پیغمبری بہت بڑا اعزاز:

یعنی دیدار نہ ہوسکا نہ سہی، یہ شرف وامتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلا واسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی، اسے پلے باندھو اور ان بندوں میں شامل رہو، جنہیں خدا نے ''شاکرین'' کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ

اور لکھ دی ہم نے اس کو تختیوں پر ہر

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ

قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی

احکام کی تختیاں:

بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہرحال دیدار نہ ہوسکنے سے جو شکستگی موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی اس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی۔ (ابن کثیر تفسیر عثمانیؒ)

حدیث میں آیا ہے کہ وہ تختیاں جنت کے بیری کے درخت کی تھیں۔ ایک تختی کی لمبائی بارہ ہاتھ تھی۔ یہ روایت ابوالشیخ کی ہے جس کی نسبت حضرت جعفرؒ کی وساطت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف کی گئی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور تورات اپنے ہاتھ سے لکھی اور طوبیٰ کا درخت اپنے ہاتھ سے بویا۔ حسن نے کہا وہ تختیاں لکڑی کے تختے کی تھیں۔ کلبی نے کہا زبرجد سبز کی تھیں۔ سعید بن جبیر نے کہا یاقوت سرخ کی تھیں۔ (مظہری)

تورات کے نقوش کلام اللہ نہیں تھے

آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات کلام اللہ نہیں ہے کیونکہ تختیوں پر جو لکھا یا کندہ کیا جاتا ہے وہ متکلم کا کلام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے نقوش ہوتے ہیں جن سے متکلم کے کلام یا متکلم کے منشاء کا علم ہوسکتا ہے۔ پس تختیوں کے نقوش کو منشاء خداوندی یا کلام خداوندی کے علم کا ذریعہ تو کہا جاسکتا ہے۔ کلام خداوندی نہیں کہا جاسکتا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ کلام، لفظ اور نقش یعنی رسم خط میں فرق ہے۔ ہم جو کچھ لکھتے ہیں یہ محض اشارے ہیں۔ نہ بعینہٖ کلام ہیں اور نہ کلام ان نقوش اور رسوم کا پابند ہے۔ (از افادات حضرت مدنی رحمہ اللہ)

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا
سو پکڑ لے ان کو زور سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اسکی
بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا

احکام پر عمل کرنے کا حکم:

یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو، کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر پختگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ چھوڑ دیں۔ (تنبیہ) لفظ ''احسنہا'' سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ ان میں ''احسن'' کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیئے گئے تھے یوں تو سب فی حد ذاتہ حسن ہیں۔ مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے۔ لیکن صبر کرنا اور معاف کر دینا عزیمت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم ومندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔ اگر نافرمانی کرینگے، تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائے گا۔ یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی ورسوائی۔ اعاذنا اللہ منہما (ابن کثیر وبغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقہ یا فرعونیوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لئے بشارت ہوگی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کرو گے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیئے جائیں گے۔ والراجح ہو الاول کمارجحہ ابن کثیر۔

مجاہد حسن اور عطاء نے کہا جہنم مراد ہے جہاں آخرت میں ان کا مقام ہوگا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں
فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ
زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں ساری
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ
نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر اور اگر دیکھیں راستہ
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا
ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں
سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ
راستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرالیں راہ یہ اس لئے
بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا
کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
ان سے بے خبر

تکبر کی سزا:

جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت وغرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں، ہم بھی ان کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دینگے کہ آئندہ ان سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سنیں ٹس سے مس نہ ہوں، ہدایت کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تمادی سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے، اس وقت آدمی اس حالت کو پہنچتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ساصرف یعنی اندرونی و بیرونی اور انفسی و آفاقی آیات پر غور کرنے اور ان سے عبرت اندوز ہونے سے پھیر دوں گا۔ یا اپنی نازل کردہ آیات اور معجزات کو باطل کرنے اور نور الٰہی کو پھونکیں مار کر بجھانے سے روک دوں گا۔ مطلب یہ کہ اپنی آیات کا بول بالا کروں گا اور ان کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

تکبر محرومی کا سبب ہے:

روح البیان میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اور نخوت ایک ایسی بری خصلت ہے جو علوم ربانیہ کے لئے حجاب بن جاتی ہے کیونکہ علوم ربانیہ صرف اس کی رحمت سے حاصل ہوتے ہیں اور رحمت خداوندی تواضع سے متوجہ ہوتی ہے، مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے۔

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ
اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾
عمل کرتے تھے

ایمان کے بغیر کوئی نیکی کام نہ دے گی:

یعنی احکام الٰہیہ پر چلنے کی توفیق نہ ہوگی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی انکی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہوگا۔ دنیا میں ملتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ تو جو نیکیاں انہوں نے کی ہونگی سب اکارت جائیں گی غریبوں کو مال دینا کنبہ والوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا وغیرہ بہرحال یہ سب نیکیاں اس میدانی سراب کی طرح ثابت ہونگی جو دور سے پیاسے کو پانی دکھائی دیتی ہیں اور قریب پہنچتا ہے تو (ہلاکت کے سوا) کچھ نہیں ملتا۔ هل یجزون استفہام انکاری ہے یعنی ان کو بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ مگر انہی اعمال کا جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ
اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے
حُلِيِّهِمْ عِجْلًا
زیور سے بچھڑا

زیوروں سے بچھڑا بنا دیا:

یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا۔ ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ جیسا کہ سورہ طٰہ میں ہے حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس قتادہ اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا اور حضرت جبرئیل کے نشان قدم کی خاک اس کے منہ میں ڈال دی تھی جس کی وجہ سے وہ گوشت اور خون والا جسم بن گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

سامری کی یہ حیرت انگیز شیطانی ایجاد سامنے آئی تو اس نے بنی اسرائیل کو اس کفر کی دعوت دینا شروع کر دی کہ یہی خدا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لئے کوہ طور پر گئے ہیں اور اللہ میاں (معاذ اللہ) خود یہاں آ گئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی بنی اسرائیل میں اس کی بات پہلے سے مانی جاتی تھی اور اس وقت تو یہ شعبدہ بھی اس نے دکھلا دیا تو اور بھی معتقد ہو گئے اور اسی گائے کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ
ایک بدن کہ اس میں گائے کی آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا

وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا

کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہیں بتلاتا راستہ معبود بنالیا

ظٰلِمِينَ ﴿۱۴۸﴾

اس کو اور وہ تھے ظالم

بنی اسرائیل کی جہالت:

سورۂ "طٰہٰ" میں اس بچھڑے کا مفصل قصہ آئے گا، یہاں ان کی حماقت وسفاہت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خودساختہ ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز سن لینے پر مفتون ہو گئے اور بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ اس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام وخطاب تھا نہ دینی یا دنیوی رہنمائی اس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کہ صوت محض تو کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل وعلا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی چنانچہ پیشتر اجْعَل لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ کی درخواست موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ

اور جب پچھتائے اور سمجھے

قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا

کہ ہم بے شک گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب

وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾

اور نہ بخشے ہم کو تو بے شک ہم تباہ ہوں گے

انتہائی ندامت: اپنی بدعقلی اور کجروی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد جب باطل کا جوش ٹھنڈا ہوا اور عقل وہوش کچھ ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے۔ گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف وہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنے گی، اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ

اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا

أَسِفًا ۙ

افسوسناک

کیونکہ حق تعالیٰ نے طور ہی پر اطلاع دیدی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام سخت متاسف اور غضبناک تھے۔

قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ

بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری میرے بعد

واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کا خطاب:

یہ خطاب عبادِ عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا۔ یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی۔ جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید وتفرید) اس کی جگہ تم نے بچھڑے کی پوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوسَىٰ (فی الحقیقت یہی تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے) اور ممکن ہے۔ خطاب ہارون علیہ السلام کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو اخلفنی فی قومی کہہ کر سپرد کر گئے تھے، اچھی طرح ادا نہ کیا ان کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ سورۂ "طٰہٰ" میں مفصل آئے گا۔

أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ

کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے

یعنی میں پروردگار سے تمہارے لئے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی میعاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی۔ تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گذر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر وغضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۔ (طٰہٰ رکوع ۴)

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ

اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے

يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ

اس کو اپنی طرف

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوش:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مشرکانہ ڈھونگ کو دیکھ کر اور ہارون علیہ السلام کی نرمی وتساہل کا گمان کر کے اس قدر افروختہ اور دینی حمیت وغیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کی طرف لپکے اور حرارت ایمانی کے بے اندازہ جوش میں ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے۔ معاذ اللہ ہارون کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارون خود مستقل نبی اور عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولوالعزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کی جو اس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرہ برابر توہین کا ارادہ کرے نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جبکہ وہ قوم کی سخت بدعنوانی کی بنا پر بغض فی اللہ اور غصہ سے بے اختیار ہو رہے تھے حضرت ہارون کی نسبت یہ خیال گذر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان کو اصلاح کی بھی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارون نبی اور عمر میں بڑے تھے، مگر رتبہ میں موسیٰ علیہ السلام ان سے بڑے تھے اور سیاسی وانتظامی حیثیت سے موسیٰ علیہ السلام کو ان کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا۔ اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی شان سیادت وحکومت کا ظہور ہوا۔ گویا ان کی طرف سے یہ داروگیر اور سخت باز پرس حضرت ہارون کی تقصیر مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشہ توحید سے کس قدر سرشار اور وسیہ شرک وکفر سے کس قدر نفور وبیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنیٰ ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اُس نے شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی کوتاہی کی ہے تو اس کی بزرگی اور وجاہت عنداللہ بھی ایسی سخت باز پرس سے ان کو نہیں روک سکتی۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ اسی فرط غضب اور ہنگامہ داروگیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھی) ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں جسے عدم تحفظ کیوجہ سے تغلیظاً "القاء" سے تعبیر فرمایا، کیونکہ بظاہر خذھا بقوۃ کا امتثال نہ کر سکے۔ یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ہارون علیہ السلام کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لئے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھ دیں مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورۃً پسندیدہ نہ تھی، گو موسیٰ علیہ السلام نیتۃً معذور تھے۔ اس لئے آئندہ رب اغفرلی الخ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تورات کے چھ حصے:

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو زبرجد کی سات تختیوں پر (لکھی ہوئی) توریت دی گئی تھی جس کے اندر ہر چیز کا بیان بھی تھا اور ہدایات بھی تھیں لیکن حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ سے آ کر بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا میں منہمک پایا تو اپنے ہاتھ سے توریت کو پھینک دیا جس کی وجہ سے تختیوں کے سات ٹکڑے ہو گئے ٹوٹنے کے بعد چھ حصے تو توریت کے اللہ نے اٹھا لئے اور صرف ساتواں حصہ رہ گیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ غیب (ماضی و مستقبل) کی خبروں سے تعلق رکھنے والے حصے تو اٹھا لئے گئے اور جس حصہ کے اندر ہدایات، احکام اور حلال وحرام کا بیان تھا وہ رہ گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کانوں سے سنی ہوئی) اور آنکھوں سے دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی اللہ نے (طور پر ہی) موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دیدی تھی لیکن موسیٰؑ نے تختیاں نہیں پھینکیں اور جب ان کی حرکت خود دیکھ لی تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط والحاکم بسند صحیح۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ہارون بڑے تھے:

بغوی نے براسہ کی تشریح میں لکھا ہے کہ گیسو اور داڑھی پکڑ کر کھینچی۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے اور چونکہ غصہ آور نہ تھے اس لئے بنی اسرائیل آپ سے حضرت موسیٰؑ کی بہ نسبت زیادہ محبت کرتے تھے۔ ابن ام حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی تھے لیکن موسیٰؑ کے دل میں نرمی پیدا کرنے اور اپنی محبت قلبی کا مظاہرہ کرنے کے لئے ماں جایا کہا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ
وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ
اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو
وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝
اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں

حضرت ہارون کی معذرت:

گو ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰؑ کے عینی بھائی ہیں۔ مگر ماں کی طرف

نسبت کرنے سے ان کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا۔ اس آیت میں ہارون کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق ان کو سمجھا چکا۔ لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ الٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے ان کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور عتاب وغصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا

بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر

فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استغفار:

یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں، آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارون سے اگر ان کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی، اس سے بھی درگذر فرمائیے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ

البتہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ان کو پہنچے گا غضب

مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ

ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں

نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾

ہم بہتان باندھنے والوں کو

یہ غضب وہی ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گذر چکا۔ یعنی "گوسالہ پرستوں" کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بچھڑا بنانے والے کی سزا:

تفسیر قرطبی میں بروایت قتادہؒ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ عذاب مسلط کر دیا تھا کہ جب کوئی اس کو ہاتھ لگائے یا وہ کسی کو ہاتھ لگائے تو فوراً دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا (قرطبی)

اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ یہ خاصیت اس کی نسل میں بھی آج تک باقی ہے۔

بدعتیوں کی سزا:

اور آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ یعنی جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں ان کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے، سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ جو لوگ دین میں بدعت اختیار کرتے ہیں وہ بھی اس افتراء علی اللہ کے مجرم ہو کر اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ (مظہری)

امام مالکؒ نے اسی آیت سے استدلال کر کے فرمایا کہ دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ آخرت میں غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے اور دنیا میں ذلت کے (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ

اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد

بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

اور ایمان لائے تو بے شک تیرا رب توبہ کے پیچھے

لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

البتہ بخشنے والا مہربان ہے

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے:

یعنی برا کام حتیٰ کہ شرک و کفر کر کے پھر توبہ کرے اور ایمان لے آئے تو غفور رحیم کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گوسالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ ان کے حق میں شرط قبول توبہ سمجھی گئی تھی فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (بقرہ) اب ان پر اخروی مواخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیوی سزا کے بعد اخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا الخ کے بعد فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ فرما دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مسعودؓ سے سوال کیا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ کسی عورت سے زنا کرے پھر اس سے نکاح کر لے تو اس کے بارے میں کیا ہوگا؟ تو اس آیت کی تلاوت کی کہ "جن لوگوں نے برے کام کئے پھر توبہ

کرلی، ایمان لائے اور راستی پر آگئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی بخشنے والا اور رحیم ہے۔ عبداللہؓ نے دس بار اس کی تلاوت کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ
اور جب تھم گیا موسیٰ کا غصہ تو اس نے

الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ
اٹھالیا تختیوں کو اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت اور رحمت تھی

لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ
ان کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور چن لئے

مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ
موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانے کو

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ
پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر تو

شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ
چاہتا تو پہلے ہی ہلاک کردیتا ان کو اور مجھ کو

أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا
کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے یہ سب تیری

فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي
آزمائش ہے، بچلادے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے

مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۖ
جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہم کو اور رحمت کر ہم پر

وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿١٥٥﴾
اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے

ستر آدمیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر جانا:

راجح یہی معلوم ہوتا ہے یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" عطا فرمانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی اور سزایابی کے بعد پیش آیا۔ لیکن سورۂ نساء کی آیت

فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ الخ

زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ "الم" کے بعد گذر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ سے خود سن لیں۔ حضرت موسیٰ ان میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سن لیا کہنے لگے کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں، ہم کو یقین نہیں آسکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سخت بھونچال آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے۔ یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔

ان کے مرنے پر موسیٰ علیہ السلام کی دعاء:

موسیٰ نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ نتھی کر کے نہایت موثر انداز میں دعا کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوندا! اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ ان کے ساتھ مجھ کو بھی میں ہی انہیں لے کر آیا یہاں بلانے اور کلام سنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الٰہی سننے کیلئے یہاں آنے کی اجازت دی تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بلا کر محض بعض بے وقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دیا۔ جا ہیں یقیناً یہ (رجفہ وصاعقہ کا منظر) سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اس قسم کے خطرناک اور مزلت الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنے والے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گذشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے در گذر فرمائیں اور آئندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسیٰ کی اس دعاء پر وہ لوگ بخشے گئے اور خدا نے ان کو از سر نو زندگی مرحمت فرمائی۔ کما قال ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تفسیر عثمانی)

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب انہیں پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں پھر

انہیں جمع کر لیا اور اسی بنا پر بعض سلف نے کہا ہے کہ ان ٹوٹی ہوئی تختیوں میں ہدایت و رحمت کے احکام درج تھے لیکن تفصیل سے متعلق احکام ضائع ہو گئے گمان کیا گیا ہے کہ اسرائیلی بادشاہوں کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانے تک یہ ٹکڑے موجود تھے۔ واللہ اعظم۔ (تفسیر ابن کثیر)

تختیوں کے ٹوٹنے کا کفارہ:

حضرت ابن عباسؓ اور عمرو بن ابی الدنیا کا قول ہے کہ موسیٰ کے پھینکنے سے وہ تختیاں تو ٹوٹ گئیں (ناکارہ اور ناقابل قرأت ہو گئیں) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن روزے رکھے تو دو تختیوں پر لکھی ہوئی توریت دوبارہ عطا کی گئی۔

ستر آدمی معافی کیلئے گئے تھے:

روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو لے کر آؤ اور بچھڑے کی پوجا کی معذرت پیش کرو۔ (یعنی قصور معاف ہونے کی دعا کرو) آپ نے ہر سبط میں سے چھ آدمی چھانٹ لئے اس طرح دو آدمی بڑھ گئے کیونکہ کل اسباط بارہ تھے آپنے فرمایا دو آدمی کم کر لو اس پر کوئی راضی نہ ہوا آخر آپ نے فرمایا جو آدمی ساتھ نہ جائے گا اس کو بھی ساتھ جانے والے کے برابر ثواب ملے اس پر کالب اور یوشع بیٹھ گئے اور باقی کو ساتھ لے کر آپ چل دیئے پہاڑ کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام اور ساتھیوں کو ایک باریک ابر نے اپنی آغوش میں لے لیا سب لوگ سجدہ میں گر پڑے اور سب نے سنا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا بعض اوامر و نواہی کی ہدایت کی کچھ دیر کے بعد ابر پھٹ گیا تو ساتھی موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے جب تک کھل کھلا ہم اللہ کو دیکھ نہ لیں ہم کو آپ کی باتوں کا یقین نہیں آئے گا (معلوم نہیں کس کی آواز تھی) اس گستاخی کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔

بعض علماء نے کہا لو شئت کا یہ مطلب ہے کہ اگر تو چاہتا تو یہاں آنے سے پہلے ہی قوم کے سامنے ان کو ہلاک کر دیتا سب لوگ دیکھ لیتے اور مجھ پر تہمت تراشی نہ کر پاتے۔

ان ستر آدمیوں کا جرم:

محمد بن کعب نے بھی یہی کہا ہے کہ ان لوگوں کا قصور اتنا تھا کہ گو سالہ پرستی کے وقت یہ لوگ گوسالہ پرستوں سے کنارہ کش نہ ہوئے تھے (انہی کی معاشرت میں گھلے ملے رہتے تھے) نہ بھلائی کا حکم دیا نہ برائی سے روکا تھا اسی جرم کی وجہ سے عذاب رجفہ میں پکڑے گئے۔

حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کی ندامت و توبہ کے بعد جب حضرت موسیٰ کا غصہ فرو ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ
اور لکھدے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور
فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ
آخرت میں ہم نے رجوع کیا تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا ہوں
اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ
میں اُس کو جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے
كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ
ہر چیز کو سو اُسکو لکھ دونگا اُنکے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں
الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾
زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء اور جواب:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "شاید حضرت موسیٰ نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی، مراد یہ تھی کہ سب امتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں، جواباً خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب و رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں، سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمتِ عامہ سب مخلوق کو شامل ہے لیکن وہ رحمتِ خاص جس کو تم طلب کر رہے ہو، لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی آخری امت کہ سب کتابوں پر ایمان لاوے گی، سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دعا ان کو لگی"۔ (تفسیر عثمانی)

رحمت کے وسیع ہونے کا معنیٰ:

استادِ محترم حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وسعتِ رحمت

کے یہ معنی ہیں کہ رحمت کا دائرہ کسی سے تنگ نہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر چیز مرحوم ہے جیسا ابلیس ملعون نے کہا کہ میں بھی ایک شئ ہوں اور ہر شئ مرحوم ہے لہٰذا میں بھی مرحوم ہوں، قرآن کریم کے الفاظ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ ہر شئ پر رحمت کی جائے گی بلکہ یہ فرمایا کہ صفتِ رحمت تنگ نہیں وسیع ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمانا چاہیں فرماسکتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں:

کہتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا، اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا، پھر حضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنی اونٹنی کھولی، اس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا کہ اے خدا مجھ پر اور محمدؐ پر اپنی رحمت کر، ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ بنا۔ تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، بتاؤ تو یہ زیادہ گمراہ اور بے وقوف ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا جو اس نے کہا؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، اس کی بڑی وسیع رحمت ہے، اس نے رحمت کے سو حصے کئے ہیں ایک حصہ ساری خلقت پر تقسیم کیا ہے۔ جن وانس و بہائم سب کو اسی ایک میں سے حصہ ملا ہے اور باقی ننانوے حصے اپنے لئے خاص رکھے ہیں اب تمہیں بتاؤ کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ بے وقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا، اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کا برتاؤ کرتی ہے، اسی سے حیوان اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا، اور بروز قیامت اسی حصے کے ساتھ اور ننانوے حصے جو مؤخر ہیں ملا دیئے جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیطان رحمت سے مایوس ہے:

حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ جب آیت ورحمتی وسعت کل شیء نازل ہوئی تو ابلیس نے کہا کہ میں اس رحمت میں داخل ہوں، لیکن بعد کے جملوں میں بتلادیا کہ رحمت آخرت ایمان وغیرہ کی شرائط کے ساتھ مشروط ہے، اس کو سن کر ابلیس مایوس ہوگیا۔

یہود ونصاریٰ بھی محروم ہوگئے:

مگر یہود ونصاریٰ نے دعویٰ کیا کہ ہم میں تو یہ صفات بھی موجود ہیں، یعنی تقویٰ، اداءِ زکوٰۃ اور ایمان، مگر اس کے بعد جو شرط نبی امیؐ پر ایمان لانے کی بیان ہوئی تو اس سے وہ یہود ونصاریٰ نکل گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے

نبی اُمی:

''امی'' یا تو ''ام'' (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے، جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم ومعارف اور حقائق واسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا، کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کرسکے۔ پس ''نبی امی'' کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اور یا ''امی'' کی نسبت ''ام القریٰ'' کی طرف ہو جو ''مکہ معظمہ'' کا لقب ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد شریف تھا۔ (تفسیر عثمانی)

منکر جنت میں نہ جاسکے گا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا، انکار کس نے کیا (امت میں منکر کون ہوسکتا ہے) فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (رواہ البخاری)

قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی امی کے لقب سے پکارا جائے گا

ابن حبان نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر نبی کے لئے نور کا ایک منبر ہوگا اور میں سب سے اونچے اور سب سے زیادہ نور والے منبر پر متمکن ہوں گا کہ ایک منادی ندا دے گا نبی امی کہاں ہے۔ انبیاء کہیں گے ہم میں سے ہر ایک نبی امی ہے (یعنی امت والا ہے) پھر کس کے پاس پیام آیا ہے۔ منادی دوبارہ لوٹ کر آئے گا اور کہے گا نبی امی عربی کہاں ہے۔ اس پر محمدؐ (منبر سے) اتر کر آئے گا اور جنت کے دروازہ پر پہنچ کر دروازہ کھٹ کھٹائے گا۔ دریافت کیا جائے گا کون ہے۔ جواب ملے گا محمدؐ اور احمدؐ۔ دریافت کیا جائے گا کیا بلایا گیا تھا جواب ملے گا ہاں۔ دروازہ کھول دیا جائے گا اور رب جلوہ انداز ہوگا۔ اس سے پہلے جلوہ انداز نہ ہوگا۔ تجلی پڑتے ہی محمدؐ سجدہ میں گر پڑے گا اور اس طرح سے اللہ کی حمد کرے گا کہ کسی نے نہ کی ہوگی۔ حکم ہوگا سر اٹھا بات کر اور

شفاعت کر۔ تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امی کا لفظ امت کی طرف منسوب ہے۔ اسی لئے ہر پیغمبر اپنے کو امی کہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ امی کی خصوصیت اس لئے ہو گئی کہ آپ کی امت ہر پیغمبر کی امت سے زیادہ ہے (بڑی امت والا)

یہودی مسلمان ہوگیا:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ فلاں یہودی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ اشرفیاں قرض تھیں۔ اس نے حضورؐ پر تقاضا کیا۔ حضورؐ نے فرمایا میرے پاس (اس وقت) کچھ نہیں ہے میں دے سکوں۔ یہودی بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک دے نہ دو گے میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا۔ چنانچہ آپؐ اس کے پاس بیٹھ گئے اور (وہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں۔ صحابہ کرام یہودی کو دھمکانے لگے اور کچھ وعدے کرنے لگے۔ صحابہؓ کی حرکت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے (ہم سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے حق تلفی کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ کسی معاہد کی ہو غیر معاہد کی۔ جب دن چڑھ گیا تو (اچانک) یہودی بولا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ بلاشبہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میرا آدھا مال اللہ کے لئے (وقف) ہے۔ خدا کی قسم میں نے جو معاملہ آپؐ کے ساتھ کیا وہ صرف اس وجہ سے کیا کہ میں نے توریت میں دیکھا تھا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور طیبہ اس کا مقام ہجرت ہوگا۔ اس کی حکومت شام میں ہوگی وہ بدخو درشت مزاج نہ ہوگا۔ بازاروں میں چیخ و پکار نہ کرے گا فحش کلام اور بے حیائی کی باتیں نہیں کرے گا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ میرا مال موجود ہے آپ جیسا مناسب ہو اس میں تصرف کریں۔

یہ یہودی بڑا مالدار تھا۔ مذکورہ بالا دونوں حدیثیں بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بیان کی ہیں۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف:

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں اور (یہ بھی لکھا ہے کہ) عیسیٰ ابن مریم کو ان کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔ ابوداؤد نے کہا حجرہ میں ایک قبر کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔

حضرت کعب احبار نے توریت سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہم (توریت میں) لکھا ہوا پاتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا منتخب بندہ ہوگا۔ درشت خو بدمزاج نہ ہوگا۔ بازاروں میں شور وغل نہیں کریگا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا بلکہ معاف کردے گا اور بخش دے گا۔ اس کی پیدائش مکہ میں ہجرت طیبہ میں اور حکومت شام میں ہوگی۔ اس کی امت بکثرت حمد کرنے والی ہوگی دکھ سکھ ہر حال میں اللہ کی حمد کرے گی۔ ہر فرودگاہ میں حمد کرے گی اور ہر ٹیلہ پر تکبیر کہے گی وہ لوگ سورج (کے طلوع غروب اور چڑھاؤ اتار) کو تکتے رہیں گے۔ جب نماز کا وقت آئے گا تو نمازیں پڑھیں گے وہ وضو میں ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔ ان کا موذن خلاء سماوی میں (یعنی منارہ پر چڑھ کر) اذان دے گا۔ ان کے میدان قتال کی صف بندی اور نماز کی صف بندی ایک ہی طرح ہوگی۔ رات میں ان کی (نمازوں کی) گونج ایسی ہوگی جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ رواہ البغوی فی معالم التنزیل۔ وذکرہ فی المصابیح۔ دارمی نے بھی یہ حدیث کسی قدر تغیر کے ساتھ نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی
کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس
التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ
توریت اور انجیل میں

تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور اوصاف

یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت وصفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کانٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سی بشارات واشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالۂ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

یہودی نوجوان کی گواہی:

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے میں، میں دودھ بیچنے کے لئے مدینے گیا۔ بیچ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا چلوان سے بھی (محمد ﷺ سے) مل لوں، اور ان سے کچھ باتیں سنوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ جا رہے ہیں، میں بھی پیچھے ہولیا۔ یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے جو تورات جانتا تھا۔ اس کا لڑکا قریب الموت تھا نوجوان اور خوبصورت۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تعزیت نفس کی خاطر توریت پڑھ رہا تھا۔ حضرت ﷺ اس یہودی سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ تمہیں توریت نازل کرنے والے کی قسم ہے سچ بتاؤ اس میں میرا ذکر اور میری امت کی خبر بھی ہے کہ نہیں۔ اس نے سر ہلا کر کہا "نہیں" تو اس کا قریب الموت نوجوان لڑکا بول اٹھا کہ توراۃ نازل کرنے والے کی قسم کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ کی صفت اور بعثت کی خبر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جب وہ مرگیا تو آپ نے کہا کہ یہ مسلمان ہے۔ یہودیوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ پھر آپ نے اس کے کفن اور نماز کا انتظام کیا۔ یہ حدیث جید اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں انسؓ سے مروی ہے۔

روم کے بادشاہ نے غلام بننے کی خواہش کی:

ہشام بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ہرقل شاہِ روم کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے میں اور ایک آدمی بھیجے گئے۔ ہم چلے اور غوطہ دمشق تک پہنچے، جبلہ بن ایہم الغسانی کے محل کو گئے۔ وہ صاحب تخت تھا۔ ہمارے پاس ایک سفیر کو بھیجا کہ بات کرے کہ کیا کہنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تم سے بات نہیں کریں گے۔ ہم بادشاہ سے بات کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں، اگر اس نے بلالیا تو اسی سے بات کریں گے۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ اس نے بلالیا اور کہنے لگا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو، ہشام بن العاصؓ نے اس سے گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے تھا۔ ہشام نے کہا یہ سیاہ کپڑے کیوں ہیں؟ جبلہ نے کہا میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ سیاہ لباس نہ اتاروں گا جب تک کہ تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم یہ تخت تم سے لینے والے ہیں اور ملک اعظم کا ملک بھی انشاء اللہ ہمارے قبضہ میں آجائے گا۔ ہمارے نبی ﷺ نے اس کی پیش گوئی فرمادی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہو۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں، راتوں کو نماز پڑھتے ہیں تم بتاؤ تمہارا روزہ کیسا ہے، ہم نے پوری طرح بتادیا تو گویا اس کے چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی۔ اس نے کہا اچھا جاؤ بادشاہ سے ملو، اور ہمارے ساتھ ایک رہبر کردیا۔ ہم اس کی راہنمائی میں چلے اور جب ہم شہر کے

قریب پہنچے تو ہمارے راہبر نے ہم سے کہا کہ تمہاری سواریوں اور اونٹنیوں کو لے کر شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تم چاہو تو ہم تمہارے لئے گھوڑے اور خچر مہیا کردیں۔ ہم نے کہا خدا کی قسم ہم تو انہیں پر سوار رہیں گے۔ اس نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ انہیں دوسری سواریوں پر بیٹھنے سے انکار ہے۔ بادشاہ نے اونٹنیوں پر ہی سوار آنے کی اجازت دیدی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے محل تک پہنچے۔ اپنی سواریاں وہاں بٹھادیں۔ بادشاہ اپنے محل کے بالاخانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اترتے ہی کہا لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ خدا جانتا ہے کہ ہماری آوازِ تکبیر سے سارا محل لرز اٹھا۔ گویا آندھیوں نے اس کو ہلادیا ہو۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے دین کا اس طرح مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ پھر ہمیں بلا بھیجا۔ ہم داخل دربار ہوئے، وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا اور پوپ، پادری اور عمائد سلطنت اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سرخ تھی، سارا ماحول سرخ، اس کے کپڑے سرخ۔ ہم اس کے قریب گئے، وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ تم آپس میں جس طرح سلام کرلیا کرتے ہو، مجھے کیوں نہیں کیا؟ اس کے پاس ایک فصیح الکلام عربی جاننے والا ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ یہ کہا کہ ہم باہم جو سلام کہہ لیا کرتے ہیں، وہ آپ کے سزاوار نہیں اور آپ کا جو طریقۂ ادب وسلام ہے وہ ہمارے لئے سزاوار نہیں کہ وہ طریقۂ تعظیم وکلام ہم آپ کے لئے برتیں۔ اس نے کہا تمہارا باہمی سلام کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا "السلام علیک" اس نے پوچھا تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا انہیں بھی اسی طرح۔ اس نے پوچھا کہ وہ کس طرح جواب دیتے ہیں؟ ہم نے کہا وہ بھی یہی الفاظ کہہ کر جواب دیتے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہارا امتیازی نعرہ کیا ہے؟ ہم نے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ جب ہم نے بآوازِ بلند یہ کہا تو سارا محل لرز گیا۔ حتیٰ کہ وہ گھبرا کر سر اٹھا کر دیکھنے لگا کہ چھت تو نہیں گرے گی۔ وہ کہنے لگا یہ کلمہ جو تم نے کہا جس سے مکان ہل گیا تو جب بھی تم اپنے گھروں میں کہتے ہو تو کیا تمہارے گھر بھی کانپ اٹھتے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں، ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ بجز آپ کے محل کے۔ کہا کیا اچھا ہوتا کہ جب کبھی تم لوگ یہ نعرہ لگاتے تو تمہاری ہر چیز کبھی لرز اٹھتی اور اس نعرہ کی زد سے میرا آدھا ملک مار کھا جاتا، اور آدھا رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا ایسا کیوں؟ تو کہا یہ آسان ہے اس بات سے کہ امرِ نبوت مستحکم اور قائم ہو جائے۔ پھر ہم سے آنے کی غرض پوچھی، ہم نے مقصدِ تبلیغ بتادیا۔ پوچھا تمہارا نماز روزہ کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے معلوم کرادیا۔ اس نے اب ہمیں رخصت کیا۔ ہمیں ضیافت خانے

میں ٹھہرایا، ہماری مہمانی کی۔ ہم وہاں تین دن ٹھہرے، پھر ایک رات ہمیں بلا بھیجا۔ ہم گئے پھر ہم سے دریافت کیا، پھر ہم نے اپنا مقصد دہرایا۔ اب اس نے ایک بہت بڑی چیز سونے چاندی سے جڑاؤ منگوائی، اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے اس میں دروازے لگے ہوئے تھے اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کی تصویر تھی جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں، موٹی رانیں لمبی اور گھنی ڈاڑھی، سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت اور لمبے۔ کہنے لگا کیا اس کو جانتے ہو۔ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگا، یہ آدمؑ ہیں ان کے جسم کے پر بہت بال تھے، پھر اور ایک ڈبے کا قفل کھولا۔ اس میں سے بھی ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک گورے رنگ کے آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گھونگھر والے بال، سرخ آنکھیں، بڑا سا سر، خوبصورت ڈاڑھی، کہنے لگا یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک ڈبے میں سے ایک اور تصویر نکالی۔ بہت ہی گورا رنگ خوبصورت سی آنکھیں، کشادہ پیشانی، کھڑا چہرہ، سفید ڈاڑھی، ہنس مکھ صورت۔ کہا جانتے ہو کہ کون ہیں؟ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور ڈبہ کھولا۔ ایک روشن اور گورے رنگ کی تصویر تھی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ پوچھا کیا انہیں جانتے ہو، ہم نے کہا ہاں، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تصویر دیکھ کر ہم پر رقت طاری ہوگئی۔ وہی کہنے لگا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم کیا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں اس تصویر کو دیکھ کر تم یہ سمجھ لو کہ آپ ہی کو دیکھا ہے۔ پھر کچھ دیر تک اس صورت کو گھورتا رہا۔ پھر کہا، یہ آخری ڈبہ تھا۔ لیکن میں نے اس کو سب کے آخر میں بتانے کے بجائے دوسرے ڈبے چھوڑ کر درمیان میں بتادیا تاکہ تمہاری سچائی کا امتحان کروں۔ پھر اور ایک نکالی جو گندم گوں اور نرم صورت تھی۔ گھونگھریالے بال، گڑی ہوئی آنکھیں، تیز نظر، غصیلا چہرہ، جڑے ہوئے دانت، موٹے ہونٹ۔ کہنے لگا یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے متصل ایک اور تصویر تھی شکل وصورت میں اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ مگر یہ کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا کنگھی کی ہوئی، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی۔ کہنے لگا یہ ہارون بن عمران ہیں۔ پھر ایک ڈبہ میں سے ایک تصویر نکالی، گندمی رنگ، میانہ قامت، سیدھے بالوں والا۔ چہرے سے رنج وغضب آشکار۔ کہنے لگا یہ لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا۔ ایک سنہرے رنگ کا آدمی جس کا قد طویل نہ تھا، رخسار ہلکے تھے چہرہ خوبصورت تھا۔ کہا یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا اس میں سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا اس کی شکل اسحٰق کی تصویر سے بہت مشابہ تھی مگر اس کے ہونٹ پر تل تھا۔ کہا یہ یعقوبؑ ہیں پھر ایک سیاہ کپڑے پر کی تصویر بتائی۔ گورا رنگ بہت خوبصورت چہرہ، چہرے پر نور اور اخلاص وخشوع کے آثار نمایاں، رنگ سرخی مائل، کہا یہ اسمٰعیل ہیں۔ پھر اور ایک ڈبے میں سے سفید ریشمی کپڑا نکالا، جس کے اندر کی تصویر آدم علیہ السلام کی تصویر سے ملتی جلتی تھی، چہرے پر آفتاب چمک رہا تھا۔ کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ سرخ رنگ، بھری پنڈلیاں، بڑی آنکھیں، بڑا پیٹ، ٹھگنا قد، شمشیر آویزاں۔ کہا یہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ موٹی رانیں، لمبے پاؤں، گھوڑے پر سوار، کہا یہ سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور تصویر نکالی، جوان، سیاہ ڈاڑھی، گھنے بال، خوبصورت آنکھیں، خوبصورت چہرہ، کہا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے کہا یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ تصویریں ضرور انبیاءؑ کی ہونگی کیونکہ ہم نے اپنے نبی کی تصویر بھی صحیح پائی ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آدم علیہ السلام نے خدا سے سوال کیا تھا کہ میری انبیاءؑ اولاد کو مجھے بتا تو اللہ نے ان انبیاء کی تصویریں حضرت آدمؑ کو دیں، اس کو آدمؑ نے مغربی ملک میں محفوظ رکھ دیا تھا ذوالقرنین نے اس کو نکالا اور دانیال علیہ السلام کے سپرد کیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اپنا ملک چھوڑ دوں اور تم میں سے کسی کمترین کا غلام ہو رہوں، حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

اب ہمیں رخصت کر دیا، انعام واکرام دیا، جانے کے انتظامات کر دیئے۔ جب ہم ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ آبدیدہ ہوگئے اور کہا اگر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیتا تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہود اپنی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پاتے ہیں۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی:

عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ سے میں نے ملاقات کی اور توریت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیش گوئی کو دریافت کیا، تو کہا ہاں خدا کی قسم توریت میں بھی آپ کا ایسا ہی ذکر ہے جیسے قرآن میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تم کو امت کا گواہ بنادیا اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور عوام کا پشت پناہ بنایا ہے۔ تم میرے بندے اور رسول ہو تمہارا نام متوکل ہے، تم نہ سخت گیر ہو نہ سنگ دل، تم کو

اس وقت تک اللہ تعالیٰ نہ بلائے گا جب تک کہ اس غلط راہ چلنے والی قوم کو تم سیدھا نہ کرلو، اور جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ان کے دلوں سے پردے نہ اٹھ جائیں اور کان سننے اور آنکھیں دیکھنے نہ لگیں۔ پھر عطاءؒ کی ملاقات حضرت کعبؓ سے ہوئی تو یہی سوال ان سے کیا تو بیان میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہ پایا سوا اس کے کہ وہ اپنی زبان میں غلفا کو غلوفیا اور صما کو صمومیا اور عمیاً کو عمومیاً کہتے تھے۔ لیکن یہ جملے بڑھا دیئے کہ وہ بازاروں میں شور وغوغا نہ کریں گے، وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہیں، درگزر کر دیتے ہیں۔ اور عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث کا ذکر کیا، پھر کہا کہ سلف کے کلام میں لفظ توراۃ کا اطلاق عموماً کتب اہل کتاب پر ہوتا ہے اور کتب احادیث میں بھی کچھ ایسا ہی وارد ہے، واللہ اعلم

ایک اہل کتاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی

جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے نکلا۔ جب میں ملک شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے ملک میں کوئی شخص نبی آیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں اس نے کہا کیا تم اس کی تصویر پہچان سکتے ہو میں نے کہا ہاں۔ تو وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جس میں تصویریں تھیں۔ مگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تصویر نہیں دیکھی۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور شخص آیا۔ اس نے کہا کیا بات ہے؟ ہم نے خبر دے دی تو وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دیکھی اور یہ بھی کہ تصویر میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے جوان کے پیچھے انہیں تھامے کھڑا ہے؟ اس نے کہا، یہ نبی تو نہیں ہے لیکن اگر ان کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن یہ ان کا جانشین ہوگا۔

مرد آہنی امیر شدید:

اقرع موذن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے ایک پادری کو بلا لانے کے لئے بھیجا۔ میں بلا لایا۔ اس سے حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا تم کتاب میں میرا بھی ذکر پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ آپ نے اپنا درہ اٹھا کر کہا قرن کیا بات؟ اس نے کہا اس سے مراد ہے "مرد آہنی امیر شدید"۔ پھر عمرؓ نے پوچھا اچھا میرے بعد: کہا ہاں تمہارا جانشین ایک مرد صالح ہوگا، لیکن وہ اپنے اہل قرابت کو بہت ترجیح دے گا۔ تو عمرؓ کہنے لگے "خدا عثمان پر رحم کرے" تین بار کہا۔ پھر کہا، اس کے بعد کون؟ کہا، پارہ آہن کی طرح ایک شخص۔ عمرؓ سمجھ گئے کہ علیؓ مراد ہیں۔ آپ نے اپنا سر پکڑ لیا اور افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا یا امیر المومنین وہ خلیفہ صالح ہے لیکن وہ اس وقت خلیفہ ہوگا جب کہ تلوار میان سے نکال لی گئی ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ نبی نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جو کتب مقدسہ میں درج ہے اور واقعی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال تھا کہ خیر کے سوا کچھ نہ کہتے اور اسی بات سے روکتے جو شر کی ہوتی۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب تم قرآن میں یہ پڑھو۔ یایھا الذین امنوا، تو کان لگا دو کہ شاید کوئی خیر کا حکم دیا جانے والا ہے یا کسی شر سے روکا جانیوالا ہے اور سب سے اہم چیز جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یہ کہ خدا کی بلا شرکت غیرے عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمام انبیاء اسی مقصد کے تحت بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم کے اندر اپنے پیغمبر بھیجے ہیں کہ عبادت صرف خدا کی کرو اور بتوں کی پرستش سے باز رہو۔

ابی اسیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جس کو تمہارے دل مان لیں تمہارے شعور اس سے نرم ہو جائیں اور تم یہ بات محسوس کرو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت سے قریب تر ہے تو یقیناً تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت اس سے قریب تر ہوگی۔ یعنی وہ میری حدیث ہو سکتی ہے اور اگر خود تمہارے دل اس حدیث کا انکار کریں اور وہ بات تمہاری ذہنیت اور شعور سے دور ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت سے دور تر ہوگی اور وہ میری ذہنیت سے دور تر ہوگی اور وہ میری حدیث نہ ہوگی۔ علیؓ سے مروی ہے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنو۔ تو اس کے بارے میں وہی گمان کرو جو زیادہ صحیح گمان ہو اور جو زیادہ مبارک ہو اور زیادہ پاکیزہ ہو۔ ارشاد باری ہے کہ "اس نے طیبات تمہارے لئے حلال کر رکھے ہیں اور خبائث حرام کر دیئے ہیں، جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وسیلہ اور حام، یہ حلال ہیں لیکن زبردستی حرام کر رکھے ہیں۔ اس سے اپنی ذات پر اور تنگی کر لی ہے اور جو خبائث اللہ تعالیٰ نے حرام کیے ہیں۔ جیسے لحم خنزیر اور ربا اور کھانے کی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی تھیں، انہیں حلال بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو حلال کر رکھی ہے اس کا کھانا بدن کو نفع بخشتا ہے دین کا مددگار ہوتا ہے اور جس کو اللہ نے حرام کر دیا وہ جسم اور دین دونوں کے لئے مضر ہے۔

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ میں کچھ تیز گفتگو ہوگئی، ابو بکرؓ نے عمرؓ کو ناراض کر دیا۔ عمرؓ رنجیدہ واپس ہوگئے، ابوبکرؓ کو احساس ہوا، اور وہ عمرؓ سے جو معافی مانگنے کے لئے ان کے پیچھے ہی گئے لیکن عمرؓ نے گھر میں آنے نہیں دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اب ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ابودرداء کہتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا، تمہارے اس ساتھی نے عمر کو غصہ دلایا۔ ہے پھر عمرؓ کو بھی صدیقؓ کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دینے پر ندامت ہوئی۔ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ سلام کر کے بیٹھ گئے اور واقعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرؓ پر غصہ آ گیا۔ ابوبکرؓ یہ کہتے ہی رہ گئے کہ "یارسول اللہ! زیادتی میری ہی طرف سے تھی۔" لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے کہ "کیا تم لوگ میرے دوست اور ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو۔ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں، تو تم کہتے تھے کہ جھوٹ کہتے ہو اور ابوبکر نے میری تصدیق کر دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں رات کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو آپ کے بعض اصحابؓ آپ کی حفاظت ونگرانی کرنے لگے۔ نماز پڑھ چکنے کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور فرمایا کہ آج کی رات پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے یہ مخصوص رعایتیں کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں دی گئیں (۱) یہ کہ میں دنیا جہان کے لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں اور اس سے پہلے کوئی رسول صرف اپنی قوم ہی کی طرف رسول ہو کر آتا رہا۔ (۲) مجھے صرف رُعب ہی سے دشمن پر نصرت حاصل ہو جاتی ہے اگر چہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینہ بھر کی مسافت کی دوری ہو، مگر اس پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔ (۳) مال غنیمت میرے اور میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجھ سے پہلے مال غنیمت کو کھانا گناہ کبیرہ تھا اس کو جلا دیا جاتا تھا۔ (۴) ساری زمین میرے لئے پاک ہے اور مسجد ہے۔ جہاں کہیں نماز کا وقت آیا اسی مٹی سے مسح کیا اور اسی مٹی پر نماز پڑھ لی۔ مجھ سے پہلے کے لوگ صرف اپنے گرجاؤں، کنیسوں اور مندروں ہی میں عبادت کرتے تھے۔ (۵) پانچویں یہ چیز کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک درخواست کی اجازت ہے مانگ لو۔ ہر نبی نے مانگ لیا، میں نے اپنا سوال یوم قیامت پر اٹھا رکھا اور وہ تمہارے لئے ہے اور قائل توحید کے لئے۔ اس کی اسناد بہت قوی اور جید ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

تورات کی عبارت:

اور امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ کعب احبارؓ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور منتخب بندے ہیں، نہ سخت مزاج ہیں نہ بیہودہ گو، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے۔ بلکہ معاف فرما دیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں، ولادت آپ کی مکہ میں اور ہجرت طیبہ میں ہوگی، ملک آپ کا شام ہوگا اور امت آپ کی حمادین ہوگی، یعنی راحت وکلفت دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر ادا کرے گی۔ ہر بلندی پر چڑھنے کے وقت وہ تکبیر کہا کرے گی۔

"وہ آفتاب کے سایوں پر نظر رکھے گی تاکہ اس کے ذریعہ اوقات کا پتہ لگا کر نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھا کرے، وہ اپنے نچلے بدن پر تہبند استعمال کریں گے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو وضوء کے ذریعہ پاک صاف رکھیں گے، ان کا اذان دینے والا فضا میں آواز بلند کرے گا، جہاد میں ان کی صفیں ایسی ہوں گی جیسے نماز جماعت میں، رات کو ان کی تلاوت اور ذکر کی آوازیں اس طرح گونجیں گی جیسے شہد کی مکھیوں کا شور ہوتا ہے۔" (مظہری)

انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات:

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت سہل مولیٰ خیثمہ سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا کہ میں نے خود انجیل میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات پڑھی ہیں کہ: "وہ نہ پست قد ہوں گے نہ بہت دراز قد، سفید رنگ دو زلفوں والے ہوں گے ان کے دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر نبوت ہوگی، صدقہ قبول نہ کریں گے، حمار اور اونٹ پر سوار ہوں گے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیا کریں گے، پیوند زدہ کرتہ استعمال فرماویں گے اور جو ایسا کرتا ہے وہ تکبر سے بری ہوتا ہے۔ وہ اسماعیل علیہ السلام کی ذریت میں ہوں گے، ان کا نام احمد ہوگا۔

تورات کے الفاظ:

اور ابن سعد نے طبقات میں، دارمی نے اپنے مسند میں، بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت نقل کی ہے، جو یہود کے سب سے بڑے عالم اور تورات کے ماہر مشہور تھے، انہوں نے فرمایا کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ مذکور ہیں "اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا ہے سب امتوں پر گواہ بنا کر اور نیک عمل کرنے والوں کو بشارت دینے والا، برے اعمال والوں کو ڈرانے والا بنا

کر اور اُمّیّین یعنی عرب کی حفاظت کرنے والا بنا کر، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے، نہ آپ سخت مزاج ہیں نہ جھگڑالو اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک وفات نہ دیں گے، جب تک ان کے ذریعہ ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور اندھی آنکھوں کو کھول دیں، اور بہرے کانوں کو سننے کے قابل بنا دیں اور بندھے ہوئے دلوں کو کھول دیں"۔

اس جیسی ایک روایت بخاری میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بھی مذکور ہے۔

زبور کی پیش گوئی:

اور کتبِ سابقہ کے بڑے ماہر عالم حضرت وہب بن منبہ سے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اے داؤد! آپ کے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا، میں ان پر کبھی ناراض نہ ہونگا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہ کریں گے اور میں نے ان کے لئے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی امت امتِ مرحومہ ہے، میں نے ان کو وہ نوافل دیئے ہیں جو انبیاء کو عطا کی تھیں اور ان پر وہ فرائض عائد کئے ہیں جو پچھلے انبیاء پر لازم کئے گئے تھے، یہانتک کہ وہ محشر میں میرے سامنے اس حالت میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء علیہم السلام کے نور کی مانند ہوگا، اے داؤد میں نے محمدؐ اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ چیزیں خصوصی طور پر عطا کی ہیں جو دوسری امتوں کو نہیں دی گئیں۔ اول یہ کہ خطا و نسیان پر ان کو عذاب نہ ہوگا، جو گناہ ان سے بغیر قصد کے صادر ہو جائے اگر وہ اس کی مغفرت مجھ سے طلب کریں تو میں معاف کر دوں گا، اور جو مال وہ اللہ کی راہ میں بطیبِ خاطر خرچ کریں گے تو میں دنیا ہی میں ان کو اس سے بہت زیادہ دے دوں گا، اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہیں تو میں ان پر اس مصیبت کو صلوٰۃ و رحمت اور جنت کی طرف ہدایت بنا دوں گا۔ وہ جو دعا کریں گے میں قبول کروں گا، کبھی اس طرح کہ جو مانگا ہے وہی دے دوں اور کبھی اس طرح کہ اس دعا کو ان کی آخرت کا سامان بنا دوں"۔ (روح المعانی)

سینکڑوں میں سے یہ چند روایات تورات و انجیل، زبور کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں پوری روایات کو محدثین نے مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اظہار الحق میں اس کو بڑے شرح و بسط اور تفصیل و تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ
وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے
الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ
برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا
عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ
وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ
اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں

یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں انکی شرارتوں کیوجہ سے تنگی تھی فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ احلت لهم (نساء رکوع ۲۲) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں۔ اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر، یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ، انہوں نے حلال کر رکھی تھیں۔ ان کی حرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائی۔ غرض ان سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیئے اور بہت سی قیدیں اٹھا دی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا،" بعثت بالحنيفية السبحة "۔ (تفسیر عثمانی)

قید اور بوجھ کا مطلب:

قتادہ کے نزدیک وہ دینی تشدد مراد ہے جس کے بنی اسرائیل مکلف تھے۔ والْاَغْلٰلَ یعنی وزنی بار جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھے جیسے توبہ قبول ہونے کے لئے قتل کئے جانے کا ضروری حکم۔ گناہ کرنے والے عضو کو کاٹ ڈالنے کا حکم، کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اس کو قینچی سے قطع کر دینے کا حکم۔ قتل عمداً ہو یا خطاءً بہرحال قصاص کا وجوبی حکم اور خون بہا لینے دینے کی ممانعت، سنیچر کے دن کوئی دنیوی کام نہ کرنے کا حکم، گرجا کے علاوہ کہیں اور کسی جگہ نماز کی ادائیگی نہ ہونے کا حکم یہ اور اسی طرح کے دوسرے سخت احکام تھے جو طوق کی طرح یہودیوں کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اصر اور اغلال یعنی بارِ گراں اور قید سے مراد اس آیت میں وہ احکام شاقہ اور دشوار واجبات ہیں جو اصل دین میں مقصود نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل پر بطور سزا کے لازم کر دیئے گئے تھے، مثلاً کپڑا ناپاک ہو جائے تو پانی سے دھو دینا بنی اسرائیل کے لئے کافی نہ تھا بلکہ یہ واجب تھا کہ جس جگہ نجاست لگی ہے اس کو کاٹ دیا جائے، اور کفار سے جہاد کر کے جو مال غنیمت ان کو ہاتھ آئے، ان کے لئے حلال نہیں تھا بلکہ آسمان سے ایک آگ آ کر اس کو جلا دیتی تھی، ہفتہ کے دن شکار کھیلنا ان کے لئے حرام تھا، جن اعضاء سے کوئی گناہ صادر ہو ان اعضاء کو کاٹ دینا واجب تھا، کسی کا قتل خواہ عمداً ہو یا خطاء دونوں صورتوں میں قصاص یعنی قاتل کا قتل کرنا واجب تھا، خون بہاء دینے کا قانون نہ تھا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور تابع

النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ

ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اُترا ہے

نور سے مراد وحی ہے متلو ہو یا غیر متلو یعنی قرآن وسنت۔ (تفسیر عثمانی)

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت واطاعت کریں گے کامیاب ہوں گے

مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کے ساتھ آپ کی تائید وحمایت اور مخالفین کے مقابلہ میں آپ کی مدد کریں وہ مکمل فلاح پانے والے ہیں، زمانہ نبوت میں تو یہ تائید ونصرت آپ کی ذات کے ساتھ متعلق تھی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی شریعت اور آپ کے دین کی تائید ونصرت ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ونصرت کا مصداق ہے۔

قرآن کریم نور ہے:

قرآن کریم کو اس آیت میں نور سے تعبیر کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ جس طرح نور نور ہونے پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، نور خود اپنے وجود کی دلیل ہوتا ہے، اسی طرح قرآن کریم خود اپنے کلام ربانی اور کلام حق ہونے کی دلیل ہے کہ ایک امی محض کی زبان سے ایسا اعلیٰ وابلغ کلام آیا جس کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز ہو گئی، یہ خود قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ نیز جس طرح نور خود بھی روشن ہوتا ہے اور دوسری اندھیریوں میں بھی اجالا کر دیتا ہے اسی طرح قرآن کریم نے اندھیریوں میں پھنسی ہوئی دنیا کو تاریکیوں سے نکالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کاملیت:

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب شانیں درجۂ کمال میں پائی جاتی ہیں اس لئے امت پر لازم ہے کہ ہر شان کا حق ادا کریں، بحیثیت رسول کے ان پر ایمان لائیں، بحیثیت امیر وحاکم کے ان کے احکام کی پیروی کریں، بحیثیت محبوب ہونے کے ان کے ساتھ گہری محبت رکھیں اور بحیثیت کمالات نبوت ان کی تعظیم وتکریم بجالائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع تو امت پر فرض ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ انبیاء کے بھیجنے کا مقصد ہی اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا، لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ امت پر آپ کی تعظیم وتوقیر اور احترام وادب بھی لازم قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا اس کے آداب سکھائے گئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کا ادب:

حضرت سہل بن عبداللہ نے اس آیت کے معنی یہ بتلائے ہیں کہ آپ سے پہلے نہ بولیں اور جب آپ کلام کریں تو سب خاموش ہو کر سنیں۔

ایک آیت قرآن میں اس کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کے وقت ادب کا لحاظ رکھیں اس طرح نہ پکاریں، جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا آخر آیت میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس کے خلاف کوئی کام بے ادبی کا کیا گیا تو سارے اعمال حبط اور برباد ہو جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط:

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باوجودیکہ ہر وقت، ہر حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک کار رہتے تھے اور ایسی حالت میں احترام وتعظیم کے آداب ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن ان کا یہ حال تھا کہ آیت مذکورہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرتے تو اس طرح بولتے تھے جیسے کوئی پوشیدہ بات آہستہ کہا کرتا ہے، یہی حال حضرت فاروق اعظمؓ کا تھا۔ (شفاء)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ گھر تشریف فرما ہوتے تھے تو صحابہ کرامؓ باہر سے آواز دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

بلانا بے ادبی سمجھتے تھے دروازہ پر دستک بھی صف ناخن سے دیتے تھے تاکہ زیادہ کھڑکا اور شور نہ ہو۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مجھے دنیا میں محبوب نہ تھا اور میرا یہ حال تھا کہ میں آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکتا تھا، اور اگر کوئی مجھ سے آپکا حلیہ مبارک دریافت کرے تو میں بیان کرنے پر اس لئے قادر نہیں کہ میں نے کبھی آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں۔

ترمذی نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ مجلس صحابہؓ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے تو سب نیچی نظریں کر کے بیٹھتے تھے، صرف صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ آپ کی طرف نظر کرتے اور آپ ان کی طرف نظر فرما کر تبسم فرماتے تھے۔

عروہ بن مسعود کے تأثرات:

عروہ بن مسعود کو اہل مکہ نے جاسوس بنا کر مسلمانوں کا حال معلوم کرنے کے لئے مدینہ بھیجا اس نے صحابہ کرام کو پروانہ وار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گرتا اور فدا ہوتا ہوا دیکھ کر واپسی میں یہ رپورٹ دی کہ میں نے کسریٰ و قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں اور ملک نجاشی سے بھی ملا ہوں مگر جو حال میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا وہ کہیں نہیں دیکھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ ان کے مقابلہ میں ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ
وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو تو کہہ اے لوگو میں
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ
رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے
مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ
آسمانوں اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہی
يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ
جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی
الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ
امی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اسکے سب کلاموں پر

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۸﴾
اور اسکی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دنیا اور قیامت تک کیلئے ہے

یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ اس کے رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ یہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مترادف ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ختم نبوت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام عالم کیلئے تا قیامت ہے، اسی لئے آپ پر نبوت ختم ہے۔

یہی اصلی راز ہے مسئلہ ختم نبوت کا، کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک آنے والی سب نسلوں کے لئے عام ہے تو پھر کسی دوسرے رسول اور نبی کے مبعوث ہونے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، اور یہی راز ہے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا کہ اس میں ارشاد نبوی کے مطابق ہمیشہ ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو دین میں پیدا ہونے والے سارے فتنوں کا مقابلہ اور دینی معاملات میں پیدا ہونے والے سارے رخنوں کا انسداد کرتی رہے گی، کتاب و سنت کی تعبیر و تفسیر میں جو غلطیاں رائج ہوں گی یہ جماعت ان کو بھی دور کرے گی اور حق تعالیٰ کی خاص نصرت و امداد اس جماعت کو حاصل ہو گی جس کے سبب یہ سب پر غالب آ کر رہے گی، کیونکہ درحقیقت یہ جماعت ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت ادا کرنے میں آپ کی قائم مقام ہو گی۔

ہر دور میں سچوں کی جماعت ہو گی:

امام رازیؒ نے آیت وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ کے تحت میں بتلایا ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اس امت میں صادقین کی ایک جماعت ضرور باقی رہے گی ورنہ دنیا کو صادقین کی معیت و صحبت کا حکم ہی نہ ہوتا اور اسی سے امام رازیؒ نے ہر دور میں اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا ثابت کیا ہے، کیونکہ صادقین کی جماعت کے موجود ہوتے ہوئے کسی غلط

بات یا گمراہی پر سب کا اجماع و اتفاق نہیں ہو سکتا۔

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری پیغمبر ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب آپ کی بعثت ورسالت قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پورے عالم کے لئے عام ہوئی تو اب کسی دوسرے جدید نبی و رسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسی لئے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ بھی اپنی جگہ اپنی نبوت پر برقرار ہونے کے باوجود شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں گے، جیسا کہ صحیح روایات حدیث سے ثابت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عنایت کی ہیں جو کسی اور نبی کو عنایت نہیں فرمائیں

۱- ہر نبی خاص اپنی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جاتا تھا مجھ کو اللہ نے ہر سیاہ و سفید یعنی عرب و عجم کے لئے بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۲- مجھ پر نبوت ختم ہوگئی یعنی میرے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام جو اخیر زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگے ان کو منصب نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے مل چکا ہے۔ ان کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں۔

۳- مجھ کو شفاعت کا مقام عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین کیلئے شفاعت کروں گا۔

۴- میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئیں مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کی گئیں۔

۵- تمام روئے زمین میرے لئے پاک اور موضع صلاۃ قرار دیدی گئی میری امت کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے۔

۶- ایک مہینہ کی راہ کے فاصلہ پر میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا۔

۷- اور مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے ایسے یعنی کلمات کہ جن کے لفظ تو بہت تھوڑے اور معنی بہت یہ مضمون بخاری اور مسلم کی روایتوں سے ثابت ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی فضیلت:

نیز امام احمد کی ایک روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرا مبعوث ہونا سنے خواہ وہ میری امت میں ہو یا یہودی نصرانی ہو اگر وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے گا تو جہنم میں جائے گا۔

اور صحیح بخاری میں اسی آیت کے تحت میں بروایت ابو درداءؓ نقل کیا ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر چلے گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ان کو منانے کے لئے چلے مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانے، یہاں تک کہ اپنے گھر میں پہنچ کر دروازہ بند کر لیا، مجبوراً صدیق اکبرؓ واپس ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ادھر کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور یہ بھی گھر سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنا واقعہ عرض کیا، ابو الدرداءؓ کا بیان ہے۔ کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے، جب صدیق اکبرؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ پر عتاب ہونے لگا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ قصور میرا ہی تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ میرے ایک ساتھی کو اپنی ایذاؤں سے چھوڑ دو، کیا تم نہیں جانتے کہ جب میں نے باذن خداوندی یہ کہا کہ:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

تو تم سب نے مجھے جھٹلایا صرف ابو بکرؓ ہی تھے جنہوں نے پہلی بار میری تصدیق کی۔

اللہ کے کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتابیں تورات، انجیل، قرآن وغیرہ ہیں، ایمان کے حکم کے بعد پھر اتباع کا مزید حکم دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ محض ایمان لانا یا زبانی تصدیق کرنا آپ کی شریعت کا اتباع کرنے کے بغیر ہدایت کے لئے کافی نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے کل راستے بند ہیں بجز اس راستہ کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں کے لئے بلکہ جنات کے لئے بھی تھی باقی انبیاء کو صرف اپنی اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے چھ باتوں کی وجہ سے انبیاء پر برتری عطا فرمائی گئی۔ مجھے جامع الفاظ عطا کئے گئے (یعنی کثیر معانی کو ادا کرنے والے مختصر ترین الفاظ بولنے کا ملکہ عطا کیا گیا) میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی، (دشمنوں پر دور دور تک میرا رعب ڈالا گیا) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، میرے لئے (تمام) زمین کو

عبادت گاہ بنادیا گیا اور پاک کردیا گیا، مجھے سب مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا مجھ پر نبوت ختم کردی گئی۔ رواہ مسلم والترمذی عن ابی ہریرۃ

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ
اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی
وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾
کے موافق انصاف کرتے ہیں

بعض حق پرست یہودی:

گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کررہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں، جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذات خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

اور ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ نے اس جگہ ایک عجیب حکایت نقل کی ہے کہ اس جماعت سے وہ جماعت مراد ہے جو بنی اسرائیل کی گمراہی اور بداعمالیوں، قتل انبیاء وغیرہ سے تنگ آ کر ان سے الگ ہوگئی تھی، بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جنہوں نے اپنی قوم سے تنگ آ کر یہ دعا کی کہ یا اللہ ہمیں ان لوگوں سے دور کہیں اور بسا دیجئے تا کہ ہم اپنے دین پر پختگی سے عمل کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ڈیڑھ سال کی مسافت پر مشرق بعید کی کسی زمین میں پہنچا دیا جہاں وہ خالص عبادت میں مشغول رہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد بھی نیرنگ قدرت سے ان کے مسلمان ہونے کا یہ سامان ہوا کہ شب معراج میں جبرئیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف لے گئے وہ لوگ آپ پر ایمان لائے آپ نے ان کو کچھ قرآن کی سورتیں پڑھائیں اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس ناپ تول کا کچھ انتظام ہے اور تم لوگوں کے معاش کا کیا سامان ہے؟ جواب دیا کہ ہم زمین میں غلہ بوتے ہیں جب تیار ہو جاتا ہے کاٹ کر وہیں ڈھیر لگا دیتے ہیں ہر شخص کو جتنی ضرورت ہوتی ہے وہاں سے لے آتا ہے، ناپنے تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی شخص جھوٹ بھی بولتا ہے؟ عرض کیا کہ نہیں؟ کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو فوراً ایک آگ آ کر اسے جلا دیتی ہے، آپ نے دریافت کیا کہ تم سب کے مکانات بالکل یکساں کیوں ہیں؟ عرض کیا اس لئے کہ کسی کو کسی پر بڑائی جتلانے کا موقع نہ ملے، پھر دریافت کیا کہ تم نے اپنے مکانات کے سامنے اپنی قبریں کیوں بنا رکھی ہیں؟ عرض کیا تا کہ ہمیں موت ہر وقت مستحضر رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس مکہ تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَقَطَّعْنَٰهُمُ ٱثْنَتَىْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ
اور جدا جدا کر دیئے ہم نے انکو بارہ دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں

بارہ قبیلے: یعنی اصلاح وانتظام کے لئے ان کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی الگ الگ کردی گئی تھیں، پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرما دیا جو اس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ ٱثْنَىْ عَشَرَ نَقِيبًا ۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ إِذِ ٱسْتَسْقَىٰهُ قَوْمُهُۥٓ
اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے
أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْحَجَرَ ۖ فَٱنۢبَجَسَتْ
کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر تو پھوٹ نکلے
مِنْهُ ٱثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ
اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے
أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلْغَمَٰمَ
اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا
وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلْمَنَّ وَٱلسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا۟
اور اتارا ہم نے ان پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری
مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن
چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن
كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ
اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب حکم ہوا
ٱسْكُنُوا۟ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ
ان کو کہ بسو اس شہر میں

اس شہر سے مراد اکثر نے ''اریحاء لیا ہے۔

وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا

اور کھاؤ اُس میں جہاں سے چاہو اور کہو

حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

ہم کو بخش دے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دینگے ہم

لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دینگے ہم نیکی کرنیوالوں کو☆

یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا۔ آگے سارا ملک ملے گا۔ کذافی الموضح۔

یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکوکاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے۔ کذافی عامۃ الکتب۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ

سو بدل ڈالا ظالموں نے اُن میں سے دوسرا لفظ اُسکے سوا

الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

جو اُن سے کہہ دیا گیا تھا پھر بھیجا ہم نے اُن پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

عذاب آسمان سے بسبب اُن کی شرارت کے☆

یہ واقعات ''وادی تیہ'' کے ہیں۔ جن کا بیان سورۂ ''بقرہ'' ربع پارۂ الم کے بعد گذر چکا وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔

وَسْـــَٔـلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

اور پوچھ اُن سے حال اُس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے☆

شہر ''ایلہ'' والوں کا حال:

یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے شہر ''ایلہ'' مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا وہاں کے لوگ دریا کے قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ

جب حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم میں جب آنے لگیں اُن کے

حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے اُوپر اور جس دن

يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ

ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح

نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ہم نے اُنکو آزمایا اسلئے کہ وہ نافرمان تھے ☆

ہفتہ کو مچھلی کی ممانعت:

حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان ایلہ کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اوپر تیرتی تھیں۔ باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے، جب ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے حوض میں آ جاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تا کہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بندر بنا دیئے گئے اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اللہ کے حکم کی نافرمانی:

روایت میں آیا ہے کہ شیطان نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اللہ نے سنیچر کے دن شکار کرنے سے منع نہیں کیا ہے کھانے سے منع کیا ہے اس لئے وہ شکار کرنے لگے یا یہ وسوسہ پیدا کیا کہ مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کی ہے لہٰذا انہوں نے لب ساحل بڑے بڑے حوض کھود لئے جن کے اندر سمندر سے پانی کے ساتھ سنیچر کے دن مچھلیاں آ جاتی تھیں اور اتوار کے دن لوگ ان کو پکڑ لیتے تھے ایسی حرکت بہت دنوں تک کرتے رہے پھر سنیچر کے دن بھی شکار کرنے کی جرأت کرنے لگے اور بولے ہمارے خیال میں اب سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا بھی ہمارے لئے حلال کر دیا گیا ہے چنانچہ اس خیال کے بعد وہ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنے بھی لگے اور خرید و فروخت بھی

کرنے لگے اور کھانے بھی لگے۔ ایک تہائی آدمی تو اس نافرمانی میں مبتلا ہو گئے مگر ایک تہائی آدمیوں نے ان کو روکا اور باز داشت کی باقی ایک تہائی نے نہ تو جرم میں شرکت کی نہ ممانعت کی خاموش رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ
اور جب بولا ان میں سے ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان
قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
لوگوں کو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے
شَدِيْدًا ؕ
سخت

شہر والوں کے مختلف گروہ:

معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر منقسم ہو گئے۔ جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور ان کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ جو نہ تو اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لئے زبان کھولی، بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ موخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہوگا کہ ان متمردین کے ساتھ کیوں مغز زنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
وہ بولے الزام اتارنے کی غرض سے تمہارے رب کے آگے اور اس لئے کہ شاید وہ ڈریں

نیک لوگوں کی کوشش:

یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آ جائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ ناصحین اول تو بالکلیہ مایوس نہ تھے دوسرے "عزیمت" پر عمل کر رہے تھے کہ مایوسی کے باوجود بھی ان کا تعاقب نہیں چھوڑتے تھے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ
پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو ان کو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو
عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو
بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾
برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے

نافرمانوں پر عذاب:

یعنی جب ان نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سنا ہی نہیں، تو ہم نے ناصحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ کا عموم الفاظ دلالت کرتا ہے کہ جو نصیحت سے تھک کر لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا الخ کہنے لگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ و نصیحت کا جاری رکھا۔ ان دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہ ہی عکرمہ سے منقول ہے۔ اور ابن عباسؓ نے ان کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اول سے آخر تک بالکل ساکت رہے، خدا نے بھی ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیر نے خوب لکھا ہے۔ فنص علی نجاة الناهين وهلاك الظالمين وسكت عن الساكتين لان الجزاء من جنس العمل فهم لا يستحقون مدحاً فيمدحوا ولا ارتكبوا عظيماً فيذموا (ابن کثیر ص ۵۷۶) ورجح بعد ذلک قول عکرمة واللہ اعلم۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا
پھر جب بڑھنے لگے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو
قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾
ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل

سب بندر بن گئے:

شاید پہلے کچھ اور عذاب آیا ہوگا، جب بالکل حد سے گذر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے۔ یا فلما عتوا الخ کو گذشتہ آیت فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الخ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ "عذاب

بنیس" یہ ہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "منع کرنیوالوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اٹھائی، ایک دن صبح کو اٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی، دیوار پر سے دیکھا، ہر گھر میں بندر تھے۔ وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر برے حال سے تین دن میں مر گئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے:

عکرمہؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کے پاس آیا وہ آبدیدہ تھے اور مصحف ان کی گود میں تھا۔ میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا، قرآن کے یہ ورق رلا رہے ہیں۔ سورۂ اعراف زیر تلاوت تھی، کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی، ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پٹے رہتے تھے۔ تروتازہ موٹی اور عمدہ بہ کثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ حکم خدا کی عظمت کرتے رہے اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ قیاس ڈال دیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے دوسرے روز کھا لینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا۔ لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے۔ ان کی سیدھی طرف روکنے والی جماعت تھی جو ان سے الگ رہی، اور بائیں طرف دوسری جماعت جس نے خاموشی اختیار کر لی۔ سیدھی جانب والوں نے کہا "دیکھو ہم تمہیں منع کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاؤ۔" اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ "ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی قوم کو کیا نصیحت کر رہے ہو، یہ کہیں ماننے والے ہیں؟" اصحاب یمین نے کہا، خدا ہمیں معاف کرے اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتار عذاب نہ ہوں اگر وہ باز نہ آئے تو خدا معاف کرے۔ لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انہوں نے کہا اے دشمنان خدا آخر تم نے نہ مانا۔ خدا کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم کو دن بھی نہ نکلے گا یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پتھر برس پڑیں گے یا ایسا ہی کوئی اور عذاب یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب خدا سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے۔ اور یہ گناہ گار شہر کے اندر رہے، شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا۔ باہر رہنے والے صبح ہی فصیل کے دروازے پر پہنچے۔ لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ بہت کچھ کھٹکھٹایا، آوازیں دیں، لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ اب فصیل کی دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے، دیکھا کہ یہ سب بندر بنے ہوئے ہیں، ان کی لمبی لمبی دمیں ہیں۔ اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے۔ ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا۔ یہ بندر نزدیک آتے، ان کے پاؤں پر لوٹتے، تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے، تو سر ہلا کر کہتے ہاں۔ پھر ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی "جب انہوں نے نصیحت نہیں مانی تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے تو عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، میں آپ پر فدا، یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے۔ تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے۔

حیلہ کی ابتداء: کہتے ہیں کہ یہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل پر بہت دکھائی دیتیں اور جب شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا اور وہاں لگا دیا ایک بڑی سی مچھلی ہفتہ کے روز اس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گزرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑ کر اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑ آئے۔ اس سے پوچھا، اس نے انکار کیا، اور جب بہت اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر ایسا ہی کیا اور شب یکشنبہ میں اس کو بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی بو پائی تو پھر آ کر پوچھا۔ تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ کہا، تو کیا کیا کرتا ہے۔ اس نے انہیں اپنا حیلہ بتایا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلے پر عمل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ بات بہت عام ہو گئی۔ ان کا ایک شہر تھا اس کو ربض کہتے تھے۔ اس شہر کا دروازہ رات میں بند کر لیا

کرتے تھے۔ چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ انکے پڑوس کے دیہاتی جو ان کی بستی کے اطراف ہی میں رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں شہر کے اندر جاتے تھے، تو دروازے کو بند پایا، آوازیں دیں، جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے، نزدیک آرہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے، سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل ہم نے بیان کردی ہے۔ وہاں دیکھ لینا کافی ہے۔

صرف منع کرنے والے محفوظ رہے:

دوسرا قول ایک یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو، انہیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے، ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے، باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہؒ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباسؓ نے اپنے قول سے گویا رجوع کرلیا، کیونکہ انہیں انعام میں حلہ اور لباس دیا۔ اور اس قول سے تو یہ رُجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے۔ اور قول باری تعالیٰ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے تھے انہیں ضرور نجات مل گئی ہوگی۔ بئیس کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں یہ سب معنی آپس میں متقارب ہیں، واللہ اعلم۔ خاسئین کے معنی ذلیل وحقیر کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

نصیحت کرنے والوں کی علیحدگی:

روایت میں آیا ہے کہ جب واعظ ناامید ہو گئے تو خطا کاروں کے ساتھ رہنا بھی ان کو گوارا نہ ہوا اور انہوں نے بستی کو تقسیم کرلیا مسلمانوں کی آبادی کا دروازہ الگ ہو گیا اور مجرموں کی آبادی کا دروازہ الگ ہو گیا اور دونوں آبادیوں میں دیوار حائل ہو گئی اور حضرت داؤدؑ نے مجرموں کے لئے بددعا کی ایک روز صبح کو جب نیکوکار گروہ اٹھا اور بدکاروں میں سے کوئی گھر سے نہیں نکلا تو انہوں نے کہا آج ضرور ان پر کوئی افتاد ہوئی ہے چنانچہ گھروں کے اندر جا کر دیکھا تو سب بندر نظر آئے یہ لوگ اپنے قرابت داروں کو نہ پہچان سکے۔ مگر بندروں نے ان کو پہچان لیا اور پاس آکر ان کے کپڑے سونگھنے لگے روتے تھے اور ان کے آس پاس لوٹے پھرتے تھے نیک گروہ والے ان سے کہنے لگے کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے بندر جواب میں سر ہلا دیتے تھے تین روز تک اسی حال میں یہ لوگ ان کو دیکھتے اور وہ لوگوں کو تین روز کے بعد سب مر گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ

اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر کردی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا

الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو برا عذاب

یہودیوں کی غلامانہ زندگی:

یعنی خدا کی طرف سے پختہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دینگے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی۔ کبھی ''بخت نصر'' وغیرہ کے شدائد کا تختۂ مشق بنی۔ آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی باج گذار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے۔ اکثر ملوک و حکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ان کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی ومحکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کیے جائیں گے۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانیؒ)

پہلی آیت میں ان کی دو سزاؤں کا بیان ہے جو دنیا ہی میں ان پر مسلط کردی گئی ہیں اول یہ کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ ان پر کسی ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت سزا دیتا رہے اور ذلت وخواری میں مبتلا رکھے، چنانچہ اس وقت سے آج تک ہمیشہ یہود ہر جگہ مقہور ومغلوب اور محکوم رہے، آجکل کی اسرائیلی حکومت سے اس پر شبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ درحقیقت آج بھی اسرائیل کی نہ اپنی کوئی قوت ہے نہ حکومت، وہ روس اور امریکہ کی اسلام دشمن سازش کے نتیجہ میں انہیں کی ایک چھاؤنی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور آج بھی وہ بدستور

انہیں کے محکوم و مقہور ہیں، جس دن جس وقت یہ دونوں اس کی امداد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں اسی روز اسرائیل کا وجود دنیا سے ختم ہو سکتا ہے۔

یہودیوں پر ایک اور سزا:

دوسری آیت میں یہودیوں پر ایک اور سزاء کا ذکر ہے، جو اسی دنیا میں ان کو دی گئی، وہ یہ کہ ان کی آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر اور متفرق ہو گئی، کسی جگہ ایک ملک میں ان کا اجتماع نہ رہا، وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا کا یہی مطلب ہے، قطعنا، مصدر تقطیع سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور امم امۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں، ایک جماعت، یا ایک فرقہ، مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہود کی قوم کے ٹکڑے ٹکڑے زمین کے مختلف حصوں میں متفرق کر دیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کا ایک جگہ اجتماع اور اکثریت خدا تعالیٰ کا انعام و احسان ہے اور اس کا مختلف جگہوں میں منتشر ہو جانا ایک طرح کا عذاب الٰہی، مسلمانوں پر حق تعالیٰ کا یہ انعام ہمیشہ رہا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت رہے گا کہ وہ جس جگہ رہے ان کی ایک زبردست اجتماعی قوت وہاں پیدا ہو گئی، مدینہ طیبہ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور مشرق و مغرب میں اسی کیفیت کے ساتھ حیرت انگیز طریقہ پر پھیلا، مشرق بعید میں، پاکستان، انڈونیشیا وغیرہ مستقل اسلامی حکومتیں اس کے نتیجہ میں بنیں، اس کے بالمقابل یہودیوں کا حال ہمیشہ یہ رہا کہ مختلف ملکوں میں منتشر رہے، مالدار کتنے بھی ہوں مگر اقتدار و اختیار ان کے ہاتھ نہ آیا۔

اسرائیلی کی حکومت:

چند سال سے فلسطین کے ایک حصہ میں ان کے اجتماع اور مصنوعی اقتدار سے دھوکہ نہ کھایا جائے، اجتماع تو ان کا اس جگہ میں آخری زمانہ میں ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ صادق مصدوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں قرب قیامت کے لئے یہ خبر دی گئی ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، نصاریٰ سب مسلمان ہو جائیں گے اور یہودیوں سے جہاد کر کے ان کو قتل کریں گے، خدا کا مجرم وارنٹ اور پولیس کے ذریعہ پکڑ کر نہیں بلایا جاتا بلکہ وہ تکوینی اسباب ایسے جمع کر دیتے ہیں کہ مجرم اپنے پاؤں چل کر ہزاروں کوششیں کر کے اپنی قتل گاہ پر پہنچتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ملک شام دمشق میں ہونے والا ہے، یہودیوں کے ساتھ معرکہ بھی یہیں بننا ہے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کا قلع قمع کر دینا سہل ہو، قدرت نے دنیا کی پوری عمر میں تو یہودیوں کو مختلف ملکوں میں منتشر رکھ کر محکومیت اور بے قدری کا عذاب چکھایا اور آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسانی کے لئے ان کو ان کے مقتل میں جمع فرما دیا اس لئے یہ اجتماع اس عذاب کے منافی نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

یہود پر یہ عذاب مسلط کیا گیا کہ وہ ہمیشہ مقہور اور محکوم رہیں گے۔ چنانچہ ابتداء میں یہود یونانی اور کلدانی کے بادشاہوں کے محکوم رہے اور بعد میں بخت نصر کے مظالم کا تختہ مشق بنے۔ آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک مجوسیوں کے باجگزار رہے اور اب بیس سال سے جو فلسطین میں برائے نام اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہوئی ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی ہے اور اس مختصر رقبہ کے یہودی باشندے امریکہ اور برطانیہ کے سہارے سے زندہ ہیں۔ اور امریکی حکومت کے غلام ہیں۔ اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کا یہ اجتماع خروج دجال اور نزول عیسیٰ بن مریم کا پیش خیمہ ہوں کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال قوم یہود سے ہوگا اور جب وہ ظاہر ہوگا تو یہودی اس کے مددگار ہوں گے۔ اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور تمام یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں تہ تیغ کئے جائیں گے جیسا کہ یہ مضمون احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں نہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

یہودیوں کی غلامی مختلف ادوار میں:

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ سوء عذاب سے مراد ہے قتل کرنا قید کرنا جزیہ لینا۔ چنانچہ اول اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو یہودیوں پر مسلط کیا۔ پھر بخت نصر کو۔ بخت نصر نے ان کی بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جو انوں کو قتل کیا، عورتوں اور بچوں کو باندی غلام بنایا جو باقی رہے تھے ان پر ٹیکس مقرر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک مجوسیوں کو وہ ٹیکس دیتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو قتل کرایا ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا اور بنی نضیر اور بنی قینقاع کو مدینہ سے نکال دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے خیبر اور فدک سے بھی ان کو نکال باہر کر دیا اور اللہ نے قیامت تک کے لئے حکم دے دیا کہ یہودیوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک ذلت کے ساتھ یہ جزیہ ادا نہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ
بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

مہربان ہے

توبہ کرلو: یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے۔ بعض اوقات اس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کرلے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ

اور متفرق کر دیا ہم نے انکو ملک میں فرقے فرقے

یہودیوں کا انتشار:

یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس امت کو عبرت کے لئے سنائے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ

بعض ان میں نیک اور بعض اور طرح کے اور ہم نے

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

ان کی آزمائش کی خوبیوں میں اور برائیوں میں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

تاکہ وہ پھر آئیں

آزمائشوں سے سبق سیکھو:

یعنی کچھ افراد ان میں نیک بھی تھے مگر اکثریت کافرون اور فاسقوں کی تھی۔ ان اکثروں کے لئے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی ان کو عیش و تنعم میں رکھا کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے

يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ

لے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

ہم کو معاف ہو جائے گا اور اگر ایسا ہی اسباب ان کے سامنے پھر

يَاْخُذُوْهُ ؕ

آئے تو اسکو لے لیویں

بعد والے یہودیوں کا حال:

یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے، دنیا کا تھوڑا سا سامان لے کر اس کی آیات میں تحریف و کتمان کرنے لگے اور رشوتیں لے کر احکام تورات کے خلاف فیصلے دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی نا لائق اور پاجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں۔ ہم تو خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگزر کرے گا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر تیار رہتے ہیں کہ آئندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گزشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آئندہ کے لئے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کرینگے۔ مگر اللہ سے مامون ہو کر ان ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں اس سے زیادہ حماقت اور بے حیائی کیا ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی توبہ نہیں کرتے گناہ پر جمے رہتے ہیں اور اس کے باوجود مغفرت کا یقین رکھتے ہیں۔ اور یہ بہت بری حرکت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دانشمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع رکھا اور مرنے کے بعد کے لئے کام کئے اور بیوقوف وہ ہے جس نے نفس کی خواہشات کی اطاعت کی اور اللہ سے (بے بنیاد جھوٹی تمنائیں رکھیں۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم والبغوی عن شداد بن اوس۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ

کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ

لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا

نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انہوں نے پڑھا ہے

مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

جو کچھ اس میں لکھا ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے

يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
ڈرنے والوں کے لئے کیا تم سمجھتے نہیں

یہودیوں نے دین کو بیچ ڈالا:

یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ "خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں"۔ کیا وہ انہیں معلوم نہیں جو اس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اس پر افتراء کرنے لگے، حالانکہ "کتاب اللہ" (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا۔ حقیقت وہ ہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین وایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکلیف وراحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش وتنعم دنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی انہیں عقل آ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا
اور جو لوگ خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں
الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾
نماز کو بے شک ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا

قرآن پر عمل کرو:

یعنی توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اسی کی ہدایت وپیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا ان کی محنت ضائع نہ کرے گا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ:

مجاہد نے کہا ان سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی دوسرے مؤمنین اہل کتاب ہیں جو توریت پر بھی ایمان لائے تھے اور توریت میں انہوں نے کسی طرح کی تحریف نہیں کی تھی اور نہ اس کے احکام کو بگاڑ کر کمائی کا ذریعہ بنایا تھا بلکہ خالص حکم توریت پر عمل کرتے تھے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپؐ پر بھی ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا عطاء نے کہا ان سے مراد امت محمدیہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ
اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر مثل سائبان کے
وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو

یہودیوں نے پختہ عہد بھلا دیا:

یعنی جو "میثاق الکتاب" (عہد واقرار) انہیں یاد دلایا جا رہا ہے، وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر پہاڑ گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تخویف وتاکید سے جو قول وقرار لیا گیا تھا، افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ "رفع جبل" کا قصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گزر چکا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ
اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ
ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں
بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا
تمہارا رب بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں کبھی کہنے لگو
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا
قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا
یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے

اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے

دین کا سنگِ بنیاد:

''میثاق خاص'' کے بعد یہاں سے ''میثاق عام'' کا ذکر کرتے ہیں۔ تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو، مذہبی میدان میں عقل وفکر کی رہنمائی اور انبیاء ومرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور وتامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول وفروع بالآخر خدا کی ''ربوبیت عامہ'' کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبداء ومنتہی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہئے عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل وفہم اور روحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان وتوحید کے درجہ تک پہنچا سکے اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیوں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا۔ جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوئی ہیں۔ اس لئے قدرت نے جہاں غور وفکر کی قوت اور نور وحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی، وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرۃً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی مندمج تھی۔ اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن معدود افراد نے کسی عقلی و روحی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض، لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق اجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ وافکار کی دوا دوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا ورنہ فکر و استدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔

قرآن کی امتیازی خصوصیت:

قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی۔ تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے، جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کا وقت، مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں۔ تاہم موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقع ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا علی اختلاف الاقوام والاجیال ''عقیدۂ ربوبیت الٰہی'' پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدء فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے ان تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات واحوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی وفطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے، ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے جو شخص اپنے الحاد وشرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت، بے خبری یا آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے، اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے رب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے۔ باپ کی تقلید نہ چاہئے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہئے ایمان لاوے اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا

ہے سوا پنی عقل ناقص کے دخل سے پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شفیقانہ نظام:

جیسے بلا تشبیہ کے کوئی شفیق باپ اپنے گھریلو معاملات کو درست رکھنے اور اہل و عیال کو تہذیب و ادب سکھانے کے لئے کوئی گھریلو قانون اور ضابطہ بناتا ہے کہ جو شخص اس کے خلاف کرے گا، اس کو سزا ملے گی، مگر اس کی شفقت وعنایت اس کو اس پر بھی آمادہ کرتی ہے کہ ایسا انتظام کرے جس کے سبب ان میں سے کوئی سزا کا مستحق نہ ہو بلکہ سب کے سب اس ضابطہ کے مطابق چلیں، بچہ کے لئے اگر صبح کو اسکول جانے کی ہدایت اور اس کے خلاف کرنے پر سزا مقرر کر دی ہے تو باپ سویرے اس کی بھی فکر کرتا ہے کہ بچہ اس کام کے لئے وقت سے پہلے سے تیار ہو جائے۔

روایاتِ حدیث میں اس عہد ازل کی مزید کچھ تفصیلات آئی ہیں:

جنتیوں اور دوزخیوں کی پیدائش:

امام مالکؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور امام احمدؒ نے بروایت مسلم بن یسار نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت فاروق اعظمؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تھا، آپ سے جو جواب میں نے سنا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر اپنا دستِ قدرت ان کی پشت پر پھیرا تو ان کی پشت سے جو نیک انسان پیدا ہونے والے تھے وہ نکل آئے تو فرمایا کہ ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت ہی کے کام کریں گے، پھر دوسری مرتبہ ان کی پشت پر دست قدرت پھیرا تو جتنے گناہ گار بدکردار انسان ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تھے ان کو نکال کھڑا کیا اور فرمایا کہ ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخ میں جانے ہی کے کام کریں گے۔

صحابہؓ میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جب پہلے ہی جنتی اور دوزخی متعین کر دیئے گئے تو پھر عمل کس مقصد کے لئے کرایا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو جنت کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو اہل جنت ہی کے کام کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ کسی ایسے ہی کام پر ہوتا ہے جو اہل جنت کا کام ہے۔ اور جب اللہ کسی کو دوزخ کے لئے بناتے ہیں تو وہ دوزخ ہی کے کام میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی کسی ایسے ہی کام پر ہوتا ہے جو اہل جہنم کا کام ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ یہ امر مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے کہ ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بدن کے اجزاء میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے ابتداء ولادت کے وقت بدن دو بالشت تھا اور اخیر عمر میں سات آٹھ بالشت کا ہو گیا۔ کبھی کبھی فربہ ہوتا ہے اور کبھی لاغر۔ مگر ہر حال میں یہ شخص وہی کہلاتا ہے کہ جو ابتداء ولادت کے وقت تھا پس جو اجزاء اول عمر سے اخیر تک باقی رہتے ہیں وہ اجزاء اصلیہ ہیں اور جن اجزاء بدن میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے وہ اجزاء زائدہ ہیں پس اس آیت اور جن احادیث میں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کا نکالنا آیا ہے سو وہ اجزاء اصلیہ کا نکالنا مراد ہے اور اصلی اور حقیقی انسان یہی اجزاء اصلیہ ہیں اور روح کا تعلق انہی اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے وہ یہی ذرات ہیں جن کی ساتھ روح متعلق ہے اور قیامت کے دن درحقیقت انہی اجزاء اصلیہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح متعلق کر کے حساب و کتاب اور عذاب وثواب دیا جائے گا۔ جس طرح دنیاوی زندگی میں روح کا اصل تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ تھا اسی طرح بعث بعد الموت کے وقت بھی زائد اجزاء ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔ ختم ہوا۔

حکمت جدیدہ نے کلاں بینوں اور مکرومیٹر سے (جو باریک اجسام کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ہے) یہ دریافت کیا ہے کہ پانی کے ایک چھوٹے قطرہ میں اتنے حیوانات ہوتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر اتنے آدمی نہیں ہوتے اور ان میں توالد اور تناسل بھی جاری ہے اور باوجود اس کثرت کے نہ ان میں اژدحام معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی کسی سے ٹکراتا ہے حالانکہ ان کی حرکت نہایت سریع ہے اور یہ وہ حیوانات ہیں جو موجودہ کلاں بینوں سے نظر آتے ہیں اگر ان کلاں بینوں سے زیادہ قوت والی کلاں بین ہوں تو معلوم نہیں کہ اور کتنے محسوس ہوں گے۔ دیکھو مقاصد الاسلام حصہ سوم ص ۳۲ ج ۳۔ وحصہ ہفتم ص ۳۹ ج ۷ مصنف مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدر آبادی

نیز حکمت جدیدہ کی رو سے ایک تخم میں کروڑہا کروڑ متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو آئندہ تخموں کا تخم بنتے ہیں اور ایک قطرہ منی میں کروڑ ہا کروڑ ایسے متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو صدہا سال کی آنے والی نسلوں کا مادہ بنتے ہیں۔ یہ دلدادگان مغربیت یہ سب کچھ بلا دلیل ماننے کے لئے تیار ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے جو حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکالنے کی خبر دی ہے اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت بسند قوی امام احمد، نسائی اور حاکم نے نقل کی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ عہد واقرار اس وقت لیا گیا جب

آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا، اور مقام اس اقرار کا وادیٔ نعمان ہے جو میدان عرفات کے نام معروف ومشہور ہے۔ (تفسیر مظہری)

مجھے وہ عہد یاد ہے:

حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا کہ یہ عہد ومیثاق مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں، اور بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جس وقت یہ اقرار لیا گیا میرے آس پاس میں کون کون لوگ موجود تھے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حضرت آدم کی عمر کے چالیس سال:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو جو انسان ان کی نسل سے قیامت تک پیدا ہونے والا تھا وہ برآمد ہو گیا اور اللہ نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک پیدا کر دی، پھر سب کو آدمؑ کے روبرو کیا آدمؑ نے عرض کیا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہیں۔ آدم نے ان میں سے ایک شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمک دیکھی تو ان کو بہت اچھی معلوم ہوئی اور عرض کیا پروردگار یہ کون ہے اللہ نے فرمایا یہ داؤد ہے آدم نے عرض کیا پروردگار تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے اللہ نے فرمایا ساٹھ سال عرض کیا پروردگار میری عمر میں سے اس کو چالیس برس اور عطا فرما دے چنانچہ حضرت آدمؑ کی عمر جب پوری ہوگئی وہی چالیس برس رہ گئے جو انہوں نے حضرت داؤد کو دیدیئے تھے تو موت کا فرشتہ آ گیا آدمؑ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس برس باقی ہیں ملک الموت نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو چالیس برس نہیں دیدیئے تھے آدم نے انکار کیا اسی لئے ان کی اولاد بھی (کئے ہوئے وعدہ کا) انکار کرتی ہے اور آدمؑ نے (اللہ کے حکم کو) بھول کر (ممنوعہ) درخت کا پھل کھا لیا تھا اسی لئے ان کی اولاد بھولتی ہے اور آدمؑ نے خطا کی تھی اسی لئے ان کی اولاد خطا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے:

ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو جس وقت پیدا کیا تو ان کے دائیں شانہ پر ہاتھ مارا جس سے چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ان کی (ساری) گوری نسل نکل پڑی اور بائیں شانہ پر ہاتھ مارا تو کوئلہ کی طرح سیاہ نسل نکل پڑی۔ دائیں طرف والوں کے متعلق اللہ نے فرمایا یہ جنت کی طرف (جانے والے) ہیں اور مجھے (ان کی اطاعت کی) پروا نہیں اور بائیں شانہ والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف (جانے والے) ہیں اور مجھے (ان کی نافرمانی کی) پروا نہیں۔ رواہ احمد۔

سب سے عہد لیا:

حضرت ابی بن کعب کا بیان ہے اللہ نے سب اولادِ آدم کو جمع کیا پھر ان کی قسمیں جدا جدا چھانٹیں، پھر ان کو صورتیں عطا کیں پھر ان کو گویا کیا چنانچہ سب نے کلام کیا پھر ان سے عہد ومیثاق لیا اور ان سے خود انہی پر اقرار طلب کیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں (سب نے کہا کیوں نہیں) اللہ نے فرمایا میں (تمہارے اس اقرار پر) ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو شاہد بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو بھی گواہ بناتا ہوں تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس (توحید) کا علم بھی نہ تھا خوب سمجھ لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میرا کسی کو شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو میرے اس عہد ومیثاق کی یاد دہانی کریں گے۔ اور میں تم پر اپنی کتابیں اتار دوں گا۔ سب نے جواب دیا ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہی بلاشک ہمارا رب ہے ہمارا معبود ہے تیرے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود۔ اس کے بعد ان کو حضرت آدمؑ کے سامنے لایا گیا حضرت آدم نے اوپر سے ان کا معائنہ کیا۔ مالدار، نادار، خوبصورت بدصورت سب ہی دکھائی دیئے عرض کیا پروردگار تو نے اپنے بندوں کو یکساں کیوں نہیں کر دیا اللہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے (امیر فقیر کو دیکھ کر شکر ادا کرے اور خوبصورت بدصورت کو دیکھ کر) حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد میں انبیاء کو چراغوں کی طرح نورانی دیکھا انبیاء سے خاص طور پر رسالت ونبوت کے متعلق ایک میثاق علیحدہ لیا گیا اسی میثاق کی بابت اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ سے.. و عیسیٰ بن مریم تک۔ عیسیٰؑ بن مریمؑ بھی انہی ارواح میں شامل تھے جن کو اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کا قول روایت میں آیا ہے کہ عیسیٰؑ مریمؑ کے منہ سے ان کے اندر داخل ہوئے۔ رواہ احمد

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا قول ہے کہ اہل سعادت نے تو برضائے قلبی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور اہل شقاوت نے بکراہت خاطر منافقت کیساتھ۔

آیت وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا کا یہی مطلب ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: حضرت آدم نے حضرت داؤد کی پیشانی میں جو نور دیکھا وہ نور

خلافت الٰہیہ کا ہوگا۔ جو حضرت آدم کے نور خلافت سے ملتا جلتا ہوگا۔ واللہ اعلم

حضرت علی سہیلؒ:

نفحات میں مذکور ہے کہ علی سہیل اصفہانی قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو روز بلیٰ یاد ہے تو فرمایا کیوں نہیں۔ مجھے روز بلیٰ ایسا یاد ہے جیسے کل گزشتہ۔ کسی نے یہ کلام شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اس جواب میں نقصان ہے جو کل گزر گئی یا جو کل آئے گی اس سے صوفی اور درویش کو کیا مطلب اس روز کی تو ابھی شام بھی نہیں ہوئی صوفی اور درویش تو ابھی اسی دن میں ہے۔

روز امروز است اے صوفی زشان — کے بود از دی و از فردا نشان
آنکہ از حق نیست غافل یکنفس — ماضی و مستقبلش حال است وبس

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں تاکہ وہ پھر آئیں

موضح القرآن میں ہے کہ "قصہ یہود کو سنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔"

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

اور سنادے ان کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے دی تھیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اپنی آیتیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا پھر اس کے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہو

مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا

گیا گمراہوں میں اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ

بدولت لیکن وہ تو ہو رہا ہے زمین کا اور پیچھے ہو لیا

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا جیسے کتا اس پر تو

عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ

بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

سو بیان کر یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں

بلعم بن باعوراء کی محرومی:

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور ایک صاحب درویش تھا۔ بعدہ اللہ کی آیات و ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لئے تیار ہوگیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا، اگر خدا چاہتا تو اسکے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہوسکتا تھا کہ اسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات و آیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کجرووں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہوگیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں، بہرصورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت قادر نہیں۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہوگئیں۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ بلعم کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذکر کیا گیا ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری وحسی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور

خوف زدہ آدمی کی طرح ہانپتا رہے۔ العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو، بہر حال ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں۔ اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروانہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا جب تک صحیح معنی میں اسکا اتباع نہ ہو مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ رکوع) علمائے سوء کے لئے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔ (تفسیر عثمانی)

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا بلعم بن باعورا نامی اہلِ بلقاء میں سے تھا اور وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ یہودی علماء کے ساتھ بیت المقدس میں رہتا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ اہل یمن میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی نشانیاں اور کرامتیں دی تھیں۔ لیکن اس نے ناقدری کی، وہ مستجاب الدعوات تھا، اس کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ لوگ مصیبتوں کے وقت خدا سے دعا مانگنے کے لئے اسی کو آگے بڑھاتے تھے۔

بلعم کی دُعاء:

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ موسیٰؑ جب شہر جبارین میں آئے تو بلعام کے پاس اس کے لوگ آئے اور کہا کہ موسیٰ ایک مرد آہنی ہے اس کے ساتھ بڑی فوج ہے اگر وہ ہم پر غالب آ جائے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی مصیبت ہم سے دور ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر میں ایسی دعا کروں تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جائیں، لیکن لوگ اس کو تنگ ہی کرتے رہے چنانچہ اس نے ایسی دعا کی، تو خدا نے اس کی بزرگی اور کرامتیں سب اس سے چھین لیں۔ چنانچہ فرمایا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ (تفسیر ابن کثیر)

جب غرق فرعون اور فتح مصر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے اور ان کے مقابل قوم فرعون کا غرق و غارت ہونا ان کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا تو ان کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں اور وہ اس لئے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دیں، آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ان کو ہمارے مقابلہ سے واپس کر دیں، وجہ یہ تھی کہ بلعم بن باعوراء کو اسم اعظم معلوم تھا وہ اس کے ذریعہ جو دعا کرتا تھا قبول ہوتی تھی۔

بلعم نے کہا افسوس ہے تم کیسی بات کہتے ہو، وہ اللہ کے نبی ہیں ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہیں میں ان کے خلاف بددعا کیسے کر سکتا ہوں حالانکہ ان کا مقام جو اللہ کے نزدیک ہے وہ بھی میں جانتا ہوں اگر میں ایسا کروں گا تو میرا دین دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو اس پر بلعم نے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے اس معاملہ میں معلوم کر لوں کہ ایسی دعا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس نے اپنے معمول کے مطابق معلوم کرنے کے لئے استخارہ یا کوئی عمل کیا، خواب میں اس کو بتلایا گیا کہ ہرگز ایسا نہ کرے، اس نے قوم کو بتلا دیا کہ مجھے بددعا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اس وقت قوم جبارین نے بلعم کو کوئی بڑا ہدیہ پیش کیا جو درحقیقت رشوت تھی، اس نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر اس قوم کے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ ضرور یہ کام کر دو اور الحاح و اصرار کی حد نہ رہی، بعض روایات میں ہے کہ اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کر لیں اور ان کا کام کر دیں، اس وقت بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا شروع کی۔

اس وقت قدرت الٰہیہ کا عجیب کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ جو کلمات بددعا کے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کیلئے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بددعاء خود اپنی قوم جبارین کے لئے نکلے، وہ چلا اٹھے کہ تم تو ہمارے لئے بددعا کر رہے ہو، بلعم نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے میری زبان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قوم پر بھی تباہی نازل ہوئی اور بلعم کو یہ سزا ملی کہ اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی۔

ایک چال:

اور اب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا و آخرت تباہ ہو گئی اب دعا تو میری چلتی نہیں لیکن میں تمہیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر غالب آ سکتے ہو۔

وہ یہ ہے کہ تم اپنی حسین لڑکیوں کو مزین کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان کو یہ تاکید کر دو کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان کے ساتھ جو کچھ کریں کرنے دیں، رکاوٹ نہ بنیں، یہ لوگ مسافر ہیں، اپنے گھروں سے مدت کے نکلے ہوئے، اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ لوگ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام کاری انتہائی مبغوض چیز

ہے جس قوم میں یہ ہو، اس پر ضرور قہر وعذاب نازل ہوتا ہے، وہ فاتح وکامران نہیں ہوسکتی۔ بلعم کی یہ شیطانی چال ان کی سمجھ میں آگئی، اس پر عمل کیا گیا، بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی اس چال کا شکار ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس وبال سے روکا مگر وہ باز نہ آیا، اور شیطانی جال میں مبتلا ہوگیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

قصہ کی ایک اور تفصیل:

حضرت ابن عباس محمد بن اسحٰق اور سدی وغیرہ نے اس کا قصہ حسب تفصیل ذیل بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عمالقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور ملک شام میں علاقہ کنعان میں جا کر قیام کیا تو کچھ (کنعان کے) آدمی بلعم کے پاس گئے کیونکہ بلعم کو اسم اعظم معلوم تھا اور اس سے کہا موسیٰ تیز مزاج آدمی ہیں ان کے پاس لشکر بھی بہت ہے وہ اس لئے ہمارے ملک میں آئے ہیں کہ ہم کو ہماری بستیوں سے نکال دیں اور ہم کو قتل کردیں اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کردیں آپ کی دعا قبول ہوتی ہے ہمارے لئے آپ دعا کردیجئے کہ اللہ بنی اسرائیل کو ہماری طرف سے پھیر دے بلعم نے جواب دیا ارے کم بختو موسیٰ نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتے اور مومن ہیں میں ان کے خلاف کس طرح دعا کرسکتا ہوں اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اگر میں تمہارے کہنے کے موافق کروں گا تو دنیا اور آخرت دونوں میری تباہ ہوجائیں گی، لوگوں نے پھر اصرار کیا اور بہت زاری کی تو بلعم نے کہا اچھا میں اپنے رب سے استخارہ کرلوں۔ بلعم کا قاعدہ تھا کہ جب تک خواب میں کسی بات کی اجازت اس کو نہیں مل جاتی تھی وہ دعا نہیں کرتا تھا چنانچہ بنی اسرائیل کے خلاف بد دعا کرنے کے معاملہ میں بھی اس نے استخارہ کیا مگر خواب میں اس کو بد دعا نہ کرنے کی ہدایت کردی گئی بیدار ہوکر اسنے قوم والوں سے کہہ دیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مجھے بد دعا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ انکاری جواب سن کر لوگوں نے اس کو کچھ تحفے ہدیے پیش کئے اس نے قبول کر لئے تو لوگوں نے پھر بد دعا کرنے کی مکرر درخواست کی اور بلعم نے حسب سابق جواب دیا کہ میں اپنے رب سے استخارہ کرلوں چنانچہ اس نے استخارہ کیا، مگراس مرتبہ اس کو کوئی جواب نہیں ملا، بیدار ہوکر اس نے قوم سے کہہ دیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا لوگوں نے کہا اگر آپ کا بد دعا کرنا اللہ کو پسند نہ ہوتا تو وہ ضرور اول مرتبہ کی طرح ممانعت فرمادیتا اور اس مرتبہ اس نے ممانعت نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بد دعا کرنا ناپسند نہیں ہے لہٰذا آپ بنی اسرائیل کے لئے بد دعا کر دیجئے لوگ اپنی درخواست پر برابر اصرار کرتے رہے اور اتنی زاری اور عاجزی کی کہ بلعم فریب کھا گیا اور قوم والے بہکانے میں کامیاب ہوگئے چنانچہ بلعم ایک خچر پر سوار ہوکر کوہ حبتان کی طرف گیا تا کہ اوپر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کا معائنہ کرلے مگر پہاڑ پر کچھ ہی چڑھا تھا کہ خچر بیٹھ گیا۔ بلعم نے اتر کر خچر کو مارا اب اللہ نے خچر کو بات کرنے کی طاقت عنایت کردی اور خچر نے اللہ کی طرف سے حجت تمام کرتے ہوئے کہا کم بخت بلعم تو کہاں جارہا ہے کیا تجھے میرے سامنے ملائکہ نظر نہیں آتے جو مجھے لوٹا رہے ہیں تو اللہ کے نبی اور مومنوں کے خلاف دعا کرنے جارہا ہے بلعم نے پھر بھی خچر کو نہیں چھوڑا اور اس پر سوار ہوکر اسی کوہ حبتان کے اوپر بد دعا کرنے کے لئے پہنچ گیا لیکن بد دعا کا جو کلمہ زبان سے نکالتا تھا وہ قوم کے لئے نکلتا تھا اور خیر کی دعا جو اپنی قوم کے لئے مانگنے کا ارادہ کرتا تھا اس وقت زبان بنی اسرائیل کی طرف پھر جاتی تھی۔ (گویا بنی اسرائیل کا لفظ زبان سے نکالتا تھا مگر اپنی قوم کا نام زبان سے نکلتا تھا اور اپنی قوم کا نام زبان سے لیتا تھا تو بنی اسرائیل کا لفظ زبان پر آجاتا تھا) قوم والوں نے کہا بلعم آپ کو معلوم بھی ہے آپ کیا کررہے ہیں۔

بنی اسرائیل کے لئے دعا اور ہمارے لئے بد دعا کررہے ہیں بلعم نے جواب دیا اس پر میرا کچھ اختیار نہیں یہ تو اللہ ہی کی طرف سے کرادیا جاتا ہے میں مجبور ہوں (بد دعا کرنے کے وبال میں) بلعم کی زبان سینہ پر لٹک آئی کہنے لگا لو اب میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہوگئیں اب سوائے چالبازی اور مکاری کے تمہارے کام کا اور کوئی راستہ نہیں رہا اب مجھے تمہارے لئے مکاری سے کام لینا پڑے گا جاؤ کچھ عورتوں کو بناؤ سنگھار کرا کے کچھ تجارتی سامان ان کے ہاتھوں میں دے کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بیچنے کے لئے بھیج دو اور حکم دیدو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص اگر تمہاری طرف دست درازی کرے تو وہ انکار نہ کریں کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی زنا کرلیا تو پھر سب لشکر کے مقابلہ میں تم کو کامیابی ہوجائے گی لوگوں نے اس مشورہ کو مان لیا۔ جب عورتیں لشکر میں پہنچیں تو ایک کنعانی عورت جس کا نام کشتی بنت صور تھا ایک اسرائیلی سردار کی طرف سے گذری اس سردار کا نام زمری بن شلوم تھا یہ سبط شمعون کا سرگردہ تھا زمرہ عورت کے حسن پر ریجھ گیا اور اٹھ کر اس نے عورت کا ہاتھ پکڑ لیا اور عورت کو لے جا کر حضرت موسیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا میرا خیال ہے کہ آپ یہی کہیں گے کہ یہ عورت تیرے لئے حرام ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں یہ تیرے لئے حرام ہے تو

اس کے قریب بھی نہ جا۔ زمری بولا خدا کی قسم اس کے معاملہ میں میں آپ کی بات نہیں مانوں گا چنانچہ عورت کو لے کر خیمہ کے اندر چلا گیا اور اس سے قربت کی۔ زناء کرنا تھا کہ فوراً اللہ نے طاعون کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا جس سے ستر ہزار آدمی ایک گھنٹہ میں مر گئے۔

فیخاص بن عیزار بن مرون حضرت موسیٰ کا مقرر کردہ ایک سردار تھا جو حاکم لشکر تھا۔ یہ شخص قوی الجثہ اور طاقت ور بھی تھا۔ زمری نے جس وقت یہ حرکت کی تھی اس وقت فیخاص لشکر میں موجود نہ تھا جب لشکر میں لوٹ کر آیا اور فوج میں طاعون پھیلا ہوا دیکھا اور زمری کی حرکت معلوم ہوئی تو فوراً اپنا چھوٹا برچھا جو پورے لوہے کا تھا لے کر زمری کے خیمہ میں گھس گیا زمری اور وہ عورت دونوں ہم خواب تھے فیخاص نے نیزہ چبھو کر دونوں کو ایک ہی نیزہ میں پرو لیا اور دونوں کو اسی حالت میں اٹھائے ہوئے باہر آیا ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے تھا ہاتھ اوپر کو تھا اور کہنی پہلو سے ٹکی ہوئی تھی اور دونوں لاشیں فیخاص کے جبڑوں سے لگی ہوئی تھیں اسی حالت میں رو کر دعا کرنے لگا الٰہی جو تیری نافرمانی کرتا ہے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے اس پر اللہ کو رحم آ گیا اور اس نے بنی اسرائیل سے طاعون اٹھا لیا یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل جو ذبیحہ ذبح کرتے ہیں اس کا دست جبڑا اور پہلو فیخاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فیخاص نے زمری اور عورت کو نیزہ میں پرو کر نیزہ ہاتھ میں اٹھا کر کہنی کو اپنے پہلو سے ٹیکا تھا اور لاشوں کو جبڑوں سے لگا کر روک رکھا تھا اور بنی اسرائیل اپنے اونٹوں میں سے ایک نوجوان اونٹنی بھی فیخاص کی اولاد کو دیتے ہیں کیونکہ فیخاص عیزار کا جیٹھا بیٹا تھا۔ بلعم ہی کے متعلق اللہ نے آیت واتل علیھم نباء الذی اٰتینٰہ اٰیٰتنا الخ نازل فرمائی۔

فمثلہ: یعنی اس کی ذلت کی حالت ایسی ہے۔ کمثل الکلب جیسی کتے کی ذلیل ترین حالت یلھث کہ وہ ہر حال زبان باہر نکال دیتا ہے ہانپتا ہے پیاس ہو تھکان ہو اس کو ڈانٹ ڈپٹ کی جائے اور دھتکار کر باہر نکالا جائے یا ایسا نہ کیا جائے بہر حال وہ ذلت کے ساتھ زبان باہر نکالے رہتا ہے دوسرے جانوروں کی حالت ایسی نہیں ہے وہ اسی وقت ہانپتے اور زبان باہر نکالتے ہیں جب کوئی خاص سبب ہو تھک جائیں پیاس لگی ہو یا کوئی اور محرک ہو تب وہ زبان باہر نکال دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
بری مثال ہے ان لوگوں کی کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو

وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾
اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے

مشرکین کی بے حسی:

مشرکین وغیرہم کے رد میں جا بجا قرآن نے عنکبوت، ذباب، مکڑی، مکھی وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بری ہے کہ کوئی غیرت مند آدمی حتی المقدور اس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دے گا۔ اور جو بے حیا غدار اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے۔ وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
جس کو اللہ راستہ دے وہ ہی راستہ پاوے اور جس کو
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾
وہ بچلا دے سو وہی ہیں ٹوٹے میں

غرور نہ کرو خدا سے ہدایت مانگو:

علم و فضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو جسے وہ سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت و قابلیت رکھتا ہو سمجھو لو کہ ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لئے انسان اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو بلکہ دائماً خدا سے ہدایت و توفیق کا طلبگار رہے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ اِنّ الحمد للّٰہ ونستعینہٗ و نستھدیہ ونستغفرہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ (عن ابن مسعودؓ)

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ خدا کی راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی

شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

مجوسی عالم کی غلط فہمی:

مقام جابیہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک روز خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا **من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ** کوئی عیسائی یا یہودی یا مجوسی مذہبی عالم سامنے بیٹھا تھا اس نے آخری لفظ سن کر فارسی زبان میں کچھ کہا حضرت عمر نے مترجم سے پوچھا یہ کیا کہتا ہے مترجم نے کہا یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا اور تجھے گمراہ کر دیا اور وہی ان شاء اللہ تجھے دوزخ میں داخل کرے گا اگر ہمارا معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ اس بیان کے بعد لوگ اٹھ گئے اور تقدیر کی بابت کسی کو اختلاف نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہدایت پانے والے کو بصیغہ مفرد ذکر کیا گیا اور گمراہی اختیار کرنے والوں کو بصیغہ جمع، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہی دین حق ہے جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء علیہم السلام کا طریق رہا ہے اصول سب کے مشترک اور ایک ہیں، اس لئے حق کی پیروی کرنے والے خواہ کسی زمانہ میں اور کسی نبی کی امت میں اور کسی دین ومذہب سے متعلق ہوں وہ سب ایک ہیں۔

ہدایت وتوفیق بہت بڑی نعمت ہے:

اس کی مثال ایسی ہے کوئی بڑی حکومت وسلطنت کا مالک کسی شخص کو یہ کہہ دے کہ تم ہمارے مقرب ہو ہم تمہاری بات سنیں اور مانیں گے تو ہر جاننے والا جانتا ہے کہ اس سے بڑا کوئی عہدہ ومنصب یا کوئی دولت اس کے لئے نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو ہدایت یافتہ کا خطاب دے دیا تو اس کو دین ودنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو گئیں، اسی لئے بزرگان سلف نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وعبادت خود ہی اپنی جزاء اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان عطاء ہے جو شخص ذکر اللہ میں مشغول ہے وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کا انعام نقد پا رہا ہے، آخرت وجنت کا انعام دوسری نعمت ہے، اسی سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی سمجھ میں آجاتا ہے، جس میں فرمایا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً کہ ایک ہی چیز کو جزاء بھی فرمایا گیا اور عطاء بھی، حالانکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، جزاء کسی عمل کا معاوضہ ہوتا ہے اور عطاء بلا معاوضہ۔

اس میں جزاء وعطاء کی حقیقت بتلا دی کہ جس چیز کو تم جزاء اور عمل کا بدلہ سمجھتے ہو وہ بھی درحقیقت ہماری عطاء وانعام ہی ہے کیونکہ جس عمل کا یہ بدلہ ملا ہے وہ عمل خود ہمارا انعام تھا۔

دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کی مزید وضاحت ہے کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں جس کو ہدایت مل گئی اس سے سارے کام ہدایت ہی کے مناسب سرزد ہوتے ہیں

خرد چون دفتر تلقین کشاید   زمن آن در وجود آید کہ باید

(معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ
اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن
وَالْاِنْسِ
اور آدمی

مقصود عبادت ہے:

یہ آیت بظاہر آیہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے وہاں لیعبدون میں لام غایت اور یہاں لجھنم میں لام عاقبت مراد لیا ہے یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلوب اصلی تو عبادت ہے لیکن بہت سے جن وانس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کرینگے اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کیلئے پیدا ہوئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر "لیعبدون" میں "غایت تشریعی" اور یہاں لجھنم میں "غایت تکوینی" بیان کی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آخر کار کچھ جنتی ہوں گے کچھ جہنمی

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جنت پیدا کی اور اس کے مستحق بھی پیدا کر دیئے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی تھے (یعنی حضرت آدمؑ کی پشت میں) اور جہنم کو پیدا کر دیا اور اس کے مستحق بھی پیدا کر دیئے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے (یعنی دنیا میں آئے بھی نہ تھے) رواہ مسلم۔ اسی مضمون کی

حدیث اوپر گذر گئی جس میں حضرت آدم کی پشت سے سب کا برآمد ہونا بیان کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بنؓ عاص راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو تحریریں دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے برآمد ہونے اور فرمایا جانتے ہو یہ دو تحریریں کیسی ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کچھ نہیں معلوم البتہ آپ بیان فرمادیں تو معلوم ہو جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العلمین کی طرف سے تحریر ہے اس میں جنتیوں کے نام ان کے باپ اور قبائل کے نام درج ہیں اور آخر میں اس کو ختم کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی ہوگی نہ بیشی، پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العلمین کی طرف سے تحریر ہے اس میں تمام دوزخیوں کے اور ان کے باپوں کے اور قبائل کے نام درج ہیں اور آخر میں اس کو ختم کر دیا گیا آئندہ کبھی اس میں اضافہ ہوگا نہ کمی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عمل کس غرض سے ہے جب کہ یہ اہل جنت و اہل جہنم کا معاملہ ختم ہو چکا فرمایا سیدھی چال چلتے رہو۔ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ اس نے زندگی میں کوئی عمل کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ اس نے (زندگی میں) کیسا ہی عمل کیا ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور دونوں (تحریروں) کو (گویا) پھینک دیا پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلہ) سے فارغ ہو گیا ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں کر دیا گیا۔ (رواہ الترمذی تفسیر مظہری)

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ

اُنکے دل ہیں کہ اُن سے سمجھتے نہیں اور

أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ

آنکھیں ہیں کہ اُن سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں

لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ

کہ اُن سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ

هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۱۷۹﴾

اُن سے بھی زیادہ بے راہ وہی لوگ ہیں غافل ☆

نافرمان جانوروں سے بھی بدتر ہیں:

یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں۔ نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں۔ اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں یہی حال ان کا ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کیلئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے، یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے، پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کیلئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی۔ اسے مہلک غفلت اور بے راہروی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع معطل کر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا

اور اللہ کے لئے ہیں سب نام اچھے سو اُس کو پکارو وہی نام کہکر

وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ

اور چھوڑ دو اُن کو جو کج راہ چلتے ہیں اُس کے ناموں میں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸۰﴾

وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا ☆

اللہ کو اچھے ناموں سے پکارو:

غافلین کا حال ذکر کر کے مؤمنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا، غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے، سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو، جو لوگ اسکے اسماء و صفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں یا اسکے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں

بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے یا ان کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کجروی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر غم کا علاج:

مسند احمد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے:۔

اللّٰھم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک نا صیتی بیدک ماضٍ فی حکمک عدل فی قضاؤک اسالک بکل اسمٍ ھو لک سمیت بہ نفسک و انزلتہ فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک اواستاثرت بہٖ فی علم الغیب عندک ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی و ذھاب ھمی۔ کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم یاد نہ کرلیں۔ آپؐ نے فرمایا ، بلکہ جو بھی اسے سنے چاہئے کہ یاد کرلے۔ بعض لوگوں نے تو قرآن وسنت سے خدا کے ایک ہزار نام نکالے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جانے بھی دو ان لوگوں کو جو خدا کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں کہ یہ کافر لوگ اللہ کے ناموں میں "لات" کا لفظ بھی شریک کردیتے ہیں کہ یہ لات کو اللہ تعالیٰ کا مؤنث لفظ بتاتے ہیں کہ عزیٰ کو عزیز کا لفظ۔ یہ دونوں نام کافروں کے پاس مؤنث خداؤں کے ہیں، الحاد کے معنی تکذیب کے ہیں اور کلام عرب میں اعتدال سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔ لحد بہ معنی قبر اسی سے ہے کیونکہ قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر بنائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اچھے نام: وللہ الاسماء الحسنٰی یعنی جن ناموں کے معنی تمام معانی سے اچھے ہیں وہ اللہ ہی کے نام ہیں ان سے مراد وہ الفاظ ہیں جو صرف صفات پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اس ذات کو بتاتے ہیں جو صفات کی حامل ہے دونوں میں بڑا فرق ہے (دوسری زبانوں کے اندر جو اللہ کے نام ہیں وہ محض صفات پر دلالت کرتے ہیں جیسے پرماتما یعنی روح کائنات۔ واجب الوجود۔ علت تامہ بھگوان وغیرہ) فادعوہ بھا پس انہی ناموں سے اس کو پکارا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام:

صحیحین میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اللہ وتر ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔ شیخین نے اس حدیث میں ننانوے ناموں کی تفصیل ذکر نہیں کی کیونکہ شیخین کی شرط کے موافق تفصیل مروی نہیں۔ ترمذی نے اور بیہقی نے الدعوات میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا، جنت میں جائے گا، ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق البارئ المصور الغفار الوھاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السمیع البصیر الحکیم العدل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقیت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباعث الشھید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المبدی المعید المحیی الممیت الحی القیوم الواجد الماجد الصمد الواحد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاٰخر الظاھر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذوالجلال و الاکرام الجامع الغنی المغنی المانع الضار النافع النور الھادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے اسماء کا حصر انہی مذکورہ بالا اسماء میں نہیں ہے (دوسرے نام بھی ہیں) حدیث مذکور میں جن اسماء کا ذکر ہے ان سے مراد شاید یہ ہے کہ جو ان کو یاد کرے گا، وہ جنت میں جائے گا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ایک لڑی میں پرودیا ہے (تاکہ لوگ یاد کرلیں)

ایسے نام جو قرآن میں آئے ہیں:

ترمذی کی روایتِ مذکورہ میں جن اسماء کا ذکر ہے ان میں سے ستائیس ایسے ہیں جو بلفظہٖ صراحۃً قرآن مجید میں نہیں آئے۔ القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل العدل الجلیل الباعث المحصی المبدی المعید المحیی الممیت الواجد الماجد المقدم المؤخر الوالی ذوالجلال و الاکرام (ذی الجلال والاکرام آیا ہے) المقسط المغنی المانع الضار النافع الباقی الرشید الصبور۔

مندرجہ ذیل توصیفی اسماء حسب ذیل آیات میں آئے ہیں مگر ترمذی کی روایت میں نہیں آئے۔

ھو خیر و ابقیٰ اللہ شاکر رب العالمین احد مالک یوم الدین الاعلیٰ الاکرم حفی اعلم بمن ضل عن سبیلہ و اعلم بالمھتدین القریب النصیر القدیر المبین الخلاق مبنیکم

الموسع الملیک الکافی فاطر السمٰوات و الارض القائم بالقسط غافر الذنب قابل التوب شدید العقاب نعم المولیٰ الغالب علیٰ امرہ سریع الحساب ۔ فالق الحب و النوی فالق لاصباح جعل اللیل سکناً علام الغیوب عالم الغیب و الشھادۃ ذوالطول ذوانتقام رفیع الدرجات ذوالعرش ذوالمعارج ذوالفضل العظیم ذوالقوۃ ذوالمغفرۃ جامع الناس لیوم لاریب فیہ متم نعمتہ متم نورہٖ عدوللکافرین ولی المؤمنین القاھر فوق عبادہ اسرع الحاسبین مخرج المیت من الحی محی الموتیٰ ارحم الراحمین ۔ احکم الحکمین خیر الرازقین خیر الماکرین خیر الفاتحین مخزی الکافرین موھن کید الکافرین فعال لمایرید المستعان نور السمٰوات والارض اھل التقویٰ اھل المغفرۃ نعم الماھدون رب الناس ملک الناس الٰہ الناس اقرب الیہ من حبل الورید القائم علی کل نفس بما کسبت احق ان تخشاہ الذی ھو اغنی و اقنیٰ و الذی ھو امات و احییٰ و الذی ھو اضحک و ابکیٰ و الذی خلق الزوجین الذکر و الانثیٰ و الذی اھلک عادنِ الاولیٰ الذی لم یکن لہ (لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد) ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولیٌّ من الذل الذی انزل علی عبدہ الکتاب الذی بیدہ ملکوت کل شئ الذی یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر الذی یبدأالخلق ثم یعیدہ الذی بیدہ الملک الذی بعث فی الامیین رسولاً لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظٰلمین. اس آیت کوحدیث میں اللہ کا اسم اعظم فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ کی صفات اور بھی بیان کی گئی ہیں۔

بعض دیگر نام مبارک:

بعض اسماء ایسے بھی دوسری احادیث میں آئے ہیں جو نہ قرآن مجید میں مذکور ہیں نہ ترمذی کی روایت مذکورہ میں، مثلاً الحنان المنان الجواد الاجود الفرد الوتر الصادق الجمیل القدیم البار الوافی العادل المعطی المغیث الطیب الطاھر المبارک خالق الشمس و القمر المنیر رازق الطفل الصغیر جابراعظم الکبیر کل کبیر الذی نفسی بیدہ وغیرہ۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے جتنے نام قرآن مجید اور احادیث میں آئے ہیں بس یہی اللہ کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی نام اللہ کا نہیں ہے کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے توریت میں اپنے ایک ہزار نام نازل فرمائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعاء کیا کرتے تھے اللھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک و انزلتہ فی کتاب او علمتہ احداً من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک. اے اللہ میں تجھ سے دعاء کرتا ہوں تیرے ہر نام کے ساتھ جو تو نے اپنی ذات کا مقرر کیا ہے اور اس کو کتاب میں نازل کر دیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں تو نے خاص طور پر رکھ چھوڑا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے تمام ناموں پر جو اللہ کو معلوم ہیں اجمالی ایمان رکھا جائے۔

نام مبارک لینے کا ادب:

اللہ کا نام جواد ہے سخی نہیں عالم ہے عاقل نہیں رحیم ہے رقیق نہیں ۔ اللہ نے فرمایا ہے یخادعون اللّٰہ و ھو خادعھم دوسری آیت و مکروا و مکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین لیکن اللہ کو خادع اور ماکر یا مکار نہیں کہا جا سکتا۔ یا قائم بالقسط کہا جا سکتا ہے قائم نہیں کہا جا سکتا۔ یا خالق کہا جا سکتا ہے خالق القردۃ والخنازیر (بندروں اور سوروں کے خالق) کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ زید اگرچہ تمام بادشاہوں سے بڑا بادشاہ ہو مگر اللہ کو کبیر من زید نہیں کہہ سکتے۔

مشکلات کے حل کی دُعاء:

اسی لئے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی کی صحیح احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی غم یا بے چینی یا مہم کام پیش آئے اس کو چاہئے کہ یہ کلمات پڑھے، سب مشکلات آسان ہو جائیں گی وہ کلمات یہ ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم
لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوٰت والارض و رب العرش الکریم

اور مستدرک حاکم میں بروایت انس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراءؓ سے فرمایا کہ تمہارے لئے اس سے کیا چیز مانع ہے کہ تم میری وصیت کو سن لو (اور اس پر عمل کیا کرو) وہ وصیت یہ ہے کہ صبح شام یہ دعا کرلیا کرو:

"یاحی یا قیوم برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ و لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عینٍ".

یہ دعا بھی تمام حاجات ومشکلات کے لئے بے نظیر ہے۔

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان کو محفوظ کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا، یہ ننانوے نام امام ترمذی اور حاکم نے تفصیل کے ساتھ بتلائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے نام پڑھ کر جس مقصد کے لئے دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی تم مجھے پکارو تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حاجات ومشکلات کے لئے دعاء سے بڑھ کر کوئی تدبیر ایسی نہیں جس میں کسی ضرر کا خطرہ نہ ہو اور نفع یقینی ہو، اپنی حاجات کے لئے اللہ جل شانہ سے دعا کرنے میں کسی نقصان کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، اور ایک نفع نقد ہے کہ دعا ایک عبادت ہے، اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادة یعنی دعا کرنا عبادت کا مغز ہے۔

اپنے اختیارات سے اللہ کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا:

علماء حق کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہے نام رکھ دے یا جس صفت کے ساتھ چاہے اس کی حمد وثناء کرے بلکہ صرف وہی الفاظ ہونا ضروری ہیں جو قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے بطور نام یا صفت کے ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کو کریم کہہ سکتے ہیں، سخی نہیں کہہ سکتے، نور کہہ سکتے ہیں ابیض نہیں کہہ سکتے، شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ دوسرے الفاظ منقول نہیں اگرچہ انہی الفاظ کے ہم معنی ہیں۔

دوسری صورت الحاد فی الاسماء کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نام قرآن وسنت سے ثابت ہیں ان میں سے کسی نام کو نامناسب سمجھ کر چھوڑ دے، اس کا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔

کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے مخصوص نام سے موسوم یا مخاطب کرنا جائز نہیں۔ تیسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو کسی دوسرے شخص کے لئے استعمال کرے، مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لئے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ اور اسماء حسنیٰ میں سے وہ نام ہیں جن کا غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔ مثلاً رحمٰن، سبحان، رزاق، خالق، غفار، قدوس وغیرہ۔

پھر ان مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا اگر کسی غلط عقیدہ کی بناء پر ہے کہ اس کو ہی خالق ورازق سمجھ کر ان الفاظ سے خطاب کر رہا ہے تب تو ایسا کہنا کفر ہے اور اگر عقیدہ غلط نہیں محض بے فکری یا بے سمجھی سے کسی کو خالق، رزاق یا رحمان، سبحان کہہ دیا یہ اگرچہ کفر نہیں مگر مشرکانہ الفاظ ہونے کی وجہ سے گناہ شدید ہے۔

مسلمان اسلامی نام رکھیں:

افسوس ہے کہ آج کل عام مسلمان اس غلطی میں مبتلا ہیں، کچھ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اسلامی نام ہی رکھنا چھوڑ دیئے ان کی صورت وسیرت سے تو پہلے بھی مسلمان سمجھنا ان کا مشکل تھا، نام سے پتہ چل جاتا تھا، اب نئے نام انگریزی طرز کے رکھے جانے لگے، لڑکیوں کے نام خواتینِ اسلام کے طرز کے خلاف خدیجہ، عائشہ، فاطمہ کے بجائے نسیم، شمیم، شہناز، نجمہ، پروین ہونے لگے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ
اور ان لوگوں میں کہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ
يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾
بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں

معتدل امت: یہ جماعت امت محمد یہ مرحومہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم جس نے ہر قسم کی افراط وتفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف واعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے۔ آگے اس امت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر دور میں اہل حق موجود ہوں گے:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی حتیٰ کہ (حضرت) عیسیٰ نزول فرمائیں، اور وہ جماعت حق پر غالب رہے گی، ان کا کوئی مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور قیامت کے

آنے یا وہ اپنے مرنے تک اس پر کاربند رہینگے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہر زمانہ میں اجماع اہلِ ہدایت صحیح (بلکہ یہ نص قرآنی ضروری الوقوع) ہے اور اس آیت سے وہ حدیث تعلق رکھتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں برابر ایک گروہ پیدا ہوتا رہے گا جو اللہ کے امر کو پورے طور پر ادا کرتا رہے گا، ان کی مدد نہ کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں قیامت آجائے گی۔ (تفسیر مظہریؒ)

حق وانصاف والی امت:

امام التفسیر ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ امت جس کا ذکر اس آیت میں ہے، میری امت ہے، جو اپنے جھگڑوں کے فیصلے حق وانصاف یعنی قانون الٰہی کے مطابق کرینگے اور لینے دینے کے تمام معاملات میں حق وانصاف کو سامنے رکھیں گے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم انکو آہستہ آہستہ پکڑیں گے

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ

ایسی جگہ سے جہاں سے اُن کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں اُنکو ڈھیل دونگا

إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

بیشک میرا داؤ پکا ہے☆

جھٹلانے والوں کو فوراً سزا نہیں ملتی:

جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی۔ بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو علانیہ اور کامل طور پر اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے۔ وہ حماقت اور بیحیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ خدا کا ''کید'' (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور باطن قہر وعذاب ہو۔ بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی گرفت:

ان کیدی متین یعنی میری گرفت سخت ہے گرفت کو کید سے اس لئے تعبیر کیا کہ اللہ کی گرفت بظاہر انعام نظر آتی ہے اور حقیقت میں تباہی آفریں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا میری پوشیدہ تدبیر سخت ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو اللہ کا اللہ کے رسول کا اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے چنانچہ ایک ہی رات میں اللہ نے سب کو قتل کرا دیا۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن

کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی

جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ

جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف کیا انہوں نے

يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

نظر نہیں کی سلطنت میں آسمانوں اور زمین کی

وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ

اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے اور اس

عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ

میں کہ شاید قریب آ گیا ہو ان کا وعدہ☆

اللہ کی آیات کو جھٹلانے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے:

یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اس کے بدانجام سے غافل ہو جانے کا سبب کیا ہے۔ ان آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل ومجنون نہیں۔ وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا، اس کے ہر چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو، اس کی عقل ودانش اور امانت پہلے سے مسلم ومعروف ہے جس کے پاس سے لایا وہ تمام جہان کا مالک شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اس کے نہایت ہی محکم ومضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو اس نے پیدا کی ہے غور کرو تو ''آیات تکوینیہ یہ آیات تنزیلیہ'' کی تصدیق کرینگی۔ پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے۔

انہیں سمجھنا چاہئے کہ شاید ان کی موت وہلاکت کا وقت قریب آلگا ہو۔ لہٰذا بعد الموت کے لئے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ

سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے ☆

قرآن کو چھوڑ کر کس پر ایمان لاؤ گے:

یعنی اگر آیاتِ قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کونسی بات اور کونسا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی امید کی سکتی ہے سمجھ لو کہ ان بد بختوں کے لئے دولتِ ایمان مقدر ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ

جس کو اللہ بچلائے اس کو کوئی نہیں راہ دکھلانیوالا

وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے ان کو ان کی شرارت میں سرگرداں ☆

ہدایت وگمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے:

ہدایت وضلالت، ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت کے رکھے رہ جائیں۔ آدمی کہیں سے بھی منتفع نہ ہو ہاں عادۃً وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے جب بندہ خود اپنے کسب واختیار سے اس راستہ پر چلنا چاہے۔ باقی جو دیدہ ودانستہ بدی اور شرارت ہی کی ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اسی حال میں اسے چھوڑ دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا

تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دکھائے گا اس کو

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اس کے وقت پر وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ

جب تم پر آئے گی تو بے خبر آئے گی ☆

قیامت کا معین وقت اللہ کو معلوم ہے

پہلے عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ میں خاص [illegible] قوم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کب آجائے۔ یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرمادیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے، پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئے گی۔ اس کی تعیین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہ ہی وقت معین ومقدر پر اسے واقع کر کر کے ظاہر کردیگا کہ خدا کے علم میں اس کا یہ وقت تھا۔ آسمان وزمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہوگا اور اس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ گو اس واقعہ کی امارات (بہت سی نشانیاں) انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے بیان فرمائی ہیں تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہوگا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعۃً ہوگا جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قیامت اچانک قائم ہوگی:

الا بغتۃً مگر اچانک، غفلت کی حالت میں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو شخص (یعنی بائع اور مشتری) اپنے بیچ میں کپڑا پھیلائے ہونگے اور خرید نے بیچنے نہ پائینگے کہ قیامت آجائیگی۔ کوئی آدمی اپنا حوض درست کرتا ہوگا اور اس کا پانی پلانے نہ پائے گا کہ قیامت بپا ہوجائے گی۔ کوئی آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لے کر لوٹ رہا ہوگا اور پینے نہ پائے گا کہ قیامت بپا ہوجائے گی۔ کوئی شخص لقمہ اٹھا کر منہ میں لیجانا چاہتا ہوگا اور کھانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ (یعنی قیامت کا وقوع اچانک ہو جائے گا اگرچہ اس کی نشانیاں مدت سے ظاہر ہورہی ہونگی)۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، صور میں پھونک ماردی جائے گی جبکہ لوگ راستوں بازاروں اور اپنی اپنی مجلسوں میں ہونگے یہاں تک کہ بیچنے خریدنے والے آپس میں بھاؤ چکار ہے ہونگے اور ایک اپنے ہاتھ سے اس چیز کو چھوڑنے نہ پائے گا کہ صور پھونک دیا جائے گا جس کی آواز سے وہ بے ہوش ہوجائے گا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا یہی مطلب ہے آیت مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً کا۔ لوگ بازاروں میں خرید وفروخت کر رہے ہونگے کپڑے ناپ رہے ہونگے اونٹنیوں کا دودھ دوہ رہے ہونگے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونگے کہ قیامت آ

جائیگی اور کوئی کسی کو وصیت کر سکے گا نہ گھر لوٹ سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

قریشیوں کا سوال:

امام تفسیر ابن جریر اور عبد بن حمید نے بروایت قتادہ نقل کیا ہے کہ قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور استہزاء وتمسخر کے دریافت کیا کہ آپ قیامت کے آنیکی خبریں دیتے اور لوگوں کو اس سے ڈراتے ہیں اگر آپ سچے ہیں تو متعین کر کے بتلایئے کہ قیامت کس سن اور کس تاریخ میں آنے والی ہے تاکہ ہم اس کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر لیں، آپ کے اور ہمارے درمیان جو تعلقات رشتہ داری ہیں ان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اگر آپ عام طور سے لوگوں کو بتلانا نہیں چاہتے تو کم از کم ہمیں بتلا دیجئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ الآیۃ۔

انسان کی موت اور عالم کی موت:

حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامتہٗ جو شخص مرگیا اس کی قیامت تو قائم ہوگئی اب ان آیات میں مجموعۂ عالم کی قیامت کا ذکر ہے۔ پس جس طرح کسی شخص کو اپنی شخصی قیامت یعنی اجل اور موت کا علم نہیں اسی طرح سمجھو کہ پوری دنیا کی اجل یعنی موت کا علم بھی کسی کو نہیں کون بتلا سکتا ہے کہ قیامت کس تاریخ میں اور کس وقت میں آئے گی۔ (معارف القرآن)

یَسْـَٔلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا
تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اس کی تلاش میں لگا ہوا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
ہے تو کہہ دے اسکی خبر ہے خاص اللہ کے پاس لیکن اکثر
یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
لوگ نہیں سمجھتے

سوال کرنے والوں کی غلط فہمی:

ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق وتفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے انبیاء علیہم السلام اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو۔ نہ ان کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کر لیا کریں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جن بیشمار علوم وکمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو، نہایت شکر گزاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کے سوال کا جواب:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ دیہاتی عرب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو اکثر یہ سوال کرتے رہتے کہ قیامت کب ہوگی۔ تو آپؐ ان کے کسی بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ اگر اللہ نے اس کو زندگی دی تو یہ بوڑھا بھی نہ ہونے پائے گا کہ تمہاری قیامت تو آجائے گی، گویا قیامت سے مراد موت ہوئی جو یہاں سے ہٹا کر تمہیں عالم برزخ میں لے جا چھوڑے گی۔

اور بہت سی حدیثیں اسی مضمون کی الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، جو سب کی سب ایک ہی مضمون کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مقصد ان سب حدیثوں کا یہی ہے کہ قیامت آئیگی اور ضرور آئیگی لیکن وقت کا تعیین نہیں کیا جاسکتا۔ "اس بچے کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آجائیگی" یہ اطلاق بھی اسی تقید پر محمول ہے، یعنی مراد اس سے لوگوں کی موت کا وقت ہے۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل آپؐ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے بارے میں مجھ سے تم لوگ پوچھتے رہتے ہو۔ اس کا علم تو خیر خدا کو ہے کہ قیامت آنے میں اور کتنی مدت ہے، لیکن میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اس وقت زمین پر جتنے متنفس آباد ہیں سو سال بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ تو گویا یہ مطلب ہوا کہ جیسے قیامت میں سب لوگ مر جائیں گے اسی طرح سو سال میں موجودہ سب لوگوں کیلئے قیامت آجائے گی۔ گویا تعین وقت ہی اگر چاہتے ہو تو لو یہ تعین وقت ہے۔ اس طرح قیامت سے مراد اس ایک صدی کا اختتام تھا کہ بات کو اس ڈھنگ سے بیان کیا گیا۔

قیامت کی ایک علامت:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں ابراہیمؑ اور موسیٰ اور عیسیٰ پر میرا گزر ہوا لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب (حضرت ابراہیمؑ) سے پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر (حضرت) موسیٰ کے پاس گئے۔ آپ نے بھی یہی کہا۔ عیسیٰ کے پاس گئے، آپ نے بھی کہا کہ اس کا علم تو خدا کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں لیکن علامت یہ ہے کہ دجال نکلے گا، میرے ساتھ ایک دو شاخہ ہوگا وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا، اور اللہ پاک اس کو ہلاک کردے گا، حتیٰ کہ شجر اور حجر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان میری آڑ میں ایک کافر چھپا ہوا ہے، آ اور اس کو قتل کر دے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دُنیا کی عمر:

ایک صحیح حدیث میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو مخاطب کر کے ارشاد ہے کہ تمہاری مثال پچھلی امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کے بدن پر ایک سفید بال ہو، اس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی عمر کتنی دراز ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے، اسی لئے حافظ ابن حزم اندلسی نے فرمایا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا کی عمر کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس کا صحیح علم صرف پیدا کرنے والے ہی کو ہے۔ (مراغی) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے

مَاشَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ

بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو

السُّوْۗءُ ۚ

برائی کبھی نہ پہنچتی

کوئی بندہ مختارِ کل اور عالم الغیب نہیں ہے:

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر ''اختیار مستقل'' رکھتا ہے نہ ''علم محیط'' سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً ''افک'' کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا'' لو استقبلت من امری ما استدبرت ،لما سقت الهدی'' (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کا روک تھام ''علم محیط'' رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ''حدیث جبرئیل'' کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرئیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ''ما المسئول عنها باعلم من السائل'' ارشاد فرمایا ہے۔ گویا بتلا دیا گیا کہ ''علم محیط'' خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور ''علم غیب'' تو در کنار، محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ ''اختیار مستقل'' یا ''علم محیط'' نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہئے، اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے، اس نوع میں ہمارے حضور تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے

ہاں اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا، اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپؐ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں، جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۞ هُوَ
میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو وہی
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا
ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا
زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا
اس کا جوڑا تا کہ اس کے پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا
خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا
ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اس کے ساتھ پھر جب بوجھل ہوگئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو
لَىٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۞ فَلَمَّاۤ
کہ اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں پھر جب
اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ
ان کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اس کے لئے شریک اس کی بخشی ہوئی چیز میں سو اللہ برتر ہے ان کے
عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۞
شریک بنانے سے☆

عام انسانوں کی حالت:

خدا نے سب انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا۔ آدمؑ کے انس اور سکون وقرار حاصل کرنے کے لئے اسی کے اندر سے اس کا جوڑا (حوا) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی، حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بڑھ گیا ،اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے، تب مرد وعورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کار آمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب ان کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیئے مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے، کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر و نیاز شروع کر دی، یا بچہ کی پیشانی اس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جس سے شرک کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً عبد العزیٰ یا عبد الشمس وغیرہ، غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع ومراتب شرک سے بالا و برتر ہے۔

ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدمؑ وحواؑ کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداء هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں بطور تمہید آدمؑ وحواؑ کا ذکر تھا، مگر اس کے بعد مطلق مرد و عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ جن سیاروں کو ''مصابیح'' فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں، جن سے ''رجم شیاطین'' ہوتا ہے۔ مگر شخص ''مصابیح'' سے جنس ''مصابیح'' کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ'' میں کچھ اشکال نہیں۔ مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدمؑ وحواؑ کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دے کر ان سے وعدہ لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام عبد الحارث رکھیں۔ حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبد الحارث نام رکھا ('' حارث'' ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو ''عبد'' کی اضافت ''حارث'' کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ ''حارث'' کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب ''عبد الضیف'' کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے۔ پس اگر ''عبد الحارث'' نام رکھنے کا واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً

شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبۂ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیاء ئے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنیٰ ترین ذلت کو ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے جیسے یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ یا فرمایا حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا علیٰ توجیہ بعض المفسرین اسی طرح یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقۃً شرک نہیں۔ شاید اسی لئے فقد اشرکا وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا'' اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتلایا ہے کہ عبدالحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے، وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایات سے ماخوذ ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدم وحواء کی ندامت:

اللہ نے حضرت آدم اور حواء کو اکل شجرہ کی ممانعت فرمادی لیکن جب دونوں نے شجرہ کو کھالیا تو چند مقامات پر بطور تشنیع اس کا اظہار کیا۔ مثلاً فرمایا وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى حضرت آدم کو بھی اپنے اس قصور پر بڑی ندامت ہوئی اور انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اللہ نے انکی توبہ قبول فرمائی۔ فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰى حضرت آدم کو توبہ قبول ہونے کے بعد بھی اپنی اس لغزش پر پشیمانی رہی۔ صحیحین میں آیا ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مؤمنوں کو روک لیا جائے گا ان کو سخت پریشانی ہوگی اور کہیں گے کاش اس وقت کوئی سفارشی ہوتا جو اللہ سے سفارش کر کے ہم کو اس جگہ سے رہا کرا دیتا۔ چنانچہ لوگ آدمؑ کے پاس جا کر کہینگے آپ سب آدمیوں کے باپ ہیں اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی جنت میں سکونت عطا کی تھی اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا اور تمام چیزوں کے اسماء آپ کو سکھا دیئے تھے آپ اپنے رب سے شفاعت کر کے ہم کو اس جگہ سے نجات دلا دیجئے۔ حضرت آدمؑ اپنی اس لغزش کو یاد کرینگے جو ممنوعہ درخت کو کھا لینے کی صورت میں پیدا ہوئی تھی اور کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں کہ تمہارے کام آؤں۔ (تفسیر مظہری)

محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابتداء آیت میں اگرچہ آدم وحوا کا ذکر تھا مگر وہ بطور تمہید تھا مگر بعد میں مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے کیونکہ حضرت آدم اور حضرت حواء کے ذکر سے مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدمیوں میں نر اور مادہ کو پیدا کیا تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں جس کا ان کو شکر گزار ہونا چاہئے تھا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ آڑے وقت میں تو صرف ہم کو پکارتے ہیں اور جب وقت نکل جاتا ہے تو ہماری ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتے ہیں۔ غرض یہ کہ اصل مقصود مطلق مرد اور عورت کا حال بتلانا ہے اس لئے محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا میں تثنیہ کی تینوں ضمیریں خاص حضرت آدم اور حواء کی طرف راجع نہیں بلکہ ان دونوں کی اولاد کے مردوں اور عورتوں کی طرف راجع ہیں یا یوں کہو کہ ان کی نسل میں سے دو مختلف جنسوں کی طرف راجع ہیں اور تقدیر کلام الٰہی اس طرح سے ہے فلما آتی اللہ آدم و حواء الولد الصالح الذی تمنیاء وطلباہ جعل کفار اولاد هما ذلک مضافا اے غیر اللہ تعالیٰ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حواء کو فرزند صالح عطاء فرمایا جس کی ان دونوں نے خواہش کی تھی تو آئندہ چل کر ان کی کافر اولاد نے اس کو غیر خدا کی طرف منسوب کیا اور اس کی تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ میں لفظ یشرکون صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ اور یشرکان صیغہ تثنیہ کا نہیں لایا گیا معلوم ہوا کہ خود حضرت آدم اور حواء مراد نہیں بلکہ یہ شرک کسی جماعت سے صادر ہوا ہے جو اولاد آدم سے ہے اور مسلسل شرک میں گرفتار ہیں کیونکہ عما یشرکون میں عما یشرکون صیغہ میں یشرکون صیغہ مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار تجددی کے لئے لایا گیا ہے معاذ اللہ جس کا حضرت آدم اور حواء کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہوسکتا

معاذ اللہ اگر آیت میں حضرت آدم اور حواء کا شرک مراد ہوتا تو فتعالی عما یشرکان کا بصیغۂ تثنیہ آتا معلوم ہوا کہ جعلا لہ شرکاء کی ضمیر تثنیہ دو جنسیں یا نوعین مختلفین کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم اور حواء کی طرف۔ (معارف کاندھلویؒ)

ازدواجی حقوق وفرائض کا مقصد

ازدواجی زندگی کے جتنے حقوق وفرائض زوجین پر عائد ہوتے ہیں ان سب کا خلاصہ اور اصل مقصد سکون ہے، دنیا کی نئی معاشرت اور نئی رسموں میں جو چیزیں سکون کو برباد کرنے والی ہیں وہ ازدواجی تعلق کی بنیادی دشمن ہیں، اور آج کی مہذب دنیا میں جو گھریلو زندگی عموماً تلخ نظر آتی ہے اور چار طرف طلاقوں کی بھرمار ہے، اس کا سب سے بڑا سبب یہی کہ معاشرت میں ایسی چیزوں کو مستحسن سمجھ لیا گیا ہے۔ جو گھریلو زندگی کے سکون کو سراسر برباد کرنے والی ہیں، عورت کی آزادی کے نام پر اسکی بے پردگی اور بے حیائی جو طوفان کی طرح عالمگیر ہوتی جاتی ہے اسکو ازدواجی سکون کے برباد کرنے میں بڑا دخل ہے اور تجربہ شاہد ہے جوں جوں یہ بے پردگی اور بے حیائی عورتوں میں بڑھتی جاتی ہے اسی رفتار سے گھریلو سکون واطمینان ختم ہوتا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک بھی چیز اور وہ پیدا ہوئے ہیں

پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اس کی مناسبت سے ان آیات میں بُت پرستی کا رد فرماتے ہیں۔ یعنی جو کسی کو پیدا نہ کر سکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا

اور نہیں کر سکتے ہیں ان کی مدد اور نہ اپنی مدد

أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ

کریں اور اگر تم ان کو پکارو راستہ کی

إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ

طرف تو نہ چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے

أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ

تم پر کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو جن کو تم پکارتے ہو

الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ

اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے

أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ

بھلا پکارو تو ان کو پس چاہئے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو اگر

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ

تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں

بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ

یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کی

لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ

آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں

آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ

جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو

ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿١٩٥﴾

پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو

بتوں کی بے بسی:

جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے، وہ تمہارے کام تو کیا آتے، خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق وامتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو، لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جا سکے۔ نہ تمہارے پکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آ سکتے ہیں، نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو،

دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع، تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک و مخلوق ہونے میں تم جیسی عاجز و درماندہ بلکہ وجود و کمالات وجود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خدا بنالیا جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچنے کی دھمکیاں دی جائیں۔

مشرکین مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی:

چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کر دیں۔ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ (زمر، رکوع ۴) اس کا جواب قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ سے دیا۔ یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کرلو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔ (تفسیر عثانی)

إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ

میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۶﴾

اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا وہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت و حفاظت کرے گا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت و اعانت وہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ نہیں کر سکتے

نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِن

تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں اور اگر تم

تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ

ان کو پکارو راستہ کی طرف تو کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے

يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾

ان کو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے

یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں، پر ان میں بینائی کہاں؟

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ

عادت کر درگزر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر

عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ

جاہلوں سے اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی

نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۰۰﴾

چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا

سخت گیری سے پرہیز رکھو:

خذ العفو کے کئی معنی کئے گئے ہیں، اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تند خوئی سے پرہیز کیا جائے اسی کو مترجم محققؒ نے "درگزر کی عادت" سے تعبیر فرمایا ہے۔ گزشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو تحمیق و تجہیل کی گئی تھی بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا برالفاظ زبان سے نکالتے، اس لئے ہدایت فرمادی کہ عفو و درگزر کی عادت رکھو، نصیحت کرنے سے مت رکو معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو یعنی ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر روز روز الجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا ذرا سی دیر میں ان کا سب حساب بے باک ہو جائے گا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت ان کی کسی نالائق حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان لعین چاہے کہ دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے "خلق عظیم" اور حلم و متانت کے شایاں نہ ہو، تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے۔ آپ کی عصمت و وجاہت کے سامنے اس کا کوئی کید نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعیذ کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت سالم بن عبداللہ کا واقعہ:

مروی ہے کہ سالم بن عبداللہ کا گزر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے ہوا۔ قافلہ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں، تو کہا کہ گھنٹی بجانا ممنوع ہے کفار مندروں میں گھنٹی بجاتے ہیں تو اہل قافلہ نے کہا کہ اس بارے میں ہمیں تم

سے زیادہ معلومات ہیں۔ ممانعت بڑے بڑے گھنٹوں کی ہے ان چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں میں کوئی حرج نہیں۔ تو سالم خاموش ہو گئے اور صرف اتنا کہا کہ اعرض عن الجاھلین۔ یعنی جاہلوں کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے۔

خذ العفو وامر بعرفٍ کما امرت واعرض عن الجهلين

ولن في الكلام لكل الانام فمستحسن من ذوي الجاهلين

''معاف کرنے کی عادت رکھو، نیک کاموں کی رہبری کیا کرو، اور جاہلوں سے اعراض کرو، ہر شخص کے ساتھ بات میں نرمی برتو اور بلند مرتبے والوں کے لئے بات میں نرمی برتنا اور بھی زیادہ مستحسن ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر)

لوگوں سے برتاؤ:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مجاہد کا بیان ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ لوگوں کی طرف سے سرسری برتاؤ اور سہل ترین اعمال کو قبول کریں مثلاً کوئی عذر کرے تو عذر قبول کرلیں عفو اور سہولت سے کام لیں چھان بین اور احوال کا تجسس نہ کریں ایسی بات کے لوگوں سے طلبگار نہ ہوں جس کو پیش کرنا ان کیلئے دشوار اور ناگوار ہو۔ اس تفسیر پر عفو کا معنی ہوگا سرسری برتاؤ، کوشش اور جہد کی ضد۔

بعض علماء کے نزدیک عفو سے مراد ہے مجرموں اور گناہگاروں کو معاف کردینا۔

حضرت عمرؓ کا اس آیت پر عمل:

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عینیہ بن حصین بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آکر ٹھہرا، حر حضرت عمرؓ کے مقربین میں سے تھے، حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور مشیر قراء ہوتے تھے جوان ہوں یا بوڑھے۔ عینیہ نے حر سے کہا بھتیجے کسی تدبیر سے تم ان سے (یعنی حضرت عمرؓ سے) اجازت لے سکتے ہو کہ وہ مجھے اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیدیں۔ حر نے وعدہ کرلیا اور حضرت عمرؓ سے عینیہ کے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی عینیہ حاضر ہوا اور کہنے لگا ابن خطابؓ خدا کی قسم تم ہم کو کچھ زیادہ مال نہیں دیتے نہ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ (گویا تقسیم مال میں جائز اور فصل مقدمات میں ظالم ہو) حضرت عمرؓ کو یہ سن کر اتنا غصہ آیا کہ قریب تھا عینیہ پر حملہ کردیں (یا کوئی سخت حکم دیدیں) حسن نے کہا امیر المومنین اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے خذو العفوو امر بالعرف واعرض عن الجاهلين اور یہ شخص جاہل ہے حضرت عمرؓ آیت سنتے ہی حکم آیت کے مطابق فوراً رک گئے تھے آپ کی یہ عادت ہی تھی جب یہ آیت سنی تو پھر اس آیت کے حکم سے آگے نہیں بڑھے۔

معاف کرنے کا اجر:

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے حساب کے لئے وہاں کھڑے ہوں گے ...... الخ اس حدیث میں ہے پھر ایک منادی ندا کرے گا جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو وہ کھڑا ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے لوگ کہیں گے اللہ کے ذمہ کس کا اجر ہوسکتا ہے منادی کہے گا لوگوں کو معاف کردینے والوں کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یہ سن کر اتنے اتنے ہزار لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے۔ رواہ الطبرانی باسناد حسن۔

آیت کا مطلب جبریلؑ کی زبانی:

روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جبرئیل اس کا مطلب کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا مجھے نہیں معلوم اللہ سے دریافت کر کے بتاؤں گا۔ کچھ دیر کے بعد جبرئیل لوٹ کر آئے اور کہا آپ کے ربؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جو تم سے (قرابت) کاٹے تم اس سے جوڑو، جو تم کو محروم رکھے تم اس کو دو جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو۔ رواہ ابن مردویه عن جابر وابن ابی الدنیا وابن جریر و ابن ابی حاتم عن الشعبی موسلاً۔ (تفسیر مظہری)

رشتہ داروں سے تعلق:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برابر دینے والا واصل (قرابت) نہیں۔ قرابت جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس کی رشتہ داری توڑی جائے تو وہ جوڑے رکھے۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ قرابت دار ہیں کہ میں ان سے جوڑتا ہوں تو وہ کاٹتے ہیں۔ میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کی طرف سے برداشت کرتا ہوں اور وہ میرے خلاف جہالت کرتے ہیں (برداشت سے کام نہیں لیتے) رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو کہہ رہا ہے تو تو ان کو بھوبھل (گرم راکھ) پھنکا رہا ہے اور جب تک تو اس سلوک پر قائم رہے گا برابر اللہ کی طرف سے ایک مددگار تیرے ساتھ رہے گا۔ (رواہ مسلم)

برائی سے روکو:

حضرت ابوسعیدؓ خدری (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان ہی سے روکے اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو دل سے ہی (اس سے نفرت کرے) اور یہ ضعیف ترین ایمان کا (درجہ) ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (یا تو) تم بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اغلب ہے کہ اللہ اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیج دے گا اس وقت تم دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔ رواہ الترمذی

جاہل سے اعراض کرو:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۔ یعنی اگر کوئی جاہل تمہارے خلاف حماقت کرے تم بیوقوفی اور سبک سری سے اس کا مقابلہ نہ کرو اور اس کے برتاؤ کی طرح خود برتاؤ نہ کرو اسی مفہوم کو بیان کیا ہے آیت وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا میں حضرت امام جعفرؒ صادق نے فرمایا اللہ نے اپنے پیغمبر کو برگزیدہ اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور قرآن میں کوئی اور آیت اس آیت سے بڑھ کر مکارمِ اخلاق کی جامع نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے اخلاق برگزیدہ اور محاسن افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔ (رواہ البغوی)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو نہ تھے نہ فحش پسند نہ بازاروں میں چیخ و پکار کرنے والے تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر کرتے تھے۔ رواہ الترمذی والبغوی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

اس جگہ ابن مردویہ نے بروایت سعد بن عبادہ نقل کیا ہے کہ غزوۂ احد میں جب آنحضرت کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا گیا اور بڑی بیدردی سے ان کے اعضاء کاٹ کر لاش کی بے حرمتی کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاش کو اس ہیئت میں دیکھ کر فرمایا کہ جن لوگوں نے حمزہؓ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے میں ان کے ستر آدمیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کر کے چھوڑونگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ آپ کا یہ مقام نہیں، آپ کے شایانِ شان یہ ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیں۔

اولین و آخرین سے بہتر اخلاق:

اور بیہقی نے بروایت علی مرتضیٰ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو اولین و آخرین کے اخلاق سے بہتر اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جو شخص تم کو محروم کرے تم اس پر بخشش کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو، جو تم سے تعلق قطع کرے تم اس سے بھی ملا کرو۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ
جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا ان پر
الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۟ (۲۰۱)
شیطان کا گزر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ
اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو کھینچتے چلے جاتے ہیں گمراہی میں پھر
لَا يُقْصِرُوْنَ ۟ (۲۰۲)
وہ کمی نہیں کرتے

متقی لوگوں کا حال:

پہلے تو تنہا حضورؐ کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے اب عام متقین (خدا ترس پرہیزگاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں یعنی عام متقین کے حق میں یہ محال نہیں کہ شیطان کا گزر ان کی طرف ہو، اور کوئی پر کہ لگا

جائے۔ البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے ٹھوکر لگی اور معاً سنبھل گئے، سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد نازیبا کام سے رک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو، اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہئے) ان کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ انہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ ادھر یہ لوگ ان کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان شیاطین کے غرور و سرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہر حال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگنے دیر نہ کرے۔ ورنہ غفلت میں تمادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ تو یکا یک وہ متقی روشن نظر ہو جاتے ہیں وہ گناہ کے مقام اور شیطان کے جال کو دیکھ لیتے ہیں اور اس سے بچ جاتے ہیں۔ شیطانی خیال کے پیچھے نہیں لگ جاتے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا
اور جب تو لیکر نہ جائے انکے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ
اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ
چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے تو کہدے میں تو چلتا ہوں اس پر جو
مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى
حکم آئے میری طرف میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے
وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾
رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو مومن ہیں

کافروں کے اعتراض اور جواب:

جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی، تو کفار از راہ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے، آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہی ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح کبھی دق کرنے کے لئے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار فرماتے تو کہتے ''لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا'' یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے، دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ''یعنی ان سے کہہ دو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افتراء کرے، یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدام کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے، قبول کرے، اس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے۔ اور ایمان لانے والوں کے لئے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو تم کب ماننے کے لئے تیار ہوئے ہو، جو فرمائشی آیات کو تسلیم کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو
وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾
اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو

قرآن پاک کا حق:

جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم و ہدایت کی کان ہے تو اس کی قرأت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے ادھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور و شغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے۔ اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے یا کم از کم اس فعل کے اجر و ثواب سے نوازا جائے۔

مقتدی قرأت نہ کرے:

اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قرأت کرے تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے جیسا کہ ابوموسیٰؓ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا'' و اذا اقرأ فانصتوا''

(جب نماز میں امام قرأت کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح وبسط سے اسکے مالہ و ماعلیہ پر بحث کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مسعودؓ نماز پڑھا رہے تھے، لوگوں کو دیکھا کہ امام کے ساتھ خود بھی قرأت کر رہے ہیں تو نماز ختم کر کے کہا تمہیں کیا ہو گیا کہ قرآن سنتے نہیں سمجھتے نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاموش رہ کر سننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی (یہ آیت مکی ہے اور انصار کے قبول اسلام سے پہلے کی نازل شدہ ہے) آنحضرتؐ پڑھتے تھے وہ بھی آنحضرتؐ کے پیچھے پڑھتا تھا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے بالجہر نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی خود بھی میرے ساتھ ساتھ پڑھ رہا تھا تو ایک شخص نے کہا، ہاں یا رسول اللہؐ! تو آپ نے فرمایا، مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھا جاتا ہے، چنانچہ اس کے بعد لوگ صلوٰۃ بالجہر میں امام کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے۔

زہریؒ نے کہا ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ امام کی اپنی قرأت بھی تمہارے لئے کافی ہے اگرچہ اس کی آواز تمہیں سنائی نہ دے۔ لیکن نماز بالجہر نہ ہو لوگ اپنے منہ میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرے، نہ پوشیدہ کرے نہ علانیہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن خوانی کے وقت خاموشی اختیار کر لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ علماء کی ایک جماعت کا ہے کہ مقتدی پر نماز جہریہ میں یہ واجب نہیں ہے کہ قرأت خود بھی کرے نہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت نہ غیر فاتحہ پڑھنے کے وقت اور امام شافعی کے دو قول ہیں، جن میں ایک قول یہ بھی ہے، امام ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ مقتدی ہرگز قرأت نہ کرے نہ سری نماز میں نہ جہری میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ امام کی قرأت تمہاری قرأت ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ مسئلہ بہت بسیط ہے اور مختلف فیہ ہے۔

طلحہ بن عبید اللہ بن کریزؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو باہم باتیں کرتا پایا حالانکہ دوسری طرف وعظ ہو رہا تھا، تو میں نے کہا کہ ذکرِ خدا کیوں نہیں سنتے، تم وعید کے قابل ہو رہے ہو، تو ان دونوں نے میری طرف دیکھا پھر اپنی باتوں میں لگ گئے۔ میں نے دوبارہ انہیں تنبیہ کی۔ انہوں میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ میں نے تیسری بار اپنی بات کا اعادہ کیا تو کہنے لگے کہ یہ حکم نماز سے متعلق ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اور تم مقتدی ہو تو خاموش ہو کر سنو، تم بھی نہ پڑھنے لگو۔ مجاہدؒ اور دوسرے بھی کئی راوی اس حکم کو قرآن سے متعلق ہی بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص نماز میں نہ ہو اور قرآن پڑھا جا رہا ہو تو پھر باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زید ابن اسلمؒ بھی یہی مراد لیتے ہیں۔

خطبہ کے دوران خاموش رہو:

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبۂ یوم جمعہ سے متعلق ہے۔ ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور عید الفطر اور یوم جمعہ کے خطبے اور جہری نماز سے متعلق ہے، غیر جہری نماز سے متعلق نہیں ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد چپ رہنا ہے نماز میں اور خطبے میں۔ اور یہی حکم ہے کہ خطبے میں اور امام کے پیچھے چپ رہا کرو، حدیث میں بالکل یہی حکم وارد ہے۔ مجاہدؒ اس بات کو بہت ہی برا سمجھتے تھے کہ جب امام کوئی آیت خوف یا آیت رحمت پڑھے تو بولنے لگیں۔ نہیں بلکہ خاموش رہیں اپنی زبان سے جذباتِ خوف ورجا کے تحت کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت خاموش ہو کر سنے تو اس کے لئے دوگونہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے قرآن قیامت کے دن اس کے لئے نور بن جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حنفیہ نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قرأت نہیں کرنا چاہئے، اور جن فقہاء نے مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ہدایت کی ہے ان میں بھی بعض نے اس کی رعایت رکھی ہے کہ امام کے سکتہ کے وقت فاتحہ پڑھی جائے یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں، اس بحث میں علماء نے مستقل کتابیں چھوٹی بڑی بہت لکھی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کوئی شخص دوسرے کو نصیحت کے لئے زبان سے یہ بھی نہ کہے کہ خاموش رہو (کرنا ہی ہو تو ہاتھ

سے اشارہ کر دے) غرض دوران خطبہ میں کسی طرح کا کلام، تسبیح درود یا نماز وغیرہ جائز نہیں۔

فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو حکم خطبہ جمعہ کا ہے وہی عیدین کے خطبہ کا اور نکاح وغیرہ کا خطبہ کا ہے کہ اس وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جہراً قرأت فرماتے تھے اور ازواج مطہرات اس وقت نیند میں ہوتی تھیں، بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جاتی تھی۔

اور بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں رات کو پڑاؤ ڈالنے کے بعد صبح کو فرمایا کہ میں نے اپنے اشعری رفقائے سفر کو ان کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے اندھیرے میں پہچان لیا کہ ان کے خیمے کس طرف اور کہاں ہیں، اگرچہ دن میں مجھے ان کے جائے قیام کا علم نہیں تھا۔

اس واقعہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قرأت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو تم سب اٹھ بیٹھو اور قرآن سنو۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

جمہور مفسرین کا قول:

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی خاص مقتدی کیلئے یہ حکم نازل ہوا کہ مقتدی کیلئے یہ جائز ہی نہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرے بلکہ اس کیلئے استماع اور انصات یعنی سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے اور اسی کو امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر نے اختیار کیا کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی۔

صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انما جعل الامام لیوتم به فاذا اکبر فکبر داد اذا قراء فانصتو اور یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا قمتم الی الصلاة فلیئومکم احدکم واذا قراء الامام فانصتوا. مسند احمد ص۴۱۵ ج۴

جز این نیست کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم بالکل خاموش رہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۲۸۰ ج۲۔ (تفسیر ابن جریر ص۱۱۲ ج۹)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی دیکھو مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۵ ج۱۔ اور فتاوی اور ابن تیمیہ ص۱۴۳ ج۲۔ (معارف القرآن)

اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہؓ بن عمر اور عبداللہؓ بن عباس اور عبداللہؓ بن مغفل اور سعیدؓ بن المسیب اور ابوالعالیہ اور زہری اور زید بن اسلم اور شعبی اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تفصیل اور تخریج کیلئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر درمنثور دیکھیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو! جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر پوری توجہ اور التفات سے سنو اور امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھو بالکل خاموش کھڑے رہو اور اپنے گوش سر اور گوش سر یعنی گوش دل کو قرآن کے سننے کے لئے مخصوص کر دو اور زبان سے خاموش رہو اس لئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے امام کا کلام نہیں۔ امام تو محض قاری ہے یعنی کلام خداوندی کا پڑھنے والا ہے پس جب امام قرأت قرآن کرتا ہے تو در پردہ وہ متکلم اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ امام بلاتشبیہ کے یوں سمجھو کہ نماز میں اللہ کا کلام۔ بجائے کوہ طور کے درخت کے امام کی زبان سے جلوہ افروز ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کلام خداوندی جلوہ افروز ہو تو مجال دم زدنی نہیں کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو کما قال تعالیٰ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا امید ہے کہ اس استماع اور انصات کی برکت سے تم پر اللہ کی خاص رحمت نازل ہوگی اور کلام خداوندی کے انوار و تجلیات کی وجہ سے تم کو ہدایت اور بصیرت بھی حاصل ہوگی اور نزغات شیطانی سے بھی محفوظ رہو گے۔

اور عقل اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب کلام خداوندی پڑھا جائے تو کوئی آواز اور سانس نہ نکلنے پائے کما قال تعالیٰ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے۔

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة رواه ابن ابی شیبة

جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے خلاف فطرت کام کیا۔

جمع الناس علی ان ہذہ الآیۃ فی الصلاۃ اھ ص ۲۰۵ ج ا۔

امام ابن تیمیہ کا فتویٰ:

اور حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی ص ۱۴۳ ج ۲۔ میں لکھتے ہیں

وقال تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وقد استفاض عن السلف انها نزلت فی القرآة فی الصلاة وقال بعضهم فی الخطبة وذكر احمد بن حنبل الاجماع علی انها نزلت فی ذلک وذكر الاجماع علی انه لا تجب القرأة علی المامومحال الجهر . انتهی۔

اس لئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ جہری نماز میں قرأت کرے اور نہ سری نماز میں قرأت کرے فاستمعوا کا حکم جہری نماز سے متعلق ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سری دونوں نمازوں سے متعلق ہے

(دیکھو احکام القرآن للجصاص ص ۳۹ ج ۳)

قال تعالیٰ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا

اس آیت میں انصتوا کے معنی یہ ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو بالکل خاموش رہو اور کوئی حرف زبان سے نہ نکالو اس لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت ممنوع ہے اس لئے کہ سورۂ اعراف کی اس آیت سے واضح ہوگیا کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب اور لازم ہے اور اس کے خلاف ممنوع ہے اس لئے کہ امر بالشئی نہی عن ضده کو مقتضی ہے پس جب بحکم خداوندی مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہوگیا تو لامحالہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا۔ مطلقا ممنوع اور منہی عنہ ہوگا اور تا آخر یہ حکم قائم رہا کہ اس کے بعد کوئی آیت اس کی ناسخ نازل نہیں ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو قرأت سے منع فرمایا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے اور ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں کہ جس میں صراحۃً آپ نے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا ہو (بلکہ) جن لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت کی آپ نے ان سے باز پرس کی بطور عتاب یہ فرمایا انی اراكم تقرؤن وراء امامكم اور ایک روایت میں ہے هل تقرؤن وراء امامكم اور ایک روایت میں ہے لعلكم تقرئون ان سب کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو جو منصب اقتداء کے منافی ہے مقتدی کا فرض تو یہ ہے کہ امام کی قرأت سنے اور خاموش رہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا هل قرأ معی منكم احد انفا کیا تم میں سے کسی نے میری ساتھ کچھ پڑھا ہے۔ ساری جماعت میں سے صرف ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے پڑھا ہے آپ نے فرمایا مالی انازع القرآن میں بھی تو کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز میں قرأت قرآن کے بارہ میں منازعت کی جاتی ہے اور منازعت کے معنی کشاکش اور جھگڑنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرأت قرآن تو حق امام کا ہے تم میرے پیچھے قرأت کر کے میرے اس حق کو چھیننا چاہتے ہو لہٰذا مقتدی کو چاہئے کہ قرأت خلف الامام کر کے امام کے ساتھ منازعت نہ کرے ابو ہریرہ یا زہری فرماتے ہیں کہ آپ کے اس خطاب سراپا عتاب کے سننے کے بعد جہری نماز میں قرأت کرنے سے سب لوگ باز آگئے فانتهى الناس عن القراء فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقرائة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم یہ تو جہری نماز کا واقعہ ہوا۔ کہ لوگ جہری نماز میں قرأت خلف الامام سے باز آگئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں کا حکم یکساں ہے مقتدی کے لئے کسی نماز میں بھی قراءت جائز نہیں امام مالک اور امام احمد نے جو جہری اور سری نمازوں کے حکم میں تفریق کی وہ ان کا اجتہاد ہے۔

ایک واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی ایک شخص نے جو اس کے پاس تھا اس کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جا پس جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا کہ تو نے مجھے کیوں ٹوکا تھا۔ اور مجھ کو اشارہ سے کیوں منع کیا تھا تو اس ٹوکنے اور روکنے والے نے پیچھے پڑھنے والے سے کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امک فکرھت ان تقرأ خلفہ فسمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فان قراتہ لہ قراۃ مؤطا امام محمد ص ۹۸ یعنی اوس منع کرنے والے نے کہا۔

جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سامنے اور آگے امامت فرما رہے تھے پس میں نے مکروہ جانا کہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کچھ پڑھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ گفتگو سن لی۔ سن کر یہ فرمایا جس کے لئے امام ہو پس تحقیق امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے۔ (دیکھو مؤطا امام محمدؒ ص ۹۸ و کتاب الآثار للامام محمد)

فاروق اعظمؓ: امام محمد ابن الحسن مؤطا ص ۹۸ میں فرماتے ہیں:۔

ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرء خلف الامام حجرا۔

فاروق اعظم کا یہ ارشاد ہے کہ کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہوں جو امام کے پیچھے قراءت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ:

مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا من قراء خلف الامام فقد اخطاء الفطرۃ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی وہ فطرت سے چوک گیا۔ یعنی قرأۃ خلف الامام خلاف فطرت فعل ہے۔

مقتدی کا فرض یہ ہے کہ خاموش کھڑا رہے:

حدیث میں مقصود قراءت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ فقط مقتدی کا فریضہ بتلانا مقصود ہے کہ مقتدی کا فرض یہ ہے کہ امام کے پیچھے بالکل خاموش کھڑا رہے اسی بنا پر جس قدر حدیثیں اقتداء کے احکام کے بارہ میں آتی ہیں۔ یہ سب جگہ صرف فانصتوا کا ہی لفظ آیا ہے جو جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ اور ابتداء مشروعیت امامت سے لے کر وفات نبوی تک کسی وقت بھی مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہوئی بلکہ سنت یہ رہی کہ امام قراءت کرتا اور مقتدی سنتے اور خاموش رہتے۔ لیلۃ الاسراء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین آپکے انتظار میں مسجد اقصیٰ میں جمع تھے جبرئیل کے حکم سے آپ امامت کے لئے آگے بڑھے آپ نے امامت فرمائی اور قراءت قرآن کی اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام نے آپ کی اقتداء کی۔ سب نے آپ کی قراءت کو سنا کسی ایک نبی یا فرشتہ نے آپ کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اس کے بعد سے امامت اور اقتداء کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ہمیشہ یہی طریقہ رہا کہ امام پڑھتا اور مقتدی سنتے یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے اتفاقاً محض اپنی رائے سے آپکے پیچھے قرأت کر ڈالی تو اس پر سورۂ اعراف کی یہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا نازل ہوئی جس سے مقصود ہی قراءت خلف الامام کی ممانعت تھی۔

اور علی ہذا مرض الوفات میں اسی طرح پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ابوبکر مسجد نبوی میں امامت کر رہے تھے اور صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام ہو گئے۔ (مسند احمد ص ۲۳۲ ج ۱)

اور سنن دار قطنی ص ۱۵۳ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے قرأت شروع کی جہاں ابوبکر صدیق پہنچ چکے تھے اور ابوبکر صدیق اسوقت سورت پڑھ رہے تھے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اپنی آخری نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور جتنی مقدار قرأت اور سورۂ فاتحہ آپ سے اس نماز میں رہ گئی تھی آپ نے اس کا اعادہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نماز میں ابتداء سے امام تھے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے ان کی قراءت سب کیلئے کافی ہوگئی۔

جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ من كان له امام فقراءة الامام له قراءة یعنی امام کی قرأت۔ حکماً مقتدی کی قراءت ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قراءت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک حکمی نماز میں امام کی قراءت حقیقی ہے اور مقتدی کی قرأت حکمی ہے۔

مقتدی کی قرأت کا نقصان:

پس اگر ہر مقتدی نماز میں اپنی اپنی قراءت کرے تو صلاۃ جماعت صلاۃ واحدہ نہ رہے گی بلکہ صلوات متعددہ فی مکان واحد کا مجموعہ ہوگی۔ یعنی چند آدمیوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی ہے نماز جماعت اور تنہا نماز میں درحقیقت کوئی فرق نہ رہا۔ نماز جماعت کا حاصل ومحصول صرف اتنا رہا کہ چند لوگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی نماز ادا کر لی جس کو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔

فاتحہ والی حدیث کا مطلب

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام شافعی کے استاذ سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں لمن يصلی وحده یعنی یہ حدیث اُس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو۔ مقتدی کے حق میں نہیں اور علی ہذا امام ترمذیؒ حضرت جابرؓ سے ناقل ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل۔ (جو امام بخاری کے استاذ ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو (یا دوسروں کو پڑھا رہا ہو)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرأت کرے تو مقتدیوں کی نماز بغیر قرأت کے صحیح نہ ہوگی۔ (معارف کاندھلویؒ)

نماز میں کلام کرنا

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت ہے کہ لوگ نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بولنے کی ممانعت فرمادی۔ اخرجہ ابن مردویہ والبیہقی فی السنن۔

امام اعظمؒ کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ نماز میں کلام کرنا تھوڑا ہو یا بہت قصداً ہو یا بھول کر یا سہو سے ہو یا جبراً یا حرمتِ کلام سے ناواقفیت کی حالت میں بہرحال نماز کو توڑ دیتا ہے ہاں اگر یہ خیال نہ رہے کہ نماز میں مشغول ہوں اور سلام کر لے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول کے استدلال میں حضرت معاویہؓ بن حکم کی حدیث پیش کی ہے۔ حضرت معاویہؓ کا بیان ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ مقتدیوں میں سے کسی کو چھینک آئی میں نے کہا یرحمک اللہ لوگوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے کہا ہائے ہائے تم کیوں مجھے گھور کر دیکھ رہے ہو لوگوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارے۔ جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں چپ ہو گیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھ چکے تو مجھے طلب کیا میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں نے نہ آپ سے پہلے ایسا اچھی تعلیم دینے والا معلم دیکھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے نہ میرے مکا مارا نہ برا کہا نہ ضرب رسید کی بلکہ فرمایا یہ نماز ہے اس میں لوگوں کی کسی طرح کی بات درست نہیں یہ تو صرف تسبیح تکبیر اور قرآن کی قرأت ہے۔ رواہ مسلم

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام نماز کو توڑ دیتا ہے وضوء کو نہیں توڑتا۔ رواہ الدار قطنی۔

بغوی نے مجاہد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت کر رہے تھے کہ ایک انصاری جوان کو آپ نے قرأت کرتے سنا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

رات کو اُونچی آواز سے قرأت کرنا:

میں کہتا ہوں حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بلند آواز سے قرآن اس طرح پڑھتے تھے کہ حجرہ سے باہر والے بھی سن لیتے تھے اور اکثر ہمسائے بھی سنتے تھے۔ رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجۃ عن ام ہانی۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے کہ میں اپنی چھت پر ہوتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کو قرآن پڑھنے کی آواز سنتی تھی۔ اس حدیث میں لفظ عریش آیا ہے بغوی نے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ عریش کا معنی ہے چھت، مکہ کے گھروں کو عریش اس لئے کہتے تھے کہ وہ ٹانڈ کی طرح لکڑی کے ستونوں پر نصب کئے جاتے تھے (جن کے اوپر لوگ سوتے لیٹتے بیٹھتے تھے) اور ان کا سائبان ہو جاتا تھا، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اس اندازہ پر ہوتی تھی کہ حجرہ سے باہر والے سن لیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے اندر بیبیاں موجود ہوتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں مشغول ہونے کے وقت بعض بیبیاں سوتی بھی ہوتی تھیں۔ بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ سامنے سوتی ہوتی تھی میرے دونوں پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے میں ٹانگیں سمیٹ لیتی پھر جب آپ سجدہ سے کھڑے ہو جاتے تو میں ٹانگیں پھیلا لیتی اس وقت گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔ صحابہؓ رات دن بلند آواز سے قرآن پڑھا کرتے تھے اور کوئی مخالفت نہ کرتا تھا۔

مسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھے وہ منظر نظر آ رہا ہے کہ رات تم قرآن پڑھ رہے تھے اور میں تمہاری قرأت سن رہا تھا۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰؓ کا بیان منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب ہم سفر اشعریؓ جب رات کو قرآن پڑھتے تھے تو دوران سفر میں میں ان کی آوازیں پہچان لیتا تھا اور آوازوں سے رات کو ان کی فرودگاہیں بھی پہچان لیتا تھا باوجودیکہ دن میں مجھے معلوم نہ ہوتا تھا کہ رات کو انہوں نے کہاں کہاں پڑاؤ کیا اور یہ حقیقت ہے کہ جب اشعری لوگ قرآن پڑھتے ہونگے تو کچھ لوگ لشکر میں سونے کی حالت میں بھی ہونگے ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب نے مسجد میں کچھ لوگوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں سنیں اور فرمایا ان لوگوں کے لئے بشارت ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے تھے۔

یہاں خاص قرأت مراد ہے:

میں کہتا ہوں کہ اذا قرء القرآن میں الف لام عہد کے لئے جنس کے لئے نہیں ہے اس سے مراد وہ قرآن ہے جو پڑھنے والا تمہارے سنانے کے لئے پڑھتا ہے یا خطیب اہل مجلس کو خطاب کرنے کے وقت پڑھتا ہے یا قاری شاگردوں کو سکھانے کے لئے پڑھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: منفرد آدمی فرض نماز میں قرأت کو چھوڑ کر کسی دعاء یا تعوذ میں مشغول نہ ہو ہاں نفل نماز میں اگر تلاوت کے وقت جنت یا دوزخ کا ذکر آئے تو جنت کے لئے دعاء کرے اور دوزخ سے پناہ مانگے اور آیت پر غور کرے۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کی (یعنی تہجد کی) نماز پڑھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی آیت پڑھتے تھے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تھا تو رک کر اللہ سے جنت کے لئے درخواست کرتے اور اگر ایسی آیت پڑھتے جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو ٹھیر جاتے اور دوزخ سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتے۔

درمیانی آواز سے پڑھو:

حضرت ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانۂ نبوت سے باہر تشریف لے آئے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ بہت ہی پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ کی طرف سے گذرے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، جب صبح

کو دونوں حضرات خدمت گرامی میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا میں تمہاری طرف گذرا تھا تم نہایت پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے میں دعا کر رہا تھا اس کو سنا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سے فرمایا میں تمہاری طرف سے بھی گذرا تھا، تم اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اونگھتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ تم اپنی آواز کچھ اٹھاؤ اور عمر تم اپنی آواز کچھ نیچی کرو۔ رواہ ابوداؤد۔ ترمذی نے ایسی ہی حدیث حضرت عبداللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کی ہے۔

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کو چپکے چپکے بھی پڑھو اور آواز سے بھی مگر آواز زیادہ زور سے نہ ہو۔ یعنی کبھی اس طرح پڑھو اور کبھی اس طرح دونوں طرح پڑھو۔ ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اس طرح ہوتی تھی کہ آپ کبھی آواز کو اٹھاتے تھے کبھی پست کر کے پڑھتے تھے حضرت عبداللہؓ بن ابی قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی کیفیت دریافت کی کہ آپ چپکے چپکے پڑھتے یا آواز سے۔ ام المومنین نے فرمایا ہر طرح قرأت کرتے تھے چپکے چپکے بھی پڑھتے تھے اور آواز سے بھی میں نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہر کام میں گنجائش رکھی ہے۔ رواہ الترمذی ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

دوسروں کو دِکھانے سے پرہیز:

اعمش کا بیان ہے میں ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص داخلہ کا خواستگار ہوا آپ نے فوراً قرآن مجید کو الگ رکھ دیا اور فرمایا یہ شخص دیکھنے نہ پائے کہ میں ہر وقت قرآن پڑھتا ہوں۔ ابوالعالیہ کا بیان ہے میں صحابہؓ کرام کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے کہا رات میں نے اتنا قرآن پڑھا صحابہ نے فرمایا قرآن سے تیرا نصیب یہی تھا۔

خوش آوازی

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تجھے داؤدؑ کے سُروں میں سے ایک سر دیا گیا ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت فضالہؓ بن عبید کی روایت سے بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر گانے والی عورت کے گانے کی آواز کی توجہ سے اس کا آقا سنتا ہے اس سے زیادہ توجہ سے اللہ اس خوش آواز شخص کی قرأت سنتا ہے جو آواز سے قرآن مجید پڑھتا ہے۔

ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آوازوں سے قرآن کی سجاوٹ کرو۔ (یعنی خوش آوازی سے پڑھو کہ سننے والے کو قرآن مکروہ نہ معلوم دے حسین محسوس ہو) مختلف احادیث میں مطابقت پیدا کرنے اور تضاد کو دور کرنے کے لئے امام غزالی اور کچھ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اگر پڑھنے والے کو خود اپنے متعلق ریا کار ہو جانے کا اندیشہ ہو اور وہ ڈرتا ہو کہ آواز سے قرآن پڑھنا میرے اندر عجب وغرور پیدا کر دیگا تو چپکے چپکے پڑھنا افضل ہے۔

اگر ریاء یا ایذاء ہو تو آہستہ پڑھے

میں کہتا ہوں کوئی شک نہیں کہ آواز سے قرآن پڑھنے کی احادیث بکثرت آئی ہیں اور صحابہؓ و تابعین کے آثار و اقوال بھی اس سلسلہ میں بے شمار ہیں لیکن یہ حکم اسی شخص کے لئے ہے جس کو اپنے اوپر ریاء کا شبہ نہ ہو۔ غرور وعجب پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو کسی کو تکلیف بھی نہ ہو کسی کی نماز میں خلل بھی نہ پڑتا ہو اگر اس قسم کا کوئی اندیشہ ہو تو آواز سے پڑھنا درست نہیں۔ اندیشہ نہ ہو تو جہر سے قرأت مستحب ہے اگر ایک جماعت سننے کے لئے جمع ہو تب تو آواز سے پڑھنا اور بھی افضل ہے۔ مگر بہت چیخ کر پڑھنا اور اپنے کو تکلیف ومشقت میں ڈال کر جہر کے ساتھ پڑھنا جائز کسی طرح نہیں۔ اللہ نے فرمایا وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ امام محمدؒ نے موطا میں امام مالک کی روایت سے ابوسہیل کے باپ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نماز میں اتنی آواز سے قرأت کرتے تھے کہ میں ابوجہیم کے گھر کے پاس ان کی قرأت سن لیتا تھا اسی لئے امام محمدؒ نے فرمایا کہ جہری نماز میں آواز سے قرآن پڑھنا چاہئے لیکن پڑھتے وقت (زور لگا

کر) اپنے کو دکھ میں نہ ڈالنا چاہئے۔

گا گا کر پڑھنا منع ہے:

فائدہ: شعبہ کا بیان ہے مجھے ابو عبیدہؓ نے حدیث زینوا القران باصواتکم بیان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ابو عبیدہ نے کہا ممانعت کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہوگی کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں کو ان نوخیز بدعتی لہجوں کا جواز ہاتھ لگ جائے گا جو لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد ابو عبیدہ نے قرآن کو خوش آوازی سے۔ پڑھنے کے سلسلہ کی بکثرت احادیث نقل کیں اور فرمایا ان تمام احادیث کا مقصد یہ ہے کہ غم انگیز خوف آفریں اور شوق افزا طریق ادا اختیار کیا جائے یہ تفریحی لہو آگیں لہجے اور لئے مراد نہیں ہیں۔

اچھی قرأت والا:

طاؤس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے زیادہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا یا سب سے اچھی قرأت کرنے والا کون ہے فرمایا (سب سے اچھا پڑھنے والا) وہ شخص ہے کہ جب تم اس کی قرأت سنو تو سمجھو کہ یہ اللہ سے ڈر رہا ہے (یعنی اس پر اس وقت خشیت کی کیفیت طاری ہے)

دارمی نے طاؤس کا قول مرسلاً بیان کیا ہے کہ قرآن پڑھنے میں سب سے زیادہ خوش آواز وہ شخص ہے جو پڑھتے وقت سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب کی لے اور آوازوں میں قرآن پڑھو۔ اہل عشق کی لے اور ان دونوں کتابوں والوں کے ترانوں سے پرہیز رکھو آئندہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گانے کی ٹکگری سے اور نوحہ کے طرز سے قرآن پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، ان کے اور ان کی کیفیت کو پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورزین فی کتابہ۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت منع تھی:

جس کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے قرأت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گذرا اور سلام پھیر کر بطور عتاب اور بطریق مواخذہ اکیم قرءِ خلفی فرمایا میرے پیچھے کس نے پڑھا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً
اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ
اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو

ذکر کرنے کے آداب:

بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے، اس کا ادب ہو چکا۔ اب عام "ذکر اللہ" کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں۔ یعنی "ذکر اللہ" کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہئے۔ سچی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارنے، جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجہ میں آواز میں اور ہیئت میں تضرع و خوف کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ ذکر و مذکور کی عظمت و جلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا اسی لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سراپا جہراً خدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کرے گا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اگر صرف دل ہی دل میں دھیان اور تفکر میں مشغول رہے زبان سے کوئی حرف ادا نہ کرے وہ بھی بڑا ثواب ہے اور سب سے کم درجہ اس کا ہے کہ صرف زبان پر ذکر ہو اور قلب اس سے خالی ہو اور غافل ہو۔ ایسے ہی ذکر کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اور مقصد مولانا رومی کا یہ ہے کہ قلب غافل کے ذکر کرنے سے ذکر کے آثار و برکات کامل حاصل نہیں ہوتے، اس کا انکار نہیں کہ یہ صرف زبانی ذکر بھی ثواب اور فائدہ سے خالی نہیں، کیونکہ بعض اوقات یہ زبانی ذکر ہی قلبی ذکر کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے، زبان سے کہتے کہتے قلب بھی متاثر ہونے لگتا ہے اور کم از کم ایک عضو تو ذکر میں مشغول ہے ہی، وہ بھی ثواب سے خالی نہیں، اس لئے جن لوگوں کو ذکر وتسبیح میں دلجمعی اور دھیان اور استحضار نہیں ہوتا وہ بھی ایسے ذکر کو بے فائدہ سمجھ کر چھوڑیں نہیں جاری رکھیں اور استحضار کی کوشش کرتے رہیں۔

ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں بعض حضرات نے سوال کیا کہ جہراً کیا کرتے تھے یا سراً؟ انہوں نے فرمایا کہ کبھی جہراً کبھی سراً، دونوں طرح تلاوت فرماتے تھے۔

آواز سے تلاوت کی شرائط:

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے تلاوت کرے، البتہ آواز سے تلاوت کرنے میں چند شرائط سب کے نزدیک ضروری ہیں، اول یہ کہ اس میں نام ونمود اور ریاء کا اندیشہ نہ ہو، دوسرے اس کی آواز سے دوسرے لوگوں کا حرج یا تکلیف نہ ہو، کسی دوسرے شخص کی نماز وتلاوت یا کام میں یا آرام میں خلل انداز نہ ہو، اور جہاں نام ونمود اور ریاء کا یا دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل کا اندیشہ ہو تو سب کے نزدیک آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے۔

اور جو حکم تلاوت قرآن کا ہے وہی دوسرے اذکار وتسبیح کا ہے کہ آہستہ اور بلند آواز سے دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ آواز اتنی بلند نہ ہو جو خشوع وخضوع اور ادب کے خلاف ہو نیز اس کی آواز سے دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل نہ آتا ہو۔

جہر افضل ہے یا سرّ:

اس کا فیصلہ کہ سراً یا جہراً میں سے افضل کیا ہے، اشخاص اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض لوگوں کے لئے جہر بہتر ہوتا ہے بعض کے لئے آہستہ، نیز بعض اوقات جہر بہتر ہوتا ہے بعض وقت سر۔

(تفسیر مظہری وروح البیان وغیرہ) (معارف مفتی اعظمؒ)

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ
صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت
الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا
رہ بے خبر بے شک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ
وہ تکبر نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو
وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ (سجدہ)
اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

کسی وقت غافل نہ رہو:

یعنی رات دن خصوصاً صبح وشام کے اوقات میں اس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہمہ وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس کے ذکر وعبادت وسجود سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

سجدہ کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا (سجدہ کی حالت میں) زیادہ دعا کیا کرو۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا الگ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور اس کے لئے جنت ہوگئی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ سے انکار کر دیا۔ میرے لئے دوزخ ہوگئی۔ رواہ مسلم۔

حضرت ربیعہ بن کعب کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ رہتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضوء کا پانی اور دوسری ضروریات کی چیزیں فراہم کر دیتا تھا (ایک روز) حضورؐ نے مجھ سے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے) میں نے عرض کیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت جنت میں چاہتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ کچھ سوال کرو، میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے۔ فرمایا تو سجود کی کثرت سے اپنے لئے میری مدد کرو (یعنی سجود کی کثرت کرو تا کہ جنت میں میں تم کو اپنے ساتھ رکھ سکوں) رواہ مسلم (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں جنت میں جا سکوں، حضرت ثوبانؓ خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا، پھر بھی خاموش رہے، جب تیسری مرتبہ سوال کو دہرایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ کثرت سے سجدے کیا کرو کیونکہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیتے ہیں، یہ شخص کہتے ہیں کہ حضرت ثوبانؓ کے بعد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملا تو ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

یاد رہے کہ تنہا سجدہ کی کوئی عبادت معروف نہیں، اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک کثرت سجود سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے نوافل پڑھا کریں، جتنی نفلیں زیادہ ہونگی سجدے زیادہ ہونگے۔ (معارف مفتی اعظم)

الحمد للہ دوسری جلد ختم ہوئی